هٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق

فمن ابصر فلنفسه ومن عمی فعلیها

البلاغ المبین

در مبحث خلافت

وما علینا الا البلاغ

حصہ دوم

تالیف

خان صاحب آغا محمد سلطان مرزا ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی
ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج (ریٹائرڈ)

ناشر
امامیہ کتب خانہ
مغل حویلی حلقہ ۷، اندرون موچی دروازہ۔ لاہور ۸

وَجَاءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ

حصہ دوم

البلاغ المبین

در اثبات

خلافت بلا فصل امیر المومنین

جس میں جناب رسولِ خدا کے قائم کردہ نظام کو درہم برہم کرنے کے لئے جو انقلاب مخالفین علی ابن ابی طالب نے پیدا کیا تھا اس انقلاب کے مختلف منازل اور اس کے کارکنان کے مقصد سیاست کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جن حالات و واقعات نے اس انقلاب کو مدد دی اور جو تدابیر اس کو کامیاب بنانے کے لئے اس کے مدبران نے اختیار کیں وہ نہایت شرح و بسط سے درج ہیں کس طرح حکومت سقیفہ نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے نبوت کا تجزیہ احکام رسول کی تقسیم اور اسلام کی ترمیم و تنسیخ کر کے شارع علیہ السلام کو بالکل اسلام سے علیحدہ کر دیا اور خود اسلام پر بھی قبضہ کر لیا بہت اچھی طرح نمایاں کیا گیا ہے کارروائی سقیفہ کے مضر نتائج و عواقب اور حکومت سقیفہ کی لغزشیں ایک ایک کر کے بیان کی گئی ہیں

تالیف

(خانصاحب) آغا محمد سلطان مرزا دہلوی ایم اے ایل ایل بی

ڈسٹرکٹ و سشن جج پنجاب (ریٹائرڈ)

سابق صدر شیعہ مجلس اوقاف دہلی۔ سابق پریذیڈنٹ انجمن شیعۃ الصفا پراونشل شیعہ کانفرنس سابق ممبر او کورٹ اور یونیورسٹی آف دہلی اسپیشل مجسٹریٹ درجہ اول مع اختیارات دفعہ ۳۰ ضابطہ فوجداری سابق آنریری سکرٹری پراونشل سول سروس ایسوسی ایشن جوڈیشل برانچ وغیرہ وغیرہ

ناشران

امامیہ کتب خانہ

مغل حویلی اندرون موچی دروازہ لاہور

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا

يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ

بار چہارم

تعداد ۵۰۰

نوٹس: یہ کتاب محض شیعہ حضرات کے لئے شیعہ عقائد کے بموجب لکھی گئی ہے۔ دیگر فرق اسلامیہ اس کو نہ دیکھیں اور نہ خریدیں۔

اطلاع ضروری

تا منفعل زر بخش بے جانہ سازمت   می آرم اعتراف گناہ نبودہ را

یہ کتاب "البلاغ المبین حصہ دوم" در اثبات عقائد مذہب شیعہ اثنا عشری لکھی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ خلافت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالنص تھی نہ کہ بالاختیار لہٰذا عام اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ فرق اسلام جو خلافت بالاختیار کے قائل ہیں اور ارکان خلافت کی مؤمنانہ نکتہ چینی گوارا نہیں کرتے، اگر اس کتاب کو ملاحظہ کرتے ہیں تو ان امور کو مدنظر رکھ لیں۔ اس کتاب کی رجسٹری حسب ضابطہ و قانون کرادی گئی ہے

اور

التماس

یہ کتاب والد صاحب کے انتقال کے بعد پہلی دفعہ پاکستان میں چھپ رہی ہے۔ مرحوم نے جو دین حقہ کی خدمت بذریعہ قلم کی ہے اس سے مومنین بخوبی واقف ہیں۔ جملہ مومنین کی خدمت میں التماس ہے کہ اس کتاب کو شروع کرنے سے پہلے ایک سورہ فاتحہ کا ثواب مرحوم کی روح کو بخش دیں یہ مجھ پر احسان ہوگا۔

احقر
آغا ذوالفقار علی (خلف مؤلف)

اِنتساب

خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری مسافت کی منزلیں طے ہو رہی ہیں۔ میں اپنی اس ناچیز تالیف کو اپنے والد آغا محمد سجاد مرزا صاحب مرحوم کی طرف منسوب کرتا ہوں۔ اب وہ ایسی جگہ ہیں کہ میں ان سے انتساب کی اجازت تو نہیں لے سکتا۔ لیکن اس امر کا یقین کرتے ہوئے کہ اُن کی روح میری اس محنت سے بہت خوش ہو گی۔ میں نہایت خوشی و فخر کے ساتھ اس اِنتساب کی جرأت کرتا ہوں۔

محمد سلطان مرزا

۲۷ فروری ۱۹۵۳ء

مطابق

۱۳ جمادی الثانی ۱۳۷۲ھ ہجری۔ بروز جمعہ کراچی

فہرست مضامین

"کتاب البلاغ المبین" حصہ دوم

نصیبا فیها ابدًا افقوموا الیه
فبایعوه فقام الحباب بن المنذر الی
سیفه فاخذه فبادروا الیه فاخذوا
سیفه منه فجعل یضرب بثوبه
وجوههم حتّٰی فرغوا من البیعة
فقال فعلتموها یا معشر الانصار
اما واللّٰه لکانی بابنائکم علی ابواب
ابناءهم قد وقفوا یسالونهم باکفهم
ولا یسقون الماء قال ابوبکر امنا تخاف
یاحباب قال لیس منك اخاف ولکن
ممن یجئ بعدك قال ابوبکر فاذا
کان ذلك کذلك فالامر الیك والی
اصحابك لیس لنا علیکم طاعة قال
الحباب هیهات یا ابابکر اذا
ذهبت انا وانت جاءنا بعدك
من یسومنا الضیم۔

میں سے کبھی حصہ نہیں ملیگا۔ لہٰذا چلو کھڑے ہو اور
ابوبکر سے بیعت کر لو۔ پس اس پر حباب ابن المنذر کھڑا
ہوا اور اپنی تلوار کو پکڑ لیا۔ لوگ اس کی طرف دوڑے اور
اس کی تلوار چھین لی۔ وہ اپنی چادر لوگوں کے منہ پر
مارتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ بیعت سے فارغ ہو گئے
پھر حباب ابن المنذر نے کہا کہ اے گروہ انصار گویا
میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری اولاد مہاجرین کی اولاد کے
دروازوں پر کھڑی ہوئی بھیک مانگ رہی ہے اور پانی
بھی نہیں پیتے حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے حباب کیا یہ ڈر
تم کو ہم سے ہے حباب نے کہا تم سے یہ ڈر نہیں ہے بلکہ
ان سے ہے جو تمہارے بعد آئیں گے ابوبکر نے جواب
دیا کہ اگر ایسا ہو گا تو پھر تم اور تمہارے اصحاب کو اختیار ہو
گا جو چاہے کرو۔ ہماری اطاعت تمہارے اوپر
نہیں رہے گی حباب نے کہا کہ افسوس ہے کہ اے ابوبکر
جب میں اور تم مر جائیں گے تو پھر وہ لوگ آئیں گے
جو ہمارے اوپر بلاؤں کو اپنے ساتھ لائیں گے۔

تخلّف سعد بن عبادة عن البیعة

فقال سعد بن عبادة اما واللّٰه لو
ان لی ما اقدر به علی النهوض
لسمعتم منّی فی اقطارها زئیرا
یخرجك انت واصحابك ولا
لحقتك بقوم کنت فیهم تابعًا
غیر متبوع خاملا غیر عزیز
فبایعه النّاس جمیعًا حتّٰی کادوا
یطاؤن سعدا فقال سعد قتلتمونی
فقیل اقتلوه قتله اللّٰه فقال سعد

سعد ابن عبادہ کا بیعت ابوبکر سے تخلف کرنا

سعد ابن عبادہ نے کہا کہ اے ابوبکر قسم بخدا اگر مجھ
میں چلنے کی طاقت ہوتی تو تو اطراف عالم میں میری
ایسی آواز سنتا جو تجھ کو اور تیرے اصحاب کو یہاں سے
نکال دیتی اور تو اپنے انہی لوگوں میں جا ملتا جو
ہمیشہ خادم اور مطیع رہے نہ کہ مخدوم و مطاع جو
ہمیشہ گمنام رہے ہیں نہ کہ صاحب عزت لیکن
حضرت ابوبکر سے سب لوگوں نے بیعت کر لی یہاں تک کہ قریب
تھا کہ سعد بن عبادہ پیروں میں کچلا جاتا سعد نے کہا کہ تم نے تو
مجھ کو مار ڈالا کہا گیا کہ اسکو قتل کر دو سعد کو خدا قتل کرے

تخلف سعد ابن عبادہ

احملونی من هذا المکان فحملوه
فادخلوه داره وترک ایّامًا ثم بعث
الیه ابوبکر رضی الله عنه ان اقبل
فبایع فقد بایع الناس وبایع قومک
فقال اما والله حتی ارمیکم بکل سهم
فی کنانتی من نبلی واخضب منکم
سنانی ورمحی واضربکم بسیفی
ما ملکته یدی واقاتلکم بمن معی
من اهلی وعشیرتی ولا والله لو
انّ الجنّ اجتمعت لکم مع الانس
ما بایعتکم حتّی اعرض علی ربی
واعلم حسابی فلما اُتی بذلک ابوبکر
من قوله قال عمر لا تدعه حتّی
یبایعک فقال لهم قیس (بشیر)
ابن سعد انه قد ابی ولجّ ولیس
یبایعک حتّی یقتل ولیس بمقتول
حتّی یقتل معه ولده واهل بیته
وعشیرته ولن تقتلوهم حتّی تقتل
الخزرج ولن تقتل الخزرج حتّی
تقتل الاوس فلا تفسدوا علی
انفسکم امرا قد استقام لکم
فاترکوه فلیس ترکه بضارکم
انما هو رجل واحد فاترکوه و
قبلوا مشورة بشیر بن سعد وا
ستنصحوه لما بدا لهم منه فکان
سعد لا یصلی بصلاتهم ولا یجمع
بجمعتهم ولا یفیض بافاضتهم

اس پر سعد نے کہا کہ مجھے اس جگہ سے اٹھا کر
لے چلو چنانچہ اسکو اسکے اپنے گھر لے گئے پھر
ابوبکر نے اسکے پاس کہلا بھیجا کہ اب آن کر تم
بھی بیعت کر لو۔ تمہاری قوم نے بیعت کر لی ہے
اس نے جواب میں کہلا بھجوایا کہ میں تم کو اپنے
ترکش کے تمام تیروں سے مارونگا اور اپنی
سنان کو تمہارے خون سے رنگین کرونگا اور اپنے
خاندان وقبیلے کے لوگوں کے ساتھ ملکر تم سے جنگ
کرونگا اور قسم بخدا اگر تمام لوگوں کے ساتھ جن بھی
مل جائیں تو میں تم سے بیعت نہ کرونگا یہانتک کہ
میں اپنے خدا سے ملاقات کروں اور اپنا حساب
دوں جب یہ پیغام ابوبکر کو ملا تو عمر نے کہا کہ اسکو نہ
چھوڑو جب تک یہ تم سے بیعت نہ کر لے اس پر
قیس (بشیر) ابن سعد نے حضرت ابوبکر سے کہا
کہ اب اس نے تم سے انکار کر دیا ہے وہ ہرگز تمہاری
بیعت نہیں کرے گا یہانتک کہ قتل ہو جائے اور
وہ نہیں قتل ہوگا جب تک اسکے ساتھ اس کی
اولاد واہل بیت وقرابتدار قتل نہ ہو جائیں
اور تم ان لوگوں کو قتل نہ کر سکو گے جب تک
قبیلہ خزرج کو قتل نہ کر دو۔ اور خزرج قتل نہ
ہوں گے جبتک تمام قبیلہ اوس کے لوگ قتل
نہ ہو جائیں پس تم اس امر میں فساد نہ پیدا کرو جو
تمہارے لئے درست ہو گیا ہے اسکو تم چھوڑ دو
اس کو چھوڑنا تم کو نقصان نہیں پہنچائیگا وہ صرف
ایک اکیلا آدمی ہے پس انہوں نے اسکو چھوڑ
دیا۔ اور بشیر بن سعد کا مشورہ قبول کر لیا اور وہ
بشیر بن سعد سے اس بات میں صلاح لیتے تھے جو سعد کے

ولو یجد علیھم اعوانا لصال بھم
ولو بایعہ احد علی قتالھم
لقاتلھم فلم یزل کذلک حتی
توفی ابوبکر رحمہ اللہ تعالی
وولی عمر بن الخطاب فخرج
الی الشام فمات بھا ولم یبایع
لاحد رحمہ اللہ تعالی وان
بنی ھاشم اجتمعت عند بیعۃ
الانصار الی علی ابن ابی طالب
ومعھم الزبیر بن العوام رضی
اللہ عنہ وکانت امہ صفیۃ
بنت عبد المطلب وانما کان
یعد نفسہ من بنی ھاشم و
کان علی کرم اللہ وجہہ یقول
مازال الزبیر منا حتی نشا بنوہ
فصرفوہ عنا واجتمعت بنو امیۃ
الی عثمان واجتمعت بنو زھرۃ
الی سعد و عبد الرحمن بن عوف
فکانوا فی المسجد الشریف
مجتمعین فلما اقبل علیھم
ابوبکر وابو عبیدۃ وقد
بایع الناس ابا بکر قال لھم
عمر مالی اراکم مجتمعین حلقا
شتی قوموا فبایعوا ابا بکر فقد بایعتہ
وبایعہ الانصار فقام عثمان بن
عفان ومن معہ من بنی امیۃ
فبایعوہ وقام سعد وعبد

متفق ہوتی تھی۔ سعد ابن عبادہ نے کبھی انکے
ساتھ نماز نہیں پڑھی اور نہ انکے مجمع میں شامل
ہوا اور اگر اسے ناصر و مددگار مل جاتے تو وہ ضرور
ان لوگوں سے جنگ کرتا اور ایک آدمی بھی اس
کی بیعت ان لوگوں سے جنگ کرنے پر کر لیتا۔ تو
وہ ضرور جنگ کرتا۔ یہ حالت اسی طرح رہی جب
تک کہ ابوبکر نے انتقال کیا اور حضرت عمر نے حکومت
سنبھالی اسوقت سعد ابن عبادہ شام کی طرف چلے
گئے اور وہیں مر گئے اور کسی سے انہوں نے بیعت
نہیں کی اور یہ تحقیق کہ بنو ہاشم حضرت علی کے پاس
جمع ہو گئے اور ان میں زبیر بن العوام بھی تھے انکی
والدہ صفیہ بنت عبد المطلب تھیں اس وجہ سے
وہ اپنے تئیں بنو ہاشم میں شمار کیا کرتے تھے اور
حضرت علی کہا کرتے تھے کہ زبیر ہمیشہ ہم میں سے
تھے یہاں تک کہ انکے لڑکے جوان ہوئے اور جب
وہ جوان ہو گئے تو انہوں نے زبیر کو ہم سے منحرف
کرا دیا۔ بنو امیہ عثمان کی طرف جمع ہو گئے اور بنو زہرہ
سعد و عبد الرحمٰن بن عوف کی طرف جمع ہو گئے اور
یہ سب لوگ مسجد میں جمع ہوئے ابوبکر اور ابو
عبیدۃ بن الجراح ان کے پاس آئے جب کہ
ابوبکر کی بیعت ہو چکی تھی تو عمر نے ان سے کہا
کہ میں تم کو یہاں کیوں جمع دیکھتا ہوں۔ اٹھو
اور ابوبکر کی بیعت کرو۔ میں نے اور انصار
نے اس کی بیعت کر لی ہے اور اس پر عثمان
بن عفان اور تمام بنو امیہ نے حضرت ابوبکر
کی بیعت کر لی اور پھر سعد و عبد الرحمٰن اور ان
کے ساتھی اٹھے اور انہوں نے بھی بیعت کر لی۔

الرحمن بن عوف ومن معهما من
بني زهرة فبايعوا واما علي و
العباس بن عبد المطلب ومن
معهما من بني هاشم فانصرفوا
الی رحالهم ومعهم الزبير بن
العوام فذهب اليهم عمر في
عصابة فيهم اسيد بن حضير
وسلمة بن اسلم فقالوا انطلقوا
فبايعوا ابابكر فابوا فخرج الزبير
بن العوام رضي الله عنه بالسيف
فقال عمر رضي الله عنه عليكم
بالرجل فخذوه فوثب عليه سلمة
بن اشيم فاخذ السيف من يده
فضرب به الجدار وانطلقوا
به فبايع وذهب بنو هاشم
ايضا فبايعوا۔

اباية علي كرم الله وجهه بيعة ابي بكر رضي الله عنه

ثم ان عليا كرم الله وجهه اتي به
الی ابي بكر وهو يقول انا عبد الله
واخو رسول الله فقيل له بايع ابا
بكر فقال انا احق بهذا الامر منكم
لا ابايعكم وانتم اولی بالبيعة
لي اخذتم هذا الامر من الانصار
واحتججتم عليهم بالقرابة من
النبي صلی الله عليه وسلم و
تاخذونه منا اهل البيت غصبا

لیکن حضرت علی و حضرت عباس اور جو بنو ہاشم
ان کے ساتھ تھے وہ بغیر بیعت کئے اپنے اپنے
گھروں کو چلے گئے اور ان کے ساتھ زبیر
بن العوام بھی چلے گئے پس ان کی طرف حضرت
عمر معہ ایک جماعت کے جن میں اسید بن
حضیر و سلمہ بن اسلم تھے گئے اور کہا کہ چلو
ابوبکر کی بیعت کرو انہوں نے انکار کیا۔
زبیر بن العوام تلوار لے کر نکلے۔ حضرت عمر
گھبرا کر لوگوں سے کہنے لگے کہ اس آدمی
کو پکڑ لو۔ پس ان لوگوں نے اس کو پکڑ
لیا۔ سلمہ بن اشیم نے اچھل کر تلوار چھین
لی اور زبیر کو دیوار سے دے مارا
اور اس کو پکڑ کر لے گئے اس حالت
میں اس نے بیعت کر لی اور اسی
طرح بنو ہاشم نے بھی بیعت کر
لی۔

حضرت علی کا بیعت ابوبکر سے انکار کرنا

پھر حضرت علی کو پکڑ کر ابوبکر کے پاس لائے۔
حضرت علی کہتے جاتے تھے کہ میں خدا کا مطیع
بندہ اور رسول کا بھائی ہوں ان سے کہا گیا
کہ ابوبکر کی بیعت کرو انہوں نے جواب دیا
کہ بیعت کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں میں تم
سے ہرگز بیعت نہ کروں گا۔ تم کو چاہیے کہ مجھ
سے بیعت کرو۔ تم نے انصار سے یہ امر خلافت
اس دلیل کے ساتھ لیا ہے کہ تم کو رسول خدا
سے قرابت ہے جو ان کو حاصل نہیں تھی اور

الستم زعمتم للانصار انکم اولی بھذا
الامر منھم لما کان محمد منکم فاعطو
کم المقادة وسلموا الیکم الامارة فانا
احتج علیکم بمثل ما احتججتم علی
الانصار نحن اولی برسول اللہ حیا
ومیتا فانصفونا ان کنتم تؤمنون
والا فبوؤا بالظلم وانتم تعلمون
فقال لہ عمر انک لست متروکا حتی
تبایع فقال لہ علی احلب حلبا لک شطرہ
وشد لہ الیوم یردده علیک غدا ثم قال
واللہ یا عمر لا اقبل قولک ولا ابایعہ فقال
لہ ابوبکر فان لم تبایع فلا اکرھک
فقال ابوعبیدة بن الجراح رضی اللہ
عنہ یا ابن عم انک حدیث السن
وھؤلاء مشیخة قومک لیس لک
مثل تجربتھم ومعرفتھم بالا
مور ولا اری ابابکر الا اقوی
علی ھذا الامر منک واشد احتمالا
واستطلاعا فسلم لابی بکر ھذا
الامر فان تعش ویطل بک بقاء
فانت بھذا الامر خلیق وحقیق فی
فضلک ودینک وعلمک وفھمک
وسابقتک ونسبک وصھرک
فقال علی کرم اللہ وجہہ اللہ
اللہ یا معشر المھاجرین لا
تخرجوا سلطان محمد فی العرب
من دارہ وقعر بیتہ الی دورکم

اب ہم اہل بیت سے یہ امر خلافت تم غصب کئے
لیتے ہو کیا تم نے انصار سے یہ بحث نہیں کی
کہ تم اس امر خلافت کے انکی نسبت زیادہ
مستحق ہو کیونکہ محمد تم میں سے تھے اس دلیل کو
مان کر انہوں نے یہ امر تمہارے سپرد کر دیا اور
حکومت تم کو دیدی۔ اب میں تم پر وہی حجت قائم کرتا ہوں
جو تم نے انصار پر حجت قائم کی تھی ہم رسول خدا کے بھی
حیات و ممات میں ولی و وارث ہیں پس اگر تم محمد اسلام
پر ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو ورنہ
تم پر ظلم جان بوجھ کر لیتے ہو۔ عمر نے کہا کہ ہم تم کو نہیں
چھوڑیں گے جبتک تم بیعت نہ کر لو گے حضرت علی نے
جواب دیا کہ دودھ دوہ تو حاصل کر لے جسمیں تیرا بھی حصہ ہے
ایسا ابوبکر کیلئے تو شدت کرتا ہے تاکہ کل وہ اسکو تیری
طرف واپس کر دے پھر آپ نے فرمایا اے عمر قسم
بخدا میں تیرا قول قبول نہیں کرونگا اور ابوبکر کی
بیعت نہیں کرونگا۔ ابوبکر نے کہا کہ اگر تم میری بیعت
نہیں کرتے تو میں تم کو مجبور نہیں کرتا۔ ابو عبیدہ بن الجراح
نے حضرت علی سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے ابن عم تم عمر
میں چھوٹے ہو اور یہ لوگ تمہاری قوم میں بڑے ہیں تمہارا
تجربہ ان امور کا انکے برابر نہیں ہے اور امور سیاسی کی
واقفیت جو انکو ہے وہ تم کو نہیں ہے اور میں ابوبکر کو
اس امر کے لئے تم سے قوی تر پاتا ہوں لہذا تم کو چاہیئے
کہ تم انکی بیعت کر لو اور اگر تمہاری زندگی باقی رہی
تو پھر یہ تمہارے لئے ہے کیونکہ تم اس امر خلافت
کیلئے موزوں ہو اور یہ تمہارا حق ہے بسبب تمہارے
فضل و قوت دینی اور تمہارے علم و فہم کے اور بہ
سبب سبقت اسلامی اور دامادی رسول کے اس پر

حضرت عمر [illegible]

حضرت علی کا انکار

ابو عبیدہ بن الجراح کی [illegible]

وتعورہ بیوتکم وتدافعون اھله
عن مقامه فی الناس وحقه فوالله
یا معشر المهاجرین لنحن احقّ
الناس به لانا اهل البیت ونحن
احق بهذا الامر منکم ما کان فینا
القاری لکتاب الله الفقیه فی دین
الله العالم بسنن رسول الله المتطلع
لامر الرعیة الدافع عنهم الامور
السیئة القاسم بینهم بالسویة
والله انه لفینا فلا تتبعوا الهوی
فتضلوا عن سبیل الله فتزدادوا
من الحق بعدا وقال بشیر بن
سعد الانصاری لوکان هذا الکلام
سمعته الانصار منك یا علی قبل
بیعتها لابی بکر ما اختلفت علیك
قال وخرج علی کرم الله وجهه یحمل
فاطمه بنت رسول الله صلی الله
علیه وسلم علی دابة لیلا فی
مجالس الانصار تسئلهم
النصرة فکانوا یقولون یا
بنت رسول الله قد مضت
بیعتنا لهذا الرجل ولو انّ
زوجك وابن عمك سبق الینا
قبل ابی بکر ما عدلنا به فیقول
علی کرم الله وجهه افکنت ادع
رسول الله صلی الله علیه وسلم
فی بیته لم ادفنه واخرج

حضرت علی نے کہا کہ اے گروہ مہاجرین محمد صلعم
کی ریاست وسرداری وحکومت کو ان کے گھر سے
نکال کر اپنے گھروں میں نہ لے جاؤ اور آنحضرتؐ
کے اہل بیت کو ان کے مقام عزت سے نہ ہٹاؤ
قسم بخدا اے گروہ مہاجرین ہم تم سب سے امر
خلافت کے زیادہ مستحق اور حق دار ہیں کیونکہ ہم
اہل بیت رسول ہیں اگر کوئی قاری قرآن وفقیہ دین
خدا، عالم سنن رسول، وصاحب اطلاع امور
رعایا، عادل، منصف، رعایا سے ان کی تکالیف
کا دور کرنے والا ہے تو ہم ہیں۔ پس تم اپنی
خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ گمراہ ہو
جاؤ گے اور حق سے بعید ہو جاؤ گے۔ بشیر
بن سعد انصاری نے کہا کہ یا علی۔ اگر انصار
تم سے یہ کلام ابوبکر سے بیعت کرنے سے
پہلے سنتے تو کبھی تمہاری مخالفت نہ کرتے،
راوی کہتا ہے کہ حضرت علی رات کو حضرت
فاطمہ کو سواری پہ بٹھا کر مجلس انصار میں لے
جاتے تھے اور طالب نصرت ہوتے تھے۔
اور وہ لوگ جواب دیتے تھے کہ اے دختر
رسول ہماری بیعت اب ابوبکر کے لئے ہو
گئی ہے اور اگر آپ کے شوہر وابن عم ابوبکر
سے پہلے ہمارے پاس آتے۔ تو ہم کبھی ان
سے انکار نہ کرتے۔ حضرت علی جواب دیتے
تھے کہ کیا میں جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم کو بے غسل وکفن ان کے گھر میں چھوڑ کر ان
کی حکومت وسرداری کے لئے لوگوں سے تنازعہ
کرتا پھرتا اور حضرت فاطمہ جواب دیتی تھیں کہ

انازع الناس سلطانه فقالت فاطمة ما
صنع ابو الحسن الا ما كان ينبغي له
ولقد صنعوا ما الله حسيبهم وطالبهم

كيف كانت بيعة علي ابن ابيطالب

قال وان ابا بكر رضي الله عنه
تفقد قوما تخلفوا عن بيعته
عند علي كرم الله وجهه فبعث
اليهم عمر فجاء فناداهم وهم
في دار علي فابوا ان يخرجوا فدعا
بالحطب وقال والذي نفس عمر
بيده لتخرجن او لاحرقنها على
من فيها فقيل له يا ابا حفص
ان فيها فاطمة فقال وان فخرجوا
فبايعوا الا عليا فانه زعم انه
قال حلفت ان لا اخرج ولا اضع
ثوبي على عاتقي حتى اجمع القرآن
فوقفت فاطمة رضي الله عنها
على بابها فقالت لا عهد لي بقوم
حضروا اسوء محضر منكم تركتم
رسول الله صلى الله عليه وسلم
جنازة بين ايدينا وقطعتم
امركم بينكم لم تستامرونا
ولم تردوا لنا حقا فاتى عمر
ابابكر فقال له الا تاخذ هذا
المتخلف عنك بالبيعة فقال
ابو بكر لقنفذ وهو مولى له اذهب

جو ابو الحسن نے کیا وہی ان کے لئے مناسب
تھا، اور ان لوگوں نے جو کیا اس کا حساب اللہ
تعالےٰ ان سے لیگا اور ہمارے حق کا طالب ہوگا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کس طرح بیعت کی

راوی کہتا ہے کہ ابو بکر نے ان لوگوں کو جنہوں نے
ان کی بیعت سے تخلف کیا تھا۔ تلاش کرنا
شروع کیا اور ان کو حضرت علی کے گھر دیکھا پس
ان کی طرف حضرت عمر کو بھیجا۔ حضرت عمر نے
حضرت علی کے گھر پر آواز دی۔ ان لوگوں نے
باہر آنے سے انکار کیا اس پر حضرت عمر نے (خدا ان
سے بہت خوش ہو) لکڑیاں جلانے والی منگائیں
اور کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں
میری جان ہے تم لوگ باہر نکل آؤ ورنہ میں اس
گھر کو آگ لگا دوں گا اور وہ لوگ جو اس میں ہیں
سب جل جائیں گے لوگوں نے حضرت عمر سے کہا کہ
اس گھر میں تو فاطمہ بنت رسول بھی ہیں حضرت عمر
نے جواب دیا کہ ہوا کریں مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے
اس پر وہ سب لوگ سوائے حضرت کے نکل آئے
اور بیعت کر لی حضرت علی نے کہا کہ میں نے قسم
کھائی ہے کہ جب تک قرآن کو جمع نہ کر لوں گا نہ
گھر سے باہر نکلوں گا اور نہ اپنے کندھے پر ردا
ڈالوں گا۔ حضرت فاطمہ اپنے بیت الشرف کے
دروازہ پر آن کر کھڑی ہو گئیں اور فرمایا کہ میں ایسی
قوم سے سروکار نہیں رکھتی جو اتنی بدی کرتی تھی
تم رسول خدا کے جنازہ کو ہمارے درمیان میں چھوڑ
کر چلے گئے اور اس امر کو خود ہی فیصلہ کر لیا اور ہم

حضرت عمر کا جناب فاطمہ کے گھر جلانے جانا

حضرت فاطمہ کی فریاد

نادع لی علیا قال فذهب الی علی
فقال ما حاجتك فقال يدعوك
خليفة رسول الله فقال علیؑ لسريع
ما كذبتم علی رسول الله فرجع
فابلغ الرسالة قال فبكی ابو بكر
طويلا فقال عمر الثانية لا تمهل
هذا المتخلف عنك بالبيعة
فقال ابوبكر رضی الله عنه
لقنفذ عد اليه فقل له امير
المومنين يدعوك لتبايع
فجاءه قنفذ فادی ما امر به
فرفع علی صوته فقال سبحان
الله لقد ادعی ما ليس له
فرجع قنفذ فابلغ الرسالة
فبكی ابوبكر طويلا ثم قام
عمر فمشی معه جماعة
اتوا باب فاطمه فدقوا الباب
فلما سمعت اصواتهم نادت
باعلی صوتها يا ابت يا رسول
الله ماذا لقينا بعدك من ابن
الخطاب و ابن ابی قحافه فلما
سمع القوم صوتها و بكائها
انصرفوا باكين وكادت قلوبهم
تنصدع واكبادهم تنفطر و
بقی عمر و معه قوم فاخرجوا
عليا فمضوا به الی ابی بكر
فقالوا له بايع فقال ان انالم

کو پوچھا تک نہیں اور ہمارے حق کو ہم سے چھین
لیا پس حضرت عمر واپس حضرت ابوبکر کے پاس آئے
اور ان سے کہا کہ تم اس متخلف سے اپنی بیعت کیوں
نہیں لیتے اس پر ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ کو حضرت
علی کے پاس بھیجا اور کہا کہ انہیں بلا لاؤ۔ قنفذ
حضرت علی کے پاس گیا حضرت علی نے کہا کہ تیری
کیا حاجت ہے اس نے کہا کہ آپ کو خلیفہ رسول
اللہ بلاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ کتنی جلد تم نے
رسول خدا پر بہتان باندھا ہے قنفذ واپس آیا
اور یہی جواب ابوبکر کو لا کر پہنچایا۔ ابوبکر دیر تک
روتے رہے۔ عمر نے پھر کہا کہ اس متخلف کو مت
چھوڑو پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قنفذ سے
کہا کہ جا کر کہو کہ امیر المومنین تمہیں بلاتے ہیں۔
کہ تم ان کی بیعت کرو۔ قنفذ آیا اور اسی طرح علی
سے پیغام ادا کیا۔ حضرت علی نے آواز بلند کر کے کہا
کہ سبحان اللہ وہ شخص اس چیز کا دعویٰ کرتا ہے جو
اس کی نہیں۔ قنفذ واپس آیا۔ اور یہی جواب ابوبکر
کو لا کر دیا۔ پس حضرت ابوبکر سن کر بہت دیر تک
روتے رہے پھر حضرت عمر کھڑے ہوئے اور ایک
جماعت کو لے کر حضرت فاطمہ کے دروازہ پر آئے
اور دق الباب کیا۔ جب حضرت فاطمہ نے ان کی
آواز سنی تو آواز بلند کر کے فریاد کی کہ اے والد
بزرگوار، اے رسول خدا ہم کو آپ کے بعد ابن
الخطاب و ابن ابی قحافہ سے کیا کیا مصیبتیں دیکھنی
نصیب ہوئی ہیں۔ جب اس جماعت نے حضرت
فاطمہ کی آواز سنی اور گریہ و زاری ملاحظہ کی تو وہ
روتے ہوئے واپس ہو گئے اور عنقریب تھا۔ کہ

انفعل فیہ قالوا اذا واللہ الذی لا الہ الّا ھو نضرب عنقک قال اذا تقتلون عبد اللہ و اخا رسولہ فقال عمر اما عبد اللہ فنعم واما اخو رسولہ فلا وابو بکر ساکت لا یتکلم فقال لہ عمر الا تامر فیہ بامرک فقال لا اکرہ علی شیئ ماکانت فاطمہ الی جنبہ فلحق علی بقبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصیح و یبکی وینادی یابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی فقال عمر لابی بکر رضی اللہ عنہما انطلق بنا الی فاطمۃ فانا قد اغضبناھا فانطلقا جمیعًا فاستاذنا علی فاطمۃ فلم تاذن لھما فاتیا علیًا فکلماہ فادخلھما علیھما فلما قعدا عندھا حولت وجھھا الی الحائط فسلما علیھا فلم ترد علیھما السلام فتکلم ابوبکر فقال یا حبیبۃ رسول اللہ واللہ ان قرابۃ رسول اللہ احب الی من قرابتی وانک لاحب الی من عائشۃ ابنتی

ان کے دل دہل جائیں اور جگر پھٹ جائیں صرف حضرت عمر ایک قلیل جماعت کے ساتھ باقی رہ گئے اور انہوں نے حضرت علی کو زبردستی حضرت فاطمہ کے گھر سے نکال لیا اور ان کو لے کر حضرت ابوبکر کے پاس گئے وہاں ان سے کہا کہ تم ابوبکر کی بیعت کرو آپ نے جواب دیا کہ میں ہرگز بیعت نہ کروں گا اس پر ان لوگوں نے کہا کہ قسم ہے اس خدا کی جس کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں ہے کہ ہم تمہاری گردن جدا کر دیں گے حضرت علی نے فرمایا کہ کیا تم عبد خدا اور برادر رسول کو قتل کر دو گے حضرت عمر نے کہا کہ عبد خدا تو ضرور ہو لیکن رسول کا بھائی ہونا تسلیم نہیں اور ابوبکر بالکل خاموش رہے کچھ نہ بولے اس پر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ تم کیوں ان کو بیعت کا حکم نہیں دیتے انہوں نے جواب دیا کہ جب تک فاطمہ اُن کے پہلو میں ہیں کچھ نہ کہونگا۔ وہاں سے حضرت علی قبر رسول پر آئے اور فریاد و نالہ بلند کیا اور رو رو کر فریاد کرنے لگے جس طرح حضرت ہارون نے کی تھی کہ اے بھائی قوم نے مجھے کمزور کر دیا اور قریب تھا کہ قتل کر دیتے۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ چلو فاطمہ کے پاس چلیں۔ ہم نے انکو غضبناک کر دیا ہے پس ان دونوں نے حضرت فاطمہ کے دروازہ پر آن کر اندر آنے کی اجازت طلب کی حضرت فاطمہ نے ان کو اجازت نہ دی تو وہ دونوں مشکلکشا کے پاس آئے پس حضرت علی انکو اندر لے گئے جب وہ دونوں حضرت فاطمہ کے پاس آن کر کھڑے ہوئے تو حضرت فاطمہ نے ان کی طرف سے منہ موڑ کر دیوار کی طرف رُخ کر لیا ان دونوں نے آپ پر سلام کیا لیکن حضرت

ولوددت يوم مات ابوك انى
مت ولا ابقى بعده افترانى
اعرفك واعرف فضلك وشرفك وامنعك حقك
وميراثك من رسول الله الا انى سمعت
اباك رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقول لا نورث ما
تركنا فهو صدقة فقالت
ارايتكما ان حدثتكما حديثا
عن رسول الله صلى الله عليه
وسلم تعرفانه وتفعلان
به قال نعم فقالت نشد
تكما الله الم تسمعا رسول الله
يقول رضا فاطمة من رضائى
وسخط فاطمة من سخطى
فمن احبّ فاطمة ابنتى
فقد احبّنى ومن ارضى فاطمة
فقد ارضانى ومن اسخط
فاطمة فقد اسخطنى قال
نعم سمعناه من رسول
الله صلى الله عليه وسلم قالت
فانى اشهد الله وملائكته
انكما اسخطتمانى وما
ارضيتمانى ولئن
لقيت النبى لاشكونكما
اليه فقال ابو بكر انا
عائذ بالله تعالى من سخطه
وسخطك يا فاطمة

فاطمہ نے جواب سلام نہیں دیا ابوبکر نے کہا اے
حبیبہ رسول خدا قسم بخدا مجھے رسول اللہ کے قرابتدار اپنے
قرابتدار دل سے زیادہ عزیز ہیں اور تحقیق کہ آپ
میرے نزدیک عائشہ سے زیادہ عزیز ہیں کاش میں
اس دن ہی مرجاتا جس دن کہ آپ کے والد بزرگوار
نے رحلت فرمائی اور ان کے بعد باقی نہ رہتا کیا آپکا
خیال ہے کہ آپ کے فضل و شرف سے واقف ہوتے ہوئے
میں نے آپ کو آپ کا حق اور آپ کی میراث نہیں دی
اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے والد بزرگوار
جناب رسول خدا سے سنا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ
ہم ورثہ نہیں چھوڑتے جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے حضرت
فاطمہ نے اس بحث کے دوبارہ کرنے کو بیفائدہ خیال
کرکے فرمایا کیا تم دونوں چاہتے ہو کہ تمہیں رسولخدا
کی ایسی حدیث سناؤں جسکو تم جانتے ہو انہوں نے
عرض کی ضرور آپ وہ حدیث سنائیں حضرت فاطمہ
نے کہا کہ میں تم کو قسم دے کر پوچھتی ہوں کیا تم نے
رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ فاطمہ کی
خوشنودی میری خوشنودی ہے اور فاطمہ کا غضب
میرا غضب ہے پس جس نے میری دختر فاطمہؑ سے محبت
کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے فاطمہ کو راضی
کیا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہ کو غضب
دلایا اور آزردہ کیا اس نے مجھے غضب دلایا اور
آزردہ کیا ان دونوں نے کہا کہ ہاں ہم نے یہ
حدیث جناب رسول خدا سے سنی ہے اس پر جناب
فاطمہؑ نے فرمایا کہ میں خدا اور اس کے ملائکہ کو گواہ کرکے
کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے آزردہ کیا اور غضب
دلایا اور تم نے مجھے راضی نہیں کیا اور جب میں رسول

حضرت فاطمہ نے جواب سلام نہ دیا اور ان کو معاف نہ کیا

حضرت ابوبکر حدیث لا نورث

حضرت فاطمہ ایک حدیث

ثم انتحب ابو بكر يبكي حتى كادت
نفسه ان تزهق وهي تقول
والله لادعون الله عليك في
كل صلوٰة اصليها ثم خرج
باكيا فاجتمع اليه الناس
فقال لهم يبيت كل رجل
منكم معانقا حليلته مسرورا
باهله وتركتموني وما انا فيه
لا حاجة لي في بيعتكم اقيلوني
بيعتي قالوا يا خليفة رسول
الله ان هذا الامر لا يستقيم
وانت اعلمنا بذلك انه ان
كان هذا لم يقم لله دين
فقال والله لولا ذلك وما اخافه
من رخاوة هذه العروة
ما بت ليلة ولي في عنق مسلم
بيعة بعد ما سمعت ورايت
من فاطمة قال فلم يبايع
علي كرم الله وجهه حتى ما
تت فاطمة رضي الله عنهما
ولم تمكث بعد ابيها الا خمسا و
سبعين ليلة

خدا سے ملاقات کروں گی تو تم دونوں کی شکایت کی
کروں گی حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں خدا سے پناہ مانگتا
ہوں اسکے غضب سے اور آپکے غضب سے اے فاطمہؑ
اور پھر حضرت ابوبکر بہت روئے یہاں تک کہ قریب
تھا کہ آپ کی جان جاتی رہے لیکن حضرت فاطمہ کہتی
جاتی تھیں کہ قسم بخدا ہر ایک نماز میں جو میں پڑھونگی
تیرے لئے بددعا کرونگی پھر جب حضرت ابوبکر باہر آئے
تو لوگ انکے پاس جمع ہو گئے ابوبکر نے ان سے کہا کہ تم سب اپنے بستروں
میں آرام کرتے ہو اور اپنی بیویوں کے گلے میں ہاتھ ڈال کر
سوتے ہو اور تم نے مجھ کو اس حالت میں چھوڑ دیا ہے کہ
جس میں میں ہوں مجھ کو تمہاری بیعت کی ضرورت نہیں ہے
میری بیعت کو تم اپنی گردنوں سے نکال دو ان لوگوں نے کہا
کہ اے خلیفہ رسول پھر یہ امر خلافت درست نہیں ہوگا
اور تم خود اس سے واقف ہو کہ اگر تم دستبردار ہو گئے
تو دین خدا قائم نہیں رہے گا۔ حضرت ابوبکر نے جواب
دیا کہ اگر ایسا نہ ہوتا اور میں اس رسّی کی کمزوری سے
آگاہ نہ ہوتا تو میں ایک رات بھی اپنی گردن میں ایک
مسلمان کی بھی بیعت لئے ہوئے نہ گذار سکتا بعد اسکے
کہ جو میں نے فاطمہ سے سُنا اور دیکھا۔ راوی کہتا ہے
کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کی وفات تک بیعت ابوبکر نہیں
کی اور جناب فاطمہ نے اپنے والد بزرگوار کے بعد
صرف پچھتر راتیں گذاریں۔

ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ۔ کتاب الامامت والسیاست الجزء الاول صفحہ ۱۲ لغایت ۱۴
متن کتاب الامامت والسیاست میں کاتب کی غلطی ہے بشیر ابن سعد کی جگہ قیس ابن سعد لکھا گیا ہے
سعد ابن عبادہ کے حسد کی وجہ سے جس نے حباب ابن المنذر کی مخالفت اور حضرت ابوبکر کی بیعت کی تھی
وہ بزرگوار بشیر ابن سعد تھے نہ کہ قیس ابن سعد یہ بات خود کتاب کی عبارت سے ظاہر ہوتی ہے ملاحظہ
ہو عبارت زیر عنوان تخلف سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ عن البیعۃ۔ پہلے تو یہ لکھا ہے کہ قیس بن سعد نے

مشورہ دیا کہ سعد بن عبادہ کو قتل نہ کرو۔ ورنہ فساد ہوگا۔ اس مشورہ کے بعد لکھا ہے وقبلوا مشورۃ بشیر بن سعد یعنی انہوں نے بشیر بن سعد کا مشورہ قبول کر لیا۔ تاریخ ابن خلدون و دیگر کتب تواریخ سے قطعاً ثابت ہے کہ اس کا نام بشیر بن سعد تھا نہ کہ قیس بن سعد، ملاحظہ ہو۔

ابن عساکر: تاریخ الکبیر حصہ تہذیب الجلد الثالث ترجمہ بشیر بن سعد بن ثعلبہ بن فلاس۔ صفحہ ۲۶۲۔

ملک المؤید عماد الدین ابو الفدا اپنی کتاب المختصر فی اخبار البشر میں سقیفہ کا حال اس طرح لکھتے ہیں

فبایع عمر ابا بکر رضی اللہ عنہما وانثال الناس علیہ یبایعونہ فی العشر الاوسط من ربیع الاول سنۃ احدی عشرۃ خلا جماعۃ من بنی ھاشم و الزبیر و عتبہ بن ابی لھب وخالد بن سعید بن العاص و المقداد بن عمرو وسلمان الفرسی وابی ذر وعمار بن یاسر والبراء بن عازب وابی کعب ومالوا مع علی بن ابی طالب وقال فی ذلک عتبہ بن ابی لھب .... اشعار ....

عمر نے ابو بکر کی بیعت کر لی اور پھر اور لوگوں نے بھی ان سے بیعت کی۔ انکی بیعت وسط ربیع الاول ۱۱ھ ہجری میں ہوئی۔ لیکن ان کی بیعت سے بنو ہاشم کی جماعت و زبیر و عتبہ بن ابی لہب، خالد بن سعید بن العاص و مقداد بن عمرو و سلمان فارسی و ابو ذر و عمار بن یاسر و براء بن عازب و ابی بن کعب نے انکار کیا اور ان لوگوں نے حضرت علی ابن ابی طالب کی طرف رجوع کیا اور عتبہ بن ابی لہب نے اس کے متعلق یہ اشعار کہے:۔

.... اشعار ....

وکذلک تخلف عن بیعۃ ابی بکر ابو سفیان من بنی اُمیہ ثم ان ابا بکر بعث عمر بن الخطّاب الی علی ومن معہ لیخرجھم من بیت فاطمۃ رضی اللہ عنہا وقال ان ابوا علیک فقاتلھم فاقبل عمر بشیئٍ من نار علی ان یضرم الدار فلقیتہ فاطمۃ رضی اللہ عنہا وقالت الی این یا ابن الخطاب اجئت لتحرق دارنا قال نعم او تدخلوا فیما دخل فیہ الامّۃ

اسی طرح ابو بکر کی بیعت سے ابو سفیان اموی نے تخلف کیا۔ پھر حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو حضرت علی کی طرف یہ حکم دے کر بھیجا۔ کہ علی کو اور انکے ساتھیوں کو خانۂ فاطمہ سے نکال دیں اور اگر وہ انکار کریں تو ان سے جنگ کریں پس حضرت عمر (خدا ان سے بہت خوش ہو) خانۂ فاطمہ کو جلانے کے لیئے آگ لے کر آئے۔ ان سے حضرت فاطمہؑ نے ملاقات کی اور کہا کہ اے خطاب کے بیٹے کیسے آئے ہو کیا تم ہمارا گھر جلانے کیلئے آئے ہو حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہاں تمہارا گھر جلاؤ نگا ورنہ تم سب ابھی ابو بکر کی بیعت کر لو جس طرح اور لوگوں نے کی ہے

حالات منقولہ از بخاری

تاریخ ابو الفداء:۔ الجزء الاول صفحہ ۱۵۶

اس بیعت کا حال صحیح بخاری سے بھی نقل کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

حدثنا اسمٰعیل بن عبد الله ثنی
سلیمان بن بلال عن هشام بن
عروة قال اخبرنی عروة بن الزبیر
عن عائشة زوج النبی صلی الله
علیه وسلم ان رسول الله صلی
الله علیه وسلم مات وابو بکر بالسنح
قال اسمٰعیل تعنی بالعالیة فقام عمر
یقول والله ما مات رسول الله صلی
الله علیه وسلم قالت وقال عمر
والله ما کان یقع فی نفسی الا ذاك
ولیبعثنه الله فلیقطعن ایدی
رجال وارجلهم فجاء ابو بکر فکشف
عن رسول الله صلی الله علیه وسلم
فقبله فقال بابی انت وامی طبت
حیا ومیتا والذی نفسی بیده
لا یذیقك الله الموتتین ابدا ثم
خرج فقال ایها الحالف علی رسلك
فلما تکلم ابو بکر جلس عمر فحمد
الله ابو بکر واثنی علیه وقال الا
من کان یعبد محمدًا فان محمدًا
صلی الله علیه وسلم قد مات و
من کان یعبد الله فان الله حی لا
یموت وقال اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ
مَّيِّتُوْنَ وَقَالَ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو ابو بکر محلہ سنح میں تھے
یعنی مدینہ کے دوسرے سرے پر اُچیان پر حضرت
عمر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ رسولِ خدا نے انتقال
نہیں فرمایا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ بعد میں حضرت عمر
کہا کرتے تھے کہ اس وقت میرے دل میں سوائے
اسکے اور خیال ہی نہیں گزرتا تھا کہ رسولِ خدا نے
انتقال نہیں فرمایا اور خداوند تعالےٰ انہیں دوبارہ
اٹھائیگا اور وہ ان لوگوں کے ہاتھ پیر کاٹیں گے پس
اتنے میں حضرت ابو بکر آگئے رسولِ خدا کے چہرے
سے کپڑا اٹھایا اور اُسے چوما اور کہا کہ میرے ماں باپ
آپ پر فدا ہوں۔ آپ حالتِ زندگی میں بھی پاک و
پاکیزہ تھے اور حالتِ موت میں بھی اور قسم ہے اس
ذات کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے خداوند
تعالیٰ آپکو دو موتوں کے مزے نہیں چکھائیگا پھر
حضرت ابو بکر باہر آئے اور عمر کی طرف مخاطب ہوکر
کہا کہ اے قسم کھانیوالے خاموش ہو جا اور بیٹھ جا۔
پس ابو بکر نے کلام کیا اور عمر بیٹھ گئے۔ ابو بکر نے بعد
حمد و ثنا باری تعالیٰ کہا کہ جو محمدؐ کی پرستش کرتا تھا
پس اسکو معلوم ہو کہ محمدؐ مرگئے اور جو خدا کی عبادت کرتا
تھا پس وہ خدا زندہ ہے کبھی نہیں مریگا۔ اور پھر کہا
کہ خدا نے فرمایا ہے (آیہ) تو بھی مرنے والا ہے
اور وہ بھی مرنے والے ہیں اور پھر یہ آیت پڑھی
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ... آخر آیت۔ پس لوگ رونے
لگے۔ راوی کہتا ہے کہ گروہِ انصار سقیفہ بنی ساعدہ

مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ
وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ
يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَّ سَيَجْزِى اللّٰهُ
الشّٰكِرِيْنَ - قَالَ فَنَشَجَ النَّاسُ
يَبْكُوْنَ قَالَ وَاجْتَمَعَتِ الْاَنْصَارُ
الى سعد بن عبادة فى سقيفه بنى
ساعدة فقالوا منّا اميرٌ ومنكم
امير فذهب اليهم ابوبكرؓ و
عمر بن الخطاب و ابو عبيدة
بن الجرّاح فذهب عمر يتكلم
فاسكته ابوبكر وكان عمر يقول
والله ما اردت بذالك الا انى قد
هيأت كلامًا قد اعجبنى خشيت
الّا يبلغه ابوبكر ثم تكلم ابوبكر
فتكلم ابلغ الناس فقال فى
كلامه نحن الامراء وانتم
الوزراء فقال حباب بن المنذر
لا والله لا نفعل منّا امير ومنكم
امير فقال ابوبكر ولكنّا الامراء
وانتم الوزراء هم اوسط العرب
دارًا واعربهم احسابًا فبايعوا
عمرًا وابا عبيدة بن الجرّاح
فقال عمر بل نبايعك انت
فانت سيدنا وخيرنا واحبّنا
الى رسول الله صلى الله عليه وسلم
فاخذ عمر بيده فبايعه و
بايعه النّاس فقال قائلهم

میں سعد ابن عبادہ کی امارت پر جمع ہوئے اور
آپس میں کہنے لگے کہ ایک امیر ہم میں سے اور
ایک امیر تم میں سے پس ان کی طرف ابوبکرؓ و
عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح گئے۔ وہاں جا کر
حضرت عمر نے بولنا چاہا مگر حضرت ابوبکر نے
ان کو خاموش کر دیا۔ بعد میں حضرت عمر کہا کرتے
تھے کہ میں نے بولنے کا ارادہ اس غرض سے کیا
تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
۔۔ کہ میں نے اپنے دل میں ایک کلام تیار کر رکھا
تھا۔ جو مجھ کو بہت پسند آیا تھا۔ پس میں ڈرا
کہ ابوبکر کا دماغ اس بات تک نہ پہنچا ہو۔ پھر ابوبکر
نے کلام کیا اور نہایت عمدہ کلام کیا۔ اپنی گفتگو
میں انہوں نے کہا کہ ہم امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر
ہو۔ حباب ابن المنذر نے کہا کہ ہم یہ نہیں کریں
گے بلکہ ایک امیر ہم میں سے ہو۔ اور ایک تم
میں سے ہو ابوبکر نے کہا کہ نہیں ہم امیر اور تم
وزیر ہو کیونکہ قریش گھر کے لحاظ سے سب
سے بہتر ہیں اور نیز حسب کے لحاظ سے سب
سے افضل ہیں پس تم کو چاہیئے کہ عمر یا ابو
عبیدہ بن الجراح سے بیعت کر لو۔ عمر نے
کہا کہ نہیں بلکہ ہم تمہاری بیعت کرتے
ہیں۔ کیونکہ تم ہمارے سردار ہو۔
ہم سب سے بہتر ہو۔ اور رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین شخص ہو۔ پس
عمر نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑا۔ اور بیعت کر لی۔
ایک کہنے والے نے کہا کہ تم نے تو سعد
بن عبادہ کو مار ڈالا۔ عمر نے کہا۔ کہ خدا اسے

قتلتم سعد ابن عبادۃ قال عمر قتلہ اللہ بار ۔ ے ۔

صحیح بخاری : کتاب الفضائل اصحاب النبی

صاحب حبیب السیر واقعات سقیفہ کے بعد لکھتے ہیں :۔

" روز دیگر بیعت عام بوقوع پیوستہ ۔ اما بمقتضائے ایں بیت ؎

ز مشرق تا بمغرب گر امام است

علی و آلِ اُو مارا تمام است

فرقہ اہلِ اسلام بآں مہم رضا ندادند و گفتند ما بہ ہیچ کس بیعت نمائم مگر بعلی ابن ابی طالب اکثر بنی ہاشم و سلمان فارسی و عمار بن یاسر و مقداد بن الاسود و خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین و ابوذر غفاری ابو ایوب انصاری و جابر بن عبداللہ و ابو سعید الخدری و بریدہ بن الحصیب الاسلمی ازاں جملہ بودند ...

...... گفتہ اند کہ در روز دوم از بیعت امیر المومنین ابوبکر مجمعے ساختہ شاہ مردان طلب داشت ، و بعد ازاں کہ آنجناب مجلس اصحاب را بنور حضور منور گردانید و از سبب طلب پرسید ۔ فاروق اعظم گفت ترا بداں جہت طلبیدیم تا با اہل اسلام در مبایعت و متابعت خلیفہ رسول خدا موافقت فرمائی ، امیر المومنین فرمود کہ شما توسل بخویشی رسول قرشی جستہ و انصار را تسکین دادہ با ابوبکر بیعت کردید و من اکنوں بہماں وسیلہ طلب حق خود مے نمائم ۔ ملاحظہ کنید کہ بحضرت رسالت اقرب کیست و از حق سبحانہٗ تعالٰے بترسید و از جادۂ انصاف در مگذرید ، امیر المومنین عمر گفت ترا رہا نکنیم تا بیعت نکنی جناب ولایت مآب جواب داد کہ من ازیں سخن نمی اندیشم و تا رمقی از حیات بود طالب حق خود باشم ، القصہ دراں روز میان شاہ مردان و اصحاب پیغمبر آخر الزمان دریں باب گفت و شنید فراوانی واقع شدہ بالآخر شاہ ولایت بے ازانکہ با صدیق اکبر بیعت نماید مراجعت فرمود ۔ و عقیدۂ مردم شیعہ مذہب آن ست کہ آنجناب ہرگز با امیر المومنین ابی بکر بلکہ با ہیچ یک از خلفاء ثلاثہ بیعت نہ نمود ۔ اما بعضے از اہل سنت و جماعت گویند کہ بعد از چہل روز بعد از فوت خیر الانام صلی اللہ علیہ و آلہ العظام و صحبہ الکرام با خلیفہ اول بیعت کرد و فرقہ را اعتقاد آنکہ تا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا در حیات بود بیعت نہ فرمود "

حبیب السیر :۔ جلد اول جزو چہارم صفحہ ۲ ۔

دیگر کتب تواریخ میں بھی یہ واقعات کم و بیش اسی طرح درج ہیں ۔ ملاحظہ ہو ۔

ابن عساکر :۔ تاریخ الکبیر حصہ تہذیب الجلد الثالث ۔ ترجمہ بشیر بن سعد صفحہ ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری ۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث صفحہ ۱۹۹ لغایت ۲۰۲ و ۲۰۷ لغایت ۲۱۳

اسماعیل بن عمر بن کثیر الشامی :۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الخامس صفحہ ۲۴۶

حسین دیار بکری :۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی صفحہ ۱۸۵ و ۱۸۶

ابن الاثیر :۔ تاریخ الکامل

تاریخ الخمیس اور تاریخ ابن خلدون کے حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔

یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں بشیر ابن سعد انصاری کے علاوہ زید ابن ثابت انصاری نے بھی اپنے انصار بھائیوں سے مخالفت کر کے حضرت عمر و حضرت ابو بکر کی طرف داری کی۔ ملاحظہ ہو۔

ریاض النضرہ :۔ محب الدین طبری۔ الجزء الاول صفحہ ۱۶۶

علاوہ دیگر انعامات و اکرام کے جو اُن کو اس کے صلہ میں ملے ایک یہ بھی انعام تھا کہ وہ حکومت کے مقربین میں سے ہو گئے۔ یہانتک کہ قرآن شریف کے جمع کرنے کا کام اس ہی نوجوان کے ذمہ لگا یا گیا۔ حالانکہ تین چوتھائی کے قریب قرآن شریف ان کے سن بلوغ سے پہلے نازل ہو چکا تھا۔ اور وہ لوگ موجود تھے جو شروع تنزیل سے قرآن شریف کو آیت بہ آیت لکھ رہے تھے۔

ان واقعات پر ہم ابھی تبصرہ کرتے ہیں لیکن اس سے پہلے ہم یہ بھی معلوم کر لیں کہ خود کارکنان سقیفہ اس تمام کارروائی کو کیسا سمجھتے تھے اور یہ ہم ان کی اپنی زبانی بتاتے ہیں۔ حضرت عمر کو ڈر ہوا کہ کہیں سقیفہ بنی ساعدہ کی نظیر قائم کر کے لوگ اس شخص کی بیعت نہ کر لیں۔ جس کو خلافت سے محروم کرنے کے لئے انہوں نے اب تک اتنی کوشش کی تھی، لہٰذا انہوں نے لوگوں کو ان الفاظ میں روکا۔

انہ بلغنی ان قائلا منکم یقول واللہ لو مات عمر بایعت فلانا فلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وتمت الا وانہا قد کانت کذالک ولکن اللہ وقی شرہا ولیس منکم من تقطع الاعناق الیہ مثل ابی بکر من بایع رجلا من غیر مشورۃ من المسلمین فلا یبایع ہو ولا الذی تابعہ تغرۃ ان یقتلا وانہ قد کان من خبرنا حین توفی اللہ نبیہ صلی	مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے ایک کہنے والا کہتا ہے کہ اگر عمر مر جائے گا تو میں فلاں شخص سے بیعت کروں گا۔ کسی شخص کو دھوکہ میں نہ رہنا چاہیئے۔ کہ ابو بکر کی بیعت تو ایک ناگہانی اچانک آفت تھی۔ لیکن وہ پوری ہو گئی۔ خبردار بیشک ابو بکر کی بیعت ناگہانی بغیر مشورہ کے ہوئی تھی لیکن خداوند تعالےٰ نے اس کے شر سے جو اس کا لازمی نتیجہ تھا مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اس طرح اٹھتی ہوں جس طرح ابو بکر کی طرف اٹھتی تھیں۔ پس آئندہ سے جو کوئی

الله علیه وسلم الا ان الانصار
خالفونا واجتمعوا باسرهم فی
سقیفة بنی ساعدة وخالف عنا
علیٌ والزبیر ومن معهما واجتمع
المهاجرون الی ابی بکر فقلت
لابی بکر یا ابا بکر انطلق بنا الی
اخواننا هؤلاء من الانصار فا
نطلقنا نریدهم فلما دنونا منهم
لقینا رجلان صالحان فذکرا
ما تمالا علیه القوم فقال این تریدان
یا معشر المهاجرین فقلنا نرید
اخواننا هؤلاء من الانصار فقالا
لا علیکم ان لا تقربوهم اقضوا
امرکم فقلت والله لنأتینهم
فانطلقنا حتی اتینهم فی سقیفة
بنی ساعدة فاذا رجل مزمل
بین ظهرانیهم فقلت من هذا
فقالوا هذا سعد بن عبادة
فقلت ماله قالوا یوعک فلما
جلسنا قلیلا تشهد خطیبهم
فاثنی علی الله بما هو اهله
ثم قال اما بعد فنحن انصار
الله وکتیبة الاسلام وانتم
معاشر المهاجرین رهط وقد
دفت دافة من قومکم فاذا
هم یریدون ان یختزلونا
من اصلنا وان یحضنونا

شخص کسی سے بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے بیعت
کرے تو نہ تو اس کی بیعت کی جاوے جس کی
بیعت اس نے بغیر مشورہ کے کی ہے اور نہ
اس بیعت کرنے والے کی پیروی کی جائے اگر
کوئی ایسا دھوکہ کھائے تو وہ دونوں قتل کردئے
جائیں جب رسول خدا نے رحلت فرمائی تو
ابوبکر ہم سب میں بہتر تھا لیکن انصار ہمارے
خلاف ہوگئے اور خود تنہا سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع
ہوگئے اور علی وزبیر اور ان کے ساتھیوں نے ہماری
مخالفت کی اور مہاجرین ابوبکر کی طرف جمع ہوئے
میں نے ابوبکر سے کہا اے ابوبکر چلو،
اپنے بھائی انصار کی طرف چلیں تب ہم
ان کی طرف چلے جب ہم انکے نزدیک پہنچے تو
ہماری ملاقات دو نیک آدمیوں سے ہوئی ان
دونوں نے ہمیں بتایا کہ قوم انصار کا کیا مقصد ہے
اور پھر ہم سے پوچھا کہ اے مہاجرین تم کہاں جاتے
ہو ہم نے کہا کہ ہم اپنے بھائی انصار کی طرف جانے
کا ارادہ کیا ہوا ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ ہرگز
گز تم وہاں نہ جاؤ بلکہ اپنے معاملہ کا فیصلہ تم خود
ہی کرلو۔ میں نے کہا کہ نہیں ہم ضرور جائیں گے پس
ہم چلے یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے
وہاں ہم نے ایک آدمی کو چادر میں لپٹے ہوئے
بیٹھے دیکھا میں نے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا
کہ سعد ابن عبادہ ہے میں نے کہا کہ اسے کیا ہوا ہے
لوگوں نے کہا کہ اسے بخار چڑھا ہوا ہے۔ ہم بیٹھ گئے
اتنے میں ان کا لیکچر دینے والا کھڑا ہوا حمد وثنا باری تعالیٰ
کے بعد کہا کہ ہم خدا وند تعالیٰ کے انصار ہیں۔ ہم

من الامر فلما سكت اردت ان
اتكلم وكنت زوّرت مقالة
اعجبتني أريد ان أقدمها بين
يدي ابي بكر وكنت أداري منه
بعض الحدّ فلمّا اردت ان اتكلم
قال ابوبكر على رسلك فكرهت
ان أغضبه فتكلم ابوبكر
فكان هو احلم منّي واوقر۔
والله ما ترك من كلمة اعجبتني
في تزويري الا قال في بديهة
مثلها او افضل منها حتّى سكت
فقال ما ذكرتم فيكم
من خير فانتم له اهلٌ ولن
يعرف هذا الامر الا لهذا الحيّ
من قريش هم اوسط العرب نسبًا
ودارًا وقد رضيت لكم احد
هذين الرّجلين فبايعوا
ايّهما شئتم فاخذ بيدي وبيد
ابي عبيدة بن الجراح وهو
جالسٌ بيننا فلم اكره ممّا
قال غيرها كان والله ان أقدّم
فتضرب عنقي لا يقرّبني ذلك
من اثم احبّ الي من ان
أتامر على قوم فيهم ابوبكر
اللّهم الا ان تسوّل الي نفسي
عند الموت شيئًا لا اجده
الآن فقال قائلٌ من الانصار

اسلام کے لشکر ہیں اور تم اے مہاجرین وہ ہو جو اپنی
قوم سے بھاگ کر آئے ہو اور اب چاہتے ہو کہ ہم کو
ہمارے اصلی مقام سے ہٹا دو اور اس امر خلافت میں
ہماری برابری کرو۔ جب وہ خاموش ہوا تو میں نے
بولنے کا ارادہ کیا اور بہ تحقیق میں نے ایک گفتگو
اپنے دل میں حیلہ و مکر والی تیار کر لی تھی جو مجھے پسند
آئی تھی پس میں چاہتا تھا کہ اس کو ابوبکر سے پہلے
بیان کروں پس جب میں نے بولنے کا ارادہ کیا تو ابوبکر
نے کہا کہ خاموش رہ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کو
ناراض کروں پس ابوبکر نے بولنا شروع کیا اور وہ
مجھ سے زیادہ حلیم اور باوقعت تھے قسم بخدا جو
کچھ بات میں نے حیلہ و مکر کی تیار کی تھی۔ وہ ساری
کی ساری انہوں نے کہہ ڈالی اور فی البدیہہ کہی
بلکہ اس سے بہتر کہی پس انہوں نے کہا کہ جو کچھ
اپنی نیکی تم نے بیان کی ہے۔ واقعی اس کے تم
اہل ہو لیکن یہ امر خلافت قریش کے لئے ہے وہ
نسب میں تمام عرب میں بہتر ہیں پس میں نے
تمہارے لئے ان دونوں آدمیوں میں سے
ایک کو اس امر کے لئے پسند کیا ہے۔ ان میں
سے جس سے چاہو بیعت کر لو اسکے بعد ابوبکر
نے میرا اور ابوعبیدہ بن الجراح کا ہاتھ پکڑا اور
ابوبکر ہم دونوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے جو گفتگو
ابوبکر نے کی تھی اس سب کو میں نے سوائے ایک بات کے
پسند کیا، میں نہیں چاہتا تھا کہ میں آگے کیا جاؤں
اور میری گردن ماری جائے کیونکہ معاملہ ابھی خطرناک
معلوم ہوتا تھا، کوئی محبوب شے مجھے گناہ کے اتنا نزدیک
نہیں کرتی تھی جتنا یہ کہ میں اس قوم میں حکومت کروں

انا جذيلها المحكك وعذيقها
المرجب منا امير ومنكم امير
يا معشر قريش فكثر اللغط وار
تفعت الاصوات حتى فرقت
من الاختلاف فقلت ابسط
يدك يا ابا بكر فبسط يده
فبايعته وبايعه المهاجرون ثم
بايعته الانصار ونزونا
على سعد ابن عبادة فقال
قائل منهم قتلتم سعد ابن
عبادة قال عمر وانا والله ما
وجدنا فيما حضرنا من امر
اقوى من مبايعة ابى بكر
خشينا ان فارقنا القوم ولم
تكن بيعة ان يبايعوا رجلا
منهم بعدنا فاما تابعناهم
على ما نرضى واما نخالفهم
فيكون فساد فمن بايع رجلا
على غير مشورة من المسلمين
فلا يتابع هو ولا الذى
بايعه تغرة ان يقتلا۔

جس میں ابو بکر ہوں مگر یہ کہ آراستہ کرے میرا نفس میرے
واسطے موت کے نزدیک کوئی ایسی چیز جسکو میں اب
نہیں پاتا ہوں یعنی مرتے دم تک میں ایسا ارادہ نہ کرونگا
پھر انصار میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ میں وہ بڑی
لکڑی ہوں جسکو لوگ اشترخانہ میں کھڑا کرتے ہیں جس سے
اونٹ اپنا جسم کھجاتے ہیں اور میں وہ ستون ہوں جسکو
ضعیف پھلدار درخت کے نیچے کھڑا کرتے ہیں ایک امیر
ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے ہو لیے گروہ قریش یہاں تک
بیہودہ کلامی بڑھ گئی اور بہت غل غپاڑہ ہوا یہاں تک کہ
اختلافات سے جدا ہو کر میں نے کہا کہ اے ابو بکر ہاتھ بڑھاؤ
انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور میں نے جھٹ بیعت کر لی
پھر مہاجرین نے بیعت کی پھر انصار نے بیعت کی پھر ہم
سعد ابن عبادہ کی طرف جھپٹے تو ان میں سے کہنے والے
نے کہا کہ تم نے تو سعد ابن عبادہ کو قتل ہی کر دیا عمر نے کہا کہ
قسم بخدا ہم نے کسی امر کو جس میں ہم حاضر ہوئے ابو بکر
کی بیعت سے قوی تر نہیں پایا ہم اس بات سے ڈرے
کہ ہم یہاں سے بیعت کا معاملہ کئے بغیر چلے جائیں
اور پھر ہمارے پیچھے وہ لوگ اپنے میں سے کسی سے بیعت کر لیں تو
پھر ان دو نتیجوں میں سے ایک نتیجہ نکلتا یا تو ہم ان کی متابعت
کریں جس کو ہم پسند نہیں کرتے یا ہم ان کی مخالفت کریں۔
دونوں صورتوں میں فساد ہوتا پس جو شخص کسی شخص سے بغیر
مسلمانوں کے مشورہ کے بیعت کرے گا تو اس کی پیروی نہ کیجائے بلکہ وہ دونوں قتل کر دیئے جائیں گے

صحیح بخاری :۔ باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت۔ الجزء الرابع صفحہ ۱۱۹ – ۱۲۰۔
ابو جعفر محمد بن جریر الطبری :۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث صفحہ ۲۰۰۔
ابن حجر مکی :۔ صواعق محرقہ۔ باب الاول۔ فصل الاول صفحہ ۵۔
ابن الاثیر :۔ تاریخ الکامل۔ الجزء الثانی صفحہ ۱۲۴
امام احمد حنبل :۔ مسند الجزء الاول صفحہ ۵۵۔

محب الدین الطبری - ریاض النضرہ الجزء الثانی - الفصل الثالث فی خلافۃ ابی بکر صفحہ ۱۶۲

صحیح مسلم

شہرستانی :- کتاب الملل والنحل - الجزء الاول صفحہ ۱۶، ۱۷

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری نے بھی حضرت ابوبکر کی بیعت کو فلتۃ لکھا ہے۔

وکانت فلتۃ کفلتۃ الجاھلیۃ (تاریخ طبری الجزء الثالث صفحہ ۲۱)

یعنی یہ ساری کارروائی بیعت ابوبکر کی ناگہانی بغیر مشورہ کے جاہلیت کے زمانہ کی سی آفت تھی۔

روایت فلتۃ لکھنے کے بعد محب الدین طبری لفظ فلتۃ کی تشریح اس طرح کرتے ہیں :-

الفلتۃ : ما وقع عاجلاً من غیر تردد ولا تدبیر فی الامر ولا احتیال فیہ وکذلک کانت بیعۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ کانھم استعجلوا خوف الفتنۃ وانّما قال عمر ذلک لان مثلھا من الوقائع العظیمۃ التی لا ینبغی للعقلاء التردی فی عقدھا لعظم المتعلق بھا فلا تبرم فلتۃ من غیر اجتماع اھل العقد والحل من کل قاص ودان لتطیب الانفس ولا تحمل من لم یدع الیھا نفسہ علی المخالفۃ والمنازعۃ وارادۃ الفتنۃ ولا سیما اشراف النّاس وسادات العرب فلما وقعت بیعۃ ابی بکر علی خلاف ذلک قال عمر ما قال ثم ان اللہ وقی شرھا فان المعھود فی وقوع مثلھا فی الوجود کثرت الفتن ووقوع العداوۃ والاحن فلذلک قال عمر وقی اللہ شرّھا۔

فلتۃ اس واقعہ کو کہتے ہیں کہ جو بغیر غور و تردد کے یک لخت ہو جائے اور ایسی ہی بیعت ابوبکر کی تھی۔ کیونکہ ان لوگوں نے فتنہ کے خیال سے جلدی کی تھی اور حضرت عمر نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ بیعت ابوبکر کی طرح کے واقعات صاحبان عقل و فہم کے لئے جائز نہیں کیونکہ ان کے بہت سے برے نتائج نکلتے ہیں۔ گویا فلتۃ اس کو کہتے ہیں کہ بغیر صاحبان حل و عقد کے اجتماع کے کسی امر کو اس طرح طے کر لیا جائے کہ مخالفت نہ ہو اور اپنی خواہش پوری ہو جائے پس جب بیعت ابوبکر صاحبان حل و عقد کے جمع و اجتماع و اجماع کے بغیر ہو گئی تو اس ہی وجہ سے عمر نے کہا جو کہا (یعنی یہ کہ وہ فلتۃ ہوئی تھی) اور خدا نے اس کی شر سے بچا لیا کیونکہ اس طرح بیعت ہونے سے بہت سے فتنوں اور عداوتوں کے پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اسی وجہ سے عمرؓ نے کہا۔ کہ خدا نے اس کے شر سے یعنی اس کے برے نتیجوں سے بچا لیا۔

محب الدین طبری :۔ ریاض النضرۃ ، الجزء الاول ، الفصل الثالث عشر فی خلافۃ ابی بکر صفحہ ۱۶۴۔

جب گروہ اہل حکومت نے دیکھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ والی بیعت بوجہ عدم موجودگی صاحبان حل وعقد خصوصاً بنی ہاشم ناقص ومہمل ہے تو انہوں نے ایک سیاسی چال چلی۔ جو ان کو مغیرہ بن شعبہ نے بتائی تھی ، وہ یہ تھی کہ اگر عباس بن عبدالمطلب کو کسی طرح اپنی طرف کر لیا جائے تو پھر یہ نقص دور ہو جائے گا۔ اور حضرت علی وتمام بنو ہاشم پر ایک حجت پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ وہی تینوں حضرات یعنی ابوبکر وعمر وابوعبیدہ بن الجراح ساتھ ل کہ حضرت عباس کی خدمت میں حاضر ہوئے ان بزرگوں نے جو مچپے دار و پرفنون گفتگو کی اس کو پڑھ کر بہت لطف آتا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ناظرین اس سے محروم رہیں، اس علم میں کہ حکومت الہیہ کن طریقوں اور ترکیبوں سے حاصل کی گئی تھی یہ گفتگو بہت اچھا اضافہ کرے گی۔ یہ جناب رسول خدا کی رحلت سے دوسری رات کا واقعہ ہے

عباس بن عبدالمطلب اور حضرت علی میں پھوٹ کی چال ہے۔

فاتی المغیرۃ بن شعبۃ فقال اتری یا ابا بکر ان تلقوا العباس فتجعلوا لہ فی ھذا الامر نصیباً یکون لہٗ و لعقبۃ وتکون لکما الحجۃ علی علیؑ وبنی ھاشم اذا کان العباس معکم قال فانطلق ابوبکر وعمر و ابوعبیدۃ حتّٰی دخلوا علی العباس رضی اللہ عنہ فحمد اللہ ابوبکر واثنیٰ علیہ ثم قال ان اللہ بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم نبیًّا وللمؤمنین ولیا فمن اللہ تعالٰی بمقامہ بین اظہرنا حتّٰی اختار لہ اللہ ما عندہ فخلی علی النّاس امرھم لیختاروا لانفسھم فی مصلحتھم متفقین لا مختلفین فاختاروني علیھم والیا ولامورھم راعیا وما اخاف بحمد اللہ وھنا ولا حیرۃ ولا جبنا وما توفیقی

پھر مغیرہ ابن شعبہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابوبکر یہ بہتر ہوگا کہ تم عباس سے ملو اور اسکو اس امر خلافت میں حصہ دینا کر دو جو اسکے اور اس کی اولاد کے لئے ہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم دونوں (وہی ابوبکر وعمر) کو علی وبنو ہاشم پر حجت ہو جائے گی جب عباس تمہارے ساتھ ہونگے پس وہ ہی تینوں حصہ داران خلافت (ابوبکر وعمر وابوعبیدہ بن الجراح ملکر عباس کے پاس آئے۔ حضرت ابوبکر نے بعد حمد وثنائے خداوند تعالٰی اس طرح گفتگو کی۔ اللہ تعالٰے نے محمد صلعم کو نبی اور مومنین کے لئے حاکم مقرر کیا پس خداوند تعالٰے نے ان پر اپنی نعمتیں نازل کیں یہاں تک کہ ان کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا۔ پس آنحضرت نے اس امر خلافت کو لوگوں کے لئے چھوڑ دیا۔ تاکہ وہ اپنے لئے اختیار کریں جو قرین مصلحت ہو گویا رسول خدا تو اس مصلحت سے واقف ہی نہ تھے) اور آپس میں متفق رہیں اور اختلاف نہ کریں (اگر رسول خدا مقرر کر دیں تو وہ کیوں اختلاف کریں) پس ان لوگوں نے مجھکو اپنا حاکم وراعی مقرر کر لیا اور میں اپنی کمزوری وحیرت

الا باللہ العلی العظیم علیہ توکلت
والیہ انیب وما زال یبلغنی
عن طاعن یطعن بخلاف ما
اجتمعت علیہ عامۃ المسلمین
ویتخذونکم لجاءً فاحذروا ان
تکونوا جهد المنیع فاما دخلتم
فیما دخل فیہ العامۃ او دفعتموهم
عما مالوا الیہ وقد جئناک ونحن
نرید ان نجعل لک فی هذا الامر
نصیبا یکون لک ولعقبک من
بعدک اذ کنت عم رسول اللہ
وان کان الناس قد راوا مکانک
ومکان اصحابک فعدلوا الامر
عنکم علی رسلکم بنی عبدالمطلب
فان رسول اللہ منا ومنکم ثم
قال عمر ای واللہ واخری انا لم
ناتکم حاجۃ منا الیکم ولکنا
کرهنا ان یکون الطعن منکم فیما
اجتمع علیہ العامۃ فیتفاقم الخطب
بکم وبهم فانظروا لانفسکم ولعامتکم

ونامردی سے نہیں ڈرتا اور کچھ مجھ میں توفیق ہے
وہ خدا کی طرف سے ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے
اور اسی کی طرف میری بازگشت ہے ہمیشہ مجھے خبریں
پہنچتی ہیں کہ چند طعنہ زن اس امر کے خلاف باتیں
کرتے ہیں جس پر عام مسلمانوں کا اجتماع ہو گیا ہے
اور یہ طعنہ کرنے والے تم لوگوں کو اپنی آڑ بنا لیتے ہیں پس
تم اس میں زیادہ کوشش کرنے سے ڈرو یا تو تم اس امر
میں شامل ہو جاؤ جس میں عام مسلمان شامل ہو گئے ہیں
یا ان طعنہ زن لوگوں کو اپنے پاس نہ آنے دو ہم حقیقتاً تم
تمہارے پاس اس غرض سے آئے کہ ہمارا ارادہ ہے کہ
تمہارے لئے اس امر خلافت میں سے کچھ حصہ دیدیں
جو صرف تمہارے لئے اور تمہارے بعد تمہاری اولاد
کے لئے ہو کیونکہ تم رسول خدا کے چچا ہو۔ اور اگرچہ لوگ
تمہاری اور تمہارے اصحاب کی منزلت سے واقف
ہیں پھر بھی اس امر خلافت کو تمہیں نہ دیا۔ کیونکہ رسول
خدا تم میں سے ہیں اور ہم میں سے ہیں (اس کے بعد
حضرت عمر نے اس طرح سیاسی پھندا ڈالا) خدا کی قسم ہم
تمہارے پاس اس لئے نہیں آئے کہ ہمیں تم سے کوئی
حاجت ہے بلکہ ہم کو یہ برا معلوم ہوا کہ لوگ تم پر طعنہ
کریں اس امر کے متعلق کہ جس میں تمام مسلمان
شامل ہو گئے ہیں۔ پس تم اپنی اور اپنے عام لوگوں کی بھلائی پر نظر رکھو۔

کتاب الامامت والسیاست۔ لابن قتیبہ صفحہ ۱۵

ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغۃ الجزء الاول صفحہ ۱۳۲/۲۷

حضرت عباس آخر فراست بنی ہاشم رکھتے تھے اس ساری چال کو تاڑ گئے اور ان الفاظ میں دندان
شکن جواب دیا۔

فان کنت برسول اللہ طلبت فحقنا
اخذت وان کنت بالمومنین

اگر تم نے رسول خدا کے ذریعہ و توسل کی وجہ سے
خلافت لی ہے تو تم نے ہمارا حق غصب کیا ہے۔

طلبت فنحن منهم فتقدمون فيهم وان كان هذا الامر انما يجب لك بالمومنين فما وجب اذ كنا كارهين فاما ما بذلت لنا فان يكن حقا لك فلا حاجة لنا فيه وان يكن حقا للمومنين فليس لك ان تحكم عليهم و ان كان حقنا لم نرض عنك فيه ببعض دون بعض واما قولك ان رسول الله منكم و منا فانه قد كان من شجرة نحن اغصانها وانتم جيرانها

اور اگر مومنین کی وجہ سے خلافت حاصل کی ہے تو ہم مومنین میں سب سے زیادہ مقدم ہیں اگر تمہارا دعوےٰ ہے یہ امر خلافت مومنین کی وجہ سے تمہارے لئے جائز ہوا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ ہم اس سے راضی نہیں اور یہ جو آپ خلافت میں کا حصہ ہم کو بخشنا چاہتے ہیں تو بات یہ ہے کہ اگر یہ تمہارا حق ہے تو ہم کو اسکی ضرورت نہیں اور اگر یہ مومنین کا حق ہے تو تم کو یہ جائز نہیں کہ اس طرح تقسیم کرتے پھرو۔ اور اگر یہ ہمارا حق ہے تو ہم نہیں چاہتے کہ خلافت کا فقط ایک ہی حصہ لیں ساری خلافت ہمارا حق ہے اور یہ جو تم نے کہا کہ رسول اللہ ہم میں سے بھی ہیں اور تم میں سے بھی تو امر واقعہ یہ ہے کہ رسول خدا اس درخت میں سے ہیں جس کی ہم تو شاخیں ہیں اور تم فقط نزدیک کی اُگی ہوئی چھوٹی ہو۔

ابن قتیبہ: کتاب الامامت والسیاست الجزء الاول صفحہ ۱۵۔

ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغۃ الجزء الاول صفحہ ۷۴، ۱۳۲

دیکھا آپ نے۔ حضرت عباس نے کس طرح انکو قائل کر دیا جو امر کسی اصول پر مبنی نہ ہو۔ اور حق اسکے خلاف ہو وہ اسی طرح مغلوب ہو جاتا ہے۔ برائے خدا اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو۔ کیا حکومت الہیہ اسی طرح حاصل کی جاتی ہے۔ اور حکومت الہیہ کے صاحبان امر اسی طرح لوگوں کو رشوت دیتے پھرتے ہیں اور انکے حق کا مدار فقط اس پر ہی ہے۔ رشوت کی ایک اور مثال سنیئے:۔

فلما اجتمع الناس على ابى بكر قسم بين الناس قسما فبعث الى عجوز من بنى عدى بن النجار بقسمها مع زيد ابن ثابت فقالت ما هذا قال قسم قسمه ابو بكر للنساء فقالت اترا شونى عن دينى۔ قالت لا آخذ منه شيئا ابدا

جب لوگوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی تو ابو بکر نے لوگوں میں مال تقسیم کرنا شروع کیا زید بن ثابت کے ہاتھ بنی عدی بن النجار کی ایک ضعیفہ کے پاس اس کا حصہ بھجوایا اس عورت نے پوچھا کہ یہ کیا ہے زید بن ثابت نے کہا کہ یہ حصہ ہے جو ابو بکر نے عورتوں میں تقسیم کیا ہے اور یہ تیرا حصہ مجھے بھیجا ہے۔ اس ضعیفہ نے کہا کہ گویا تم مجھ کو رشوت دے کر حق سے ہٹاتے ہو قسم بخدا میں قیامت تک ذرا سا بھی نہ لوں گی

ابن سعد: طبقات الکبریٰ - ق ا ج ۳ صفحہ ۱۲۹

اقتباسات سابقہ سے صاف عیاں ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں قریش میں سے صرف ابو بکر و عمر و ابو عبیدہ بن الجراح ہی وہاں بیعت کے دن موجود تھے۔ سوائے ان حضرات کے قریش میں سے اور کوئی وہاں موجود نہ تھا۔ اگر اس سے بھی زیادہ صراحت و ثبوت کی ضرورت ہے۔ تو وہ بھی حاضر ہے۔

ولم یحضر معہ فی السقیفہ من
قریش غیر عمر و ابی عبیدۃ
فلذلك دل علیھما و لم یمکنہ
ذکر غیرھما ممن کان غائبًا
خشیۃ ان یتفرقوا عن ذلك
المجلس من غیر ابرام امر و لا
احکامہ فیفوت المقصود و لو
وعدوا بالطاعۃ لمن غاب
منھم حینئذٍ ما امنھم علی
تسویل انفسھم الی الرجوع عن
ذلك فکان من النظر السدید و
الامر الرشید مبادرتہ و
عقد البیعۃ والتوثق منھم فیھا
فی حالۃ الراھنۃ۔

حضرت ابو بکر کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں
قریش میں سے سوائے عمر و ابو عبیدہ کے اور کوئی
نہ تھا اور اس ہی وجہ سے ابو بکر نے بیعت کے
لئے صرف ان دو بزرگواروں ہی کی طرف اشارہ
کیا، ان کے لئے ممکن نہ تھا کہ ان دونوں کے
علاوہ کسی اور کا بھی ذکر کرتے جو وہاں موجود نہ
تھا۔ ڈر یہ تھا کہ اگر لوگ اس مجلس سے بغیر کسی
کی بیعت کئے ہوئے منتشر ہو گئے تو اپنا مقصود
و مطلب فوت ہو جائیگا اور اگر وہ کسی غائب
شخص کی بیعت کا اقرار بھی کر لیتے تو بہت ممکن
تھا کہ بعد میں وہ اس سے پھر جاتے لہٰذا رائے
صائب اور امر نیک یہی تھا کہ اس میں جلدی
کیجائے اور فوراً بیعت لے لی جائے اور انکے
وعدہ کی توثیق اسی وقت موقعہ پر کر لی جائے۔

محب الدین الطبری :- ریاض النضرۃ، الجزء الاول القسم الثانی، الفصل الثالث عشر فی خلافت ابی بکر۔ صفحہ ۱۶۵۔

سوائے ریاض النضرۃ کے دیگر کتب تواریخ میں بھی یہی درج ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اس دن اس مجلس خلیفہ سازی میں سوائے حضرت ابو بکر و عمر و عبیدۃ بن الجراح کے اور کوئی مہاجر موجود نہ تھا۔ ملاحظہ ہوں۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری :- تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث صفحہ ۲۰۸

ابن عساکر :- تاریخ الکبیر حصۃ تہذیب الجلد الثالث ترجمہ بشیر بن سعد بن ثعلبہ صفحہ ۲۶۳

محب الدین طبری کی بحث یہ معذرت پیش کرتی ہے اس امر کی کہ حضرت کا نام باوجود انکے افضل اور احق بالخلافت ہونے کے وہاں حضرت ابو بکر نے خلافت کے واسطے کیوں نہ پیش کیا

لائق مؤلف کی بحث ہے کہ وہ تینوں حضرات جو بعض ایک دوسرے کو خلافت کے لئے پیش کر رہے تھے۔ ان کی کسی خاص فضیلت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ موقعہ کی نازک حالت کی وجہ سے یا اپنا خاص مقصد و مطلب کو پورا کرنے کے لئے ایسا کیا گیا تھا۔ بیعت ابوبکر عجلت میں نازک حالات کے اندر ہو گئی۔ لوگوں کو موقعہ نہ ملا کہ اپنی عقل و رائے کو کام میں لاتے اور مستحق خلافت کو انتخاب کر کے اس کو رائے دیتے یہ عذر ہماری بہت سی بحثوں کی تائید کرتا ہے ورنہ بذات خود کچھ معقول نہیں، اگر نیت صاف تھی تو حضرت علی یا انکے نائب کو کیوں نہ لے گئے حضرت علی سے کہا تو ہوتا۔ یہ تو بالکل چھپ کر نکل گئے۔ اس عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حالات ایسے تھے کہ مہاجرین میں سے جو حضرات وہاں موجود تھے صرف ان کا ہی ذکر آسکتا تھا۔ چونکہ یہ نہیں وہاں تھے لہذا جو تھے کا ذکر نہیں آسکتا تھا اس سے ہمارے اس دعوے کی بھی تائید ہوتی ہے کہ حضرت علی کے ذکر کو وہاں آنے سے روکنے کے لئے ہی ان واقعات کو اس طرح مرتب کیا گیا تھا

واقعات سقیفہ پر رائے

جن طریقوں سے اور جن حالات کے اندر حضرت ابوبکر کے حق میں بیعت حاصل کی گئی وہ ناظرین کو معلوم ہو گئے۔ اب ہم ان کی توجہ ان واقعات کے ہر ایک پہلو پر منعطف کراتے ہیں۔ اور اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ ہم ناظرین کے فہم و ذکاء پر چھوڑتے ہیں۔

جوں جوں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض بڑھتا جاتا تھا اور زیست کی امید گھٹتی جاتی تھی لوگوں کے دلوں میں قدرتی طور سے یہ خیال طاقت پکڑتا جاتا تھا کہ آنحضرت کے بعد آپ کا جانشین اور امت کا سردار اور ہادی کون ہوگا۔ کیونکہ مشیت الہی نے پیغمبری کے ساتھ ساتھ آپ کو حکومت بھی عطا فرمائی تھی۔ جہاں تک جناب رسول خدا کی خواہش اور آپ کے انتخاب کا سوال تھا آپ نے صاف اور صریح الفاظ میں اپنے داماد و ابن عم و افضل ترین امت کو اپنا جانشین اور امت کا سردار مقرر کر دیا۔ آپ کے افعال اور اقوال اور خصوصاً غدیر خم کے واقعات نے کوئی شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی لیکن جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ ایک ایسی جماعت حضرت علی کے خلاف پیدا ہو گئی تھی جو ان کی حکومت نہیں چاہتی تھی۔ اسکے کیا وجوہات تھے، ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ نبوت کی وجہ سے جو شرف بنو ہاشم کو حاصل ہو گیا تھا وہ بہت سے دیگر قبائل کو اچھا نہیں لگتا تھا۔ اور وہ لوگ جو دین پر دنیا کو ترجیح دیتے تھے نہیں چاہتے تھے کہ نبوت و حکومت ایک قبیلہ میں چلی جائے اور ان کو یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں ہمیشہ کے لیے یہ حکومت اس قبیلہ میں مستقل نہ ہو جائے بنو ہاشم کے مدمقابل بنو امیہ تھے لیکن ان کا سردار ابوسفیان ابھی تک زندہ تھا اور اس نے جو سلوک اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ کیا ہوا تھا اور جس بے دلی اور مجبوری کے ساتھ آخری وقت میں کوئی اور چارہ کار نہ دیکھتے ہوئے اسلام قبول کیا تھا۔ اس لیے یہ موقعہ چھوڑ کر بنو امیہ

کا سردار بھی آنحضرتؐ کی جانشینی کے لئے ایک امیدوار ہو سکتا۔ دیگر قبائل میں حضرت عمر جیسی سیاسی قابلیت اور موقعہ شناسی رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر اگرچہ گمنام قبیلوں میں سے تھے۔ لیکن واقعات نے ان کو ایسا موقعہ دے دیا کہ سیاسی دور اندیشی و موقعہ شناسی کے ساتھ وہ اپنی ایک جماعت بنا کر حکومت کے امیدوار بن سکتے تھے۔ اور حضرت عمر کو کارکنان قضا و قدر نے ایک خاص سیاسی قابلیت اور موقعہ شناسی کی اہلیت عطا کی ہوئی تھی۔ انکی ذہانت و ذکاوت نے انکو اچھی طرح بتا دیا تھا کہ وہ خود تن تنہا اپنی خشونتِ طبع کی وجہ سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتے اور بغیر اس کے امارت و حکومت حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ قیام حکومت کے ساتھ استقامت حکومت کی طرف فوراً ذہن منتقل ہوتا ہے موجودہ حاکم کے بعد کون اس کا جانشین ہوگا۔ یہ خیال ہر ایک کے دماغ میں پیدا ہوتا ہے اور حضرت عمر کا دماغ اس سے خالی نہ تھا لہٰذا انہوں نے اپنے منصوبوں کی کامیابی کے لئے ایک ایسا اپنا ساتھی منتخب کیا جو ان کی طبیعت کے نقائص کی پردہ پوشی کر سکے اور ساتھ ہی ان کا ماتحت بھی رہے اور ان کے اشاروں پر چلے وہ ساتھی حضرت ابوبکر تھے۔ یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ زمانہ جاہلیت میں ان دونوں بزرگواروں میں کوئی خاص دوستی نہ تھی صرف اتنا تھا کہ ایک دوسرے کو جانتے تھے اور الگ الگ رہتے تھے یہ چولی دامن کا ساتھ جو اسلام کے بعد ہوا اس سے پہلے نہ تھا۔ یہ اتحاد یہ اتفاقی اور یہ دوستانہ حضرت عمر نے عمداً پیدا کیا اور اس کو ایک ذریعہ قرار دیا ان منصوبوں کی کامیابی کا جو حضرت عمر کے دماغ میں اسلام کے بعد ایک عرصہ سے نشوونما پا رہے تھے۔ لیکن جن کے علانیہ اظہار کا وقت صرف آنحضرت کی رحلت کے نزدیک آیا۔ حضرت ابوبکر کے حلم و نرمی طبع نے حضرت عمر کی خشونت طبع و رعونت مزاج کے ساتھ مل کر ایک ایسا مرکب پیدا کر دیا تھا جو جہلاء عرب کی تالیف قلوب کے لئے نہایت موزوں تھا ان دونوں حضرات کی صاحبزادیوں کا جناب رسول خدا کے حرم محترم کے اندر ہونا حضرت عمر کے منصوبوں کی کامیابی کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا۔

واقعات کو پرکھنے والے جانتے ہیں کہ اگر سقیفہ بنی ساعدہ کی جدوجہد میں حضرت ابوبکر کا حلم اور مصالحت آمیز رویہ نہ ہوتا تو حضرت عمر کی درشتیٔ طبع و سختیٔ مزاج تو موقعہ کو کھو چکی تھی۔ صرف تمیمی ہی آدمی تو تھے وہاں سے خوب پٹ کر نکلتے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر کو وہاں تک صرف حضرت عمر کی موقعہ شناسی اور سرعتِ فہم ہی لے گئی تھی ورنہ یہ تو وہیں مدینہ میں بیٹھے رہتے جس سرعت و مضبوط ارادہ کے ساتھ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ نکلوا کر اس نازک اور نہایت اہم موقعہ پہ بیعت کا سلسلہ شروع کرا دیا یہ صرف حضرت عمر ہی کا کام تھا اور ان کی ہی عقل رسا یہ برمحل ترکیب سوچ سکتی تھی اور یہ ہی فیصلہ کن تدبیر تھی ورنہ لفظی بحث میں تو معاملہ ختم نہ ہوتا اور ڈر یہ تھا کہ فضیلت کی بحث جو چھڑ گئی ہے بہ نہ کہیں رنگ لائے اور اگر فضیلت ہی معیار خلافت ٹھہری تو ہم تو

کہیں کے نہ رہے اور جب انصار یہ دیکھتے کہ ہم میں سے تو حکومت جا رہی ہے تو پھر ان کا دماغ مہاجرین کے افضل ترین شخص کی طرف جاتا اور ان دونوں حضرات کو مسکت جواب مل جاتا۔ یہ سارے خیالات نہایت تیزی کے ساتھ حضرت عمر کے دماغ میں سے گزرے ان سب کا دفعیہ ان کی سرعت فہم نے اس طرح کیا کہ ابھی بحث جاری تھی اور حاضرین کسی ایک فیصلہ پر نہیں پہنچے تھے کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ نکلوا کر بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ غرض ظاہر ہے کہ اگر ان دونوں حضرات میں سے ایک نہ ہوتا تو پھر تاریخ اسلام دوسرے اور بہتر طریقے سے لکھی جاتی۔

حضرت علی کے مخالفین کو اس معاملہ میں ایسے آدمیوں کی مدد کی رہنمائی کی ضرورت تھی جو رسول خدا کے اردگرد رہنے والے اور انکے گھر کے حالات کی خبر رکھنے والے ہوں اور عام مسلمانوں میں بھی کچھ بااثر گفتگو کر سکیں اور تجویز سوچ سکیں اور پیش کر سکیں اور ان کے ہمخیال و ہمدرد بھی ہوں وہ ہی ایسی ترکیب بنا سکتے تھے کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے۔ کیونکہ مسلمان رہ کر پیغمبر اسلام سے اختلاف کرنا ان کے خیال میں ممکن نہ تھا۔ اس غرض کے لئے اس جماعت کو حضرت ابوبکر و حضرت عمر سے بہتر آدمی نہیں مل سکتے تھے۔ لہذا ان سب کی آنکھیں ان دونوں حضرات کی طرف اٹھتی تھیں۔ اور ان سب کی امیدیں ان سے ہی وابستہ تھیں۔ حضرت عمر کو بھی اس اتحاد عمل میں ایک نمایاں فائدہ نظر آرہا تھا۔ اصحاب رسول کی یہ جماعت حضرت علی کے خلاف تو ضرور تھی لیکن ان کے مقابلہ میں کسی شخص کو اپنے میں سے پیش نہیں کر سکتی تھی جو اس جانشینیٔ رسول کا امیدوار ہو سکتا اور حضرت علی کے مقابلہ میں کھڑا ہوتا۔ جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں بنوامیہ کے لئے کوئی موقعہ نہ تھا اور بنوامیہ ہی ایک ایسا قبیلہ ہو سکتا تھا جو بنوہاشم کے مقابلہ کے لئے کسی ہمت کے ساتھ کھڑا ہوتا اور قبائل جو تھے وہ حسب و نسب و وجاہت میں بنوہاشم کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے تھے اور اگر شخصی و ذاتی صفات و خصائل پر نظر ڈالی جاتی تو یہ سب محض صفر تھے انصار نے بہت سے دے کی تو ایک سعد بن عبادہ کو پیش کر سکے جن کا سقیفہ بنی ساعدہ سے پہلے کسی نمایاں خدمت اسلامی کے سلسلہ میں نام بھی سننے میں نہیں آتا۔ مگر اتنا تو تھا کہ سوائے چند حاسدوں کے سب انصار ایک شخص پر جمع ہو گئے۔ مہاجرین میں تو حضرت علی کو چھوڑ کر کوئی اتنا بھی نہ تھا کہ جس پر سب جمع ہو جاتے اور جس کو سب مل کر متفقہ طور سے امت کی سرداری کے لئے پیش کر سکتے۔ ہمارے اس بیان کے ثبوت میں آئندہ کے واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا اور حضرت عمر کو کوئی آدمی ہی نہیں ملتا تھا جس کو خلیفہ مقرر کر دیں اب بھی سقیفہ سازی کے وقت بھی اگر کوئی اور آدمی اس قابل ہوتا تو اس کو بھی حضرت عمرؓ اپنے ساتھ لے جاتے۔ غرضیکہ ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد حضرت عمر نے اپنا موقعہ دیکھا۔ اس جماعت مخالفین کی تنظیم کرکے بہت بڑا کام نکل سکتا ہے۔ انکے ساتھ مل کر حضرت علی کو تو نظرانداز کر سکیں گے اور پھر

دیکھیں گے کہ کون ہے جو ہمارے مقابلہ میں اس حکومت کو سنبھال لے گا جب ہماری سرگرمی میں یہ مقصد عظمیٰ حاصل ہو جائیگا کہ باوجود رسولِ خدا کے صریح و متواتر اعلانات کے علی کو نظر انداز کر ڈالیں گے تو یہ لوگ خود ہماری طرف جھکیں گے اور ہم ہی کو اپنا سردار مان لیں گے۔ جناب رسولِ خدا کے ارد گرد رہنے نے ہر ایک محفوظ موقعہ پر آگے رہنے سے اور نیز جناب رسولِ خدا کے خسر ہونے نے مسلمانوں میں یہ جگہ تو پیدا کر دی تھی کہ اگر بنو ہاشم کو نظر انداز کر دیا جائے تو پھر انکے مقابلہ میں کوئی اور مسلمان نہیں کھڑا ہو سکتا۔ فطرت کی غلظت اور طبیعت کی خشونت ضرور سدِ راہ ہو سکتی تھی لیکن اس عیب کے ضرر کو ڈھانکنے کے لئے ایک ساتھی حضرت ابوبکر ہی مل گئے تھے ان تمام امور پر غور کر کے حضرت عمر اس جماعت مخالفین کے سردار بن گئے اور یہ تھے وہ حالات، و واقعات جن کی وجہ سے حضرت عمر حکومت حاصل کر سکے

جو کچھ اس جماعت نے جناب رسولِ خدا کی حیات میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے کیا وہ تاریخ کے صفحات میں صریحاً نہیں آسکتا تھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں اوّل تو یہ کہ اس وقت تک یہ لوگ سوائے خفیہ سرگوشیوں کے اور کیا کر سکتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس ہی جماعت کے افراد بر سرِ حکومت آگئے لہٰذا یہ ناممکن ہو گیا کہ یہ ساری سازشیں اپنی عریانی کے ساتھ لوگوں کے سامنے صفحاتِ تاریخ میں آئیں۔ لیکن ؎

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

ہر ایک شخص تو ان میں سے حضرت عمر نہ تھا جو ہمیشہ مصالح سیاسیہ ہی کو مدنظر رکھتا۔ بہت سی صحیح روایات اور واقعات ہم تک پہنچے ہیں جن سے اس جماعت کی کارسازیوں اور رازداریوں کا پتہ چلتا ہے۔ بحکم خداوندی جناب رسولِ خدا حضرت علی سے راز کی گفتگو صیغہ راز میں کرتے ہیں۔ حضرت عمر اپنی جماعت کی ترجمانی اور اس کی سرداری کا حق ادا کرتے ہیں۔ شکایتاً یہ کہہ کر کہ یا رسول اللہ آپ نے تو اپنے ابن عم کے ساتھ بہت دیر تک راز کی گفتگو کی ہے۔ جناب رسولِ خدا تمام اصحاب کے گھروں کے دروازے جو مسجد کی طرف کھلتے تھے بند کرا دیتے ہیں اور صرف حضرت علی کے گھر کا دروازہ جو مسجد کی طرف کھلتا تھا کھلا رہنے دیتے ہیں۔ پھر اس جماعت کے افراد شکایت کرتے ہیں۔ پہلے حضرت حمزہ کو اکسا دیا پھر خود حضرت عمر نے شکایت کی بلکہ حضرت عمر نے تو اپنا دروازہ بند ہی نہیں کیا جب تک کہ آنحضرت نے ایک خاص قاصد بھیج کر بند نہ کرا دیا۔ دونوں موقعوں پر حضرت عمر نے علی کی طرف اشارہ ابنِ عم کر کے کیا مدعا یہ تھا کہ آپ محض بوجہ ابنِ عم ہونے کے خاندانی محبت کی وجہ سے علی کو ترجیح دے رہے ہیں ان شکایتوں کا سیاسی مقصد یہی تھا کہ مجمع عام میں سب سے لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف چلی جائے۔ کہ جناب رسولِ خدا حضرت علی کو ناجائز ترجیح بوجہ رشتہ داری کے دے رہے ہیں۔ یہ تصور محض واقعہ ہے کہ حضرت عمر کی ان شکایتوں کا چرچا بچہ بچہ کے کان تک پہنچ گیا۔ بہتوں نے

کہا ہوگا کہ حضرت عمر نے ٹھیک تو کہا اور یہی مقصود تھا۔ علاوہ ان خفیہ سرگوشیوں اور کنکھیوں کے جب عمل کی ضرورت ہوئی اور جب خاموش رہنا ان کے مقصد کے لئے قطعی مضر پڑتا تھا تو ان لوگوں نے عمل کر کے بھی دکھایا اور ان کے یہ افعال ہی ان کے خفیہ منصوبوں کا پتہ دیتے ہیں۔ جب آنحضرت نے ان لوگوں کو جیش اسامہ میں باہر بھیجنا چاہا تو یہ نہ گئے اور اسامہ ابن زید کو جو ایک نوجوان شخص تھے جرف سے آگے جانے ہی نہ دیا۔ جرف مدینہ کے مضافات ہی میں سے تھا چونکہ اسامہ بن زید نے ان کی خواہشات کے مطابق عمل کیا لہٰذا ہر ایک تاریخ کی کتاب میں یہ لکھا ہوا پاؤ گے کہ حضرات شیخین اسامہ کی بڑی عزت کرتے تھے اور جب تک وہ زندہ رہے اس کو امیر المومنین ہی کہا کئے وہ نوجوان بچہ اس ہی میں خوش ہو گیا۔ ورنہ اسامہ کے علاوہ اور بہت سے افسران لشکر و والیان مدینہ آنحضرت نے مقرر کئے تھے۔ خالد بن ولید و عمرو عاص کی ماتحتی میں حضرات شیخین رکھے گئے تھے۔ ان میں سے کسی کی اتنی عزت نہ کی۔ اسامہ بن زید میں کیا خصوصیت تھی یہی خصوصیت تھی کہ انکے اس وقت میں اپنی نادانی کی وجہ سے کام آ گئے پھر دوسرا موقعہ اس وقت ہوا کہ آنحضرت نے بستر مرگ پر اپنے جانشین کی تقرری کو تحریر کرنے کے لئے قلم و دوات و کاغذ طلب کیا۔ اس وقت خاموش رہنا تمام منصوبوں پر بڑی حد تک پانی پھیر دیتا لہٰذا حضرت عمر نے اپنی جماعت کی خواہشات کی ترجمانی اچھی طرح کی اور جو امیدیں ان لوگوں کی آپ کی ذات سے وابستہ تھیں۔ انہیں بہت خوبی سے پورا کر کے دکھا دیا۔ اس موقعہ پر حضرت عمر نے ایک ایسا ہیجان پیدا کر دیا کہ وصیت کا لکھا جانا ناممکن ہو گیا۔ یہ بہت نمایاں فتح تھی جو اس نازک موقعہ پر حاصل ہوئی۔ اگرچہ اس نے جناب رسول خدا کے آخری لمحوں کو مکدر کر دیا اور آپ اس امر کا یقینی علم لے کر دنیا سے تشریف لے گئے کہ اب تک جو کچھ میں نے علی کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے لئے کیا ہے وہ بار آور ہوتا نظر نہیں آتا لیکن حضرت عمر بھی مجبور تھے اس وقت وصیت کی تحریر کو کسی نہ کسی طرح روکنا ضروری تھا ورنہ سارے منصوبے خاک میں مل جاتے۔ حضرت عائشہ نے بھی اس سلسلہ میں ایک فتح حاصل کی جب آنحضرت کی بیہوشی کے وقت انہوں نے بلال کو بلوا کر حکم دیا۔ کہ وہ ابوبکر سے کہیں کہ نماز پڑھا دیں یہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ حکم فقط حضرت عائشہ کا تھا۔ اس امر کا ثبوت یہ کہ امامت نماز کا قصہ اس منصوبہ کی ایک کڑی تھی اس طرح ملتا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر فوراً اس کی طرف اچکتے ہیں اور اس کو بڑی اہمیت دے کر اس کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ موجودہ حالات میں اس کا ذکر غیر متعلق تھا۔ جب تم کہتے ہو کہ آنحضرت نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا کیونکہ آنحضرت کے انتخاب کو چھپانا تمہارا مقصد ہے اور خود سقیفہ کے حالات بتا رہے ہیں کہ تم یہی کلیہ قائم کرنا چاہتے ہو تو پھر اس کا ذکر غیر متعلق نہیں تو اور کیا ہے اپنے کلیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے تو تم یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ اس امامت نماز سے انتخاب جانشین مقصود تھا غالباً اس کے ذکر سے حضرت عمر کا منشاء کسی فضیلت کا ثابت کرنا

تھا۔ مگر اس سے مشکل تر سرداری و نیابتِ رسول کے موقعہ یعنی جہاد و دیگر اہم کارناموں کو چھوڑ کر نماز کی امامت پر زور دینا ایک مضحکہ انگیز صورتِ حالات پیدا نہیں کرتا تو اور کیا ہے نماز تو آپ کے اعتقاد کے موجب ایک جاہل دھنیا جولاہا بھی پڑھا سکتا ہے اس کے لئے کسی خاص علم و فضیلت کی ضرورت نہیں۔ جب آنحضرت باہر جہاد پر تشریف لے جاتے تھے تو بہت سے لوگوں نے ایک وقت نہیں۔ بلکہ کئی دن متواتر مدینہ پر حکومت بھی کی ہے اور آنحضرت کی طرح نماز بھی پڑھائی ہے اور ان کا تقرر آنحضرت کے ایسے صریح حکم سے ہوا تھا جس سے کسی کو انکار نہیں۔ اگر امامت نماز کچھ استحقاق خلافت پیدا کرتی ہے تو وہ لوگ بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہوئے۔ ایسی چیز کو قابلِ فخر قرار دینا ظاہر کر رہا ہے کہ یہ صرف ایک بناوٹی بات تھی جو شہادت میں پیش کرنے کے لئے وضع کی گئی تھی۔

غرضکہ ظاہر ہے کہ لوگوں میں آنحضرت کی جانشینی کا خیال ترقی کرتا جا رہا تھا۔ اور منصوبے تیار ہو رہے تھے۔ ان منصوبوں کی روح رواں یہی دونوں حضرات ہو سکتے تھے اور واقعی تھے۔ عین موقعہ پر یہ خرابی ہوئی کہ جناب رسولِ خدا کا وقت آ گیا، اور ان دونوں میں سے ایک صاحب موقعہ پر موجود نہ تھے۔ حضرت ابوبکر اس وقت محلہ سنح میں اپنی نئی دلہن کے پاس گئے ہوئے تھے اور حضرت عمر جانتے تھے کہ میں اکیلا کچھ نہیں کر سکتا۔ فوراً تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور باوازِ بلند مشتہر فرمانے لگے کہ جناب مصطفےٰ نے تو انتقال نہیں فرمایا وہ تو حضرت عیسٰی کی طرح آسمان پر تشریف لے گئے ہیں اور جو یہ کہے گا کہ انہوں نے رحلت فرمائی تو میں اس کا سر تلوار سے قلم کر دوں گا۔ سب پر سکوت کا عالم ہو گیا۔ خبر باہر کیونکر جا سکے یہ ایک تدبیر ہی تدبیر تھی۔ ورنہ کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت عمر دل سے یقین کرتے ہوں کہ جناب رسول خدا نے رحلت نہیں فرمائی۔ آسمان پر تشریف لے گئے ہیں یا حضرت موسٰی کی طرح میقات کے لئے گئے ہیں۔ آنحضرت کا جسدِ مبارک تو ان کی آنکھوں کے سامنے پڑا تھا اور موسٰی و عیسٰی اپنا جسدِ اقدس چھوڑ کر میقات کے لئے یا آسمان پر تشریف نہیں لے گئے تھے آنحضرتؐ کی رحلت کوئی اچانک واقعہ نہ تھا۔ آنحضرت کے مرض نے بتدریج ترقی کی تھی۔ اور سب کے سامنے مرض اس درجہ تک پہنچ گیا تھا کہ زیست کی امید باقی نہیں رہی تھی۔ خود مسجد میں جا کر آنحضرتؐ سب سے رخصت ہو کر آئے تھے اور اعلان فرما چکے تھے کہ جو شخص سمجھتا ہو کہ میں نے اس کے ساتھ سختی کی ہے وہ مجھ سے قصاص لے لے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سب حالتیں دیکھی ہوئی تھیں کوئی کیسے گمان کر سکتا ہے کہ حضرت عمر دل سے یقین رکھتے تھے کہ آنحضرت نے رحلت نہیں فرمائی امر واقعہ یہ ہے کہ چونکہ وہ سارے منصوبے بغیر حضرت ابوبکر کی شمولیت کے پورے نہیں ہو سکتے تھے لہٰذا ان کے آنے تک لوگوں کو اس طرح مشغول رکھا گیا یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دوڑ کر حضرت علی کی بیعت شروع کر دے، حضرت ابوبکر کے آتے ہی آپکو عقل آ گئی۔ کیا حضرت عمر رضؓ

قرآن سے ایسے جاہل تھے کہ اتنی مشہور آیت بھی یاد نہ رہی ہو۔ جب جنگ احد میں شیاطین کفار نے مشہور کردیا۔ کہ آنحضرتؐ شہید ہوگئے اور آنحضرتؐ کا لوگوں کو پتہ بھی نہیں تھا کہ کہاں ہیں اس وقت حضرت عمر کو کیوں نہ خیال آیا کہ نہیں وہ شہید نہیں ہوسکتے۔ کفار کے نرغہ سے محفوظ رکھنے کے لیے حضرت عیلیٰؑ کی طرح آسمان پر بلائے گئے ہیں اس وقت اگر حضرت عمر یہ اعلان کرتے مفید بھی ہوتا اور بہت کچھ حضرت عیلیٰؑ کی مشابہت بھی پوری ہوجاتی۔ مسلمانوں کی ڈھارس بندھتی اور بھاگے ہوئے لوگ واپس آجاتے۔ اور حضرت عمر پر جہالت قرآن کا الزام بھی عائد نہ ہوسکتا۔ کیونکہ اس وقت تک وہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی جس کی تلاوت کرکے حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو آنحضرتؐ کے انتقال کا یقین دلایا تھا۔ اس وقت تو آپ نے جناب رسول خدا کو مردہ سمجھ کر تلاش کی بھی ضرورت نہ سمجھی اور واپس جانے کا ارادہ کرلیا۔

بیان کیا جاتا ہے سقیفہ بنی ساعدہ میں جسد رسولؐ کو بے غسل وکفن چھوڑ کر اس لئے گئے تھے کہ اسلام کو تفرقہ سے بچائیں یہ تو ہم بعد میں بتائیں گے کہ اس سے اسلام میں تفرقہ پھیلا یا تفرقہ کا انسداد ہوا بہر صورت اس جگہ یہ غور کرنے کی بات ہے۔ کہ احد کے اس نازک وقت پر اسلام کو جس مصیبت کا سامنا اور دشمنوں کی یورش سے مقابلہ تھا وہ سقیفہ بنی ساعدہ کے وقت ذرا بھی نہ تھا۔ کیوں نہ اب اسلام کو بچانے کی کوشش کی بکھرے ہوئے مسلمانوں کو اکٹھا کرکے کفار پر جا پڑتے وہاں تو اپنی جان بچانے کی فکر میں پڑگئے۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ حضرت عمر کے جوش محبت نے ان کو آپے سے باہر کردیا۔ اور یہ آیت یاد نہ رہی۔ جن لوگوں کو واقعات پر غور وخوض کرنے کی عادت نہیں ہے وہ شاید ان کے ساتھ ہاں میں ہاں ملادیں ورنہ صاحبان غور وفکر جانتے ہیں کہ اظہار محبت وجوش عشق کے یہ طریقے نہیں ہوا کرتے۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں آنحضرتؐ نے وصیت لکھنے کے لیے کاغذ وقلم ودوات طلب کیا تو اس دن تو کچھ محبت کا ظہور نہ ہوا۔ حالانکہ وہ وقت تھا کہ حضرت عمر جوش محبت کے مارے بے آپے ہوکر رونے لگتے بلکہ اس دن تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔ کیسا عشق آمیز فقرہ زبان سے نکلا ہے۔ رنج کی علامت یہ ہے کہ آدمی آہ وزاری کرتا ہے، سر پیٹتا ہے۔ بے ہوش ہوجاتا ہے۔ اگر محبت نے رنج پیدا کردیا تھا تو آپ فوراً بے ہوش ہوجاتے۔ رونے لگتے سر پر خاک ڈالتے۔ گریبان چاک کرکے میت کے پاس بیٹھ جاتے۔ رنج کی علامت تو ایک بھی ظاہر نہ ہوئی۔ خود تو محبوب کے ساتھ مرنے کا جذبہ پیدا نہ ہوا۔ لوگوں کو مارنے کا خیال آگیا۔ کسی روایت میں نہیں ہے کہ حضرت عمر نے اظہار رنج وغم کیا یا الم انگیز کلمات ادا فرمائے اچھا اس وقت تو عقل گم ہوگئی۔ جب حضرت ابوبکر کے ساتھ وہ عقل واپس آئی تو پھر حضرت عمر نے کیا کیا۔ اس مسئلہ عشق کے معمہ کو حل کرنے کے لئے یہ بہت مفید نکتہ ہے۔ اگر محبت کا جوش تھا۔ تو جب حضرت ابوبکرؓ

کے آنے پر ہوش آیا تو اس وقت اظہار رنج وغم فرماتے - اس وقت تو فوراً جسدِ اطہر کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لئے روانہ ہو گئے یہ تھا وہ جوشِ عشق جس کا یہ حشر ہوا غرضکہ اس جنون میں بھی ایک مقصد پنہاں تھا اور یہ سب دفع الوقتی تھی -

اس مجلس خلیفہ ساز کا انعقاد بنی ساعدہ میں اہل بیت نبوت کی جائے رہائش سے بہت دور ہونا ان منصوبوں اور تجویزوں کے مطابق تھا ایسا جلسہ مسجد نبوی میں یا خاندانِ رسالت کی جائے رہائش کے نزدیک یہ لوگ کبھی نہ کرتے کیونکہ وہاں تو تمام بنو ہاشم اور بہت سے مہاجرین آن کر حضرت علی کا ذکر اس طرح درمیان میں لاتے کہ یہ سارے منصوبے خاک میں مل جاتے - کم سے کم یہ تو ضرور ماننا پڑیگا کہ حضرات شیخین کو بہت دنوں سے اس کا علم تھا اور یہ امر واقعہ ہے کہ حضرات شیخین اور ان کی جماعت کے طرز عمل سے مجبور ہو کر انصار نے ایسا کیا - انہوں نے اچھی طرح معلوم کر لیا کہ یہ جماعت اس بات پر آمادہ ہے کہ خاندانِ نبوت سے خلافت کو نکال لے جب خاندانِ نبوت درمیان میں نہ رہا تو انصار نے یہ گوارا نہ کیا کہ مہاجرین میں سے کوئی اور اُن پر حاکم ہو - لہٰذا انہوں نے مہاجرین پر پیش قدمی کرنی چاہی اس سے ظاہر ہے کہ اگر براہِ راست حضرت عمر نے انصار کو اس بات پر آمادہ نہیں کیا تھا - تو ان کے افعال وطرزِ عمل نے تو ضرور اُن کو اس پر مجبور کر دیا -

اب حضرت عمر کے لئے یہ بہت نازک وقت تھا - اپنا آدمی خلیفہ کرانے کے لئے یہ مہاجرین کو علیحدہ ایسا جلسہ کرنے پر آمادہ کریں یا مہاجرین کو بالکل نظر انداز کر کے خود جلسہ انصار ان میں چلے جائیں اور وہاں اپنا آدمی مقرر کرائیں - حضرت عمر نے ان دونوں تجویزوں پر بہت غور سے سوچا ہوگا - مگر فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی ہوگی کیونکہ مقدم الذکر تجویز کی خرابیاں ظاہر تھیں - مہاجرین کا جلسہ مہاجرین ہی کی آبادی میں ہو سکتا تھا - اور وہاں بنو ہاشم کا پہنچنا یقینی تھا - علاوہ اس کے اگر اس طرح انصار کو نظر انداز کر کے مہاجرین اپنا خلیفہ مقرر کر لیں گے تو دونوں فریقین میں کشت وخون ہونا لازمی ہوگا لہٰذا اپنے اوپر بھروسہ کر کے نہایت عقلمندی ودزیری کے ساتھ حضرت عمر نے انصار ہی کے جلسہ میں اپنا کام نکالنا چاہا وہاں بہت آسانیاں تھیں - انصار اپنے میں سے کوئی خاص فضیلت کا آدمی پیش نہیں کر سکتے تھے - اوس وخزرج کی باہمی رقابت اگرچہ اسلام کی وجہ سے دب گئی تھی بالکل معدوم نہیں ہوئی تھی اس سے کام لیا جا سکتا تھا - چنانچہ اس سے کام لیا گیا اور کامیابی کی بھی بڑی وجہ یہی تھی - اس موقعہ پر دو انصاریوں نے بڑی مدد کی اور حضرت عمر ہمیشہ اُن کے ممنون احسان رہے - ایک تو بشیر ابن سعد اور دوسرے زید بن ثابت انہوں ہی نے سب سے پہلے حضرت ابوبکر سے بیعت کر کے اس سلسلہ کو چلایا -

حضرت عمر نے انصار کے معاملہ میں نہایت عقلمندی سے کام لیا - سب سے پہلے تو انہوں نے یہ

گیا کہ انصار ہی میں سے ایک اپنا جاسوس و مخبر بنا لیا۔ حضرت عائشہ کی روایت ملاحظہ ہو:

عن عائشۃ قالت وکان عمر ابن الخطاب اخی رجلا من الانصار لا یسمع شیئا الا اخبرہ بہ ولا یسمع عمر شیئا الا حدثہ

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جناب عمر نے انصار میں سے ایک شخص کو بھائی بنایا ہوا تھا یہاں تک کہ وہ شخص کوئی بات نہیں سنتا تھا لیکن یہ کہ عمر کو اسکی اطلاع دیتا تھا اور عمر کوئی بات نہیں سنتے تھے لیکن یہ کہ اس شخص کو اطلاع دیتے تھے

محمد بن سعد۔ طبقات الکبریٰ الجزء الثامن من النساء تحت عنوان ذکر المرأتین اللتین تظاہرتا علی رسول اللہ صلعم و تخیرہ نسارہ صفحہ ۱۳۱ بصفحہ ۱۳۶

جناب رسول خدا نے تو عقد مواخات قائم کر دیا تھا اور بھائی بھائی بنا دئے تھے۔ یہ نیا صیغہ مواخات کیوں پڑھا گیا۔ ضرور وہ شخص اس سقیفہ سازی کی مہم کا رکن ہو گا۔ جب ہی تو حضرت عائشہ اس کا نام نہیں بتاتیں۔ بشیر ابن سعد یا زید بن ثابت ہو گا۔ بہر صورت کوئی ہو۔ اس کے ذریعے سے حضرت عمر کو انصار کی لحہ لحہ کی خبریں پہنچتی تھیں اور ان کے اندرونی حالات بھی معلوم ہوتے تھے۔ رحلت رسول کے نزدیک یہ بھی معلوم ہوا ہو گا کہ انصار سعد ابن عبادہ کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہو گا کہ اوس و خزرج کی پرانی رقابت پھر تازہ ہو رہی ہے غرضکہ یہ قیاس خلاف واقعہ نہ ہو گا کہ بشیر بن سعد و زید ابن ثابت کو پہلے ہی سے تیار کر لیا گیا تھا اس ہی اپنے بھائی انصار کو سقیفہ والے دن مخبری پر لگایا ہو گا۔ چنانچہ اس مخبر نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع کی خبر آن کر چپکے سے صرف حضرت عمر ہی کو دی۔ یہ بھی غور کے قابل بات ہے ورنہ اس کو چاہیئے تھا کہ مجمع میں آن کر اعلان کرتا بلکہ وہاں آتا کہ جہاں جناب رسول خدا کا جسد اطہر تھا اور آنحضرت کے وصی و متعلقین جمع تھے۔ آنحضرت نے اعلان عام کر دیا تھا کہ علی میرا وصی ہے۔ عرب کے رسم و رواج و قانون اسلام کے مطابق بھی حضرت علی ہی کے وارث و وصی تھے ان کو چھوڑ کر یہ مخبر کیوں حضرت عمر کی طرف جاتا ہے اس میں ضرور کوئی راز پنہاں ہے یہ مخبر حضرت عمر کی جماعت سے تعلق رکھتا تھا اور حضرت علی کے خلاف تھا۔ ضرور اس شخص کو حضرت عمر نے وہاں بٹھا دیا تھا کہ جب انصار کو مجتمع ہوتے ہوئے دیکھے تو اطلاع کر دے۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ حضرت عمر نے اس کو وہاں نہیں بٹھایا تھا تو وہ شخص صرف حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے پاس اس وجہ سے آیا کہ وہ ان کو ہی خلافت کے انعقاد کی سازش کا سرگروہ سمجھتا تھا۔ جاسوسی کا نہایت عمدہ انتظام کیا گیا تھا اس شخص کے علاوہ اس جماعت کی سیاست اور ان کے دلی ارادوں کی عریانی کے لئے یہ امر واقعہ کافی ہے کہ حضرت عمر نے اپنے ساتھ صرف حضرت ابوبکر و عبیدہ بن الجراح کو لیا اور سقیفہ کی طرف چلے۔ یہ تینوں حضرات آپس میں خلافت کے حصہ دار ہو کر چلے تھے۔ یہ امر حضرت علی کے کئی خطبوں سے ظاہر

ہوتا ہے اور واقعات اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے تو آپس میں ایک دوسرے کو خلیفہ بنا ہی دیا۔ ابو عبیدہ اور خلافت کے درمیان موت حائل ہو گئی ورنہ خلیفہ ثالث وہ ہوتے۔ چنانچہ حضرت عمر نے محکمہ شوریٰ قائم کرتے وقت فرمایا تھا کہ کاش آج کو ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بنا دیتا۔

مخالفین علی کی جماعت میں جس کے سردار حضرت عمر تھے اور بھی بہت سے حضرات تھے جو سقیفہ میں ساتھ لے جانے کے قابل تھے۔ مثلاً خالد بن ولید، مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن العاص، اُن کو اپنے ہمراہ نہ لے جانا ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے دلی ارادہ کو کہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ مقرر کر دیں گے۔ خود اپنی جماعت سے چھپایا۔ اگر نہ چھپایا ہوتا اور یہ لوگ حضرت ابوبکر کی خلافت پر راضی تھے تو ضرور ان کو بھی ہمراہ لیتے۔ ایک مخالف مجمع میں جا رہے تھے۔ جتنے زیادہ ہوتے اتنا ہی اچھا تھا۔ مگر حضرت عمر نے اس وجہ سے اپنے اس دلی ارادہ کو اپنی جماعت سے چھپایا کہ اس میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ حضرت خالد جیسے خود سر اور طلحہ جیسے مغرور۔ عمرو بن العاص جیسے حیلہ ساز وہ سب یہ کہتے کہ اگر ابوبکر خلیفہ ہو سکتے ہیں تو ہم کیوں نہ ہوں اور اس وقت تو ابوسفیان بھی بول اٹھتے کہ ہم گمنام قبیلہ میں خلافت کو نہیں جانے دیں گے۔ وہ سب یہ کہتے کہ جب ہم رسولِ خداؐ کے نامزد شخص کو نہیں لیتے تو عمر کے نامزد شخص کو کیوں قبول کریں۔ جماعت میں پھوٹ پڑ جاتی اور سارا کھیل بگڑ جاتا۔ لہٰذا حضرت عمر نے سب سے یہ امر پوشیدہ رکھا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ کر بھی جماعت انصار و جماعت مہاجرین ہی کا مقابلہ کرتے رہے۔ شخصیت کو پھر بھی درمیان میں آنے دیا۔ عمر کس کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو اس وقت ہی معلوم ہوا کہ جب عمر کا ہاتھ ابوبکر کے ہاتھ میں تھا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے اس سیاسی اصول پر انحصار کیا جو زمانہ حال میں بہت کثرت سے رائج ہے اور جس کو یورپ میں (FAIT ACCOMPLI) کہتے ہیں یعنی ایک کام کو فوراً کر لو اس کا واقع ہو جانا ہی اس کی آئندہ کامیابی کا باعث ہوگا۔

ان واقعات کو دیکھتے ہوئے اب یہ تو کون کہہ سکتا ہے کہ حضرات شیخین سقیفہ بنی ساعدہ میں اسلام کی محبت کی وجہ سے اس کو تفرقہ سے بچانے کے لئے گئے تھے بلکہ حقیقی تفرقہ تو ان کے اس طرزِ عمل نے پیدا کر دیا۔ ایسا تفرقہ جو اس وقت تک باقی رہے گا۔ جب تک دُنیا میں اسلام باقی ہے۔ ہنگامہ سقیفہ کی بناء ہی تفرقہ پر ہے۔ امت محمدیہ کو دو فرقوں میں منقسم کر دیا۔ مہاجر و انصار اسلام میں تفرقہ کی یہ پہلی مثال ہے۔ ساری امت کو واحد جماعت تصوّر کر کے اس میں کا بہترین آدمی منتخب کرتے۔ اگر جناب رسولِ خداؐ کے انتخاب کی عظمت کی جاتی اور فضیلت معیار خلافت قرار پاتی تو پھر کوئی تفرقہ ہی نہ پیدا ہوتا اور سارے جھگڑے مٹ جاتے۔ چنانچہ علّامہ شہرستانی اپنی

کتاب الملل والنحل میں کہتے ہیں:۔

الخلاف الخامس فی الامامة واعظم خلاف بین الامة خلاف الامامة اذ ما سل سیف فی الاسلام علی قاعدة دینیة مثل ما سل علی الامامة فی کل زمان وقد سهل الله تعالی فی ذلک فی الصدر الاول فاختلف المهاجرون والانصار فیها وقالت الانصار منا امیر و منکم امیر و اتفقوا علی رئیسهم سعد بن عبادة الانصاری فاستدرکه ابوبکر وعمر فی الحال بان حضر سقیفة بنی ساعدة وقال عمر الا ان بیعة ابی بکر کانت فلتة وقی الله شرها فمن عاد الی مثلها فاقتلوه فایما رجل بایع رجلا من غیر مشورة من المسلمین فلا یبایع هو ولا الذی تابعه تغرة ان یقتلا

کتاب الملل والنحل الجزء الاول صفحہ ۱۶۔

اختلاف پنجم دوبارۂ امامت سب سے بڑا اختلاف امت کے درمیان امامت کا اختلاف ہے کیونکہ ہر ایک زمانہ میں کسی اور اصول و قواعد دینیہ کے لیے اتنی تلوار نہیں کھینچی جتنی مسئلہ امامت پر کھینچی ہے زمانہ اولی میں خداوند تعالی نے اس مشکل کو آسان کر دیا تھا۔ پہلے پہلے تو مہاجر و انصار میں اس پر اختلافات ہوا انصار کہتے تھے کہ ایک حاکم ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے اور انہوں نے اپنے رئیس سعد بن عبادہ پر اتفاق کر لیا پس فوراً ابوبکر و عمر نے اس کا مقابلہ کیا اور وہ دونوں سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے حضرت عمر کہتے ہیں کہ خبردار یہ بیعت ابوبکر کی ایک آفت ناگہانی تھی جس کے شر سے خدا نے لوگوں کو بچا لیا پس جو شخص پھر ایسا کریگا اسکو قتل کر دو۔ جو شخص دوسروں کی بیعت بغیر مسلمانوں کے مشورے کے کرے تو اس کو اور جسکی بیعت کی ہے اس کو دونوں کو قتل کر دو۔ اور ان کی پیروی نہ کی جائے۔

اس طرز عمل اور اس طریقہ حصول خلافت کی برائی و بدی کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ خود اس کا موجد اس کا اختیار کرنے والا اقبال کرتا ہے کہ واقعی وہ طریقہ نہایت شر آمیز تھا۔ ایسا کہ اس طریقہ پر چلنے والے مستوجب قتل تھے۔ گویا وہ طرز عمل اور وہ طریقہ شر مطلق تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ بیعت بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے تھی۔ یہ منطق ملاحظہ ہو۔ ہم جو کریں وہ جائز چاہے شر مطلق ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی دوسرا وہی فعل کرے تو گردن زدنی۔ ہم اپنا مطلب جس طریقہ سے چاہیں نکال لیں کوئی دوسرا ایسا کام نہ کرے۔ دراصل یہ تو جرم کا اقبال ہے۔ جرم بھی ایسا کہ جس کی سزا قتل ہو اب ان بزرگواروں کی عقل و منطق ملاحظہ ہو۔ مقام ایسا کہ جہاں باطل و بیہودہ مشورے ہوتے ہیں اور جرم کرنے کی تجویزیں سوچی جاتی ہوں۔ جرم ایسا کہ جس کی سزا قتل سے ورے نہیں لیکن اس مقام پر اس جرم کے ذریعہ سے منتخب کیا ہوا خلیفہ ایسا صاحب امر سمجھا جاتا ہے جس کی اطاعت کا حکم قرآن شریف میں ہے اور وہ داماد و ابن عم رسول کہ جو افضل ترین امت ہے اور جس کو جناب رسول خدا نے بحکم خداوندی جانشین کر کے بار بار اعلان کر دیا وہ رد کر دیا جاتا ہے۔ عقل و منطق کا یہاں کیا کام ہے تعصب کے ملک

کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔

انسان کے افعال اس کے دل کی اصلی حالت کے بہترین گواہ ہوتے ہیں۔ خداوند تعالٰے بھی قیامت کے دن ان کی زبان کو نظر انداز کر کے اعضائے افعال یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ ہی سے گواہی لے گا۔ حضرت عمر کا یہ طرزِ عمل کہ مہاجرین میں سے کسی کو اپنے اصلی تجویز سے مطلع نہ کیا۔ اور صرف حضرت ابوبکر و ابو عبیدہ کو ہمراہ لے گئے۔ بہت سے امور پر فیصلہ کُن گواہی دیتا ہے۔ اگر نیک نیتی سے اسلام کو تفرقہ سے بچانے کے لئے وہاں گئے تھے تو پھر تمام مہاجرین خصوصاً بنو ہاشم و حضرت علی کو ساتھ لے جاتے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں تو فقط انصار تھے اور مقابلہ ایک جماعت کا دوسری جماعت سے تھا۔ ایسی حالت میں جتنے مددگار ہوتے اتنا ہی بہتر تھا۔ بحث میں ایک دوسرے کی حمایت و تائید کی زیادتی و افزونی مدد دیتی ہے۔ ایسے موقعوں پر اظہارِ فضیلت ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ فضیلت کا ذکر آیا۔ لہٰذا اس شخص کو ساتھ لینا ضروری تھا کہ جب فضیلت معیارِ خلافت قرار دی جائے تو اس کے فضائل کا اظہار سب کا مُنہ بند کر دے۔ حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کون کہہ سکتا تھا کہ تلوار تک نوبت نہ آئے گی۔ ہر ایک ممکن حالت میں جو رونما ہو سکتی تھی۔ اور خیال میں لائی جا سکتی تھی۔ کثرت و جماعت مفید تھی مگر باوجود اس قطعی و بدیہی ضرورت کے حضرت عمر نے کسی اور کو ساتھ نہ لیا یہ بات بغیر علت کے نہ تھی اور علت ظاہر ہے۔ حضرت علی ہی کے خلاف تو یہ سازش تھی۔ لہٰذا ہر اس ممکن موقعہ کو جس میں علی کا ذکر آ سکتا تھا دور رکھنا ضروری تھا۔ حضرت علی اور بنو ہاشم وغیرہ کو ساتھ لے جانے سے یہی مقصد فوت ہوتا تھا اور ان کے ساتھ نہ لے جانے میں فائدہ ہی فائدہ تھا۔ اُن کا یہ خیال تھا کہ اول تو بہت ممکن ہے کہ ہماری تقریریں اور چند انصار کی غداری کام کر جائے اور حضرت ابوبکر ہی واحد خلیفہ بن جائیں اور اگر بالفرضِ محال یہ ممکن نہ ہوا تو انصار کا مطالبہ صرف اتنا ہی تو ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے، اس صورت میں بھی حضرت ابوبکر ان دو میں سے ایک حاکم ہوں گے۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس وقت حضرت عمر خود خلیفہ نہیں ہونا چاہتے تھے کیونکہ اس وقت خلیفہ ہونا اپنے تئیں بہت سے خطروں میں ڈالنا تھا۔ معلوم نہیں کہ بنو ہاشم کیا طرزِ عمل اختیار کریں۔ بنو امیہ کا رویہ کیسا ہو، دیگر قبائل کس طرح ان کے ساتھ پیش آئیں، کیا خون خرابے ہوں۔ ایسی حالت میں جو خلیفہ ہو گا سارا بوجھ اسی کے اوپر ہو گا اور جو کچھ بدنامی ہو گی اسی کی ہو گی یہ بھی خیال کیا گیا کہ شاید حضرت علی خاموش نہ بیٹھیں اور ضرور اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے تلوار اٹھائیں اس وقت خلیفہ کے لئے بڑی دشواری ہو گی۔ علاوہ اس کے اگر بادشاہ کا معتمد یا وزیر و نائب ایسے موقعوں پر چالاک و مستعد کارکن ہے تو سب کام سنور جاتے ہیں ورنہ بادشاہ تو اپنی تمکنت و خودداری کی وجہ سے ہر

ایک کام ہر جگہ نہیں کر سکتا۔ ایسے موقعوں کے لئے حضرت عمر اچھے نائب تھے۔ اگر حضرت ابوبکر نائب ہوتے تو شاید ان میں اتنی جرأت نہ ہوتی کہ آگ لے کر حضرت فاطمہ کا گھر جلانے جاتے ان سب امور پر غور کر کے حضرت عمر نے نتیجہ نکالا کہ ایسے وقت میں ان کا نائب رہنا زیادہ مفید ہوگا جب سارے خطرے دور ہو گئے اور امتِ محمدیہ میں حضرت علی اور اہل بیت کے حقوق کو نظر انداز کرنے کی عادت ڈال دی گئی تو آپ فوراً خلیفہ بن گئے اور پہلے بھی ایسے کو خلیفہ بنایا تھا۔ جس کے دوران حکومت میں خود ہی خلیفہ معلوم ہوتے تھے اگر طلحہ و زبیر یا خالد کو خلیفہ بناتے تو یہ بات کہاں تھی۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا ہوا۔ ذرا اس پر نظر ڈالیں اور پھر نتیجہ نکالیں کہ آیا یہ خلافتِ الٰہیہ حاصل کرنے کا طریقہ تھا یا حکومتِ رذیلہ دنیاویہ۔

سب سے زیادہ مؤثر طریقہ جو حضرت علی کو محروم کرنے کا ہو سکتا تھا وہ یہ تھا کہ مقابلہ محض جماعتوں میں ہو چنانچہ مقابلہ صرف جماعتوں یعنی انصار و مہاجرین ہی میں ہوا۔ گویا جتنے لوگ وہاں جمع تھے۔ ان سب نے اس طریقہء انتخاب پر اتفاق کیا کہ صرف فیصلہ کیا جائے کہ کس جماعت میں سے حاکم مقرر کیا جائے اور جب یہ فیصلہ ہو جائے کہ کس جماعت میں سے حاکم مقرر ہوگا۔ تو پھر وہ جماعت جس کو پیش کرے وہی حاکم ہوگا، دھینگا مشتی یا دھاندلی سے فرض کر لیا گیا کہ مہاجرین میں سے ہو تو پھر وہاں تو تین ہی مہاجر موجود تھے جن کو وہ پیش کریں وہ ہی حاکم ہو چنانچہ ایسا ہو گیا۔ یہی ایک طریقہ ایسا تھا کہ جس سے وہ شخص جس کو وہ سب افضل ترین و لائق ترین جانتے تھے۔ درمیان میں سے نکالا جا سکے۔

لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ بنیادی اصول ہی غلط تھا۔ امتِ محمدیہ کو ایک متفقہ گروہ یا جماعت قرار دے کر کیوں نہ کل میں کا بہترین شخص منتخب کیا گیا۔ کیوں امتِ محمدیہ کو دو فرقوں میں تقسیم کیا گیا۔ یہ ہی بنیاد تھی آئندہ اختلافات کی جنہوں نے امت محمدیہ کو بہتر فرقوں میں تقسیم کر کے اس کو کمزور ترین جماعت اور تمام دنیا کے لئے ایک مضحکہ انگیز شے بنا دیا اور یہ ہی وہ طرز عمل تھا جس نے احکام قرآنی وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا کی خلاف ورزی کر کے ہمیشہ کے لئے ضلالت کا راستہ کھول دیا گیا اچھی بحث ہوتی اگر حضرت ابوبکر وہاں لوگوں کے سامنے تقریر کرتے کہ مہاجرین و انصار کا جھگڑا ہی کیوں اٹھاتے ہو مہاجرین میں کئی قبیلے ہیں۔ اسی طرح انصار میں اوس و خزرج کی مخالفت ایک فتنہ خوابیدہ ہے۔ اس طرح تفرقہ ہو جائے گا۔ امت محمدیہ ایک جماعت ہے اس کو ایک واحد جسم تصور کر کے تمام امت میں جو بہترین شخص ہو اس کو حاکم مقرر کر لو اس طرح سارا فتنہ و فساد جاتا رہتا اور تفرقہ کی جڑ ہی کٹ جاتی یہ تو ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ ان کے ذہن میں یہ سیدھی سادی بحث نہ آئی ہوگی مگر اس کا اظہار مقصد کو فوت کرتا تھا لہٰذا اسے نظر انداز کیا گیا اور جب حضرت ابوبکر کلام کرنے کیلئے کھڑے ہوئے تو غالباً حضرت عمر اس سے ڈرتے ہی ہوں گے کہ کہیں فضیلت ذاتی کی طرف زیادہ زور نہ دیں مگر یہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ راستہ بھر

تبادلہ خیالات ہوا ہے اور ہر ایک ممکن گفتگو کے مختلف پہلوؤں کو سوچا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر جیسے غبی و کُند ذہن تو نہ تھے لہٰذا جو حضرت عمر کے دل میں تھا وہی حضرت ابوبکر کی زبان پر آیا۔ اب تمہیں اختیار ہے چاہے اس کو الہام کہو یا توارد خیالات کہو یا منصوبہ بازی سمجھو۔ غرضکہ یہ امت محمدیہ کی بدقسمتی تھی کہ ان لوگوں نے یہ غلط و معضر طرز بحث اختیار کیا۔

اس کے بعد یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ انصار نے مطلق حجت نہیں کی کہ مہاجرین میں سے کون ہو جو اصحابِ ثلاثہ تشریف لائے تھے ان میں ہی سے جس کو ان تینوں نے پیش کیا اس کو انصار نے قبول کیا۔ اب تاخرین کو تنہا تشریف لانے کی مصلحت معلوم ہوئی ایک کو پیش کرتے ہوئے ذرا اس کی تعریف کرنی ضرور تھی حضرت ابوبکر نے تو غالباً اپنے نامزدگان میں کوئی وجہ فضیلت نہ دیکھی لہٰذا صرف ان کا نام ہی پیش کر دیا حضرت عمر نے چونکہ انہیں اپنے اوپر سے فی الحال اس بار کو ٹالنا مقصود تھا۔ اس کو رد کرتے ہوئے حضرت ابوبکر کو اپنے سے بہتر بتانے کی کوشش کی، اور ان کے غار اور امامت کا ذکر کیا۔ اول تو یہ دونوں کوئی فضیلتیں نہ تھیں۔ جناب رسولِ خدا نے اپنی مرضی سے ابوبکر کو ساتھ نہیں لیا بلکہ ان کو تو اپنے ارادہ ہجرت سے بھی آگاہ نہ کیا اور غار کے اندر بھی جزع و فزع کر کے حضرت ابوبکر نے انتہا درجہ کی بے صبری و بے اطمینانی کا ثبوت دیا۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ کو ان کے گریہ وزاری کے روکنے کی ضرورت پڑی تاکہ باہر قریش آواز سن لیں اور امامت نماز میں کیا خاص بات تھی اب تو حضرت عائشہ ہی نے نماز کے لئے حضرت ابوبکر کو کھڑا کرایا تھا، اگر یہ بھی نہ ہو تو مختلف موقعوں پر مختلف اشخاص کو آنحضرت خود جہاد پر جاتے وقت مدینہ کا حاکم اور نماز کا امام مقرر کر جایا کرتے تھے علاوہ اس کے یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمر نے یہ کہہ کر صرف اپنے سے ابوبکر کو زیادہ فضیلت والا ثابت کرنے کی کوشش کی تھی نہ اس وقت تمام مہاجرین سے مقابلہ تھا اور نہ تمام مہاجرین کا ذکر تھا۔ انہوں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا۔ کہ حضرت ابوبکر تمام مہاجرین سے بہتر ہیں۔

مزا یہ ہے کہ انتخاب تو ہو رہا ہے جناب رسولِ خداؐ کے جانشین کا۔ لیکن جناب رسولِ خداؐ کی رائے کو بالکل نظر انداز کیا جا رہا ہے جس طرح اس امر میں قرآن خدا کی طرف رجوع نہیں کیا اسی طرح رسولِ خداؐ کی طرف توجہ نہ کی۔ یہ تو کیوں کہنے لگے تھے کہ جناب رسولِ خدا نے کس شخص کو خلیفہ مقرر کیا تھا جو امر قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اس طرف بھی گفتگو کو نہ آنے دیا کہ جناب رسولِ خدا کس شخص کو کیسا سمجھتے تھے حالانکہ جناب رسولِ خدا کی نیک رائے کسی شخص کی بابت اس زمانہ میں اس شخص کی بہترین فضیلت سمجھی جاتی تھی، اور اب تک یہی بات ہے احادیث و مناقب و تواریخ کی کتابیں جناب رسول خدا کے اس قسم کے اقوال سے بھری پڑی ہیں اب تک عشرہ مبشرہ کے نام پر لوگ سر دھنتے ہیں سقیفہ سے بہتر کوئی اور کون سا موقعہ اس حدیث کو یاد دلانے کا ہو سکتا تھا۔ عشرہ مبشرہ میں کوئی انصار نہیں ہے۔ دسوں کے دسوں

مہاجر ہیں۔ کیا یہ کافی فضیلت مہاجرین کی انصار کے اوپر نہ تھی، اس کا وہاں کیوں نہ ذکر کیا۔

محب الدین طبری کی کتاب الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ میں حضرت ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ بن الجراح کی شان میں کتنی احادیث نقل کی گئی ہیں اور ان صاحبان کو کتنا آسمان پر چڑھایا گیا ہے۔ کیا خود ان حضرات کو ان میں سے ایک حدیث بھی یاد نہ رہی۔ سوائے غار اور امامت نماز کے اور کچھ یاد ہی نہ رہا۔ قطعی طور پر ثابت ہوا کہ یہ حدیث عشرہ مبشرہ اور دیگر احادیث جو سقیفہ والے اصحاب کی شان میں آج کل مروج ہیں سب وضعی ہیں اور بعد میں تراشی گئی ہیں۔ یہ بوالعجبی ملاحظہ ہو۔ عشرہ مبشرہ میں سے حضرت امیر حمزہ، جعفر طیار، امام حسن و امام حسین و ابوذر غفاری و عمار بن یاسر و سلمان فارسی جیسے جلیل القدر بزرگ تو خارج ہوں اور شامل ہوں کون سعد بن مالک اور سعید بن زید۔ قصہ مختصر، حضرت علی کے مناقب و فضائل کا ذکر تو اس وجہ سے نہ کیا گیا کہ یہ ان کے مقصد کے خلاف تھا اور حضرت ابوبکر میں سوائے غار و امامت نماز کے اور کوئی فضیلت ہی نہ تھی۔

دنیا میں حق اور انصاف کو سقیفہ بنی ساعدہ سے پہلے بھی اور اسکے بعد بھی بسا اوقات لوگوں نے نظر انداز کر کے خود دوسروں کا حق غصب کیا ہے۔ لیکن جس دلیری و جرأت سے عمداً صریحاً جانتے ہوئے کہ ہم ظلم کر رہے ہیں حق اور انصاف کا خون سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا گیا اس کی مثال تاریخ عالم میں نہ اس سے پہلے ملتی ہے اور نہ اس کے بعد اور نہ قیامت تک ملے گی۔ اس دعوے کے ثبوت کے لئے کسی لمبی چوڑی بحث یا شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔ جو گفتگوئیں وہاں ہوئیں اور جو دلائل اپنے اپنے حق میں ہر ایک فریق نے پیش کیے ان کو پڑھو اور اپنے گریبان میں منہ ڈالو۔ اس ظلم صریح کے ساتھ تو فرعونی حکومت بھی حاصل کرتے ہوئے لوگ شرماتے ہیں۔ کجا کہ خلافت الٰہیہ، تاریخ عالم بتا رہی ہے کہ دنیا کا ہر ایک ظالم و غاصب کچھ نہ کچھ لینے کے لئے اپنے حق میں دلائل رکھتا تھا۔ مگر یہ سقیفہ والے حضرت علی کے مقابلہ میں ایک دلیل بھی نہیں رکھتے تھے اور یہ وہ خود بھی جانتے تھے کہ حضرت علی کو نظر انداز کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے مگر پھر بھی اتفاقات اور عرب کی طینت جاہلیت پر بھروسہ کیے ہوئے تھے کہ شاید ہم کامیاب ہو جائیں اور حضرت علی کی فرض شناسی و فرادانی ایمان نے موقعہ دے دیا اور وہ کامیاب ہو گئے۔ اگر حضرت علی بھی ان کی طرح اپنے محسن اپنے رسولؐ اپنے رفیق اپنے مصاحب اپنے ابن عم کی لاش کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ کی طرف حکومت لینے کے لئے دوڑ پڑتے تو پھر بنی تیم و بنی عدی میں خلافت تو نہ جاتی۔ لیکن رسولؐ کی محنت برباد ہو جاتی کیونکہ رسول کا نمونہ اور اسلام کی روح کو بچانے والا کوئی نہ رہتا۔ سب دنیا کے بندے ہی نظر آتے اور کفار ان پر ہنستے۔ اب ہم ان دلائل کو بیان کرتے ہیں جو حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے وہاں پیش کیں اور جن کی بنا پر ان کو خلافت ملی۔ انہوں نے مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے:۔

۱۔ مہاجرین نبیؐ کے رشتہ دار ہیں اور اس کے وارث ہیں۔

۲۔ مہاجرین نے انصار سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

۳۔ مہاجرین قبیلہ قریش میں سے ہیں جن کی بزرگی دیگر قبائل پر مسلم ہے۔

۴۔ حضرت ابوبکر آنحضرت کے صاحبِ غار تھے۔

۵۔ حضرت ابوبکر کو امامتِ نماز کا حکم دیا گیا۔

۶۔ مہاجرین نے جناب رسولِ خدا کی نصرت میں کفار سے ایذائیں اٹھائی تھیں۔

۷۔ چونکہ مہاجرین جناب رسول خداؐ کے رشتہ دار ہیں لہٰذا امر خلافت میں جو ان کا مقابلہ کرے گا۔ وہ ظالم ہوگا۔

۸۔ بقول حضرت عمر عرب اس بات کو پسند نہیں کریں گے کہ ان پر وہ حکومت کریں جن میں سے رسولِ خداؐ نہ تھے۔ ہم میں سے رسول خداؐ تھے لہٰذا عرب ہماری حکومت کو پسند کریں گے امر خلافت کا وہ شخص ہی مستحق ہو سکتا ہے جس کے خاندان میں نبوت رہ چکی ہو۔ حضرت عمر کے الفاظ ہیں:۔

ولکنّ العرب لا ینبغی ان تولی ھذا الامر من کانت النبوۃ فیھم و ادنی الامر منھم۔

۹۔ ہم کو حکومتِ محمدؐیہ میراث میں پہنچتی ہے۔

۱۰۔ بشیر ابن سعد انصاری نے بھی حضرت ابوبکر کی حمایت یہی کہہ کر کی کہ مہاجرین کو حکومتِ محمد میراث میں پہنچتی ہے۔

قبل اس کے کہ ہم ان دلائل پر ایک ایک کر کے غور کریں تین نہایت اہم امور نمایاں ہوتے ہیں:۔

اوّل تو یہ کہ ایک فریق کا خیال ہے کہ سقیفہ سازی کا یہ فائدہ ہوا کہ مسلمانوں میں خاندانی امتیاز نہ رہا اور مساوات قائم ہو گئی۔ خلیفہ کے لئے کسی خاندان میں سے ہونا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ لیکن اس خیال کی مکمل تردید کے لئے وہ بحث کافی ہے جو سقیفہ میں ہی ہوئی۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی ساری بحث کی بنا ہی یہ تھی کہ چونکہ رسول خداؐ ہم میں سے تھے لہٰذا ہم کو خلیفہ ہونا چاہیئے۔ نسلی و خاندانی و قبائلی امتیاز اس بحث میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے پھر یہ لوگ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سقیفہ سازی نے خاندانی امتیاز کی جڑ کاٹ دی۔

دوم یہ کہ دلیل ۷ پر غور کرو۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص قریبی رشتہ داران نبیؐ کی مخالفت امرِ خلافت میں کرتا ہے وہ ظالم ہے ہم بھی اس کو مانتے ہیں۔ اب سوچئے کہ ظلم کا رخ کس طرف ہوتا ہے۔

سوم۔ سقیفہ سازی کی بحث سے حضرت عمر کی سیاست کی ماہیت کا انکشاف کیسی اچھی طرح

ہوتا ہے۔ انصار سے تو یہ کہہ کر حکومت لی کہ عرب اس بات کو نہیں پسند کریں گے کہ حکومت خاندان نبوت کے باہر ہو گویا عرب کی خواہش یہ ہے کہ خاندان نبوت ہی میں حکومت رہے۔ جب حکومت مل گئی تو اب عرب کی خواہشات کی ترجمانی کا رُخ بدلتا ہے۔ آپ حضرت عباس سے فرماتے ہیں کہ بنو ہاشم کو حکومت اس وجہ سے نہیں ملی کہ عرب نہیں چاہتے تھے کہ نبوت و حکومت ایک خاندان میں ہوں۔ عرب تو معلوم نہیں کیا چاہتے تھے۔ حضرت عمر نے مناسب موقعہ بحث کر کے اپنا کام نکال لیا۔ لیکن حکومت الٰہیہ میں ایسی بحث نہیں ہو سکتی۔

ان دلائل کا اختصار

اب ہم دلائل کی طرف غور کرتے ہیں دلائل عمدہ اور ایسی ہیں کہ جن کا جواب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انصار ان کا جواب نہ دے سکے۔ کاش دلائل پیش کرنے والوں نے خود ان پر عمل کیا ہوتا۔ ان سب دلائل کو اگر اختصار کے ساتھ بیان کریں گے تو اس طرح کہیں گے۔

(۱) خلافت و حکومت میراث محمد ہے لہٰذا ان کے وارثوں کو ملنی چاہیئے۔

(۲) قرابتِ رسول ایک ایسا استحقاقِ حکومت و خلافت پیدا کرتی ہے۔ جس کا انکار و مقابلہ کرنے والا ظالم ہوتا ہے۔

(۳) فضائلِ ذاتی۔

دلیل اول

ان میں سے دلیل اوّل ایسی قطعی اور فیصلہ کُن ہے کہ انصار سے کچھ جواب نہ بن پڑا اور بشیر ابن سعد نے اس پر ہی زور دے کر انصار کو بیعت ابوبکر کی ترغیب دی۔ انصاف بھی کوئی شئے ہے خدا کو جان دینی ہے۔ حق لگتی کہو یہ ورثہ محمد کا علی کو پہنچتا ہے یا ابوبکر کو۔

دلیل دوم و سوم

دلیل دوم بھی ایسی ہی لاجواب ہے محمد خدا کے لئے بتاؤ تو جناب رسول خدا سے قریب تر کون تھا حضرت علی یا حضرت ابوبکر؟ فضائل ذاتی کو لیجیے۔ حضرت علی نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اور ہر ایک مسلمان سے سات سال قبل آنحضرت کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضرت ابوبکر کا نمبر تو ساتواں یا دسواں ہے یہ سب امور ہم حصہ اوّل میں ثابت کر چکے ہیں۔ حضرت ابوبکر کی مصاحبت غار اور امامت نماز کا بھی ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا۔ مہاجرین نے ضرور ایذائیں اٹھائیں لیکن حضرت ابوبکر سے تو کہیں زیادہ عمار ابن یاسر کو یہ تکالیف دی گئیں۔ اب ذرا حضرت علی کی فضائل ذاتی پر تو غور کرو۔ آنحضرت کی اور اسلام کی حفاظت ہر ایک جنگ میں کی اپنی جان کی پرواہ نہ کر کے رسول کو بچایا۔ کیا جہاد میں ثابت قدم رہنا کچھ فضیلت ہی نہیں۔ فضیلت ان کے لئے ہے جو ہر ایک موقعہ جہاد سے بھاگ گئے غرضکہ حضرت علی کے فضائل ذاتی کا تذکرہ بہت تفصیل کے ساتھ ہم پہلے کر چکے ہیں اور حصہ اول کے باب دوازدہم میں آپ کی فضیلت ثابت کر چکے ہیں۔ ان دلائل میں سے جو سقیفہ میں استحقاق حکومت ثابت کرنے کے لئے پیش کی گئیں کوئی دلیل ایسی نہ تھی جو حضرت علی کے لئے بدرجۂ اولےٰ حکومت کو ثابت نہ کرتی ہو صفات

کو بیان کرنا اور موصوف سے چشم پوشی کرنا، شرائط کا ذکر اور شرائط کے پورا کرنے والے کا نام نہ لینا، حقوق خلافت کو شمار کرنا مستحق خلافت سے اعراض کرنا یہ بھی سقیفہ والوں کی عدالت حضرت عمر کے لئے یہ بہت نازک موقعہ تھا۔ اگر بحث بڑھ گئی تو کہیں صفات سے موصوف تک نہ لوگوں کی نظر چلی جائے۔ جس عقلمندی سے اس موقعہ کو ٹالا ہے وہ ان کا ہی حصہ تھا۔ فوراً حضرت ابوبکر کا ہاتھ نکلوا کر پکڑ لیا اور بیعت کر لی۔ اب کیا تھا، جو اُن سے پہلے سے طے ہوئے تھے انہوں نے سلسلہ شروع کر دیا اور امر طے شدہ قرار پا گیا۔ درآنحالیکہ ابھی بحث پوری نہیں ہوئی تھی۔ ابھی تو یہ ہی طے نہیں ہوا تھا کہ مہاجرین بہ نسبت انصار کے اس امر کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور یہ تو ذکر ہی نہیں آیا تھا کہ ان دلائل کی بنا پر جو انصار کے خلاف پیش کی گئی تھیں۔ مہاجرین میں سب سے زیادہ کون حقدار ہے یہ ضروری حصہ بحث کا تھا۔ بحث کو ادھورا چھوڑ کر بلکہ اس کی تکمیل سے ڈر کر حضرت عمر نے جس سرعت اور ہمت سے حضرت ابوبکر کا ہاتھ نکلوایا ہے وہ دانشمندانِ فرنگ کے لئے موجودہ زمانہ میں بھی سبق آموز ہے۔ ابھی بحث اور دلیل ہو رہی ہیں کہ امر طے شدہ ہو گیا۔

جس خود غرضانہ طریقے سے محض دنیاوی فائدہ کو مدنظر رکھ کر وہاں لوگ بحث کر رہے تھے۔ وہ دو امور سے بہت اچھی طرح واضح ہوتا ہے۔

ایک تو یہ کہ ان میں سے کسی نے یہ بحث نہ کی کہ کس شخص کا حاکم ہونا اسلام کے لئے مفید ہے اور کون شخص اس بیڑے کو اسی طرح چلا سکتا ہے کہ جس طرح رسولِ خدا چلا رہے تھے۔ انصار کو خوف پیدا ہوا تو اپنے متعلق ہی پیدا ہوا کہ اگر مہاجرین میں حکومت چلی گئی تو پھر انصار کی آئندہ کی نسلیں مہاجرین کے دروازوں پر بھیک مانگتی نظر آئیں گی۔ دوسرے یہ کہ کسی نے یہ مطالبہ نہ کیا کہ انصار و مہاجر کے جھگڑے کو جانے دو۔ بہترین افضل ترین شخص کو منتخب کرو۔ خواہ انصار میں ہو خواہ مہاجرین میں۔ جب حضرت ابوبکر نے عمر و ابوعبیدہ کو پیش کیا تو انصار کے صاحبانِ حل و عقد نے یہ نہ کہا کہ اگر مہاجرین ہی میں حکومت رکھتے ہو تو ان میں کا بہترین شخص منتخب کر لو۔ جب انصار سے حکومت چلی گئی تو پھر پرواہ نہیں کوئی حاکم ہووے یہ تھی اسلام کی محبت۔

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ حضرت علی کے خلاف صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین کی اکثریت تھی جس کے راس و رئیس حضرت عمر و حضرت ابوبکر تھے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مخالف جماعت زیادہ تر مہاجرین ہی سے مرکب تھی۔ انصار کو حضرت علی کے خلاف ہونے کی کوئی خاص وجوہات نہ تھیں ہاں مہاجرین مخالف کی ان کوششوں سے جو انہوں نے تمام صحابہ کو علی کے خلاف اپنا ہم خیال بنانے میں کی تھیں وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے تھے۔ اگرچہ ایک جماعت کثیر ان میں کی علی کی طرف رہی تاہم اُن کی اکثریت میں اگر مخالفتِ علی کا جذبہ پورے زور دل سے جاری نہیں بھی ہوا تاہم اس امر میں پڑ بھی

تو ضرور پیدا ہو گئی۔ اس بات کا ثبوت کہ علی کے خلاف ایک کثیر تعداد صحابہ کی تھی اور حضرات شیخین اس جماعت کے راس و رئیس تھے۔ ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔ لیکن سقیفہ کی کارروائی سے بھی یہ امر اچھی طرح واضح ہے۔ حضرت عمر مہاجرین میں سے صرف دو آدمی جو خود امیدواران خلافت تھے اس انصار کے مجمع کثیر میں لے کر آئے۔ اس طرز عمل پر جتنا غور کیا جائے کم ہے کچھ تو ہم پہلے اس پر لکھ چکے ہیں۔ یہ طرز عمل نہایت واضح طریقہ سے ظاہر کر رہا ہے کہ مہاجرین میں ایک ایسی جماعت حضرت علی کے خلاف تھی جس پر حضرت عمر ہر وقت اور ہر طرح بھروسہ کر سکتے تھے اور یہ کہ حضرت عمر و حضرت ابو بکر اس جماعت کے راس و رئیس تھے اور انصار بھی اس بات کو جانتے تھے جب ہی تو انہوں نے یہ نہ کہا حالانکہ ان حالات کے اندر یہ کہنا بالکل قدرتی تھا۔ کہ تم تو فقط تین آدمی ہو مہاجرین اگر تمہارے کہنے کو نہ مانے تو تم کیا کرو گے؟

سقیفہ بنی ساعدہ سیاسی قلابازیوں کا اچھا نمونہ پیش کرتا ہے۔ ایسی قلابازیاں جو صاف بتا رہی ہیں کہ یہ حکومت الٰہیہ حاصل کرنے کی تدبیریں نہ تھیں بلکہ دنیاوی حکومت چھیننے کی تجویزیں تھیں۔ کئی مثالیں اوپر تحریر ہوئیں ایک یہ ہے کہ مہاجرین کو یہ کہہ کر حضرت علی کے خلاف اکسایا گیا تھا کہ رسول خدا اپنی رشتہ داری کی وجہ سے علی کو آگے کر رہے ہیں چاہتے ہیں کہ حکومت ان کے خاندان میں مستقل ہو جائے۔ درآنحالیکہ رسول خدا بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ ان کی رشتہ داری کچھ وجہ فضیلت نہیں ہو سکتی۔ تب ہی تو جناب رسول خدا کو یہ کہنے کی ضرورت ہوئی کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ضغائن فی صدور اقوام لا یبدونها لك الا من بعدی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یا علی ان الامة ستغدر بك من بعدی ۔ ۔ ۔ ۔ ما بال اقوام یزعمون ان رحمی لا تنفع والذی نفسی بیدہ ان رحمی لموصولة فی الدنیا والاخرة۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی کے خلاف جو جماعت تیار کی جا رہی تھی اور غلط فہمیاں پھیلا کر تیار کی جا رہی تھی اس کا علم آنحضرت کو بھی تھا۔ یہ سازش اس حد تک پہنچ گئی تھی مگر جب سقیفہ میں دوسری طرح بحث کرنے کی ضرورت پڑی تو ان لوگوں نے فوراً رخ پلٹ لیا اور تھوڑی دیر کے لئے انصار کو خاموش کرنے کے لئے کہہ دیا کہ رسول خدا کی قرابت ہی محض حکومت کے حصول کی وجہ قطعی ہے اور جو رشتہ داری کے اس اثر کی مخالفت کرے وہ ظالم ہے۔ جہاں جیسا موقعہ دیکھا وہاں ویسا ہی کہہ دیا۔

یوں تو جناب رسول خدا کی احادیث کی اشاعت کو بہت روکا گیا۔ لیکن مشکل کے وقت کوئی نہ کوئی بات جناب رسول خدا کی طرف نسبت دے کر اس مشکل سے نجات حاصل کی جاتی تھی۔ لا وارث حدیث جو حضرت ابو بکر نے جناب فاطمہ کو ورثہ سے محروم کرنے کے لئے بیان کی تھی اسی ضمن میں آتی ہے۔ ایک اور واقعہ سنئے اور وہ سقیفہ بنی ساعدہ کا ہے۔ جب جناب ابن المنذر نے مقولہ آخر

سیاسی قلابازیاں

الحیل السیف پر عمل کرکے تلوار کو ہاتھ میں لیا اور فرمایا مہاجرین کو نکال دو، جو میری مخالفت کرے گا میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ یہ بہت نازک وقت تھا مہاجرین تو صرف تین اور وہ اس بے شمار مجمع انصار میں گھرے ہوئے یوں تو مدِمقابل کو نہتا پاکر دیکھ کر حضرت عمر کی تلوار بہت جلد نیام سے نکل آتی تھی۔ لیکن جب مدِمقابل طاقتور ہوتا تھا۔ تو ہمیشہ آپ کی انجام بینی آپ کی رگِ شجاعت کو دبا لیتی تھی۔ چنانچہ اس موقعہ پر نہایت آہستگی و متانت سے حضرت عمر نے فرمایا کہ ایک دفعہ جناب رسولِ خدا نے مجھ سے فرمایا تھا کہ حباب ابن المنذر کی مخالفت نہ کیا کرو۔ اس وجہ سے میں ان کی تقریر کا جواب نہیں دیتا۔ یہ ایسا لطیفہ ہے کہ سنجیدہ اور رنجیدہ سے رنجیدہ آدمی کو ایک دفعہ تو ضرور ہنسا دے کچھ بن نہ پڑی تو جناب رسول خدا یاد آگئے۔ جلدی میں یہی ہو سکتا تھا کوئی ان سے پوچھے کہ حباب بن المنذر میں کیا ایسی خاص صفت تھی کہ ہر ایک موقعہ پر ان کی مخالفت کرنے سے باز رکھا گیا کیا یہ حکم صرف حضرت عمر ہی کے لئے تھا یا تمام امت کو حکم دیا گیا تھا کہ حباب کی مخالفت نہ کریں، اگر صرف عمر کے لئے تھا تو حضرت عمر میں خاص کیا نقص تھا کہ محض ان کو ہی منع کیا گیا اور اگر تمام امت کو منع کیا گیا تو علی الاعلان منبر پر تمام امت کے سامنے کیوں نہ ارشاد فرمایا کیا یہ ممانعت کسی خاص امر میں تھی یا ہر ایک بات پر حاوی۔ اگر خاص امر کے لئے تھی تو وہ کیا امر تھا پھر اس کو اس خلافت کی بحث سے کیا تعلق اور اگر یہ ممانعت ہر ایک بات کے لئے تھی تو حباب بن المنذر معصوم ہوئے کہ کبھی ان سے عصیاں کے سرزد ہونے کا امکان ہی نہیں رہا تھا۔ اگر معصوم تھے تو سب سے اولیٰ وہ خلافت کے مستحق ہوئے، ایک اور تماشہ دیکھو حکم تو یہ تھا کہ مخالفت نہ کرو۔ صرف حباب بن المنذر کی بحث کا جواب نہ دینے سے تو اس حکم کی تعمیل تو جب ہوتی کہ حباب بن المنذر کی مخالفت نہ کرتے اور سعد ابن عبادہ کو حباب کے کہنے کے مطابق خلیفہ تسلیم کر لیتے۔ کیسا فرمان اور کیسی تعمیل یہاں تو وقت ٹالنا مطلوب تھا اب وقت نازک تھا۔ عنقریب تھا کہ سعد ابن عبادہ کی بیعت ہو جائے۔ لیکن عرب کے مشہور جذبۂ حسد نے حضرت ابوبکر کا کام بنا دیا۔ بشیر ابن سعد کی رنجش سعد ابن عبادہ سے تھی۔ اسے حسد ہوا کہ ابن عبادہ خلیفہ بن جائے گا لہٰذا مہاجرین کی طرف ہو گیا اور انصار کو اس نازک وقت پر ابھارا کہ وہ حضرت ابوبکر کی بیعت کر لیں انصار کی جماعت میں تفرقہ پڑ گیا۔ اب موقعہ تھا رسمی طور پر حضرت ابوبکر نے عمر و ابوعبیدہ کو پیش کیا۔ انہوں نے ابوبکر کو ترجیح دی۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ نکلوایا بغیر رائے شماری کے اور بغیر کسی ایک شخص پر متفق ہوئے حضرت ابوبکر کی بیعت شروع ہو گئی۔ حباب بن المنذر کہتے ہی رہے کہ بشیر ابن سعد کے حسد نے کام بگاڑ دیا ناظرین نے ملاحظہ کیا یہ تھے وہ طریقے، وہ سیاسی قلابازیاں، وہ شورشیں جن سے خلافت یعنی حکومتِ الٰہیہ حاصل کی گئی۔

اصحاب کی معرکہ آرائی تو دیکھی۔ اب اجماع کی ماہیت پر غور کرو۔ حضرت ابوبکر کی بیعت جو سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی اس پر ہرگز کوئی اجماع نہ تھا۔ مہاجرین کا سارا گروہ ماسوائے تین امیدواران خلافت کے حلقہ بیعت سے باہر تھا اور ان میں سے کئی قبائل نے علانیہ تخلف کیا۔ تمام بنو امیہ و تمام بنو ہاشم و تمام بنو زہرہ نے یکلخت تخلف کیا اور اپنے اپنے سرداروں کے گرد جمع ہو گئے یہ سب مسجد میں تھے۔ اور مشورہ کر رہے تھے کہ تینوں امیدواران خلافت آ موجود ہوئے اور دھمکا ڈرا کر لالچ دے کر بیعت لینی شروع کی۔ بہت لوگوں نے بیعت کر لی۔ بہت بغیر بیعت کے چلے گئے مثلاً حضرت علی و عباس و زبیر بن العوام اور تمام بنو ہاشم مخالف رہے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ حضرت عمر ادھر بھیجے گئے۔ اور انہوں نے خانۂ فاطمہ کے جلانے کے لئے آگ لکڑیاں فراہم کرنی شروع کیں۔ زبردستی زبیر بن العوام کو نکالا۔ ہاتھا پائی ہوئی اسے لے گئے اور اس نے بیعت کر لی۔ حضرت علی کو بھی مجبوری کے ساتھ لے گئے۔ جس طریقے سے لے گئے وہ حضرت علی کے ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ آپ راستہ بھر کہتے ہوئے گئے کہ میرے ساتھ یہ سختی حالانکہ میں بندۂ خدا اور ابن عم رسول ہوں۔ جب کشاں کشاں دربار خلافت میں پہنچے تو آپ سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا۔ مگر آپ نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں کبھی تم سے بیعت نہ کروں گا۔ میں بہ نسبت ابوبکر کے بیعت کا زیادہ مستحق ہوں جن دلائل سے تم نے خلافت انصار سے حاصل کی ہے ان ہی دلائل کی بنا پر میں بہ نسبت تمہارے خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ حضرت عمر نے کہا کہ ہم ہرگز نہ چھوڑیں گے جب تک تم بیعت نہ کر لوگے۔ جناب امیر نے بڑے پتہ کی بات کہی۔ آپ نے فرمایا اے ابن خطاب۔ خلافت کو اپنے گھر کی گائے سمجھ رکھا ہے۔ آج وہ دودھ پی لے اور کل وہ اس کو تیری طرف منتقل کر دے گا۔

اعتراض کیا جاتا ہے کہ شیر خدا ہو کر ایسی مجبوری، وہ قوتِ اسداللّٰہی کہاں گئی جس سے در خیبر اکھاڑا تھا، ہمارا جواب ہے کہ وہ بھی ایک جہاد تھا اور یہ بھی ایک جہاد ہے۔ وہ جہاد بالسیف تھا اور یہ جہاد بالنفس ہے حکومت الٰہیہ کے صاحب امر کا فرض ہے کہ وہ امت کو ہر قسم کی تعلیم اپنے افعال کے نمونے سے دے۔ جہاد بالسیف میں ثابت قدمی کا نمونہ دکھا دے۔ اور جہاد نفس میں باوجود قدرت کے صبر کرنے کی ہدایت دے۔ یہ ہی وہ صبر تھا جس کی تعریف بار بار قرآن شریف میں کی گئی ہے۔ اگر حضرت علی یہ صبر نہ کرتے اور اپنے مخالفین کی طرح محض اپنے دنیاوی مفاد کے لئے تلوار اٹھاتے تو ایسی خانہ جنگی ہوتی کہ اسلام برباد ہو جاتا۔ اس مخالف جماعت کے صاحبان حل و عقد نے ایک ایسی مضبوط جماعت پیدا کر لی تھی کہ جو اس مرحلہ پر کہ جب اس کو اتنی کامیابی حاصل ہو گئی تھی، ہر ایک تدبیر و حیلہ اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے اختیار

کرنی اور وہ تدبیر و حیلے سقیفہ بنی ساعدہ ہی کے ہونے کے ہوتے جن میں احکام رسول کو ہذیان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کی تکمیل کے لئے رسولِ خدا کے جسد اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر چلے جانے میں کچھ مضائقہ نہیں ان سے کچھ بعید نہ تھا جو رسولِ خدا کی نبوت سے انکار کر جاتے۔ نبوت کی نسبت ایک ایسا عقیدہ تو اب بھی قائم کر ہی دیا جس نے نبوت کے درجہ کو بہت گرا دیا اور بہت کچھ تو اب بھی کہہ گئے ہیں۔ اب افعال سے کہا پھر صریح الفاظ سے کہتے۔ اس وقت کی خانہ جنگی اسلام کے لئے سخت مضر ہوتی اس اجماع امت پر غور کرنے وقت مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا ہوگا۔

(۱) حضرت ابوبکر کی بیعت سے بہت سے صحابیوں اور خاندانِ نبوت نے مطلقاً تخلف کیا۔

(۲) اس کے بعد حیلہ و تدابیر سے لوگوں کو ڈرا دھمکا کر لالچ دے کر یہاں تک کہ رشوت دے کر بیعت لی گئی۔ لیکن اجماع کی کیفیت بیعتِ اوّل کے وقت دیکھی جاتی ہے۔ حکومت حاصل کرنے کے بعد حکومت کے ذرائع استعمال کر کے جو بیعت لی جائے وہ اس سے غیر متعلق ہے۔

(۳) اس مفروضہ انتخاب کو خفیہ رکھا گیا اور اس کی اطلاع عام شائع نہیں کی گئی۔

(۴) اس وقت اُمّت محمدیہ چار بڑے گروہوں میں منقسم تھی یعنی (الف) مہاجرین۔ (ب) انصار (ج) اہل بیت رسالت و بنو ہاشم (د) دیگر قبائل عرب جو بعد ہجرت اسلام لائے سقیفہ بنی ساعدہ میں اس انتخاب کے وقت مہاجرین میں سے صرف تین افراد شامل تھے اور جملہ مسلمانان جو قسم ج۔ د میں سے تھے اس انتخاب سے باہر تھے۔

(۵) جو تین مہاجرین اس میں شامل ہوئے تھے وہ اپنی خوشی سے اپنی شخصی حیثیت میں شامل ہوئے تھے۔ دیگر مہاجرین کو تو علم بھی نہ تھا اور انہوں نے ان کو اپنا نمائندہ بنا کر نہیں بھیجا تھا یہاں تک کہ حضرت عمر کی جماعت کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ یہ بات دوسری ہے کہ حضرت عمر کو اپنی جماعت پر بھروسہ تھا کہ وہ ان کے کیے ہوئے کو بعد میں مان لے گی۔ یا یہ کسی نہ کسی طرح لوگوں سے اس انتخاب کو منوالیں گے۔ انتخاب کی نوعیت کا فیصلہ انتخاب کے وقت کی حالت کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ بعد کے واقعات اس کو نہیں بدل سکتے۔ غیر حاضر آدمیوں کی رائے شامل نہیں شمار کی جاتی۔ اور جہاں حق رائے دہندگی مختار یا ایجنٹ کو سپرد کیا جاتا ہے۔ وہاں اس کا اظہار عین انتخاب کے وقت کر دیا جاتا ہے کہ کون شخص کس کی طرف سے رائے دے رہا ہے۔

(۶) خاندان نبوت و اہل بیتِ رسالت کا ایک فرد بھی اس میں شامل نہ تھا اگر جناب رسولخدا کو اپنے جانشین مقرر کرنے کا حق نہیں تھا تو کیا ان کے خاندان کی بھی اتنی آواز نہ تھی کہ ان کو اس انتخاب میں شامل کر لیا جاتا۔

(۷) انتخاب کے وقت کی اجماعی حالت دیکھی جاتی ہے مابعد کی موافقت تو ہر ایک ڈکٹیٹر اور

خدا امور کا خیال رکھنا

غاصب بھی حاصل کر لیتا ہے۔

(۸) انتخاب کے وقت امیدواروں کی ذاتی قابلیت و نسبی فضیلت کو زیرِ غور نہیں لایا گیا اور نہ اس کی بناء پر انتخاب ہوا۔

(۹) حضرت ابوبکر کو خلافت کا خلعت صرف قبائل مدینہ کے ایک دوسرے کے حسد نے عطا کیا اجماع کی جو بھی چاہے تعریف مقرر کر لو۔ اس قسم کا انتخاب کسی قسم کے اجماع میں نہیں آتا۔ ہاں اگر سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات کا نمونہ پیش نظر رکھ کر اجماع کی تعریف مقرر کرتے ہو تو پھر اس اجماع کے تحت میں آجائے گا۔

ایک اور امر بھی قابلِ ذکر ہے۔ جماعت مہاجرین وہ جماعت تھی جس میں بقول حضرت عمر خلافت کا انحصار تھا۔ چنانچہ جب حضرت عمر مجروح ہوئے اور انہوں نے اصحاب شوریٰ مقرر کئے تو ارباب شوریٰ ہی میں خلافت کا انتخاب منحصر کیا گیا سب مہاجرین ہی تھے۔ ایک بھی انصار نہ لیا۔ اور حضرت عمر نے صاف کہہ دیا کہ خلافت میں انصار کا کوئی حق نہیں ہے دیکھو ابن قتیبہ کی کتاب السیاسۃ والامامۃ صفحہ ۱۲۔ جس جماعت میں سے خلیفہ ہونا چاہیئے تھا۔ اس کی نمائندگی ہی سقیفہ میں نہ تھی۔ لہذا یہ انتخاب اس وجہ سے بھی ناجائز ہوا۔

یہ مضمون نامکمل ہوگا۔ اگر ہم وکلائے اہل حکومت کی بحث کو نظر انداز کر دیں جو انہوں نے کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کے حق میں تیار کی ہے۔ ان وکلاء میں سب سے بڑے زمانۂ حال کے وکیل علامہ شبلی نعمانی ہیں ان کی تاریخی کتابیں دراصل مناظرہ کی کتابیں ہیں۔ لیکن حسنِ اتفاق کہو یا حق کی طاقت کہ بحث تو انہوں نے کی اپنے موکلان کے حق میں اور تائید ہوتی رہی ہمارے دعوے کی۔ آپ فرماتے ہیں۔

"یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلعم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ کس کے قیاس میں آ سکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعوے ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور بند و بست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آ جائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں سے (حضرت ابوبکر و عمر) سرزد ہو۔ جو آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت سے فطری تعلق تھا۔ یعنی حضرت علی اور خاندان بنو ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا۔ اور اس وجہ سے ان کو آنحضرت کے درد و غم اور تجہیز و

تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی
ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے مگر در حقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر و ابوبکر وغیرہ آنحضرت کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفۂ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علی سے بزور منوانا چاہا۔ گو بنی ہاشم نے آسانی سے انکی خلافت تسلیم نہیں کی

الفاروق :۔ مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ سنہ ۱۹۰۸ء حصۂ اول صفحہ ۶۵ و ۶۶

جب مقدمہ ہی کمزور ہو تو چاہے وکیل کتنا ہی لائق ہو کچھ نہیں کر سکتا اور مقدمہ کی کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ بلکہ جتنا وکیل زیادہ لائق اور زیادہ قانون سے واقف ہوتا ہے اتنا ہی وہ فریق مخالف کی مضبوط دلائل کو بہت جلد تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور اگر اپنے موکل یا حاضرین عدالت کو دکھانے کے لئے کچھ ظاہرا ہاتھ پیر مارتا بھی ہے تو اس کی بے سود کوشش بھی صاف عیاں ہو جاتی ہے یہی حالت اس معاملہ میں مولوی شبلی کی ہے قبل اس کے کہ ہم بتائیں کہ انہوں نے یہاں کیا کیا۔ تسلیم کیا ہے۔ ہم ناظرین کی توجہ ان کے ہاتھ پیر مارنے کی طرف دلاتے ہیں۔ ان کی عبارت میں ایک فقرہ ہے "لیکن درحقیقت ایسا نہیں" مگر اس فقرہ کے ماقبل و مابعد دونوں عبارتیں تسلیم کرتے ہیں۔ پھر اس فقرہ کی حقیقت ہی کیا رہی وہ تسلیم کرتے ہیں کہ تمام حدیثوں اور تمام تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل واقعات ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابوبکر و عمر نے آنحضرت کے انتقال کے بعد ہی کے بعد میں قبل آنحضرت کی تجہیز و تکفین کے خلافت کی نزاع پیدا کر دی۔

۲۔ یہ بزرگوار باوجود اپنے دعویٰ عشق و محبت کے آنحضرت کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے گئے۔

۳۔ اور اس بند و بست میں مصروف ہو گئے کہ کسی طرح مسند حکومت پر قبضہ کر لیں۔

۴۔ یہ فعل نمایاں طور سے ناگوار تھا۔

۵۔ حضرت علی و خاندان بنو ہاشم کو آنحضرت کے انتقال کا بوجہ محبت کے بہت صدمہ تھا۔

۶۔ حضرت علی و خاندان بنی ہاشم نے آنحضرت کے درد و غم اور تجہیز و تکفین کی مصروفیت کو حصول حکومت پر ترجیح دی اور ادھر آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

جب حدیث اور تاریخ کی کتابوں سے یہ امور ثابت ہیں۔ تو پھر حضرت شبلی کی تاویل کیا وقعت

رکھتی ہے اور ان کا فقرہ "لیکن درحقیقت ایسا نہیں" بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور اس فقرہ کے بعد ان میں سے تقریباً ساری باتوں کو خود حضرت شبلی "یہ بھی صحیح ہے" کہہ کر تسلیم کرتے ہیں:۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

ا۔ یہ سچ ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے۔

۲۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی "معرکہ آرائی" کا فقرہ یاد رہے۔

۳۔ ان کے رویہ و طرز عمل سے ظاہر تھا کہ ان کو آنحضرتؐ کے انتقال کا کچھ صدمہ نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ "گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔

۴۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علی سے بزور منوانا چاہا۔

۵۔ کم سے کم بنو ہاشم نے ان کی خلافت آسانی سے تسلیم نہیں کی۔

اس کے بعد حضرت شبلی اپنی تاویل شروع کرتے ہیں فرماتے ہیں:۔

"لیکن اس بحث پر جو غور طلب باتیں ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ کیا خلافت کا سوال حضرت عمر ہی نے چھیڑا تھا۔

۲۔ کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے

۳۔ کیا حضرت علی و بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے۔

۴۔ ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہیئے تھا یا نہیں؟

الفاروق حصہ اول صفحہ ۶۶

مولوی شبلی کے صرف یہ چار جواب ہیں۔ بحث اول و دوم کو فقط ایک واقعہ کی نقل پر ختم کرتے ہیں۔ جو انہوں نے مسند ابو یعلی سے لیا ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ صحاب آنحضرتؐ کے جنازے کے گرد بیٹھے تھے کہ ایک مخبر آیا۔ اس نے دیوار کے پیچھے ہی سے فقط حضرت عمر کو آواز دی وہ نکلے۔ تو ان کو مطلع کیا کہ انصار سقیفہ میں جمع ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فقط حضرت ابوبکر کو ساتھ لیا اور وہاں سے چل نکلے۔ یہ واقعہ تو ہمارے دعوے کی تائید کرتا ہے۔ ذرا غور سے تو دیکھو۔ وہ مخبر مہاجرین کے مجمع میں کیوں نہ آیا فقط دیوار کے پیچھے سے کیوں آواز دی۔ مسند ابو یعلی کے الفاظ ہیں۔

اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج الیّ یا ابن الخطاب۔

اجتماع الانصار ان سن کر حضرت عمر نے فقط ابوبکر سے کہا کہ چلو۔ صاحبان غور و فکر کے لیے ان

دونوں امور میں ہزاروں داستانیں مخفی ہیں۔ مخبر کو مجمع مہاجرین میں فوراً آنا چاہیئے تھا۔ دیوار کے پیچھے چھپنا کیسا۔ صاف عیاں ہے کہ یہ مخبر خود حضرت عمر ہی کا بھیجا ہوا تھا۔ لہذا اس نے ان کو ہی آن کر اطلاع دے دی حضرت عمر نے بھی دیگر مہاجرین کو ساتھ نہ لیا۔ اگر معاملہ صاف تھا تو وہاں سب میں آن کر یہ اطلاع لوگوں کو دیتے۔ پھر سب کی رائے سے جن جن کا سقیفہ میں جانا مناسب تھا وہاں چلے جاتے۔ جن کا تجہیز و تکفین رسول میں رہنا مناسب تھا وہاں رہتے۔ یہ گریز اور اخفاء صاف ظاہر کر رہا ہے کہ آنحضرت کی وفات سے پہلے حضرت عمر اس سوال کو چھیڑ چکے تھے اور ایسے واقعات پیدا کر دیئے تھے کہ انصار کو مجبوراً یہ قدم اٹھانا پڑا اور اس کے لئے بھی مخبر بٹھا دیا تھا۔ رہا خواہش کا سوال تو کس نے مجبور کیا تھا کہ فقط حضرت عمر و حضرت ابوبکر ہی تشریف لے جائیں۔ یہ تو جب ہوتا کہ مہاجرین کو بھی یہ اطلاع حضرت عمر دیتے اور وہ فقط ان سے ہی کہتے کہ آپ تشریف لے جائیے تب کہہ سکتے تھے کہ حضرت عمر اپنی خواہش سے نہیں گئے۔ ہم اس بات کا بھی ثبوت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے انصار سے بھی پہلے یہ سوال اٹھایا تھا۔ انصار کی طرف مخبر بھی بھیج دیا۔ خود ہی تجویز کرتے رہے۔ چنانچہ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں :-

قال اخبرنا یزید بن ھارون قال انا العوام عن ابراھیم التیمی قال لما قبض رسول اللہ صلعم اتی عمر ابا عبیدۃ بن الجراح فقال ابسط یدک فلا بایعک فانک امین ھذہ الامۃ علی لسان رسول اللہ فقال ابو عبیدۃ لعمر ما رایت لک فھۃ قبلھا منذ اسلمت اتبایعنی وفیکم الصدیق و ثانی اثنین۔

(اسماء رواۃ عربی میں دیکھو) ابراہیم التیمی کہتا ہے کہ جناب رسول خدا کے رحلت فرماتے ہی حضرت عمر ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس آئے اور کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ۔ میں تمہاری بیعت کروں کیونکہ تم اس امت کے امین ہو جیسا کہ رسول خدا نے فرمایا ہے ابو عبیدہ نے کہا کہ جب سے تم اسلام لائے ہو میں نے اس کے قبل تم کو مذاق کرتے نہیں دیکھا۔ کیا تم میری بیعت کرو گے درآنحالیکہ تمہارے درمیان صدیق اور دو میں کا ایک ہے۔

ابن سعد :- طبقات الکبریٰ ق ا جلد ۳ ذکر بیعۃ ابی بکر صفحہ ۱۲۸ - ۱۲۹

ظاہر ہے کہ یہ آنحضرت کے رحلت فرمانے کے فوراً بعد کا واقعہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے خطبہ دے کر لوگوں کو رسول خدا کا رنج کرنے سے منع کیا تھا اور قبل اس کے کہ انصار کی خبر مخبر لایا حضرت عمر فوراً ابو عبیدہ کے پاس پہنچے اور اس طرح ان کو اس کام کے شروع کرنے کی ترغیب دی۔ جب ابو عبیدہ نے یہ جواب دے دیا تو پھر وہاں آ بیٹھے جہاں لوگ بیٹھے تھے۔ اتنے میں مخبر آ گیا اور اس مشینری کا کام شروع ہو گیا۔

انصار سے پہلے حضرت عمر نے خلافت کا سوال اٹھایا۔

تیسری بحث کے تحت میں لکھتے ہیں :-

"تیسری بحث کی یہ کیفیت ہے کہ اس وقت جماعت اسلامی تین گروہوں میں تقسیم کی جاسکتی تھی، بنو ہاشم جن میں حضرت علی شامل تھے مہاجرین جن کے راس و افسر حضرت ابوبکر و عمر تھے۔ انصار جن کے شیخ القبیلہ عبادہ تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا"

الفاروق حصہ اول صفحہ ۶۷

یہ تو ہمارے دعوے کی تائید ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس وقت کیا بلکہ اس سے برسوں پہلے کوئی بھی دماغ ایسا نہ تھا جو جانشینی رسول کے خیال سے خالی ہو۔ یہاں تک کہ آنحضرت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ وہ خیال حق کے مطابق تھا یا ظلم پر مبنی تھا۔ اس کے لئے کیا کیا منصوبے سوچے گئے تھے۔ وہ منصوبے حکومت الٰہیہ کے شایاں تھے یا نہیں۔ خدا کی شان دیکھو ہمارے ایک اور بڑے دعوے کی تائید کس طرح حضرت شبلی کے قلم سے ہوتی ہے۔ ہم نے بہت سی سیاہی اسی بحث پر خرچ کی ہے کہ مہاجرین میں جو مخالفِ علی جماعت تھی اسکے راس و رئیس حضرت عمر و حضرت ابوبکر تھے۔ حضرت شبلی بھی یہی فرماتے ہیں کہ مہاجرین کی جماعت جو خلافت کے خیال میں غلطاں و پیچاں تھی اس کے رئیس و افسر حضرت ابوبکر و عمر تھے۔

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت علی و بنو ہاشم کو بھی خلافت کا خیال تھا۔ حضرت شبلی نے ایک نہایت غیر معتبر روایت صحیح بخاری کے حوالے سے لکھی ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علی سے کہا کہ آنحضرت کا مرض الموت ہے تم جاکر دریافت کر لو۔ آپ کے بعد اس حکومت کا کون حق دار ہے اور حضرت علی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر آنحضرت نے ہمارے خلاف کہا تو پھر یہ لوگ کبھی ہم کو منتخب نہیں کریں گے۔ اس روایت کا سلسلہ رواۃ اس طرح ہے۔ حدثنی اسحٰق اخبرنا بشر بن شعیب بن ابی حمزہ قال حدثنی ابی عن الزھری قال اخبرنی عبداللہ بن کعب بن مالک الانصاری وکان کعب بن مالک احد الثلاثۃ الذی یتب علیھم ان عبداللہ بن عباس اخبرہ ان ..... الخ

ایک غلط روایت پر استدلال

یقیناً یہ روایت از قسم احاد ہے سوائے عبداللہ بن مالک کے اور کسی نے روایت نہیں کیا اس سے یہ قطعاً ظاہر نہیں ہوتا کہ عبداللہ ابن عباس اس وقت خود موجود تھے۔ جب عباس نے علی سے یہ کہا۔ عبداللہ ابن کعب بن مالک غالباً صحابی نہ تھے تابعین میں سے تھے۔ ان کا ذکر کسی معتبر کتب رجال میں نہیں ہے آنحضرتؐ کے انتقال کے وقت بہت کم سن تھے اگر پیدا ہو چکے تھے۔ گمان یہ ہے کہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے خدا کی قدرت ہے تعصب کیسا گہرا پردہ

آنکھوں کے سامنے ڈال دیتا ہے۔ ان ہی عبداللہ ابن عباس کی روایت قرطاس بخاری میں سات جگہ
درج ہے اس پر جناب شبلی اس طرح تنقید کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس اس وقت بہت کم سن
تھے چودہ برس کے تھے۔ خبر نہیں اس مجمع میں موجود بھی تھے یا نہیں اور اب ان ہی عبداللہ ابن
عباس کی روایت پر جو انہوں نے اس سے بیان کی جو اس زمانہ میں ان کی طرح کم سن تھا اتنا بھروسہ
کرتے ہیں کہ نہ تنقید نہ نکتہ چینی بے چون و چرا منظور کر لی۔ کیونکہ بخاری نے احیاناً ایک جگہ لکھ دی۔
قضیہ قرطاس کی مسلمہ روایت تو غلط حالانکہ بخاری میں سات جگہ درج ہے اور ہر ایک حدیث و
تاریخ کی کتاب میں پائی جاتی ہے اور بالکل مطابق قیاس و حالات کے ہے یہ روایت جو بالکل خلاف
قیاس و حالات ہے جو بخاری میں ایک جگہ درج ہے اور محض اس ہی کم سن لڑکے سے منقول ہے بالکل
صحیح ہے اتنی کہ اس پر ایک بحث کا لمبا چوڑا قصر تعمیر کر لیا۔ ہم بتاتے ہیں کہ خلاف عقل کس طرح ہے یہ
اتنی بڑی بات تھی کہ عباس کو تو خیال آ گیا کہ پوچھ لیں۔ رسول خدا کو خیال نہ آیا کہ بغیر پوچھے اعلان کر
دیں گویا تقرر جانشین محض پوچھنے پر منحصر تھا اور جناب رسول خدا منتظر تھے کہ کوئی پوچھے تو بتائیں
اور اگر کوئی نہ پوچھے تو یہ ضروری اور اہم بات غیر معلوم ہی رہے۔ علی کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت
تھی۔ عمر میں بڑے تھے۔ رشتہ میں بڑے تھے۔ خود ہی جا کر کیوں نہ پوچھ لیا۔ اگر علی کو امیدوار خلافت
سمجھتے تھے تو یہ اور وجہ تھی کہ ان کو ہمراہ نہ لے جاتے۔ اور اگر رسول خدا کسی اور کا نام لیتے تو یہ حضرت
علی کے حقوق پر بحث کر کے آنحضرت کے ارادے کو بدلنے کی کوشش کرتے حضرت عباس نے جملہ
اصحاب رسول سے یہ مشورہ کیوں نہ کیا۔ اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ کہیں یہ بجمع
اصحاب کو دیکھ کر آنحضرت ان میں سے کسی کا نام نہ لے دیں یا شرما نہ جائیں کہ اب علی کا نام کیا
لیں دوسرے امیدوار بھی کھڑے ہوئے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اگر علی کا نام لیا تو کہیں بگڑ اصحاب
لڑائی جھگڑا نہ شروع کر دیں۔ اگر مولوی خیلی کے نزدیک وجہ اول درست تھی تو اچھا نبوت کی ماہیت اور
رسول کی ادائیگی فرض کو سمجھا۔ اور اگر وجہ دوم درست تھی تو اس طرح کلیہ میں گڑ توڑنے سے کیا فائدہ جو مخالف
تھے وہ ضرور کہتے کہ علی و عباس نے ایک بات بنائی جو کہ محض غلط ہے۔ یہ بات تو رسول خدا کے منہ سے
اعلان چاہتی ہے نہ کہ اخفاء۔ اب نہ پوچھنے کی اس وجہ کو ہم لیتے ہیں جو حضرت علی کے منہ سے بیان کی
جاتی ہے۔ یہ وجہ حضرت عباس کے ذہن میں تو آئی ہی نہیں لہٰذا اس سلسلہ میں اس پر بحث نہیں کی گئی
حضرت علی کے منہ سے یہ کیسی بری معلوم ہوتی ہے اس میں حق کے اخفاء کی کوشش اور لالچ کی
آخری حد مضمر ہے۔ کیا صحابہ رسول جن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں
ایسے ہی لالچی تھے کہ حق پر عمل کرنے کی جرأت و ہمت تو کجا حق کو سننا بھی نہیں چاہتے۔ کیا حضرت علی
ایسے حریص و طماع و لالچی تھے۔ یہ جناب شبلی کا خیال ہو گا ان کے سوانح حیات تو کچھ اور ہی بتاتے ہیں۔ خود شبلی

قائل ہیں کہ عام کتب احادیث و تاریخ میں درج ہے کہ حضرت علی آنحضرتؐ کی آخری خدمات میں مشغول رہے اور حکومت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جس شخص کی فیاضی و سخاوت کی تعریف قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں کئی جگہ کی گئی ہو اس کو ایسا لالچی و حریص و طماع خیال کرنا جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ جناب شبلی ہی کا کام ہے یا حضرت بخاری کا۔ حضرت علی کے کسی قول و فعل سے ثابت نہیں ہوتا کہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ جانشینی رسول عطا کرنا اصحاب کا کام ہے۔ وہ اس کو ہمیشہ خدا اور رسول کی طرف سے سمجھا کرتے تھے۔ ان لوگوں سے وہ کیا اس خلافت کے متمنی ہونگے جنکو وہ ہمیشہ جاہل سمجھتے رہے اور فرماتے رہے کہ ہمارے گھر سے تم نے رشد و ہدایت پائی۔ جس گھر سے انہوں نے رشد و ہدایت پائی کیا اس گھر والے کو وہ تمغہ ہدایت عطا کرتے اور علی اس کے متمنی رہتے۔ غرضکہ ظاہر ہے کہ یہ روایت وضعی اور کذب محض ہے۔ اس روایت پر مفصل بحث ہم نے اپنی کتاب نور المشرقین من حیاۃ الصادقین میں کی ہے۔ دیکھو صفحات ۱۵ الغایت ۵۷!

جس طرح الفاروق لکھ کر جناب شبلی نے مورخین کے معزز طبقہ کی شان و شہرت کو بٹہ لگایا ہے۔ اس کی مثال کم ملتی ہے۔ کاش الفاروق کو وہ مناظرہ کی کتاب کہتے اور تاریخ کے موقر و معزز لقب سے اس کو منسوب نہ کرتے۔ ہم ان کی مورخانہ بددیانتی کی بیّن مثال دیتے ہیں۔ تمام مورخین اسلام نے شروع سے اب تک اس امر پر متفق ہیں کہ اگرچہ حضرات شیخین آنحضرت کے جسدِ اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے گئے تھے۔ مگر حضرت علی و بنو ہاشم آنحضرت کے پاس رہے اور آخر تک رہے جب تک کہ آنحضرتؐ کو دفن نہ کر لیا۔ مولوی شبلی مانتے ہیں کہ اس بات پر جملہ مورخین کا اتفاق ہے۔ پھر حضرت شبلی کس بناء پر کہتے ہیں کہ:-

"جس طرح حضرت عمرؓ وغیرہ آنحضرت کو چھوڑ کر سقیفہ چلے گئے تھے۔ حضرت علی بھی آنحضرتؐ کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہ کے گھر بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا"

الفاروق حصہ اول صفحہ ۶۹

تاریخ میں اس سے زیادہ کذب صریح عمداً اس دلیری کیساتھ کبھی نہیں بولا گیا۔ جناب شبلی نے اپنی اس رائے کا انحصار امام مالک کی اس روایت پر کیا ہے (ان علیاً والزبیر و من کان معھما تخلفوا فی بیت فاطمۃ بنت رسول اللہ) یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر کی بیعت ہو چکی تھی۔ حضرت عمر ان کے لئے لوگوں سے بیعت لے رہے تھے کچھ لوگ بیعت کر رہے تھے۔ کچھ تخلف کر رہے تھے تخلفوا کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ بیعت ہو چکی تھی جس سے تخلف کیا۔ کوئی مولوی شبلی سے پوچھے کہ اس میں کہاں درج ہے کہ حضرت علی و بنو ہاشم اور حضرت فاطمہؑ سب آنحضرت کے جسدِ اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر چلے گئے۔ اگر جانا ہی مقصود تھا تو سقیفہ

ہی میں نہ جاتے وہاں آسانی سے حضرت ابوبکر کی بیعت کیوں ہونے دیتے۔ مورخانہ بد دیانتی کی اس سے بدتر مثال کبھی نہیں ملے گی۔ ہر ایک تاریخ کی کتاب بلا استثناء یہ کہہ رہی ہے کہ حضرت علی آنحضرت کے پاس تجہیز و تکفین میں مشغول رہے جب تک دفن نہ کر لیا۔ اگر حضرت شبلی جیسے مورخ پیدا ہوتے تو اب تک حق کبھی کا معدوم ہو چکا ہوتا۔

باب ششم

تدبیر نہم

امامتِ اسلامیہ کو حکومت یونانیہ میں تبدیل کرنا

در عشق و ہوسناکی دانی کہ تفاوت چیست　　آں تیشۂ فرہاد ے ایں حیلۂ پرویز ے (اقبال)

جناب رسالتمآب کی رحلت کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار پہنچ گیا تھا وہ اپنے اقتدار کو امامت کے نظریات کے مطابق قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ قرآن مجید نے اقتدار کی بناء تقویٰ پر رکھی تھی۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ اور جو نظام اقتدار جناب رسول خدا نے قائم کیا تھا۔ اس میں بھی اسی قاعدہ کا تتبع کیا گیا تھا لیکن سقیفہ کی بحثوں میں نہ قرآن کا ذکر آیا اور نہ قول و عمل رسول کا۔ لہٰذا حکام سقیفہ کو وہ فلسفۂ اقتدار تلاش کرنا پڑا جس میں نہ تقویٰ کا ذکر ہو اور نہ خدا اور رسول کا فکر ہو۔ اور وہ ان کو یونانی حکومت میں آسانی سے مل سکا۔ وجہِ التباس یہ ہوئی کہ امامتِ اسلامیہ اور حکومتِ یونانیہ دونوں میں اقتدار قدر مشترک تھا۔ فرق ان دونوں کے مقصد میں تھا جس کی وجہ سے اقتدار کے حصول و طریقِ استعمال اور صاحبانِ اقتدار کی صفات ضروریہ میں بھی فرق ہو گیا۔ یہ بہت نمایاں اور موثر فرق تھا حکام سقیفہ کو اپنا اقتدار یعنی اپنی حکومت قائم رکھنے کے لیئے ان تمام ضروریات کو بدلنا پڑا۔ جن میں اس فرق کا اثر تھا۔ یعنی اسلامی نظریات کی جگہ یونانی نظریات قائم کر دیئے۔ یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جناب رسولِ خدا کا مقرر کردہ کیا نظام تھا جس کو منقلب کرنے کے لیئے یہ اقتدار کی مثلاثی جماعت اٹھی تھی۔ اس کو اقتدار تو حاصل ہو گیا لیکن اس کا استقلال اور استحکام اس کے حصول سے زیادہ مشکل تھا۔ اس کے لئے انہوں نے چاروں طرف نظر ڈالی لیکن یونانی نظریہ حکومت کے علاوہ جس سے وہ پہلے سے واقف تھے۔ انہیں کہیں اور جائے پناہ نہ ملی۔ انہوں نے صحیح نتیجہ نکالا۔ کہ اگر انہوں نے اپنے اقتدار اور اپنے جاری کردہ نظام کا نام امامت رکھا تو مشکلات پیش آئیں گی۔ اس کے لئے قرآن اور

ارشاداتِ رسول کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اور وہاں جو کچھ ملیگا ہمارے خلاف ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے یونانی اینٹوں سے اپنا مکان بنایا۔

ہم اپنی کتاب فلسفہ اسلام حصہ اول و دوم میں ثابت کرچکے ہیں کہ عرب میں عقاد، سمیر، بابل، اشوریا، اور مصر قدیم کی تہذیبیں یونان کی مقابلتہً جدید تہذیب کے ساتھ آن کر مل گئیں۔ اور اس طرح عرب میں دنیائے قدیم و جدید کا اتصال ہوگیا جو ناظرین ہماری کتاب فلسفہ اسلام پڑھ چکے ہیں انہیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس اتصال تہذیبات مختلفہ سے کیسی صورتِ حالات پیدا ہوگئی تھی۔ اس متحدہ اور متفقہ تہذیب و دین و ثقافت کے خلاف اسلام کو جدوجہد کرنی پڑی لیکن ان لوگوں کے لئے جو امامتِ اسلامیہ کو حکومتِ یونانیہ میں تبدیل کرنا چاہتے تھے اس صورتِ حالات نے بہت آسانی پیدا کر دی۔ اس آسانی کو بہت سے دیگر امور نے آسان تر بنادیا ان امور میں سے ایک عربوں کی فطرت و جبلت ہے جس نے آنحضرت کے وقت تک ایک معین صورت اختیار کر لی تھی۔ عربوں کی خصوصیات کا ذکر MR: DE.LACY O.LEARY نے اپنی کتاب ARABIA BEFORE MUHAMMAD صفحہ ۲۰) میں کیا ہے۔ اس کا ہم لفظی ترجمہ یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے

"عرب محض بدخو، بدمزاج، مادہ پرست ہوتا ہے اور دنیا کے معاملات پر منطقیانہ (جذبات وحسیات سے خالی) نظر ڈالتا ہے۔ اور اپنے تئیں بہت کھینچتا ہے۔ اس میں حرص کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے جو اس کو مارے ڈالتا ہے۔ (یعنی حد درجہ کا خود غرض ہوتا ہے) اس کے دماغ اور دل میں خوش نما خیالی آرائشوں اور جذبات کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ مذہب کی طرف اس کا کچھ میلان نہیں ہوتا۔ وہ کسی ایسے کام کی طرف رخ نہیں کرتا جس سے اس کو دنیاوی فائدہ حاصل نہ ہو۔ وہ اپنی ذاتی عزت کے خیال سے اتنا پھولا ہوا ہوتا ہے کہ وہ اپنے اوپر کسی اور کا اقتدار پسند نہیں کرتا اور اگر مجبوراً اسے کسی دوسرے شخص کا اقتدار ماننا پڑے۔ تو وہ شروع اقتدار ہی سے اس کے خلاف ہو جاتا ہے۔ اس کو سب سے زیادہ نفرت و دشمنی اپنے محسن سے ہوتی ہے کیونکہ محسن کے ساتھ احسان کا تخیل مربوط ہوتا ہے اور جس شخص پر احسان کیا جاوے وہ احساس کمتری محسوس کرتا ہے۔ ان سب امور کا خلاصہ یہ ہے کہ عرب بے رحم، دھوکہ باز، بددیانت اور نافرمان ہوتا ہے اور ساتھ اسکے وہ اپنی شخصی آزادی کا بہت دلدادہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایسی ہر ایک قید کو توڑنا چاہتا ہے جو اس کی شخصی آزادی پر عائد کی جائے خواہ اس میں اس کا اپنا کتنا ہی نقصان ہو جائے"

مصر کے عالم احمد امین کہتے ہیں کہ عرب میں اصلی حریت نہ تھی بلکہ شخصی جرأت تھی۔ وہ کسی کی اطاعت

نہیں کرتے تھے ان کی عہد جاہلیت کی تاریخ محض سلسلہ حروب ومغلوبیہ ہے جس کو عمر ابن الخطاب نے حروب خارجیہ میں تبدیل کر دیا۔ عربوں کے نظام میں کہانت داخل تھی۔ ان کی عقلی حالت اتنی محدود تھی۔ کہ وہ مسبباب اور اسباب کے ربط کو شناخت نہیں کر سکتے تھے۔

فجر الاسلام صفحہ ۳۷، ۳۸-۴۰، ۲۲۵)

علامہ احمد امین نے عرب کی عصبیت پر بڑا زور دیا ہے اور اس ہی کو انہوں نے اسلام کے بعد کے تفرقوں اور لڑائیوں کا باعث قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ عرب مختلف قبائل میں تقسیم تھے جن کی رشتہ داری اور انساب کی صحت پر ان کو پورا یقین تھا اور ان ہی قبائل کی بنا پر انہوں نے اپنی عصبیت قائم کی تھی اور یہ عصبیت ہی باعث اور مفتاح ہے ان تمام سوانح و حوادث کی جو مسلمانوں کی تاریخ میں واقع ہوئے۔ خلفاء بنی امیہ نے عربوں کی اس عصبیت سے ایک کو دوسرے سے لڑا کر بہت فائدہ اٹھایا۔ (فجر الاسلام ص ۸) صدرِ اوّل کی حکومتِ اسلامیہ میں بھی یہ عصبیت جاری تھی۔ یہ جاہلیت ہی کے نمونہ کی عصبیت تھی۔ جس میں ہجو، فخر، حمیت جاہلانہ شامل ہیں۔ (فجر الاسلام صفحہ ۸۳) شعراء بنی امیہ میں بھی یہ عصبیت بہت تھی (فجر الاسلام صفحہ ۸۰) یہ ہی قبائلی عصبیت آپس کی شہریوں کی عصبیت اور رقابت میں تبدیل ہو گئی (فجر الاسلام صفحہ ۱۸۱) موالی اور عرب کی رقابت بھی اس ہی عصبیت پر مبنی تھی (فجر الاسلام صفحہ ۹۰) اس عصبیت کو صحیح اسلام جائز نہیں رکھتا۔ قرآن مقدس میں ہے۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ قرآن شریف نے فیصلہ کر دیا کہ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ اور حدیث میں ہے لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ أَوْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً یعنی وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیت کی دعوت دی یا عصبیت کے لیے یا اس کی بناء پر قتال کیا۔

یہ تھے وہ بڑے بڑے اسباب جو جناب رسالتمآب کے قائم کردہ نظام کو منقلب کرنے میں ان متلاشیان حکومت کے ممد و معاون ہوئے ہمارے لیے یہ معلوم کرنا ضروری ہوا کہ رومانی سٹیٹ اور اسلامی امامت میں کیا فرق ہے۔ اس کے بعد فوراً عیاں ہو جائے گا کہ (۱) وہ حکومت جو سقیفہ بنی ساعدہ میں بعد رحلت رسول قائم ہوئی امامتِ اسلامیہ نہ تھی بلکہ اس کے نظریات اور تصورات کا ماخذ یونانی حکومت یا STATE تھی اور (۲) وہ ایسے اصول پر مبنی کی گئی تھی جو بالکل غیر اسلامی خلاف واقعہ اور مخرب اسلام تھے۔ اس کے کہنے کی تو ضرورت نہیں کہ رومانی سٹیٹ وہ ہی ہے جو یونانی سٹیٹ تھی اور جس پر موجودہ یورپین نظامِ حکومت قائم ہے یہ فرق اس جدول سے اچھی طرح نمایاں ہے۔

(جدول امتیاز یہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

جدول امتیازیہ

رومانوی سٹیٹ کے اصول	اسلامی امامت کے اصول
۱۔ سلطنت کے حکام مقرر کرنا ملک کے باشندگان کی اکثریت کا حق ہے	۱۔ حکومت کُلیہ خُدا کی ہے اور امامت یعنی حکومت الٰہیہ کے لئے امام مقرر کرنا خُدا کا منصب ہے۔
۲۔ انہیں یہ نہیں معلوم کہ اکثریت کو یہ حق کیسے کس طرح اور کس سے ملا۔	۲۔ خُداوند تعالےٰ مالک کامل اور حاکم کُل ہے۔
۳۔ شہریوں اور غیر شہریوں میں فرق ہے حق رائے دہندگی فقط شہریوں کو حاصل ہے۔	۳۔ یہ تفریق ناجائز ہے اگر تفریق ہو سکتی ہے تو اسلام اور غیر اسلام کی ہو سکتی ہے
۴۔ حکومت کو حق قانون سازی حاصل ہے۔	۴۔ امامت یعنی حکومت اسلامیہ کو جدید قانون بنانیکا حق نہیں۔ اس کے اصول قوانین قرآن شریف میں محفوظ ہیں۔ ہاں مقامی و وقتی ضرورتوں کے لیے قرآنی اصول کے مطابق قواعد بنائے جا سکتے ہیں۔
۵۔ سٹیٹ کی اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ ہوتی ہے جس سے وہ افواج رکھتی ہے اور صاحب رسوخ اشخاص کو عطیات دیکر اپنے تابع میں رکھتی ہے۔	۵۔ امامت کے لیے یہ ممنوع ہے زمانہ امن میں مستقل افواج رکھنا جائز ہے۔ جہاد اسلامی سب کے لیے ہے۔ سپاہی و غیر سپاہی کا فرق نہیں۔ بارسوخ و بے رسوخ کی تمیز غیر اسلامی تخیل ہے۔
۶۔ سٹیٹ کے پاس جو مال آتا ہے وہ محض حکومت کا ہوتا ہے۔	۶۔ یہ مال تمام مسلمانوں کا ہے اور فوراً تقسیم ہونا چاہیئے۔
۷۔ بیرونی فتوحات باعث عزت ہوتی ہیں اور وہ ہی حاکم کو اعظم کے لقب کا مستحق بناتی ہیں۔	۷۔ بغیر وجہ معقول و جائز دوسرے ملک پر چڑھائی کرنا ممنوع ہے۔ صرف دفاعی جنگ کی اجازت ہے اسی کو جہاد کہتے ہیں۔
۸۔ حکومت اور عوام الناس کے درمیان ایک ناقابل عبور خلیج ہوتی ہے۔ حاکم کیلئے عجب رُعب، تمکنت اور عوام الناس سے علیحدگی ضروری ہے۔	۸۔ چونکہ امامت کا مقصد عظمٰی عوام الناس کی ہدایت ہے۔ لہٰذا سب سے، امیر و فقیر، بارسوخ بیکس سے مل کر رہنا ضروری ہے۔ امام کے لیے عجب رُعب، تمکنت اور علیحدگی جائز نہیں۔

رومانوی سٹیٹ کے اصول	اسلامی امامت کے اصول
۹۔ یونانیہ رومانوی اور اس کی جانشین یورپین حکومت کے لیے کذب و فریب، جبر و استبداد ضروری ہے اکثریت کی غلامی اور اقلیت پر جبر و ظلم سیاسیات حاضرہ کے عناصر ہیں۔	۹۔ امام کے لئے کذب و ظلم و جور و استبداد ناقابل عفو گناہ ہیں۔ انصاف و عدل کامل کو عام کرنا اور ظلم و جور سے خود بھی بچنا اور اوروں کو بھی روکنا امام کی صفات ضروریہ میں سے ہیں۔

اسلام میں امامت ہے حکومت یونانیہ نہیں ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ بنو عباس کو جب تک لوگوں کو اپنے طرف کرنے کی ضرورت رہی تو اہلبیت کا نام لے کر اٹھے اور اپنے تئیں امام کہلوایا (دیکھو الاخبار الطوال تالیف ابی حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری صفحہ ۲۹۰-۲۹۱-۳۰۴-۳۰۵-۳۱۷) یہ دوسری بات ہے کہ جب انہوں نے بھی دیکھ لیا کہ ہم میں امامت کی صلاحیت نہیں ہے اور ہماری حکومت کے لیے جبر و جور و تشدد کی ضرورت ہے تو اپنے پیشرو حکام کی طرح انہوں نے بھی حکومت یونانیہ کے اصول و قواعد اختیار کر لئے۔

اب ہم ان اصول کی مختصر تشریح کرتے ہیں جو ہم نے جدول ماسبق میں لکھے ہیں۔

اصول ۱، ۲، ۳، ۸

قیام حکومت رومانوی (یونانیہ) کے لئے دو اہم ارکان کی ضرورت ہے۔ اختیار اور اکثریت۔ یعنی لوگوں کو اختیار ہے کہ حاکم مقرر کریں اور وہ حاکم محض اکثریت کی رائے سے متصور ہوگا۔ اس کے لئے الیکشن بازی اور ووٹ سازی کی ضرورت ہوئی۔ اکثریت کے مظالم اور الیکشن کے نقائص اس طرح لوگوں کے سامنے آ گئے ہیں کہ ان پر مزید منطقی بحث بے سود ہے۔ لیکن باوجود ان کے معائب و نقائص کے اس طرح نمایاں ہونے وہ اب تک موجود ہیں اور آئندہ کچھ دنوں اور موجود رہیں گے جب تک عوام الناس اپنی حماقت سے کما حقہ آگاہ نہیں ہو جاتے۔ اُن کا اب تک باقی رہنا ان کی خوبی کی دلیل نہیں ہے بلکہ فطرت انسانی کی اس خود غرضی کا مظاہرہ ہے جو ہر وقت ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں افعال انسانی کی محرک رہی ہے۔ عوام الناس کو احمق بنا کر ان کے بہانہ سے ایک سیاسی پیشہ ور جماعت اپنے لئے حکومت کا سامان مہیا کر لیتی ہے اور جہاں کبھی اُن کے اختیارات یا اقتدار پر آنچ آنے کا شُبہ ہوا۔ فوراً لوگوں کو جمع کر کے سر اور آنکھوں اور ہاتھوں کی حرکت کو خاص طور سے ہم ساز کر کے اور آوازوں میں مصنوعی جوش پیدا کر کے غل مچا دیتے ہیں کہ بھائیو خبردار ہو جاؤ بنی نوع انسان کو ایک زبردست خطرہ لاحق ہونے والا ہے۔ تمہارے اختیارات چھینے جا رہے ہیں۔ جب تک ہماری رگوں میں حیدری اور خالدی خون جاری ہے ہم یہیں کٹ کر مر جائیں گے، گر جائیں گے اور ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ اب کیا تھا۔ زندہ باد، مردہ باد کے فلک شگاف نعرے شروع ہو گئے۔ ان احمقوں سے کوئی پوچھے تو سہی کہ تمہارے پاس اختیار و اقتدار کب تھا جو اب چھینا جا رہا ہے۔ ایک لاٹھی چارج پر تو حیدری و خالدی خون والے بھاگتے ہوئے نظر آتے

ہیں بجان کب اور کس کو دیں گے۔ خیر موجودہ پارٹی گورنمنٹ جس کا نام جمہوریت رکھا گیا ہے انصاف سے کوسوں دور ہے یہ کہنا کہ اسلام میں جمہوریت ہے اسلام کے نام کو دھبہ لگاتا اور لوگوں کو احمق بناتا ہے۔

اختیار کے نام سے رومانوی حکومت کے نظریہ کو اختیار کرنا اس حکومت کے لئے ضروری تھا جس نے جناب رسولِ خدا کے مقرر کردہ نظام کو درہم برہم کرنا اور خود عوام الناس کے نام سے حکومت کرنا اپنا ایک مقصد مقرر کر لیا تھا۔ اپنے قیاس سے جو اس ہی قاعدہ اختیار پر مبنی تھا۔ شرع اسلام میں اتنی مداخلت کی کہ اس کو بالکل بدل دیا۔ اس کی تفصیلات ہم اس کتاب کے شروع کے صفحات میں بیان کر چکے ہیں کارکنان حکومتِ سقیفہ یہ جرأت نہیں کر سکتے تھے جو انہوں نے کیں جب تک امامت کے تخیل کو نہ بدل دیتے۔ اور اس کو یونانی اور رومانوی تخیل حکومت کے ساتھ خلط ملط نہ کر دیتے ابھی تک صریحاً اور علانیہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اسلام میں یونانی طرز حکومت ہے۔ یہ نہایت مشکل مقام تھا لیکن اس کو انہوں نے نہایت عقلمندی سے عبور کیا۔ وہ اچھی طرح واقف تھے کہ اسلام میں امامت ہے یونانیہ رومانوی طرز حکومت نہیں ہے لیکن اس میں شک و ابہام پیدا کرنا ہی ان کے مقصد کے لئے ضروری تھا۔ دیکھئے۔ اپنی حکومت کا نام انہوں نے نہ حکومت رکھا اور نہ امامت رکھا۔ بلکہ اس کو خلافت کہا۔ خلافت یعنی جانشینی کس کی۔ رسول کی؟ رسول کی حکومت کے کیا ارکان تھے اور اس حکومت کے حاکم کی کیا صفات ہونی چاہئیں؟ یہاں خاموشی اختیار کی۔ رسول کو تو لوگوں نے مقرر نہیں کیا تھا اور حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ امامت کو بھی خدا نے ہی جس کو چاہا عطا کیا۔ صفات دیکھ کر امتحان کے بعد۔ اس رسول کو کون مقرر کرے؟ یہاں پھر خاموشی اختیار کی۔ اس رسول کے جانشین کی کیا صفات ہونی چاہئیں؟ یہاں پھر خاموشی اختیار کی۔ لیکن دل میں بات چبھتی رہی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حضرت ابوبکر ہی پہلے اور آخری خلیفہ ہوئے پھر امارت چلی۔ امیر المومنین ہونے لگے۔ یہ محفوظ مقام تھا۔ جانتے تھے کہ لوگوں کے دماغوں میں یونانی طرز حکومت کا نقشہ جما ہوا ہے اپنی امارت کو اس کے مطابق کرنے کے لئے یہ پراپاگنڈا سب میں پھیلا دیا کہ مسلمانوں کو حق حاصل ہے کہ خود اپنا امیر مقرر کریں۔ یہ اچھا لطیفہ ہوا۔ اس وقت حضرت علی سے مقابلہ تھا۔ یہ ہی طریقہ مناسبِ حال سمجھا گیا۔ بہر صورت حکومت وہی خلافت رہی کبھی امارت نہ بنی۔ خلفاء راشدین، خلفاء بنی امیہ، خلفاء بنی عباس، لوگ یہ ہی کہتے رہے یہاں تک کہ خلفاء کا لفظ حاکم کے ساتھ مترادف و ہم معنی ہو گیا۔ چنانچہ مولانائے روم کہتے ہیں۔ ؎

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی ‌ ‌ ‌ کز تو مجنوں شد پریشان دعوئی

از دگر خوباں تو افزوں نیستی ‌ ‌ ‌ گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

ظاہر ہے کہ لیلیٰ و مجنوں کے زمانہ میں خلیفہ اسلام کہاں، اگرچہ اپنے زمانہ میں حضرت عمر و عثمان و علی

امیر المومنین ہی کہلائے۔ سوچیئے۔ ان کے بعد یہ خلیفہ کہاں سے آگئے۔ یہ کیونکر پیدا ہوئے۔ غرضکہ یہ لوگ اپنی حکومت پر مذہبی رنگ بھی چڑھانا چاہتے تھے۔ لیکن امامت سے گریز کرتے تھے۔ اور اب امام کے لفظ کو گرانا شروع کیا۔ امام کے درجہ کو گھٹانے اور اس کو حکومت سے علیحدہ رکھنے کے لئے ہر ایک اہل حرفہ کو امام کہنے لگے۔ امام عروض و قافیہ، امام موسیقی، امام فقہ، امام صرف، امام نحو، وغیرہ وغیرہ۔ حاکم ہی کو امام نہ کہیں گے اور سب کو امام کہیں گے یہاں ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ آئمۂ اثنا عشر میں سے ہر ایک امام بھی تھا، خلیفۂ رسول بھی تھا، ہادی امت بھی تھا۔ یہ بات دوسری ہے کہ اقتدار جو ان آئمۂ کی امامت کا جزو لاینفک تھا وہ ان سے غصب کر لیا گیا تھا لیکن جو مقام خدا و رسول نے ان کو دیا تھا وہ غصب نہیں ہو سکتا لہذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس غصب کی وجہ سے ان کی امامت میں کوئی نقص آگیا۔ لوگوں کے ماننے سے دنیاوی اقتدار پیدا ہوتا ہے۔ رسول رسول ہے خواہ کوئی اسے مانے یا نہ مانے۔ امام امام ہے، خواہ کوئی اسے مانے یا نہ مانے۔

یورپ میں حکومت یا قومی سلطنت کا تخیل رومن قانون اور رومی تاریخ سے لیا گیا اور چونکہ مسیحیت نے رومانوی سلطنت کی آب و ہوا میں پرورش پائی تھی اور قسطنطنیہ کے قیاصرہ جو عیسائی ہو گئے تھے۔ یہ تخیل اپنے ہمراہ لائے اور اس کو مسیحیت میں داخل کر دیا۔ لہذا اسلام اور مسیحیت میں یہ بڑا اہم اور نمایاں فرق ہو گیا۔ مسیحیت ہمیشہ اس خیال میں مقید رہی کہ لوگوں کے معاملات اور اصلاح حالات کا دائرہ ہمیشہ ملکی اور ارضی حدود میں محدود ہوتا ہے۔ یہ ہی قومیت کے تخیل کی ابتدا ہے جس کو پوپ اور شاہان یورپ کی کشمکش نے اور واضح کر دیا۔ اور اس کی تائید کی جس کو تفصیل سے ہم البلاغ المبین حصہ اول میں بیان کر چکے ہیں۔ اس تخیل قومیت نے ایک مسیحیت کو بے شمار قوموں میں تقسیم کر کے مسیحیت کے دائرے کے اندر ہی رقابتیں پیدا کر دیں۔ عرب میں قوموں کی جگہ قبائل نے لے لی اور عربوں کی جنگجو عادت کے لئے قبائل کی باہمی رقابت و کشمکش نے اچھا سامان عشق پیدا کر دیا تھا۔ ہمسایوں کے کافرانہ تخیل قومیت نے اسی میں تائید کی۔ اس سے مسلمانوں کی متلاشی اقتدار جماعت کو ان کے مقصد میں بہت مدد ملی مزید برآں اس تخیل یونانیہ و رومانیہ کا ایک اہم عنصر یہ بھی تھا کہ اپنا حاکم خود مقرر کرنا رعایا کا حق ہے رومن قانون و رواج نے اس یونانی فلسفہ کو آخر کار اپنے میں لے لیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ رومی سلطنت جو کسی زمانہ میں ایک شہنشاہ کے زیر نگین ہوتی تھی آخر کار مختلف اور متفرق قوموں میں تقسیم ہو گئی اور ہر ایک ملک و قوم نے اسی سے یہ کہہ کر علیحدگی اختیار کی کہ یہ ہمارا حق ہے کہ اپنا بادشاہ خود مقرر کریں۔ وہاں تو یہ اصول کھپ گیا کیونکہ رومانوی اور یونانی فلسفہ اور قانون میں تو خدا کا تخیل ہی نہیں تھا۔ رسول و نبی اور حکومت الٰہیہ سے تو وہ کفار واقف ہی نہ تھے لیکن اسلام میں جہاں ساری حکومت خدا کی تصور کی گئی ہے اور رسول اس کا خلیفہ ہے یہ اصول بالکل واقعہ کے خلاف اور اس کی شریعت کے لئے مضر تھا اگرچہ اس نے سقیفہ پیدا کر کے فوری مضر

تو پورا کر دیا۔ لیکن اسلامی شریعت کو منقلب کر کے اس میں بہت خرابیاں پیدا کر دیں اس یونانی تخیل کی رُو سے حاکم صرف اپنے مقرر کرنے والوں کا جوابدہ ہے اور سب کے لئے خود مختار اور غیر ذمہ دار ہے لیکن اسلام میں وہ رعایا کا جوابدہ نہیں ہے بلکہ خُدا کا جوابدہ ہے اور اس کا ہر فعل اس نظریہ کے ماتحت مرتب کرنا چاہیئے اور یہ بہت بڑا فرق ہے۔ آپ خود غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس مذکورۂ نظریہ سے کیا کیا خرابیاں پیدا ہوئیں۔ اسلام میں جتنے فتنے ہوئے ان کی جڑ اسی نظریہ میں ہے اس نظریہ کے آئندہ کے بڑے نتائج کو سب سے پہلے خود اس کے کارکن اعظم نے دیکھا۔ ایک شخص نے کہا کہ اب ہم عمر کے بعد علی ابن ابی طالب کی بیعت کریں گے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عمر قابو سے باہر ہو گئے اور فرمانے لگے کہ بیعت ابی بکر ایک ناگہانی مصیبت تھی۔ اب آئندہ اس طرح جو کرے اس کو بھی قتل کر دو۔ اور اس کو بھی قتل کر دو جس کی بیعت اس نے کی ہے یہ بہت بڑے فتنے کی ابتدا تھی۔ وصیت شوریٰ میں بھی یہ ہی قتل کا مشورہ تھا۔ یہ اشارہ حضرت علی کی طرف تھا جس کو ابن ملجم عمل میں لایا حضرت عمر کے اس قول فلتۃ (ناگہانی مصیبت) کو ہم نے تفصیل اور حوالجات کے ساتھ اسی ہی کتاب کے صفحہ ۱۱۵ لغایت ۱۲۰ میں بیان کیا ہے۔

ہم نے اس کتاب کے حصۂ اوّل کے باب ششتم میں اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں جانشین رسول مقرر کرنا جناب رسولِ خُدا کا فرض تھا نہ کہ امت کا حق اور یہ ہی انبیائے سلف کا دستور رہا ہے اور یہ ہی وہ وصیت تھی جو بقول مورّخ مسعودی حضرت آدم سے منتقل ہوتی رہی ہے لہذا اعتقاد اختیار و اکثریت شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔

فلسفہ حکومت یونانیہ میں تمکنت و احساس خداوندی' عجب و غرور سرداری رعایا سے متکبرانہ علیحدگی و احساسِ برتری حاکم کے لئے ضروری ہیں۔ لفظ سٹیٹ ہی سے یہ معنی و مقاصد ظاہر ہوتے ہیں STATE کے ابتدائی معنی ایک بارعب کرسی کے ہیں جس کے اُوپر ایک پُر تکلف شامیانہ ہوتا تھا اور وہ ایک اونچے چبوترہ یا شہ نشین پر رکھی جاتی تھی یہ کرسی ہی عظمت و جبروت کی نشانی تھی اور سب لوگوں سے ممیز اور برتر ہونا اس کی شان میں داخل تھا۔ آئندہ چل کر اس کرسی کے معنی میں وسعت آتی گئی اور پھر مملکت کو ہی STATE کہنے لگے اس کو ایک علیحدہ حکمران کی شخصیت دے دی گئی اور اس کو قانون سازی کا حق مل گیا۔ شریعت اسلامیہ میں یہ علیحدگی اور تمیز ممنوع ہے۔ اس ہی لئے امام یا حکمران کے لئے تاج و تخت کی مطلقاً ضرورت نہیں اور اسلام میں حکمران ایسا ہی سادہ رہتا اگر اس طرح شروع ہی میں یونانی حکومت کا تخیل مسلمانوں میں رائج نہ کر دیا جاتا۔ یونانی حکومت اس طرح افراد سے علیحدگی اور بے تعلق ہو گئی کہ ہربرٹ سپنسر کو ایک مستقل کتاب اس مضمون پر لکھنی پڑی۔ جس کا نام THE MAN VERSUS THE STATE ہے اس میں اس نے بحث کی ہے کہ سٹیٹ افراد سے علیحدہ ایک شخصیت ہے جو بسا اوقات افراد کے حقوق غصب کرتی رہی ہے سٹیٹ کے حقوق و فرائض پر بحث کرنے

وقت بڑے بڑے مصنفین و محققین نے غلطی کی ہے اس غلطی کی صرف یہ وجہ ہے کہ ابھی تک یہ ہی نہیں
صاف ہوا کہ سٹیٹ کو حکومت کا حق کیونکر حاصل ہوا۔ اور یہ حق کس نے اس کو دیا۔ چند مفکرین جن میں
BENTHAM بہت نمایاں ہے کہتے ہیں کہ حکومت کا حق قوم کی اکثریت کو ہے وہ اکثریت یہ حقوق
اپنے نمائندگان کو دیتی ہے اور نمائندگان ہی مل کر سٹیٹ ہیں۔ ان حقوق کو پھر یہ نمائندوں کی جماعت
ان ہی حقوق کو سٹیٹ نے افراد کو دے دیتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس ہی بات کو اس طرح کہہ سکتے
ہیں کہ اصل نے تو اپنے حقوق اپنے ایجنٹ (جماعت نمائندگان) کو دے دئے اور پھر اس ایجنٹ نے وہی حقوق
اپنے اصل کو دے دئے۔ یہ بالکل لغویات ہے۔ اس بحث میں اکثریت کا بہت ذکر ہے۔ لیکن اکثریت
کہاں سے پیدا ہوتی اور کیونکر معلوم ہوئی۔ اکثریت تو رائے لینے سے معلوم ہوتی ہے اور رائے ایک
مقصد مقرر کر کے لی جاتی ہے۔ مقصد تو یہ ہے کہ کون حکومت کرے رائے تمام قوم سے لی جاتی ہے۔ اور
اکثریت رائے شماری کے بعد معلوم ہوتی ہے گویا رائے شماری سے پہلے یعنی اکثریت معین ہونے سے
قبل تمام قوم کو حق حکومت حاصل تھا اور جب اکثریت معین ہو گئی تو وہ حق سمٹ کر اکثریت میں آ گیا
یہ نہ معلوم ہوا کہ باقی قوم یعنی اقلیت سے وہ حق کب، کس نے، اور کس بنا پر واپس لیا اور اکثریت کو
وہ حق کیونکر مل گیا۔ سیاست میں تو صاف اور سچ بولنا ایک جرم ہے ورنہ بحث کی اس منزل پر یہ بھی
اقرار کرنا چاہئے کہ یہ واقعی ایک چیستان ہے اور محض غلط ہے۔ اس مشکل کا مسلمانوں کے خلافتی حکو
مت کو بھی سامنا کرنا پڑا۔ اور وہ بھی اسی طرح ناکامیاب رہے۔ اگر وہ اسلام کے اس اصول پر
قائم رہتے کہ حکومت صرف خداوند تعالے کا حق ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی طرف سے حکومت کے
لئے اپنا نائب انسانوں میں سے مقرر کر دیتا ہے تو یہ معمہ حل ہو جاتا لیکن اس کا حل ہونا ان کے مفاد کے
خلاف جاتا۔ لہذا بنی ساعدہ کے سقیفہ کی تقاریر میں قرآن و خدا اور رسول خدا کا نام تک نہیں لیا گیا اور ایسے ہی
فقرہ حسبنا کتاب اللہ کو نظر انداز کر گئے اور اس کے بعد کے انصار و مہاجرین کے تنازعہ میں کہا گیا تو یہ کہا
گیا کہ کتاب اللہ میں امامت کا ذکر نہیں ہے یعنی خلافت کو قرآن میں بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ
اچھا حسبنا ہوا۔

جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں یہ نکتہ بہت اچھی طرح حل ہو گیا ہے حکومت محض
خدائی ہے اور خداوند تعالے یہ حکومت الہیہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور وہ عطا بعد
امتحان ہوتی ہے یہ عطا بذریعہ رائے شماری اور اکثریت نہیں ہوتی بلکہ رسول کے ذریعہ سے ہوتی ہے
امامت کا مقصد فقط ایک ہے اور وہ مسلمانوں کی جماعت کو خداوند تعالے کی مقرر کردہ صراط مستقیم
پر چلانا ہے۔ اس میں بھی اقتدار ہوتا ہے کیونکہ امام تمام شعبوں کے لئے احکام جاری کرتا ہے اسلام انسانی
کے ہر شعبہ پر حاوی ہے حکومت یونانیہ میں بھی اقتدار ہوتا ہے لیکن یونانی حکومت اور اسلامی امامت میں

آسمان کا فرق ہے۔ مقصد میں فرق، ترکیب و ساخت میں فرق، حقوق و فرائض رعایا اور ان کے آپس کے
تعلقات کی روش میں فرق، امام یعنی والی امور مسلمین کے تقرر و نصب میں فرق، ایک کو دوسرے
سے کچھ نسبت ہی نہیں۔

جب امامت کا مقصد ہم کو معلوم ہو گیا تو پھر امام کی صفات اور اس کے طریقہ تقرر کا معلوم کرنا
بہت آسان ہے۔ امامت کا مقصد اور اس کا حصول محض امام کی نیت، فعل و عمل اور علم پر موقوف
ہے۔ یہ صفات امیدوارانِ رعایا کو نہیں معلوم ہو سکتے۔ لہٰذا وہ انتخاب بھی نہیں کر سکتے نیت و علم
کی حد فقط خداوند تعالےٰ اور اس کے نائب یعنی رسول کو معلوم ہو سکتی ہیں لہٰذا امام کا تقرر ان کی ہی
نامزدگی سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جناب رسول خدا نے ایسا کیا۔ لیکن جماعت متلاشیانِ حکومت کو یہ گوارا
نہ تھا لہٰذا انہوں نے فلسفہ حکومت یونانیہ کی طرف رجوع کیا جس میں حکومت کا مقصد اور حاکم کا تقرر
بالکل مختلف اصول پر مبنی ہے اسکو ہم نے تفصیل سے اپنی کتاب فلسفۂ اسلام حصہ دوم میں بیان کیا ہے۔

اصل ۲

اسلام میں والی حکومت الٰہیہ یعنی امام کو جدید قانون بنانے کا حق نہیں ہے۔ یہ سارا قانون قرآن
شریف میں درج ہے اور اس کی تشریح و تاویل اقوالِ رسول اور آئمہ اہل بیت میں موجود ہے ہاں اُن
اصول کے مدنظر ہر مقدمہ کے جدید حالات کے مطابق فیصلہ ہو سکتا ہے اور یہ فیصلہ کرنا بذریعہ اجتہاد و
استنباط فقط امام کا حق بھی ہے اور فرض بھی ہے۔ کیونکہ وہ سب لوگوں کی نسبت اعلم ہوتا ہے۔ اس
علم کامل کی بناء پر وہ صحیح اجتہاد کر سکتا ہے اور وہ بھی محض اپنے قیاس سے حکم نہ دیگا۔ بلکہ قرآن شریف
کے مقرر کردہ اصول کو حالاتِ مقدمہ پر حاوی کر کے فیصلہ دے گا۔ اگر ہر ایک مُلّا یا عالم کو اپنے قیاس پر
عمل کرنے کی اجازت ہو جائے تو اسلام میں تفرقہ پڑ جائے اور ہر ایک عالم کے نام سے ایک فرقہ بن جائے
چنانچہ مسلمانوں میں اسی طرح فرقے بن گئے۔ اور اس ہی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کا طریقہ قضا
قابلِ اعتراض ہے۔ اس کو تفصیل سے ہم نے اپنی کتاب التفریق و التحریف فی الاسلام میں بیان
کیا ہے۔ اور اس موجودہ کتاب کے باب ہفتم ہم (سابق ششم ہم) میں بھی اس کا مفصل تذکرہ کیا ہے
اس قیاس کی اجازت حضرت عمرؓ نے عام طور سے دے دی۔ اور آخر میں چل کر یہ بہت بڑی مصیبت
بن گئی۔ اس آزادیٔ قیاس کے بہت سے احمقانہ مظاہرے ہو چکے ہیں جو مسلمانوں کے مختلف فرقوں
کی تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں۔ اس کی ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ حال میں مجھے ایک زمانہ حال کے
قیاسی نوجوان کا خط ملا جس سے ظاہر ہوا کہ اُن کے دل میں ایک ایسا زبردست شبہ ہے کہ جو نزدیک
ہے کہ ہلاکت (مذہبی) کا باعث ہو۔ وہ کہتے ہیں بلکہ سوال کرتے ہیں کہ خداوند تعالےٰ میں کونسی کوالیفیکیشن
"QUALIFICATION" ہے جو اس کو سجدہ جیسی ذلیل کرنے والی عبادت کا مستحق بناتی ہے۔ اُن کے

خط میں (QUALIFICATION) کا لفظ خاص طور سے قابلِ توجہ ہے۔ انسان اپنی پیشانی خاک پر کیوں خدا کے سامنے رگڑے۔ یہ وہ سوال ہے جو علامہ مشرقی کے بھی دل میں نہ گزرا ہوگا۔ یہ آزادیٔ قیاس ہی کا نتیجہ ہے۔ نماز سجدوں ہی سے مرکب ہے اس کے لئے اسلام میں کتنی تاکید ہے لیکن یہ نوجوان ابھی خداوند تعالےٰ کی (QUALIFICATION) ہی ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اور وہ ان کو نہیں ملتی جناب شیخین کے طریقہ فیصل قضایا کا تذکرہ ہم نے اس کتاب البلاغ المبین حصّہ دوم کے صفحات ۲۲۸ ۲۵۶ میں کیا ہے اور اس کے نقائص کی طرف بھی توجہ دلائی ہے لیکن یہ طریقہ آج کل کی جمہوری عقل کے مطابق ہے لہٰذا لوگ پسند کرتے ہیں۔

یہ تو ان لوگوں سے گفتگو تھی جو کہتے ہیں کہ حسبنا کتاب اللہ غیر مسلم مصنفین و مورخین کی بھی سُن لیں وہ کیا کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے اس ہی رویہ کو دیکھ کر دماغ نے یہ اختراع کی کہ ساتویں صدی کے قرآن میں بیسویں صدی کے مسائل کا حل نہیں مل سکتا۔ اس اعتراض کو ثابت کرنے کے لئے اُن کے ذمہ ہے کہ وہ بتائیں کہ کون سے مسائل مہمہ دنیا میں ساتویں اور بیسویں صدی کے درمیان انسان کے سامنے آئے جو ساتویں صدی عیسوی تک پیدا نہیں ہو چکے تھے۔ ثروت و افلاس کے تنازعات آقا و مزدور کی کش مکش، عورت و مرد کے تعلقات، معیشت و معاشرت کے اصول سب کچھ تو ساتویں صدی عیسوی تک زیر غور آچکے تھے۔ کمیونزم بھی پھل پھول چکنے کے بعد کمہلا گیا تھا۔ ان سب کا ذکر و حل قرآن شریف میں اور اس کی تشریح اقوالِ رسولؐ و حضرت علیؑ میں موجود ہے۔ حکومت کا ہر نمونہ دنیا میں اس وقت تک زیر عمل آچکا تھا۔ شیطانی طرز حکومت، انتخابی حکومت، آمریت، جمہوریت قیصریت، بادشاہت ان سب صورتوں کا تجربہ ہو چکا تھا۔ سکندر، سائرس، قیصر جیسے فاتحان اور ان کی فتوحات کا انجام بھی لوگ دیکھ چکے تھے۔ حکومت کے متعلق سب اصول قرآن شریف میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ان تمام امور پر جو قرآن شریف نے اپنے احکام صادر کئے اور ان کے متعلق اصول بتائے ان کا ہر موقعہ و محل کے مطابق استعمال کرنا امام کا کام ہے اور امامت کا فرض ہے اصول کو نہ سمجھنا اور سمجھنے کی کوشش نہ کرنا اور کہہ دینا کہ اس قسم کے مقدمہ یا تنازعہ کے لئے قرآن شریف میں کوئی اصول ہی درج نہیں ہے قرآن شریف کی کمی نہیں بلکہ اپنی سمجھ کے پھیر کا اقبال ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اپنے قیاس کی آزادی حاصل کرنے کا یہ ایک بہانہ مقرر کیا گیا تھا۔ قیاس کی آزادی حاصل کر کے رسول خدا کے احکام جانشینی سے نافرمانی کرنا اس کا مدعا ہو سکتا ہے اور اگر اس مدعا کو نہیں مانتے تو پھر حسبنا کتاب اللہ دلی اعتقاد سے نہیں کہا تھا۔ بلکہ یہ ایک وقتی تجویز رسول خدا کی تحریر وصیت کی خواہش کو رد کرنے کے لئے تھی یہ تو ظاہر ہے کہ جو واقعات زید کو پیش آئے ہیں بجنسہٖ ویسے واقعات خالد کو پیش نہ آئیں گے اور جن تنازعات سے بکر نے اپنی زندگی میں مقابلہ کیا تھا وہ عمر کے سامنے

نے تھے۔ یہ بات تو آنحضرت کے زمانہ میں بھی تھی اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی چند اصول مقرر کر لئے جاتے ہیں اور ان ہی کی بناء پر تنازعات فیصلہ ہوا کرتے ہیں اور یہ سب اصول قرآن شریف میں موجود ہیں۔ جناب محمد مصطفےٰ کو کیوں پیغمبر آخر الزماں اور ختم المرسلین کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے زمانہ تک ان تمام مسائل کا حل ہو چکا تھا جو دنیا کو آخر زمانہ تک پیش آئیں گے اور ان سب کا حل آنحضرت کے لائے ہوئے قرآن میں موجود ہے اب اس کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں اب تشریح و تاویل کا کام امامت کے ذمہ ہے۔ اور وہ بھی ایک وقت معین تک۔

اصول عـ ۹۵

جناب رسول خدا کے زمانہ میں جماعت مسلمین کی آمدنی کے ذرائع یہ تھے۔ زکوٰۃ، خراج، جزیہ، خمس، غنیمت، فے، ان میں سے زکوٰۃ، خراج، جزیہ اور غنیمت کا ⅘ حصہ تمام مسلمانوں کی جماعت کا حق ہوتا تھا۔ باستثناء اس امر کے کہ غنیمت میں ان کا ہی حصہ ہوتا تھا جو اس لڑائی میں شریک تھے جس میں یہ غنیمت حاصل ہوئی ہے۔ زکوٰۃ مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی جزیہ اہل یہود و نصاریٰ سے لیا جاتا تھا جو اپنے دین سے بھی مرتد ہو چکے تھے۔ خمس و فے محض جناب رسول خدا اور ان کے ذوی القربیٰ کا حصہ ہوتا تھا۔ دیکھو آیات ذیل۔

سورۃ التوبہ ۹ : ۲۹، سورۃ الانفال ۸ : ۴۱، سورۃ الحشر ۵۹ : ۶، ۷

اور ان آیات کی تشریح و تفصیل ہماری کتاب فلسفہ اسلام حصہ دوم میں۔

اصول عـ ۹۶

حکومت یونانیہ کے یہ تین نہایت اہم مُہزات ہیں۔ اور ان سے ہی حاکم کے خصائل و صفات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس حکومت کا وہ حاکم نہایت کامیاب اور عظیم الشان سمجھا گیا جو اپنے ہمسایوں یا مسلموں کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ ہر وقت ان کے مال و ملک پر نظر رکھتا ہے اور بات بات پر تلوار کی دھمکی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر کار اپنا مقصد تلوار و مکاری سے حاصل کر لیتا ہے۔ اور اپنی ان فتوحات کی وجہ سے اعظم کا لقب حاصل کر لیتا ہے۔ مکر، کذب، دغا، فریب، دھوکہ اس کی اس سیاست علیا کے ارکان اعظم ہوتے ہیں۔ اور اس کو مورخین و مصنفین کامیاب کا لقب دے کر آنے والی نسلوں کی حکومت کے لئے نمونہ قول و کردار مقرر کر دیتے ہیں۔ از منہ ماضیہ میں بھی یہی ہوا۔ اور اب بھی یہی ہو رہا ہے۔ گذری ہوئی باتوں کو تو گذرے ہوئے لوگ جانیں۔ کتابوں میں ان کے حالات ہمارے لئے موجود ہیں۔ آج کل جو یورپ میں اور اس کی تقلید میں ساری دنیا میں ہو رہا ہے وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم نے جو اوپر لکھا ہے اس کی تائید حرف بحرف نمایاں ہو رہی ہے جس کو یورپین مورخین تک مان گئے ہیں۔ حوالے دینے کی کیا ضرورت ہے۔ ان ہی لڑائی کی تفصیلات

اپنے مفاد کا مدد و معاون پا کر مسلمانوں کی اس حکومت نے بھی یہی روش اختیار کی اور چونکہ وہ اسی میں کامیاب ہو گئے لہٰذا یورپین مورخین و مصنفین اور ان کی پیروی میں مسلمانوں کی اکثریت نے ان احکام کو اعظم کا لقب دیا۔ اور ان کی سیاست کو کامیاب سیاست سمجھا گیا۔ خود ہی حضرت عثمان کو قتل کروایا اور خود ہی ان کے خون کے دعوے دار بن گئے اور جب اپنی شکست کو نظروں کے سامنے دیکھا تو نیزوں پر قرآن چڑھا کر شکست کو روک دیا اور رشوت سے اپنے حریف کی افواج و سرداران کو اپنی طرف کر لیا تھا ان "عاقلانہ" تدابیر سے فتح ظاہری حاصل کر لی۔ "زہر اور روپیہ" ان کے دو کامیاب "حربے" تھے جن سے وہ اپنے دشمنوں کا "مقابلہ" کرتے رہے۔ دنیاوی صورت کے لحاظ سے یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ان کا حریف ان باتوں سے بہت بالا تھا۔ لہٰذا بادشاہ بن گئے۔ دنیاوی کامیابی کا ہاتھ چومنا تو مسلمانوں کا ہمیشہ اپنی حکومت کی ابتدا سے رویہ رہا ہے لہٰذا مسلمانوں نے فوراً خلیفۃ المسلمین کہہ کر لبیک کہا اور اب اجماع کی آڑ میں حضرت و رضی اللہ عنہ کے القاب سے ملقب ہو کر جنت کے دعویدار بن گئے کہ شاید بھولا بھالا خدا ہمارے جھانسے میں آ جائے۔ یورپ والوں نے اپنی ہی سیاست کا رنگ اس میں دیکھ کر اس سیاست کو کامیاب سیاست ٹھیرایا۔ مسلمانوں کے زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے زمین و آسمان ایک کر دیئے اور سمجھے کہ مغالطہ یہیں ختم ہو گیا۔ اگر اصلی مسلمان ہوتے تو معلوم کرتے کہ مغالطہ تو اب شروع ہوا ہے ختم تو کہیں اور ہی جا کر ہوگا۔

امامت یعنی حکومت اسلامیہ کو حکومت یونانیہ میں تبدیل کرنا منجملہ دیگر تدابیر کے ایک تدبیر تھی جن کے ذریعہ حکومت اسلامیہ کو خاندان نبوت میں سے نکالنا مقصود تھا اس سے اسلام کو بالکل مسخ کر دیا اس کی بہت سی برائیوں میں سے ایک برائی یہ تھی کہ ان قدرات کو جن سے اسلام میں شخصیتوں کے مدارج مقرر کئے جاتے ہیں بالکل بدل دیا اور آیہ وافی ہدایہ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم کی مخالفت کر کے ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اس انقلاب نے تمول و دولت کو تقویٰ پر ترجیح دے کر مسلمانوں کا رُخ اسی طرف کر دیا جس طرف کافر دنیا جا رہی تھی اور جس کے بدلنے کے لئے اسلام آیا تھا۔ دنیاوی وجاہت و حکومت میں وہی جاذبیت از سر نو پیدا کر دی جو دنیا میں ظلم کی بنا تھی بلکہ مزید برآں یہ کہ اس پر اسلام کی مہر بھی لگا دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان دنیاوی وجاہت ہی کو اپنا مقصد حیات اور اس حیات کا منتہائے ابلاغ سمجھنے لگے۔ علامہ عنایت اللہ مشرقی نے اسی مقصد حیات کو بہت تفصیل سے اپنے تذکرہ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے اور اس دنیاوی وجاہت و عروج ہی کو اصلی اسلام قرار دیا ہے۔

عیسائی مورخین و مصنفین تو اسلام کو بدترین شکل میں پیش کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے یہ اچھا موقعہ ہاتھ لگا۔ اپنی حکومت و سیاست کے اصول کی بنا پر جن کو مسلمانوں کی اکثریت نے اپنے اسلام میں داخل کر لیا تھا اعلان کر دیا کہ سیاست کامیاب تھی اور حسین کا قتل ہو جانا جائز تھا کیونکہ علی کو دنیاوی کامیابی

حاصل نہیں ہوئی اور حسین نے یزید کے خلاف بغاوت کی۔ یہ ہی وہ ہستیاں ایسی تھیں جو اسلام و اصول اسلام کی فتح نشوونما اور ترقی کا باعث تھیں اور جن کے ساتھ اسلام کی عزت وابستہ تھی اور جب خود مسلمانوں کی طرف سے اس سوال کو اٹھایا جائے تو عیسائیوں نے اس کو مقدس ماں، باپ بیٹے کی صریح امداد تصور کر کے خوب اس سے فائدہ اٹھایا۔ حضرت علی کی سیاست اور اس کی کامیابی کا ذکر ہم نے اس کتاب کے حصہ اول اور خود اس حصہ دوئم میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور فلسفہ اسلام حصہ دوم اور نیز باب کے شروع میں جو ہم نے امامت اسلامیہ و حکومت الہیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حسین باغی نہ تھے بلکہ خود یزید اسلام کا باغی تھا۔ اور حسین اس کی اس بغاوت کا مقابلہ کر رہے تھے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ کسی تحریک کی کامیابی یا ناکامیابی کا انحصار اس کے مقصد کے حصول یا عدم حصول پر ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ جناب امیرؑ اور جناب معاویہ کے مقاصد کیا تھے۔ حضرت علی کا مقصد عربوں کو دولت و ثروت اور اراضیات تک پہنچانا نہ تھا۔ ان کا مقصد مسلمانوں کے دل میں اسلام کی تعلیم کو راسخ کرنا تھا۔ تاکہ اس کے بعد اگر دولت ملے تو اس کا صحیح استعمال کر سکیں اور اگر حکومت ملے تو ظلم کا قلع قمع کر سکیں۔ اس مقصد کے حصول میں ان کی سیاست بالکل کامیاب تھی۔ معاویہ کی سیاست کا مقصد اختلافات اور اسلام کو نظر انداز کر کے حکومت و وجاہت دنیاوی حاصل کرنا تھا وہ بھی اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت علی بروئے اسلام اور جناب معاویہ بروئے فلسفہ یونان کامیاب رہے اس طرح فلسفہ اسلام اور فلسفہ یونان کا فرق اور نیز امامت اسلامیہ اور حکومت یونانیہ کا امتیاز بھی بہت اچھی طرح نمایاں ہو گیا اگر حضرت علی کی روش و سیاست کے مطابق حکومت حاصل ہوتی تو وہ دیرپا ہوتی اور آج کو ساری دنیا بجائے عیسائی یا فطرتی ہونے کے مسلمان ہوتی۔ جناب معاویہ کی طرز سیاست سے جو حکومت مسلمانوں کو حاصل ہوئی وہ دولت مستعجل تھی۔ اور اس نے اسلام کو بالکل مسخ کر دیا۔ آج مسلمان گداگروں کی صورت میں نظر آ رہے ہیں یہ اس ہی کی برکت ہے۔

جہاد رسول اور فتوحات خلافت صدر اول کا مقابلہ اور مؤخر الذکر کے نتائج کی تفصیل ہم اس کتاب کے باب ہفتم میں بیان کریں گے اور اپنی کتاب فلسفہ اسلام حصہ دوم میں ان پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔

اس ساری بحث سے مندرجہ ذیل نتائج نکلے:۔

۱۔ اسلام میں حکومت کا وہ تخیل نہیں ہے جو آج کل دنیا میں تتبع فلسفہ یونانیہ کی وجہ سے سمجھا جاتا ہے لیکن مسلمانوں کے امور کا ضبط و نظم و نسق ہونا بھی ضرور تھا۔ اس کے لئے ایک ایسے مرکز کی ضرورت تھی جس کی طرف وہ سب امور راجع ہوں تاکہ افراتفری نہ پڑے۔ اس مرکز کا نام امامت ہے۔

۲۔ اس ضبط و نظم میں قیام و دوام اسلام ہی مقصد ہوتا ہے۔ یہ ہی امامت کا مابہ الامتیاز اور اس کا مقصد ہے۔

۳۔ لہٰذا جو شخص یا جماعت اس مقصد کے خلاف ہے اور اس کے افعال و اقوال سے خدا اور رسول خدا کے اسلام کو نقصان پہنچتا ہے یا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو در اصل وہ ہی شخص باغی ہے۔ خدا کا بھی باغی ہے اور رسول کا بھی باغی ہے اور صاحب الامر یعنی امام کا بھی باغی ہے اور ان تمام سزاؤں کا مستوجب ہے جو بقولِ رسولِ مقبول اور بفرمانِ عقلِ سلیم بغاوت اور باغیوں کے لئے اسلام میں مقرر ہیں۔ یہ بہت بڑا فرق ہے امامت اسلامیہ اور حکومت یونانیہ رومانیہ میں، اس کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے جمل و صفین کے معرکوں میں بھی، کربلا و فخ کے جنگوں میں بھی اور ان تمام لڑائیوں میں بھی جن کے متعلق مولوی شبلی کہتے ہیں کہ بنو ہاشم کی "بغاوتوں" نے خلفاء بنی عباس کو بہت مجبور کر دیا تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ "باغی" کون تھا۔ باغی وہ شاہان وقت تھے جنہوں نے اسلام سے بغاوت کی تھی، وہ ہاشمی جو ان کو اسلام کی طرف لانا چاہتے تھے باغی نہ تھے۔ مولوی شبلی حکومتِ یونانیہ رومانیہ کی طرف گئے اور ہم امامت اسلامیہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ یہ ہی وہ نکتہ ہے جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے فرنگی مورخین و مصنفین و محققین نے امامت اسلامیہ کو اپنی حکومتِ رومانیہ کے معیار سے ناپ کر بہت غلط نتیجے نکالے ہیں اور غلط نظریات قائم کئے ہیں جن کو ان مسلمان مورخین و محققین نے خصوصاً ابن خلدون اور اس کے بعد کے مصنفین نے جو ان حکامِ سابقہ کے پیرو تھے جنہوں نے عمداً اور محض اپنی اغراض دنیاویہ کے لئے امامت اسلامیہ کو حکومت یونانیہ رومانیہ میں تبدیل کر دیا بہت شہرت دی اور ان غلط نظریات کو ساری دنیا میں رائج کر دیا لیکن حق اور عقلِ سلیم کبھی تعداد سے مرعوب نہ ہوتے۔

۴۔ اگر امام اپنا فرض ادا کرتا ہے اور لوگوں کو اسلامی صراطِ مستقیم پر چلا رہا ہے تو لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی ایسی اطاعتِ مطلقہ کریں جیسی قرآن شریف کی آیت اطاعتِ خدا اور رسول و اولی الامر میں مذکور ہے۔

۵۔ امام ورعایا کے ان فرائض سے نتیجہ نکلا کہ رسول کی طرح امام بھی معصوم اور منزہ عن الخطا ہونا چاہیئے ورنہ یہ آیت قرآنی اس اطاعتِ تامہ کا فرض قائم کر کے امام (اولو الامر) کے مجرم و خطا والے احکام کی متابعت کرانے والی ہوگی جو کہ صریحاً ناممکن ہے۔

۶۔ ایسا امام خدا پیدا کرتا ہے اور مقرر کرتا ہے۔ ہر ایک شخص معصوم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا امام کا منصوص من اللہ ہونا ضروری ہوا۔ لوگ اپنی رائے سے جو کم علمی اور خواہشات ذاتیہ پر مبنی ہوتی ہے، ایسا امام نہیں منتخب کر سکتے۔

۷۔ یہ بھی ظاہر ہوا۔ کہ اسلام میں جمہوریت نہیں ہے۔

باب ہفتم

تدبیر و اہتمام استخلاف عمرؓ

جو امور کہ کسی خاص اصول کے ماتحت نہیں کیے جاتے اور ایک فوری و وقتی ضرورت و خواہش
پورا کرنا ان کا مقصد ہوا کرتا ہے ان میں اکثر اختلال و اضطراب دھوندا ہی پایا جاتا ہے جب جناب
رسول خدا نے انتقال فرمایا تو اپنی اغراض کی تکمیل کے لیے یہی کہنا ضروری سمجھا گیا کہ جناب رسول خدا نے
کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں فرمایا اور نہ فرمانا چاہیے تھا کیونکہ وہ امت کا حق تھا لہٰذا سقیفہ ساعدہ کی ضرورت
ہوئی لیکن جناب ابوبکر بوقت رحلت علانیہ تحریر کے ساتھ محض امت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے حضرت عمر کو
خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ حضرت عمر ہی کو وہ وثیقہ لکھ کر دیا جاتا ہے۔ حضرت عمر لیے جاتے ہیں دُرّہ ہاتھ میں
ہے لوگوں سے اس کی اطاعت کراتے ہیں لیکن کوئی نہیں کہتا کہ حضور یہ خلاف سنت رسول کیا کام کر
رہے ہیں خلیفہ مقرر کرنا تو ہمارا حق ہے۔ آپ مرتے وقت ہمارا حق کیوں چھین رہے ہیں۔ اس وصیت کی تحریر
کے وقت تو حضرت عمر نہیں کہتے کہ حسبنا کتاب اللہ۔ خداوند تعالیٰ کی قدرت دیکھو۔ خود ان کے اپنے فعل
سے ان کے قول کی تردید کرا دی اور ثابت کر دیا کہ حسبنا کتاب اللہ کا فقرہ کتاب اللہ کی عظمت و شان
کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ایک ذاتی غرض کو پورا کرنے کے لیے تھا۔ نہایت شد و مد کے ساتھ بحث کی جاتی
ہے کہ اگر جناب رسول خدا کسی کو اپنا جانشین مقرر فرما جاتے تو پھر آنحضرت کے صحابہ اجتماع سقیفہ نہ ہونے
دیتے اور اس مقرر شدہ خلیفہ ہی کو اپنا حاکم مان لیتے مگر استخلاف عمر نے ثابت کر دیا کہ لوگوں کی ذہنیت
کیا تھی اور کتنی ایمانی طاقت و حمیت رکھتے تھے۔ ان کے اس وقت خاموش رہنے اور اعتراض نہ کرنے
نے ثابت کر دیا کہ وہ کس قسم کے لوگ تھے اور کن کے پھندوں میں پھنسے ہوئے تھے اگر وہ لوگ اسی
یقین رکھتے تھے کہ جناب رسول خدا نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا اور خود حاکم مقرر کرنا امت کا حق قرار دیا
ہے تو اب ان کو اعتراض کرنا چاہیے تھا کہ خلاف عمل و سنت رسول کیوں حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے
اور ہمارا حق چھینا جاتا ہے اس کا یہ جواب درست نہ ہوگا کہ امت بھی یہی چاہتی تھی جو حضرت ابوبکر نے
کیا کیونکہ اگر یہ تھا تو پھر اس اہتمام کی کیا ضرورت تھی کہ وثیقہ لکھا گیا اور حضرت عمر کو ضرورت پڑی کہ درّے کی
چوٹ سے اسے منوایا بلکہ معاملہ تو برعکس تھا لوگ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا جائے اور
حضرت ابوبکر کے پاس جا کر عرض کیا کہ عمر کی بجائے کسی اور کو آپ خلیفہ مقرر کر دیں عمر تو بڑی غلیظ طبیعت کے
انسان ہیں لیکن یہ تجویز بحث در بحث تو اسی روز سقیفہ والے دن ہی ہو چکی تھی کہ حضرت ابوبکر اپنے بعد عمر کو خلیفہ مقرر

کریں گے تب ہی تو حضرت عمر حضرت ابوبکر کی خلافت کے استحکام کے لئے اتنے کوشاں تھے۔ امر
واقعہ یہ ہے کہ عوام الناس میں اخلاقی جرأت نہ رسول خدا کی رحلت کے وقت تھی اور نہ حضرت
ابوبکر کے انتقال کے وقت۔ جو دو چار آدمیوں نے کردیا اس کو طوعاً وکرہاً مان لیا اور سر آوردہ
لوگوں کی جو ایک منظم کوشش وجماعت تھی اس کے پیچھے ہو لئے اور اگر اس پر اصرار ہی ہے کہ جو کچھ
مانا امت نے خوشی سے مانا طوعاً وکرہاً نہیں مانا تو پھر ہم کہیں گے کہ ان دو متضاد حالتوں کو خوشی سے
مان لینا اور اپنے حق خلیفہ سازی پر اصرار نہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ کتنی منظم اور گہری سازش تھی جس
میں امت کا ایک کثیر حصہ ملوث ہو چکا تھا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ حضرت عمر کس طرح خلیفہ بنائے گئے

دعا ابوبکر عثمان خالیاً فقال له اکتب
بسم الله الرحمن الرحیم هذا ما عهد
ابوبکر بن قحافة الی المسلمین اما بعد
قال ثم اغمی علیه فذهب عنه فکتب
عثمان اما بعد فانی قد استخلفت علیکم
عمر بن الخطاب ولم آلکم خیراً ثم
افاق ابوبکر فقال اقرأ علی فقرأ
علیه فکبر ابوبکر وقال اراک
خفت ان یختلف الناس ان
افتلتت نفسی فی غشیتی قال نعم
قال جزاک الله خیراً عن الاسلام
واهله واقرها ابوبکر رضی الله
تعالیٰ عنه من هذا الموضع

حضرت ابوبکر نے عثمان کو تنہائی میں بلایا اور ان
سے کہا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ وہ حکم ہے جو
ابوبکر بن قحافہ مسلمانوں کو دیتے ہیں۔ اما بعد۔ اتنا
لکھنا پائے تھے کہ ابوبکر بیہوش ہو گئے ان کی بیہوشی
کی حالت میں حضرت عثمان نے اپنے دل سے لکھ
دیا اور اما بعد میں نے تمہارے لئے عمر ابن خطاب کو
خلیفہ مقرر کردیا اور بہتری کرنے میں کچھ کمی نہیں کی اس کے
بعد حضرت ابوبکر کو ہوش آیا تو عثمان سے کہا کہ پڑھو
کیا لکھا ہے جو لکھا تھا عثمان نے پڑھ دیا اس پر
حضرت ابوبکر نے خوشی کے مارے نعرۂ تکبیر بلند کیا
اور کہا کہ شاید تمہیں خوف ہوا کہ اگر میں بیہوشی کی حالت
میں مر جاؤں تو مسلمانوں میں اختلاف نہ ہو جائے حضرت
عثمان نے کہا کہ ہاں تو ابوبکر نے کہا کہ خدا تم کو جزائے
خیر دے اور اس کے آگے لکھوا دیا۔

محمد بن جریر الطبری ۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع صفحہ ۵۲
ابن الاثیر ۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی صفحہ ۱۶۳
حسین بن دیار بکری ۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی صفحہ ۲۶۸

ہم ان بزرگواروں کی ذہنیت وسیاست کا تذکرہ کر رہے تھے۔ یہ واقعہ اس پہلو پر بہت اچھی
روشنی ڈالتا ہے آپس میں مل کر جو اپنا مقصد قائم کر لیا تھا اس کے حصول کیلئے اتنی اہم جعلسازی
بھی کرنے کو تیار تھے اور مردہ آدمی کی طرف سے اس دستاویز کو لکھ کر یہ ظاہر کرنے کیلئے تیار تھے کہ اسکو

حضرت ابوبکر نے اپنی حیات ہی میں لکھا یا ہے، غور کریں گے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ بزرگوار جناب رسول خُدا کا ایسا حکم ماننے والے تھے کہ اگر جناب رسول مقبول کسی کو اپنا جانشین مقرر کر جاتے تو پھر یہ لوگ تنازعہ نہ کرتے بھلا اس ذہنیت کے لوگ جو آپس ہی میں حکومت کا دور چلانے پر تُلے ہوئے تھے تنازعہ نہ کرتے حضرت ابوبکر اس جعل سازی کی تحسین یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ اس طرح مسلمانوں کے اختلافات کا سدِ باب ہوتا تھا۔ اب تو اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے جعل سازی بھی جائز ہو گئی کیونکہ ان کو اسلام کا بہت درد تھا مگر جناب رسولِ خُدا کو یہ جائز نہ تھا کہ اپنا جانشین مقرر کرتے اور نہ معاذ اللہ ان کے دل میں اسلام کا اتنا درد تھا کہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ جانشین مقرر نہ کرنے سے اختلاف کا راستہ کُھل جائے گا۔ اس بحث کی منطق قابل داد ہے یہ چاہتے ہیں کہ کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کے اُوپر سے کسی طرح سے الزام اُٹھ جائے اگر وہاں سے اُٹھ کر وہی الزام جناب رسولِ خُدا کے گلے میں پڑ جائے تو کچھ ہرج نہیں۔

جب ذنیفہ لکھوا چکے تو حضرت ابوبکر اس کا اعلان اپنے بیت الخلا سے اس طرح کرتے ہیں

اشرف ابوبکر علی الناس من کنیفه و اسماء بنت عمیس ممسکته موشومة الیدین وهو یقول اترضون بمن استخلف علیکم فانی والله ما الوت من جهد الرّائ ولا ولیت ذا قربة وانّی قد استخلفت عمر بن الخطاب فاسمعوا له واطیعوا فقالوا سمعنا واطعنا۔

حضرت ابوبکر بیت الخلا کے اوپر سے لوگوں پر نمودار ہوئے اس وقت ان کی زوجہ اسماء بنت عمیس اپنے مہندی لگے ہوئے ہاتھوں سے انکو تھامے ہوئے تھیں اور آپ کہہ رہے تھے کہ جس کو میں خلیفہ مقرر کرتا ہوں تم اس سے راضی ہو جاؤ۔ خُدا کی قسم میں نے خوب سوچ لیا ہے اور اپنے قرابتدار کو میں خلیفہ مقرر نہیں کرتا۔ میں نے تمہارے اُوپر عمر بن الخطاب کو خلیفہ مقرر کیا ہے تم لوگ ان کی بات سنو اور اطاعت کرو لوگوں نے کہا کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی۔

محمد بن جریر الطبری :- تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع صفحہ ۵۱

ابن الاثیر :- تاریخ الکامل الجزء الثانی صفحہ ۱۶۳

خُدا کی شان دیکھو یہ لوگ تو آل محمد کے ساتھ تمسخر کر رہے تھے۔ ظاہر تعظیم و تکریم اور دراصل اُن سے سب کچھ چھیننے کی کوشش کَانُوْا بِهَا یَسْتَهْزِءُوْنَ اور کارکنان قضاء و قدر ان کے ساتھ تمسخر کر رہے تھے اَللّٰہُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ پہلی خلافت کی تجویز وہاں ہوئی جہاں مشورہ ہائے باطل ہوا کرتے تھے۔ اور چور وڈاکو تجویزیں کیا کرتے تھے کہ کس طرح دوسروں کا مال چھینیں۔ اور دوسری خلافت پاخانہ میں مکمل ہوئی لفظ "ذا قربة" یہاں خاص معنی رکھتا ہے یہ اشارہ ہے جناب رسول خُدا کی طرف مطلب یہ ہے کہ ہم اور تم جو آپس میں حضرت علی کے جانشین رسول ہونے پر اعتراض کیا کرتے تھے تو وہ اس ہی بناء پر

اعلان خلافت عمر

تو تھا کہ اپنے خاندان میں حکومت منتقل کر رہے ہیں۔ میں نے جو جانشین مقرر کیا ہے وہ میرا رشتہ دار نہیں ہے۔ چونکہ آپس میں ملی بھگت تھی۔ مخالفت تو فقط حضرت علیؑ سے تھی لہذا سب نے آمنا و صدقنا کہہ دیا یہ بھی تو نہ کہا کہ آنحضرتؐ نے تو یہ حق ہم کو دیا تھا، خود خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا۔ تم کیوں خلیفہ مقرر کرتے ہو۔ حضرت عمر نے بھی ایسے موقعہ پر اسی طرف اشارہ کیا تھا اور فرمایا تھا کہ آل عمر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان میں سے ایک کے پاس حکومت رہی وہ کیونکر اس اصول کے خلاف کرتے جو آپس میں طے کر لیا تھا اور جس کی بناء پر لوگوں کو حضرت علی کے خلاف کیا تھا۔

اب وہ وثیقہ خلافت خود حضرت عمر کو دیا جاتا ہے کہ اس کو دکھا کر لوگوں سے اطاعت لیں۔ حضرت عمر نے بے چون و چرا تعمیل کر لی۔ جناب ابوبکر کے لئے یہ نہ کہا کہ ان الرجل لیھجر وہ بھی تو بیمار تھے اور بار بار غش ہو جاتے تھے اور یہ نہ کہا کہ حسبنا کتاب اللہ۔ ان بزرگواروں کی سیاست اور ان کے قول و فعل کی حقیقت بالکل نمایاں ہے۔ حضرت ابوبکر نے وہ وثیقہ خلافت حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دیا اور کہا۔

قال خذ ھذا الکتاب واخرج بہ الی الناس واخبرھم انہ عھدی وسلھم عن سمعھم و طاعتھم فخرج عمر بالکتاب واعلمھم فقالوا سمعا و طاعۃ فقال لہ رجل ما فی الکتاب یا اباحفصہ قال لا ادری ولکنی اول من سمع واطاع قال لکنی واللہ ادری ما فیہ امرتہ عام اول وامرک العام

حضرت ابوبکر نے وہ وثیقہ خلافت حضرت عمر کو دیا اور کہا کہ اس کو لے جا کر لوگوں سے کہو یہ میرا حکم ہے اس کو سنیں اور اطاعت کریں پس حضرت عمرؓ وہ وثیقہ لے گئے اور لوگوں کو مطلع کیا انہوں نے کہا کہ سنا اور اطاعت کی ایک شخص نے حضرت عمر سے کہا کہ اس میں کیا لکھا ہے حضرت عمر نے جواب دیا کہ یہ تو میں جانتا نہیں کہ اس میں کیا لکھا ہے مگر اسکو سب سے پہلے میں نے سنا اور اطاعت کی اس شخص نے کہا کہ ہاں آپکو اسکا علم کیوں ہونے لگا۔ مگر بخدا میں جانتا ہوں کہ کیا ہے پہلے سال تم نے ابوبکر کو حاکم بنایا اب وہ تم کو حاکم بناتا ہے

ابن قتیبہ: کتاب الامامت والسیاست الجزء الاول صفحہ ۱۹

حضرت عمر کو معلوم ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے مگر کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم بغیر معلوم کئے میں نے بھی اس کی اطاعت کی ہے اور بغیر معلوم کئے یعنی بغیر چون و چرا کے تم بھی اطاعت کر لو۔ حاکم کا جو بھی حکم ہو قابل اطاعت ہے۔ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے کہ کیا حکم ہے؟ پہلے اطاعت کا اقرار کرو پھر سنو اس میں کیا ہے کیا حضرت عمر نے یہ سچ بولا تھا۔ اگر نہیں تو کیا یہ جھوٹ خلیفہ رسول کے لئے جائز تھا۔ یہ ہیں حضرت عمر کی سیاست کے نمونے جن کا مقابلہ حضرت علی کی سیاست سے کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر کو وثیقہ حضرت ابوبکر نے بیعت کے لئے دیا

حدثنی عثمان بن یحیی عن عثمان الغرقانی قال حدثنا سفیان بن عیینه عن اسمٰعیل عن قیس قال رایت عمر بن الخطاب وهو یجلس والناس معه وبیده جریدة وهو یقول ایها الناس اسمعوا واطیعوا قول خلیفة رسول الله صلی الله علیه وسلم انه یقول انی لم آلکم نصحاً قال ومعه مولیٰ لابی بکر یقال له شدید معه الصحیفة التی فیها استخلاف عمر۔

(اسمٰعیل راوی عربی ہیں دیکھو) قیس سے عربی سے وہ کہتا ہے کہ میں نے عمر بن الخطاب کو دیکھا۔ کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ ان کے پاس تھے حضرت عمر کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ اے لوگو! خلیفہ رسول کا قول سنو اور اطاعت کرو۔ وہ خلیفہ رسول کہتے ہیں کہ میں نے تم کو نصیحت کرنے میں کوتاہی نہیں کی راوی کہتا ہے کہ عمر کے ساتھ اس وقت حضرت ابوبکر کا غلام شدید بھی تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک وثیقہ تھا۔ جس میں استخلاف عمر کا حکم تھا۔

محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع صفحہ ۵۲

ابن الاثیر:۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی صفحہ ۱۶۳

آخر کار کوڑے کے ڈر سے حضرت عمر نے لوگوں سے اپنی خلافت منوا ہی لی حضرت عمر کے طرز عمل پر غور تو کرو اب تو لوگوں کو تاکید کرتے ہیں کہ خلیفہ رسول کے حکم کو سنو اور اطاعت کرو مگر جب ایسے ہی موقعہ پر خود رسول اللہ نے حکم دیا۔ تو فرمایا کہ یہ آدمی تو ہذیان بک رہا ہے۔ ہمارے لئے تو کتاب خدا کافی ہے اور اب کتاب خدا کا خیال بھی نہیں آتا۔

حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے صرف اپنے ہم خیال شخص عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا مگر انہوں نے بھی تائید نہ کی۔ اور جب باوجود اس نصیحت کے حضرت ابوبکر نے ان کو خلیفہ مقرر ہی کر دیا تو کئی لوگوں نے شکایت کی اور حضرت ابوبکر کی رائے کو بدلنا چاہا۔ مگر یہ تو پہلے ہی سے ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر بھی لاچار تھے۔

وعهد ابوبکر فی مرضه الذی توفی فیها لعمر بن الخطاب عقد الخلافة من بعده وذکر انه لما اراد العقد له دعا عبدالرحمٰن بن عوف فیما ذکر ابن سعد عن الواقدی عن ابن ابی سبرة عن عبدالمجید بن سهیل عن ابی سلمه بن عبدالرحمٰن قال لما نزل بابی بکر رحمة الله

اپنے مرض الموت میں حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے لئے وثیقہ خلافت لکھ دیا۔ راوی نے ذکر کیا کہ جب حضرت ابوبکر نے انہیں خلیفہ مقرر کرنے کا ارادہ کر لیا تو عبدالرحمٰن کو بلایا جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے اور عبدالرحمان سے کہا کہ عمر کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے کہا کہ اے خلیفہ رسول

ثم ان ابا بكر دعا عبد الرحمٰن بن عوف فقال اخبرني عن عمر فقال يا خليفة رسول الله هو والله افضل من رايك فيه من رجل ولكن فيه غلظة

جیسی آپ کی رائے اس کی نسبت ہے وہ اس سے بہتر ہے اور کئی لوگوں سے بہتر ہے لیکن اس کی طبیعت میں غلظت ہے۔

محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع صفحہ ۵۱

ابن الاثیر:۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی صفحہ ۱۶۳

اس عبارت کے لئے بھی ذرا غور کی ضرورت ہے عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ عمر آپ کی رائے سے افضل ہے ظاہر ہے کہ عبد الرحمٰن کی رائے لینے سے پہلے حضرت ابوبکر نے اپنی رائے حضرت عمر کے متعلق ظاہر کردی ہوگی۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں وہ رائے یا تو اچھی ہوگی یا بری۔ اگر اچھی رائے تھی۔ تو پہلے ابوبکر نے عبد الرحمٰن کو اپنی رائے سے متاثر کرنا چاہا تھا کہ بادشاہ وقت کی رائے معلوم کر کے وہ ہاں میں ہاں ملا دیں۔ اگر وہ رائے بری تھی تو باوجود حضرت عمر کو برا جانتے ہوئے انہوں نے ان کو خلیفہ مقرر کر دیا۔

عن اسماء بنت عميس قالت دخل طلحة بن عبيد الله على ابي بكر فقال استخلفت على الناس عمر وقد رايت ما يلقى الناس منه وانت معه فكيف به اذا خلا بهم وانت لاق ربك فسائلك عن رعيتك فقال ابوبكر وكان مضطجعا اجلسوني فاجلسوه فقال لطلحة ابالله تخوفني اذا لقيت الله ربي فسائلني قلت استخلفت على اهلك خير اهلك

اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر کہتی ہیں کہ طلحہ بن عبید اللہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ تم نے عمر کو لوگوں پر حاکم بنا دیا ہے حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ جب تم موجود تھے تو بھی لوگوں نے اس سے کیا دکھ اٹھائے اور اب کیا حال ہوگا کہ تم موجود نہ ہو گے اور وہ خود مختار ہوں گے، تم اپنے پروردگار سے ملنے والے ہو اور وہ تم سے تمہاری رعایا کے متعلق سوال کرے گا۔ ابوبکر اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دو لوگوں نے ان کو اٹھا کر بٹھا دیا تو انہوں نے طلحہ سے کہا کہ تو مجھ کو خدا سے ڈراتا ہے جب میں خدا سے ملوں گا اور وہ مجھ سے سوال کریگا تو میں کہونگا کہ میں نے تیری خلق پر تیرے بہترین بندہ کو حاکم بنا دیا ہے

محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع صفحہ ۵۲

حسین دیار بکری:۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی صفحہ ۲۶۹

فقال طلحة والناس ما كنت قائل لربك اذا وليته هم غلظته

یعنی طلحہ و زبیر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ خدا کو کیا جواب دو گے کہ تم نے عمر کو باوجود اسکی غلیظ طبیعت کے حاکم بنا دیا

تاریخ الخمیس الجزء الثانی صفحہ ۲۶۹

دخل علیه المهاجرون والانصار حين بلغهم انه استخلف عمر فقالوا نراك استخلفت علينا عمر وقد عرفته وعلمت بوائقه فينا و انت بين اظهرنا فكيف اذا وليت عنا وانت لاق الله فسألك فما انت قائل۔

جب انہوں نے سُنا کہ ابوبکر نے عمر کو خلیفہ بنا دیا تو مہاجرین وانصار ان حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے ہمارے اُوپر عمر کو حاکم مقرر کر دیا حالانکہ تم عمر کو جانتے ہو اور ان فتنہ و فساد و مظالم سے بھی آگاہ ہو جو عمر نے ہمارے اُوپر کئے ہیں یہ تو جب تھا کہ تم ہم میں تھے جبکہ تم نہ ہو گے تو وہ کیا کچھ نہ کر ڈالیں گے تم اب خدا سے ملاقات کرنیوالے ہو جب خدا تم سے پوچھیگا تو تم کیا جواب دو گے؟

ابن قتیبہ کتاب الامامت والسیاسۃ الجزء الاول صفحہ ۱۹۔

حضرت عمر کے استخلاف پر خاموش رہنے والے خاموش رہے اور اعتراض کرنے والوں نے اعتراض کئے مگر کسی نے یہ نہ کہا کہ حاکم مقرر کرنا رعایا کا حق تھا۔ حضرت ابوبکر کا حق نہ تھا۔ نتیجہ صاف نکلا کہ یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ جناب رسولِ خدا نے اس وجہ سے خلیفہ مقرر نہیں کیا کہ اپنا حاکم خود مقرر کرنا رعایا کا حق تھا محض ڈھکوسلا ہے اس وقت کے لوگ تو اس کو جانتے ہی نہ تھے اور نہ کبھی اس کا ذکر کیا۔ یہاں تک کہ جب اسکے ذکر کرنے کا موقعہ آیا تب بھی ذکر نہ کیا بلکہ مان لیا کہ خلیفہ مقرر کرنا تو حضرت ابوبکر کا حق ہے مگر انہیں چاہیئے کہ عمر کو خلیفہ نہ مقرر کریں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے حضرت ابوبکر کو اور تمام امت اسلامیہ کو اس بات کا احساس تھا کہ مرنے والے حاکم سے خداوند تعالےٰ کے یہاں بازپرس ہو گی کہ جب تم دُنیا سے چلنے لگے تھے۔ تو تم نے اپنی رعیت کا کیا انتظام کیا اور اپنی جگہ کس کو حاکم مقرر کیا۔ مگر اس بات کا اگر احساس نہیں تھا تو جناب رسولِ خدا کو۔ وہ امت کو اسی طرح بغیر اپنا جانشین مقرر کئے ہوئے چھوڑ گئے تاکہ ان کے پیچھے خوب فتنہ و فساد ہوا کریں۔ اس بازپرس میں سے ایک اور بات بھی نکلتی ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اپنا جانشین مقرر کرنا مرنے والے حاکم کا حق نہیں بلکہ فرض ہے اور اگر وہ اس فرض کو ادا نہ کرے گا یا بُری طرح ادا کرے گا تو اس سے بازپرس کی جائے گی۔

مولوی شبلی کی عبارت

جماعت حکومت کے ہندوستانی مورخوں میں سے مولوی شبلی بڑے پائے کے مورخ سمجھے گئے ہیں جنہوں نے تاریخ و مناظرہ کو اچھی طرح غلط ملط کر کے خوب کھچڑی بنائی ہے وہ کہتے ہیں :۔

"حضرت ابوبکر کو اگرچہ مدتوں کے تجربے سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارگراں حضرت عمر کے سوا اور کسی سے نہیں اُٹھ سکتا تاہم وفات کے قریب انہوں نے عام رائے کا اندازہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن عوف کو بُلا کر پوچھا انہوں نے کہا کہ عمر کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ ان کی سختی اسلئے

تھی کہ میں نرم تھا جب کام ان ہی پر آن پڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے پھر حضرت عثمان کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں اُن کا جواب نہیں۔ جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا، چنانچہ طلحہ نے حضرت ابوبکر سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے عمر کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا اب وہ خود خلیفہ ہونگے تو خدا جانے کیا کرینگے آپ اب خدا کے یہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں خدا سے کہونگا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا یہ کہہ کر حضرت عثمان کو بلوایا اور عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھوا چکے تھے کہ غش آگیا۔ حضرت عثمان نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ میں عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان سے کہا کہ کیا لکھا تھا مجھ کو پڑھکر سناؤ حضرت عثمان نے پڑھا تو حضرت ابوبکر بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور کہا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے"

الفاروق: مولوی شبلی مطبوعہ سنہ ۱۹۰۸ مفید عام آگرہ حصہ اول صفحہ ۷۲، ۷۳۔

شمس التاریخ صفحہ

ناظرین نے حضرت شبلی کے زور قلم کو دیکھا بہت کوشش کی لیکن مضمون میں جان نہ پڑ سکی۔ مدتوں کے تجربے کی بجائے سقیفہ بنی ساعدہ کا تجربہ کہتے تو زیادہ مناسب تھا۔ اکابر صحابہ سے مشورہ تو کیا لیکن اکابر صحابہ میں صرف عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عثمان ہی ملے۔ یہ تو وہی اپنی جماعت کے ممبر تھے۔ حضرت عثمان حسب تصفیہ باہمی خلیفہ ہوئے اور عبدالرحمن خلیفہ گر۔ تعجب ہے کہ اکابر صحابہ میں جناب رسول خدا کے خاندان کا کوئی ممبر شامل نہ تھا۔ کیا وہ اکابر صحابہ میں سے نہ تھے یا اکابر صحابہ اس ملی بھگت ہم مشورہ جماعت کا نام تھا جو خاندان رسالت کے قطعی مخالف تھے۔ یہ دو بزرگوار بھی حضرت عمر کے عیوب بیان کئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایک اور فقرہ ملاحظہ ہو۔ بعضوں کو تردد ہوا یہ بعضوں بصیغہ جمع کون بزرگ تھے۔ ان کو کیوں تردد ہوا۔ باوجود اپنی لیاقت کے حضرت شبلی اس معمہ کو حل نہ کر سکے وہ بعض حضرات اپنے اصرار میں ایسے راسخ تھے کہ خدا تک سے ڈرایا مگر روز الست کے وعدہ کی خلاف ورزی ہو جائے روز سقیفہ کا پیمان نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔ حضرت ابوبکر کو اپنی ڈھائی سال کی خلافت کے تجربے سے تو حضرت عمر کی لیاقت معلوم ہو گئی مگر جناب رسول خدا کو اپنے عمر بھر کے تعلقات سے حضرت علی کی لیاقت نہ معلوم ہوئی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ڈھائی سال کے تعلقات سے تو حضرت عثمان نے نتیجہ نکال لیا کہ حضرت ابوبکر کا منشا حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنے کا ہے لیکن جناب رسول خدا اور حضرت علی کے عمر بھر کے تعلقات اور اقوال صریحہ سے اُمت نتیجہ نہ نکال سکی کہ جناب رسول خدا کا کیا منشا تھا۔ یہ تجاہل عارفانہ سیاسی ہے۔

خدا کے سامنے جس جواب کے پیش کرنے کا تہیہ حضرت ابوبکر نے کیا تھا اس کی حقیقت پر غور فرمائیے وہ کون سے واقعات تھے جن کی بنا پر حضرت ابوبکر کہہ سکتے تھے کہ اُن کے پسماندگان میں سے جن میں حضرت علی و حسنین علیہم السلام تھے حضرت عمر سب سے افضل تھے۔ سلطنتِ اسلامی میں ان کا نمبر بیٹوں سے پیچھے تھا۔ اُن کی عبادت و ریاضت کسی گنتی ہی میں نہیں۔ کبھی جود و سخا کی مثال نہیں ملتی کسی غزوہ یا سریہ میں کوئی کارنمایاں نہیں کیا۔ اکثر جگہ فرار کو ثباتِ قدم پر مقدم فرماتے رہے پھر حضرت علی سے کس بات میں افضل ہوئے ہاں سقیفہ سازی میں آپ کی قابلیت نمایاں تھی۔ مگر وہ خلیفۂ اسلام کی شان کے منافی ہے۔ اگر حضرت ابوبکر نے واقعی اپنے دل کا یقین بیان فرمایا تو پھر ہم یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ کہ کسی شے یا شخص کی محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور اگر یہ صرف رفعِ الوقتی و بحث کی خاطر بیان فرمایا تھا تو یہ وہ دلیل تھی جس نے کسی کو قائل نہ کیا ہوگا۔ اس واقعۂ استخلاف سے مندرجہ ذیل امور نکلتے ہیں۔

(۱) اگر جناب رسول خدا نے اپنا خلیفہ مقرر کیا اور حضرت ابوبکر نے اس حکم کی نافرمانی کی تو وہ گناہِ عظیم کے مرتکب ہوئے۔

(۲) اگر جناب رسول خدا نے اپنا کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ یونہی رہا کر دیا تو حضرت ابوبکر نے سنتِ رسول کے خلاف کر کے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا یہی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔ حضرت ابوبکر تو سنتِ رسول کی پیروی بہت کرنا چاہتے تھے۔ حضرت فاطمہ سے باغِ فدک چھیننے کے وقت یہی فرمایا تھا کہ جو جناب رسول خدا کی سنت تھی اس کے خلاف سرمو تجاوز نہ کروں گا۔ ایسا کیا ہو گیا۔

(۳) یہ سنتِ رسول ایسی ہی قابلِ پابندی تھی جیسی کہ وہ سنتِ رسول جس نے نماز دو رکعتیں مقرر کی تھیں۔ قرآن شریف میں تقسیم رکعات نہیں ہے یہ سنتِ رسول ہے۔

(۴) ولید نے تو محض اپنے قول ہی سے سنتِ رسول کی خلاف ورزی کرنی چاہی تھی جب اس نے شراب کے نشہ میں لوگوں کی رائے پوچھی کہ نمازِ فجر کی دو کے بجائے چار رکعت پڑھا دوں لیکن حضرت ابوبکر نے اپنے قول و فعل دونوں سے سنتِ رسول کی خلاف ورزی کی اور اس خلاف ورزی کا اثر اسلام پر ایسا پڑا کہ اس کو مسخ ہی کر دیا۔

(۵) ہم حضرت ابوبکر کے امامت نماز کے قضیہ کی بحث[1] میں ثابت کر چکے ہیں کہ جناب رسولِ خدا حضرت عمر کے ایک دفعہ کی نماز پڑھانے سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ خدا اور رسول و مومنین انکار کرتے ہیں کہ عمر نماز پڑھائے۔ خلیفہ کا پہلا فرض تھا کہ نماز پڑھائے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کر کے خدا اور رسول کو ناراض کیا۔

۱؎ البلاغ المبین حصہ اول طبع سوم صفحات ۲۱۶ لغایت ۲۳۲

(۶) قطعاً ثابت ہوا۔ کہ حضرت ابو بکر کا یہ فعل استخلافِ عمر ناجائز تھا۔
(۷) یہی فعل حضرت عمر کی خلافت کی بنا تھا لہٰذا حضرت عمر کی خلافت ناجائز ہوئی۔
(۸) لہٰذا ناجائز خلافت کے دوران میں حضرت عمر نے جو احکام صادر کیے اور جن افعال کے وہ مرتکب ہوئے وہ سب ناجائز تھے۔
(۹) حضرت عمر کا نماز پڑھانا، لوگوں کا ان کے پیچھے نماز پڑھنا، سزائیں دینی، انعامات تقسیم کرنے لڑائیاں اور احکام تقرر شوریٰ سب ناجائز ہوئے۔
(۱۰) لہٰذا حضرت عثمان کا تقرر اور ان کی خلافت بھی ناجائز، کیونکہ وہ حضرت عمر کے مقرر کردہ شوریٰ میں سے تھے۔
(۱۱) حضرت ابو بکر نے تنہائی میں حضرت عثمان کو بلوا کر کیوں وثیقۂ خلافت لکھوایا، غالباً اس لئے کہ اگر بنو ہاشم یا عام لوگوں کو معلوم ہو گیا تو مجھے وہ لوگ وصیت نہ لکھنے دیں گے جس طرح ہم نے جناب رسولِ خدا کو نہ لکھنے دی المرء یقیس علیٰ نفسہ
(۱۲) حضرت عثمان نے جو اس دستاویز میں اہم تصرف کیا تھا اس کا ذکر ہم کر چکے ہیں
(۱۳) حضرت عمر کے لئے جبراً بیعت لی گئی، مہاجر و انصار ان اس استخلاف کے خلاف تھے
(۱۴) اس قسم کی حکومت کا کیا نام مناسب ہوگا۔ جمہوریت؟ آمریت؟ انتخاب؟ یا کچھ اور نام رکھو۔
(۱۵) حضرت ابو بکر نے بھی اول عبد الرحمٰن بن عوف کو خلافتِ عمر پر راضی کرنا چاہا حضرت عمر نے بھی اس ہی عبد الرحمٰن بن عوف کو ثالث مقرر کیا حضرت ابو بکر کے رازدار بھی عثمان تھے۔ جن کی خلافت کی تجویز حضرت عمر نے شوریٰ کے ذریعے سے کی تھی۔ حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنایا اب حضرت ابو بکر وہ بدلا اتار رہے ہیں، یہ سب امور ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ ایک ہی جماعت تھی جس کے ہر فرد کا اتحاد و مقصد نمایاں ہے۔
(۱۶) اس وقت حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ کہنے والوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔
(۱۷) معلوم ہوا کہ ان بزرگوار دل کے فعل کا محرک نہ اسلام کا عشق اور نہ جمہوریت کا خیال تھا اور نہ ہی کتاب اللہ کی اطاعت منظور تھی غرض تو فقط یہ تھی کہ کسی طریقہ سے اپنا مقصد حاصل ہو۔

باب ہشتم

تدبیر یازدہم تجویز شوریٰ

ہم علامہ شبلی کی زبانی اس واقعہ کو سناتے ہیں، وہ کہتے ہیں

مرزائیوں کی عبارت

"جوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھ وار کیے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر نے فوراً عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمے سے گر پڑے۔

ایک طبیب بلایا گیا۔ اس نے نبیذ اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کی راہ سے باہر نکل آئیں اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا۔ کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ اب آپ اپنا ولیعہد منتخب کر جائیے۔

اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے زیادہ اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا تمام صحابہ بار بار حضرت عمر سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیے حضرت عمر نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر نہ جمتی تھی۔ بارہا ان کے منہ سے بلساختہ آہ نکل گئی کہ افسوس اس بارِ گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نظر پڑ سکتی تھی۔ علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف۔ مگر حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارک بتفصیل مذکور ہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علی کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے"

الفاروق مطبوعہ سنہ ۱۹۰۸ مطبع مفید عام آگرہ حصہ اول صفحہ ۲۰۲ لغایت ۲۰۶

الفاروق کے اس ایڈیشن کی یہ خوبی ہے کہ مصنف مرحوم کی حیات میں طبع ہوئی تھی اس میں ان کے اپنے حاشیے بھی ہیں چنانچہ صفحہ ۲۰۴ پر اس فقرہ کے اوپر لیکن حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے یہ حاشیہ درج ہے۔

"حاشیہ: حضرت عمر نے ان بزرگوں کی نسبت جو خردہ گیریاں کیں گو ہم نے انکو ادب سے نہیں لکھا لیکن ان میں جائے کلام نہیں۔ البتہ حضرت علی کی نسبت جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ" ان کے مزاج میں ظرافت ہے یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی ظریف تھے مگر اسی قدر جتنا کہ لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے"

حضرت عمر کا یہ واقعہ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ ہجری مطابق ۶۴۴ء ہوا تھا۔

ماخوذ از کتاب [illegible]

ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ متوفی سنہ ۲۷۰ ہجری اپنی کتاب الامامت والسیاست کے صفحہ ۲۲ پر زیر عنوان تولیۃ عمر بن الخطاب الستۃ الشوریٰ وعہدہ الیہم لکھتے ہیں :۔

قال ثم ان المهاجرين دخلوا على
عمر رضى الله عنه وهو فى البيت
من جراحته تلك فقالوا يا امير المومنين
استخلف علينا قال والله لا احملكم
حيًا وميتاً ثم قال ان استخلفت
فقد استخلف من هو خير مني يعني
ابو بكر وان ادع فقد دع من هو
خير مني يعني النبي عليه السلام
فقالوا جزاك الله خيرا يا امير المومنين
فقال ماشاء الله راغبا ووددت ان
انجو منها لا لي ولا علي فلما احس
بالموت قال لابنه اذهب الى عائشة
واقرأها مني السلام واستاذنها
ان اقبر في بيتها مع رسول الله ومع
ابي بكر فاتاها عبد الله بن عمر فا
علمها فقالت نعم وكرامة ثم
قالت يا بني ابلغ عمر سلامي وقل
له لا تدع امة محمد بلا راع استخلف
عليهم ولا تدعهم بعدك هملا
فاني اخشى عليهم الفتنة فاتى
عبد الله فاعلمه فقال ومن تامرني
ان استخلف لو ادركت ابا عبيدة
بن الجراح باقيا استخلفته ووليته
فاذا قدمت على ربي فسألني
وقال لي من وليت على امة

راوی کہتا ہے کہ پھر مہاجرین حضرت عمرؓ کے پاس آئے
وہ اس وقت اپنے مکان میں زخم خوردہ پڑے ہوئے
تھے، ان لوگوں نے کہا اے امیر المومنین ہم پر خلیفہ اور
حاکم مقرر کرو، حضرت عمر نے کہا کہ قسم بخدا میں تمہارا
بوجھ زندگی اور مرنے کے بعد بھی اٹھاؤں یہ ہرگز نہ ہوگا
پھر فرمایا اگر میں اپنا جانشین مقرر کروں تو بیشک
اس نے جو مجھ سے بہتر تھا اپنا جانشین مقرر کیا یعنی
ابوبکر نے اور اگر میں اپنا جانشین مقرر نہ کروں۔ تو
بیشک اس نے اپنا جانشین مقرر نہیں کیا جو مجھ سے
بہتر تھا یعنی رسول خدا۔ ان لوگوں نے کہا کہ خدا آپ کو
جزائے خیر دے، آپ نے فرمایا وہی ہوگا جو خدا چاہے
گا میری تو خواہش ہے کہ کاش اس امر خلافت سے میں
نجات پاؤں اس کے متعلق مجھ سے نہ کچھ مواخذہ کیا
جائے اور نہ مجھے کچھ اس کا ثواب دیا جائے تو اس
کو میں غنیمت سمجھوں گا۔ پس جب حضرت عمر نے
موت کو آتے ہوئے محسوس کیا تو اپنے لڑکے سے
کہا کہ عائشہ کے پاس جاؤ میرا سلام کہو اور اُن سے
اجازت مانگو کہ میں اُن کے گھر میں جناب رسول خدا اور
ابوبکر کے پاس دفن کر دیا جاؤں پس عبد اللہ بن عمر
حضرت عائشہ کے پاس آئے اور یہ پیغام پہنچایا انہوں
نے کہا سر آنکھوں سے بڑی خوشی سے اور کہا اے بیٹے
عمر کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ امت محمد کو بغیر حافظ
کے نہ چھوڑ جاؤ اپنا جانشین ان پر مقرر کر دو اپنے
بعد ان کو حیران اور بغیر نگہبان کے نہ چھوڑ جانا مجھے ڈر
ہے کہ فتنہ نہ پیدا ہو پس عبد اللہ آئے اور حضرت عمر کو

مضمون	صفحہ
مضمون	صفحہ

محمد قلت ای ربی سمعت عبدك و نبيك يقول لكل امة امين و امين هذه الامة ابو عبيدة بن الجراح ولو ادركت معاذ بن جبل استخلفته فاذا قدمت على ربي فسألني من وليت على امة محمد قلت اى ربي سمعت عبدك و نبيك يقول ان معاذ بن جبل ياتي بين يدى العلماء يوم القيامة ولو ادركت خالد بن الوليد لوليته فاذا قدمت على ربي فسالني من وليت على امة محمد قلت اى ربي سمعت عبدك و نبيك يقول خالد بن الوليد سيف من سيوف الله سله على المشركين ولكني سأستخلف النفر الذين توفى رسول الله وهو عنهم راض فارسل عليهم فجمعهم و هم على بن ابى طالب عثمان بن عفان و طلحة بن عبدالله والزبير بن العوام و سعد بن ابى وقاص و عبدالرحمن بن عوف رضوان الله عليهم وكان طلحة غائبا فقال يا معشر المهاجرين الاولين

یہ پیغام پہنچایا، حضرت عمرؓ نے کہا کہ عائشہؓ نے کس کو حکم دیا ہے کہ میں خلیفہ مقرر کردوں اگر ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب اپنے خدا کے پاس جاتا اور وہ پوچھتا کہ کس کو اُمتِ محمدیہ پر حاکم مقرر کیا ہے تو میں جواب دیتا کہ اس شخص کو جس کی بابت تیرے بندہ اور رسول کو یہ کہتے سُنا تھا کہ ہر ایک اُمّت کے لئے ایک امین ہوتا اور اس امت کا امین ابُوعبیدہ بن الجراح ہے یا اگر معاذ بن جبل زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب میں خُدا کے حضور میں حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے دریافت فرماتا کہ امت محمدیہ پر کس کو حاکم مقرر کیا ہے تو میں جواب دیتا کہ اے میرے رب اس کو مقرر کیا ہے جس کی بابت تیرے بندہ و رسول کو میں نے کہتے ہوئے سُنا تھا کہ قیامت کے دن معاذ بن جبل علماء کے گروہ میں ہوگا یا اگر خالد بن ولید زندہ ہوتے تو میں اُن کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب خُدا کے حضور میں حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے سوال کرتا کہ اُمتِ محمدیہ پر کس کو حاکم مقرر کیا ہے تو میں کہتا کہ اے میرے خُدا اس کو مقرر کیا ہے جس کی بابت میں نے تیرے بندہ و نبی کو یہ کہتے ہوئے سُنا تھا کہ خالد بن ولید خُدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جس کو خُدا نے مشرکین کے اوپر کھینچا ہوا ہے اچھا اب میں ان لوگوں کو مقرر کرتا ہوں جن سے جناب رسول خُدا بوقت رحلت خوش تھے پس ان سب کو حضرت عمرؓ نے بلایا اور وہ یہ تھے، علی، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد ابن وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ اس دن مدینہ

انی نظرت فی امر الناس فلم
اجد فیهم شقاقاً ولا نفاقاً
فان یکن بعدی شقاق ونفاق
فهو فیکم تشاوروا ثلاثة ایام
فان جاءکم طلحة الی ذلك
والا فاعزم علیکم بالله ان لا
تتفرقوا من الیوم الثالث حتی
تستخلفوا احدکم فان اشرتم
بها الی طلحة فهو لها اهل و
لیصل بکم صهیب هذه الثلاثة
ایام التی تتشاورون فیها فانه
رجل من الموالی لا ینازعکم
امرکم واحضروا معکم
من شیوخ الانصار ولیس
لهم من امرکم شیئٌ و
احضروا معکم الحسن بن
علی وعبد الله بن عباس فان لهما
قرابة وارجو لکم البرکة فی
حضورهما ولیس لهما من امرکم
شیئٌ ویحضر ابنی عبد الله
مستشاراً ولیس له من الامر
شیئٌ قالوا یا امیر المومنین ان
فیه للخلافة موضعاً فاستخلفه
فانا راضون به فقال حسب
آل الخطاب تحمل رجل منهم
الخلافة لیس له من الامر شیئٌ
ثم قال یا عبد الله ایاك ثم

ہیں موجود نہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو مخاطب
کر کے کہا کہ اے گروہ مہاجرین اولین، میں نے لوگوں
کے امور پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ان میں نفاق و کینہ نہیں ہے
اور اگر میرے بعد ان میں نفاق و دشمنی ہوئی تو تمہاری
وجہ سے ہوگی پس تم آپس میں تین دن مشورہ کرنا۔ اگر
طلحہ بھی تم میں آ ملے تو بہتر ورنہ تم خود ہی فیصلہ کر
لینا تیسرے دن تم اپنی جگہ سے متفرق نہ ہونا جب تک
کہ خلیفہ نہ مقرر کر لو۔ اگر تم نے طلحہ کا مشورہ لیا تو وہ اس
کا اہل ہے اور ان تین ایام تک صہیب نماز پڑھائے کیونکہ
وہ موالی میں سے ہے اور وہ تم سے امر خلافت میں
تنازعہ نہیں کریگا تم انصار کے بڑے آدمیوں کو بھی بلا
لینا مگر ان کے لئے امر خلافت میں کچھ حصّہ نہیں ہے اور
تم حسن بن علی و عبد اللہ بن عباس کو بھی بلا لینا کیونکہ
ان کو درجہ قرابت حاصل ہے اور مجھے امید ہے کہ ان
کے حضور میں تم کو برکت ہوگی مگر ان دونوں کے لئے
بھی امر خلافت میں کچھ حصّہ نہیں ہے۔ میرے بیٹے
عبد اللہ کو بھی مشورہ کے لئے بلا لینا لیکن اس کے لئے
بھی امر خلافت میں کچھ حصّہ نہیں ہے۔ جب لوگوں نے
کہا کہ عبد اللہ بن عمر کو خلافت کا حق پہنچتا ہے اس
کو خلیفہ مقرر کیجئے ہم راضی ہیں حضرت عمرؓ نے جواب
دیا کہ آلِ خطاب کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان
میں کا ایک شخص خلافت کے بارِ گراں کو
اٹھائے عبد اللہ بن عمر کے لئے اس میں حصّہ نہیں
ہے پھر کہا کہ خبردار عبد اللہ خبردار خلافت کے
ساتھ اپنے تئیں ملوث نہ کرنا پھر ان اصحاب
شوریٰ کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تم میں سے پانچ
ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور چھٹا انکار کرے

ایاك لا تتلبس بها ثم قال ان استقام امر خمسة منكم وخالف واحد فاضربوا عنقه وان استقام اربعة واختلف اثنان فاضربوا اعناقهما وان استقام ثلاثة واختلاف ثلاثة فاحتكموا الى ابنی عبد الله فلاى الثلاثة قضى فالخليفة منهم وفيهم فان ابى الثلاثة الآخر من ذلك فاضربوا اعناقهم فقالوا قل فينا يا امير المومنين مقالة نستدل فيها برايك و نقتدی به فقال والله ما يمنعنى ان استخلفك يا سعد الا شدتك وغلظتك مع انك رجل حرب وما يمنعنى منك يا عبد الرحمن الا انك فرعون هذه الامة وما يمنعنی منك يا زبير الا انك مومن الرضاء كافر الغضب وما يمنعنى من طلحة الا نخوته وكبره ولو وليها وضع خاتمه فی اصبع امرأته وما يمنعنى منك يا عثمان الا عصبيتك وحبك قومك وما يمنعنى منك يا علی الا حرصك عليها انك احرى القوم ان وليتها ان تقيم على الحق المبين والصراط المستقيم

تو اس چھٹے کو فوراً قتل کر دینا، اور اگر چار ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور دو مخالف ہوں تو ان دو کی گردن مار دینا۔ اور اگر تین ایک شخص پر متفق ہوں اور تین مخالفت کریں تو سر پنچ میرا لڑکا عبد اللہ ہوگا۔ ان تین میں سے جس کو وہ خلیفہ قرار دے تو وہ خلیفہ ہوگا اور اگر وہ تین مخالف اشخاص انکار کریں تو ان تینوں کو قتل کر دینا۔ پھر ان اصحاب شوریٰ نے کہا کہ اے امیر المومنین ایسی گفتگو فرمایئے جس سے ہماری رہنمائی ہو اور ہم اس سے فائدہ اٹھائیں اس پر عمرؓ نے فرمایا کہ اے سعد کسی چیز نے مجھے تم کو خلیفہ مقرر کرنے سے نہیں روکا الا اس امر نے کہ تو سخت ہے اور تیری فطرت غلیظ ہے حالانکہ تو مرد میدان ہے اور اے عبد الرحمن مجھے تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس امر نے روکا کہ تو اس اُمت کا فرعون ہے اور اے زبیر مجھے تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس امر نے باز رکھا کہ تو اپنی رضا مندی کے وقت تو مومن ہے مگر غصہ کے وقت کافر ہے اور طلحہ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس امر نے روکا کہ اس میں نخوت و غرور ہے اور اگر وہ حاکم ہوگا تو حکومت کی انگوٹھی اپنی عورت کے ہاتھ میں پہنا دے گا اور اے عثمان تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے مجھ کو اس امر نے باز رکھا کہ تجھ میں تعصب قبیلہ اور اپنی قوم کی محبت ہے اور اے علی تم کو خلیفہ مقرر کرنے سے اور کسی امر نے نہیں روکا

ثم التفت الی علی بن ابی طالب فقال لعل هؤلاء القوم یعرفون لك حقك و قرابتك و شرفك من رسول الله و ما اتاك الله من العلم والفقه والدین فیستخلفونك فان ولیت هذا الامر فاتق الله یا علی فیه ولا تحمل احدا من بنی هاشم علی رقاب الناس ثم التفت الی عثمان فقال یا عثمان لعل هؤلاء القوم یعرفون لك صهرك من رسول الله و سنك وشرفك و سابقتك فلیستخلفونك ان ولیت هذا الامر فلا تحمل احدا من بنی امیة علی رقاب الناس ثم دعا صهیبا فقال یا صهیب صل بالناس ثلاثة ایام یجتمع هؤلاء النفر ویتشاورون بینهم -

ذکر الشوریٰ و بیعة عثمان بن عفان

ثم انه بعد موت عمر اجتمع القوم فخلوا فی بیت احدهم واحضروا عبد الله بن عباس والحسن بن علی وعبد الله بن عمر فتشاوروا ثلاثة ایام فلم یبرموا فتیلا فلما کان فی الیوم الثالث قال لهم عبد الرحمن

صرف اس بات نے روکا کہ تم کو اس کی خواہش ہے ورنہ تم سب سے زیادہ حق پر چلنے والے ہو اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم اس کو حق مبین اور صراط مستقیم پر چلاؤ گے پھر حضرت عمر علی کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اے علی یہ لوگ تمہارے حق اور قرابت رسول سے آگاہ ہیں، تمہاری عظمت اور بزرگی ان کو معلوم ہے اور خدا نے تم کو جو علم و فقہ و دین حقہ عنایت کیا ہے اس سے بھی یہ اچھی طرح آگاہ ہیں اگر یہ تم کو خلیفہ مقرر کریں تو اے علی خدا سے ڈرتے رہنا اور بنو ہاشم میں سے ایک شخص کو بھی لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا پھر آپ حضرت عثمان کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اے عثمان اگر یہ لوگ تمہاری دامادی رسول و تمہاری عمر اور شرافت کا خیال کر کے تم کو خلیفہ مقرر کریں اور تم کو حکومت مل جائے تو بنو امیہ میں سے ایک کو بھی لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا پھر انہوں نے صہیب کو بلا کر کہا کہ اے صہیب تین دن تک لوگوں کی امامت نماز کرنا جبتک یہ لوگ جمع رہیں اور مشورہ کرتے رہیں

شوریٰ و بیعت عثمان بن عفان کا حال

پھر حضرت عمر کی موت کے بعد اصحاب شوریٰ اپنے میں سے ایک کے گھر پر جمع ہوئے۔ عبد اللہ ابن عباس، حسن بن علی و عبد اللہ بن عمر کو بُلا لیا۔ تین دن تک آپس میں مشورہ کرتے رہے مگر کچھ بھی فیصلہ نہ کر سکے (افسوس ہے کہ فاضل مولف نے ان تین دنوں کی کارروائی نہیں بیان

بن عوف اتدارون ای یوم هذا
هذا یوم عزم علیکم صاحبکم ان
لا تتفرقوا فیه حتّٰی تستخلفوا
احدکم قالوا اجل قال فانی
عارض علیکم امرا قالوا وما
تعرض قال ان تولونی امرکم و
اهب لکم نصیبی فیها واختار
لکم من انفسکم قالوا قد
اعطیناك الّذی سألت فلمّا
سلم القوم قال لهم عبد الرحمٰن
اجعلوا امرکم الی ثلاث منکم
فجعل الزبیر امره الی علی وجعل
طلحة امره الی عثمان و جعل
سعد امره الی عبد الرحمٰن
بن عوف قال المسور بن مخرمه
فقال لهم عبد الرحمٰن کونوا
مکانکم حتّٰی اتیکم وخرج
یتلقی الناس فی انقاب المدینة
متلثما لا یعرفه احد فما ترك
احدًا من المهاجرین والانصار
وغیرهم من ضعفاء الناس و
رعاعهم الا سألهم واستشارهم
اما اهل الرای فاتاهم مستشیرا
وتلقی غیرهم سائلا یقول
من تری الخلیفة بعد عمر فلم
یلق احدا یستشیره ولا یسئله
الا و یقول عثمان فلما کان

کی) جب تیسرا دن ہوا۔ تو عبد الرحمٰن بن عوف
نے ان سے کہا کہ تم کو معلوم بھی ہے کہ آج کون
سا دن ہے آج وہ دن ہے کہ جس کے لئے
تمہارے ساتھی عمر نے حکم دیا ہے کہ اس دن
اپنی جگہ سے نہ جانا جب تک کہ اپنے میں سے
ایک کو خلیفہ مقرر نہ کر لو۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک
ہے پھر عبد الرحمٰن نے کہا کہ میں تمہارے سامنے
اپنی ایک تجویز پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر تم
مجھے اپنے اس کام کا مختار بنا دو تو میں اپنا وہ حق جو
مجھ کو بقول عمر اس خلافت میں حاصل ہے تمہارے
حق میں ترک کر دوں اور تم میں سے ایک کو خلیفہ
مقرر کر دوں ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے تم کو وہ
عطا کیا جو تم نے مانگا جب ان لوگوں نے یہ بات
تسلیم کر لی تو عبد الرحمٰن نے ان سے کہا کہ تم اپنے
اس امر کو اپنے میں سے تین آدمیوں کی طرف مخصوص
کر دو۔ پس زبیر نے اپنا حصہ علی کو دیا طلحہ نے عثمان
کو اور سعد نے عبد الرحمٰن بن عوف کو مسور بن مخرمہ
کہتا ہے کہ تب عبد الرحمٰن نے ان سے کہا کہ تم یہاں
ٹھیرے رہنا جب تک کہ میں تمہارے پاس آ جاؤں
یہ کہہ کر وہ باہر چلے گئے اور تمام اطراف مدینہ میں
بھیس بدل کر تمام لوگوں سے ملاقات کی اس طرح
کہ کسی نے نہ پہچانا کہ یہ عبد الرحمان بن عوف ہیں انصار
اور مہاجرین اور ان کے علاوہ دیگر اشخاص میں سے
کسی کو نہیں چھوڑا جس سے اس امر خلافت کی بابت
سوال نہ کیا ہو یا مشورہ نہ لیا ہو جو لوگ اہل الرائے
تھے ان سے تو وہ مشورہ کرتے تھے اور ان کے
علاوہ جو اور لوگ تھے ان سے سوال کرتے تھے کہ

اتفاق الناس واجتماعهم على
عثمان قال المسور جاءني رضي
الله عنه عشاء فوجدني نائما
فخرجت اليه فقال الا اراك
نائما فوالله ما اكتحلت عيني
بنوم منذ هذه الثلاثة ادع
لي فلانا وفلانا ر نفرا من
المهاجرين فدعوتهم فناجاهم
في المسجد طويلا ثم قاموا من
عنده فخرجوا ثم دعا عليا
فناجاه طويلا ثم قام من
عنده على طمع ثم قال ادع
لي عثمان فدعوته فناجاه
طويلا حتى فرق بينهما اذان
الصلوة الصبح فلما صلوا
جميعهم فاخذ على كل واحد
منهم العهد والميثاق لئن
بايعتك لتقيمن كتاب الله و
سنة رسوله وسنة صاحبيك
من قبلك فلما تم ذلك اخذ
بيد عثمان فقال له عليك عهد
الله وميثاقه لئن بايعتك
لتقيمن لنا كتاب الله وسنة
رسوله وسنة صاحبيك و
شرط عمر ان لا تجعل احدا من
بني امية على رقاب الناس
فقال عثمان نعم ثم اخذ بيد

عمر کے بعد کس کو خلیفہ چاہتے ہو پس ایک بھی ایسا نہ
تھا کہ جس سے ملاقات کی ہو اور یہ سوال اور مشورہ کیا ہو
اور اس نے یہ نہ کہا ہو کہ میں عثمان کو پسند کرتا ہوں پس
جب عبدالرحمٰن نے دیکھا کہ تمام لوگوں کا اتفاق عثمان
پر ہے تو مسور کہتے ہیں کہ وہ میرے پاس بوقت عشاء
آئے میں اس وقت سویا ہوا تھا میں ان کے پاس
باہر آیا تو عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں سوتا ہوا پاتا ہوں لیکن
قسم بخدا ان تین راتوں میں میری آنکھ نے نیند نہیں دیکھی
میرے پاس فلاں فلاں شخص کو مہاجرین میں سے لاؤ
پس میں ان کو بلا کر لایا تو عبدالرحمٰن بن عوف نے ان سے
مسجد میں بہت دیر تک صلاح و مشورہ کیا پھر وہ لوگ
وہاں سے چلے گئے پھر حضرت علی کو بلا کر دیر تک تخلیہ
میں گفتگو کی۔ پھر وہاں سے اُٹھ کر آئے اور کہا کہ عثمان
کو بلا لاؤ میں اُن کو بلا لایا ان سے بھی تخلیہ میں دیر تک
گفتگو کی یہاں تک کہ وہ بھی چلے گئے پھر نماز صبح کا
وقت ہوا اور سب نے نماز صبح ادا کی پھر ان میں سے ہر
ایک سے عہد و میثاق لیا کہ اگر میں تم سے بیعت کروں تو
تم کتاب اللہ سنت رسولؐ و سنت خلفاء سابقین
پر عمل کرو گے جب یہ ختم ہوا تو عبدالرحمٰن نے عثمان
بن عفان کا ہاتھ پکڑا اور سوال کیا کہ تم خدا کو درمیان
میں ضامن ڈال کر اقرار کرو کہ اگر تم سے بیعت کر لی
تو تم کتاب اللہ و سنت رسول و سنت خلفاء سابقین
پر عمل کرو گے اور نیز شرط عمر کو بجا لاؤ گے کہ بنو امیہ میں سے
کسی کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرو گے حضرت عثمان
نے جلدی سے عہد کر لیا کہ ہاں پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑا
اور کہا کہ میں تم سے عمر کی اس شرط پر بیعت کرتا ہوں
کہ تم بنو ہاشم میں سے کسی کو لوگوں کی گردنوں پر سوار

على فقال له اتبايعني على شرط عمر ان
لا تحمل احدا من بني هاشم على رقاب
الناس فقال علي عند ذلك مالك و
لهذا اذا جعلتها في عنقي فان على
الاجتهاد لامة محمد حيث علمت
القوة والامانة استعنت بها
كان في بني هاشم او غيرهم فقال
عبد الرحمن لا والله حتى تعطيني
هذا الشرط قال علي والله لا اعطيكه
ابدا فتركه فقاموا من عنده فخرج
عبد الرحمن الى المسجد فجمع
الناس فحمد الله واثنى عليه
ثم قال اني نظرت في امر الناس
فلم ارهم يعدلون بعثمان فلا
تجعل يا علي سبيلا الى نفسك فانه
السيف لا غير ثم اخذ بيد عثمان
فبايعه وبايع الناس جميعا۔

نہ کروگے حضرت علی نے جواب دیا کہ اس سوال سے
تمہاری کیا غرض ہے جب تم نے حکومت کو میری
گردن میں ڈال دیا تو پھر اُمت کے امور کو میرے
اجتہاد پر چھوڑ دو جس کو قوت و امانت والا پاؤں گا اُس کو
دیکھونگا کہ اس سے اُمت محمد کو مدد پہنچتی ہے تو چاہے
وہ بنی ہاشم میں سے ہو یا ان کے غیر میں سے اس سے
کام لوں گا عبد الرحمن نے کہا کہ قسم بخدا میں یہ شرط نہیں
چھوڑ سکتا تو حضرت علی نے کہا کہ قسم بخدا میں تمہاری
شرط کو کبھی قبول نہ کروں گا۔ پس عبد الرحمن نے ان
کو چھوڑ دیا اور دیگر لوگ بھی وہاں سے چلے گئے
عبد الرحمن مسجد رسولؐ میں آئے۔ لوگوں کو جمع کیا
پھر حمد و ثنا باری تعالیٰ کے بعد کہا کہ میں نے
لوگوں کے امر پر نظر ڈالی پس سب کو میں نے
عثمانؓ کی طرف مائل دیکھا اب اے علی تم اپنے
نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالو ورنہ یہ تلوار ہے پھر
عثمان کا ہاتھ پکڑ کر ان کی بیعت کر لی اور تمام
لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔

مؤرخ ابن خلدون نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے۔

ثم دعا عبد الرحمن وقال اريد
ان اعهد اليك قال اتشير علي
بها قال لا قال والله لا افعل
قال فهبني صمت حتى اعهد
الى الذين توفي رسول الله صلى
الله عليه وسلم وهو عنهم راض
ثم دعا عليا وعثمان والزبير
وسعدا وعبد الرحمن معهم

پھر حضرت عمر نے عبد الرحمن بن عوف کو بلایا اور کہا کہ
میرا ارادہ ہے کہ میں اپنا عہد تمہارے سپرد کر دوں
عبد الرحمن نے کہا کیا آپ مجھ سے خلافت کے متعلق
مشورہ کرنا چاہتے ہیں حضرت عمر نے کہا کہ نہیں عبد الرحمن
نے کہا کہ بخدا میں اس بوجھ کو نہیں اٹھاؤں گا حضرت
عمر نے کہا کہ وعدہ کرو کہ تم کسی سے میری گفتگو کا ذکر نہ
کروگے یہاں تک کہ میں ان لوگوں کی طرف اس امر
کو موڑ دوں جن سے جناب رسول خدا بوقت رحلت راضی

وقال انتظروا ثلاثا فان جاء طلحة
والا فاقضوا امركم وانشد الله
من يفضي اليه الامر منهم ان
يحمل اقاربه على رقاب الناس
ثم دعا ابا طلحة الانصاري فقال
قم على باب هؤلاء ولا تدع
احدا يدخل اليهم حتى يقضوا
امرهم ثم قال يا عبد الله ان
اختلف القوم فكن مع الاكثر
فان تساووا فكن مع الذين فيهم
عبد الرحمن بن عوف وجاء علي و
ابن عباس فقعدا عند راسه وجاء
الطبيب فسقاه نبيذا فخرج متغيرا
ثم لبنا فخرج كذلك فقال له اعهد
قال قد فعلت ولم يزل ذكر الله
الى ان توفي ليلة الاربعاء لثلاث
بقين من ذي الحجة سنة ثلاث
وعشرين وصلى عليه صهيب و
ذلك لعشر سنين ستة اشهر
من خلافته وجاء ابوطلحة الانصاري
ومعه المقداد ابن الاسود وقد
كان امرهما عمر ان يجمعا
هؤلاء والرهط الستة في مكان
ويلزماهم ان يقدموا للناس
من يختاروه منهم وان اختلفوا
كان الاتباع للاكثر وان تساووا
حكموا عبد الله بن عمر واتبعوا

تھے پھر عمرؓ نے علی و عثمان و زبیر و سعد کو بلایا عبد الرحمن
بھی ان کے ساتھ تھے اور کہا کہ تین دن انتظار کرنا
اگر طلحہ آ جائے تو شامل کر لینا ورنہ بغیر اس کے تم اپنے
ہی سے خلیفہ مقرر کر لینا جو خلیفہ مقرر ہو اس کو چاہیے
کہ اپنے قرابتداروں کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرے
پھر حضرت عمرؓ نے ابوطلحہ انصاری کو بلایا اور کہا کہ تم
ان لوگوں کے دروازے پر کھڑے رہنا اور جب تک یہ لوگ
فیصلہ نہ کر لیں کسی کو اندر نہ آنے دینا پھر عبد اللہ ابن
عمر سے کہا کہ اگر ان چھ لوگوں میں اختلاف ہو تو تم
اکثریت کے ساتھ ہونا اور اگر طرفین برابر ہوں تو
تم اس گروہ کے ساتھ ہو جانا جس میں عبد الرحمن بن
عوف ہو پھر علی اور ابن عباس آئے اور حضرت عمر
کے سرہانے کھڑے ہو گئے پھر طبیب آیا اس نے
نبیذ شراب پلائی وہ زخم کے راستہ نکل گئی۔ پھر دودھ
پلایا وہ بھی زخم کے راستہ نکل گیا۔ طبیب نے کہا اب
آپ آخری وقت کی وصیت کر لیں۔ عمر نے کہا کہ میں
پہلے ہی کر چکا ہوں اور اپنی موت تک خداوند تعالیٰ
کو یاد کرتے رہے۔ آپ کی موت شب چہار شنبہ
کو ہوئی جب کہ تین راتیں ذی الحجہ ۲۳ھ کے ختم ہونے
میں باقی تھیں نماز جنازہ صہیب نے پڑھائی اور یہ آپ کی
خلافت کے دس سال اور چھ مہینے میں ہوا اور اب ابو
طلحہ الانصاری آئے اور انکے ساتھ مقداد بن الاسود بھی تھے
ان دونوں کو حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ ان چھ آدمیوں کو ایک
مکان میں جمع کریں اور ان سے کہیں کہ اپنے میں سے جس کو خلیفہ مقرر
کریں اسکو لوگوں کے سامنے پیش کریں اور اگر اختلاف کریں تو
اکثریت کی پیروی کی جائے اور اگر طرفین برابر رہیں تو عبد اللہ
ثالث ہوگا لیکن عبد اللہ ادھر ہوگا جدھر عبد الرحمن بن عوف ہوں گے

عبدالرحمن بن عوف و یوجلوھم
فی ذلک ثلاثا یصلی فیھا بالناس
صھیب و یحضر عبد اللہ بن عمر
معھم مشیرا لیس لہ شیئٌ من
الامر وطلحۃ شریکھم ان قدم
فی الثلاث لیال فجمعھم ابو طلحۃ
والمقداد فی بیت المسور بن مخرمۃ
و قیل فی بیت عائشۃ وجاء عمرو
بن العاص و المغیرۃ بن شعبۃ
فجلسا بالباب فحصبھما سعد
و اقامھما و قال تریدان ان تقولا
حضرنا و کنا فی اھل الشوریٰ
ثم دار بینھما الکلام وتنافسوا
فی الامر فقال عبدالرحمن ایکم
یخرج منھا نفسہ یجتھد فیولیھا
افضلکم و انا افعل ذلک فرضی
القوم وسکت علی فقال ما تقول
یا ابا الحسن قال علی شریطۃ ان
توثر الحق ولا تتبع الھوی ولا
تخص ذارحم ولا تالو الامۃ نصحا
وتعطینا العھد بذلک قال و
تعطونی انتم و اثیقکم علی ان تکونوا
معی علی من خالف وترضوا من اختر
و تواثقوا ثم قال لعلی انت احق من
حضر بقرابتک وسوابقک و
حسن اثرک فی الدین ولم تبعد
فی نفسک فمن تری حق فیہ

تین دن تک ان کو اس مکان میں رکھیں اور مہلت
دیں اس عرصہ تک صہیب امامت نماز کریں عبد اللہ
ابن عمر کو مشورہ کے لیئے بلا لیں لیکن اس کا حصہ خلافت
میں نہ ہوگا۔ اور اگر تین دن میں طلحہ آجائے تو وہ بھی
شریک ہو جائے پس ابو طلحہ و مقداد نے ان کو مسور
بن مخرمہ کے گھر میں جمع کیا۔ روایت یہ بھی ہے کہ
یہ سب عائشہ کے گھر میں جمع ہوئے عمرو بن العاص
و مغیرہ بن شعبہ آئے اور اس مکان کے دروازہ
پر بیٹھ گئے لیکن سعد نے یہ کہہ کر ان کو وہاں سے
ہٹا دیا کہ تم اس لئے یہاں آئے ہو کہ کل کو کہو کہ ہم
بھی حاضر تھے اور ہم بھی اہل شوریٰ سے تھے پھر
ارباب شوریٰ میں انتخاب خلیفہ کی بابت بحث و مباحثہ
ہونے لگا عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ آیا تم میں ایسا کوئی
شخص ہے جو اپنے تئیں خلافت کی امیدواری سے علیحدہ
کر کے افضل ترین شخص کو منتخب کرے میں تو ایسا کرنے
کے لئے تیار ہوں اور سب تو راضی ہو گئے مگر علی خاموش
رہے عبدالرحمن نے ان سے کہا کہ اے ابوالحسن تم کیا کہتے
ہو حضرت علی نے کہا کہ یہ بھی تو شرط کرو کہ تم حق کرو گے
اپنے خواہش نفس کی پیروی نہ کرو گے نہ کسی رشتہ داری
کا پاس و لحاظ کرو گے حق کہنے میں کسی کی ملامت اور
کسی کے مشورہ کا خیال نہ کرو گے اس بات کا اقرار
تم ہم سے کرو عبدالرحمن نے کہا کہ تم لوگ مجھ سے یہ اقرار
کرو کہ تم میرے ساتھ ہو گے اور اس کی مخالفت کرو
گے جو میرے فیصلہ کی مخالفت کرے اور اس کے خلیفہ
ہونے سے راضی ہو گے جس کو میں مقرر کروں پھر عبدالرحمن
نے حضرت علی سے کہا کہ تم سب ان موجودہ لوگوں میں
سے رسول اللہ کی قرابتداری و سبقت اسلامی اور حسن

بعدك من هؤلاء قال عثمان و
دخل بعثمان فقال له مثل ذلك
فقال علی و دار عبد الرحمن
ليا ليه كلها يلقى اصحاب رسول
الله صلى الله عليه و سلم ومن
يوانی المدينه من امراء الاجناد
واشراف الناس ويشيرهم الى
صبيحة الرابع فاتى منزل المسور
بن مخرمه وخلافيه بالزبير
وسعد ان يتركا الامر بعلى
او عثمان فاتفقا على على ثم قال
له سعد بايع لنفسك وارحنا
فقال قد خلعت لهم نفسی على
ان اختار ولو لم افعل ما اريدها
ثم استدعى عبد الرحمن عليا و
عثمان فناجى كلا منهما الى ان
رضوا بل الى ان صلوا الصبح ولا
يعلم احد ما قالوا ثم جمع المهاجرين
و اهل السابقة من الانصار و
امراء الاجناد حتى غص المسجد
ثم فقال اشيروا على فاشار عمار
بعلى فقال ابن ابی سرح ان اردت
ان لا تختلف قريش فبايع
عثمان و وافقه عبد الله ابن
ابی ربيعه فتقاوضا و تشاتما
ونادى سعد يا عبد الرحمن
افرغ قبل ان يفتتن الناس

مساعی دین کی وجہ سے ان سب سے زیادہ خلافت کے
مستحق ہو اور تم سے زیادہ موزوں اور کوئی شخص اس خلافت
کے لئے نہیں ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ ان لوگوں میں سے جو
خلافت کے لئے نامزد کئے گئے ہیں تمہارے بعد کون
زیادہ مستحق ہے حضرت علی نے جواب دیا کہ عثمان پھر عثمان سے تخلیے
میں لیجا کر یہی کہا انہوں نے جواب دیا علی اور عبدالرحمن
تمام راتوں کو جناب رسول خدا کے اصحاب و امراء لشکر و
اشراف سے جو مدینہ میں تھے ملتے تھے اور مشورہ کرتے تھے
چوتھے دن کی صبح تک انہوں نے ایسا کیا۔ چوتھے دن کی
صبح کو مسور بن مخرمہ کے مکان پر عبدالرحمن آئے اور وہاں
سعد و زبیر کو بلا کر ان سے کہا کہ عثمان یا علی ان دونوں
میں سے ایک کو منتخب کر لو ان دونوں نے متفق ہو کر
علی کو منتخب کیا پھر اس کے بعد سعد نے کہا کہ تم اپنے لئے
کیوں بیعت نہیں لیتے اور ہم پر رحم نہیں کرتے؟
عبدالرحمن نے جواب دیا کہ میں ان لوگوں کے سامنے اپنے تئیں
علیحدہ کر چکا ہوں اور اگر ایسا نہ کرتا تب بھی خلافت کو
اختیار نہ کرتا پھر عبدالرحمن نے علی و عثمان کو بلا کر علیحدہ
علیحدہ ان سے گفتگو کی تاکہ یہ آپس میں راضی ہو جائیں لیکن
صبح کا وقت اس ہی میں گزر گیا۔ اور کسی کو معلوم نہ
تھا کہ انہوں نے کیا کہا پھر عبدالرحمن نے مہاجرین کو
اور انصار میں سے سابق الاسلام اور امراء لشکر کو جمع کیا
یہاں تک کہ مسجد کھچا کھچ بھر گئی پھر عبدالرحمن نے کہا
کہ جس کو تم لوگ خلافت کے لئے منتخب کرنا چاہتے ہو
اسکی طرف اشارہ کرو عمار نے علی کیطرف اشارہ کیا ابن
ابی سرح نے کہا کہ اگر چاہتے ہو کہ قریش میں اختلاف نہ ہو تو
عثمان کی بیعت کر لو عبداللہ ابن ربیعہ نے اس بات پر
اتفاق کیا عمار اور ابن ابی سرح میں گفتگو بڑھ گئی۔

فقال نظرت وشاورت فلا
تجعلن ايها الرهط على انفسكم
سبيلا ثم قال لعلي عليك عهد
الله وميثاقه لتعملن بكتاب
الله وسنة رسوله وسيرة
الخليفتين من بعده قال ارجو
ان اجهد بل ان افعل بمبلغ
علمي وطاقتي وقال لعثمان مثل
ذلك فقال نعم فرفع راسه
الى سقف المسجد ويده في
يد عثمان وقال اللهم اشهد
انّي قد جعلت ما في عنقي من
ذلك في عنق عثمان فبايعه
الناس۔

سخت کلامی کی نوبت آگئی اس پر سعد نے ندا کی کہ اے
عبدالرحمن اس قضیہ کو ختم کرو قبل اس کے کہ لوگوں میں
فتنہ برپا ہو۔ عبدالرحمن نے کہا کہ میں نے اپنے ذہن میں
خلیفہ مقرر کر لیا ہے اور رائے قائم کر لی ہے اے لوگو
ذرا دم بخود خاموش رہو پھر علی کی طرف مخاطب ہو کر
کہا کہ خدا کا عہد و پیمان دو کہ اگر خلافت تم کو دی گئی
تو تم کتاب اللہ و سنت رسول اور سنت ہر دو خلفاء گذشتہ پر
عمل کرو گے علی نے جواب دیا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میں
اپنے مبلغ علم و طاقت کے موافق عمل کروں گا یہ جواب پا کر
عبدالرحمن نے عثمان سے مخاطب ہو کر یہی الفاظ کہے عثمان
نے فوراً اقرار کر لیا اور کہا کہ ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ
ایسا ہی کروں گا یہ سنتے ہی عبدالرحمن نے سقف مسجد کی طرف
سر اٹھایا۔ اور ان کا ہاتھ عثمان کے ہاتھ میں تھا اور یہ کہہ رہے تھے
کہ خداوندا گواہ رہیو کہ اس امر خلافت کا جو فرض میری گردن
میں تھا وہ میں نے عثمان کی گردن میں ڈال دیا۔

ابن خلدون: بقیۃ الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون۔ مطبوعہ دار الطباعۃ الخدیویۃ بولاق مصر المغربیہ در سنہ ۱۲۸۴ ہجری صفحہ ۱۲۴ تا صفحہ ۱۲

قبل اس کے کہ ہم اپنے نفس مضمون میں آگے چلیں یہاں ذرا مورخین عصر کی ذہنیت اور تعصب کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عبارت ابن خلدون مندرجہ بالا کا ترجمہ حکیم احمد حسین الہ آبادی نے اپنے ترجمہ تاریخ ابن خلدون کی جلد چہارم صفحہ ۱۸۳ پر کیا ہے۔ اس میں دو اہم مقامات پر ترجمہ سے اعراض کر کے بلکہ اصلی عبارت کے مفہوم کو بھی ترک کر کے ضروریات مناظرہ کو مد نظر رکھ کر کچھ کا کچھ ترجمہ کر دیا جو اصل عبارات عربی سے بالکل مختلف ہے اوّل تو جب عبدالرحمن نے خود ساختہ ثالث بننا چاہا تو عربی کی عبارت یہ ہے کہ حضرت علی راضی نہ ہوئے ایک نہایت ضروری شرط پیش کر دی کہ فیصلہ حق پر مبنی ہو۔ خود غرضی و ہوائے نفس کا اس پر اثر نہ ہو۔ رشتہ داری کا لحاظ نہ کیا جائے۔ عبدالرحمن نے اس کا جواب دینے سے اعراض کیا، اس شرط کو قبول نہ کیا اور وہ معاملہ وہیں ختم ہو گیا۔ سوائے حضرت علی کے دیگر اشخاص نے رضامندی دے دی لیکن مترجم صاحب یوں ترجمہ کرتے ہیں "الغرض دونوں بزرگوں اور حاضرین جلسہ نے باہم عہد و پیمان کیا" یہ اصل عربی عبارت میں ہرگز نہیں ہے ہم نے تو اصل عربی عبارت لکھ دی ہے ناظرین دیکھ لیں۔ دوم یہ کہ جب عبدالرحمن نے سعد و زبیر کو بلایا تو ان سے یہ کہا کہ یا علی یا

عثمان کے حق میں ہو جاؤ اور ان دونوں نے علی کو منتخب کیا یہ تو عربی عبارت کا صحیح ترجمہ ہے لیکن مترجم صاحب کہتے ہیں " زبیر و سعد کو بلا کر کہا لوگوں کا اتفاق علی و عثمان کی خلافت پر ہوا ہے تم لوگ کیا کہتے ہو۔ ان دونوں بزرگوں نے بھی اس سے اتفاق کیا" ناظرین ملاحظہ کریں کہ یہ ترجمہ اصل عربی عبارت کا ہرگز نہیں ہے۔ مترجم صاحب نے مناظرہ کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ الفاظ لکھ دیے اور وہ بے معنی ہیں مترجم کے بموجب تو عبدالرحمٰن نے کہا کہ لوگوں کا اتفاق علی و عثمان کی خلافت پر ہوتا ہے اور سوال کیا کہ تم ان دونوں میں سے کس کو منتخب کرتے ہو۔ یہی غرض اس سوال کرنے کی تھی ورنہ یہ گفتگو لغو ہو جاتی ہے اس کا جواب جو مترجم اپنی طرف سے ترجمہ کرکے پیش کرتے ہیں یعنی یہ کہ ان دونوں یعنی سعد و زبیر نے بھی اس سے اتفاق کیا بے معنی ہے۔ کس سے اتفاق کیا؟ علی و عثمان کی مشترکہ خلافت سے؟ غرضکہ اصحاب اسی پیرایہ میں تاریخ کی کتابوں کو کتب مناظرہ بنا لیتے ہیں اور ان کتابوں کی تاریخی حیثیت جاتی رہتی ہے۔

شمس التاریخ حضرت عمر کا نثر میں قصیدہ ہے جس کو مؤلف نے حضرت فاروق اعظم کے نام سے معنون کیا ہے اور مؤلف نے وہ کتاب اس یقین کے ساتھ لکھی ہے کہ اس کے تحریر کرنے کی ہدایت اس کو خود حضرت عمر نے ایک خواب کے ذریعہ سے کی ہے اس کے صفحات ۱۲۱۱۔۱۲۱۲۔۱۲۱۳۔۱۲۱۴ سے ہم مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں:

"ادھر تمام مسلمان عثمان کے احسانوں سے دبے ہوئے تھے اور وہ عمر میں بھی جناب مرتضوی سے بڑے تھے اس لئے لوگوں کا رجحان زیادہ تر اُن ہی کی طرف تھا"

"اس پر بھی عثمانیوں کو صبر نہ ہوا اور تدبیر سے باز نہ آئے۔ سمجھے کہ اگر عبدالرحمٰن بن عوف نے جناب علی کے علم و جلادت پر نظر کرکے انہیں پسند کر لیا تو ہمارا کیا نتیجہ ہوگا؟ ان ہی میں حضرت عمرو بن العاص بڑے چلتے ہوئے اور ذہین و چالاک تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ جناب ایسے وقت میں مدد فرمائیے۔ وہ دوڑتے ہوئے جناب علی کے پاس پہنچے جا کر ان کے خیر خواہ بنے اور کہا حضرت کل عبدالرحمٰن آپ سے اور عثمان سے یہ پوچھیں گے کہ اگر تمہیں خلافت دی جائے تو تم رسول اللہ اور ان کے دونوں خلفاء کی پیروی کرو گے یا نہیں اس کے جواب میں تم کہہ دینا کہ انشاء اللہ۔ تاکہ سننے والے یہ نہ سمجھیں کہ آپ کی رال خلافت پر ٹپکی پڑتی ہے اور آپ مارے شوق کے اپنے اختیار سے باہر بات کا ذمہ بھی لئے لیتے ہیں یہ بات حضرت علی کی سمجھ میں آ گئی اور فرمایا کہ ایسا ہی کروں گا"

"پھر حضرت ابن العاص جناب عثمان کے پاس گئے اور ان سے اپنی خیر خواہی جتا کے کہا کہ کل کے جلسہ میں آپ سے یہ سوال کیا جائے گا آپ فوراً بے پیشتر اس کا جواب یہ دیں کہ مجھے بدل و جان ابوبکر و عمر کی تقلید منظور ہے ان ہی کے قدم بقدم چلوں گا۔ حضرت عثمان نے انکی صلاح مان لی"

"اُس کے بعد ہمارے حضور عبد الرحمٰن بن عوف کے پاس پہنچے۔ اور بولے حضرت آپ کیں لدل میں پھنس گئے۔ جس راستہ پر آپ پڑ لیئے ہیں۔ اس سے برسوں بھی فیصلہ نہ ہوگا ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی　　کیں راہ کہ تو می روی بترکستان ست

میں اس جھگڑے سے نکلنے کی ایک ترکیب آپ کو بتاؤں جس سے ایک دم فیصلہ ہوا جاتا ہے۔

حضرت عبد الرحمٰن :- اندھے کو کیا چاہیئے دو آنکھیں، پھر بتلاتے کیوں نہیں۔

حضرت ابن العاص :- جب کل انتخاب کے لیئے لوگ جمع ہوں تو آپ علی و عثمان کی طرف مخاطب ہوکر یہ سوال کریں تم لوگ رسول اللہ اور ان کے دونوں خلفاء کی سُنّت پر بھی عمل کرنے کو راضی ہو یا نہیں؟ دونوں میں سے جو صاحب اس کا جواب معقول اور قابل اطمینان دیں ان ہی سے آپ بیعت کرلیں۔ اور جس سے آپ بیعت کرلیں اسی کی طرف سب رجوع ہوجائیں گے"

"جناب عبد الرحمان کی بھی سمجھ میں یہ بات آگئی اور کہا خاطر جمع رکھو کل ایسا ہی ہوگا چنانچہ دوسرے دن جب جناب مرتضوی اور حضرت عثمان اور سب لوگ جمع ہوئے تو پہلے انہوں نے جناب علی کے سامنے یہ سوال پیش کرکے جواب چاہا۔ جناب علی نے سوال مذکورہ کا یہ جواب دیا جہاں تک مجھ سے ممکن ہوگا انشاء اللہ تعالےٰ"

"اگرچہ حضرت شیر خُدا کا جواب نہایت معقول تھا۔ کیونکہ آدمی خدا کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا اور جو کرتا ہے اپنی بساط کے موافق کرتا ہے۔ اور اپنے مقدور سے باہر اس سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ پس اگر عمرو بن العاص کی تعلیم انہیں نہ بھی ہوتی تو بھی ان کی ذات پاک سے ہمیں یہی جواب پانے کی امید تھی مگر وہاں تو قوم ابوبکر و عمر کی ہر ادا پر قربان ہوچکی تھی۔ ان کے عہد میں مسلمانوں نے بڑی بڑی موجیں کی تھیں اور ایسے امن و چین سے رہے تھے جیسے ماں کے پیٹ میں رہتے ہیں وہ جناب مرتضوی کے جواب سے خوش و مطمئن نہ ہوئے اور اُن کے قول کا مطلب یہ سمجھے کہ شیر خُدا خلیفہ اول و ثانی کے قدم بقدم چلنا پسند نہیں فرماتے لہٰذا اُن کا ٹھیک جواب خود موقع اور وقت کے خلاف تھا اُلٹا پڑا"

"اب جو عبد الرحمٰن نے جناب عثمان سے پوچھا تو انہوں نے چھاتی ٹھونک کر کہا کہ بسر و چشم ابوبکر و عمر کی تقلید منظور ہے۔

شمس التواریخ صفحات ۱۲۱ لغایت ۱۲۴"

اگرچہ مضمون طویل ہوگیا ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ طبری سے کچھ عبارات نقل کروں

طبری کی عبارت

ان عمر بن الخطاب لما طعن قیل له یا امیر المومنین لو استخلفت قال

جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو ان سے لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین آپ اپنا جانشین مقرر کردیں انہوں

من استخلف لو كان ابو عبيدة
بن الجراح حيا استخلفته فان سألني
ربي قلت سمعت نبيك يقول انه
امين هذه الامة ولو كان سالم
مولى ابي حذيفة حيا استخلفته
فان سألني ربي قلت سمعت نبيك
يقول ان سالما شديد الحب الله
فقال رجل ادلك عليه عبد الله بن
عمر فقال قاتلك الله والله ما
اردت الله بهذا ويحك كيف
استخلف رجل عجز عن طلاق
امراته . . . .
فقالوا يا امير المومنين لو عهدت
عهدا فقال كنت اجمعت بعد
مقالتي لكم ان انظر فاولي
رجلا امركم هو احراكم ان
يحملكم على الحق واشار الى
علي . . . .
وخرجوا فقال العباس لعلي
لا تدخل معهم قال اكره
الخلاف . . . .
فانهضوا الى حجرة عائشة
باذن منها فتشاوروا واختاروا
رجلا منكم ثم قال لا تدخلوا
حجرة عائشة ولكن كونوا قريباً
. . . . قال لصهيب
صل بالناس ثلاثة ايام و

نے کہا کہ اگر ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ
مقرر کرتا۔ اور خدا مجھ سے سوال کرتا تو میں کہتا کہ
اے میرے خدا میں نے تیرے نبی کو کہتے سُنا تھا کہ
ابو عبیدہ اس اُمت کا امین ہے اور اگر سالم ابو حذیفہ
کے غلام زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور
اگر خدا مجھ سے سوال کرتا تو میں جواب دیتا کہ اے
خدا میں نے تیرے نبی کو کہتے سُنا تھا کہ سالم میں
خدا کی محبت ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عمر سے کہا
کہ آپ اپنے بیٹے عبد اللہ کو خلیفہ مقرر کر دیں انہوں
نے جواب دیا کہ خدا تجھے غارت کرے یہ تو نے کیا
کہا میں اس کو خلیفہ مقرر کر دوں جو عورت کو
طلاق بھی نہیں دے سکتا۔ . . . .
پھر لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین اپنا جانشین
مقرر کر دو حضرت عمر نے کہا کہ تمہاری پہلی گفتگو
کے بعد جو میں نے غور کیا تو نتیجہ نکالا کہ اگر میں علی
کو خلیفہ مقرر کر دوں تو وہ تمہیں راہ حق پر چلاوے
گا وہ تم سب سے زیادہ افضل ہے اور علی کی
طرف اشارہ کیا۔ . . . .
(شوریٰ کا تذکرہ ہونے کے بعد) سب لوگ باہر گئے تو
عباس نے حضرت علی سے کہا کہ تم انکے ساتھ شوریٰ میں
داخل نہ ہونا حضرت علی نے جواب دیا کہ میں اختلاف نہیں چاہتا
(شوریٰ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عمر نے کہا) تم سب
حجرہ عائشہ میں جا کر مشورہ کرنا اور اپنے میں سے ایک
کو خلیفہ مقرر کر لینا پھر کہا کہ حجرہ عائشہ میں نہ جانا بلکہ
اس کے قریب ہی رہنا۔ . . . . .
. . . . صہیب سے حضرت عمر
نے کہا کہ تین دن لوگوں کو تم نماز پڑھانا اور شوریٰ

ادخل علیاً و عثمان والزبیر و سعداً
و عبدالرحمن بن عوف و طلحة
ان قدموا احضر عبدالله بن
عمر ولا شیئ له من الامر وقم
علی رؤسهم فان اجتمع خمسة
و رضوا رجلا و ابی واحد فاشدخ
راسه او اضرب راسه بالسیف
وان اتفق اربعة فرضوا رجلاً
منهم و ابی اثنان فاضرب رؤسهما
فان رضی ثلاثة رجلا منهم
و ابی ثلاثة رجلا منهم فحکموا
عبدالله ابن عمر فای الفریقین
حکم له فلیختاروا رجلا منهم
فان لم یرضوا بحکم عبدالله
بن عمر فکونوا مع الذین فیهم
عبدالرحمن بن عوف واقتلوا
الباقین ان رغبوا عما اجتمع علیه
الناس فخرجوا فقال علی لقوم کانوا
معه من بنی هاشم ان اطیع فیکم
قومکم لم تؤمروا ابداً و تلقاه
العباس فقال عدلت عنا فقال و
ما علمك قال قرن بی عثمان و
قال کونوا مع الاکثر فان رضی
رجلان رجلا و رجلان رجلا
فکونوا مع الذین فیهم عبدالرحمن
بن عوف فسعد لا یخالف ابن عمه
عبدالرحمن و عبدالرحمن صهر

ہیں علی، عثمان، زبیر و سعد و عبدالرحمن اور طلحہ
کو اگر وہ آجائے تو داخل کرنا، عبداللہ بن عمر
کو بھی بلا لینا۔ لیکن اس کا حصہ خلافت میں
نہیں ہے اور تم ان لوگوں کے سر پر کھڑے رہنا
پس اگر ان میں سے پانچ ایک طرف ہوں اور
چھٹا مخالف ہو تو اس چھٹے کو قتل کر دینا اور اگر چار
ایک طرف ہوں اور دو مخالف ہوں تو ان دو کو
قتل کر دینا اور اگر تین ایک طرف ہوں اور تین ان
کے مخالف ہوں تو میرے بیٹے عبداللہ کو ثالث مقرر
کر لینا اور جس فریق کے حق میں عبداللہ فیصلہ کرے
اس میں کا ایک شخص خلیفہ بنا لینا اور اگر عبداللہ
کے فیصلے سے یہ لوگ راضی نہ ہوں تو پھر تم سب
اس طرف ہونا جدھر عبدالرحمن بن عوف ہوں اور
اگر فریق مخالف اس فیصلہ سے ناراض ہو تو ان
سب کو قتل کر دینا۔ پھر وہ سب لوگ باہر آگئے
علی نے بنو ہاشم کی جماعت سے جو ان کے ساتھ
تھی کہا کہ اگر میں ان کی اطاعت کرتا رہوں گا
تو یہ لوگ کبھی تم کو خلیفہ نہ بنائیں گے اور عباس ان
سے ملے تو حضرت علی نے کہا کہ اس دفعہ بھی ہم
سے خلافت کو دور کر دیا گیا۔ عباس نے کہا
یہ کیونکر، حضرت علی نے کہا کہ میرے ساتھ عثمان
کو لگا دیا ہے اور شرط لکھی ہے کہ اکثریت جس کے
ساتھ ہو وہ خلیفہ ہو، پس اگر دو ایک طرف اور
دو ایک طرف ہوں اور اس شرط کی وجہ سے وہ
خلیفہ ہو جس کی طرف عبدالرحمن بن عوف ہو یہ
تیسرا ہو گا کہ سعد تو اپنے ابن عم عبدالرحمن کی مخالفت
نہ کرے گا اور عبدالرحمن اور عثمان میں رشتہ

عثمان لا یختلفون فیولیها عبد الرحمن عثمان او یولیها عثمان عبد الرحمن فلو کان الاخران معی لم ینفعا فی بله انی لا ارجوا الا احدهما . . . .

(حالات شوریٰ) فقال عبد الرحمن ایکم یخرج منها نفسه و یتقلدها علی ان یولیها افضلکم فلم یجبه احد فقال فانا انخلع منها فقال عثمان انا اول من رضی فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول امین فی الارض امین فی السماء فقال القوم قد رضینا و علیؓ ساکت فقال ما تقول یا ابا الحسن قال اعطنی موثقا لتوثرن الحق ولا تتبع الهوی ولا تخص ذا رحم ولا تالو الامة . . . .

ودار عبد الرحمن لیالیه یلقی اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ومن وافی المدینة من امراء الاجناد واشراف الناس یشاورهم ولا یخلوا برجل الا امره بعثمان حتی اذا کانت اللیلة التی یستکمل فی صبیحتها الاجل اتی منزل المسور بن مخرمة بعد ابهیرار من اللیل فایقظه فقال الا اراك نائما ولم اذق فی هذه اللیلة کثیر غمض انطلق فادع

سسرال کا ہے۔ پس عبد الرحمن عثمان کو یا عثمان عبد الرحمن کو خلیفہ کر دیں گے پس اگر دو باقی میرے ساتھ ہوں گے تب بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا اور میرا تو خیال ہے کہ شاید ایک ہی میرے ساتھ ہو۔ . . .

(حالات شوریٰ) عبد الرحمن نے ممبران شوریٰ سے کہا کہ تم میں سے کون اپنے تئیں اس امر سے خارج کرتا ہے اور مجھے اختیار دیتا ہے کہ میں تم سب میں سے بہترین شخص کو خلیفہ مقرر کر دوں کسی نے اس کا جواب نہ دیا اس پر عبد الرحمن نے کہا کہ اچھا میں اپنے تئیں نکال لیتا ہوں اس پر عثمان نے کہا کہ سب سے پہلے میں تم پر راضی ہوں کیونکہ جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ جو اس دنیا میں امین ہے وہی آسمانوں پر بھی امین ہے پس وہ لوگ بولے کہ ہم راضی ہیں لیکن علی خاموش رہے عبد الرحمن نے کہا کہ ابو الحسن تم کیا کہتے ہو حضرت علی نے کہا کہ میری یہ شرط ہے کہ اگر تم انصاف کرو حق کی طرف ہو اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو اپنے رشتہ دار کا پاس نہ کرو۔ ص۔ اور عبد الرحمن راتوں کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے تھے اور نیز مدینہ کے شرفاء و امراء لشکر سے جو مدینہ میں تھے مشورہ کرتے تھے پس جس سے وہ ملتے تھے وہ عثمان کو ہی خلیفہ مقرر کرنے کا مشورہ دیتا تھا۔ پس اس رات کو جس کی صبح کو یہ امر خلافت طے ہونا تھا۔ عبد الرحمن مسور بن مخرمہ کے مکان پر آئے اور اُن کو جگایا اور کہا اس رات میری تو پلک نہیں جھپکی۔ پس تم جاؤ اور سعد و زبیر کو بلا لاؤ پس وہ دونوں آ گئے۔ عبد الرحمن نے پہلے زبیر سے مسجد میں خلوت کی اس جگہ پر جو مروان کے مکان سے متصل

الزبير وسعدا فدعاهما فبدأ بالزبير
في موخر المسجد في الصفة التي
تلي دار مروان فقال له
خل ابني عبد مناف وهذا
الامر قال نصيبي لعلي وقال
لسعد انا وانت كلالة فاجعل
نصيبك لي فاختار قال ان اخترت
نفسك فنعم وان اخترت عثمان
فعلي احب الي ايها الرجل بايع
لنفسك وارحنا وارفع رؤسنا
قال يا ابا اسحق اني قد خلعت
نفسي منها على ان اختار . . . . .
قال سعد فاني اخاف ان يكون الضعف
قد ادركك فامض لرايك فقد
عرفت عهد عمر وانصرف الزبير
وسعد وارسل المسور بن مخرمه
الى علي فناجاه طويلا وهو لا يشك انه
صاحب الامر ثم نهض وارسل المسور
الى عثمان فكان في نجيهما حتى فرق
بينهما اذان الصبح فقال عمرو بن ميمون
قال لي عبد الله بن عمر يا عمرو من
اخبرك انه يعلم ما كلم به عبد الرحمن
ابن عوف عليا وعثمان فقد قال بغير علم
فوقع قضاء ربك على عثمان . . . . . .
قال عمار ايها الناس ان الله عز و
جل اكرمنا بنبيه واعزنا بدينه
فانى تصرفون هذا الامر عن

تھی اور ان سے کہا کہ اولاد عبد المناف میں سے کس
کے لئے تمہاری رائے ہے زبیر نے کہا کہ میرا حصہ تو
علی کے لئے ہے پھر عبد الرحمٰن نے سعد سے کہا کہ
ہم تم تو ایک ہی ہیں۔ تم اپنا حصہ مجھ کو دے دو۔ سعد
نے کہا کہ منظور ہے اگر تم خود خلیفہ بنو لیکن اگر تم
عثمان کو خلیفہ کرنا چاہتے ہو تو میں علی کو ترجیح دیتا
ہوں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تم خود بیعت لے لو۔ اور ہمکو
اس مخمصہ سے آزاد کرو۔ عبد الرحمٰن نے کہا کہ اے ابا
اسحٰق میں نے تو اپنے تئیں اس سے نکال لیا ہے۔
. . . . سعد نے کہا معلوم
ہوتا ہے تم میں ضعف آگیا ہے جو تمہاری رائے ہو
وہ کر دو یہ تو تم کو معلوم ہی ہے کہ عمر کیا چاہتے تھے
اس کے بعد زبیر و سعد چلے گئے تو عبد الرحمٰن نے مسور
کو علی کے پاس بھیجا۔ پس علی آئے اور دیر تک
عبد الرحمٰن نے علی سے ایسی گفتگو کی کہ معلوم ہوتا تھا
کہ وہ علی کو خلیفہ مقرر کریں گے۔ پھر عبد الرحمٰن اٹھے
اور مسور کے ذریعہ سے عثمان کو بلایا وہ آئے تو ان
سے صبح تک تنہائی میں گفتگو کرتے رہے عمرو بن میمون
کہتے ہیں کہ مجھ سے عبد اللہ بن عمر نے کہا کہ اے عمرو جس
نے تم سے یہ کہا کہ وہ جانتا ہے کہ عبد الرحمٰن بن عوف
نے علی و عثمان سے کیا گفتگو کی تو وہ ایسی بات کہتا ہے
کہ جس کا اس کو علم نہیں ہے۔ غرضکہ قضائے ربانی
عثمان کی طرف تھی . . . . . . عمار نے کہا کہ
اے لوگو۔ خداوند تعالےٰ نے ہم کو اپنے رسول کی
وجہ سے عزت دی ہے تم لوگ کیوں خلافت کو رسول
کے خاندان سے نکالتے ہو . . . .
پس سعد نے کہا کہ اے عبد الرحمٰن اپنا کام فوراً ختم کر دو

اهل بيت نبيكم . . . .
فقال سعد بن ابي وقاص يا عبد الرحمن
افرغ قبل ان يفتتن الناس فقال عبد
الرحمن اني قد نظرت وشاورت فلا
تجعلن ايها الرهط على انفسكم سبيلاً
ودعا علياً فقال عليك عهد الله و
ميثاقه لتعملن بكتاب الله وسنة
رسوله وسيرة الخليفتين من
بعده قال ارجوا ان افعل واعمل
بمبلغ علمي وطاقتي ودعا عثمان
فقال له مثل ما قال لعلي قال نعم
فبايعه فقال علي حبوته حبو دهر ليس
هذا اول يوم تظاهرتم فيه علينا فصبر
جميل والله المستعان على ما تصفون
والله ما وليت عثمان الا ليرد الا
مر اليك والله كل يوم هو في
شان . . . .
فخرج علي وهو يقول سيبلغ
الكتاب اجله . . . .
فقال المقداد يا عبد الرحمن اما و
الله لقد تركته من الذين يقضون
بالحق وبه يعدلون . . . . .
ما رايت مثل ما اوتي الى اهل هذا
البيت بعد نبيهم اني لاعجب
من قريش انهم تركوا رجلاً
ما اقول ان احداً اعلم ولا اقضى
منه بالعدل اما والله لو اجد

قبل اس کے کہ لوگوں میں فتنہ پیدا ہو۔ عبد الرحمٰن
نے کہا کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے اے لوگو تم فساد نہ
کرو۔ اور پھر علی کو بلا کر کہا کہ تم عہد کرتے ہو کہ کتاب
خدا و سنت رسول اور ابو بکر و عمر کی سیرت پر عمل
کروگے علی نے کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میں اپنی
علم و طاقت کے مطابق کام کروں پھر عثمان کو بلا
کر ان لوگوں نے یہ بات کہی تو عثمان نے فوراً اقرار کر لیا
پس عبدالرحمٰن نے عثمان سے بیعت کر لی اس پر حضرت
علی نے کہا کہ تم نے عثمان کو بغیر حق و استحقاق کے
بخشش کی ہے۔ یہ پہلا دن نہیں ہے کہ امر خلافت
میں تم نے ہم پر غلبہ کیا ہے پس صبر جمیل ہی مناسب
ہے اور خداوند تعالےٰ ہماری مدد کرے گا جو
تم کرتے ہو۔ بخدا تم نے عثمان کو اس وجہ سے حکومت
دی ہے کہ وہ یہ حکومت تم کو ہی واپس کر دے۔
یعنی در اصل تم ہی حاکم ہو اور وہ تمہارے
ماتحت کام کرے خداوند تعالےٰ غنی و
حمید ہے . . . .
پس علی باہر آئے اور کہتے جاتے تھے کہ کتاب
قدر کا لکھا ہوا پورا ہو کر رہے گا . . . . . .
مقداد نے کہا کہ اے عبد الرحمٰن بخدا تم نے اس
کو چھوڑ دیا جو حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور
انصاف کرتا ہے . . . .
پس مقداد نے کہا کہ میں نے ایسا ظلم کبھی نہیں
دیکھا۔ جیسا ظلم و ستم اس گھر کے لوگوں پر ان
کے نبی کے بعد ہوا مجھے قریش سے تعجب ہے کہ
انہوں نے ایسے شخص کو چھوڑا۔ جس سے زیادہ
علم و عدل والا کوئی اور نہیں، کاش میرے مددگار

علیہ اعوانا فقال عبد الرحمن یا مقداد اتق اللہ فانی خائف علیک الفتنۃ فقال رجل للمقداد رحمک اللہ من اهل هذا البیت ومن هذا الرجل قال اهل البیت بنو عبد المطلب والرجل علی بن ابی طالب فقال علیؑ ان الناس ینظرون الی قریش وقریش تنظر الی بیتها فتقول ان ولی علیکم بنو هاشم لم تخرج منها ابدا وما کانت فی غیرهم من قریش تداولتموها بینکم . . . .

ہوئے۔ عبد الرحمٰن نے کہا کہ اے مقداد خدا سے ڈرو مجھے ڈر ہے کہ تیرے اوپر آفت نہ آجائے۔ ایک آدمی نے مقداد سے کہا کہ تم پر خدا رحم کرے اس گھر سے تمہارا کیا مطلب ہے اور اس شخص سے تمہارا کیا مطلب ہے مقداد نے کہا کہ اس گھر سے بنو عبد المطلب اور اس شخص سے مطلب علی ابن ابی طالب ہیں۔ حضرت علی نے کہا اور لوگ تو قریش کی طرف دیکھتے ہیں یعنی اپنے دنیاوی فائدہ کو مدنظر رکھتے ہیں اور قریش اپنے گھر کو دیکھتے ہیں یعنی اپنا فائدہ چاہتے ہیں پس وہ آپس میں کہتے ہیں کہ اگر بنو ہاشم تمہارے اوپر حاکم ہو گئے تو پھر یہ حکومت ان کے خاندان سے کبھی نہیں نکلے گی اور اگر انکے علاوہ قریش میں سے کوئی اور حاکم ہوا تو یہ خلافت قریش میں ایک سے دوسرے کی طرف پھرتی رہے گی.....

محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الخامس صفحہ ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸۔

نیز ملاحظہ ہو۔

تاریخ حبیب السیر:۔ جلد اول جزء چہارم صفحہ ۲۷، ۲۸

ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی صفحہ ۴۰۹۔

تاریخ ابی الفدا:۔ الجزء الاول صفحہ ۱۶۵، ۱۶۶

حضرت عمر حضرت علی کو سب سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے تھے لیکن انکو خلیفہ مقرر نہ کرنیکی کبھی کچھ وجہ بیان کر دیتے تھے کبھی کچھ

حضرت عمر اور عبد اللہ ابن عباس کے جو مکالمے ہم نے اس کتاب کے صفحات ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰ پر نقل کئے ہیں۔ ان سے ہی یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہے۔ علاوہ ان کے اور بھی حوالہ جات ملاحظہ ہوں علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب المصری الفقیہ الماوردی متوفی سنہ ۴۵۰ ہجری اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں لکھتے ہیں۔

حکی ابن اسحاق ان عمر لما دخل منزلہ مجروحا سمع هدة فقال ما شان الناس فقالوا یریدون الدخول علیک لهم فقالوا اعهد یا امیر المؤمنین

استخلف علينا عثمان بن عفان فقال كيف يحب المال والجنة فخرجوا من عنده ثم سمع هدة فقال ما شان الناس فقالوا يريدون الدخول عليك فاذن لهم فقالوا استخلف علينا علي بن ابي طالب قال اذا يحملكم على طريقة هي الحق قال عبد الله بن عمر فاكببت عليه عند ذلك فقلت يا امير المومنين وما يمنعك منه فقال اي بني اتحمل اعباء الناس حيا وميتا"

احکام السلطانیہ کا اردو ترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم صاحب ایم۔ اے نے کیا ہے اور شعبہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ نے مطبع عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن میں طبع کرا کر شائع کیا ہے۔ عبارت مندرجہ بالا کا ترجمہ اس کے صفحہ ۱۲۱ پر اس طرح کیا گیا ہے۔

ترجمہ :- ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر زخمی ہو کر اپنے مکان میں تشریف لائے تو آپ نے شور و غوغا سنا۔ پوچھا کیا ہے؟ بیان کیا گیا کہ لوگ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں۔ آپ نے انہیں اپنے پاس آنے کی اجازت دی۔ ان لوگوں نے کہا امیر المومنین آپ عثمان کو اپنی جانشینی کے لئے نامزد کر دیجئے آپ نے فرمایا بھلا ایسا شخص کیسے اس منصب کا اہل ہو سکتا ہے جو دولت کو بھی چاہے اور جنت کا بھی طلب گار ہوگا۔ یہ جواب سن کر یہ لوگ آپ کے پاس چلے آئے پھر ایک ہنگامہ کی آواز آئی۔ آپ نے پوچھا کیا ہے؟ کہا گیا کہ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں آپ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔ اس جماعت نے کہا کہ آپ علی کو ہمارا خلیفہ مقرر فرمانے جائیے آپ نے فرمایا کہ وہ تمہیں بالکل ظاہری شریعت کے احکام پر چلائیں گے عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں آپ پر جھک گیا اور میں نے کہا امیر المومنین پھر آپ علی کو خلیفہ نہیں بنا دیتے آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے کیا تم زندگی اور موت دونوں میں اس طرز عمل کو برداشت کرو گے"

ہمیں رنج ہوتا ہے کہ اکثر ان مورخین کے متعصبانہ رویہ کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرنی پڑتی ہے۔ ہم نے یہاں اصل عبارت بھی نقل کر دی۔ مولوی سید محمد ابراہیم صاحب نے ترجمہ کیا ہے "وہ علی تمہیں بالکل ظاہری شریعت کے احکام پر چلائیں گے"! یہ ظاہری اور اندرونی شریعت جناب مترجم صاحب نے کہاں سے لی۔ اصلی عربی فقرہ ہے اذا یحملکم علی طریقة هي الحق اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے "وہ تم کو اس راستہ پر چلائیں گے جو بالکل حق ہے" جب حالت یہ ہے تو ان بزرگوں کی کتابوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ آپ حضرت عثمان کو خلافت کا نااہل سمجھتے تھے اور علی کو اس کا مستحق جانتے تھے۔ یہاں تو یہ عذر کر دیا کہ میں لوگوں کا بوجھ زندگی اور موت میں نہیں اٹھا سکتا۔ اور تدبیر وہ اختیار کی جس سے عثمان

خلیفہ ہو جائیں اور حضرت علی محروم ہو جائیں ۔ حضرت علی کے متعلق حضرت عمر کی اس رائے کو اور ان کے اس جواب کو طبری نے بھی اسی طرح لکھا ہے ۔ ملاحظہ ہو :-

تاریخ طبری :- الجزء الخامس صفحہ ۳۴ و ۳۵

ابن الاثیر :- تاریخ الکامل الجزء الثالث صفحہ ۲۵

ابن حجر عسقلانی ۔ فتح الباری ۔ الجزء السابع صفحہ ۵۵

حدثنا عبد الوارث بن سفیان قرأة منی علیه من کتابی وهو ینظر فی کتابه قال حدثنا ابو محمد قاسم بن اصبغ حدثنا ابو عبید بن عبد الواحد البزار حدثنا محمد بن احمد بن ایوب قال قاسم وحدثنا محمد بن اسمٰعیل بن سالم الصائغ حدثنا سلیمان بن داؤد قالا حدثنا ابراهیم بن سعد حدثنا محمد بن اسحٰق عن الزهری عن عبید الله بن عبد الله عن ابن عباس قال انا امشی مع عمر یوماً اذ تنفس نفساً ظننت انه قد قضبت اضلاعه فقلت سبحان الله والله ما اخرج منك هذا ایا امیر المومنین الا امر عظیم فقال ویحك یا ابن عباس ما ادری ما اصنع بامة محمد صلی الله علیه وسلم قلت ولم وانت بحمد الله قادر ان تضع ذلك مکان الثقة قال انی اراك تقول ان صاحبك اولی الناس بها یعنی علیاً رضی الله عنه قلت اجل والله انی لاقول ذلك فی سابقته وعلمه وقرابته وصهره قال انه کما ذکرت ولکنه کثیر الدعابه ۔

(اسمائے راویاں عربی میں دیکھو ۔) ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عمر کے ساتھ جا رہا تھا کہ یکایک انہوں نے ایسا گہرا سانس لیا کہ میں سمجھا کہ ان کی ساری پسلیاں توڑ کر وہ سانس نکلا ہے میں نے کہا اے امیر المومنین وہ کونسا امر عظیم تھا جو ان سرد آہوں کا باعث ہوا ۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے ابن عباس میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امت محمد کے ساتھ کیا کروں میں نے کہا سبحان اللہ آپ تو اس امر پر قادر ہیں کہ اس کو اس کے اہل کے حوالہ کر دیں ۔ یعنی مستحق شخص کو خلیفہ مقرر کر دیں ۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم علی ابن ابی طالب کی طرف اشارہ کرتے ہو ۔ میں نے کہا ہاں ۔ اور میں یہ ان کی سبقت اسلامی علم ، قرابت رسول اور دامادیٔ رسول کی وجہ سے کہتا ہوں ۔ انہوں نے جواب دیا کہ واقعی علی ایسے ہی ہیں لیکن اُن میں مزاح کی عادت ہے ۔

ابن عبد البر :- الاستیعاب فی معرفۃ اصحاب ترجمہ علی بن ابی طالب ۔ صفحہ ۴۸۰ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن

ابن ابی الحدید:- شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی صفحہ ۱۱۴
شاہ ولی اللہ:- ازالۃ الخفاء

حدثنا احمد بن ابراھیم بن یوسف قال حدثنا عمران بن عبد الرحمٰن قال حدثنا یحیی الحمانی قال حدثنا الحکم بن ظھیر عن عبد اللہ بن محمد بن علی عن ابیہ عن ابن عباس قال کنت اسیر مع عمر بن الخطاب فی لیلۃ و عمر علی بغل و انا علی فرس فقرأ اٰیۃ فیھا ذکر علی ابن ابی طالب فقال واللہ یا بنی عبد المطلب لقد کان صاحبکم اولی بھذا الامر منی ومن ابی بکر فقلت فی نفسی لا اقالنی اللہ ان اقلتك فقلت انت تقول ذلك یا امیر المومنین وانت وصاحبك وثبتما وانتزعتما منا الامر دون الناس فقال الیکم یا بنی عبد المطلب اما انکم اصحاب عمر بن الخطاب فتاخرت وتقدم ھنیئۃً فقال سر لا سرت فقال اعد علی کلامك فقلت انما ذکرت شیئاً فرددت جوابہ ولو سکت سکتنا فقال واللہ انا ما فعلنا الذی فعلنا عداوۃ ولکن استصغرناہ و خشینا ان لا تجتمع علیہ العرب و قریش لما قد وترھا فاردن ان

(اسمائے رواۃ عربی میں دیکھو) ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے ساتھ رات کو جا رہا تھا۔ وہ خچر پر سوار تھے میں گھوڑے پر سوار تھا۔ ایک آیت حضرت عمر نے پڑھی۔ جس میں حضرت علی کا ذکر تھا اور کہا کہ قسم بخدا اے بنی عبد المطلب تمہارا صاحب یعنی علی مجھ سے اور ابو بکر سے زیادہ خلافت کا حق دار تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ اب میں انہیں جواب شافی دوں گا میں نے ان سے کہا کہ اے امیر المومنین آپ یہ کہتے ہیں اور آپ اور آپ کے دوست ابو بکر ہی تو تھے جو خلافت کے لئے اوچکے اور تمام آدمیوں کی نسبت آپ دونوں نے ہم کو ہمارے حق سے محروم کیا۔ اس پر حضرت عمر کھسیانے ہو گئے اور کہا کہ چلو۔ پس میں چلا۔ پھر انہوں نے کہا کہ اپنے کلام کو دہراؤ۔ میں نے جواب دیا کہ آپ نے ایک بات کہی تھی میں نے اس کا جواب دے دیا تھا۔ اور اگر آپ خاموش رہتے ہیں تو میں بھی خاموش ہوں انہوں نے کہا کہ قسم بخدا جو کچھ ہم نے کیا وہ کسی عداوت سے نہیں کیا بلکہ وہ عمر میں کم تھے۔ ہم نے خیال کیا کہ عرب و قریش اُن کی اطاعت نہ کریں گے پس میں نے ارادہ کیا کہ میں جواب دوں

اقول لکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبعثہ فی کبیئۃ فینطح کبشھا فلو تستصغرہ انت وصاحبک فقال لا جرم فکیف تری واللہ ما نقطع امرا دونہ ولا نعمل شیئاً حتیٰ نستاذنہ

اور میں نے کہا کہ جب جناب رسول خدا نے علی کو مشکل مہمات پر بھیجا اور سورہ براۃ کی تبلیغ کے لئے بھیجا تب تو نہ آپ نے اور نہ آپ کے دوست نے علی کو کمسن سمجھا۔ اس پر حضرت عمر نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے ہم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔

طراز المحدثین ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ :۔ کتاب المناقب

حضرت عمر کا جواب قابل غور ہے۔ اس جواب کا مطلب ہے کہ جناب رسول خدا نے واقعی غلطی تو کی لیکن ہم کیا کرتے مجبور تھے۔ جب تک وہ زندہ تھے ان کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔
علامہ ابوالحسن علی الماوردی کی کتاب الاحکام السلطانیہ کے اردو ترجمہ سے ہم ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں:۔

"ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے عمر کو بہت بے چین پایا اور وہ فرمانے لگے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں خلافت کے بارے میں کیا کروں۔ میں نے کہا آپ علی کو خلیفہ مقرر کر دیجئے۔ فرمایا بے شک وہ اس کے اہل ہیں مگر ان میں ظرافت ہے۔"

اردو ترجمہ احکام السلطانیہ صفحہ ۱۸۔

خلیفہ کے لئے ضروری شرط کہ سیرت شیخین کی پیروی کرے

فبدا بعلی علیہ السلام وقال لہ ابایعک علی کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ وسیرۃ الشیخین ابی بکر وعمر فقال بلی علی کتاب اللہ وسنۃ رسولہ واجتہاد رایی فعدل عنہ الی عثمان فعرض ذلک علیہ فقال نعم فعاد الی علی علیہ السلام فاعاد قولہ فعل ذلک عبد الرحمن ثلاثا فلما رای ان علیا علیہ السلام غیر راجع عما قالہ

پس عبد الرحمٰن ابن عوف نے علی سے شروع کیا اور کہا کہ میں آپ کی بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ آپ عہد کریں کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اور سنت شیخین ابوبکر و عمر کی پیروی آپ کریں گے حضرت علی نے جواب دیا کہ کتاب اللہ وسنت رسول کی پیروی تو منظور کرتا ہوں لیکن سیرت شیخین کا وعدہ نہیں کرتا میں اپنے اجتہاد ورائے پر عمل کروں گا۔ عبد الرحمٰن ابن عوف نے پھر تنہائی میں اسی طرح عثمان کو بلا کر ان سے عہد کر لیا انہوں نے فوراً منظور کر لیا عبد الرحمٰن نے اسی طرح تین دفعہ علی و عثمان سے پوچھا تینوں دفعہ حضرت علی نے سنت شیخین کی پیروی کرنے

وان عثمان ینعم له بالاجابة فصفق علی ید عثمان وقال السلام علیك یا امیر المومنین۔

سے انکار اور عثمان نے اقرار کیا۔ اس پر عبد الرحمٰن نے عثمان کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کہا کہ السلام علیک یا امیر المومنین۔

ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغة الجزء الاول صفحہ ۶۳

تاریخ ابن خلدون:۔ بقیة الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعہ ۱۲۸۴ ہجری صفحہ ۱۲۶

شمس التواریخ:۔ صفحہ ۱۲۱۴

تاریخ طبری:۔ الجزء الخامس صفحہ ۳۷

تاریخ حبیب السیر:۔ جلد اول جزو چہارم صفحہ ۲۷، ۲۸

تاریخ ابی الفدا:۔ الجزء الاول صفحہ ۱۶۵، ۱۶۶

تاریخ الکامل:۔ الجزء الثالث صفحہ ۲۷

حضرت عمر کی خواہش کہ اگر فلاں شخص زندہ ہوتا تو میں اسکو خلیفہ مقرر کرتا

جب حضرت عمر مجروح ہوئے اور لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ خلیفہ مقرر کر کے جائیں تو انہوں نے فرمایا کہ کس کو خلیفہ مقرر کروں اگر ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے یا معاذ زندہ ہوتے یا سالم مولیٰ احذیفہ زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب خدا مجھ سے سوال کرتا تو میں یہ اور یہ جواب دیتا۔

تاریخ طبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الخامس صفحہ ۳۴۔

تاریخ خمیس:۔ الجزء الثانی صفحہ ۲۷۲

تاریخ الکامل:۔ الجزء الثالث صفحہ ۲۵

حضرت عمر کا اپنے بیٹے عبد اللہ کو ثالث بنوانا اور پھر اس سے کہنا کہ تم ادھر ہونا جس طرف عبد الرحمٰن ابن عوف ہوں

فحکموا عبد الله ابن عمر فای الفریقین حکم له فلیختاروا رجلا منهم

تاریخ طبری:۔ الجزء الخامس صفحہ ۳۵؛

یا عبد الله ان اختلف القوم فکن مع الاکثر فان تساوروا فکن مع الحزب الذی فیه عبد الرحمٰن بن عوف۔

تاریخ الکامل۔ الجزء الثالث صفحہ ۲۰۔

ترجمہ :- اگر تین ایک طرف ہوں اور تین ایک طرف ہوں تو عبداللہ بن عمر کو ثالث مقرر کرنا پس جس فریق کے حق میں وہ فیصلہ کرے خلیفہ اس میں سے ہو۔

اے عبداللہ اگر اصحاب شوریٰ میں اختلاف ہو تو تم کثرت کی طرف ہونا اور اگر وہ مشورہ کریں تو تم اس جماعت کی طرف ہونا جدھر عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں۔

واقعہ شوریٰ کے حالات ثابت کرنے کے بعد ہم ان واقعات وحالات پر ایک تبصرانہ تنقیدانہ نظر ڈالتے ہیں۔ سقیفہ کے واقعات سے بھی حضرت عمر کی سیاست کا اچھا اندازہ ہوتا ہے مگر شوریٰ کے واقعات سے تو وہ سیاست بالکل ہی عریاں ہو جاتی ہے۔

بہت غور وخوض کے بعد حضرت عمرؓ نے شوریٰ کی تجویز سوچی۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر اعلان کرتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔ اگرچہ اس تجویز کا نام شوریٰ ہے مگر جیسا کہ ہم ابھی ثابت کریں گے، امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کو خود حضرت عمر ہی نے خلیفہ مقرر کیا، دوسروں سے مقرر کرانا ایسا ہی ہے جیسا کہ خود مقرر کرنا۔ اس طرح گویا حضرت عمر نے سنت رسول کی عمداً مخالفت کی۔

جب تجویز شوریٰ حضرت عمر کے دماغ میں مکمل ہو گئی۔ تو انہوں نے سب سے پہلے تنہائی میں عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا۔ اس سے کچھ باتیں کیں اور یہ عہد کر لیا کہ اس گفتگو کا ذکر کسی سے نہ کرنا مگر جائز قیاس وصحیح استدلال کے ذریعے سے معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کیا بات ہو گی جس کے اخفا کا وعدہ حضرت عمر نے لیا۔ ان بزرگواروں کے اقوال وافعال ہی چغلی کھاتے ہیں۔ حضرت عمر نے تاکید کی۔ کہ ممبران شوریٰ میں اختلاف ہو تو میرا بیٹا عبداللہ ثالث ہو اور عبداللہ کو ہدایت کی کہ تم ادھر ہو جانا جدھر عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں۔ بلکہ دیگر لوگوں کو بھی ہدایت کی کہ جدھر عبدالرحمٰن بن عوف ہوں وہ ہی خلیفہ ہو گا۔ عبدالرحمٰن ابن عوف کا طرز عمل صریحاً بتا رہا ہے کہ ان کی ساری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح حضرت عثمان خلیفہ ہوں۔ پھر شوریٰ کی ترکیب وساخت جس کا تذکرہ ہم ابھی کرتے ہیں۔ ایسی تھی کہ علی خلیفہ ہو ہی نہیں سکتے تھے اور عثمان کا خلیفہ ہونا تقریباً یقینی تھا۔ ان تمام امور کے ساتھ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تجویز شوریٰ سے پہلے ہی حضرت عمر نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ میرے بعد عثمان خلیفہ ہوں تو پھر ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف سے تنہائی میں بلا کر حضرت عمرؓ نے کیا ہدایت دی تھی جس کے اخفاء کا حکم دیا گیا۔ وہ ہدایت یہی تھی کہ دیکھو کسی نہ کسی طرح حضرت عثمان ہی کو خلیفہ مقرر کرانا۔ جب ہی تو ہم دیکھتے ہیں کہ جب شوریٰ میں تین دن کے اندر کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ تو عبدالرحمٰن بن عوف نے باہر جا کر لوگوں سے تجاویز وتدابیر سوچنی شروع کیں کہ کس طرح عثمان کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ آخر کار عمرو بن العاص نے وہ ترکیب بتائی جو کامیاب ہو گئی۔ اس طرح باہر جا

حضرت عمر کا عبدالرحمٰن بن عوف سے تنہائی میں رازداری کی باتیں کرنا — وہ کیا راز تھا

کہ تمام لوگوں سے دریافت کرنا، حضرت عمرؓ کی ہدایت کے خلاف تھا۔ انہوں نے تو صہیب کو حکم دیا تھا۔ کہ پچاس آدمیوں کے ہمراہ تم دروازہ پر رہنا۔ جب تک یہ لوگ اپنے فیصلہ کا اعلان نہ کر چکیں اور اتنے عرصہ میں کسی کو اندر نہ آنے دینا اور ان سے گفتگو نہ کرنے دینا۔ مگر عبدالرحمٰن نے اس کیخلاف کیا۔ کیوں؟ وہ جانتے تھے کہ یہ تو محض تدابیر تھیں۔ حضرت عمر کے اصلی مقصد کو مدنظر رکھنا چاہیئے اگر خلاف قیاس ممبران شوریٰ حضرت علی کے معقول و مدلل گفتگو اور ان کے احتجاجات سے مؤثر ہو کر مذبذب ہو جائیں تو پھر حضرت عمر کے دلی مقصد کے حاصل کرنے کی غرض سے ان کی ظاہری ہدایات کے باہر بھی چلے جائیں تو کچھ ہرج نہیں۔ یہ امر کہ حضرت عمر نے اپنے زخمی ہونے سے پہلے ہی سوچ رکھا تھا کہ عثمان کو خلیفہ کرنا ہے۔ عیاں ہے۔

عن حذیفة قال قیل لعمر بن الخطاب وھو بالمدینه یا امیر المومنین من الخلیفة بعدك قال عثمان۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت عمر سے مدینہ میں پوچھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ عثمان۔

علی المتقی :۔ کنز العمال الجزء الثالث صفحہ ۱۵۸، حدیث ۲۴۴۸، مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن۔

حدثنا ابن ابی ادریس عن شعبة عن ابی اسحٰق عن حارثه عن مطرف قال حججت فی امارة عمر فلم یکونوا یشکون ان الخلافة من بعده لعثمان

(اسمائے رواۃ عربی میں دیکھیں) مطرف کہتے ہیں کہ لوگوں کو اس امر میں مطلقاً شک نہ تھا کہ حضرت عمرؓ کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے)

علی المتقی : کنز العمال الجزء الثالث صفحہ ۱۶۰، حدیث ۲۴۵۹

اب ہم ان واقعات پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہے کہ تجزیہ و ترکیب و تنظیم شوریٰ محض حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنے کا ایک بہانہ تھا۔ ساخت شوریٰ اور وہ ہدایات جو ارباب شوریٰ اور اس کے متعلقین کو دی گئیں وہ نہ کسی اصول پر مبنی تھیں اور نہ قواعد سے وابستہ اور نہ سنت رسول کی پیروی مطلوب تھی۔ اس کی حمایت نہ منطق کر سکتی ہے اور نہ عقل۔ اس کا مقصد واحد یہ تھا کہ کسی طرح خلافت بنو ہاشم و اہل بیت رسول میں نہ چلی جائے۔

تمام روایات اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عمر حضرت علی کو خلافت کے لئے ہر طرح سے اہل سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ اگر حکومت حضرت علی کو مل گئی تو وہ اس کو حق مبین و صراط مستقیم پر چلائیں گے۔ مسلمانوں کی ہدایت و صراط مستقیم پر استقامت ہی تو خلافت و حکومت الہیہ کی وجہ ہست و بود تھی۔ یہی نہیں بلکہ وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ خلافت حضرت علی کا حق ہے اور ان پر ظلم ہوا ہے چونکہ کوئی معقول وجہ حضرت علی کو خلیفہ نہ مقرر کرنے کی نہیں تھی لہذا حضرت عمر نے کبھی

واقعات شوریٰ کا تجزیہ

تو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں تو اب مر رہا ہوں اپنے اوپر یہ بوجھ اور ذمہ داری کیوں لوں۔ کبھی یہ کہہ دیا کہ چونکہ حضرت علی کو خلافت کی خواہش ہے لہٰذا میں ان کو خلیفہ مقرر نہیں کرنا کبھی یہ کہہ دیا کہ حضرت علی کی خوش مزاجی (دعابہ) اُن کے اور خلافت کے درمیان حائل ہے۔ حضرت علی نے جب دیکھا کہ نا اہل لوگوں کے ہاتھوں میں اسلام و حکومت الہیہ خراب ہو رہے ہیں۔ تو ضرور ان کے دل میں خواہش ہونی چاہیئے تھی کہ حکومت کو خود لے کر اُسے برائی کی طرف جانے سے بچانا چاہیئے۔ بوجھ والا عذر بھی کچھ نہیں شوریٰ کی ترکیب و ساخت اور اربابِ شوریٰ کے لیئے بذاتہٖ تجویز کر کے سارا بوجھ تو اپنے اوپر لے لیا۔ اب باقی کیا رہا۔ اور خوش مزاجی والے عذر کو سُن کر تو ہمیں شیخ سعدی کا یہ شعر یاد آتا ہے ؎

ہنر بچشمِ عداوت بزرگ تر عیبے است　　گل است سعدی و در چشمِ دشمناں خار است

یہ تو جنابِ امیر کا ہنر تھا۔ جس کو وہ عیب سمجھے۔ ایسے مکروہات دُنیا میں رہ کر جس میں حکومت کی جماعت نے انہیں ڈال دیا تھا خوش مزاج رہنا ایک صفت تھی۔ حضرت عمر کی اس نکتہ چینی کے متعلق علامہ شبلی کہتے ہیں۔

"حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خردہ گیریاں کیں گو ہم نے ان کو ادب سے نہیں لکھا لیکن اس میں جائے کلام نہیں۔ البتہ حضرت علی کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخی کتابوں میں منقول ہے۔ یعنی یہ کہ ان کے مزاج میں ظرافت ہے۔ یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی ظریف تھے مگر اسی قدر جتنا لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے"

الفاروق: حصہ اول صفحہ ۲۰۴ حاشیہ۔

علامہ شبلی کا یہ فیصلہ اس امر پر قطعی سمجھا جانا چاہیئے۔ وہ مانتے ہیں کہ دیگر ممبرانِ شوریٰ کے جو عیب بیان ہوئے وہ واقعی درست تھے اور حضرت علی کے خلاف صرف عادتِ مزاح ہی بیان کی گئی اور وہ بھی محض خیال ہی خیال تھا۔ گویا حضرت علی میں کوئی عیب نہ تھا۔ اس عذرِ دعابہ پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

اب علامہ شبلی کی روح کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ جب حالت یہ تھی تو حضرت علی ان سب میں افضل ہوئے۔ افضل ترین شخص کے موجود ہوتے ہوئے اسے خلیفہ نہ مقرر کرنا عدلِ فاروقی ہی کے اصول و ضوابط کی رُو سے جائز ہو سکتا ہے۔ عقلِ سلیم تو انگشت بدنداں ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید نے بھی اس دعابہ والی نکتہ چینی کا خوب جائزہ لیا ہے۔ اور اس کو ایک عذرِ نامعقول ثابت کیا ہے۔ آخر میں علامہ مذکور کہتے ہیں کہ حضرت علی میں اسی طرز اور اسی حد کا مزاح تھا جو جنابِ رسولِ خدا میں تھا۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الاول صفحہ ۸۔ باوجود مستحق ترین ہونے کے خلافت سے حضرت علی محروم کئے گئے۔ اس سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت عمر

کی سیاست کا یہ مقصدِ اوّل تھا کہ حکومتِ خاندانِ رسالت میں نہ جائے اور جس جماعت کو حضرت عمر نے خود خلافت حاصل کرنے کے لئے حضرت علی کے خلاف مرتب اور منظم کیا تھا اور جس کی سرکردگی و نمائندگی آپ مختلف موقعوں پر جناب رسول خدا کی زندگی میں اور ان کے بسترِ مرگ پر کر چکے تھے وہ نہیں چاہتی تھی کہ حضرت علی خلیفہ ہوں یا بنی ہاشم میں خلافت جائے۔ ان لوگوں کو خلیفہ گری کا چسکہ پڑ گیا تھا۔ ایسے کو خلیفہ کریں گے جو اپنے ہاتھوں کے نیچے دبا رہے۔

وہی واقعہ دوبارہ ہوا۔ لہٰذا ہم بھی اپنے تبصرہ کی تکرار کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ادھر حضرت عمر کے زخم کاری لگا۔ ادھر لوگوں نے فوراً التجا شروع کر دی کہ آپ ہم پر خلیفہ مقرر کر دیں اور جناب رسول خدا کو خلیفہ کے بارے میں وصیت لکھنے سے باز رکھا گیا۔ اس سے اچھی طرح عیاں ہے کہ ایک منظم تدبیر کی وجہ سے حضرت علی کے خلاف ایک جماعت کثیر پیدا ہو گئی تھی۔ جس کا مقصدِ اولیٰ حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنا تھا۔

اب تو جنابِ عمر نے حجرۂ رسول کو جو متروکہ رسول تھا در نہ حضرت عائشہ تسلیم کر کے ان سے اپنے دفن کی اجازت چاہی اور اس کو اتنا ملحوظ رکھا کہ جنازہ بھی جائے تو دوبارہ بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہو۔ لیکن فدک کی واپسی کے وقت کا نورث یاد آ گئی۔ غالباً اتنے عرصہ میں وہ حافظہ سے اُتر گئی۔ آپ کا حافظہ بھی تو آپ کی سیاسی تدابیر کے ماتحت رہتا تھا۔ ہمیں ان بزرگواروں کے علم فقہ و منطق پر تعجب آتا ہے۔ حضرت عمر کی قبر کے لئے تو حضرت عائشہ نے بہت مستعدی و خوشنودی سے اپنے حجرہ میں جگہ دے دی۔ مگر جب نواسۂ رسولؐ کا جنازہ اس غرض سے آیا۔ تو بہت سختی سے آپ نے ممانعت کی۔ اور اس پر بنو امیہ سے تیر برسوائے۔ جناب عمر اور حضرت امام حسن کا طرزِ عمل بالکل ایک دوسرے کے مخالف ہے، حضرت عمر نے تو اس حجرے کو حضرت عائشہ کی ملکیت ظاہر کرنے میں اتنا مبالغہ کیا کہ زندگی میں بھی ان سے اجازت لی، اور وصیت کی کہ مرنے کے بعد بھی جب جنازہ وہاں جائے تو اجازت لی جائے۔ برخلاف اس کے جناب امام حسن علیہ السلام نے حضرت عائشہ کی ملکیت کو مطلقاً تسلیم نہیں کیا اور اپنے بھائی کو وصیت کی کہ ان کو ان کے نانا کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ حضرت عائشہ سے اجازت نہ خود لی اور نہ امام حسین سے کہا کہ وہ اجازت لے لیں اور امام حسین بھی جنازہ کو ادھر لے چلے بغیر حضرت عائشہ سے اجازت لئے ہوئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بروئے شرع محمدی کس کا طرزِ عمل درست تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ حجرہ اپنے روپے سے نہیں خریدا تھا۔ جناب رسول خدا نے یہ حجرے اپنے لئے بنوائے تھے اور اپنی ازواج کو ان میں رکھا ہوا تھا۔ نور الدین سمہودی نے وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ الجزء الاول باب الرابع فصل التاسع صفحہ ۳۲۵۔ نہ حضرت عائشہ نے کبھی دعویٰ کیا اور نہ

کوئی مؤرخ کہتا ہے کہ یہ حجرہ آنحضرت نے حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا تھا اور جناب رسولِ خدا کا طرزِ عمل اس کے خلاف ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسولِ خدا کے اس قول کی بناء پر کہ نبی وہیں دفن کیا جاتا ہے جس جگہ انتقال کرے۔ آنحضرت کو وہاں دفن کیا گیا، آنحضرت جانتے تھے۔ کہ آپ کا انتقال اس جگہ ہوگا۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ میں نے کہا ہوا ہے کہ نبی وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ جہاں وہ انتقال کرے۔ اس پر بھی آنحضرت نے یہ نہ کہا کہ مجھے یہاں عائشہ کی اجازت لے کر دفن کرنا۔ کیونکہ میں یہ حجرہ اسے ہبہ کر چکا ہوں۔ لہٰذا آنحضرت کے انتقال پر یہ حجرہ جناب رسول خدا کا ترکہ ہوا۔ اور اس میں زوجہ و اولاد کا حصہ بروئے شرع محمدی ہوا۔ جناب فاطمہ کے انتقال پر ان کا حصہ ان کی اولاد اور شوہر کو ملا اور جناب علی مرتضیٰ کی رحلت پر ان کا حصہ بھی ان کی اولاد کو ملا۔ اندریں صورت حضرت عائشہ کا حصہ اس میں ⅛ تھا۔ اور اس سے زیادہ پر وہ قابض تھیں لہٰذا جناب امام حسن کا حق تھا کہ بغیر عائشہ کی اجازت کے وہاں دفن ہونے کی وصیت کریں۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا ہم تو فدک کے واقعہ سے مقابلہ کر رہے تھے یہاں تو بغیر شاہد و شہادت طلب کئے ہوئے حضرت عائشہ کی ملکیت تسلیم کرتے ہیں۔ وہاں قبضہ و شہادت اور شاہد کے ہوتے ہوئے بھی انکار کرتے ہیں جناب عمر کی گفتگو سے ثابت ہے کہ ان بزرگواروں کے عقیدہ کے مطابق جناب رسول خدا نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا۔ مگر حضرت ابوبکر نے جناب رسولِ خدا کی سنت کے خلاف حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا۔ یہ وہی حضرت ابوبکر ہیں جنہوں نے فدک کے معاملہ میں فرمایا تھا۔ کہ میں جناب رسولِ خدا کے عمل سے یک سرِ مو تجاوز نہیں کرنا چاہتا۔ ان بزرگواروں کی ذہنیت اور دماغی کیفیت ان کے ہر ایک قول سے ہر ایک عمل سے نمایاں ہے۔ دیکھنے والی آنکھ چاہیئے۔ حضرت عمر کی رائے میں جناب ابوعبیدہ بن الجراح، معاذ بن جبل، خالد بن ولید اور سالم حضرت حذیفہ کے غلام حضرت علی سے بدرجہا افضل اور خلافت کے لئے موزوں تھے۔ کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کو بغیر کسی تردد کے خلیفہ کر دیتے۔ زبان و دل کا فرق تو دیکھئے خالد بن ولید وہی ہیں جن کو آپ اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ لشکر کی افسری کر سکیں۔ فوراً خلیفہ ہوتے ہی ان کو معزول کر دیا اور ان کے حق میں طعن آمیز کلمات کہے بلکہ ان کو خائن تک سمجھا لیکن اب اگر زندہ ہوتے تو وہ حضرت علی سے بدرجہا بہتر تھے اور فوراً خلیفہ مقرر کر دیئے جاتے معاذ بن جبل وہ ہی ہیں کہ جب انہوں نے یمن میں تجارت کر کے اپنا مال بڑھا لیا۔ تو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ ان کا سارا مال چھین لو۔ یہ خیانت کا روپیہ ہے۔ صرف قوتِ لاموت کے لئے رہنے دو۔ ابن عبدالبر۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ الجزء الاوّل۔ ترجمہ معاذ بن جبل۔ سنہ ۱۸ ہجری میں ۳۸ سال کی عمر میں ان کو طاعون ہو گیا۔ اور شام میں انتقال کیا۔ معلوم نہیں حضرت علی سے زیادہ و افضل کون سے کارہائے

نمایاں کئے تھے کہ اگر زندہ ہوتے تو باوجود کم عمر ہونے کے بھی بغیر شوریٰ کے خلیفہ بنا دیتے۔ حضرت صہیب کو جب امامت نماز کے لئے مقرر کیا تو فرمایا کہ اس کی امامت نماز سے کچھ خطرہ نہیں وہ غلام ہے اس امر خلافت کے لئے تنازعہ نہیں کرے گا۔ اور اپنے تئیں اس کا ایک امیدوار نہیں سمجھے گا۔ اور اب حسرت ہے کہ کاش سالم زندہ ہوتے تو میں ان کو علی پر ترجیح دیتا۔ آخر ان بزرگوار کے قول و فعل میں کہیں کچھ منطق و اصول بھی ہے یا جیسا موقعہ دیکھا کہہ دیا۔ ان سارے لوگوں کے متعلق تو جناب رسول خدا کے مفروضہ اقوال یاد آ گئے۔ لیکن جناب علی مرتضیٰ کے متعلق آنحضرت کے جو بے شمار اقوال تھے ان میں سے ایک بھی یاد نہ رہا۔ ابھی تو علی کو مومنین کے مولا ہونے پر مبارکباد دی تھی۔ ابھی بھول گئے حضرت عمر کی خصوصیات میں سے ہے کہ ان کا حافظہ ہمیشہ ان کی سیاسی مقاصد و تجاویز کے ماتحت رہتا ہے۔ حضرت علی کا کرار غیر فرار ہونا یاد نہ رہا۔ حدیث منزلت بھول گئے حدیث ولایت نسیاً منسیاً ہو گئی لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِیُ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار کا مشہور فقرہ حافظہ سے اُتر گیا۔ یہ یاد نہ رہا کہ جس عمرو بن عبدود کی شجاعت کی یہ اتنی تعریف کیا کرتا تھا۔ اس کو علی نے ایک وار میں قتل کر کے دربار رسالت سے ضربۃ علی یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامۃ کا تمغہ حاصل کیا۔ خود حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ چار خصوصیات حضرت علی کی ایسی ہیں کہ اگر ایک بھی ان میں سے مجھے ملی ہوتی تو وہ دنیا کی ہر ایک نعمت سے مجھے زیادہ عزیز ہوتی۔ یہ سب امور طاق نسیاں میں رکھے گئے یاد رہا تو کیا۔ سیف اللہ، امین امت، حفظ قرآن، حضرت علی کے خطابات کے تو نتیجہ سب معلوم ہیں معلوم نہیں۔ ان خطابات کے موقعے کب آئے تھے۔ خالد ابن ولید کے متعلق ہم کو فقط اتنا معلوم ہے کہ بنو جذیمہ کی طرف آپ بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ خالد نے کہا کہ اچھا اگر تم مسلمان ہو تو ہتھیار رکھ دو۔ انہوں نے خالد پر بھروسہ کر کے ہتھیار رکھ دیے۔ حضرت خالد نے اپنا وعدہ توڑ دیا اور ان سب کو تہ تیغ کیا۔ جب آنحضرت کو اس کا علم ہوا۔ تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا کہ اللھم انی ابرا الیک مما صنع خالد بن ولید۔ یعنی خداوندا میں بری الذمہ ہوں خالد کے فعل سے۔ پھر آپ نے حضرت علی کو بھیجا کہ دیت خون ادا کریں (تاریخ طبری۔ الجزء الثالث صفحہ ۱۲۴) اگر اس بہادری کے موقعہ پر آنحضرت نے خالد بن ولید کو سیف اللہ کا لقب ہو تو دیا ہو، ورنہ اور تو کوئی موقعہ نہ تھا معلوم نہیں، آنحضرت نے اُمّت کی کون سی امانت جناب ابوعبیدہ بن الجراح کے سپرد کی تھی جو انہوں نے ادا کی۔ ہاں حضرت عمر کی امانت بہت ایمانداری کے ساتھ رکھی تھی، حضرت عمر ان سے خلافت کے متعلق مشورہ کیا کرتے تھے اور سوچا کرتے تھے کہ کس طرح آنحضرت کے بعد خلافت سے حضرت علی کو محروم کیا جائے وہ تجاویز ابوعبیدہ نے نہایت ایمانداری کے ساتھ اپنے سینہ میں محفوظ رکھیں۔ سقیفہ والے دن حضرت عمر کی خوب مدد کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و شکر و مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

اے کار کشائے ہر چہ ہستند
نام تو کلید ہر چہ بستند

سزاوار صد گونہ ستائش وہ ذات ابدی ہے جس نے دُنیا کی نعمتوں کو اپنے شکر کا اور اُسکے مصائب و آلام کو اپنے تقرب کا ذریعہ بنایا۔ جس نے دُنیا کی زندگی کو لہو و لعب بتا کر اپنے خاص بندوں کو اس سے بے نیاز کر دیا اور اسی کو مزرعہ آخرت قرار دے کر مرجع انام بنایا۔ جس نے ہر شے میں اس کی ضد کو مضمر کر کے اپنی قدرت کا تماشا دکھایا اور صاحبانِ عبرت کے نزدیک اسی کو اپنی واحدانیت کی دلیل ٹھہرایا۔ راحت کی انتہا کو رنج اور رنج کی انتہا کو صبر کی صورت میں راحت کی ابتداء قرار دیا۔ مشکل کی انتہا سہولت اور سہولت کی انتہا مشکل، عروج کی انتہا تنزل اور تنزل کی انتہا عروج کی ابتداء مقرر فرمائی۔ یہاں تک کہ زندگی کی انتہا موت اور موت کی انتہا زندگی قرار دے کر انسان کی زندگی کے ازل کو اس کے ابد سے مِلا دیا۔ جس نے خوشی و غم کی آمیزش اس خوبی سے کی کہ ایک کو دوسرے کے بغیر بے مزہ کر دیا۔ جس نے زندگی کے حظ کو موت کی تلخی کے ساتھ اس طرح وابستہ کیا کہ بغیر اس تلخی کے حظ ہی نہیں۔

خداوندا! اگر عمر نوح مجھے عطا ہو اور ہر سانس کے ساتھ ایک ایک ہزار شکر انے ادا کرنے کی قابلیت مجھ میں پیدا ہو جائے تب بھی میں تیری ان نعمتوں کے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جو تو نے بچپن سے اب تک میرے اوپر ارزانی فرمائی ہیں۔ تیری نعمتیں تو نعمتیں ہیں ہی۔ تُو نے جو مصائب و آلام میرے لئے مقدر کئے ہیں۔ ان میں بھی ہزارہا نوازشہائے عیاں و پنہاں مضمر ہیں اور جن مصائب و آلام سے تو نے مجھ کو بچایا ہے وہ تو بے شمار ہیں۔ اگر تو میرے اس ناقص ادائیگی شکر کو قبول کر لے تو تیرا احسان ہو گا اور اگر رد کرے تو عین انصاف ہو گا۔

ارحم الراحمین! چونکہ تو نے دعا مانگنے کا حکم دیا ہے اس لئے دُعا مانگتا ہوں ورنہ جانتا ہوں کہ تو وہ کریم ہے۔ جو بے طلب دیتا ہے اور میں وہ گدا ہوں کہ جس کی ہستی ہی ایک سوال دائمی ہے۔ دُعا کیا کرتا ہوں تیرے گذشتہ الطاف و کرم کو دہراتا ہوں ؎

بر زبان دارم شب ہجراں پئے تسکین دِل
گفتگو ہائے کہ روز وصل باما کردہ

حضرت عمر کو اس بات کا علم تھا کہ خداوند تعالیٰ ان سے بازپرس کرے گا کہ تم نے امتِ محمدیہ پرکس کو خلیفہ و جانشین مقرر کیا۔ حضرت ابوبکر کو بھی اس بازپرس کا علم تھا۔ بلکہ عوام الناس کو اس کا علم تھا۔ جب ہی تو انہوں نے حضرت ابوبکر سے کہا تھا کہ تم خدا کے ہاں کیا جواب دو گے کہ ایسی غلیظ طبیعت والے انسان کو خلیفہ مقرر کر رہے ہو۔ اگر اس بازپرس کا علم نہیں تھا۔ تو جناب رسول خدا ہی کو نہیں تھا۔ کہ انہوں نے اپنا جانشین ہی کوئی مقرر نہ کیا۔

جن چھ بزرگواروں کو جناب عمر نے امیدوارانِ خلافت مقرر کیا تھا ان کو محض اس وجہ سے منتخب کیا تھا کہ جناب رسول خدا ان سے رحلت کے وقت راضی تھے۔ کیا اور کسی سے آنحضرت اپنی رحلت کے وقت راضی نہ تھے؟ ممکن ہے کہ جناب عمر کا یہ کہنا درست ہو۔ شاید یہ بزرگوار قضیہ قرطاس کے وقت آنحضرت کے پاس نہ ہوں گے۔ جتنے اس وقت موجود تھے وہ تو حضرت عمر کے زیر اثر تھے اور انہوں نے جناب رسولِ خدا کو ناراض کیا تھا۔ کہ باوجود اس خلقِ عظیم کے جو آپ میں تھا آنحضرت کو انہیں وہاں سے دھتکار کر نکالنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

عجیب لطف ہے کہ ان امیدوارانِ خلافت میں کوئی انصار نہ منتخب کیا گیا۔ کیا انصار میں سے کسی سے آنحضرت راضی نہ تھے۔ امرِ واقعہ تو یہ ہے کہ جناب عمر ان سے راضی نہ تھے کیونکہ سقیفہ بنی ساعدہ والے دن انہوں نے حضرت عمر کی مخالفت کی تھی۔ کہاں ہیں وہ لوگ حضرت عمر کی مساواتِ اسلامیہ اور عدلِ فاروقی پر سر دھنتے ہیں۔ آئیں اور اس کا جواب دیں۔ کیا یہ طریقے حکومتِ الٰہیہ حاصل کرنے کے ہیں یا اس کی ضد کے حاصل کرنے کے۔

حضرت عمر نے امیدوارانِ خلافت کو مخاطب کر کے کہا کہ اب تک تو امتِ اسلامیہ میں کوئی تفرقہ و نفاق نہیں ہے، اب آئندہ ہوا تو تم اس کے ذمہ دار ہو گے۔ کیا حضرت عمر دل سے اس بات کا یقین کرتے تھے یا یہ محض ایک سیاسی فقرہ تھا۔ قرطاس والے دن تفرقہ ہوا۔ جیش والے دن اختلاف ہوا۔ اور سقیفہ والے دن تو ایسا تفرقہ و اختلاف ہوا کہ اب تک باقی ہے۔ کیا حضرت عمر ان سب سے غافل تھے۔

صہیب کی امامتِ نماز کا ہم نے ابھی تذکرہ کیا ہے۔ صہیب کے لئے تو یہ اتنی ادنیٰ شے تھی اور حضرت ابوبکر کے لئے وہ اتنی عظیم الشان ہو گئی۔ مساوات کے دلدادگان گریبان میں منہ ڈالیں۔ ایک شخص محض موالیان میں سے ہونے کی وجہ سے خلافت کے لائق نہیں سمجھا جاتا۔ یہی نہیں بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ انصار کا بھی اس میں کچھ حصہ نہیں۔ آپ کی ہدایات ہیں کہ حسن بن علی و عبداللہ ابن عباس کو بلا لینا۔ ان کی موجودگی باعثِ برکت ہو گی۔ اور انصار کے بڑے بڑے آدمیوں کو بھی بلا لینا، لیکن ان میں سے کسی کا حق خلافت میں نہیں ہو گا۔ جمہوریت کے

دلدادگان کے لئے غور کرنے کا موقعہ ہے۔ ایسا بھی کہیں انتخاب جمہوریت دیکھا ہے کہ چھ آدمیوں کے علاوہ سب عہدے سے محروم، اور چھ آدمی مقرر کرنے والا ایک مطلق العنان حاکم، چونکہ آج کل لوگ جمہوریت کو اچھا سمجھتے ہیں اور حضرت عمرؓ کو اچھا ثابت کرنا مقصود ہے لہٰذا اب ضرور کہیں گے کہ حضرت عمرؓ نے جمہوریت قائم کی، خواہ قائم کی ہو یا نہ کی ہو۔

حضرت عمرؓ کے طرز عمل سے جو لوگوں میں غلامانہ و خوشامدانہ ذہنیت پیدا ہو گئی تھی وہ ملاحظہ فرمائی۔ حضرت عمرؓ تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ میرے بیٹے عبداللہ کو حالتِ اختلاف میں ثالث مقرر کر لینا، وہ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں حضور، آپ ان کو ہمارا حاکم ہی مقرر کر دیں، ہم راضی، ہمارا خدا راضی ایسے لوگوں کے لئے ادعا کیا جاتا ہے کہ اپنا حاکم مقرر کرنا ان کا حق تھا لہٰذا جناب رسولِ خدا نے خود جانشین مقرر نہ کیا۔

یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ عبداللہ ابنِ عمر کو کیوں ان کے والد ماجد نے خلیفہ مقرر نہیں کیا سیدھا اور صاف جواب تو یہ ہوگا کہ وہ اس قابل نہ تھے اور یہ ہی جواب حضرت عمرؓ نے دیا کہ کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کر دوں جو اپنی عورت کو طلاق نہیں دے سکتا۔ لیکن اصلی وجہ کچھ اور ہی تھی۔ جب خالد بن ولید ہو سکتے تھے تو عبداللہ بن عمر بہر صورت ان سے تو بہتر تھے۔ ان سے پہلے ایمان لائے تھے اور اسلام کو ظاہری نقصان اتنا نہیں پہنچایا جتنا کہ خالد بن ولید پہنچا چکے تھے۔ اصلی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؑ کے خلاف جو علم بغاوت بلند کیا گیا تھا اس کے پیچھے لوگوں کو یہ ہی کہہ کر جمع کیا گیا تھا کہ جناب رسولِ خداؐ خاندان پروری کر رہے ہیں۔ ایک ہی خاندان میں حکومت کا رہنا اچھا نہیں۔ جب اس بحث اور اس اصول پر اس جماعت کا دار و مدار رکھا گیا تو اب کس طرح حضرت عمرؓ اس کے خلاف کر کے اپنے بیٹے کو خلیفہ مقرر کرتے۔ مگر پھر بھی خلیفہ گر کا عہدہ تو دے ہی دیا، جو شخص خلیفہ بنا سکتا ہو۔ وہ خلیفہ بننے کے کیوں نہ قابل سمجھا جائے اصلی وجہ وہ ہی تھی جو ہم نے بیان کی۔

ان امیدوارانِ خلافت کے اوصاف بھی حضرت عمرؓ نے خود ہی بتا دیے۔ زبیر غضب کے وقت کافر ہیں، طلحہ میں نخوت و کبر ہے عبدالرحمٰن بن عوف فرعون امت ہے۔ کفر بہت بری شے ہے خواہ غصہ کے وقت ہی ہو، کبر و نخوت و نائت کی دلیل ہے اور خدا وند تعالیٰ کو مطلقاً پسند نہیں۔ ابلیس محض ایک دفعہ کے کبر سے ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ ہو گیا، اور فرعون اُمت کے تو کیا کہنے علامہ شبلی کہتے ہیں کہ ان بزرگواروں کے متعلق حضرت عمرؓ کی یہ نکتہ چینی بالکل درست تھی۔ یہ بزرگوار ہیں جو خلافت کے امیدوار ٹھہرائے جاتے ہیں۔ قدرتی طور سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ بات تھی تو حضرت عمرؓ نے ان کو امیدواروں کی فہرست ہی میں کیوں رکھا۔ آگے چل کر معلوم

ہو گا کہ مدعا تو فقط یہ تھا کہ حضرت علی تک کسی طرح حکومت نہ چلی جائے اور اسی مقصد کے لئے یہ نہایت موزوں تھے۔ لطف یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ جس طرف عبد الرحمٰن بن عوف ہو اس فریق ہی میں سے خلیفہ ہو گا۔ اپنے بیٹے عبد اللہ کو ثالث مقرر فرماتے ہیں اور یہ ہدایت دیتے ہیں کہ تم ادھر ہو نا جدھر عبد الرحمٰن بن عوف ہوں گویا خلافت کا فیصلہ کرنے والے عبد الرحمٰن ہوئے جس خلافت کا فیصلہ کرنے والا فرعون ہو وہ کہاں خلافت الٰہیہ ہو سکتی ہے۔

یہ بھی حضرت عمر نے فرمایا کہ حضرت علی کو میں اس وجہ سے خلیفہ مقرر کرتا تاکہ ان کو خلافت کی خواہش ہے یہ منطق بھی قابل صد ہزار ستائش ہے۔ جس شخص کو جس چیز کی خواہش ہو وہ اس کو ہرگز نہ دینی چاہیئے۔ خداوند تعالےٰ کو چاہیئے کہ جو لوگ اس سے کسی مطلب کے لئے دعا مانگیں وہ ہرگز قبول نہ کرے۔ ہر ایک انسان کو زندگی کی خواہش ہے۔ لہٰذا وہ اس سے سلب کرلے جن جن کو جنت کی خواہش ہو ان کو دوزخ میں ڈال دے۔ جناب رسول خدا کی خواہش تھی کہ کفار مغلوب ہوں خداوند تعالےٰ کو چاہیئے تھا کہ ہر ایک جنگ میں کفار کو غالب، آنحضرت کو مغلوب رکھتا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر حضرت علی کو خلافت کی خواہش تھی تو محض ہدایت خلق کے لئے تھی اس سے ثابت ہے کہ جب عبد الرحمٰن ابن عوف نے آپ سے کہا کہ میں تمہاری بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ تم عمر کی شرط قبول کرو یعنی یہ کہ بنو ہاشم میں سے کسی کو حکومت میں حصہ نہ دو تو آپ نے فوراً انکار کر دیا۔ پہلے آپ ہی سے پوچھا تھا اگر اقرار کر لیتے تو عثمان تک نوبت بھی نہ آتی۔ آپ نے حق و انصاف کو مد نظر رکھ کر وہ جواب دیا جو حکومت الٰہیہ کے حاکم کے لئے مناسب تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جس کو میں مستحق سمجھوں گا اور جو خدمت اسلامیہ کے لائق ہوگا اس سے خدمت لوں گا خواہ وہ بنو ہاشم میں سے ہو خواہ ان کے غیر میں سے۔ اگر مستحق کو اس کا حق حکومت میں نہ دیتے تو یہ ظلم ہوتا اور ظلم کے ساتھ آپ حکومت نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ پھر وہ ہدایت خلق نہ ہوتی لہٰذا آپ نے حکومت ہی لینے سے انکار کر دیا۔ برعکس اس کے حضرت عثمان نے حکومت کے لالچ میں فوراً ہاں کر دی اور دل میں جانتے کہ ہم اس شرط پر عمل نہیں کریں گے اس وقت ہاں کر کے حکومت تو لے لیں چنانچہ اپنی حکومت کے کسی زمانہ میں انہوں نے مطلقاً اس شرط پر عمل کرنے کی کوشش تک نہیں کی۔ شروع ہی سے بنو امیہ کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کرنا شروع کر دیا۔ عبد الرحمٰن ابن عوف انکے اس طرز عمل سے اتنے ناراض ہوئے کہ بولنا تک بند کر دیا۔ اور مرتے دم تک بات نہ کی۔ اس ایک ہی واقعہ سے حضرت علی و حضرت عثمان کی شخصیت کا فرق نمایاں ہے۔ حضرت علی نے جھوٹا وعدہ کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ اور حضرت عثمان نے اس میں کچھ حرج نہ دیکھا۔ رہ رہ کر ہمیں حضرت عمر کی منطق پر ہنسی آتی ہے۔

کیا انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ حضرت عثمان کو خلافت کی خواہش نہیں۔ عبد الرحمٰن بن عوف سے کیوں نہ کہہ دیا کہ دیکھو اس کو خلیفہ مقرر نہ کرنا جس میں خلافت کی خواہش پائی جائے۔ اگر یہ ایسی بری خواہش تھی تو پھر ایسی خواہش والے کو امیدواران میں کیوں رکھا۔

حضرت عمر نے ہدایت کی تھی کہ جب تک اہل شوریٰ اپنا فیصلہ نہ دے دیں کوئی باہر کا آدمی ان سے گفتگو نہ کرے، برخلاف اس ہدایت کے عبد الرحمٰن بن عوف وہاں سے چلے گئے اور لوگوں کی رائے لیتے رہے۔ تخلیہ میں گفتگو کرتے رہے، یہ ساری باتیں مجلس شوریٰ کے کانسٹی ٹیوشن (تعمیری بنیاد) کے خلاف تھیں لہٰذا وہاں جو فیصلہ ہوا وہ ناجائز تھا۔

یا یہ غلط محض ہے کہ حضرت عثمان پر اتفاق رائے تھا، یا عبد الرحمٰن نے دریافت ہی بنو امیہ اور ان کے دوستوں سے کیا ہوگا۔ جس طرح اب تک بنو ہاشم نظر انداز ہوتے آئے تھے انہوں نے بھی سنت شیخین کے مطابق ان کو نظر انداز کر دیا ہوگا ورنہ ناممکن تھا کہ بنو ہاشم اور بہت سے حق پرست صحابہ مثلاً سلمان فارسیؓ، مقداد، ابو ذر، عمار، یاسر وغیرہم حضرت علی کے خلاف رائے دیتے دیگر روایات میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

بیعت کرنے سے پہلے جو عبد الرحمٰن بن عوف نے گفتگو کی اس میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت علی سے بیعت اس وجہ سے نہیں کی کہ انہوں نے پیروئی سنت شیخین کو نہیں مانا تھا اور خطبہ میں بیان کرتے ہیں کہ عثمان کی بیعت اس وجہ سے کرتا ہوں کہ سب لوگ ان کی خلافت پر متفق ہیں۔

اور اگر اس وجہ سے بیعت کی تو یہ اختیارات سے باہر تھا۔ کیونکہ کسی نے ان کو یہ اختیار نہیں دیا تھا کہ لوگوں سے رائے لیتے پھریں اگر اس طرح رائے عامہ لینی ہوتی تو حضرت عمر ہی لے لیتے یا اس کی ہدایت کر دیتے۔ رائے عامہ لینے کو موجب فساد سمجھ کر حضرت عمر نے اس امر کو چھ آدمیوں کی بحث میں محدود کر دیا تھا

کہا جا سکتا ہے کہ اگر محض حضرت علی کو خلافت سے محروم ہی کرنا مقصود تھا تو حضرت عثمان کو مقرر کر دیتے اتنی پیچیدہ ترکیب و تجویز کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہم اس سوال کا جواب دیتے ہیں۔

(۱) طبیعت و فطرت انسانی کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کچھ ایسی طبائع ہوتی ہیں جو پیچیدگی و مشکل کو پسند کرتی ہیں۔ سیدھا اور صاف راستہ ان کے ناپسند ہوتا ہے حضرت عمر کی طبیعت ایسی ہی تھی۔

(ب) حضرت عمر اور اس زمانہ کے سب لوگ حضرت علی کو حضرت عثمان سے بدرجہا بہتر و افضل

سمجھتے تھے اور خلافت کا بہترین حق دار حضرت علی کو جانتے تھے۔ ان کی موجودگی میں عثمان کو نامزد کر کے حضرت عمر اپنے اوپر ایسی صریح ناانصافی کا الزام نہیں لینا چاہتے تھے۔

(ج) حضرت عمر ظاہرداری کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تھے چاہتے تھے کہ حضرت علی کا حق چھینا گیا ہے، لہٰذا الفاظ سے ان کی دل جوئی کرنا اور زبان سے ان کے ساتھ نبھائے رکھنا حضرت عمر کی سیاست کا اہم پہلو تھا۔ تاکہ بنو ہاشم اور ان کے دوست تنگ آمد بجنگ آمد پر مجبور نہ ہو جائیں۔

(د) حضرت کو خیال ہوا کہ اگر وہ حضرت عثمان کو اپنے حکم سے نامزد کر دیں تو شاید بنو ہاشم کسی ترکیب سے اس تجویز کو قائم نہ رہنے دیں۔ بنو ہاشم و بنو امیہ کی باہمی رقابت نے حضرت عمر کے اس خیال کو اور مضبوط کر دیا۔ لہٰذا انہوں نے تجویز سوچی کہ اگر مختلف قبائل کے چار اور آدمی عثمان کی حمایت کے لئے مقرر کر دئے جائیں تو وہ اور ان کے قبیلے کے لوگ اپنی بات کی پچ کے لیے عثمان کی حمایت کریں گے اور پھر بنو ہاشم کے لئے ان سب کا مقابلہ کرنا مشکل ہوگا خصوصاً جبکہ ان لوگوں میں عبدالرحمٰن بن عوف جیسے دولت مند اور طلحہ جیسے کبر و نخوت کے پتلے شامل ہوں گے حضرت عمر کی سیاست نے اپنا یہ رنگ اس شیخ نجدی کی عاقلانہ تجویز سے لیا تھا جس نے قبائل قریش کو صلاح دی تھی کہ تمام قبیلوں کے لوگ ایک ساتھ مل کر (حضرت) محمد کو قتل کریں تاکہ بنو ہاشم کے لیے سب سے قصاص خون لینا مشکل ہو جائے۔

(ھ) حضرت ابوبکر کی مثال زیر نظر تھی۔ ان کو حضرت عمر جیسے مشیر و صلاح کار کی سخت ضرورت رہتی تھی۔ اب حضرت عثمان کو اس یک جہتی کے ساتھ سنبھالنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا۔ لہٰذا حضرت عمر نے ان کو چار ار کان ایسے دیئے جو محض اپنی بات کی غرض سے اپنے کہے کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے۔

(و) اگر مد مقابل کی فضیلت عیاں ہے تو پھر دلیل و حجت بجائے نفع پہنچانے کے نقصان پہنچاتے ہیں لہٰذا سقیفہ بنی ساعدہ کے وقت بھی اور اب بھی حضرت عمر نے وہ طریقہ استعمال کیا۔ جس میں منطق و دلیل کی ضرورت ہی نہ ہو۔ یہ کثرت رائے کا ایسا نسخہ ہے کہ اس میں منطق و دلیل بے کار ہو جاتے ہیں۔ کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ کیوں رائے دیتے ہو۔ اپنی مرضی، ہم رائے دیتے ہیں بس معاملہ ختم۔

(ز) لیکن تمام امت میں اس رائے کے مسئلے کو ڈالنے سے حضرت عمر ڈرتے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں بھی انہوں نے اس پہلو کو بچا لیا اور اب بھی چھ آدمیوں کا شوریٰ مقرر کر کے اس کو بچا لیا۔ اگر تمام امت کی کثرت رائے پر چھوڑتے تو فضیلت کی بحث چھڑ جاتی اور حضرت علی کی فضیلت کے ساتھ بنو ہاشم کی فصاحت و بلاغت مل کر سارا ہی کام خراب کر دیتی اب تو ان لوگوں کو موقع مل جاتا۔ حضرت ابوبکر کے وقت تو موقع ہی نہیں ملا۔ حضرت عمر نے ایسی تجویز

سوچی کہ کثرت رائے کا جو فائدہ تھا وہ تو مل جائے اور اس سے جو اپنے خلاف بات پیدا ہوتی تھی اس سے بچ جائیں ۔ صرف ان آدمیوں میں اس معاملہ کو ڈالا جن پر بھروسہ تھا یہ ماننا پڑے گا کہ اس زمانہ کی ساری امت محمدیہ میں ایک ایسا دماغ نہ تھا جو حضرت عمرؓ کی طرح ایسی تیر بہدف تجاویز و تدابیر اپنے مطلب حاصل کرنے کے لئے اس خوبی کے ساتھ سوچ سکتا اور عمل میں لا سکتا ۔ ہاں ایک دماغ تھا جس کے آگے یہ ساری بھول بھلیاں بازیچۂ طفلاں تھیں مگر وہ ایسا ارفع و اعلیٰ تھا کہ ایسی ترکیبیں کرنا اپنی شان و فقہ اسلام کے خلاف سمجھتا تھا لہٰذا حضرت عمرؓ دنیا کی بازی لے گئے ۔

اب شوریٰ کی ترکیب و ساخت ملاحظہ ہو ۔ عبدالرحمٰن ابن عوف نہایت قریبی رشتہ دار تھے حضرت عثمان کے ۔ عبدالرحمٰن ابن عوف کی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط حضرت عثمان کی بہن تھی ماں کی طرف سے ۔ سعد بن ابی وقاص نزدیکی رشتہ دار تھے عبدالرحمٰن ابن عوف کے چنانچہ انہوں نے اپنا حق یہ کہہ کر عبدالرحمٰن ابن عوف کے لیے ہبہ کیا تھا ۔ کہ میں اپنا حق اپنے ابن عم عبدالرحمٰن کو ہبہ کرتا ہوں ۔ علاوہ اس کے سعد بن وقاص کی ماں حمنہ بنت امیہ بن عبدالشمس تھی ۔ یوں بھی ان کا رجحان بنو امیہ کی طرف ہونا ضروری تھا ۔ طلحہ کو ہمیشہ حضرت علی سے کینہ رہا ۔ چنانچہ حضرت علی اپنے مشہور خطبہ شقشقیہ میں فرماتے ہیں ۔ فصغا رجل منہم لضغنہ یعنی ان میں ایک تو پرانے کینے کی وجہ سے کج ہو گیا ۔ ابن ابی الحدید لہ :۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء اول صفحہ ۶۳ ۔ طلحہ کی والدہ ، ہندہ ابو سفیان کی بیوی رہ چکی تھیں اور خود طلحہ بنی تیم میں سے تھے اور ابوبکر کے ابن عم تھے ۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی صفحہ ۴۰۲ ۔ انہوں نے فوراً اپنا حق عثمان کو دے کر ان کے لئے راستہ کھول دیا ، اسی طرح طلحہ و سعد و عبدالرحمٰن اور عثمان تو علی کے خلاف ہی تھے صرف زبیر رہ گئے ، وہ حضرت ابوبکر کے داماد تھے ۔ اور ان کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں گویا وہ ادھر بھی تھے اور ادھر بھی تھے جب دیکھا کہ طلحہ نے اپنا حق عثمان کو دے دیا تو جوش میں آن کر اپنا حق انہوں نے علی کو دے دیا جب عبدالرحمٰن نے عثمان کے لئے کوشش کی تو عبدالرحمٰن کی طرف ہو گئے ۔ اس دشمنی کے آثار جو جنگ جمل میں بالکل عریاں ہو گئے ۔ اب بھی نمایاں تھے اور حضرت عمرؓ کی دور بین نظریں ادھر پہنچ گئیں ۔ یہ لوگ جمع کہاں ہوتے ہیں ، مسور بن مخرمہ کے گھر میں جو عبدالرحمٰن بن عوف کی حقیقی بہن کے بیٹے تھے وہ ہی عبدالرحمٰن بن عوف کے کارکن و ایلچی تھے ۔ لوگوں کے پاس ان کا پیغام لے جاتے تھے یہ مسور بن مخرمہ حضرت عمر کے خاص مصاحبین و معتقدین میں سے تھے ۔ مولوی شبلی کہتے ہیں ۔ "مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمر کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری و تقویٰ سیکھ

جائیں" الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۱۲

یہ تھی شوریٰ کی ترکیب و ساخت اور یہ ترکیب و ساخت، سیاست عمریؓ کا نادر نمونہ تھی۔ تجویز شوریٰ وہ شئے ہے جو حضرت عمرؓ کی سیاست اور اس کے مقصد کو بہت اچھی طرح عریاں کر دیتی ہے۔ ابن خلدون کی روایت سے ثابت ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن کو بلا کر تنہائی میں راز کی باتیں کیں۔ وہ ایسی باتیں تھیں کہ جن کے اخفا پر عبدالرحمٰن سے حضرت عمرؓ نے عہد لیا، اس کے بعد شوریٰ کا اعلان کیا گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کیا باتیں تھیں، کہ جن کے چھپانے کی ضرورت ہوئی۔ اب ہم کو وجہ معلوم ہوتی ہے کہ کیوں حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ خلیفہ اس پارٹی میں سے ہوگا جدھر عبدالرحمٰن ہوں۔ خلوت میں حضرت عبدالرحمٰن سے کہہ دیا کہ تم عثمان کی طرف ہونا اگرچہ نہایت تاکید کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہہ دیا تھا کہ میں خلافت نہیں چاہتا ہوں مگر پھر بھی حضرت عمرؓ نے ان کو امیدوار خلافت ہی میں رکھا اور عبدالرحمٰن نے باوجود خدا کی قسم کھانے کے کہ میں خلافت نہیں لوں گا پھر بامید واری قبول کر لی، دوران شوریٰ میں بھی لوگ کہتے رہے کہ عبدالرحمٰن تم خود خلافت لے لو ہم سب راضی ہیں۔ خلافت تو انہوں نے نہیں لی۔ خلیفہ گری لے لی، آخر یہ کیوں۔ یہ اس لئے کہ جو راز کی بات حضرت عمرؓ نے ان سے کہی تھی اس کو پورا کر سکیں۔

وہ بات حضرت عبدالرحمٰن نے اس طرح پوری کی کہ جب دیکھا کہ حضرت عثمان کسی طرح خلیفہ نہیں ہوتے اور معاملہ طول پکڑ گیا، حضرت علیؓ نے جو احتجاج کیا اور جو بحث و دلائل پیش کئے انہوں نے سب کو لاجواب کر دیا، چونکہ وہ لوگ ان دلائل کو توڑ نہ سکے۔ لہٰذا ان میں سے قوت عمل و ارادہ سلب ہو گئی تو اب عبدالرحمٰن نے یہ تدبیر سوچی کہ لوگوں کی رائے لی جائے اور اس رائے کے پردے میں عثمان سے بیعت کر لی جائے حالانکہ حضرت عمرؓ نے تو یہ تاکید کی تھی کہ جب تک ارباب شوریٰ مشورہ کرتے رہیں اور کسی فیصلہ پر نہ پہنچیں تو کوئی شخص ان کے پاس تک نہ آئے۔ ابوطلحہ انصاری کو مع پچاس نفر انصار کے اسی غرض سے دروازہ مکان پر متعین کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ کہیں بنو ہاشم اُن کو اپنی دلیری اور اپنی قرابت رسولؐ کی وجہ سے دوگوں کو مرعوب نہ کر لیں۔ اور وہ جو ترکیب حضرت علیؓ کو اقلیت میں رکھنے کی تھی وہ پوری نہ ہو سکے۔ لیکن جب عبدالرحمٰن نے دیکھا کہ معاملہ کسی طرح نہیں سلجھتا تو انہوں نے اپنی یہی ترکیب الگ نکالی۔ لوگ دیں بلائے جانے لگے ظاہر تو یہ کیا کہ آزادانہ رائے لیتے ہیں ورنہ اصل لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی طرف رجوع کرانا مقصود تھا۔ جو پیغام مسور بن مخرمہ لے جاتے تھے وہ اسی

لیکن کسی نے عبدالرحمٰن کے اس طرز عمل پر اعتراض نہیں کیا وہ جانتے تھے کہ اگرچہ حضرت عمر نے یہ تجویز مقرر نہیں کی تھی مگر اس تجویز کا مقصد وہ ہی تھا جو حضرت عمر کا تھا لہذا خاموش رہے۔

عبدالرحمٰن ابن عوف نے اپنے تئیں اس کے لئے آزاد اس طرح سے کرایا کہ خود امیدواری سے علیحدہ ہو گئے اور ارباب شوریٰ سے طوعاً وکرہاً اپنے تئیں ثالث مقرر کرا لیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت علی نے ان کے طرزِ عمل کو منظور نہیں کیا، اور نہ ان کے ثالث بننے کو مانا جب عبدالرحمٰن ابن عوف نے بہت اصرار کیا تب بھی ایک شرط لگا دی کہ اگر تم ثالث ہونا چاہتے ہو تو اقرار کرو کہ تم کسی کی بیجا رعایت نہ کرو گے اور رشتہ داری و دوستی کی وجہ سے انصاف کو نہ چھوڑو گے واقعات بتا رہے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے اس شرط کو پورا نہیں کیا بلکہ اس کو منظور کرنے کی ہاں تک نہ کی۔

امیدواری سے علیحدہ ہونا بھی ایک معنی رکھتا ہے انہوں نے تو شروع ہی سے خلافت لینے سے انکار کر دیا تھا۔ عیش وعشرت والے انسان کو حکومت کی ذمہ داریوں سے کیا کام، اُن کا تو ارادہ ہی نہ تھا کہ خلافت لیں، امیدواروں میں اس وجہ سے شامل ہو گئے کہ حضرت عثمان کو خلیفہ کرا سکیں۔

حضرت عمار بن یاسر نے اس ترکیب کو بھی ناکامیاب بنا دیا اور ظاہر کر دیا کہ حضرت عثمان کی طرف تو چند بنو امیہ کے حوالی موالی ہیں، اس ترکیب کے ناکامیاب ہونے پر عبدالرحمٰن بن عوف کے ترکش کے تو سارے تیر ختم ہو گئے۔ شمس التواریخ کی عبارت سے ثابت ہے کہ "عثمانیوں" نے اپنی ایک جماعت بنائی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عثمان کو کسی نہ کسی طرح خلیفہ مقرر کرا یا جائے۔ جب عبدالرحمٰن لاچار ہو گئے تو پھر عمرو بن العاص سے مدد لی گئی انہوں نے وہ ترکیب بتائی جو کارگر ہو گئی۔ سنتِ شیخین پر چلنے کی ایسی شرط پیش کی کہ جو حضرت علی کبھی قبول ہی نہیں کر سکتے تھے۔ ہم حیران ہیں کہ مذہب کا تعصب کس طرح لوگوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور سوادِ اعظم نے کس طرح ان بزرگوں کے طرزِ عمل سے اغماض کیا ہے، حضرت عمر اور حضرت ابوبکر سے کیوں سنتِ رسول پر چلنے کا وعدہ نہ لیا اور حضرت عمر سے کیوں سنتِ رسول اور سیرتِ ابی بکر کی پیروی کا اقرار نہ کرایا اب کیا ایسی ضرورت پڑ گئی تھی کہ یہ شرط پیش کی گئی۔ صاف عیاں ہے کہ اس کا مدعا یہ تھا کہ علی انکار کریں اور ہم کو ان کے رد کرنے کا بہانہ ملے۔

شوریٰ کی جوازیت حضرت عمر کے حکم پر مبنی تھی اور اس کے اختیارات اور دائرہ عمل کو

حضرت عمرؓ نے مقرر کر دیا تھا۔ لہٰذا عبد الرحمٰن یا کوئی اور شخص اپنی طرف سے کوئی شرط نہ بڑھا سکتا تھا نہ کم کر سکتا تھا۔ مثلاً عبد الرحمٰن کے لئے جائز نہ تھا کہ بجائے چھ امیدواروں کے آٹھ مقرر کر لیتے۔ یا جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ ان کا کوئی حق خلافت میں نہیں ہے ان کو اس میں لے لیتے۔ اسی طرح ان کے لئے جائز نہ تھا کہ شیخین کی پیروی کی شرط اپنی طرف سے ایزاد کر دیتے۔ حضرت عمرؓ نے تو یہ شرط مقرر نہیں کی تھی، لہٰذا یہ شرط ناجائز ہوئی اور حضرت عثمان خلیفہ ہوئے محض اس شرط کی وجہ سے، لہٰذا حضرت عثمان کی خلافت کی بنا غیر ایک ناجائز شرط تھی اور اس وجہ سے وہ خلافت بھی ناجائز ہوئی۔

وہ کون سی فضیلت عبد الرحمٰن بن عوف میں تھی جس کی وجہ سے حضرت خلافت مآب نے فرمایا کہ جس طرف یہ ہوں گے وہ ہی خلیفہ و جانشین رسول ہو گا خود جناب رسولِ خدا تو فرماتے ہیں کہ حق اس طرف پھرتا ہے جدھر علی ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ان میں فضیلت تو کیا بقول حضرت عمر یہ تو فرعونِ امت تھے۔ جب حضرت اُن کی خصائل و عادات سے اچھی طرح واقف تھے تو پھر ان کو واحد ثالث خلافتِ الٰہیہ کے فیصلے کے لئے کیوں مقرر کیا۔ یہ تو غلیفہ گر ہوئے وجہ ظاہر ہے کہ ان ساری کوششوں کا ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ بنو ہاشم خصوصاً حضرت علی تک خلافت نہ پہنچے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے فرعون اُمت ہی موزوں ہو سکتا تھا حضرت علی بھی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کے اور خلافت کے درمیان محض حضرت عمر حائل ہیں، اگر حضرت عمر نہ ہوتے تو خلافت ضرور حضرت علی کو مل جاتی۔ جو صورتِ حالات حضرت عثمان کے خلیفہ مقرر ہونے کے وقت ہوئی، وہ ان امور پر اور ان لوگوں کی ذہنیت پر اچھی روشنی ڈالتی ہیں۔ جب حضرت عثمان کا تقرر عبد الرحمٰن بن عوف نے کر دیا تو حضرت علی نے فرمایا:

وخرج علی وھو کاسف البال مظلم وھو یقول یا ابن عوف لیس ھذا باول یوم تظاھرتم علینا من دفعنا عن حقنا والاستئثار علینا وانھا لسنۃ علینا وطریقۃ ترکتموھا فقال المغیرہ بن شعبہ لعثمان اما واللہ لو بویع غیرک لما بایعناہ

حضرت علی مکان شوریٰ سے باہر تشریف لائے اور اس وقت ان کے چہرہ پر مظلومیت و رنج کے آثار تھے اور وہ عبد الرحمٰن کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے کہ یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہمارے اوپر زبردستی کی ہے اور ہم سے ہمارا حق چھین لیا ہے ہمارے لئے صبر کرنا سنت ہو گئی اور حق کو چھوڑنا تمہارے لئے اس پر مغیرہ نے عثمان سے کہا کہ قسم بخدا، اگر تمہارے علاوہ کسی اور کی بیعت ہوتی

فقال عبد الرحمن بن عوف كذبت
والله لو بويع غيره لبايعته وما
انت وذاك يا ابن الدباغة
والله لو وليها غيره لقلت له مثل
ما قلت الآن تقربا اليه وطمعا
في الدنيا.............
قال الشعبي فلما دخل عثمان
رحله دخل اليه بنو امية حتى
امتلئت بهم الدار ثم اغلقوها
عليهم فقال ابو سفيان بن حرب
أعندكم احد من غيركم قالوا
لا قال يا بني امية تلقفوها تلقف
الكرة فوالذي يحلف به ابو
سفيان ما من عذاب ولا حساب
ولا جنة ولا نار ولا بعث ولا قيامة
قال عوانه فحدثني يزيد بن جرير
عن الشعبي عن شقيق بن مسلمه
ان علي بن ابي طالب لما انصرف
الى رحله قال لبني ابيه يا بني عبد
المطلب ان قومكم عادوكم بعد
وفاة النبي كعداوتهم النبي في
حياته وان يطع قومكم لا تؤمروا
ابدا والله لا ينيب هولاء الى الحق
الا بالسيف قال وعبد الله ابن
عمر بن الخطاب داخل اليهم
قد سمع الكلام كله فدخل
قال يا ابا الحسن اتريد ان تضرب

تو ہم ہرگز اس سے بیعت نہ کرتے عبد الرحمان نے
کہا کہ اے ابن دباغہ تو جھوٹ بولتا ہے اگر عثمان
کے علاوہ کسی اور کی بیعت کی جاتی تو تو اس
سے وہ کہتا جو اب عثمان سے کہہ رہا ہے کیونکہ
اس خوشامد سے تیرا مقصد تقرب وطمع دنیوی
حاصل کرنا ہے۔..........
شعبی کہتے ہیں کہ جب بعد بیعت عثمان اپنے گھر
میں داخل ہوئے تو تمام بنوامیہ ان کے ساتھ
گھر میں بھر گئے اور اندر سے دروازہ بند کر لیا
ابوسفیان نے کہا کہ کیا اس وقت یہاں کوئی غیر
بھی ہے انہوں نے کہا کہ نہیں اس پر ابوسفیان
نے کہا کہ اے بنوامیہ اب موقعہ ہے حکومت سے
خوب اچھی طرح لوٹ لو کیونکہ قسم ہے اس کی جس
کی قسم ابوسفیان کھایا کرتا ہے نہ عذاب ہے نہ حساب
نہ جنت ہے نہ دوزخ نہ حشر ہے نہ قیامت....
عوانہ شفیق بن مسلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ
جب حضرت علی اپنے گھر کی طرف چلے تو اپنے اقربا
سے کہا کہ اے بنی عبد المطلب تمہاری قوم قریش
تمہارے ساتھ رسول خدا کی وفات کے بعد ایسی
ہی عداوت رکھتی ہے جیسی کہ آنحضرت کی زندگی
میں رکھتی تھی اور اگر ان کی اطاعت کی جائیگی
تو وہ کبھی تمہیں حاکم نہ بنائیں گے قسم بخدا یہ
لوگ حق کی طرف کبھی نہ آئیں گے لیکن تلوار سے
عبد اللہ ابن عمر اس وقت وہاں آ رہے تھے۔
انہوں نے یہ سارا کلام سنا اور کہا کہ اے ابو الحسن
کیا تم چاہتے ہو کہ آپس میں ایک دوسرے سے
جنگ کریں اور قتل کریں حضرت علی نے کہا

دنیا کے لئے تو میں نے بہت مانگا اور تو نے بہت دیا اب کہ تیرے پاس حاضر ہونے کا وقت قریب آرہا ہے اور میں تہیدست ہوں واسطہ پنجتن پاک کا جن کے اسماء مبارکہ کی برکت سے تو نے توبۂ آدم قبول کی اور کشتی نوح کی راہنمائی کی اپنے حضور میں میری تہیدستی کو فاش کرکے مجھے شرمندہ نہ کیجیو۔ ابتک تو تیری صفت ستاری نے میری عزت رکھ لی ہے آئندہ بھی اپنے اس لطف سے محروم نہ کیجیو۔ ہاں ایک دعا کا دہرانا اپنا فرض سمجھتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ باوجود تیری بے نیازی کے میں ابھی تک تیری رحمت سے ناامید نہیں ہوا۔ میرے بڑے لڑکے محمد امام علی کی مسلسل بیماری نے اس دنیا کو میرے لئے جہنم بنا رکھا ہے یہ عذاب ہے یا امتحان ہے یا تحریر ازلی ہے کچھ بھی ہے اس کا رفع کرنا تیری قدرت و حکمت کاملہ سے بعید نہیں اور تو ارحم الراحمین ہے اس کو جاری رکھ کر میرے اور اپنے دشمنوں کو چشمک زنی کا موقع نہ دے۔

اے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن! جن بزرگوں نے میری روحانی و جسمانی تربیت کی ہے ان پر اپنی رحمت کاملہ سے اپنے الطاف و اکرام کی فراوانی کر، خصوصاً میرے والد آغا محمد سجاد مرزا مرحوم جو تیرے عاشق اور تیرے نبی اور ان کی عترت کے فدائی تھے۔

اے صاحب لطف و کرم! اپنی عمر بھر کی کمائی تیری بارگاہ میں ان اوراق پریشاں کی شکل میں پیش کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ تیری بارگاہ میں نذرانے کے قابل نہیں۔ لیکن میری خدمت میری طاقت کے مطابق ہوگی تیری عطا تیری صفت کریمی کے لائق ہوگی۔ بندہ کو بھی ناز اپنے آقا پر ہو سکتا ہے۔ اور اس کی شرم رکھنی تیرے ہاتھ میں ہے۔ خداوندا تو اس کا فیض ابد تک جاری رکھ اور اپنے صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے بندوں کے لئے اس مشعل راہ ہدایت کو ہمیشہ ہمیشہ روشن رکھ۔

یارب بہ دو نور دیدۂ پیغمبر — یارب بہ دو شمع دودمانِ حیدر
بر حال من از عین عنایت بنگر — دادم نظرے نہ آنکہ نیفتم ز نظر

یارب بمحمد و علی و زہرا — یارب بحسین و حسن آلِ عبا
از لطف برآر حاجتم در دو سرا — بے منتِ خلق یا علے الاعلیٰ!

بعضهم ببعض فقال اسكت ويحك فوالله لولا ابوك وما ركب مني تلاديًا وحديثًا ما نازعني ابن عفان ولا ابن عوف۔	کہ خاموش ہو اگر تیرا باپ نہ ہوتا اور وہ میرے ساتھ وہ ہمیشہ سے قول و فعل میں دشمنی نہ کرتا تو عثمان یا ابن عوف یا کوئی اور خلافت میں میرے ساتھ تنازعہ کرتے۔

ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی صفحہ ۱۹۴ ۱۹۵

حضرت عمر کی یہ شرط کہ ممبران شوریٰ میں سے جو اکثریت کے خلاف ہو اس کی گردن اڑا دی جائے اپنے میں بہت سے راز مضمر رکھتی ہے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عمر نے ایسی ترکیب ساخت شوریٰ کی رکھی تھی کہ حضرت عثمان اکثریت میں رہیں اور خلافت ان ہی کی طرف جائے۔ حضرت عمر اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ عثمان ہی اکثریت کے ساتھ خلیفہ ہوں گے اور علی ان کے خلاف ہوں گے پھر یہ شرط کہ جو اکثریت کے خلاف ہو اس کی گردن اڑا دی جائے حضرت علی کے قتل کا فتویٰ دینے کے مرادف تھی ظاہر ہے کہ جب حق کو اس طرح ضائع ہوتے دیکھیں گے تو حضرت علی سے نہ رہا جائے گا اور وہ بیعت عثمان سے انکار کریں گے، اس انکار کو مدنظر رکھ کر حضرت عمر نے حکم دیا کہ جو انکار کرے فورًا اس کا سر دھڑ سے اڑا دیا جائے۔ ثابت ہوا کہ یہ قتل کا فتویٰ دیتے وقت حضرت عمرؓ کے ذہن میں حضرت علی تھے۔ جب حضرت ابوبکر کی خلافت سے حضرت علی نے انکار کیا تھا تب بھی حضرت عمر نے یہی تجویز پیش کی تھی۔ ان دو موقعوں پر تو واقعات نے حضرت عمر کی اس خواہش کو پورا نہ ہونے دیا۔ مگر حضرت عمر کی پالیسی ایسی دوررس اور نتیجہ خیز تھی کہ آخر کربلا کے میدان میں بار آور ہو کر رہی۔ یزید نے اپنی طرف سے کسی جدید خیال یا نئی تجویز کی ابتدا نہیں کی اس نے فقط حضرت عمر کے اس اصول کی پیروی کی ہے۔ معلوم نہیں یہ شرط فقہ اسلامی کے کس اصول میں آتی ہے۔ محض خلاف رائے رکھنے سے قتل کا مستوجب وہ ہو گیا۔ جو ابھی خلافت کا امیدوار تھا کیا ناکامیاب امیدوار کے لئے اصول جمہوریت میں یہی سزا مقرر کی گئی ہے ہاں اگر وہ فتنہ و فساد پیدا کرے تو وہ کیا ہر شخص فتنہ و فساد پیدا کرنے والا مستوجب قتل ہے۔ لیکن حضرت عمر کا تو حکم تھا کہ جہاں یہ معلوم کرتے ہو کہ یہ اکثریت کی رائے سے اختلاف کرتا ہے فورًا اس کو قتل کر دو۔

صہیب رومیوں کے غلام تھے جن کو عبداللہ بن جدعان التیمی نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

ابن عبدالبر:۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن۔

ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی صفحہ ۹۴۔

حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ جب تک ممبران شوریٰ خلیفہ سازی میں مصروف رہیں صہیب

امت اسلامیہ کی امامتِ نماز ادا کریں۔ جب تک اس کی ضرورتِ نسخہ خلیفہ سازی میں تھی تو امامت نماز ایک عظیم الشان شے قرار دی گئی جس کی بناء پر حضرت ابو بکر کے لئے ایک فضیلتِ عظیمہ قائم ہوئی! جب وہ وقت نکل گیا تو اب امامتِ نماز کی یہ قدر رہ گئی کہ ایک رومی غلام اس کو ادا کر رہا ہے اس سیاست میں منطق و عدل کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

جن بزرگواروں کو خلافت کا اہل سمجھا گیا تھا ان میں ایک (عبدالرحمٰن بن عوف) فرعونِ امت تھا۔ ایک (طلحہ) نخوت و غرور کا پتلا تھا، ایک (زبیر بن عوام)، بحالتِ غضب کافر تھا ایک (حضرت عثمان) اپنے قرابت داروں کی محبت کی وجہ سے عدل کرنے کے ناقابل تھا۔ ان بزرگواروں کی یہ ساری صفات حضرت عمرؓ نے خود بیان کی ہیں پھر ان میں کیا صفت تھی جس کی وجہ سے وہ مستحق خلافت سمجھے گئے ہاں ان سب میں ایک بات مشترک تھی اور وہ مخالفت علیؑ تھی اور یہی ایک وہ گراں قدر صفت تھی جس کی وجہ سے یہ بزرگوار اس شوریٰ میں داخل کئے گئے اور تو کوئی صفت حضرت عمرؓ نے ان کی نہیں بتائی۔ یہ کہ جناب رسولِ خداؐ ان سے بوقتِ رحلت راضی تھے محض بہانہ ہی بہانہ تھا۔ کیا آنحضرت اور سارے صحابہؓ سے ناراض تھے۔ انصار کے اتنے خصائل آنحضرت کے منہ سے کتب احادیث میں درج ہیں کیا ان میں سے ایک سے بھی آنحضرت راضی نہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی سیاست کی تحریکات میں عدل و منطق کی طرف سے تو بہت ہی لاپرواہی برتی ہے۔

ایک شرط یہ بھی کہ اگر طرفین اپنی راؤں میں مساوی ہوں تو پھر عبداللہ ابن عمر سرپنچ ہوں گے لیکن ان کو اس طرف ہونا چاہیئے جدھر عبدالرحمٰن بن عوف ہوں۔ یہ نئے قسم کی سرپنچی ہے، اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ یہ تجویز شوریٰ بھی ایک پیچیدہ دماغ سے نکلی ہوئی عجیب شے تھی۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عبداللہ ابن عمر میں کونسی فضیلت تھی جس کی وجہ سے انہیں یہ عجیب الخلقت سرپنچ بننے کا فخر دیا گیا۔ بقول حضرت عمرؓ وہ تو خود ایسے بے بہرہ تھے کہ عورت کو طلاق بھی نہیں دے سکتے تھے۔ ان کو یہ اعزاز فقط اس وجہ سے ملا کہ وہ ایک خلیفہ کے فرزند تھے، خدا کی شان ہے کہ جناب رسول خدا کی قرابت داری تو موجب سزا اور خلیفہ کی قرابت داری موجبِ جزا۔

ایک اور منطق ملاحظہ ہو۔ عبدالرحمٰن ابن عوف امیدوارِ خلافت بھی مقرر کئے جاتے ہیں سرپنچ بھی ہیں۔ یہ بھی حکم ملتا ہے کہ جس طرف عبدالرحمٰن ہوں اس میں سے خلیفہ ہوں۔ ان میں تین متضاد صفات جمع کی گئی تھیں۔ امیدوارِ خلافت، سرپنچ اور خلیفہ گر، ایسا سیاسی نادر مولا کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔ وہ اگر خلیفہ ہو سکتے تھے اور امیدوارِ خلافت بھی ہو سکتے تھے۔ (کیونکہ شوریٰ

اپنی طبیعت پر قابو رکھتا ہے۔ اپنے ایمان و یقین کی وجہ سے دُنیا کو ایک گزرنے والی شے سمجھ کر خوش مزاج رہتا ہے یہ ہیں وہ لوگ جو مرضی مولیٰ از ہمہ اولےٰ پر یقین کامل رکھ کر تلخ و بد روزگار سے مُتاثر نہیں ہوتے اور جو صورت پیش آتی ہے اس کو صبر و خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں خوش رہ کر مصائب کو برداشت کرنا یہ ہے اصلی صبر ورنہ رو رو کر مجبوری کی حالت میں تو ہر ایک کو صبر کرنا ہی پڑتا ہے دُنیا کے مکروہات میں سے حضرت علی کو حصّہ وافر ملا تھا باوجود ان مصائب کے آپ نے صبر کے ساتھ اپنی طبیعت پر قابو رکھا اور اسے رنج و آلام سے متاثر نہ ہونے دیا۔

جناب امیر علیہ السلام کا مزاج صحیح و مہذب ہوا کرتا تھا اور حق پر مبنی ہوتا تھا۔ ان کی مزاح کی بہت سی مثالیں کتب تاریخ میں درج ہیں۔ دو مثالیں ہم پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر و عمر دونوں آپ سے قد میں بلند تھے ایک دن یہ تینوں حضرات ساتھ جا رہے تھے اس طرح کہ درمیان میں علی تھے۔ حضرت عمر نے فرمایا اے علی تم ہم دونوں کے درمیان میں ایسے ہو کہ جیسا لنا میں لام والف کے درمیان نُون ہوتا ہے آپ نے فوراً فرمایا کہ یہ درست ہے اور اگر میں نہ ہوں تو تم لا ہو یعنی ہیچ ہو۔ کیسی حقیقت کو کیسی عمدہ صورت میں بیان فرمایا ہے۔ ایسی عمدہ صفت و حاضر جوابی شانِ خلافت کے منافی سمجھی جائے خدا کی شان ہے

ایک دفعہ جناب رسول خدا اپنے اصحاب کے ساتھ خرما نوش فرما رہے ہیں اور ان کی گٹھلیاں حضرت علی کی طرف پھینکتے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر میں جب گٹھلیوں کا انبار حضرت علی کے سامنے لگ گیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علی دیکھو تم نے میری نسبت کتنی زیادہ کھجوریں کھائی ہیں جناب امیر نے فرمایا کہ حضور والا زیادہ اس نے کھائیں جو گٹھلیوں سمیت کھا گیا۔ اگر ایسے مزاح منافی نبوت و منافی خلافت ہونے لگے تو پھر خُدا ہی حافظ ہے۔

ارباب شوریٰ کو خلیفہ مقرر کرنے کا اختیار فقط حضرت عمر کی طرف سے چند شرائط کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ چونکہ حضرت عثمان کا تقرر ان شرائط کے خلاف ہوا لہٰذا ناجائز تھا۔ جن امور میں وہ خلاف تھا وہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اختصار کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

حضرت عمر نے کہا تھا کہ ارباب شوریٰ حضرت عائشہ کے گھر میں یا اس کے متصل جمع ہوں۔ عبدالرحمٰن ابن عوف نے اپنے بھانجے و داماد مسور ابن مخرمہ کا گھر پسند کیا۔ حضرت عمر نے کہا تھا کہ خلیفہ کا انتخاب تین دن کے اندر ہو جائے گویا یہ اختیارات صرف تین دن تک کے لئے ملے تھے اگر ان کو اس عرصہ میں زیر عمل نہ لا سکے تو پھر امت کا حق ہوگا کہ کل امت میں سے جس کو مناسب سمجھے خلیفہ مقرر کرلے۔ مگر حضرت عثمان کا انتخاب چوتھے دن ہوا۔ جب کہ اس سے پہلے یہ اختیارات ختم ہو چکے تھے۔ حضرت عمر نے باہر کے اثرات سے محفوظ رہنے کی سخت

تاکید کر دی تھی - چنانچہ پچاس انصار دروازے پر تعینات کر دئیے تھے کہ کسی کو اندر نہ آنے دیں نہ اُن کو باہر جانے دیں - عبد الرحمٰن نے اس کے خلاف عمل کیا - انہوں نے تو گروہ بندی قائم کرنی شروع کر دی اس طرح بنو امیہ کو چال بازیوں کا موقع مل گیا - حضرت عمر نے فقط اتنا کہا تھا کہ جس طرف عبد الرحمٰن ہوں ان میں سے خلیفہ ہوگا - عبد الرحمان نے امیدواروں کی تعداد ہی کم کر دی اور اپنے تئیں باضابطہ واحد ثالث بنا لیا - حضرت علی ان کی ثالثی پر راضی ہی نہیں ہوئے لہٰذا عبد الرحمٰن کا فیصلہ ثالثی ناجائز تھا - حضرت عمر نے خلیفہ کے اُوپر یہ قید نہیں لگائی تھی کہ وہ سیرت شیخین کی تقلید کرے گا - حضرت عبد الرحمٰن نے ایک شرط پیرویٔ سنت شیخین کی لگا دی اور محض اس شرط کی بناء پر حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کر دیا چونکہ یہ شرط اصلی ہدایت نامہ عمری میں نہ تھی لہذا جو خلیفہ اس کی بناء پر مقرر ہوا وہ ناجائز تھا -

کیسی جلدی یہ مورخین سچائی کو چھوڑ کر مناظرہ کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں - ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جس سے مل کر عبد الرحمٰن نے مشاورت کی ہو اور اس نے عثمان کے حق میں رائے نہ دی ہو یہ بات بالکل غلط ہے کیا عمار ابن یاسر، ابو ذر غفاری، سلمان فارسی، عباس ابن عبد المطلب، و عبد اللہ ابن عباس، امام حسنؑ و امام حسینؑ و دیگر بنو ہاشم سب نے علی کے خلاف اور عثمان کے حق میں رائے دی تھی، اگر ابن قتیبہ کا لکھنا درست ہے تو عبد الرحمان نے مشورہ ہی ان سے کیا ہوگا جو حضرت عثمان کے طرفدار تھے - علی کے طرفداروں کو عمداً چھوڑ دیا تو پھر یہ مشورہ کیا ہوُا -

عبد الرحمٰن کی ساری کارروائی و طرز عمل سے ہویدا ہے کہ وہ شروع سے آخر تک عثمان کی طرف داری کرتے رہے، یہ جانتے تھے کہ بنو امیہ حضرت عثمان کے لئے کوشش کر رہے ہیں - طبری اور صاحب شمس التواریخ نے ان کی اس چال بازی کو اچھی طرح منکشف کیا ہے جب بنو امیہ عمرو بن العاص سے ایسی ترکیب کرا سکتے تھے - تو انہوں نے ضرور اوران لوگوں کو بھی اپنی طرف کرنے کی کوشش کی ہوگی، بہتیروں کو منت و سماجت سے، بہتیروں کو روپیہ کا لالچ دے کر، بہتیروں سے آئندہ کے لئے وعدہ کر کے رائے حاصل کرتے تھے، روپیہ کی مدد سے رائے حاصل کرنے کا پتہ شمس التواریخ کے اس فقرے سے چلتا ہے کہ تمام مسلمان عثمان کے احسانوں سے دبے ہوئے پڑے تھے، وہ احسان روپیہ ہی کی صورت میں ہو سکتا تھا اور یہاں روپیہ ہی سے مطلب ہے - غرضکہ عبد الرحمٰن نے اس گفتگو اور تعویق سے جو ارباب شوریٰ میں ہوئی - یہ نتیجہ نکالا کہ شاید ان چھ آدمیوں میں عثمان کا منتخب ہونا مشکوک ہو جائے اور یہ کہ عثمان لی کر میں نے اپنے اثر و رسوخ سے خلیفہ مقرر کر بھی دیا - تو اگر مخالفت ہوئی تو شاید اسے کافی حمایت

عبد الرحمٰن کا ...

نہ ملے، لہٰذا انہوں نے یہ تجویز سوچی کہ اول تمام مدینہ کے لوگوں کو عثمان کی طرف کر دیا جائے اور
بنو امیہ کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنی خاص صفات چال بازی و مکر کا استعمال کر کے لوگوں کو
عثمان کی طرف کرائیں۔ اس مقصد کو مدنظر رکھ کر آپ مدینہ کی گلی کوچوں میں پھرتے رہے اور
اس ہی مطلب کو ملحوظ خاطر رکھ کر آپ نے مسجد میں لوگوں کا اجتماع کرایا اور وہاں ایک ایسی
چال کے ذریعے سے حضرت عثمان کی بیعت کرائی جس کی مکاری ظاہر ہے۔ ناجائز اور ناانصافانہ
کارروائی ایک مجمع کے شور و غوغا کے اندر ہی کامیاب ہو سکتی ہے۔ چھ آدمیوں کی بحث و تمحیص کے
اندر اس کا چلنا ذرا مشکل تھا۔ لہٰذا عبدالرحمٰن نے حضرت عمر کی تجاویز و ہدایات کے خلاف عمل
کرنا گوارا کیا، مگر عثمان کا موقعہ نہ کھونا چاہا۔ حضرت عمر کی ہدایات کا مطلب تو یہ تھا کہ ان چھ
آدمیوں کی رائے سے خلیفہ مقرر ہو۔ جب عثمان اس طرح کامیاب نہ ہو سکے تو ان ہدایات کے
خلاف عبدالرحمٰن خود ساختہ ثالث بن گئے تاکہ حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کر سکیں ابن خلدون لکھتا
ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے امراء لشکر و اشراف مدینہ سے استصواب کیا اور ان سے رائے
لی۔ یہ طریقہ بھی حضرت عثمان کی خاطر اختیار کیا گیا۔ امیر لوگ تو امیروں ہی کی طرف ہوں
گے اسلام میں ابھی تک تو امیری و غریبی کی تخصیص نہیں ہوئی تھی اور امیری کو طرۂ امتیاز
نہیں ملا تھا اور لشکریوں کو بھی آنحضرت کے زمانہ تک کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہوا تھا۔
دنیا کی تاریخ بتا رہی ہے کہ لشکر کے آدمی اس کو حاکم مقرر کیا کرتے ہیں، جس سے روپیہ کے ملنے کی
امید ہوتی ہے، اشراف و امراء لشکری سب جانتے تھے کہ حضرت علی کی دیانتداری، ایمانداری
انصاف پسندی سے یہ امید نہیں کہ ان کے عہد میں مٹھیاں گرم ہوں یہ توقع تو حضرت عثمان
ہی کی امیرانہ طبیعت سے ہو سکتی تھی لہٰذا ان لوگوں نے خود بھی حضرت عثمان کی طرف رائے
دی اور کوشش کی کہ اور لوگ بھی ان ہی کی طرف ہوں اور یہی مقصد عبدالرحمٰن بن عوف کا تھا
جب تمام لوگوں سے رائے لے چکے اور ان کو مساوی پایا تو پھر زبیر و سعد سے مشورہ کیا۔
کہ علی و عثمان میں کس کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ ان دونوں نے متفق اللفظ ہو کر حضرت علی کے حق
میں رائے دی۔ اگر عبدالرحمٰن انصاف و اکثریت کے دلدادہ تھے تو یہ بہت اچھا موقعہ تھا حضرت
علی کو خلیفہ مقرر کر سکتے تھے۔ اگر سچے دل سے صلاح لی تھی تو اس پر عمل کرنا چاہیے تھا۔
لیکن یہ ان کا اصلی مقصد نہ تھا جب حضرت علی کا موقعہ آتا تھا تو اسے فرو گذاشت کر جاتے تھے
اور پھر حضرت عثمان کے حق میں تجاویز تلاش کرنے کی فکر میں لگ جاتے تھے۔ اسی طرح
ایک اور موقعہ جب حضرت علی کے لئے آیا تو انہوں نے اس کو بھی نظر انداز کر دیا۔ یہ وہ موقعہ
تھا کہ مسجد میں مجمع ہوا۔ اور عبدالرحمٰن نے لوگوں کو عام دعوت دی تھی کہ جس کو خلیفہ چاہتے ہو

اس کی طرف اشارہ کر دو۔ عمار بن یاسر نے حضرت علی کی طرف اشارہ کیا اور سب لوگ خاموش رہے ان کی خاموشی بمنزلہ رضامندی کے تھی۔ وہ موقع تھا کہ حضرت علی کی بیعت کر لی جاتی مگر عبدالرحمن خاموش رہے اور بنو امیہ کے کیمپ کی طرف نگراں تھے لیکن حضرت علی کے حق میں اتنا کثیر مجمع تھا کہ ان کو بھی یک لخت جرأت نہ ہوئی۔ آخر کار ابن سرح اموی نے کہا کہ اگر تفرقہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں عثمان کو پسند کرتا۔ اُن کے ان ڈرتے ہوئے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ مجمع کی اکثریت حضرت علی کے حق میں تھی اور عثمان کو پسند کرنے میں تفرقہ ہوتا تھا۔ لیکن یہ بات عبدالرحمن کی مشیت کے موافق نہ تھی کہ علی خلیفہ ہوں۔ لہٰذا اب بھی خاموش رہے اور اب ایک اور چال سوچی۔ جو چل گئی وہ چال عبدالرحمن نے خود سوچی یا عمرو بن العاص کی سوچی ہوئی چال کو پسند کر کے اختیار کر لیا ایک ہی بات ہے۔ اگر گروہ اہل حکومت یہ کہتے ہیں کہ عمرو بن العاص کی اس چال کو عبدالرحمن نہیں سمجھے تو یہ محض ان کی خوش اعتمادی ہے یا اس سے امر واقعہ کو چھپانا مطلوب ہے۔ عبدالرحمن ایسے بیوقوف نہ تھے اور چال بہت گہری نہ تھی کہ وہ نہ سمجھتے۔ اس بات کو بھی عقل سلیم گوارا نہیں کرتی جو صاحب شمس التواریخ لکھتے ہیں کہ اپنی اس مکارانہ تجویز کو عمرو بن العاص لے کر حضرت علی کے پاس پہنچے اور حضرت علی اُس کے منشا کو نہ سمجھ سکے عمرو بن العاص بڑا معاملہ فہم اور مردم شناس شخص تھا۔ اور وہ حضرت علی کی ذہانت اور فراست سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ اس میں اتنی جرأت کہاں تھی کہ وہ اپنی اس مکارانہ تدبیر کو حضرت علی کے سامنے پیش کرتا۔ کیا وہ نہیں معلوم کر سکتا تھا کہ بہت سے سوال اٹھیں گے جن کا جواب وہ نہیں دے سکے گا۔ مثلاً تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ عبدالرحمن کل یہ سوال کریں گے کیا تم عبدالرحمن کے مشوروں میں شامل تھے جس سے ہم علیحدہ ہیں یا کیا کوئی خفیہ کارروائی ہو رہی ہے جس کی خبر تم کو ہے ہم کو نہیں ہے۔ عثمان سے تم کو کیا رنج پہنچا ہے اور ہماری خیر خواہی کا خیال تم کو کیوں دامنگیر ہوا جو وہاں کی خفیہ کارروائیوں کو اس طرح طشت از بام کر رہے ہو اور ان لوگوں کے نزدیک جن کے ساتھ تم شروع سے اب تک رہے ہو اپنی پیشانی پر غداری کا داغ لگوانا چاہتے ہو۔ حضرت علی کا جواب عمرو بن العاص کے سمجھانے بجھانے پر موقوف نہ تھا بلکہ یہ صاف عیاں ہے کہ اس سوال کا جواب سوائے نفی کے حضرت علی کیا دیتے۔ کتاب اللہ و سنتِ رسول کی پیروی تو سر آنکھوں پر اور وہ حضرت علی نے مان لی۔ مگر ان کو اس سوال میں فقط زینت کے لئے شامل کر لیا گیا تھا مقصود خلفاء سابقین کی پیروی سے تھا۔ ان دونوں خلفاء کی پیروی وہ کرے جو ان سے علم و فضل میں کم تر ہو۔ وہ دونوں خود تو اپنی مشکلوں میں مشکلکشا کی طرف رجوع کریں۔ حضرت عمر کہیں لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ اور اب یہ دقت آ گیا کہ حضرت علی سے کہا جاتا ہے کہ ان کی پیروی کرنا۔ وہ سب جانتے تھے کہ اس کا جواب حضرت

نفی میں دیں گے اور اس طرح ہمارا مطلب حاصل ہو جائے گا۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ کہ حضرت عثمان کی طرح زبان سے ہاں کر دیتے اور پھر وقت نکل جاتا تو اس پر عمل نہ کرتے حضرت علی کی شان اس سے بہت اعلیٰ وارفع تھی۔ اس بات کا ثبوت کہ عبدالرحمٰن نے اس کو علیؑ کے نکالنے کی ایک ترکیب سمجھ کر استعمال کیا تھا اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ پہلے تو آپ نے فرما دیا کہ لوگو! خاموش ہو جاؤ۔ میں نے اپنے دل میں خلیفہ مقرر کر لیا ہے۔ تم ذرا ٹھہرو۔ اس کہنے کے بعد اور اپنے ذہن میں خلیفہ مقرر کر لینے کے بعد عبدالرحمٰن نے یہ سوال پیش کیا وہ جانتے تھے کہ علی انکار کریں گے اور وہ شخص مان لے گا۔ جس کو میں نے خلیفہ مقرر کر لیا ہے۔ حضرت علی سے یہ سوال پہلے کیوں کیا گیا؟ مقصد یہ تھا کہ حضرت علی کے انکار سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی طرف سے ایک گونہ کدورت پیدا ہو جائے اور پھر عثمان کے اقرار کر لینے سے اُن کی قدر و منزلت و محبت لوگوں کے دلوں میں ایک فوری جذبہ کی طرح پیدا ہو جائے۔ اور اس جذبہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً ہی ان سے بیعت کر لی جائے۔

غرضکہ ثابت ہوا کہ تجویز شوریٰ بھی حضرت عمر کے مقصد سیاست کے حصول کی تدابیر میں سے ایک تدبیر تھی اس سے اسلام میں کیا خرابیاں پھیلیں اور اسلام کو کیا نقصان ہوا؟ ہم باب ششدہم میں بتائیں گے۔

باب نہم

تدبیر دوازدہم تنقیص شان اہل بیت

دُنیاوی سلطنت میں قاعدہ ہے کہ جب ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کی جگہ لیتا ہے تو تمام وہ امراء جماعتیں جو پہلے بادشاہ کے عہد میں با اثر و رسوخ تھیں اس جدید بادشاہ کے معرض عتاب میں آجاتی ہیں اور اس کی کوشش رہتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اُن کو بالکل نیست و نابود کر دیا جائے یا کم سے کم دبا کر رکھا جائے اور اُن کے مقابلہ میں وہ اپنے خیر خواہوں کی علیحدہ جماعت بناتا ہے حضرت عمر نے اس اصول پر نہایت سختی کے ساتھ عمل کیا اور اہل بیت نبوی کو ہر ممکن ذریعے سے لوگوں کی نظروں میں گرانے کی کوشش کی۔ ہر ممکن سختی جو اُن پر ہو سکتی تھی وہ کی گئی۔ جناب فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کو خاص طور سے ازواج نبی خصوصاً حضرت عائشہ و حضرت حفصہ کے مقابلہ میں گرایا گیا۔ یہ حضرت عمر اور اُن کی سیاست کا جزوِ اعظم تھا۔ جناب عمر کی سیاست کا یہ ایک کارنامہ تھا کہ آپ نے اہل بیت رسول کے خلاف صحابہ کا ایسا محاذ قائم کیا جو ہمیشہ باقی رہا

اور جس نے اسلام کو کلی طور سے مسخ کر کے رکھ دیا۔ اہل بیتِ رسالت میں حضرت فاطمہ کی ایک ایسی ہستی تھی جس کی صحابہ کی مستورات میں کوئی نظیر نہ تھی۔ جناب عمر نے اس کمی کو اس طرح پورا کیا۔ کہ اُن کے مقابلہ میں جناب عائشہ کو بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ جناب رسول خدا کی توجہ و محبت ہی باعثِ فضیلت ہو سکتی تھی مگر وہ توجہ و محبت ہی اس وجہ سے ہوتی تھی کہ شخص محبوب واقعی ذاتی فضیلت بھی رکھتا تھا ورنہ جناب علیؑ کے حقیقی بھائی بھی بہت تھے۔ اور حضرت فاطمہؑ کی بیان کیا جاتا ہے کہ حقیقی بہنیں بھی تھیں لیکن جو عزت و احترام و محبت جناب رسول خدا کو عورتوں میں جناب فاطمہ سے تھی اس کا عشر عشیر بھی کسی اور کے ساتھ نہ تھا۔ مگر ان بزرگواروں نے حضرت عائشہ کو کھڑا کر دیا۔ اولاد سے محبت کرنا تو فطری ہے اور اس کا اظہار معیوب نہیں۔ لیکن جناب عائشہ کے ساتھ جو آنحضرت کے ایک مصنوعی عشق کا نقشہ وضعی روایات کے ذریعہ سے پیش کرنا چاہا۔ اس نے ایک نہایت مضحکہ خیز صورتِ حالات پیدا کر دی۔ اس کو تفصیل سے بیان کرنا ہم شانِ نبوت و رسالت کی توہین سمجھتے ہیں۔ جو شخص یہ دیکھنا چاہتا ہے وہ معتبر کتب احادیث مثلاً صحیح بخاری و مسند امام احمد بن حنبل، مستدرک علی الصحیحین وغیرہ دیکھے۔ اگر کوئی آریہ ان میں سے چند کا ترجمہ ایک جگہ جمع کر دیتا ہے تو گردن زدنی سمجھا جاتا ہے مگر جن کتابوں سے وہ نقل کرتا ہے وہ اصح الکتاب بعد کتاب باری سمجھی جاتی ہیں۔ یہ منطق بھی کسی خاص مدرسہ میں پڑھے بغیر سمجھ میں نہیں آتی۔ غرضکہ حضرت عائشہ کو ایسا بڑھایا کہ صدیقہ کا درجہ دیا اور وہ فقہ دین کی معلمہ قرار پائیں لیکن حضرت فاطمہؑ دخترِ رسولؐ کو کچھ بھی نہ سمجھا بلکہ مجبور کیا کہ عدالت میں سر دربار آئیں اور مقدمہ کا حکم اُن کے خلاف سنانے کی خوشی حکومت کو حاصل ہو۔ اُن کو اور اُن کے گواہوں کو عملاً کاذب ٹھہرائیں۔ حضرت عائشہ کے لئے بارہ ہزار درہم سالانہ مقرر ہوتا ہے دیگر اُمہات المومنین میں سے ہر ایک کو دس ہزار درہم سالانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ حضرت فاطمہ کو کچھ نہیں۔ علی و حسنین علیہم السلام کو صرف پانچ ہزار درہم سالانہ دیا جاتا ہے۔ اس تقسیم کی منطق ہماری سمجھ سے باہر ہے اگر یہ کہو کہ چونکہ امہات المومنین بیوگان تھیں ان کو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا اس وجہ سے ان کا وظیفہ مقرر کیا گیا تو اس پر ایک تو یہ اعتراض عائد ہوتا ہے کہ دیگر مسلمانوں نے بھی تو بیوگان چھوڑی تھیں۔ تمام مسلمان بیوگان کو وظیفے ملنے چاہیئے تھے، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر وظیفہ دینا ہی تھا تو ایک اکیلی بیوہ عورت کی ضروریات کے مطابق روپیہ دیا جاتا۔ اس قدر زیادہ رقم کیوں دی گئی۔ اب صرف ایک بحث رہ گئی۔ وہ یہ کہ چونکہ ان کا تعلق جناب رسول خدا سے تھا اس لئے اُن کو یہ امتیاز دیا گیا۔ اگر تعلق و رشتہ کا سوال درمیان میں لاتے ہو تو جناب فاطمہ کا تعلق و رشتہ جناب رسولِ خدا سے نزدیک ترین تھا جناب رسولِ خدا کے زمانہ میں مال غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ ایک حصہ خدا اور رسولؐ

حضرت فاطمہ سے عداوت برتی گئی حضرت عائشہ کو بڑھایا گیا

مالِ غنیمت

نذر

بحضور سید الشہداء خامس آل عبا قتیل العطشان

سردار زمین و زماں جناب امام حسین علیہ السلام

روشن از پرتوِ رویت نظرے نیست کہ نیست
منتِ خاکِ درت بر بصرے نیست کہ نیست

اس بارگاہ منیع و رفیع میں میرا جیسا حقیر و ذلیل گدا باریابی کی امید کرسکے اور اس امید ہی پر صبر نہ کرے۔ بلکہ نذرانہ بھی پیش کرنے کی جرأت کرے یہی نہیں بلکہ اس کے قبول ہونے کی بھی امید رکھے محض آپ کے لطفِ عمیم کی وجہ سے ہے آپ کے اوپر ظلموں کا سلسلہ جو سقیفہ بنی ساعدہ میں شروع ہوا تھا اب تک جاری ہے۔ اگر اس درمیان میں ظلموں کی نوعیت اور ظلم کرنے کے طریقے بدلتے رہے ہیں۔ آپ کی شہادت کے غلط اسباب بیان کرنا اور آپ کی شہادت کے مقصد کو متغیر کرنا تو ایک ایسا ظلم ہے کہ کچھ عرصہ سے جاری ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں یورپی عیسائیوں کی تہذیب کے زیر اثر یہ ظلم زیادہ زور پکڑتا جا رہا ہے۔ لہٰذا ان اوراق پریشاں میں جو میں حضور کی بارگاہ میں نذر کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ آپ کی شہادت کے اصلی اسباب اور آپ کی شہادت کے حقیقی مقصد کو بیان کیا ہے۔ تاکہ جن لوگوں کو خداوند تعالیٰ ہدایت کی توفیق عطا فرمائے ان کے لئے یہ کتاب ذریعہ ہدایت اور میرے لئے ذریعہ نجات ہو جائے۔ حضور کے سامنے اپنے مصائب و آلام بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اس لئے خاموش ہوں۔ جب حضور والا عالم حدود و قیود کے اندر تھے تب ہی حضور کے دروازے سے کوئی سائل محروم نہیں پھرا۔ اب کہ آپ اسی طرح زندہ ہیں اور ان حدود و قیود سے باہر ہیں اور آپ کی طاقتوں اور قدرتوں کا اندازہ اس آپ کی قربانیوں کی عظمت و رفعت سے ہو سکتا ہے جو اس بارگاہ میں پیش کی گئی ہیں جہاں عطا و بخشش کی لہریں خدائی چشمہ فیض سے نکلتی ہیں۔ تو اب میں کیونکر گمان کروں کہ آپ اس سائل کو اپنے دروازے سے محروم موڑ دیں گے جس کے لئے کوئی اور دروازہ کھلا ہوا ہی نہیں۔ لہٰذا اس عقیدت کی کشتی میں اپنی گیارہ سال کی محنت کے پھول البلاغ المبین کی صورت میں لگا کر پیش کرتا ہوں۔ اس تمنا و آرزو کے ساتھ کہ حضور اس ناچیز نذر کو قبول فرمائیں گے اور میرے اس سوال کو رد نہ کریں گے۔

ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

خاکِ کوئے تو بصحرائے قیامت فردا
ہمہ بر فرق سر از بہر مباہات بریم

کا ایک حصہ رسولِ خدا کے ذوی القربیٰ کا ایک حصہ یتیم کا، ایک حصہ مسکین اور ایک حصہ ابن السبیل کا یعنی مسافر کا۔ جنابِ رسولِ خدا اسی طرح مالِ غنیمت کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ مگر حضرت ابوبکر نے اول کے دو حصے بند کر دیئے۔ یعنی نہ تو رسول کا حصہ رکھا اور نہ اہل بیت رسول کو حصہ دیا۔ صرف آخر کے تین حصے باقی رہ گئے مالِ غنیمت آئندہ سے اسی طرح تین حصوں میں تقسیم ہونے لگا۔ دیکھو۔

MOHAMMADAN THEORIES OF FINANCE BY
N.P. AGHNIDS CHAPT. XI P.P. 465-66, 468-69

یہ وہی حضرت ابوبکر ہیں جنہوں نے فدک کے معاملہ میں فرمایا تھا کہ میں جنابِ رسولِ خدا کے طرزِ عمل سے ایک سرِ مو تجاوز نہیں کر سکتا۔ اب یہ تجاوز کیسا؟ مدعا وہی ایک تھا یعنی تنقیص شانِ اہل بیت۔ فدک کے معاملہ میں جہاں اور مقاصد و اغراض زیرِ نظر تھے یہ ایک مدعا بھی تھا کہ لوگوں کو اچھی طرح بتا دیا جائے کہ اہل بیت رسول میں کچھ خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ دیگر صحابہ ان سے زیادہ وقعت رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہ کو ان کے دعوے میں نعوذ باللہ کاذب قرار دیا اور ان کی شہادت کو ناقابلِ اعتبار۔ مگر دیگر صحابہ کو صلائے عام دی گئی کہ جس سے جنابِ رسولِ خدا نے کوئی وعدہ کیا تھا وہ آئے اور پورا کر کے لے جائے۔ چنانچہ لوگ آتے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ مالِ یمن میں سے مجھے آنحضرت نے اتنا اور اتنا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس سے کوئی شہادت طلب نہیں کی جاتی۔ شخص اس کے کہنے پر اس کی خواہش سے سہ گنا اس کو دیا جاتا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ مجھے آنحضرت نے فلاں جاگیر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور شخص اس کے کہنے پر حضرت ابوبکر اس کو دے دیتے تھے نہ شاہد نہ تحریر۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ یہ محض اس لئے کہ اہل بیت کو لوگوں کی نظروں میں بالکل گرا دیا جائے۔ تنقیص شانِ اہل بیت کے لئے اور بھی بہت سے طریقے ان بزرگواروں نے اختیار کئے ہوئے تھے۔ ان میں سے نو کو ہم نے شجرہ مندرجہ صفحہ ۵۶ میں دکھایا ہے۔ اب ایک ایک کر کے ان کا ذکر کرتے ہیں۔

باب دہم

تدبیر سیزدہم۔ مقدمہ فدک

اہل بیت رسول میں سے ہر ایک بزرگوار نے خواہ وہ عورت ہو یا مرد اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے طریقے سے اس طرح دینِ محمدی کی تبلیغ کی ہے کہ ذرا سا غور ہمیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر

دیتا ہے کہ آیہ وافی ہدایہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ کے مقصود یہی ہیں۔ اہل بیت رسول میں سے پہلی شہیدہ مظلوم جناب فاطمہ ہیں۔ جو طریقہ تھا وہ کہ ان کے لئے موزوں تھا اور جو طریقہ تبلیغ کہ ان کی شان کے لائق تھا۔ اس کو انہوں نے اس احسن شکل میں پورا کیا ہے کہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعی یہ بزرگوار سب کے سب خداوند تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے۔ آپ کا کام اپنے اثر میں اپنے شوہر و فرزندوں کے کام سے کسی طرح کم نہ تھا آپ کا یہ کام اپنی نوعیت میں ایسا ہی تھا کہ جیسا جناب رسول خدا کا بستر مرگ پر تحریر وصیت کے لئے قلم و دوات طلب کرنا۔ ان دونوں موقعوں پر حضرت عمر جیسا ذہین اور ذکی شخص چکرا گیا اور کچھ نہ سوجھا کہ کیا کریں۔ پہلے موقعہ پر بھی بات نہ بن سکی اور نہایت بھونڈا فقرہ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَھْجُرُ کہنا ہی پڑا۔ جس نے ان کے دل کی ساری حالت کو عریاں کر کے رکھ دیا۔ یہ فقرہ جو اپنے پیغمبر کی نسبت کہا گیا ہے کس طرح دماغی حالت و بے بسی کو ظاہر کر رہا ہے۔ اسی طرح جناب فاطمہ نے براہِ راست دعوے کر کے فریق مخالف کے اصلی مدعا و مقصد کو ایسا بے نقاب کیا کہ اس کو وہ سیاستِ عمر یہ بھی نہ چھپا سکی جس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔ حضرت فاطمہ نے خود دربارِ خلافت میں اپنا دعویٰ اصالتاً پیش کر کے بحث کے سارے پہلوؤں کو غیر متعلق بنا دیا۔ آپ نے کہا کہ میں یہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ جناب رسولِ خدا نے فدک مجھے ہبہ کر دیا تھا اور یوں بھی وراثت میں مجھ کو ہی پہنچتا ہے میں اپنے دعوے کی صداقت میں ان گواہوں کو پیش کرتی ہوں جن کی شہادت رسالت کی تصدیق کے لئے خداوند تعالیٰ نے کفار کے سامنے پیش کی تھی۔ اب صرف ایک ہی سوال رہ گیا ہے اب بتاؤ تم مجھ کو اور میرے ان گواہوں کو جھوٹا قرار دیتے ہو یا تسلیم کرتے ہو کہ تم ناحق پر ہو۔ دربارِ خلافت سے فیصلہ صادر ہوتا ہے کہ تم اور تمہارے گواہ جھوٹے ہیں۔ آپ نے کہا کہ بس میں نے بھر پایا اور واپس تشریف لے آئیں۔ دیکھنے والی آنکھ، غور کرنے والا دماغ اور حق کو سمجھنے والا دل چاہیئے خود بخود نتیجے نکلتے آئیں گے۔ اس سے بہتر طریقہ تبلیغ کا اس صورتِ حالات کے اندر ہماری سمجھ میں نہیں آتا اس نے فقرہ حسبنا کتاب اللہ کو بھلا دیا۔ جس کے اوپر فریق مخالف کے مذہب و بحث کا دارومدار تھا۔ ایسی عقل گم ہوئی کہ خود ہی اپنے عمل سے اس فقرے کی تردید کرتے ہیں۔ اب اس قرآن کے صریح احکام وراثت کو بھی نظر انداز کرنے پر مجبور ہو گئے جس کی نسبت کہا تھا کہ حسبنا کتاب اللہ۔ اس کتاب اللہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس مقدمے کے فیصلے میں مشکل سے ۵ منٹ لگے ہوں گے۔ اس قلیل عرصہ میں روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ کہ حق کس طرف تھا۔ حضرتِ فاطمہ کا دعویٰ فدک اور دربار خلافت کا انکاری فیصلہ سلطنتِ تاریخیہ میں سے ہے

نتیجہ نتائج

اس واقعہ کا ذکر صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند امام احمد بن حنبل اور دیگر کتب احادیث و تواریخ میں پایا جاتا ہے۔ ہر ایک شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ دعوے پر غور کرے اور دربارِ خلافت کے فیصلہ کی جانچ پڑتال کر کے اپنی رائے قائم کرے کہ آیا دعوےٰ غلط تھا یا دربارِ خلافت کا فیصلہ۔ اگر دعویٰ درست نہیں تھا تو دخترِ رسول علیہا السلام نے کیوں جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور جنابِ علی مرتضیٰ اور جناب حسنین علیہم السلام نے کیوں جھوٹی گواہی دی اور اگر فیصلہ غلط تھا تو دربارِ خلافت سے کیوں غلط فیصلہ صادر کیا گیا۔ واقعہ اس طرح درج ہے۔

حدثنا عبد العزیز بن عبد الله حدثنا ابراهیم بن سعد عن صالح عن ابن شهاب قال اخبرنی عروة بن الزبیر ان عائشة ام المومنین رضی الله عنها اخبرته ان فاطمة علیها السلام بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم سألت ابابکر الصدیق بعد وفات رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یقسم لها میراثها ما ترک رسول الله صلی الله علیه وسلم مما افاء الله علیه فقال لها ابوبکر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا نورث ما ترکنا صدقة فغضبت فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم فهجرت ابابکر فلم تزل مهاجرة حتی توفیت عاشت بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم ستة اشهر قالت وکانت فاطمة تسأل ابابکر نصیبها مما ترک رسول الله صلی الله علیه وسلم من خیبر وفدک وصدقته بالمدینة فابی ابوبکر علیها ذلک وقال لست تارکا شیئا کان

(اسمائے رواۃ عربی میں دیکھو) حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ جناب رسول خداؐ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ نے ابوبکر صدیق سے سوال کیا کہ وہ ان کی میراث کا حصہ اس ترکہ رسولؐ میں سے دے دیں جو خداوند تعالیٰ نے جناب رسولِ خدا کو دیا تھا تو حضرت ابوبکر نے حدیث بیان کی کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پیغمبر لوگ میراث نہیں چھوڑتے ہمارا ترکہ صدقہ ہے۔ اس پر جناب فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر پر بہت غضبناک ہوئیں اور اس کے بعد ابوبکر سے کلام کرنا ترک کر دیا۔ اور ان سے کبھی کلام نہیں کیا یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ چھ مہینے تک زندہ رہیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جناب فاطمہ نے ابوبکر سے آنحضرتؐ کا ورثہ خیبر و حوالی مدینہ میں سے مانگا تھا۔ مگر ابوبکر نے دینے سے انکار کیا اور وہ کہتی ہیں کہ ابوبکر نے کہا کہ میں نہیں چھوڑنے والا اس چیز کا جس کے ساتھ جناب رسولِ خدا عمل کرتے تھے مگر یہ کہ میں بھی اس کے ساتھ وہی عمل کروں گا پس

رسول الله صلی الله علیه وسلم یعمل به الا انی عملت به فانی اخشی ان ترکت شیئاً من امره ان ازیغ فاما صدقته بالمدینه فدفعها عمر الی علی و عباس فاما خیبر و فدك فامسکها عمر وقال هما صدقة رسول الله صلی الله علیه وسلم کانتا لحقوقه التی تعروه ونوائبه وامرهما الی من ولی الامر قال فهما علی ذلك الی الیوم۔

تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ اگر کسی چیز کو جناب رسول اللہ کے امور میں سے چھوڑ دوں تو حق سے باطل کی طرف جاؤں مگر اس کے بعد عمر نے مدینہ کا ورثہ علی و عباس کو دے دیا مگر خیبر و فدک اسی طرح اپنے پاس رکھا اور کہا کہ یہ رسول اللہ کا صدقہ ہیں یہ دونوں آنحضرت کے پاس ان حوادثات کے لئے تھے جو ان کو پیش آتے تھے اور یہ حق ہے اس کا جو حاکم ہووے راوی نے کہا کہ وہ اس کے زمانہ تک اسی طرح ہے۔

صحیح بخاری: کتاب الخمس۔ باب فرض الخمس۔ الجزء الثانی صفحہ ۱۲۴

صحیح بخاری میں اس واقعہ کو کئی جگہ لکھا ہے (۱) کتاب الخمس باب فرض الخمس (۲) کتاب فضائل اصحاب النبی بذیل ذکر العباس بن عبدالمطلب (۳) کتاب المغازی باب حدیث بنی النضیر (۴) کتاب المغازی باب غزوہ خیبر (۵) کتاب الفرائض باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقہ (۶) کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب مایکرہ من التعمق والتنازع فی العلم۔ ایک جگہ واقعہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں

فوجدت فاطمة علی ابی بکر فی ذلك فهجرته فلم تکلمه حتی توفیت و عاشت بعد النبی صلی الله علیه وسلم ستة اشهر فلما توفیت دفنها زوجها علی لیلا ولم یؤذن بها ابوبکر و صلی علیها وکان لعلی من الناس وجهة حیاة فاطمه فلما توفیت استنکر علی وجوه الناس فالتمس مصالحة ابی بکر و مبایعته ولم یکن یبایع تلك الاشهر۔

ابوبکر کے انکار کرنے پر جناب فاطمہ حضرت ابوبکر پر بہت غضبناک ہوئیں اور ان سے کلام کرنا ترک کر دیا اور جب تک زندہ رہیں ان سے نہ بولیں اور بعد رسول خدا کے وہ چھ مہینے زندہ رہیں جب انہوں نے وفات پائی تو ان کے شوہر حضرت علی نے ان کو رات کو دفن کیا اور ابوبکر کو جنازہ پڑھنے کی اجازت نہ دی حضرت علی نے خود نماز پڑھی حیات فاطمہ تک لوگ حضرت علی کا لحاظ کرتے تھے مگر جب انہوں نے وفات پائی تو لوگ حضرت علی سے منحرف ہو گئے اس وجہ سے حضرت علی نے ابوبکر سے مصالحت و بیعت کر لی لیکن ان چھ مہینوں تک بیعت نہیں

صحیح بخاری: کتاب المغازی باب غزوہ خیبر الجزء الثالث صفحہ ۳۳

بالکل اسی طرح صحیح مسلم میں درج ہے دیکھو صحیح مسلم :- کتاب الجہاد والسیر، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ

طبقات ابن سعد میں حضرت فاطمہ کے طلب میراث کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں :-

فابی ابو بکر ان یدفع الی فاطمۃ منھا شیئاً فوجدت فاطمۃ علیھا السلام علی ابی بکر فھجرتہ فلم تکلمہ حتیٰ توفیت وعاشت بعد رسول اللہ ستۃ اشھر اخبرنا محمد بن عمر حدثنی ھشام بن سعد عن عباس بن عبد اللہ بن معبد عن جعفر قال جاءت فاطمۃ الی ابی بکر تطلب میراثھا وجاء ھا العباس بن عبد المطلب تطلب میراثہ وجاء معھما علی فقال ابو بکر قال رسول اللہ لا نورث ما ترکنا صدقۃ وما کان النبی یعول فعلی فقال علیؑ ورث سلیمان داؤد وقال زکریا یرثنی ویرث اٰل یعقوب قال ابو بکر ھو ھکذا وانت تعلم مثل ما اعلم فقال علی ھذا کتاب اللہ ینطق فسکتوا وانصرفوا۔

ابوبکر نے جناب رسولخدا کے ترکہ میں سے جناب فاطمہ کو کچھ بھی نہ دیا اور انکار کر دیا۔ اس وجہ سے جناب فاطمہ ابوبکر پر سخت غضبناک ہوئیں اور ان سے ملنا چھوڑ دیا اور مرتے دم تک ابوبکر سے کلام نہ کیا۔ جناب فاطمہ رسولخدا کے بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں جعفر سے مروی ہے کہ جناب فاطمہ نے حضرت ابوبکر کے پاس آکر اپنی میراث ترکہ رسول سے طلب کی اور عباس نے آکر اپنی میراث طلب کی اور حضرت علی ان دونوں کے ہمراہ آئے۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ ہم پیغمبر ذکی میراث نہیں ہوتی جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور جو جناب رسول خدا کرتے تھے وہی میرے اوپر فرض ہے حضرت علی نے جواب دیا کہ قرآن شریف میں ہے کہ داؤد کا ترکہ سلیمانؑ نے لیا اور زکریا نے دعا مانگی کہ مجھے لڑکا اور وارث دے تاکہ وہ میرا اور آل یعقوب کا ورثہ لے ابوبکر نے کہا کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح تم کہتے ہو لیکن تم جانتے ہو جو میں جانتا ہوں حضرت علی نے کہا کہ یہ تو کتاب خدا ہے۔ جو ہمارے حق میں بول رہی ہے لیکن ابوبکر نے انکار کیا۔ اور تینوں خاموش ہو کر چلے گئے۔

ابن سعد، طبقات الکبریٰ جلد ۲۔ ق ۲۔ صفحہ ۸۶۔

محمد بن جریر طبری :- تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث صفحہ ۲۰۲۔

علامہ بلاذری نے اس معاملہ پر مزید روشنی ڈالی ہے۔

وحدثنا عبد اللہ بن میمون المکتب (اسماء رواۃ عربی عبارت میں ملاحظہ ہو)

قال اخبرنا الفضیل بن عیاض عن مالك
بن جعونه عن ابیه قال قالت فاطمة
لابی بکر ان رسول الله صلی الله علیه
وسلم جعل لی فدك فاعطنی ایاها
وشهد لها علی بن ابی طالب فسئا
لها شاهدًا اخر فشهدت لها ام
ایمن فقال قد علمت یا بنت
رسول الله انه لا تجوز الا
شهادة رجلین او رجل وامرأتین
فانصرفت وحدثنی روح
الکرابیسی قال حدثنا زید بن
الحباب قال اخبرنا خالد بن
طهمان عن رجل حسبه روح
جعفر بن محمد ان فاطمة رضی
الله عنها قالت لابی بکر الصدیق
رضی الله عنه اعطنی فدك فقد
جعلها رسول الله صلی الله علیه
وسلم لی فسألها البینة فجاءت
بأُم ایمن ورباح مولی النبی
صلی الله علیه وسلم فشهدا
لها بذلك فقال ان هذا الامر
لا تجوز فیه الا شهادة رجل
وامرأتین۔

حدثنا ابن عائشة التیمی قال
حدثنا حماد بن سلمه عن محمد
بن السائب الکلبی عن ابی
صالح باذام عن ام هانی ان

مالک بن جعونہ اپنے باپ سے روایت کرتے
ہیں کہ جناب فاطمہ نے ابو بکر سے فرمایا کہ جناب
رسول خدا نے مجھ کو فدک ہبہ کر دیا تھا پس وہ
مجھ کو واپس دے دو اور ان کے دعوے
کی تصدیق میں حضرت علی نے شہادت دی۔
ابو بکر نے دوسرا گواہ مانگا تو ام ایمن نے حضرت
فاطمہ کے دعوے کی تصدیق میں شہادت دی
اس پر ابو بکر نے کہا کہ اے دختر رسول آپ جانتی
ہیں کہ نہیں شہادت قبول کی جاتی لیکن دو مردوں
یا ایک مرد اور دو عورتوں کی یہ سُن کر حضرت فاطمہ
واپس ہوئیں مجھ سے بیان کیا روح الکرابیسی نے
راویوں کے سلسلہ سے حضرت جعفر بن محمد سے فرمایا
انہوں نے کہ جناب فاطمہ نے ابو بکر صدیق سے کہا
کہ مجھے فدک واپس کر دو کیونکہ جناب رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہبہ کر دیا تھا ابو بکر نے
ان سے شہادت طلب کی۔ پس آپ نے ام
ایمن اور رباح غلام رسول خدا صلی اللہ علیہ
وسلم کو شہادت میں پیش کیا اور ان دونوں
نے حضرت فاطمہ کے دعوے کی تصدیق میں
شہادت دی۔ اس پر ابو بکر نے کہا کہ یہ شہادت
تو اس وقت جائز ہو گی کہ جب ایک مرد اور دو
عورتیں شہادت دیں۔

(اسمائے رواۃ عربی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے)
ام ہانی سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ جناب
فاطمہ دختر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت
ابو بکر کے دربار میں آئیں اور کہا کہ جب تم مرد گے

فاطمة بنت رسول الله صلى الله
عليه وسلم اتت ابا بكر الصديق
رضي الله عنه فقالت له من
يرثك اذا مت قال ولدي و
اهلي قالت فما بالك ورثت
رسول الله صلى الله عليه وسلم
دوننا فقال يا بنت رسول الله
والله ما ورثت اباك ذهبا ولا
فضة ولا كذا ولا كذا فقالت
سهمنا بخيبر وصدقتنا فدك
فقال يا بنت رسول الله سمعت
رسول الله صلى الله عليه وسلم
يقول انما هي طعمة اطعمنيها
الله حياتي فاذا مت فهي بين المسلمين۔

تو تمہارا ورثہ کون لے گا۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ
میرے اہل و اولاد لیں گے اس پر حضرت فاطمہ نے
کہا کہ تمہارا کیا حال ہے کہ تم نے جناب رسول خدا
کا ورثہ ہتھیا لیا اور ہم کو نہ دیا۔ ابوبکر نے جواب
دیا کہ میں نے تمہارے باپ سے سونا چاندی
تو ورثہ میں نہیں لیا۔ اور نہ یہ لیا اور نہ وہ لیا
حضرت فاطمہ نے کہا۔ کہ خیبر میں ہمارا حصہ
ہے۔ اور فدک ہماری موہوبہ ملکیت ہے۔
ابوبکر نے کہا کہ اے بنت رسول۔ میں نے
جناب رسول خدا کو کہتے ہوئے سنا تھا
کہ فدک ایک طعمہ ہے۔ جس سے خداوند
تعالٰے زندگی میں مجھے رزق دیتا ہے۔ پس
جب میں مروں گا۔ تو وہ مسلمانوں میں
تقسیم کر دیا جائے گا۔

ابوالحسن البلاذری۔ فتوح البلدان مطبوعہ ۱۳۵۱ھ ہجری ۱۹۳۲ء المطبعۃ المصریہ بالازہر صفحہ ۴۴-۴۵۔

PHILIP KHURI — THE ORIGINS OF THE ISLAMIC STATE PART I PAGE-52

في تاريخ ابن واضح ان فاطمة بنت
رسول الله اتت ابا بكر تطلب ميراثها
فقال لها قال رسول الله لا نورث
ما تركنا صدقة فقالت اني الله ان
ترث اباك ولا ارث ابي اما قال
رسول الله المرء يحفظ و
ولده فبكى ابو بكر بكاءً
شديداً . . . . . .
. . . . . .

تاریخ ابن واضح میں ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے ابوبکر
کے پاس آکر وہ جائداد طلب کی جو انکو رسول اللہ سے
بطور ورثہ پہنچی تھی حضرت ابوبکر نے کہا کہ جناب رسول
خدا نے فرمایا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں جو ہم چھوڑیں
وہ صدقہ ہے حضرت فاطمہ نے جواب دیا کہ کیا خدا کی شان
ہے تو تم تو اپنے باپ کا ورثہ پاؤ اور میں اپنے باپ کا
ورثہ نہ پاؤں کیا رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہر شخص
اپنی اولاد کی حفاظت کرتا ہے یہ سن کر حضرت ابوبکر
بہت شدت سے روئے۔

علامہ ابن حجر مکی حضرت ابوبکر کی وکالت اس طرح کرتے ہیں۔

"دعواها انه صلى الله عليه وسلم

اور جناب فاطمہؑ کا دعوٰے کہ جناب رسول خدا نے

فعلها فدك كالم تات عليها الا بعلي وام
ايمن ولم يكمل نصاب البينة على ان
في قبول شهادة الزوج لزوجته خلافا بين
العلماء وعدم حكمه بشاهد ويمين اما
لعله لكونه ممن لا يراه كثيرين من العلماء
او انها لم تطلب الحلف مع من شهد
لها وزاعمهم ان الحسن والحسين
وام كلثوم شهد والها باطل على ان
شهادة الفرع والصغير غير مقبولة
وسياتي عن الامام زيد ابن الحسن
بن على بن الحسين رضي الله عنهم
انه صوب ما فعله ابو بكر وقال لو
كنت مكانه لحكمت بمثل ما حكم به
وفي رواية تاتي في الباب الثاني ان ابو بكر
كان رحيما وكان يكره ان يغير شيئا
تركه رسول الله صلى الله عليه وسلم
فاتته فاطمه فقالت ان رسول الله صلى
الله عليه وسلم اعطاني فدك فقال
هل لك بينة فشهد لها على وام
ايمن فقال لها فبرجل وامراة
تستحقيها ثم قال زيد والله لو رجع
الامر فيهما الى لقضيت بقضاء ابي
بكر رضي الله عنه وعن اخيه الباقر
انه قيل له اظلمكم الشيخان من حقكم
شيئا فقال لا ومنزل الفرقان على
عبده ليكون للعلمين نذيرا ما ظلما
نا من حقنا ما يزن حبة خردلة

ان کو فدک ہبہ دیا تھا سو اس دعوے پر علی و امّ
ایمن کی شہادت انہوں نے پیش کی لیکن اس سے
شہادت دگواہی کا صحیح درجہ پورا نہیں ہوتا، کیونکہ
علماء میں زوجہ کے حق میں اس کے خاوند کی شہادت
قبول کرنے میں اختلاف ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے
کہ حضرت فاطمہ نے اپنے گواہوں سے حلف پر
شہادت نہ لی ہو۔ لوگوں کا یہ خیال کہ امام حسنؓ و
حسینؓ و ام کلثوم نے بھی تو شہادت حضرت
فاطمہ کے حق میں دی تھی اس وجہ سے باطل ہے کہ
اولاد اور کمسن بچوں کی گواہی اپنے والدین کے حق
میں قابل قبول نہیں۔ امام زید بن حسن بن علی بن الحسین
نے حضرت ابوبکر کے اس فعل کو صحیح سمجھا اور کہا کہ
اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو یہی فیصلہ کرتا۔ ایک روایت
میں ہے کہ جو باب دوم میں لکھی جائے گی کہ زید نے
کہا کہ ابوبکر رحم دل تھے۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ جناب
رسول خدا کے ترکہ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کریں
پس جناب فاطمہ نے ان سے آکر کہا کہ جناب
رسولخدا نے مجھے فدک عطا کر دیا ہے تو ابوبکر نے ان
سے اس دعوے پر شہادت طلب کی پس انکے حق میں
علی و ام ایمن نے شہادت دی اس پر حضرت ابوبکر نے
کہا کہ ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت سے تمہارا
حق ثابت نہیں ہو سکتا اسکے بعد زید نے کہا کہ بخدا
اگر یہی معاملہ میرے سامنے پیش ہوتا تو میں بھی یہی فیصلہ دیتا
جو حضرت ابوبکر نے دیا تھا انکے بھائی امام باقر سے کہا
گیا کہ کیا حضرت ابوبکر و عمر نے تمہارے اوپر ظلم کیا انہوں
نے جواب دیا کہ قرآن شریف کے نازل کرنے والے کی قسم انہوں
نے ہمارے اوپر رائی کے دانہ کی برابر بھی ظلم براہ راست نہیں کیا

ابن حجر مکی :۔ صواعق محرقہ۔ باب الاول۔ فصل الخامس صفحہ ۲۲۔
سید نورالدین سمہودی :۔ وفاء الوفاء الجزء الثانی باب السادس فصل الثانی صفحہ ۱۵۷۔
علامہ ابن حجر ایکی جماعت حکومت کے بہت بڑے مناظر ہیں۔ اور ان کی ساری عمر اسی ہنگل میں کشتیاں کرتے گزری ہے۔ ناظرین نے دیکھ لیا کہ اس مضمون پر باوجود اپنی علمیت و تجربہ کے وہ کیا بحث پیش کر سکے ہیں۔ اس بحث کو ذہن میں محفوظ رکھئے۔ ہم آگے چل کر اس کا جواب دینگے یہاں تو یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ علامہ موصوف مانتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے فدک کا دعوئے ہبہ و وراثت کی بناء پر دربار خلافت میں آن کر پیش کیا اور اس دعوے کی تصدیق کے لئے حضرت علیؑ و حسنینؑ و ام ایمن و ام کلثوم کو شہادت میں پیش کیا مگر حضرت ابوبکر نے سب کو جھوٹا تصور کر کے دعوائے مسترد کر دیا۔ شرح مواقف میں بھی یہ ہی بحث کی گئی ہے

فان قیل ادعت فاطمة انه نحلها ای اعطاها فدك نحلة و شهد علیه علی والحسن والحسین و ام کلثوم والصحیح ام ایمن فرد ابوبکر شهادتهم فیکون ظالماً قلنا اما الحسن والحسین فللفرعیة لان الشهادة الولد لا یقبل لاحد ابویه واجداده عند اکثر اهل العلم وایضاً هما کانا صغیرین فی ذلك الوقت واما علی وام ایمن فلقصورهما عن نصاب البینة وهو رجلان او رجل وامرأتان۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جناب فاطمہ نے دعوائے کیا کہ جناب رسول خدا نے انہیں فدک ہبہ میں دے دیا تھا اور اس دعوے کی شہادت حضرات علی و حسن و حسین و ام کلثوم نے دی اور ان کی شہادت کو حضرت ابوبکر نے رد کر دیا اور اس وجہ سے وہ ظالم ہوئے تو ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حسن و حسین کے متعلق تو یہ ہے کہ اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک اولاد کی شہادت اپنے والدین کے حق میں مقبول نہیں دوسرے یہ کہ وہ صغیر السن تھے اور حضرت علی و ام ایمن کے متعلق یہ جواب ہے کہ ان دونوں سے نصاب شہادت پورا نہیں ہوتا کیونکہ نصاب شہادت یہ ہے کہ یا تو دو مرد گواہی دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں۔

کتاب الاکتفاء میں ابراہیم بن عبداللہ الوصابی اور کتاب محلی میں ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں۔

یروی ان علی ابن ابی طالب رضی الله عنه شهد لفاطمه عند ابی بکر الصدیق ومعه ام ایمن فقال له ابوبکر لو شهد معك رجل او

منقول ہے کہ حضرت ابوبکر کے سامنے جناب علی مرتضیٰ اور اُن کے ساتھ ام ایمن نے حضرت فاطمہ کے حق میں شہادت دی تھی اس پر حضرت ابوبکر نے حضرت علی سے کہا کہ اگر تمہارے ساتھ

امرأة اخری لقضیت لہا — ایک مرد شہادت دیتا یا ایک اور عورت شہادت
بذالک — دیتی تو میں فاطمہ کے حق میں اس دعوے کا فیصلہ کر دیتا

اس واقعہ کے تمام حوالہ جات کو ایک جگہ جمع کرنے سے ناظرین کو سہولت ہو گی۔ یہ واقعہ اسی طرح مندرجہ ذیل کتب میں درج ہے۔

صحیح بخاری :۔ کتاب الخمس باب فرض الخمس (۲) کتاب فضائل اصحاب النبی بذیل ذکر العباس بن عبد المطلب (۳)، کتاب المغازی باب حدیث بنی النضیر (۴) کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر (۵) کتاب الفرائض باب قول النبی لا نورث ما ترکنا صدقۃ (۶) کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ باب مایکرہ من التعمق والتنازع فی العلم۔

صحیح مسلم :۔ کتاب الجہاد والسیر۔ باب قول النبی لا نورث ما ترکنا صدقۃ

سنن ترمذی :۔ کتاب ۱۹۔ باب ۴۴

سنن ابی داؤد :۔ کتاب ۱۹۔ باب ۱۸۔

کنز العمال علی متقی۔ الجزء الثالث حرف الخاء۔ کتاب الخلافت باب اول صفحہ ۱۲۵۔ حدیث ۲۲۲۹؛ صفحہ ۱۲۹ حدیث ۲۲۵۸ - ۲۲۵۹ - ۲۲۶۰؛ صفحہ ۱۳۳۔ حدیث ۲۲۸۶؛ صفحہ ۱۳۴ حدیث ۲۲۹۰؛ صفحہ ۱۳۵ حدیث ۲۲۹۷، صفحہ ۱۳۶ حدیث ۲۳۰۹، ۲۳۱۰؛ الجزء الرابع صفحہ ۵۲۔ حدیث ۱۰۸۶۔

مسند امام احمد حنبل :۔ الجزء الاول صفحہ ۴ - ۶ - ۹ - ۱۰ - ۱۳

فتوح البلدان بلاذری :۔ مطبوعہ مصر صفحہ ۴۴ - ۴۵ -

ابن سعد :۔ طبقات الکبری جلد ۲۔ ق ۲۔ صفحہ ۸۶ الجزء الثامن صفحہ ۱۸۔

تاریخ طبری :۔ الجزء الثالث صفحہ ۲۰۲۔

ابن حجر مکی :۔ صواعق محرقہ باب الاول فصل الخامس صفحہ ۲۲۔

سید نور الدین سمہودی :۔ وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ الجزء الثانی باب السادس فصل الثانی صفحہ ۱۵۷، ۱۶۰۔

ریاض النضرہ محب الدین طبری :۔ الجزء الاول القسم الثانی الفصل الثانی عشر ذکر اقتفاءہ آثار النبوۃ واتباعہ اماہا۔ صفحہ ۱۳۰ باب الخامس من قسم الاول صفحہ ۲۴۔

تفسیر کبیر امام رازی :۔ در تفسیر آیہ وما افاء اللہ علی رسولہ منہم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب۔

سیرۃ الحلبیہ :۔ الجزء الثالث صفحہ ۱۵۹، صفحہ ۳۹۹۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ الجزء الرابع صفحہ ۸۶ - ۸۷ - ۱۰۰ تا ۱۰۳ - ۹۳ - ۸۳ -

اشعار

چند اشعار والد بزرگوار آغا محمد سجاد مرزا صاحب طالب کے اثبات ہستی خداوند تعالیٰ میں تبرکاً نقل کرتا ہوں۔

ہے عالم سے خدا کا علم ہوتا
یہ دفتر وا ہے اس کی معرفت کا

نمایاں اس کی حکمت ہے شجر میں
بن و شاخ و گل و برگ و ثمر میں

ہیں جلوے اس کی قدرت کے یہ سارے
مہ و خورشید و سیارے ستارے

کہانی رات دن اپنی ہیں کہتے
بنایا ہم کو ہے یعنی خدا نے

یہ کوئل ہے جو کرتی رہتی کو کو
تلاش اس کو ہی کرتی ہے وہ ہر سو

فدا جو جان پر پروانہ ہے کرتا
ہے اس کے نور کے دھوکے میں مرتا

یہ انسان ہے جو اصلاً خاکی پتلا!
گواہی اس کی صنعت کی ہے دیتا

ہیں اس کی ہستی کی دیتے گواہی
زمین سے آسماں تک مرغ و ماہی

غرض جو کچھ کہ ہے ارض و سما پر
وہ ہے سب دال ہستیٔ خدا پر

اے ملحد بے خرد بے جاں ہے فطرت
کہاں سے اس میں آئی خالقیت

نہیں ہٹ دھرمی لازم مرد عاقل
تو عاقل ہو کے کیوں بنتا ہے جاہل

خدا کا ہے جو شخص انکار کرتا
بلا شک ہے ضلالت کا وہ پتلا

حیات اس کی ہے جیسے شپرک کی
ہے تاریکی میں عمر اس کی گزرتی

ہے دن روشن مگر اس کو اندھیرا
نظر آتا ہے رخ جس سمت پھیرا

قضیہ لانہ ملحد خیر و شر کا
قیامت کا بھی گر شک تو نہ اصلا

محکِ امتحاں یہ خیر و شر ہے
کہ جانچا جاتا اس سے ہر بشر ہے

کیا جس نے عدم سے ہم کو پیدا
کریگا حشر بھی سن وہ ہی برپا

زمین سے ہے اگاتا جو کہ سبزا
وہ ہی بے شک ہمیں زندہ کریگا

ہے بس یہ سہل سب خالق کے آگے
بنائے جس نے ہیں اعجوبے ایسے

الٰہی ایسا اپنا نور چمکا
کہیں رہوے نہ شرک و کفر اصلا

یہی طالب کی یارب اب دعا ہے
کہ ملحد بھی لگے کہنے خدا ہے

روضۃ الاحباب :- جلد اول صفحہ ۲۳۴

ان کی وصیت کے مطابق حضرت فاطمہ کو رات کو دفن کیا اور حضرت ابوبکر کو جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ صحیح بخاری :- کتاب المغازی باب غزوہ خیبر طبقات ابن سعد :- الجزء الثامن ذکر فاطمہ صفحہ ۱۹ مستدرک علی الصحیحین :- الجزء الثالث ذکر فاطمہ صفحہ ۱۶۲

حضرت عائشہ کو بھی جنازے پر نہ آنے دیا۔ الاستیعاب :- ابن عبد البر جلد ۲ صفحہ ۷۷۲

عن ام جعفر ان فاطمة رضی اللہ عنہا قالت لاسماء بنت عمیس ۔ ۔ ۔ فاذا انامت فاغسلینی انت وعلی ولا یدخل علی احد غیرك فلما توفیت جاءت عائشة تدخل فقالت اسماء لاتدخل فشکت الی ابی بکر فقالت ان ھذا لخثعمیة تحول بیننا و بین بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد جعلت لھا مثل ھودج العروس فجاء ابو بکر رضی اللہ عنہ فوقف وقال یا اسماء ما حملك علی ان منعت ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدخلن علی بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعلت لھا مثل ھودج العروس فقالت امرتنی ان لا یدخل علیھا و اریتھا ھذا الذی صنعت وھی حیة فامرتنی ان اصنع ذلك لھا فقال ابو بکر رضی اللہ عنہ اصنعی ما امرتك فانصرف وغسلھا علی واسماء اخرجہ ابو عمرو واخرجہ

ام جعفر کہتی ہیں کہ جناب فاطمہ نے اسماء بنت عمیس سے کہا کہ ۔ ۔ ۔ جب میں مر جاؤں تو تم اور علی مجھ کو غسل دیں اور اپنے سوا اور کو میرے جنازے پر نہ آنے دینا پس جب حضرت فاطمہ کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ آئیں مگر اسماء بنت عمیس نے ان کو جنازہ پر نہ آنے دیا حضرت عائشہ نے ابوبکر سے جا کر شکایت کی کہ یہ خثعمیہ ہمارے اور بنت رسول کے درمیان حائل ہوتی ہے۔ اور ایک ہودج مثل ہودج عروس جنازے کے لئے بنایا ہے پس ابوبکر آئے اور باہر ہی ٹھہر گئے اور کہا کہ اے اسماء تو کیوں ازواج رسول کو بنت رسول کے جنازہ پر آنے سے روکتی ہے اور کیوں جنازہ کے لئے دلہن کا سا ہودج بنایا ہے۔ اسماء نے کہا کہ حضرت فاطمہ نے مجھے وصیت کی تھی۔ کہ ان کے جنازے پر کوئی اور نہ آوے۔ اور ایسا ہودج میں نے ان کی زندگی میں انہیں بنا کر دکھایا تھا اور انہوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ایسی ہودج میں ان کا جنازہ رکھوں۔ ابوبکر نے کہا کہ اچھا تم کرو جو تم کو انہوں نے وصیت کی ہے یہ کہہ کر واپس چلے گئے اور جسدِ اطہر کو علی اور اسماء نے غسل دیا۔

ابو عمر و دولابی نے بھی اخراج اسی روایت

الله ولا بی معناه محضرًا کا کیا ہے۔

حسین دیار بکری ۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی صفحہ ۳۱۳۔

واقعہ تو ہم کو معلوم ہو گیا۔ اب اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے۔ اس قضیہ کے مختلف پہلو یہ ہیں۔

(۱) فدک کیونکر حاصل ہوا۔ اور زمانہ رسول خدا میں کس کی ملکیت میں تھا۔ (۲) محرک ہبہ کیا تھا یعنی جناب رسول خدا نے کیوں ہبہ کیا۔ (۳) کیا بطور امر واقعہ ہوا یا نہیں (۴) بوقت رحلت رسول فدک پر قبضہ کس کا تھا۔

شق اوّل۔ حصول وملکیت فدک

یوں تو جو مابین زمین و آسمان ہے وہ خدا کا ہے اور اس کے رسول کی ملکیت میں تھا۔ مگر دنیاوی قواعد و عدل کے بموجب خداوند تعالے نے یہ اصول مقرر فرما دیا کہ جو ملک یا جاگیر یا مالِ غنیمت مسلمانوں کی مشترکہ کوشش و جد و جہد سے حاصل ہو۔ اس میں مسلمانوں کا بھی حِصّہ ہے لیکن جو زمین یا ملک جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بغیر مسلمانوں کی امداد کے حاصل ہو جائے محض ان کی ملکیت ہوگا۔ اس میں مسلمانوں کا حصہ نہیں یہ قاعدہ ان الفاظ میں مقرر کیا گیا وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ پارہ ۲۸ سورۃ الحشر ع۔ ترجمہ :۔ اور جو مال حق تعالے نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے لڑے بغیر عنایت کیا ہے تو اس پر نہ تو تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں نہ اونٹ۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس جس پر چاہتا ہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر (پوری پوری) قدرت رکھنے والا ہے۔

اب دیکھیں کہ فدک کس طرح حاصل ہوا تھا۔

قالوا:۔ بعث رسول الله صلی الله علیه وسلم الی اهل فدك منصرفه من خیبر محیصه بن مسعود الانصاری یدعوهم الی الاسلام ورئیسهم رجل منهم یقال له یوشع بن نون الیهودی فصالحوا رسول الله صلی الله علیه وسلم علی نصف الارض بتربتها فقبل ذلك منهم فكان نصف فدك خالصًا لرسول الله صلی الله

خیبر سے واپسی کے وقت جناب رسولِ خدا نے محیصہ بن مسعود الانصاری کو اہل فدک کے پاس دعوت الی الاسلام دینے کے لئے بھیجا۔ ان کا رئیس یوشع بن نون یہودی تھا۔ پس ان لوگوں نے جناب رسول خدا کو نصف اراضی فدک دے کر مصالحت کر لی اور آنحضرت ؑ نے اس کو منظور کر لیا۔ پس یہ نصف فدک جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا۔ کیونکہ اس کے حصول کے لئے مسلمانوں نے اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے

علیه وسلم لانه لم یوجف المسلمون
علیه بخیل ولا رکاب۔
حدثنا الحسین بن الاسود قال حدثنا
یحیی بن آدم قال حدثنا ابن ابی زائدة
عن محمد بن اسحاق عن الزهری و
عبد الله بن ابی بکر و بعض ولد محمد
بن مسلمة قالوا بقیت بقیة من اهل
خیبر تحصنوا وسالوا رسول الله
صلی الله علیه وسلم ان یحقن
دماءهم ویسیرهم فسمع بذلک
اهل فدک فنزلوا علی مثل ذلک
وکانت فدک لرسول الله صلی الله علیه
وسلم خاصة لانه لم یوجف المسلمون
علیها بخیل ولا رکاب وحدثنا الحسین
عن یحیی بن آدم عن زیاد البکائی عن
محمد بن اسحاق عن عبد الله بن ابی
بکر بنحوه زاد فیه وکان فیمن مشی
بینهم محیصة بن مسعود۔

تھے۔
ابوالحسن البلاذری:۔ فتوح البلدان صفحہ ۴۲
(اسماء رواۃ عربی عبارت میں ملاحظہ ہوں)
زہری و عبداللہ بن ابی بکر اور محمد بن مسلمہ کی
بعض اولاد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اہل
خیبر میں جو باقی رہ گئے تھے وہ قلعہ میں پناہ
گزیں ہو گئے اور جناب رسول خدا صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم سے مصالحت کی درخواست کی کہ
ان کو قتل و اسیر نہ کیا جائے، جب اہل فدک نے
یہ سنا تو انہوں نے بھی جناب رسول خدا سے مصالحت
کر لی پس اس وجہ سے فدک بالکل خالص ملکیت
جناب رسول خدا کی تھی کیونکہ مسلمانوں نے اس
کے حصول کے لئے گھوڑے اور اونٹ نہیں
دوڑائے تھے۔ اور یہی روایت دوسرے
طرق سے مروی ہے۔ اس میں الفاظ زیادہ ہے
کہ محیصہ بن مسعود کو جناب رسول خدا صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم اور اہل فدک کے درمیان بات
چیت کے لئے بھیجا گیا تھا۔

ابوالحسن البلاذری:۔ فتوح البلدان صفحہ ۴۳۔
حسین دیار بکری:۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی صفحہ ۶۴۔
ابن الاثیر الجزری:۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی صفحہ ۸۵۔
ابوالفداء:۔ تاریخ الجزء الاول صفحہ ۱۴۸۔
علامہ سہیلی:۔ روض الانف الجزء الثانی صفحہ ۲۴۷۔
ابن ہشام:۔ سیرۃ النبی الجزء الثالث صفحہ ۴۰۸۔
محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث صفحہ ۹۵-۹۶۔
خود حضرت عمر فدک کو جناب رسول خدا کی خاص ملکیت سمجھتے تھے۔ چنانچہ مولوی شبلی نعمانی
نے اس کو تسلیم کیا ہے ہم الفاروق سے مولوی شبلی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

"عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مجمع عام میں جو تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ۔۔ الآیۃ استدلال کر کے صاف کہہ دیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں چنانچہ فی کے ذکر میں یہ بحث گزر چکی ہے البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ آنحضرت کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عمرؓ اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے۔ آیت یہ ہے"

وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ يَّشَاءُ۔

اور جو کچھ ان لوگوں سے (یعنی یہودی بنی نضیر سے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلایا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ فکانت خالصۃ لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری باب الخمس اور باب المغازی اور باب المیراث میں بتفصیل مذکور ہے

مولوی شبلی۔ الفاروق مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۹۰۰ء حصہ دوم صفحہ ۲۵۶، ۵۷، شق دوم

تحریک ہبہ واقعہ ہبہ۔

ہمیں مولوی شبلی مرحوم کا قول یاد ہے کہ تمام مورخین اسلام سُنّی المذہب ہوئے ہیں۔ اندریں صورت جب حضرت ابوبکر نے فیصلہ صادر کر دیا کہ حضرت فاطمہ کا دعویٰ فدک کی بابت جھوٹا تھا تو اب ان مورخین کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ لکھ دیتے کہ حضرت فاطمہ کو آنحضرت نے فدک عطا کیا تھا۔ لیکن حق کی صفت ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ حق بین نظریں چاہئیں۔ حق موجود ہے۔

واخرج البزار وابو یعلی وابن ابی حاتم وابن مردویہ عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال لما نزلت ھذہ الآیۃ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ دعا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاطمۃ واعطاھا فدک

البزار ابو یعلی وابن ابی حاتم وابن مردویہ نے اپنے اپنے طریقے سے ابو سعید الخدری سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ (پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۳) تو جناب رسول خدا نے فاطمہ کو بلایا اور فدک ان کو ہبہ کر دیا۔ اور

واخرج ابن مردویہ عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال لما نزلت وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ اقطع رسول اللّٰہ صلی

ابن مردویہ نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ تو جناب رسول خدا نے فدک جناب فاطمہ

اللہ علیہ وسلم فاطمہ فدکا۔ کو عطا کر دیا۔

جلال الدین سیوطی :۔ کتاب الدر المنثور الجزء الرابع صفحہ ۱۷۷

معلوم ہوا کہ جماعت حکومت کے اتنے جلیل القدر علماء یعنی البزار، ابو یعلی، ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے ثابت کیا ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فدک جناب فاطمہ کو ہبہ کر دیا۔ اور اس کی وجہ آیت وَآتِ ذَالقربیٰ حقہٗ تھی۔ تاریخ حبیب السیر میں درج ہے

"در مقصد اقصیٰ بدیں عبارت مزبور است کہ بعضے گویند حضرت رسالت بسوئے فدک امیر المومنین علی را فرستاد مصالحت بر دست امیر واقع شد۔ بہ آں نہج کہ امیر قصد خون ایشاں نہ کند و حوائط خاص از آنِ رسول باشد۔ پس جبرائیل فرود آمد و گفت حق تعالےٰ مے فرماید کہ حق خویشاں بدہ۔ رسول گفت خویشانِ من کیستند و حق ایشاں چیست۔ جبرائیل گفت فاطمہ است حوائط فدک بدو وہ و آنچہ از آں خدا و رسول است در فدک ہم بدو دہ پیغمبر علیہ السلام فاطمہ را بخواند وازہ برائے او حجتے نوشت وآں وثیقہ بود کہ بعد از وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر پیش ابوبکر آورد و گفت ایں کتاب رسولِ خدا است کہ از برائے من و حسنؑ و حسینؑ نوشتہ است۔"

ترجمہ :۔ مقصد اقصیٰ میں درج ہے کہ جناب رسولِ خدا نے حضرت علی کو فدک کی طرف روانہ کیا اور حضرت علی سے اہلِ فدک نے اس طرح صلح کر لی کہ جناب امیر ان کو قتل نہ کریں اور فدک کی اراضیات خاص ملکیت رسول ہو دیئے پس جبرئیل امین از جانب رب العلمین نازل ہوئے اور کہا کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق دے دو جناب رسول خدا نے فرمایا کہ وہ خاص قریبی رشتہ دار میرے کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے جبرئیل نے کہا کہ فاطمہ۔ پس حوالی فدک ان کو دے دو اور نیز جو خدا اور رسول کا حصّہ فدک میں ہے وہ بھی ان کو دے دو۔ اس پر جناب رسولِ خدا نے فاطمہؑ کو طلب کیا اور ان کے لئے فدک کا عطیہ کر کے ایک وثیقہ تحریر کر دیا اور یہ وہ وثیقہ تھا جو بعد وفات رسول حضرت فاطمہ ابوبکر کے پاس لائیں اور اُسے دکھا کر کہا کہ یہ تحریر رسول خدا میرے اور حسنؑ و حسینؑ کے حق میں ہے

تاریخ حبیب السیر :۔ جلد اول جزء سوم صفحہ ۵۸

مُلا معین کاشفی :۔ معارج النبوۃ رکن چہارم باب دہم درمیان وقائع سال ہفتم از ہجرت واقعہ سیز دہم علی المتقی۔ کنز العمال فی صلۃ الرحم من کتاب الاخلاق۔

شق چہارم۔ قبضۂ فدک بوقت وفات رسول صلعم ہمارے لئے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہم نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے کہ جو کچھ ثابت کریں کتب جماعت حکومت سے ثابت کریں۔ اور جماعت

حکومت کی کتابوں میں حضرت ابوبکر کے فعل کی ملامت ملنی دشوار ہے۔ لیکن جس طرح ہم نے حق کے جواہر ریزوں کو ان خاک کے تودوں سے چھان کر نکالا ہے۔ اس کی داد ہمیں امید ہے کہ اہل حق ضرور دیں گے۔ روایاتِ سابقہ سے ظاہر ہے کہ خداوند تعالےٰ کی طرف سے جناب رسول خدا مامور تھے کہ فدک حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دیں اور شرع اسلامی کا یہ حکم صاف ہے کہ تبدیل قبضہ واہب کی طرف سے موہوب الیہ کی طرف ضروری ہے۔ لہٰذا نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خدا نے اپنے شرع پر ضرور عمل کیا ہوگا اور قبضہ موہوب الیہا کو دے دیا ہوگا۔ بہت سی روایات میں ہے کہ ان ابابکر انتزاع من فاطمہ فدک یعنی حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ سے فدک کا قبضہ چھین لیا۔

اما ما ذکرہ المجد من ان فاطمہ ادعت نحلۃ فدک فروی ابن شیبہ ما یشھد لہ عن النمیر بن حسان قال قلت لزید بن علی . . . . . ان ابا بکر انتزع من فاطمہ فدک۔

مجد نے جو حضرت فاطمہ کے دعوے کے متعلق لکھا ہے اس کی بابت یہ ہے کہ ابن شیبہ روایت کرتا ہے نمیر بن حسان سے وہ کہتا ہے کہ میں نے زید بن علی سے کہا . . . . . کہ ابوبکر نے فاطمہ سے فدک کا قبضہ چھین لیا۔

سید نور الدین سمہودی :- وفاء الوفا باخبار دار المصطفےٰ الجزء الثانی باب السادس صفحہ ۱۶۱۔

حضرت علی نے اپنے عامل کو تحریر کیا۔

بلی کانت فی ایدینا فدک من کل ما اظلتہ السماء فشحت علیھا نفوس قوم وسخت عنھا نفوس اخرین ونعم الحکم اللہ . . . .

. . . .

ہاں فدک ہمارے قبضہ خاص میں تھا۔ ہمارے سوائے آسمان کے نیچے جو بھی ہے اس کا فدک سے کچھ تعلق نہ تھا پس قوم کے چند لوگوں نے اسکی بابتہ بخل کیا اور اس کی وجہ سے بہتوں کے دل میں آگ لگی اور ہم سے چھین لیا، مگر سب سے بہتر حکم کرنے والا خدا ہے۔

نہج البلاغہ :- مطبوعہ مصر دار الکتب العربیۃ الکبریٰ الجزء الثانی صفحہ ۹۳ من کتاب لہ الی عثمان بن حنیف عامل بصرہ

اور خود حضرت عمر کے قول سے تو اس قصتیہ کا فیصلہ ہی ہو جاتا ہے۔

ثم توفی اللہ نبیّہٗ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابو بکر انا ولی رسول اللہ فقبضھا ابو بکر۔

پھر خداوند تعالےٰ نے اپنے نبی کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا پس ابوبکر نے کہا کہ میں رسول خدا کا ولی ہوں، اس پر انہوں نے فدک کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

صحیح بخاری :- باب الخمس وباب المغازی - قول عمرؓ نیز دیکھو :

الفاروق مولوی شبلی حصہ دوم صفحہ ۲۵۸

امور واقعات متفرقہ	حبب بنو نضیر کو جلا وطن کیا گیا تو ان کی اراضیات بھی اسی طرح خاص ملکیت

بنو نضیر کی مثال

رسول قرار پائیں۔

حدثنا الحسین بن الاسود قال حدثنا یحیی بن ادم قال حدثنا سفیان عن الزھری قال کانت اموال بنی النضیر مما افاء اللہ علی رسولہ ولم یوجف المسلمون علیہ بخیل ولا رکاب فکانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالصۃ فقسمھا بین المھاجرین ولم یعط احدا من الانصار منھا شیئا الا رجلین کانا فقیرین سماک بن خرشہ ابادجانہ وسھل بن حنیف۔

(اسماء رواۃ عربی میں ملاحظہ ہوں) بنی نضیر کے اموال ان میں سے تھے جن کو خدا وند تعالے نے اپنے رسول کو عطا کیا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں نے اس کے حصول کے لئے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ پس وہ خالص ملکیت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ آپ نے اس کو تقسیم کر کے مہاجرین کو بانٹ دیا۔ انصار میں سے کسی کو سوائے دو شخصوں کے کچھ نہیں ملا وہ دو شخص فقیر تھے یعنی سماک بن خرشہ ابو دجانہ اور سہل بن حنیف۔

فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۳

فکانت اموال بنی النضیر خالصۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان یزرع تحت النخل فی ارضھم فیدخل من ذلک قوت اھلہ وازواجہ سنۃ وما فضل جعلہ فی الکراع والسلاح واقطع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ارض بنی النضیر ابابکر وعبدالرحمن بن عوف واباوجانہ سماک بن خرشہ الساعدی وغیرھم۔

اموال و جائداد بنی نضیر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی واحد ملکیت میں تھے اور آنحضرتؐ کھجوروں کے نیچے کی زمین کاشت کراتے تھے اور اس کی پیداوار سے اپنے اہل و عیال کے لئے خوراک مہیا کرتے تھے۔ اور جو ایک سال کے بعد بچ رہتا تھا اس سے سلاح حرب خرید لیتے تھے۔ اور جناب رسول خدا نے اراضیات بنی نضیر میں سے زمینیں حضرت ابوبکر و عبدالرحمن بن عوف و ابودجانہ سماک بن خرشہ الساعدی وغیرہم کو ہبہ کر دی تھیں۔

فتوح البلدان بلاذری۔ صفحہ ۳۱۔

صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد والسیر باب حکم النفی الجزء الخامس صفحہ ۱۵۲۔

وحدثنا الحسین قال حدثنا یحیی بن ادم قال اخبرنا قیس بن الربیع عن ھشام بن عروہ عن ابیہ قال اقطع رسول

(اسمائے رواۃ عربی میں ملاحظہ ہوں) ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو

عطاء اراضیات بنی نضیر بحضرت ابوبکر و عبدالرحمن بن عوف و ابودجانہ وغیرہم

حضرت [illegible] کو اراضیات عطا کر دیں

الله صلی الله علیه وسلم الزبیر بن العوام
ارضاً من ارض بنی النضیر ذات نخل و
حدثنا الحسین قال حدثنا یحیی قال
حدثنا یزید بن عبد العزیز عن هشام
بن عروه عن ابیه قال اقطع رسول الله
صلی الله علیه وسلم من اموال بنی النضیر
واقطع الزبیر وحدثنی محمد بن سعد
کاتب الواقدی حدثنا انس بن عیاض
وعبد الله بن نمیر قالا حدثنا هشام
بن عروه عن ابیه ان النبی صلی الله علیه
وسلم اقطع الزبیر ارضاً من اموال بنی النضیر
فیها نخل وان ابابکر اقطع الزبیر الجرف قال
انس فی حدیثه ارضاً مواتاً وقال عبد الله بن
نمیر فی حدیثه وان عمر اقطع الزبیر العقیق اجمع

فتوح البلدان بلاذری۔ صفحہ ۳۴

نضیر کی اراضیات میں سے کھجوروں والی
زمین زبیر بن العوام کو ہبہ کر دی روایت
بطریق دیگر سے بھی یہی مروی ہے۔ نیز
ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت
کرتے ہیں۔ کہ ابوبکر نے زبیر کو جُرف
عطا کر دیا تھا۔

دوسری روایت میں ہے۔ کہ
عمارات کے لائق بنجر زمین
ہبہ کی۔ اور عبداللہ بن نمیر
کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ
نے ساری وادی عقیق
حضرت زبیر بن
العوام کو ہبہ
کر دی۔

وحدثنی عمرو بن محمد الناقد قال
حدثنا سفیان بن عیینه عن معمر
عن الزهری عن مالک بن اوس بن
الحدثان قال قال عمر بن الخطاب کانت
اموال بنی النضیر مما افاء الله علی رسوله
ولم یوجف المسلمون علیه بخیل ولا
رکاب فکانت له خالصة فکان ینفق
منها علی اهله نفقه سنة و ما بقی
جعله فی الکراع والسلاح عدة فی
سبیل الله۔

فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۳

عمرو بن محمد الناقد نے روایت کی سفیان بن عیینہ
سے اس نے معمر سے اس نے زہری سے، اور
زہری نے مالک بن اوس بن الحدثان سے۔ وہ
کہتا ہے کہ جناب عمر بن الخطاب نے بنونضیر کے
اموال ان اشیاء میں سے تھے جو جناب رسول خداؐ کی
واحد اور خاص ملکیت میں تھیں مسلمانوں نے
اس کے حصول کے لئے اونٹ اور گھوڑے
نہیں دوڑائے اس وجہ سے وہ رسول خداؐ کی خالص و
واحد ملکیت میں تھے اور آنحضرتؐ اپنے اہل و عیال پر
ایک سال تک اس کو خرچ کرتے تھے جو بچ رہتا تھا
اس سے فی سبیل اللہ اسلحہ خرید لیتے تھے۔

جناب فاطمہ علیہا السلام کے دعوے میں فدک کے علاوہ خمس خیبر بھی شامل تھا جو ورثہ کے

طور پر جناب فاطمہ طلب فرماتی تھیں۔ لہذا ہم اس کا بھی ذکر کیئے دیتے ہیں۔

حدثنی الحسین بن الاسود قال حدثنا یحیی بن ادم قال حدثنا زیاد بن عبداللہ بن طفیل عن محمد بن اسحق قال سألت بن شہاب عن خیبر فاخبرنی انہ بلغہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افتتحہا عنوۃ بعد القتال وکانت مما افاء اللہ علی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فخمسہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و قسمہا بین المسلمین۔

(اسمائے رواۃ عربی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے) ابن شہاب کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے خیبر کے چند قلعوں کو جدال و قتال کر کے فتح کیا تھا۔ اور چند قلعے ایسے تھے کہ بغیر لڑائی کے خداوند تعالے نے اپنے رسول کو دے دیئے تھے۔ لہذا اس میں سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خمس علیحدہ لے لیا اور باقی خیبر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۴

حضرت ابوبکر کا معمولی طریقہ قضایا فیصلہ کرنے کا

اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر عام طور سے ایسے تنازعات کس طرح فیصلہ کیا کرتے تھے حضرت ابوبکر کے زمانہ میں مدینہ میں چند اصحاب مقرر تھے جو مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔ تاریخ طبری الجزء الرابع صفحہ ۵۰۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر بھی مقدمات فیصلہ کرتے تھے۔ لیکن وہ اس طرح کہ مسجد میں اکابر صحابہ بلائے جاتے تھے اور ان کے مشورہ سے مقدمات فیصلہ ہوا کرتے تھے۔

اخبرنا محمد بن عمر الاسلمی نا جاریۃ بن ابی عمران عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابیہ ان ابابکر الصدیق کان اذا نزل بہ امر یرید فیہ مشاورۃ اہل الرای واہل الفقہ دعا رجالا من المہاجرین والانصار دعا عمر وعثمان وعلیا وعبدالرحمن بن عوف ومعاذ بن جبل وابی بن کعب و زید بن ثابت وکل ہؤلاء کان یفتی فی خلافۃ ابی بکر وانما تصیر فتوی الناس الی ہؤلاء فمضی ابوبکر علی ذلک۔

(اسمائے رواۃ عربی میں ملاحظہ ہوں) عبدالرحمن ابن قاسم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کے پاس کوئی مشکل مقدمہ آتا تھا جس میں وہ اہل شوریٰ سے مشورہ کرنا چاہتے تھے تو مہاجرین و انصار میں سے اصحاب کو طلب کر لیتے تھے۔ اکثر عمر و عثمان و علی و عبدالرحمن بن عوف و معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت کو بلایا کرتے تھے۔ یہ سب لوگ خلافت ابی بکر میں علیحدہ علیحدہ بھی فتوے دیتے تھے۔ یہ حالات اسی طرح پر رہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر نے وفات پائی۔

طبقات ابن سعد :۔ جلد ۲ ۔ ق ۲ ۔ صفحہ ۱۰۹

عبد السلام ندوی :۔ تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۱۶۹ ۔ ۱۷۰ ۔

صحابہ کے اس قسم کے دعوے حضرت ابوبکر کس طرح فیصلہ کرتے تھے

حدثنا علی بن عبد الله حدثنا اسمٰعیل بن ابراهیم قال اخبرنی روح بن القاسم عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لی لو قد جاء نا مال البحرین قد اعطیتك هکذا وهکذا وهکذا فلما قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم وجاء مال البحرین فقال ابوبکر من کانت له عند رسول الله صلی الله علیه وسلم عدة فلیاتنی فاتیته فقلت ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قد کان قال لی لو قد جاءنا مال البحرین لاعطیتك هکذا وهکذا وهکذا فقال لی احثه فحثوت حثیة فقال لی عدها فعددتها فاذا هی خمسمائة فاعطانی الف وخمسمائة

جابر ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو ہم تم کو اتنا و اتنا و اتنا دیں گے جب جناب رسول خدا نے انتقال فرمایا اور ان کے بعد بحرین کا مال آیا تو ابوبکر نے کہا کہ جن جن سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ وعدہ کیا ہے وہ میرے پاس آئیں ۔ جابر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر کے پاس گیا ۔ اور ان سے کہا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو ہم تم کو اتنا و اتنا و اتنا دیں گے اس پر حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ اس مال میں سے ایک لپ بھر لو ۔ میں نے ایک لپ بھر لی تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ اس کو شمار کر لو میں نے شمار کیا تو وہ پانچ سو تھے ۔ پس حضرت ابوبکر نے مجھ کو پندرہ سو عنایت کیے ۔

صحیح بخاری ، کتاب الخمس باب ما قطع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من البحرین وما وعد من المال البحرین الجزء الثانی صفحہ ۱۳۵ ۔

طبقات ابن سعد :۔ جلد ۲ ۔ ق ۲ ۔ صفحہ ۸۸ ۔

حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا عبد الرزاق اخبرنی معمر ان ابن جریج اخبره عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن عبد الله بن عمرو بن العاص ان زنباعا ابا روح وجد غلاما له مع جاریة له فجدع انفه وجبه

(اسماء رواۃ عربی میں ملاحظہ فرمائیے) عبد اللہ ابن عمرو بن العاص کہتا ہے کہ زنباع والد روح نے اپنے غلام کو اپنی لونڈی کے پاس پایا ۔ پس اس نے غلام کی ناک کاٹ ڈالی ۔ جب وہ غلام جناب رسول خدا کے سامنے آیا تو آنحضرت نے فرمایا کہ تیرے ساتھ کس نے کیا ہے ۔ اس

باب اوّل

حضرتِ علیؑ کو خلافت سے محروم کرنے کی مختلف تدبیریں

اور

اُن کی کامیابی کے وُجوہات

بزم ترا شمع و گل خستگیٔ بوتراب — ساز ترا زیر و بم واقعۂ کربلا — غالب

انزلنی الدّاھر ثمّ انزلنی — حتّٰی قیل علیٌ و معاویہ — علیؑ

البلاغ المبین جلد اوّل سے آگے:

اب ہم اپنے سلسلہ بیان میں ان واقعات تک پہنچے ہیں جنہوں نے اسلام میں مصیبت عظمیٰ اور رزیۂ کبریٰ برپا کر دی اور ایک ایسا رخنۂ عظیم پیدا کر دیا جس کا اثر قیامت تک باقی رہے گا۔ اسلام اور اسلام والوں پر ان چودہ صدیوں میں ہر قسم کی مصیبتیں آتی رہیں اور گزرتی رہیں۔ سانحۂ کربلا بھی تاریخ اسلام ہی کا واقعہ ہے۔ وہ ایک ایسا دلگداز، روح فرسا آلام و مصائب سے بھرا ہوا واقعہ تھا کہ تاریخ عالم میں نہ اس سے پہلے کبھی ایسا واقعہ گزرا اور نہ آئندہ گزرے گا۔ یہ بھی ایک مصیبت عظیم ہی تھی کہ وہ سلطنت جس کی عظمت و وسعت و جلالت و صولت کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں پائی جاتی۔ ایسی ملیامیٹ ہوئی کہ گویا کبھی تھی ہی نہیں۔ یہ ساری مصیبتیں گزر گئیں لیکن پیغمبر اسلام کے عین رحلت کے دن جب کہ آپؐ کا جسم اطہر بے غسل و کفن پڑا ہوا تھا سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا اسلام کے لئے ان تمام مصائب و آلام و آفات سے کہیں زیادہ تھا کیونکہ یہ مصائب و آلام اسی سبب کے نتیجے تھے اور آئندہ کی تمام آفتوں اور فتنوں کا وہی ایک سرچشمہ تھا۔ وہی مطلع تھا ان تمام فتنوں کا جنکی پیشین گوئی جناب رسول خداؐ نے نہایت صاف الفاظ میں فرمائی تھی اور جن کے ذکر کے لئے ہر ایک حدیث کی کتاب میں ایک علیحدہ باب کتاب الفتن کے نام سے قائم کیا گیا ہے ہم ان احادیث کا ذکر صحیح بخاری و صحیح مسلم و کنز العمال اور مسند احمد حنبل کے حوالہ سے جلد اوّل میں کر چکے ہیں یہ مصیبت عظمیٰ کیا تھی؟ وہ مصیبت یہ تھی کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات نے امت اسلامیہ کا رُخ خدا اور رسول کے مقرر و منتخب کردہ ہادیوں اور راسخون فی العلم، عالمان قرآن و حاملان کتاب الٰہی کی طرف سے پھیر کر دوسرے لوگوں کی طرف کر دیا جاہ پرستی و حکومت پرستی کا سبق اسی دن وہاں پڑھایا گیا وہ آج تک امت محمدیہ کے افعال و طرز عمل کا محرک و باعث بنا ہوا ہے اختلافات و فرقہ بندی کا ایسا راستہ کھل گیا کہ آج تک بند نہ ہوا۔ ہر ایک کے حوصلے بڑھ گئے اور اس طرح اتنے مدعیان خلافت و نبوت اور اتنے فرقے پیدا ہو گئے کہ وہ اسلام جو فرقہ بندی مٹانے آیا تھا خود فرقہ بندی کا شکار ہو

فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال من فعل ھذا بک قال زنباع فدعاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما حملک علی ھذا فقال کان من امرہ کذا وکذا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم للعبد اذھب فانت حر فقال یا رسول اللہ فمولی من انا قال مولی اللہ ورسولہ فاوصی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلمین قال فلما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاء الی ابی بکر فقال وصیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال نعم نجری علیک النفقۃ وعلی عیالک فاجراھا علیہ حتی قبض ابوبکر فلما استخلف عمر جاءہ فقال وصیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم این ترید قال مصر فکتب عمر الی صاحب مصران یعطیہ ارضاً یاکلھا۔

نے جواب دیا کہ زنباع نے، آپ نے زنباع کو بلا کر اُس سے پوچھا کہ تو نے یہ کیوں کیا۔ اس نے غلام کا سارا ماجرا بتایا اس پر آنحضرت نے غلام سے فرمایا کہ جا تو آزاد ہے غلام نے کہا کہ میں کس کا غلام آزاد کردہ اپنے تئیں سمجھوں آپ نے فرمایا کہ خُدا اور رسُول کا تو غلام آزاد کردہ ہے گویا آنحضرت نے لوگوں کو اس کی نسبت وصیت کی۔ جب جناب رسولِ خُدا کا انتقال ہوا تو وہ غلام ابوبکر کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ سے رسولِ خُدا نے یہ کہا تھا۔ ابوبکر نے کہا کہ اچھا ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اور تیرے اور تیرے عیال کے نان ونفقہ مقرر کرتے ہیں چنانچہ مقرر کر دیا جب ابوبکر کا انتقال ہوا۔ اور عمر کو گدی ملی تو وہ غلام اسی طرح حضرت عمر کے پاس آیا اور دعویٰ کیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ کہاں کی جاگیر چاہتا ہے اُس نے کہا۔ مصر کی۔ تو انہوں نے عامل مصر کو لکھا کہ اس کو کچھ زمین دے دو کہ وہ کھائے۔

مسند امام احمد بن حنبل رہ الجزو الثانی ۔ صفحہ ۱۸۲۔

حضرت ابوبکر نے فدک کا وثیقہ جناب فاطمہؑ کے حق میں لکھ دیا لیکن حضرت عمرؓ نے

(خدا ان سے بہت خوش ہو) حضرت فاطمہؑ کے ہاتھ سے لے کر چاک کر دیا۔

وفی کلام سبط ابن الجوزی رحمۃ اللہ انہ رضی اللہ عنہ کتب لھا بفدک و دخل علیہ عمر رضی اللہ عنہ فقال ما ھذا فقال کتاب کتبتہ لفاطمۃ بمیراثھا من ابیھا فقال ماذا تنفق علی المسلمین وقد حاربتک العرب کما تری ثم

سبط ابن الجوزی کی تحقیق ہے کہ حضرت ابوبکر نے فدک کا وثیقہ حضرت فاطمہؑ کو لکھ دیا۔ لیکن اسی وقت حضرت عمر وہاں آگئے اور پوچھا کہ یہ کیا ہے حضرت ابوبکر نے کہا کہ یہ وثیقہ ہے جو میں نے فاطمہؑ کے حق میں اس کے باپ کی میراث فدک کی بابت لکھا ہے حضرت عمر نے کہا

حضرت عمرؓ وثیقہ فدک کو چاک کر دیتے ہیں

اخذ عمر الکتاب فشققہ
علی بن برہان الدین الحلبیہ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون الجزء الثالث ۳۶۱

که پھر تو مسلمانوں کو کہاں سے کھلائیگا دیکھتا نہیں کہ تمام عرب تجھ سے جنگ پر آمادہ ہے پس حضرت عمرؓ نے وہ وثیقہ چھین کر پھاڑ ڈالا۔

حضرت فاطمہ کی منزلت خُدا اور رسول خُدا کے نزدیک

آیۂ تطہیر و آیۂ مباہلہ کا ذکر ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے مناقب بہت زیادہ ہیں یہاں ان کا تفصیل سے ذکر کرنا ناممکن ہے۔ اختصار کے ساتھ ہم صرف اشارۃً لکھ دیتے ہیں۔

فاطمۃ بضعۃ منی من اغضبھا اغضبنی

یعنی فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔

بخاری :۔ الجزء الثانی۔ صفحہ ۲۰۰، ۲۰۵
فتح الباری :۔ الجزء السابع صفحہ ۸۲

قال رسول اللہ لعلی و فاطمہ والحسن والحسین انا حربٌ لمن حاربھم وسلمٌ لمن سالمھم۔

یعنی جناب رسولِ خُدا نے حضرت علی و فاطمہ و حسنؑ و حسینؑ کی نسبت فرمایا کہ میں اس سے لڑائی رکھتا ہوں جو ان سے لڑائی رکھے اور اس سے صلح رکھتا ہوں جو ان سے صلح رکھے۔

اشعۃ اللمعات : شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد چہارم صفحہ ۳۸۳ مطبوعہ بمبئی۔

احب الناس الی رسول اللہ فاطمۃؑ

یعنی حضرت فاطمہؑ تمام لوگوں سے زیادہ جناب رسولؐ خُدا کو عزیز تھیں۔

اور یہ قول حضرت عائشہ کا ہے۔

اشعۃ اللمعات :۔ جلد چہارم صفحہ ۳۸۴ مطبوعہ بمبئی۔
مستدرک علی الصحیحین :۔ الجزء الثانی کتاب التفسیر صفحہ ۱۴۹، الجزء الثالث صفحہ ۱۵۵، ۱۵۷
مسند احمد حنبل :۔ الجزء الخامس صفحہ ۴۲
مسند ابی داؤد طیالسی :۔ صفحہ ۸۸
مصابیح السنۃ ۔ الجزء الثانی صفحہ ۲۸۲

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول شخص یدخل الجنۃ علی و فاطمۃ بنت محمد

یعنی ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سب سے پہلے بہشت میں علی و فاطمہ علیہما السلام داخل ہوں گے۔

نور الابصار :- صفحہ ۴۱۔

قال اذا کان یوم القیمة قیل یا اھل الجمع غضوا ابصارکم حتی تمر فاطمة بنت محمد رسول اللہ فتمر و علیھا حلتان خضراوان نھی اول من یکسی

اسعاف الراغبین :- صفحہ ۱۲۰ و ۱۲۱

یعنی فرمایا جناب رسول خدا نے کہ بروز قیامت لوگوں سے کہا جائیگا کہ اے اہل محشر اپنی آنکھیں بند کر لو تاکہ فاطمہ بنت محمد رسول اللہ گزر جائیں پس وہ گزر جائینگی اور آپ دو حلے سبز پہنے ہونگی اور آپکو سب سے پہلے لباس پہنایا جائیگا

مسند احمد حنبل :- الجزء الرابع صفحہ ۳۲۳ و ۳۳۲

مستدرک علی الصحیحین : الجزء الثالث صفحہ ۱۵۳ و ۱۶۱۔

فاطمة سیدة النساء اھل الجنة۔ یعنی فاطمہ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

اشعۃ اللمعات :- جلد چہارم صفحہ ۳۸۰، ۳۹۲ مطبوعہ بمبئی۔

نزل الابرار :- صفحہ ۴۵ و ۴۶۔

مستدرک علی الصحیحین ، الجزء الثالث صفحہ ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۶۰

یا فاطمة ان اللہ یغضب لغضبکِ و یرضی لرضائکِ۔ یعنی اے فاطمہ خدا تیرے غضب سے غضب ناک ہوتا ہے اور تیری رضا سے راضی ہوتا ہے۔

نزل الابرار :- صفحہ ۴۴

مستدرک علی الصحیحین۔

اذا رجع من السفر بدأ بالمسجد ثم یاتی فاطمة۔ یعنی جب آنحضرتؐ سفر سے واپس تشریف لاتے تھے تو پہلے مسجد میں ہو کر جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے

مستدرک :- الجزء الثالث صفحہ ۱۵۵

اذا سافر النبی کان آخر الناس عھدا فاطمة یعنی جب رسول خدا سفر کو جاتے تھے تو سب سے آخر تک جناب فاطمہ کے ساتھ رہتے تھے۔

مستدرک : الجزء الثالث صفحہ ۱۵۶

جب حضرت فاطمہ تشریف لاتی تھیں تو جناب رسول خدا کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔

مستدرک ؛ الجزء الثالث صفحہ ۱۶۰ و ۱۶۱

روضۃ الندیہ :- صفحہ ۴ و لغایت ۱۰۰۔

اپنے رشتہ داروں کا درد آنحضرت صلعم کے دل میں

رشتہ داروں کا درد آنحضرت صلعم کے دل میں

عن ابن عباس رضی اللہ عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاصحابه یومئذٍ انی قد عرفت ان رجالاً

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب جنگ بدر کے لئے آراستہ ہوئے تو جناب رسول خدا نے اپنے اصحاب سے کہا کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ بنو ہاشم

من بنی ھاشم وغیرھم قد اُخرِجُوا کرھا لاحاجۃ لھم بقتالنا فمن لقی منکم احدًا من بنی ھاشم فلا یقتلہ ومن لقی بالبختری بن ھشام بن الحارث بن اسد فلا یقتلہ ومن لقی العباس بن عبد المطلب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا یقتلہ فانہ انما اخرج مستکرھا قال فقال ابو حذیفہ انقتل اباءنا وابناءنا واخواننا وعشیرتنا ونترک العباس واللہ لئن لقیتہ لالحمنہ السیف۔

وغیرہ کو مجبور کر کے ہمارے خلاف جنگ کے لئے کفار لائے ہیں ان کو ہم سے جنگ کرنے کی ضرورت نہیں لہذا اگر تم میں سے کوئی بنو ہاشم کے مقابلہ میں آئے تو ان کو قتل نہ کرے اور جو ابو البختری بن ہشام بن حارث بن اسد سے ملے تو اسے قتل نہ کرے اور جو عباس سے ملاقی ہو تو وہ اُسے قتل نہ کرے کیونکہ ان کو زبردستی سے ان کی مرضی کے خلاف کفار لائے ہیں ابن عباس کہتے ہیں کہ اس پر ابو حذیفہ نے کہا کہ خوب ہم اپنے آباء واجداد بھائیوں اور رشتہ داروں کو تو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں واللہ اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اس کو تلوار کے گھاٹ اتار دوں گا۔

ابن ہشام: سیرۃ النبی الجزء الثانی صفحہ ۲۶۹۔
ابن کثیر:۔ البدایہ والنہایہ فی التاریخ الجزء الثالث صفحہ ۲۸۴۔
تاریخ طبری:۔ الجزء الثانی صفحہ ۲۸۲۔
شرح زرقانی علی مواہب اللدنیہ:۔ الجزء الاول صفحہ ۴۳۹

عن عبد اللہ ابن عباس قال لما امسی القوم من یوم بدر والاساری محبوسون فی الوثاق بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساھرا اول لیلۃ فقال لہ اصحابہ یا رسول اللہ مالک لا تنام فقال سمعت تضور العباس فی وثاقہ قال فقاموا الی العباس فاطلقوہ فنام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عبد اللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ جنگ بدر کی شام ہوئی اور کفار کے قیدیوں کو مسلمانوں نے زنجیروں سے جکڑ دیا تو جناب رسول خدا کو بڑی رات گئے تک نیند نہ آئی۔ اصحاب نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ کو کیا ہوا ہے کیوں نیند نہیں آتی آپ نے فرمایا کہ مجھے عباس کے کراہنے کی آواز بے چین کر رہی ہے اس لئے نیند نہیں آتی عبد اللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ لوگ اُٹھے اور عباس کو کھول دیا۔ پھر جناب رسول خدا آرام سے سو گئے۔

تاریخ طبری:۔ الجزء الثانی صفحہ ۲۸۸۔
تاریخ ابن کثیر: شامی الجزء الثالث صفحہ ۲۹۹
شرح زرقانی علی مواہب اللدنیہ: الجزء الاول صفحہ ۴۴۴
اردو ترجمہ تاریخ خلدون:۔ جلد سوم صفحہ ۸۷۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت لما بعث اھل المکۃ فی فداء اسراھم بعثت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی فداء ابی العاص ابن الربیع بمال وبعثت فیہ بقلادۃ لہا کانت خدیجۃ ادخلتہا بہا علی ابی العاص حین بنی علیہا قالت فلما رآھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم رق لہا رقۃ شدیدۃ وقال ان رایتم ان تطلقوا لہا اسیرھا وتردوا علیہا ما لہا فافعلوا فقالوا نعم یا رسول اللہ فاطلقوہ وردوا علیہا الذی لہا۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب (جنگ بدر کے بعد) اہل مکہ نے اپنے اسیروں کا فدیہ بھیجا تو زینب دختر رسول خدا نے اپنے شوہر ابوالعاص کے فدیہ کے لئے مال بھیجا اور اس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ نے (ابوالعاص کے نکاح کے وقت) زینب کو دیا تھا حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب جناب رسولخدا نے وہ ہار دیکھا تو آپ شدت سے رونے لگے۔ اور کہا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کو اس کا اسیر یعنی ابوالعاص کو بھی رہا کر دو اور اس کا مال بھی واپس کر دو۔ ان لوگوں نے کہا کہ بہتر، اور ابوالعاص کو رہا کر دیا اور زینب کا مال بھی واپس کر دیا۔

ابن ہشام:۔ سیرۃ النبی الجزء الثانی

تاریخ طبری:۔ الجزء الثانی صفحہ ۲۹۱

تاریخ ابن کثیر شامی:۔ الجزء الثالث صفحہ ۳۱۲۔

شرح زرقانی علی مواہب اللدنیہ الجزء الاول صفحہ ۵۱م

اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد سوم صفحہ ۸۹۔

مامون نے فیصلہ ابوبکر کو رد کر دیا ہے۔

مامون عباسی کو مذہبی اور تاریخی مسائل پر گفتگو کرنے اور بحث سننے کا شوق تھا چنانچہ حضرت ابوبکر کے اس فیصلہ فدک کا بھی اس نے بہت مطالعہ کیا اور فریقین کی بحث سنی۔ آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت ابوبکر کا فیصلہ غلط تھا۔ فدک وغیرہ آنحضرت نے حضرت فاطمہ کو عطا کر دیا تھا اور ان کا ہی حق تھا چنانچہ اس نے ایک فرمان جاری کیا کہ فدک اولاد فاطمہ کو واپس کر دیا جائے اس فرمان کو ہم فتوح البلدان بلاذری سے نقل کرتے ہیں۔ یہ بروز بدھ بتاریخ ۲/ماہ ذی قعدہ ۲۱۰ھ جاری ہوا تھا۔

ولما کانت سنۃ عشر ومائتین امر امیر المومنین المامون عبد اللہ بن ھارون الرشید بدفعہا الی ولد فاطمہ وکتب بذلک الی قثم بن جعفر عاملہ علی المدینۃ۔ اما بعد

جب ۲۱۰ھ ہجری ہوا تو امیر المومنین مامون عبد اللہ ابن ہارون الرشید نے حکم دیا کہ فدک اولاد فاطمہ علیہا السلام کو دے دیا جائے۔ یہ حکم نامہ اس نے اپنے عامل مدینہ قثم بن جعفر کو لکھا۔ اما بعد

فان امیر المومنین بمکانه من دین الله و
خلافته رسوله صلی الله علیه وسلم و
القرابة به اولی من استن سنته و نفذ
امره وسلم لمن منحه منحة و
تصدق علیه بصدقة منحته و صدقته
وبالله توفیق امیر المومنین
وعصمته و الیه فی العمل بما
یقربه الیه رغبة وقد کان رسول
الله صلی الله علیه وسلم اعطی فاطمه بنت رسول
الله صلی الله علیه و سلم فدك و
تصدق بها علیها و کان ذلك امرا ظاهرا
معروفا لا اختلاف فیه بین ال رسول
الله صلی الله علیه وسلم ولم تزل تدعی
منه ما هو اولی به من صدق علیه
فرای امیر المومنین ان یردها الی
ورثتها و یسلمها تقربا الی الله تعالی
باقامة حقه وعدله والی رسول الله
صلی الله علیه وسلم بتنفیذ امره
وصدقته فامر باثبات ذلك فی دواوینه
والکتاب به الی عماله فلان کان ینادی
فی کل موسم بعد ان قبض الله
نبیه صلی الله علیه وسلم ان
یذکر کل من کانت له صدقة او
هبة او عدة ذلك فیقبل قوله و
ینفذ عدته ان فاطمة رضی الله
عنها لاولی بان یصدق قولها فی
ماجعل رسول الله صلی الله علیه

امیر المومنین کا اپنی اس حیثیت کے موجب جو اسے
دین الٰہیہ میں حاصل ہے اور بطور خلیفہ و جانشین
و قرابت دار رسول اللہؐ کے یہ فرض ہے کہ جناب
رسول خداؐ کے طریقہ پر عمل کرے اور ان کے احکام
کو جاری کرے اور جو شئے یا صدقہ رسول خداؐ
نے کسی کو عطا کیا ہے امیر المومنین بھی وہ شئے یا صدقہ
اس شخص کو دیوے۔ امیر المومنین کی پرہیزگاری
و توفیق سب خدا کی طرف سے ہے اور امیر المومنین
کی یہ خاص خواہش ہے کہ وہ کام کرے جس سے
رضائے خداوندی حاصل ہو۔ بہ تحقیق کہ جناب رسول خدا
نے اپنی دختر فاطمہؑ کو فدک ہبہ کیا تھا اور بطور ملکیت
کے دے دیا تھا اور یہ ایک ایسا صاف صریح واقعہ
ہے کہ جس میں جناب رسول خداؐ کے رشتہ داروں میں
سے کسی کو اختلاف نہیں ہے پس امیر المومنین اس
کو حق سمجھتے ہیں کہ فدک جناب فاطمہؑ کے ورثا کو واپس
دیدیں تاکہ خداوند تعالیٰ کی صفت عدل و حق کو
قائم کر کے اس کا تقرب حاصل کریں اور جناب رسول
خداؐ کے احکام کو جاری کر کے ان سے سرخروئی حاصل
کریں لہٰذا امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ یہ واپسی
فدک رجسٹروں میں لکھی جائے اور یہ احکام تمام
عمال کے پاس بھیجے جائیں جب سے جناب رسول خدا
نے رحلت فرمائی ہے یہ رسم رہی ہے کہ موسم حج پر تمام
لوگوں کو دعوت دی جاتی تھی کہ جس کسی کو جناب
رسول خداؐ نے کچھ صدقہ دیا ہے یا ہبہ کیا ہے وہ آکر
بیان کرے اور اس کا قول قبول کیا جاتا تھا اس
صورت میں جناب فاطمہ علیہا السلام زیادہ حقدار
ہیں کہ ان کا قول دوبارہ ہبہ فدک منجانب رسول اللہ

وسلم لها وقد كتب امير المومنين
الى المبارك الطبرى مولى امير المومنين
يامره برد فدك على ورثة فاطمة بنت
رسول الله صلى الله عليه وسلم بحدودها
وجميع حقوقها المنسوبة اليها وما
فيها من الرقيق والغلات وغير
ذلك وتسليمها الى محمد بن يحيى بن
الحسين بن زيد بن علىؑ بن الحسين
بن علىؑ بن ابى طالب ومحمد بن عبد الله
بن حسنؑ بن علىؑ بن ابى طالب لتوليه
امير المومنين اياهما القيام بها لاهلها
فاعلم ذلك من رأى امير المومنين وما
الهمه الله من طاعته ووفقه له من
التقرب اليه والى رسوله صلى الله عليه
وسلم واعلمه من قبلك وعامل محمد
بن يحيى ومحمد بن عبد الله بما كنت
تعامل به المبارك الطبرى وعنهما
على ما فيه عمارتها ومصلحتها ووفور
غلاتها انشاء الله والسلام وكتب يوم
الاربعاء لليلتين خلتا من ذى القعدة
سنة عشر ومائتين فلما استخلف
المتوكل على الله رحمه الله امر بردها الى
ما كانت عليه قبل المامون رحمه الله

صلی اللہ علیہ وسلم قبول کیا جائے ۔ بہ تحقیق کہ امیر
المومنین نے اپنے غلام مبارک طبری کو حکم لکھا
ہے کہ فدک حضرت فاطمہ کے وارثوں کو واپس
دیدے مع اس کی تمام حدود و حقوق و پیداوار
و غلاموں کے یہ واپس دے دے محمد بن یحییٰ بن
حسین بن زید بن علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب
اور محمد بن عبد اللہ بن حسنؑ بن علیؑ بن ابی طالب کو
ان دونوں کو امیر المومنین نے اس اراضی کے مالکان
یعنی ورثائے جناب فاطمہ علیہما السلام کی طرف سے
ایجنٹ و کارکن مقرر کیا ہے پس تم کو معلوم ہونا چاہیئے
کہ یہ امیر المومنین کی رائے ہے اور یہ وہ ہے جو
خداوند تعالےٰ کی طرف سے انہیں حکم ہوا ہے
تاکہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی رضا حاصل کی جاوے جو تمہارے ماتحت
ہیں ان کو بھی اس سے آگاہ کر دو محمد بن یحییٰ و
محمد بن عبد اللہ کے ساتھ بھی وہی عمل کرو۔ جو
اس سے پہلے امیر المومنین کے کارکن مبارک طبری
کے ساتھ کرتے تھے اور ان دونوں کو وہ مدد پہنچاؤ جس
سے اس اراضی کی زرخیزی و پیداوار و منافع میں اضافہ
ہو مشیت ایزدی کا اجرا ہو والسلام مورخہ دو چہار شنبہ
ذیقعدہ ۲۱۰ ہجری ۔ جب متوکل خلیفہ ہوا تو اس نے پھر
فدک ورثائے فاطمہؑ سے چھین کر اس کی پہلی حالت
پر پہنچا دیا جو قبل مامون کے تھی ۔

ابو الحسن البلاذری :- فتوح البلدان صفحہ ۴۶ - ۴۷ ۔

علامہ شہرستانی اپنی کتاب الملل والنحل میں ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اسلام
میں تفرقہ و رخنۂ عظیم پیدا کر دیا ۔ اوّل وجہ رخنہ و تفرقہ تو انہوں نے واقعہ قرطاس و قلم میں حضرت
عمر کے انکار کو لکھا ہے ۔ جب انہوں نے حسبنا کتاب اللہ کہہ کر جناب رسول خدا کو وصیت لکھنے

سے منع کیا۔ دوسری وجہ اختلاف تجہیز جیش اسامہ کی نافرمانی۔ تیسرا اختلاف قول عمر کہ آنحضرت نے انتقال نہیں فرمایا، چوتھا اختلاف مقام دفن رسول، پانچواں اختلاف تفرقہ در خصوص واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ بیان کیا ہے۔ جہاں جناب ابوبکر نے اہل بیت رسول و دیگر اکابر مہاجرین کی آنکھیں بچا کر اپنے لیے انصار سے بیعت لے لی۔ اور چھٹی وجہ تفرقہ یہ فیصلہ بکری بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں

الخلاف السادس فی امر فدك والتوارث عن النبی علیہ السلام ودعوی فاطمہ علیہا السلام وراثۃ تارۃ وتملیکا اخری حتی دفعت عن ذلك بالروایۃ المشہورۃ عن النبی نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنہ صدقۃ

چھٹا اختلاف معاملہ فدک، و جناب رسول خدا علیہ السلام کی وراثت اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کا دعویٰ وراثتاً و نیز بروئے تملیک یہاں تک کہ آپ کے اس دعوے کو مشہور روایت نحن معاشر الانبیاء ۔۔۔ الخ سے رد کیا گیا۔

کتاب الملل والنحل شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ ہجری مطبوعہ مصر الجزء الاول صفحہ ۱۰۔

مقدمۂ فدک پر بحث

اب ہم اس قضیۂ فدک پر شہادت کو زیر نظر رکھ کر بحث کرتے ہیں۔ ناظرین کو چاہیئے کہ بغیر تعصب مذہبی کے ہماری اس بحث کو غور سے مطالعہ کریں۔

اس سب سے پہلے ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کو اس مقدمہ کا اختیار سماعت ہی حاصل نہ تھا۔ حضرت فاطمہ کا دعویٰ حضرت ابوبکر کے خلاف تھا یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت کے خلاف تھا۔ جس کے والی حضرت ابوبکر تھے دونوں طرح سے وہ اس تنازعہ کے فریق ثانی یعنی مدعا علیہ تھے۔ کسی قوم کے قانون میں عقل کے کسی قاعدہ کی رو سے انصاف کے کسی پہلو سے مدعا علیہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خود ہی اس دعوے کو فیصلہ کرنے بیٹھ جائے جو اس کے خلاف ہو۔ حضرت ابوبکر کو چاہیئے تھا کہ جس طرح وہ اور مقدمات کو دیگر صحابہ کے مشورہ سے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اس مقدمہ کو بھی مسجد میں تمام مسلمانوں کی مجلس میں اس دعوے کو پیش کرتے یا اس کے فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرر کر دیتے۔ ہندوستان کے قانون کو دیکھو جو عیسائیوں نے رائج کیا ہے۔ حکومت کے خلاف جو دعویٰ ہوتا ہے۔ اس کو خود گورنمنٹ یا گورنر فیصلہ نہیں کرتا۔ بلکہ حکومت مدعا علیہ ہوتی ہے اور عدالت دیوانی فیصلہ کرتی ہے۔ اس کا گورنر پابند ہوتا ہے۔ کیا فقہ اسلامی اس سے بھی گیا گزرا تھا۔ جماعت حکومت کے علماء کی نظر ادھر تو گئی کہ اولاد کی شہادت والدین

کے حق میں قبول نہ ہونی چاہیئے۔ لیکن مذہبی تعصب نے انہیں یہ نہ دیکھنے دیا کہ مدعا علیہ خود دعوے کا فیصلہ کر رہا ہے۔

اگر حکومت کے خلاف ہوتا۔ تب بھی حضرت ابوبکر کو یہ مقدمہ خود نہ فیصلہ کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ تو خود ان کی ذات کے خلاف تھا۔ اور اس کے خارج ہونے سے ان کا ذاتی فائدہ تھا۔ حضرت ابوبکر نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا تھا۔ کہ فدک سے تمام مسلمانوں کو فائدہ ہونا چاہیئے۔ لیکن دراصل انہوں نے جناب رسولخدا کی طرح اس کو ذاتی ملکیت سمجھ کر اپنے تصرف میں رکھا کسی روایت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کو یا اس کی پیداوار کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کا مزید ثبوت مامون الرشید کے حکمنامہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ مامون نے لکھا تھا کہ آئندہ سے محمد بن یحییٰ اور محمد بن عبداللہ کو ایسا ہی مالک کامل سمجھنا جیسا کہ میرے غلام مبارک کو سمجھتے تھے۔ گویا مامون الرشید کا غلام خلیفہ کی ذاتی ملکیت ہونے کی وجہ سے اس کی طرف سے قابض تھا۔ صاف عیاں ہوا کہ حضرت فاطمہ کا دعویٰ براہ راست حضرت ابوبکر کے خلاف تھا۔ اور اس دعویٰ کا مانا جانا حضرت ابوبکر کے ذاتی مفاد کے خلاف تھا۔ حضرت علی کے زمانہ خلافت میں ایک زرہ کے متعلق ایک یہودی میں اور حضرت علی میں تنازعہ تھا۔ وہ مقدمہ حضرت علی نے قاضی کے سپرد کر دیا اور خود بطور مدعی اس کی عدالت میں مدعا علیہ کے برابر جا کر کھڑے ہو گئے، انصاف اس کو کہتے ہیں۔

۲۔ حضرت فاطمہ کا صاف و صریح دعویٰ تھا۔ کہ جناب رسول خدا نے فدک انکو ہبہ کر دیا ہے وخمس خیبر و اقطاع حوالی مدینہ میں انکا حصہ بطور وراثت ہے۔ یعنی ترکہ رسول خدا کی وہ حقدار ہیں

۳۔ پہلے وہ اپنے گواہان اپنے ہمراہ نہ لائیں کیونکہ ان کو یقین تھا۔ کہ انکی صداقت پر اعتبار کیا جائے گا۔ مگر جب ان سے گواہان طلب کیے گئے تو انہوں نے اپنی صداقت کی شہادت کیلیے حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ و ام ایمن و ام کلثوم اور رباح غلام جناب رسولخدا کو گواہی میں پیش کیا

۴۔ سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے محض جناب فاطمہ کے بیان کو صحیح کیوں نہ سمجھا۔ اور کیوں مزید شہادت طلب کی۔ نفس مدعی یا مدعا علیہ کے بیان پر اگر عدالت کو یقین ہو جائے تو ڈگری دی جا سکتی ہے۔ اصل مدعا تو عدالت کو دعوے کی سچائی کا یقین دلانا ہے ایک مدعی کے بیان سے ہو یا ایک گواہ کے بیان سے یا دس گواہان سے بسا اوقات معمولی درجہ کے یک صد گواہان کے بیانات بھی وہ یقین پیدا نہیں کر سکتے اور ایک آدمی کا بیان سچا سمجھا جاتا ہے۔ اور وہ یقین پیدا کر دیتا ہے۔ فقہ اسلامی میں نصاب شہادت عام صورت حالات کے لیے مقرر کیا گیا ہے لیکن اس سے وہ صورتیں مستثنےٰ ہیں جن میں حاکم کو واقعات کا علم

حقیقی ہو۔ ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ میں قاضی ہوں میرے سامنے ایک شخص کو چور نے لوٹ لیا۔ وہاں اور کوئی موجود نہ تھا۔ کیا اب بھی میں چور کو سزا دینے کے لئے اس شخص سے کہوں گا کہ تو دو آدمی گواہان پیش کر اور اگر وہ پیش نہ کر سکے گا تو میں استغاثہ خارج کر دوں گا۔ شہادت محض ذریعہ ہے۔ علم حقیقی مقصد ہے۔ اگر قاضی کو علم حقیقی حاصل ہے۔ تو شہادت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر کو چاہیئے تھا کہ حضرت فاطمہ کی سچائی پر یقین کر کے دعوے کو قبول کر لیتے۔ خود ان کے فقہ کا اصول ہے کہ ایک صحابی عادل کی گواہی کافی ہے۔ دیکھو فتح الباری پارہ ۹۔ صفحہ ۴۲۔ اور عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۶۷۵۔ کیا حضرت علی عادل نہ تھے۔

آج کل کی فضا میں مساوات اور آزادی کی آواز بڑی گونج رہی ہے۔ انسانی تہذیب کی تاریخ میں جتنا ان دو الفاظ کے غلط معنی سمجھ کر لوگ چاہ ضلالت و قعر مذلت میں گرے ہیں۔ اتنا کسی اور لفظ اور تخیل نے انسان کو گمراہی میں نہیں ڈالا۔ ان دنوں ہی تمام دنیا ایک ایسے محاربہ عظیم میں پھنسی ہوئی ہے کہ جس کا نظیر و مثیل فلک نے باین پیری نہیں دیکھا۔ ساری دنیا گویا دو لڑنے والے لشکروں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ ہزاروں انسان روزانہ قتل کئے جا رہے ہیں، دونوں فریق یہی کہہ رہے ہیں کہ ہم انسانی مساوات و آزادی کے لئے برسرپیکار ہیں۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ جن معانی و مطالب کا نتیجہ یہ وحشیانہ قتل و غارت ہے۔ وہ معانی و مطالب یقیناً غلط ہیں۔ غرضکہ اس جنگ عظیم نے ثابت کر دیا۔ کہ زمانہ حلال کی دنیا ان دونوں الفاظ کے صحیح معانی و مطالب سمجھنے سے قاصر ہے۔ لیکن ہمارے نوجوان جو اس مساوات و آزادی کے دلدادہ میں کہیں گے کہ یہ اسلامی مساوات کا نمونہ نہ تھا۔ کہ حضرت ابوبکر نے جناب رسول خدا کی صاحبزادی کے قول کو بھی صحیح نہ سمجھا اور دھینگے وجولاہے کی لڑکی کی طرح ان سے شہادت طلب کی ان نوجوانوں کے نزدیک اگر جناب رسولؐ خدا خود بھی کوئی دعوے کرتے اور ان کو جھٹلایا جاتا تو وہ بھی، اسلامی مساوات کا نمونہ ہوتا۔ ان کے خیال میں مختلف تعلیم و تربیت و اخلاق کے انسانوں کے قول کو ایک سی وقعت دینا ہی اسلامی مساوات ہے۔ اگر ایک جاہل کمینہ کم ظرف آدمی کی نسبت یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے مفاد کے لئے جھوٹ بول رہا ہوگا تو یہی گمان بخاری و مسلم و امام احمد حنبل جیسے لوگوں کے لئے کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہی اسلامی، مساوات ہے۔ جہاں یہ خیال پیدا ہوا کہ فلاں شخص نے نیک لوگوں کی صحبت پائی ہے۔ اپنے ماں باپ سے اچھے اخلاق ورثہ میں پائے ہیں۔ خود مبدار فیض سے فطرت سلیم لے کر آیا ہے۔ کبھی اس کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ کبھی برے لوگوں کی صحبت میں نہیں رہا لہٰذا یہ جھوٹ نہیں بولیگا کہ جس طرح عام جاہل کمینہ جھگڑالو خانہ کا

مساوات کا غلط تخیل

گیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے حکام نے جو تدبیریں اپنی حکومت کے استحکام و استقلال، و استمرار اور اصلی مستحقین خلافت یعنی اہل بیت رسالت کی تخریب، توہین و تحقیر کے لیئے اختیار کیں۔ ان تدبیروں نے اُن کے پیران و مقلدین کے لئے قابلِ تقلید نظائر بن کر جناب محمد مصطفٰے صلعم کے اسلام کو مسخ کر دیا۔ اُنکے مضر نتائج و عواقب کا ذکر اس کتاب کے باب سوم میں آئیگا۔ اس کا پہلا اور لازمی نتیجہ یہ ہُوا کہ خداوند تعالےٰ نے جو اتمام نعمت کا وعدہ کیا تھا وہ بوجہ اُمّت کے کفرانِ نعمت کے مکمل طور سے نتیجہ خیز نہ ہو سکا۔ اور اس کا ایفائے کلی اس وقت تک کے لئے مُلتوی کر دیا گیا کہ جب تک اُمّت کفرانِ نعمت، کی عادت چھوڑ کر اصلی مقرر کردہ ہادیان کی طرف رجوع نہ کر جائے یہ انقلاب عظیم کیوں ہوا۔ بقول حضرت عمر یہ اس وجہ سے ہوا کہ لوگوں نے نہ چاہا کہ نبوّت و خلافت کا اجتماع و استقرار ایک خاندان میں ہو۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس انقلاب کا کامیابی کے ساتھ انجام پذیر ہونا محض حضرت عمر کی تدابیر و تجادیر کا مرہونِ منّت ہے جو شخص حضرت عمر کی سیاسی قابلیّت اور ان کی سیاست کی محیر العقول کامیابی کا منکر ہے وہ یا تو احمق مطلق ہے یا متعصّب معاند۔ تاریخی حیثیت سے حضرت عمر کی سیاست ایک نہایت دلچسپ مضمون ہے بشرطیکہ اسے تاریخی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے کسی مدبّر یا وزیر سلطنت یا بادشاہ کی سیاست پر اسوقت ہی صحیح تنقید ہو سکتی ہے جب اس کی سیاست کا مقصد معلوم ہو جائے لہٰذا سب سے پہلے ہم کو یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ حضرت عمر کی سیاست کا مقصد کیا تھا حضرت عمر کی سیاست کا مقصد ایک اور فقط ایک تھا اور وہ یہ کہ جناب رسُولِ خدا کی رحلت کے بعد خلافت و حکومت ظاہری خاندان نبوّت میں نہ جانے پائے اور ایسی تدابیر اختیار کی جاویں کہ آئندہ بھی حکومت کا رُخ کبھی ادھر نہ ہو۔

کارکنان قضا و قدر فیصلہ کر چکے تھے کہ اُمّتِ محمدؐ کا امتحان، آلِ محمدؐ کے ذریعہ سے لیا جاوے کچھ تو واقعات نے حضرت عمر کی مساعدت کی اور بہت سے مشکل مواقع پر ایسا بھی ہوا کہ حضرت عمر نے خود اپنے مقصد کی موافقت کیلئے واقعات پیدا کر لیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر کو اپنے مقصد کے حصول میں ایسی مکمل کامیابی ہوئی جسکی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی اگر حضرت عثمان غلطیوں پر غلطیاں نہ کرتے تو ایک قلیل عرصہ کے لیئے جو حکومت کا رخ خاندان نبوت کی طرف ہو گیا وہ بھی نہ ہوتا اور حضرت عمر کی خواہش کے مطابق جو تھے خلیفہ حضرت معاویہ ہوتے انکے لیئے حضرت عمر نے شام کی جاگیر کا استمراری پٹہ تو لکھ ہی دیا تھا۔ اب صرف اتنا ہی باقی رہ گیا تھا کہ حضرت عثمان اپنے بستر مرگ پر حضرت معاویہ کو بخوشی نامزد کر دیتے یا وہ جبراً اپنے تئیں نامزد کرا لیتے۔ یہ کام حضرت عمر خود نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اُنکے زمانہ تک خاندان ابوسفیان کی جو عداوت اسلام و رسُول اسلام سے تھی وہ لوگوں کے دلوں میں تازہ تھی اور نہایت احتیاط و حزم کے ساتھ قدم اٹھانا حضرت عمر کی سیاست کا بہت بڑا گر تھا۔ نہایت عاقلانہ تدبیر سے جسکو تجویز شوریٰ کہتے ہیں حضرت عمر نے اتنا تو کیا کہ لوگوں کو بنو اُمیّہ کی حکومت کا خوگر بنا دیا یہی نہیں کہ خلافت اُنکے پاس پہنچ گئی تھی بلکہ ایک عظیم اسلامی صوبہ کی گورنری بھی اُنکے ہاتھ میں تھی امر واقعہ یہ ہے کہ اب تو حضرت عثمان کیلئے کچھ باقی ہی نہیں رہا تھا۔ اگر انکی پے در پے غلطیوں نے ذرا مشکل پیدا کر دی لیکن وہ بھی عارضی تھی حکومت پھر اسیطرح چلی گئی جدھر حضرت عمر نے اُسکا رخ کر دیا تھا

رہنے والا جھوٹ بولتا ہے وہیں اسلامی مساوات مفقود ہوگئی گواہوں کی شہادت پرکھنے کیلئے ہمیشہ ایک معیار ہوتا ہے اور ان کے بیانات کی صداقت کیلئے مختلف مدارج ہوتے ہیں اس گئے گزرے زمانے میں بھی خیال کیا جاتا ہے کہ نیک تعلیم یافتہ دین سے واقف خدا سے ڈرنے والا جھوٹ نہیں بولے گا۔ لہذا لبا اوقات مدعی ہی کے بیان پر ڈگری ہو جاتی ہے۔ عدالتوں میں جب گواہوں کے اوپر تنقید ہوتی ہے۔ تو ان کے مراتب و مدارج دنیاوی و اخلاقی کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اور بعض کی نسبت گمان کیا جاتا ہے کہ یہ اپنے رشتہ دار کے مفاد کے لئے کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔ کسی ہندو سے تو کہو کہ جناب گاندھی یا مسٹر جواہر لال نہرو یا پنڈت مدن موہن مالوی نے کسی امر واقعہ پر جس کو وہ خود بہ چشم دید بیان کرتے ہیں۔ عمداً جھوٹ بولا ہے۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر کا خیال تھا۔ کہ جناب فاطمہؑ معاذ اللہ جھوٹ بول رہی ہیں۔ جھوٹ بھی معمولی نہیں بلکہ جناب رسول خدا پر بہتان لگانے والا جھوٹ، حضرت ابوبکر کی رائے میں آیۂ تطہیر نے اپنا مقصد پورا نہیں کیا، اور خداوند تعالیٰ اہل بیت رسالت سے رجس و ناپاکی دور رکھنے کا ارادہ ہی کرتا رہا۔ کامیاب نہ ہوا۔ جناب رسول خدا کا تو یہ قول تھا۔ کہ میری عترت و قرآن ایک دوسرے سے قیامت تک جدا نہ ہوں گے۔ لیکن حضرت ابوبکر کا یہ گمان تھا کہ یہ غلط ہے۔ عترت رسول تو ایسے قبیح کذب کی مرتکب ہو سکتی ہے۔

ایک اور نکتہ بھی ہے۔ نصاب شہادت کی تو وہاں ضرورت ہوتی ہے جہاں دعوے کی تردید کرنے والا کوئی موجود ہو۔ اگر حضرت ابوبکر کو آپ مدعا علیہ نہیں سمجھتے تو یہاں تو فقط مدعیہ اور حاکم عدالت ہی ہے۔ دعوے کی تردید کرنے والا کوئی مدعا علیہ نہیں۔ لہذا نصاب شہادت کی ضرورت نہیں۔ صرف حاکم کو اپنی تسلی کرنی مقصود ہے اس کے لئے دختر رسول اور صدیق اکبر یعنی حضرت علی کے بیانات کافی تھے۔

اگر حضرت ابوبکر خود مدعا علیہ نہ تھے۔ تو ان کو چاہئے تھا کہ جس کو وہ فریق ثانی سمجھتے تھے اس کو اس دعوے کی اطلاع دیتے۔ ان کے خیال میں فدک تمام مسلمانوں کا حق تھا۔ لہذا تمام مسلمانوں کو اس کی اطلاع دیتے۔ اور اگر وہ لوگ دعوئے مدعیہ کو تسلیم ہی کر لیتے تو پھر کسی شہادت کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ یہ امر فقہ اسلامی کے عین مطابق ہے۔ جس فقہ اسلامی کی نصاب شہادت پر آپ کا انحصار ہے۔ اس کو کیوں نظر انداز کیا گیا۔ اس کی وجہ دو میں سے ایک ہو سکتی تھی۔ یا تو حضرت ابوبکر خود اپنے تئیں ہی مدعا علیہ و فریق مخالف سمجھتے تھے یا ڈرتے تھے کہ اگر تمام مسلمانوں کو اطلاع دی اور ان کو ایک فریق تصور کیا تو وہ سب مدعیہ کے دعوے کو تسلیم کر لیں گے۔

محض بیانِ مدعی کو صحیح تصور کر کے اس کے مطابق فیصلہ صادر کرنا خود حضرت ابوبکر کی سنت تھی۔ ابھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ محض جابر ابن عبد اللہ کے بیان پر کہ آنحضرت نے مال بحرین میں سے انہیں اتنا اور اتنا اور اتنا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے اُن کو تین لپیں زر و جواہرات کی دیدیں۔ نہ گواہ نہ شاہد، نہ تنقید شہادت، عام منادی ایام حج میں کرادی کہ جس کے ساتھ رسول خدا نے کوئی وعدہ کیا ہے۔ وہ آن کر محض بیان کر دے۔ اس کے قول پہ عمل ہوتا تھا۔ مسلمانو! غور کرو خدا کو جان دینی ہے۔ حق بھی کوئی چیز ہے۔ تیرہ تعصب ساتھ نہیں جاتا۔ ضد کرنے سے کیا فائدہ، یہ دو قسم کا طرز عمل کیسا۔ دختر رسول تو خود جھوٹی اور جھوٹی شہادت پیش کرے۔ شہادت میں تمہاری ہی خلافت راشدہ کا ایک خلیفہ پیش کیا جاتا ہے۔ وہ بھی جھوٹا۔ حسنین علیہما السلام بھی جھوٹے۔ دعویٰ غلط لہذا خارج لیکن معمولی صحابی آتا ہے۔ محض اس کے بیان پر مسلمانوں کے مال میں سے اسے دیا جاتا ہے آخر اس کا سبب کیا ہے۔ دختر رسول کو اتنا ذلیل کیوں کیا جاتا ہے، ان پر اتنا ظلم کیوں ہوتا ہے۔ محض اس وجہ سے کہ ان کا شوہر اس حکومت کا مدعی ہے جس پر تم نے قبضہ کر لیا ہے نتیجہ نکلا کہ شہادت طلب کرنا محض ایک بہانہ تھا۔

۵۔ شہادت پیش ہوتی ہے۔ اب ہم اس شہادت پر غور کرتے ہیں جو اس مقدمہ میں پیش ہوئی۔ شہادت میں وہ شخص پیش ہوا جو رسالت محمدیہ کی تصدیق کے لئے خدا کی طرف سے گواہی میں طلب ہوا۔ جس کی نسبت جناب رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے کہ وہ صدیق اکبر و فاروق اعظم ہے۔ جدھر یہ پھرتا ہے۔ ادھر حق پھر جاتا ہے۔ قرآن اس کے ساتھ ہے اور یہ قرآن کے ساتھ ہے۔ حسنین علیہما السلام بھی رسالت محمدیہ کی شہادت میں طلب کئے گئے تھے اس شہادت کو تین وجوہات پر رد کیا گیا۔

(ا) نصاب پورا نہیں، (ب) اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قابل قبول نہیں، (ج) حضرات حسنینؑ اور ام کلثوم صغیر سن تھے، ہم ان میں سے ہر ایک پر غور کرتے ہیں۔

ا۔ نصابِ شہادت۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ چونکہ ابھی مدعا علیہ طلب ہی نہیں ہوا تھا۔ نصاب شہادت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ علاوہ اس کے نصاب شہادت معمولی مقدمات کیلئے ہے۔ جن میں حاکم یا قاضی کے پاس کوئی ذریعہ صحیح واقعات معلوم کرنے کا نہیں۔ لیکن اگر حاکم کو علمی یقین کسی امر کا ہے تو پھر نصاب شہادت کی ضرورت نہیں اور نصاب بھی پورا تھا۔ وقتاً فوقتاً حضرت علیؑ و رباح و ام ایمن و ام کلثوم و حضرت حسنؑ و حضرت حسینؑ شہادت میں پیش ہوئے۔ غالباً ایک وقت میں پیش نہیں ہوئے جیسا عذر ہوتا گیا۔ اس

شہادت پیش

نصاب شہادت

کے مطابق گواہ پیش ہوتے رہے۔ یہ تو ضروری نہیں کہ ایک ہی پیشی پر سارے گواہان پیش ہو جائیں۔ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے۔ کہ حضرت علی وام ایمن ہی فقط شہادت میں اول مرتبہ پیش ہوئے۔ تو پھر بھی نصاب پورا ہو گیا۔ حضرت فاطمہ وام ایمن دو عورتیں اور حضرت علی ایک مرد ہوئے۔ یہ عذر نہیں اٹھایا جا سکتا کہ نصاب شہادت فریقین کے علاوہ ہوتا ہے کیونکہ یہاں کوئی دوسرا فریق تردید کرنے والا موجود نہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ رہا کہ میں خدا کو حاضر وناظر جان کر کہتا ہوں کہ رسولؐ خدا نے ہبہ نہیں کیا۔ میں ہر وقت رسولِ خداؐ کے ساتھ رہتا تھا۔ اگر ہبہ کرتے تو مجھے معلوم ہو جاتا یا مجھ سے رسولؐ خدا نے کہا تھا کہ انہوں نے ہبہ نہیں کیا۔ اگر کوئی شخص تردید واقعہ کرنے والا ہوتا تو پھر مدعیہ کا بیان اور مدعا علیہ کا انکار ایک دوسرے کو رد کر دیتے اور انکے علاوہ نصاب شہادت طلب کیا جاتا۔ حضرت ابوبکر نے تو اپنے تئیں حاکم کی حالت میں رکھ کر لاعلمی والی حاکمانہ ذہنیت اختیار کر کے ثبوت طلب کیا تھا۔

جب دعوے کی تردید نہیں اور مدعیہ کے بیان کے برخلاف اور اس کی تردید میں کوئی دوسرا بیان نہیں تو پھر مدعیہ کو بطور گواہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ جناب حسنینؑ اور حضرت علی مل کر بھی نصاب شہادت پورا ہو جاتا ہے۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ نابالغ شخص اگر صاحب عقل وتمیز ہے۔ تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے، یا اولاد کی شہادت انکے والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔ جب مباہلہ والے دن جناب رسول خدا اپنی نبوت کی شہادت میں جناب فاطمہؑ وحسنین علیہم السلام کو لے گئے تو عیسائیوں نے تو عذر نہیں اٹھایا کہ نصاب شہادت پورا نہیں ہوا۔ آنحضرتؐ تو خود فریق تھے۔ جس طرح فدک کے معاملہ میں حضرت فاطمہ فریق تھیں۔ اب رہ گئے۔ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور یہی دونوں بچے، بقول آپ کے نصاب شہادت پورا نہ ہوا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مباہلہ والے دن شہادت نہ تھی دعا تھی، کیونکہ اگر مباہلہ ہوتا تو پہلے دعویٰ بیان ہوتا کہ آنحضرتؐ سچے نبی ہیں یا حضرت عیسیٰؑ محض بندہ خدا تھے پھر عیسائی انکار کرتے اور پھر بددعا ہوتی۔ یہ کہنا کہ آنحضرتؐ سچے نبی تھے یا حضرت عیسیٰ بندۂ خدا تھے۔ فرزند خدا نہ تھے یہ ہی شہادت تھی۔

(ب) اولا کی شہادت والدین کے حق ہیں۔ یہ کون سا قرآنی حکم ہے۔ جس کی رو سے اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قابل قبول۔ ہم اس کو بطور ایک نظیر کے پیش کر سکتے ہیں، اپنے اس دعوے کی دلیل میں کہ علمائے جماعت حکومت نے اپنے حکام سقیفہ کے طرز عمل کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں کس طرح فقہ اسلام کو توڑ مروڑ کر مسخ کر دیا ہے۔ قریبی رشتہ داروں کی گواہی کو ناقابل ادخال شہادت قرار دے کر یہ امر قطعاً فیصلہ کر دیا گیا۔ کہ مسلمان ایسے بے اعتبار

اولاد کی گواہی

وناحق کوشش ہوتے ہیں کہ ان کا بیان ان کے قریبی رشتہ داروں کے حق میں کبھی قابل قبول ہو ہی نہیں سکتا۔ کلیہ تو قائم ہو گیا۔ لیکن اس سے وقت یہ آ پڑے گی کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر کے فضائل کی جتنی احادیث ہیں ان کے اکثر کے راوی حضرت عائشہ اور حضرت عبد اللہ ابن عمر ہیں بحضرت ابوبکر کی امامت نماز کے قضیہ کی تو واحد راویہ حضرت عائشہ ہیں یہ دقت تو باقی رہے گی۔ جب تک کہ ایک اور کلیہ نہ قائم کیا جائے۔ کہ اس قاعدے سے اگرچہ نبی کی اولاد مستثنیٰ نہیں۔ لیکن ان کے خلیفہ کی اولاد مستثنیٰ ہے۔ اور یہ استثنا تو قائم ہو ہی گیا۔ جب ان دونوں بزرگوار وں کی شہادت فضیلت اپنے اپنے باپ کے حق میں بلا عذر قبول کی جاتی ہے اس مسخ شدہ فقہ کے مقابلہ میں عیسائیوں کے جاری کردہ قانون کو دیکھو۔ انہوں نے فطرتِ انسانی کو یہ اعلیٰ درجہ دیا ہے کہ یہی نہیں کہ اولاد کی گواہی بلا کسی عذر کے اپنے والدین کے حق میں قابل ادخال شہادت ہو سکتی ہے۔ خود مدعی بھی ایسا ایماندار تصور کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس کا اپنا بیان بھی اپنے حق میں داخل شہادت ہے۔ دیکھا آپ نے اپنے حکام کی محبت میں اپنے دین پر اعتراض لے لیا۔

(ج) صغر سنی۔ سن تمیز ہونا چاہیئے۔ محض صغر سنی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ شہادت کو ردّ کر دیا جائے اور یہ تو ایسے بچے تھے۔ کہ ایسے مہم امور میں جیسے کہ مباہلہ تھا۔ طلب کئے جاتے ہیں اور انکے بیانات اور ان کی دعاؤں کو خدا کی بارگاہ میں وقعت دی جاتی ہے۔

۶۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جناب رسول خدا نے اپنی خاص ملکیت میں سے حضرت ابوبکر و زبیر بن العوام وعبد الرحمٰن بن عوف والو دجانہ وغیرہم کو اراضیات وجائداد ہبہ کی تھیں حاکم وقت نے ان لوگوں سے کیوں نہ ہبہ کا ثبوت لیا یہ جواب کہ ان لوگوں نے دعویٰ نہیں کیا۔ تھا۔ لہٰذا ان سے ثبوت طلب نہیں کیا گیا درست نہ ہو گا۔ حضرت فاطمہ کو تو دعوے کرنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ حاکم وقت نے ان سے اراضیات موہوبہ چھین کر اپنے قبضہ میں کر لیں اگر دیگر موہوب الیہم کی اراضیات چھینی جاتیں تو وہ بھی دعوے کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ ان کی اراضیات بھی اسی طرح چھین لینی چاہیئے تھیں۔ وہ اسلامی مساوات کہاں گئی۔

۷۔ اگر حضرت ابوبکر جناب رسول خدا کے جانشین تھے۔ تو آنحضرت کی رحلت پر صرف ان اراضیات یا اشیاء پر قبضہ کرتے جو جناب رسالتمآبؐ کے پاس بطور حاکم ووالی کے تھیں فدک تو اس وقت آنحضرت کے قبضہ میں نہیں تھا۔ جناب فاطمہ کے قبضہ میں تھا۔ حضرت فاطمہ کو بے دخل کس بنا پر کیا۔ دعوے تو پہلے حضرت ابوبکر کو کرنا چاہیئے تھا۔ اگر وہ سچا ثابت ہوتا تو پھر وہ قبضہ کر سکتے تھے۔ بغیر دعوے وبغیر ثبوت کے دوسرے کی مقبوضہ اراضیات پر قبضہ کر لینا حکومت الٰہیہ کی شان نہیں ہے۔

۸۔ ہبہ سے انکار کرنا حضرت ابوبکر کیلیئے جائز نہ تھا۔ اس سے تو ورثاء کا آپس میں تعلق تھا اس کو ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ متوفی کے کئی ورثاء ہیں۔ ان میں سے ایک وارث دعویٰ کرتا ہے کہ من جملہ جائداد کے ایک باغ متوفی نے مجھے ہبہ کر کے دیدیا تھا۔ اس دعوے کا اثر محض ورثاء پر پڑتا ہے۔ کسی شخص غیر پر نہیں پڑتا۔ جناب رسولخدا کے ورثاء میں سے اس وقت کسی وارث نے آن کر دعویٰ فاطمہ کی تردید نہیں کی بلکہ کبھی بھی تردید نہیں کی۔ دیگر ورثاء مدعا علیہم بھی نہ تھے پھر حضرت ابوبکر کو ہبہ کی شہادت طلب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر تحقیقات مطلوب تھی۔ تو دیگر ورثاء کو طلب کر کے ان سے پوچھتے اور اگر وہ مان لیتے تو معاملہ ختم تھا۔

۹۔ اس کا یہ جواب درست نہ ہوگا۔ کہ بطور جانشین رسول کے حضرت ابوبکر بھی آنحضرت کے ایک وارث تھے، وہ اگر وارث تھے تو حکومت کے وارث تھے۔ اس بحث میں یہ امر بہت اچھی طرح مدنظر رکھنا چاہیئے۔ کہ آنحضرت کے زمانہ تک بلکہ اسکے بعد تک حکومت کی اپنی ملکیت کی کوئی اراضی یا جائداد غیر منقولہ نہیں ہوتی تھی۔ خیبر کی اراضیات اسی وقت آنحضرت نے لوگوں میں تقسیم کر دی تھیں اور کوئی جائداد غیر منقولہ ایسی نہ تھی کہ جو حکومت کے قبضہ میں ہو سکتی۔ حکومت کی جائداد کی ملکیت کا تخیل ابھی تک فقہ اسلامی میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ جو شئے حکومت کے قبضے میں آتی تھی فوراً مسلمانوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ لشکریوں کو تنخواہ دینے کا دستور ابھی نہیں ہوا تھا۔ تمام قوم مسلمانوں کی ایک لشکر تصور ہوتا تھا۔ ہر ایک پر خدمت جہاد واجب تھی اور جب منادی ہوتی تھی جب جمع ہو جاتے تھے۔ لشکریوں کو تنخواہ دینے کا دستور حضرت عمر نے جاری کیا تھا۔ اور تب ہی حکومت کو اپنی علیحدہ ملکیت قائم رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن اس وقت میں بھی اراضیات حکومت کی ملکیت میں نہیں لی جاتی تھیں۔ بہر صورت یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت کے وقت تک حکومت کی کوئی جائداد نہیں تھی۔ جسکے وارث حضرت ابوبکر ہوتے حدیث لانورث کا پیش کرنا ہی ثابت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے جائداد متنازعہ کو جناب رسول خدا کی ذاتی ملکیت تو مان لیا صرف یہ عذر پیش کیا کہ ورثہ کے قانون میں نہیں آتی۔ اگر رسول خدا عام حاکم ہوتے۔ پیغمبر نہ ہوتے۔ تو یہ اراضیات ان کے ورثہ میں تقسیم ہو جاتیں اس سے ہی ظاہر ہے کہ یہ حکومت کی ملکیت نہ تھیں اور حضرت ابوبکر انکے وارث نہ تھے۔

۱۰۔ حدیث لانورث کی رو سے یہ جائداد متنازعہ صدقہ ہوئی تو پھر حضرت ابوبکر نے کیوں دیگر صدقات کی طرح مسلمانوں میں تقسیم نہ کیا۔ کیوں اپنی خاص ملک میں رکھ لیا۔

۱۱۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مقدمہ میں بار ثبوت کس فریق کے ذمہ تھا۔ اور شہادت کس کو پیش کرنی چاہیئے تھی۔ جناب فاطمہ کے قبضہ میں یہ جائداد تھی حضرت ابوبکر انکو بے

کیوں نہ تقسیم ہوا۔

دخل کرنا چاہتے تھے۔ لہذا بارِ ثبوت ابوبکر کے ذمہ ہوا کہ حضرت فاطمہ کو بے دخل کرنے کا حق ثابت کریں۔

دوسری طرح بھی دیکھو۔ حضرت فاطمہ آن کر ہبہ و میراث کی بنا پر دعوٰے کرتی ہیں جناب رسولِ خدا کی خالص ملکیت تسلیم شدہ تھی۔ قانون وراثت حضرت فاطمہ کے حق میں تھا۔ اس مسلمہ قرآنی قانون وراثت کے خلاف حضرت ابوبکر ایک ایسی حدیث پیش کرتے ہیں جس کی صحت سے حضرت فاطمہ کو انکار تھا۔ صریحاً ظاہر ہے کہ اس حدیث کی صحت کا بارِ ثبوت حضرت ابوبکر پر تھا۔ مقدمات کے صحیح فیصلہ کے لیے بارِ ثبوت کا مسئلہ بہت اہم ہوتا ہے۔

۱۲- میراث کے دعوے کی تردید میں حضرت ابوبکر نے جناب رسولِ خدا کی طرف منسوب کر کے ایک ایسی حدیث بیان کی تھی۔ جس کو کسی اور نے جناب رسولِ خدا سے نہیں سُنا تھا۔ اگر انصاف کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا تو اس حدیث کی صحت کو ثابت کرنا حضرت ابوبکر کے ذمہ ہوتا۔ اور پھر دیکھتے کہ نصابِ شہادت کس طرح پورا ہوتا ہے سوائے حضرت عمر اور حضرت عائشہ کے اور کوئی گواہ ہی نہ ملتا۔ ہاں اگر حکومت کا زور لگاتے تو دوسری بات ہے

کسی حدیث کی صحت کی تحقیقات کے لئے علماء نے چند قواعد و ضوابط مقرر کئے ہیں۔ ان میں سے چند ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(ا- کیا یہ حدیث عقلاً درست ہے؟ (ب) قرآن شریف کے مضمون و احکام کے تو خلاف نہیں۔ (ج) کیا اس مضمون سے ملتی جلتی کوئی اور حدیث بھی ہے۔ (د) اس حدیث کے راوی کون ہیں۔ کیا غلط بیانی کے لئے انہیں کوئی ترغیب تو نہ تھی (ہ) تعدادِ رواۃ۔ (و) موقعہ جب وہ بیان کی گئی ہو۔

ہم ہر ایک قاعدہ پر علیحدہ علیحدہ اس حدیث کو جانچتے ہیں۔

(ا) خلافِ عقل

خلافِ عقل

حدیث متنازعہ یہ ہے۔ نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ (ہم گروہِ انبیاء نہ کسی سے میراث لیتے ہیں اور نہ ہم سے کوئی میراث پاتا ہے، ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے) اب سوال یہ ہے کہ جو شرع کہ پیغمبر لاتے ہیں وہ ان پیغمبروں پر حاوی ہوتا ہے یا نہیں امت کے لئے حکم ہے کہ چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ شراب نہ پیو۔ کیا پیغمبروں پر یہ احکام حاوی ہوتے ہیں یا نہیں۔ نماز و روزہ کے احکام کے پابند پیغمبر ہوتے ہیں یا نہیں۔ نکاح کے محرمات کی پابندی پیغمبروں پر لازم ہے یا نہیں۔ اگر یہ ساری شرع پیغمبر پر حاوی

ہے تو وہ حکم ترکہ سے کیوں باہر ہوں۔ ہر ایک پیغمبر کو تو حکومت حاصل نہیں تھی۔ ہر ایک کے پاس اراضیات و جاگیریں نہ تھیں۔ کیا اس کے مرنے کے بعد پہلنے کے کپڑے اور گھر کے برتن بھی اس کی امت میں تقسیم ہو جایا کرتے تھے۔ اگر کسی شخص نے اپنے باپ دادا سے بہت مال و متاع ورثہ میں پایا۔ اور بعد کو وہ نبی ہو گیا۔ تو بعد بعثت اسے چاہیئے کہ فوراً سارا مال و متاع امت کو دے دے اور خود فقیرانہ زندگی شروع کرے۔ اگر امت میں سے کسی نے رحم کھا کر اسے کچھ دے دیا۔ تو خیر ورنہ بھوکوں مرے۔ پیغمبر کو اس طرح امت کا محتاج رکھنا۔ مشیتِ الٰہی میں تو معلوم نہیں ہوتا۔ سیاست عمریہ کا ایک گر ہو تو ہو تاریخ عالم میں تو ایسی مثال کوئی نہیں ملتی۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت سلیمان اپنے باپ کے مرتے ہی فقیر ہوتے نہ بادشاہ۔ علاوہ اس کے ابتدائی نبوت میں فوراً تو امت پیدا نہیں ہوتی۔ بعثت کے بعد ہی پہلا ورثہ سے ملا ہوا ترکہ تو اس پر حرام ہو گیا۔ اب وہ بیچارا پیغمبر کیا کرے۔ کافروں کے محلوں میں جا کر گداگری بھی کرے اور اُن کے خداؤں کو بُرا بھلا بھی کہے۔ وہ کافر اسے کیوں بھیک دیں گے وہ تو چاہیں گے کہ کل کا مرتا آج ہی مر جائے۔ عجیب صورتِ حالات پیدا ہوئی۔ امت ہوئی نہ جو نذرانہ دے، کافر بھیک نہیں دیتے۔ اور اگر یہ کہو کہ جن روایات میں نورث کا لفظ ہے وہ غلطی سے وہاں آگیا ہے۔ دراصل یہ ہے کہ پیغمبر ورثہ لے تو لیتے ہیں لیکن ان سے ان کے ورثاء ترکہ حاصل نہیں کر سکتے تو یک طرفہ تاریث عجیب نتائج پیدا کرے گی۔ فرض کرو کہ تین بھائی ہیں جن کا باپ مرتا ہے تینوں بحصہ مساوی ورثا پاتے ہیں۔ اب ایک بھائی ان میں سے پیغمبر ہو جاتا ہے کچھ عرصے کے بعد دوسرا بھائی مر جاتا ہے اس کے ورثہ میں یہ پیغمبر اور تیسرا بھائی شریک اب پیغمبر بھائی مرتا ہے۔ اس کی ساری دولت اور سارا مال اس کی امت آن کر لے جاتی ہے۔ گھر صاف ہو جاتا ہے بلکہ گھر پر بھی امت قبضہ کر لیتی ہے، اب بتائیے اس تیسرے بھائی پر ظلم ہوا یا نہیں، باپ کے ورثہ میں پیغمبر بھائی شریک، بھائی کے ورثہ میں شریک، مگر جب خود مرتا ہے تو اس کا بھائی دیکھتا رہ جاتا ہے اور پیغمبر کا سارا گھر صاف ہو جاتا ہے۔ ابھی معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا۔ پیغمبر کے بچے، بیویاں ہیں ان کی پرورش بھی وہ بھائی کرے اور اگر نہ کرے تو ان کو سڑک پر نکال دیا جائے اور وہ بھیک مانگتے پھریں۔ پیغمبر کی آل کو اس طرح ذلیل کرنا خداوند تعالیٰ کی مشیت میں تو ہو نہیں سکتا۔ ہاں کارکنان سقیفۂ بنی ساعدہ کی سیاست کا یہ ایک جزو ہو تو ہو۔ اور لطف یہ ہے کہ امت پر کہیں یہ فرض عائد نہیں کیا گیا کہ پیغمبر کو اپنی آمدنی کا ایک معین حصہ دیا کریں۔ مسائل پوچھنے سے پہلے ایک ذراسی رقم کی ادائیگی لگا دی گئی وہ تو ادا نہ ہو سکی اور آیت نجویٰ کو منسوخ کرنا پڑا۔ اگر یہ فرض عائد ہو جاتا تو اسے کون پورا

کرتا۔ اس حدیث کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیغمبر کے مرنے پر اس کے مال و متاع کی تو امت مالک ہو جائے
مگر امت پر یہ فرض نہیں ہے کہ اس کے بچوں کی پرورش کرے۔ پیغمبر کے لئے یہ تو اجازت ہے کہ
بیویاں کرے، سلسلہ تناسل جاری کرے۔ لونڈیاں رکھے ہر ایک عورت سے بچے ہوئے تو ۳۰
یا ۴۰ بچے تو ہوں گے۔ کچھ بچے صغیر سن، کچھ قریب بلوغت، کہ پیغمبر کا انتقال ہوتا ہے۔ شام کو
یہ بیس تیس خدا کے بندے گھر دیار لٹا ہوا سڑک پر پڑے ہوئے روٹیوں سے محتاج امت
کی جان و مال کو اور پیغمبر کی روح کو دعا دیتے ہوئے صبح کرتے ہیں کسی نے روٹی آگے ڈال
دی اور دستگیری کی تو جان بچے گی ورنہ موت تو سامنے کھڑی ہے۔ یہ ہے اس حدیث کا
نتیجہ۔

اگر یہ حدیث درست ہوتی۔ تو جناب فاطمہ و حضرت علی و جناب حسنین علیہم السلام
کو ضرور معلوم ہوتی کیونکہ یہ ہی وہ حضرات تھے جن کے اوپر اس حدیث کا اثر براہ راست
پڑتا تھا۔ جناب پیغمبر خدا کے لئے لازم تھا کہ سب سے پہلے اپنے وارثوں کو اس نکتہ سے آگاہ کرتے
تاکہ ورثہ کے لیے یہ ان کے جانشین کو تنگ نہ کریں اگر یہ حدیث درست ہے تو یا تو جناب پیغمبر
سے بہت بڑی اور ناقابل تلافی فروگذاشت ہوئی یا معاذ اللہ حضرت فاطمہ و حضرت علی و جناب
حسنین علیہم السلام نے باوجود اس حدیث کے علم کے ایک جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ اور اس کی پیروی
کر کے کذب صریح کے مرتکب ہوئے۔ ہم تو ان دونوں میں سے ایک بات کو بھی تسلیم کرنے کے
لئے تیار نہیں۔ جماعت اہل حکومت کے معتقدین جس کو جی چاہے ملزم ٹھہرائیں۔ شاہ عبدالحق
محدث دہلوی اپنی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں۔

مشکل ترین قضایا قضیۂ فاطمہ زہرا است زیرا کہ اگر گوئیم کہ او جاہل بود۔ ایں سنتے یعنی حدیثے
کہ ابوبکر نقل کردہ بعید است از فاطمہ و اگر الزام کنیم کہ شاید اتفاق نیفتاد در استماع ایں
حدیث از آنحضرت مشکل میشود کہ بعد از استماع از ابی بکر و شہادت سائر صحابہ بر آں چرا
قبول نکرد و در غضب آمد و اگر غضب او پیش از سماع حدیث بود چرا برنگشت از غضب
تا ایں کہ امتداد او کشید و تا زندہ بود مہاجرت کرد ابوبکر را۔

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مطبع نولکشور جلد سوم صفحہ ۵۴۳

(ب) خلافِ قرآن

یہ حدیث قطعاً قرآن شریف کے خلاف ہے مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔

ترجمہ :- خُداوند تعالےٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصّہ کے برابر ہے۔

۲ - وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ۔

ترجمہ :- اور سلیمان نے (اپنے باپ) داؤد کا ورثہ پایا۔

۳ - قولہ تعالیٰ مُخبراً عن زکریا وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَہَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ۔

ترجمہ :- حضرت زکریا نے بارگاہِ خُداوندی میں اس طرح مناجات کی۔ میں اپنے وارثانِ بازگشت سے اندیشہ رکھتا ہوں جو میرے مرنے کے بعد میرے پیچھے رہیں گے۔ میری زوجہ بانجھ ہے۔ خُداوندا اپنی درگاہ سے مجھے وارث عطا کر جو میرا اور آلِ یعقوب کا ورثہ پائے۔

۴ - وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ۔

ترجمہ : اے نبی) اپنے نزدیک ترین رشتہ داروں کو ان کا حق دے دو۔

آنحضرت سے پہلے تمام انبیاء ورثہ پاتے آئے ہیں اور اُن کے ترکہ سے ان کے وارثوں کو حصّہ ملا ہے، خود جناب محمد مصطفےٰ کو ان کے والد کا ترکہ ورثہ میں ملا تھا دیکھو سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اول صفحہ ۱۲۲۔ ان میں سے کئی کا ذکر تو قرآن شریف میں ہے۔ حضرت داؤد کی دولت وسلطنت کا ورثہ اُن کے فرزند سلیمان نے لیا۔ جب حضرت زکریا کی عُمر زیادہ ہوئی اور اپنی زوجہ کے عقر کی وجہ سے آپ اولاد سے نا امید ہونے لگے تو بارگاہِ ایزدی میں دُعا کی جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اس کو ہم نے اُوپر نقل کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ورثہ سے مال و دولت کا ترکہ مراد ہے۔ علم و نبوت اس سے مراد نہیں ہو سکتے۔ اگر اس سے علم و نبوت مراد ہوتے تو پھر حضرت زکریا کا ڈر بے معنی تھا۔ ان کے اقرباء زبردستی علم و نبوت نہیں لے سکتے تھے۔ نبوت وعلم لدُنی تو عطائے ربانی ہے جس کو خُداوند تعالےٰ چاہے دے گا اس میں رسُول کا کچھ دخل نہیں اور نہ یہ اقرباء و اولاد میں منحصر ہو سکتی ہے پس معلوم ہوا کہ یہاں مال دنیوی مراد ہے آیۂ شریفہ وَاٰتِ ذَالْقُرْبٰی حَقَّہٗ کی تفسیر میں جملہ مفسرین متفق ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسولِ خُدا نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فدک کا وثیقہ ان کے حق میں لکھ دیا۔

(ج) تکرار مضمون

جب جناب رسولِ خُدا کی احادیث کے مطالعہ کرنے والے پر یہ امر اچھی طرح واضح ہے۔ کہ آپ ایک مضمون کو مختلف اوقات پر بیان فرمایا کرتے تھے اور آپ کی احادیث ایک دوسرے کی تصدیق و توثیق کرنے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً جناب امیرؑ سے محبت کرنے کی تاکید بہت سی احادیث

تکرار مضمون

میں پائی جاتی ہے۔ جناب امیر کے وسعتِ علم کو کئی طریقوں سے بیان فرمایا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے کسی باب یا فصل کو اٹھا کر دیکھ لو۔ ہر ایک میں ایک ہی ضروری مضمون پر مختلف احادیث پائی گئے لیکن یہ حدیث لانورث ہے کہ اس مضمون کی دوسری حدیث ہی نہیں ملتی اور اس کی توضیح کسی دوسری حدیث سے نہیں ہوتی، اچھی طرح واضح ہے۔ کہ یہ حدیث صرف موقعہ کے لئے فوری ضرورت کو رفع کرنے کے لئے آنحضرت سے بعد وضع کی گئی ہے۔

(ی) و (ک) سوائے حضرت ابوبکر کے اور کوئی شخص اس حدیث کا راوی نہیں ملتا۔

(ل) طریقہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کو بیان کرتے ہیں تو اس کے موقعہ کا ضرور ذکر کرتے ہیں کہ فلاں واقعات تھے، فلاں موقعہ تھا جب یہ حدیث بیان کی گئی۔ جس طرح حدیث منزلت، حدیث غدیر، حدیث ولایت، حدیث رایت اور حدیث ثقلین وغیرہ کے واقعات و مواقع بہت صراحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں لیکن حضرت ابوبکر نے یہ نہیں فرمایا کہ کس موقعہ پر کن واقعات کے اندر یہ لاوارث حدیث بیان کی گئی اور اس کا باعث کیا تھا اس کا مضمون تو یہ بتاتا ہے کہ اس حدیث کو مرض موت کے وقت ارشاد فرمانا چاہیئے تھا۔ لیکن مرض الموت کے دوران کی احادیث میں کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ خیبر و فدک کے حصول کا دوسرا موقعہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس وقت بھی یہ حدیث بیان نہیں کی گئی۔ ایک تیسرا موقعہ بھی تھا۔ جب آیات وراثت نازل ہوئیں تو ان کی تفسیر میں آپ کو بتانا چاہیئے تھا کہ ہم پیغمبران ان آیات کے دائرے سے باہر ہیں تمام کتب تفاسیر کو دیکھ ڈالو۔ اس لاوارث حدیث کا پتہ ان آیات کی تفسیر و توضیح کے سلسلہ میں بھی نہیں ملتا جب ان موزوں موقعوں پر اس حدیث کا پتہ نہیں چلتا۔ پھر یہ بتانا نہایت ضروری ہو گیا۔ کہ کس نا موزوں وقت پر اس کو بیان کیا گیا تھا۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ جناب فاطمہ نے ایسا آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ کہ ساری عقل گم ہو گئی، کچھ نہ سوجھی جلدی میں یہ ایک بات کہہ گئے۔ کچھ ہوتا تو تفاصیل میں جاتے حضرت عمر نے بھی ایک موقعہ پر ایسا ہی کیا تھا۔ جب سقیفہ بنی ساعدہ کی زبانی جنگ و جدل میں حباب ابن المنذر نے تلوار پر ہاتھ مارا تو فوراً اس کی دھار کی تیزی سے بچنے کے لئے حضرت عمر نے فرمایا کہ جناب رسول خدا مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم حباب ابن المنذر کی مخالفت نہ کرنا، اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

(۱۴) حضرت فاطمہ کے اس دعوے کی تردید میں حضرت ابوبکر نے تین عذر پیش کئے۔ اوّل تو یہ کہ دعویٰ ہبہ کی شہادت ناکافی ہے۔ دوسرے یہ کہ پیغمبر کی اولاد محروم الارث ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ میں اس طریقے کو جو رسول خدا کے زمانہ میں رائج تھا بدلنا نہیں چاہتا۔

چوتھا عذر حضرت ابوبکر کے وکلا ایزاد کرتے ہیں کہ اولاد کی شہادت اپنے والدین کے حق

اس امر کا ثبوت کہ حضرت عمر کی سیاست کا مقصد یہ تھا جو اوپر بیان ہوا، بہت آسان ہے۔ اوّل تو حضرت عمر کے سوانح حیات ہی اس کا بیّن ثبوت ہیں۔ دوسرے حضرت عمر نے خود اس سے اقبال کر لیا ہے۔ علامہ شبلی نے اپنے الفاروق میں بحوالہ تاریخ طبری عبداللہ ابن عباس اور حضرت عمر کے دو مکالمے یہ کہہ کر درج کئے ہیں کہ ان سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا۔ ان مکالموں کو انہوں نے بطور فٹ نوٹ کے درج کیا ہے۔ ان کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح اُنکے آگے سر نہیں جُھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمے کی صورت میں نقل کئے ہیں ہم ان کو اس موقعہ پر سلیئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا۔ مکالمہ عبداللہ ابن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علی کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے"۔

حضرت عمر:۔ تمہارے باپ رسول اللہ کے چچا اور تم رسول اللہ کے چچیرے بھائی ہو پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی؟

عبداللہ ابن عباس:۔ مَیں نہیں جانتا۔

حضرت عمر:۔ لیکن مَیں جانتا ہوں۔ تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ ابن عباس:۔ کیوں؟

حضرت عمر:۔ وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کوئی مفید نہ ہوتا۔

دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمر:۔ کیوں عبداللہ ابن عباس تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سُنا کرتا تھا لیکن مَیں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ ابن عباس:۔ وہ کیا باتیں ہیں۔

حضرت عمر:۔ مَیں نے سُنا ہے کہ تم کہتے ہو۔ کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ ابن عباس:۔ ظلماً کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے۔ لیکن حسداً تو اس کا کیا تعجب ہے۔ ابلیس نے آدمؑ پر حسد کیا اور ہم لوگ آدمؑ ہی کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں۔ تو کیا تعجب ہے۔

حضرت عمر:۔ افسوس خاندان بنی ہاشم کے دلوں سے پُرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

حضرت عمر کے خیالات

میں ناقابلِ قبول ہوتی ہے۔

عذراتِ اوّل و دوم و چہارم کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں۔ تیسرا عذر ان ہی عذرات کے تابع ہے۔ اگر ہبہ ثابت ہے اور اولادِ پیغمبر محروم الارث نہیں ہے تو پھر حضرت ابوبکر کو ان اراضیات و صدقات پر کوئی دسترس حاصل نہیں نہ وہ اس کے انتظام کرنے کے مجاز ہیں۔ لہٰذا طریقۂ رسول کو بدلنے یا نہ بدلنے کا سوال حضرت ابوبکر کے لئے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر اس عذر کو ہم دیگر عذرات سے علیحدہ بھی لیں تب بھی حکومت کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ چند صدقات میں سے جب کچھ بچ رہتا تھا۔ تو آنحضرت کو اس بقیہ کو بنی ہاشم کے غرباء و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے۔ فدک کے علاوہ دیگر ذرائع آمدنی بھی تو جناب رسولِ خدا کے پاس تھے۔ غرباء و مسافرین کی پرورش ان دیگر ذرائع سے ہوتی تھی۔ یہ ثابت نہیں کہ فدک کے ہبہ کے بعد فدک کی آمدنی پر جناب رسولِ خدا نے تصرف کیا ہو۔ دیگر صدقات کا دعوےٰ بذریعہ میراث کے تھا۔ جب تک آنحضرت خود زندہ تھے ان کو حق حاصل تھا کہ ان میں اپنی اولاد کو بھی دیں اور جو بچ رہے اس کو جس طرح جی چاہے خرچ کریں۔ مرنے کے بعد تصرف ورثاء کا ہوتا ہے حاکم کے لئے جائز نہیں۔ کہ تصرف کرے یا اس کو ضبط کرے۔ اور یہ جو حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میرے لئے جائز نہیں ہے کہ جناب رسولِ خدا کے طرزِ عمل کو بدلوں تو یہ محض دفع الوقتی کے لئے تھا۔ یہ ارشاد واقعیت سے بالکل معرا تھا۔ حضرت ابوبکر کے اعتقاد کے بموجب تو آنحضرت کا طرزِ عمل خلافت کے متعلق یہ تھا کہ اپنا جانشین کوئی مقرر نہیں فرمایا۔ پھر حضرت ابوبکر نے وہ طریقہ بدل کر حضرت عمر کو کیوں نامزد کر دیا۔ خمس کو لیجئے۔ آنحضرتؐ خمس کو بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب میں تقسیم کرتے تھے اور بنو عبد شمس و بنو نوفل کو مطلق حصہ نہیں دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے خمس تقسیم کر کے ایرے غیرے کو دے دیا۔ لیکن قرابت داران رسول کو نہیں دیا۔ دیکھو مسند احمد بن حنبل الجزء الرابع صفحہ ۸۳۔ نیل الاوطار شوکانی جلد ۸ صفحہ ۲۸۔ تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۶۔

علامہ شبلی فرماتے ہیں

”وہ (حضرت عمر) قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حق دار نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اہلِ بیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین سے امام ابوحنیفہ بھی ذوالقربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے“ الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۴۶۔

اپنے زعم میں اس کے بعد مولوی شبلی حضرت عمر کے طرزِ عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اگر خوفِ طوالت نہ ہوتا تو ہم ظاہر کرتے کہ اس کوشش میں مولوی شبلی کس طرح ناکام ہوئے ہر صورت ہمیں تو یہ ثابت کرنا تھا کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے آنحضرتؐ کے طرزِ عمل کو بدل دیا

اور وہ ثابت ہو گیا، آگے چل کر علامہ موصوف ایک اور ٹھوکر کھاتے ہیں اور بے اختیار ہو کر حق کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں :-

"احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، یہ ہے ذوی القربیٰ میں سے آپ (جناب رسول خدا) صرف بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کو حصّہ دیتے تھے۔ بنو نوفل و بنو عبد شمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے لیکن آپ نے ان کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔" الفاروق" حصّہ دوم صفحہ ۲۴۲۔

آنحضرتؐ کے اس طرزِ عمل کو کیوں حضرات ابو بکر و عمر نے بدلا، آنحضرت کا ایک اور طرزِ عمل بھی تھا، عام قاعدہ کے خلاف ابو العاص شوہر زینب کو بغیر فدیہ لئے چھوڑ دیا مسلمانوں سے اجازت لے لی کہ فدیہ میں تمہارا حصّہ ہوتا ہے لہٰذا اگر کہو تو یہ ہار واپس کر دوں۔ مسلمانوں نے اجازت دے دی، آپ نے ہار واپس کر دیا۔ اگر حضرت ابو بکر فدک کو مسلمانوں کا حق سمجھتے تھے تو دختر رسول کی دلجوئی میں رسول خدا کے اس طرز عمل کی پیروی کیوں نہ کی، امر واقعہ یہ ہے کہ فدک کے مقدمے کے فیصلے میں ایسی ہی کئی باتیں ہو گئی ہیں۔ نصاب شہادت پر اصرار کرنا ان میں سے ایک تھا اس اصرار کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے لیکن یہ بھی محض ایک دفع الوقتی کی کوشش تھی۔ حضرت علیؑ و فاطمہؑ، ام ایمن و جناب حسنینؑ کی گواہیوں کو کن کن کوششوں سے رد کیا گیا ہے۔ مگر دیگر صحابیوں کے لئے فقہ کا اصول قائم کر دیا۔ کہ ایک عادل صحابی کی شہادت کافی ہے۔ دیکھو فتح الباری پارہ ۹ صفحہ ۲۲۴۔ عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۶۷۵۔

۱۴۔ اگر یہ لا وارث حدیث درست تھی تو حضرت عائشہ و حضرت حفصہ کے وہ حجرے اور مکانات کیوں نہ لے لئے گئے جو ان کو آنحضرت سے وراثت میں ملے تھے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یہ حجرے مکانات آنحضرتؐ کی ملک تھے ازواج مطہرات کو وہ ورثہ میں آنحضرت سے پہنچے تھے۔ سید نور الدین سمہودی۔ وفاء الوفا باخبار دار المصطفےٰ الجزء الاول باب الرابع فصل التاسع صفحہ ۳۲۵۔

۱۵۔ حضرات زبیر و عبد الرحمٰن بن عوف و ابو بکر کو بھی تو جناب رسول خدا نے اراضیات ہبہ کی تھیں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ اس سے کیوں نہ شہادت طلب کی گئی اور ان کے ہبہ کو کیوں تسلیم کر لیا گیا۔

۱۶۔ حضرت فاطمہ و حضرت علی نے حضرت ابو بکر کے فیصلہ کو غلط، مبنی بر ظلم سمجھا اور جب حضرت زکریا کی دعا والی آیت اور نیز حضرت سلیمان کے ورثہ پانے والی آیت حضرت ابو بکر کو سنائی گئی تو وہ اس کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ حضرت علی نے کہا کہ تم ان آیات کی موجودگی میں کیا کہہ سکتے ہو۔ خاموش ہو رہے۔ کیا کہتے؟۔

حضرت فاطمہ کی ناراضی

۱۷۔ حضرت فاطمہ اتنی ناراض ہوئیں کہ پھر حضرت ابوبکر و حضرت عمر سے عمر بھر کلام نہ کیا۔ صاف صریحاً کہہ دیا کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کر دیا ہے اور میں اپنے والد بزرگوار سے تمہاری شکایت کروں گی حضرات شیخین ان کو راضی کرنے کیلئے گئے تو ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور کلام نہ کیا جو لوگ محمد مصطفےٰؐ کو رسول برحق سمجھتے ہیں اور آپ کے قول کو سچا جانتے ہیں، جب ان کو یہ یاد آئے گا کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا تھا۔ کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے مجھے ناراض کیا وہ خدا کے غضب کا مستوجب ہوا۔ تو پھر وہ حضرت ابوبکر کے اس فعل سے لرزہ براندام ہو جائیں گے۔

زید ابن حسن کی رائے

۱۸۔ ابن حجر مکی و دیگر وکلائے اہل حکومت زید بن حسن بن علی بن الحسین کی رائے کو پیش کرتے ہیں کہ اگر ان کے سامنے یہ قضیہ پیش ہوتا تو وہ بھی یہ ہی فیصلہ دیتے۔ اول تو یہ روایت ثابت نہیں اس کے راویان کا علم نہیں، علاوہ اس کے جس فعل کی مذمت حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ و امام حسنؑ و امام حسینؑ کر چکے ہوں وہ تقریباً دو صد برس بعد کے آنے والے شخص کی سیاسی تائید سے کیونکر مستحسن قرار دیا جا سکتا ہے یہ تو محض رائے قائم کی تھی۔ ان سے زیادہ تو مامون کا فعل وقیع تھا۔ اس نے تمام علماء کی بحث سننے کے بعد اپنی رائے قائم کی تھی، اور اپنے فرمان میں حضرت ابوبکر کے فیصلے کی غلطی نہایت صحیح استدلال کے ذریعے سے ثابت کی تھی، اس کو اس کا ایسا یقین تھا کہ فدک واپس اولاد فاطمہ کو دے دیا حالانکہ اس کا یہ فعل اس کے ذاتی مفاد کے خلاف تھا۔ اس پر اس کا غلام اس کی طرف سے قابض تھا اور فدک خلفاء کی ذاتی ملک ہو گیا تھا۔

محسنِ دو جہاں کی حکومت کی اولاد کی مخالفت، آنحضرت کے قول و فعل کے خلاف

۱۹۔ مسلمانوں غور کرو۔ خدا کو جان دینی ہے۔ کسی مذہب پر تعصب کرنے سے پہلے یہ تو سوچو کہ آیا وہ مذہب حق پر بھی ہے۔ حضرت ابوبکر اس حکومت پر قابض تھے جو جناب فاطمہؑ کے باپ کی پیدا کردہ اور ان کے شوہر کی تلوار سے حاصل شدہ تھی۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو حضرت ابوبکر کس حکومت پر قابض ہوتے علاوہ اس کے جناب فاطمہ کا پدر بزرگوار ان کا نبی و محسن اعظم تھا۔ کیا ان کے احسان کا یہ ہی بدلہ تھا جو حضرت ابوبکر ان کی اکلوتی بیٹی کو دے سکتے تھے۔ کتنا جناب رسولِ خداؐ کی روح کو صدمہ ہوتا ہو گا جب جناب فاطمہ فریاد کرتی ہوں گی۔ چند گھنٹوں کا عباس کا کراہنا جس دل نے برداشت نہ کیا وہ اپنی پیاری بیٹی کی آہ و زاری کس رنج کے ساتھ سنتا ہو گا۔ سنتِ رسول پر عمل کرنے کا بڑا دعویٰ ہے۔ آنحضرت نے برداشت نہ کیا کہ ان کی پروردہ دختر زینب کو اپنے قلاوہ کے جانے کا رنج ہو۔ اور مسلمانوں سے کہہ کر واپس کرا دیا کہ جناب ابوبکر نہ کہہ سکتے تھے۔ کہ اگرچہ میری رائے میں فدک تمہارا حق ہے۔ لیکن دخترِ رسول مانگتی ہے تمہارے محسن پیارے نبی کی دختر۔ تمہاری رضامندی ہو۔ تو میں واپس کر دوں۔ کون سی زبان تھی جو نہیں کرتی، اور کون سا دل تھا جو انکار کرتا سنتِ رسول

پر عمل بھی ہو جاتا۔ تمہارے حضرت ابوبکر نے کس طرح تمہارے پیارے رسول کی بیٹی کو اس کے باپ کے مرنے کا پرسا دیا۔ کہ وہ ان سے ایسی متنفر ہو گئیں کہ سامنے آتے تو منہ موڑ لیا۔ اور کہا کہ تم دونوں نے مجھے ایسا ناراض کیا ہے کہ میں اب اپنے پدر بزرگوار سے ملنے والی ہوں تمہاری شکایت ان سے کروں گی اتنی ناراض تھیں کہ وصیت فرما دی کہ یہ دونوں اور جناب عائشہ میرے جنازے پر بھی نہ آئیں۔ سنت رسول کی پیروی کا تو یہ حال ہے، کتاب اللہ کی پیروی کو دیکھو، بستر مرگ رسول پر ایک بات کو ٹالنے کے لئے تو کہہ دیا حسبنا کتاب اللہ۔ اب اسی کتاب اللہ کی آیات پر عمل کرنے کے لئے حضرت علی حضرت ابوبکر کو دعوت دے رہے ہیں اور وہ نہیں سنتے۔ وہاں حدیث رسول یہ کہہ کر نہ سننی چاہی کہ حسبنا کتاب اللہ۔ یہاں ایک فرضی حدیث رسول کے ساتھ اتنا تمسک کیا کہ قرآن کو چھوڑ دیا۔ کیا حق کی شان یہی ہے، اور کیا یہ طرز عمل اس شخص کا ہے جو واقعی حکومت الہیہ کا حکمران ہے۔ غرضیکہ اس معاملہ میں جناب زہرا اور علی مرتضیٰ نے اس طرح ساری حجتیں اپنے مخالفین پر پوری کی ہیں کہ قیامت کے دن ان کو فضیحت عام کا سامنا ہو گا۔ اور اس دنیا میں ان کے دکھیوں کو ان کی طرف سے اقبال جرم کے بغیر چارہ نہیں۔ چنانچہ مولوی صدر الدین حنفی اپنی کتاب روائح المصطفٰے (مطبوعہ مطبع احمدی کانپور صفحہ ۲۷۷) میں جناب فاطمہ کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :-

لبد از وفات پیغمبر واقعات بسیار گذشتہ مثل معاملہ فدک و ستعد شدن حمل اندہ تہدید نمودن عمر خطاب بنی ہاشم را کہ در خانۂ زہرا اجتماع نمودہ بودند و تالہ و شیون نمودن حضرت زہرا پیش انصار طولے دارد و ذکر نہ کردن اولی تر است۔ وصیت نمودن حضرت زہرا کہ ہیچ کس بر جنازۂ او حاضر نہ شود دلیل صریح است بر آں کہ حضرت زہرا آزردہ و ملول از دنیا رفت۔ اکنوں تاویل ہر چہ خواہند کنند۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و مرثیہ برائے پیغمبر انشاء نمودہ یک بیت از اول آں قصیدہ ایں است!

صبّت علیّ مصائبٌ لو انّہا

صبّت علی الایام صرن لیالیا

(۲۰) ہم نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر کے پاس حضرت فاطمہ سے فدک چھیننے کے لئے کوئی معقول وجہ نہ تھی جو عذر بیان کیا وہ محض بہانہ تھا۔ یہ ایک سیاسی تدبیر تھی جس کا مدعا یہ تھا کہ بنو ہاشم خصوصاً حضرت علی و حضرت فاطمہ لوگوں کی نظروں میں گر جائیں محتاج ہو کر بے دست و پا ہو جائیں اور ہم لوگوں کے دل اپنی طرف کر لیں۔ مسلمانوں اپنے خدا کا حکم سنو! وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا

تنصرون یعنی، مسلمانوں ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہو جنہوں نے ظلم کیے ہیں ورنہ تم کو دوزخ کی آگ آ لپٹے گی۔ خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست تو ہے نہیں۔ اگر تم ظالموں سے مل گئے تو پھر تم کو کہیں سے مدد نہ ملے گی۔

باب یازدہم

تدبیر چہاردہم: اخفائے فضائل علیؑ۔ تدبیر شش دہم: احادیث رسولؐ کی روک تھام

ان دونوں تدبیروں کا سلسلہ آپس میں وابستہ ہے۔ اس زمانہ میں کسی صحابی کے فضائل کا انحصار دو امور پر تھا۔ یعنی (۱) احادیث رسول جن میں ان کے فضائل کا ذکر ہو اور (۲) خود اس صحابی کے سوانح حیات۔ حکومت کی تجویز یہ تھی کہ حضرت علیؑ کے متعلق ان دونوں کو لوگوں کی یاد سے نکال دیا جائے۔ سوانح حیات کے متعلق تو ترکیب آسان تھی۔ ان کا ذکر ہی عام طور سے ترک کیا جائے اور جو جو صفات و واقعات زیادہ فضل و فخر کے قابل تھے۔ ان صفات میں حضرت علیؑ کے مقابلہ میں دوسرے صحابہ کو دربار خلافت کی طرف سے ترجیح دی جاتی۔ حضرت علیؑ کے راہ خدا میں جہادات زیادہ نظروں میں کھٹکتے تھے لہذا یداللہ و اسداللہ کی بجائے سیف اللہ تیار کرنی پڑی اور حضرت علیؑ کو جنگ پر بھیجا ہی نہیں تاکہ ان کی یہ صفت بالکل ہی لوگوں کے سامنے نہ آئے۔ ہمارا تو خیال ہے کہ اگر حضرت علیؑ کو وہ سالار لشکر کر کے کسی یورش پر روانہ کرنے کا ارادہ بھی کرتے تو حضرت علیؑ ہی انکار کر دیتے۔ کیونکہ حکومت [illegible] کے جنگ نہ ہی جہاد نہ تھے جو جناب رسول خدا کے زمانہ کے تھے وہ شیر خدا جو مغلوب پہلوان کی بے حیا گستاخی کی وجہ سے اس کے سینے سے اتر آیا اور اس کی جان بخشی محض اس وجہ سے کر دی کہ اب اس کے قتل میں ممکن ہے کہ شائبہ نفسانیت شامل ہو جائے اور ایک بندۂ خدا کا قتل بے کار جائے کب ان جنگوں میں شامل ہوتا جن کی غرض محض نفسانیت پر مبنی تھی۔ لیکن یہ امر واقعہ ضرور ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ان بزرگواروں نے بھی بھول کر حضرت علیؑ سے نہ کہا کہ آپ کسی مہم جنگی پر تشریف لے جائیے۔ اس کی تفصیل تدابیر بستم و بست و یکم کے بیان میں آئے گی۔ رہا دوسرا امر یعنی احادیث رسول مشتمل بر فضائل علیؑ، ان کی روک تھام اس طرح کی گئی کہ جبرا حکومت کے غضب کے ڈر سے اور حکومت کے انعامات کے لالچ سے لوگوں کو ان احادیث کے بیان کرنے سے روکا گیا۔ اور ایسی احادیث کا بیان و شائع کرنا جرم قرار دیا گیا۔ حکومت کی یہ تعدی محض احادیث فضائل کے ساتھ نہ تھی۔

بلکہ حضرت علی کے سوانح و واقعات فضائل کے ساتھ بھی تھی اور ان احادیث فضائل کے مقابلہ میں ارکان حکومت و صحابہ کے حق میں جھوٹی احادیث وضع کر کے حکومت کے انعامات و اکرامات کا لالچ دلا کر شائع کی گئیں۔ ہمارا ادعا ہے کہ یہ سب کچھ حضرت عمر کی دور اندیشانہ پالیسی و سیاست کا کارنامہ تھا۔ حضرت عمر نے اس حکومت کے سیاسی اصول کی ابتدا کی۔ ان کے بعد کے آنے والوں نے ان کے مقصد کو سمجھا۔ اپنی حکومت کو اس ہی مقصد کا مرہون منت پایا۔ لہذا ان ہی اصول و قواعد کی اپنے اپنے زمانہ کے حالات و واقعات کے مطابق تشکیل کر کے حضرت عمر کے قدم بقدم چلنے کو اپنا فخر ہی نہیں سمجھا بلکہ اپنی حیات کا باعث بھی پایا۔ ممکن ہے کہ کوئی اعتراض کرے کہ اخفاء فضائل علی و وضع احادیث حکومت امویہ کے کارنامے ہیں ان کو حضرت عمر کے سر چپکنا ظلم محض ہے، امر واقعہ یہ ہے کہ حکومت صدر اوّل، سلطنت امویہ، حکومت عباسیہ ایک مسلسل واقعات کی زنجیر میں منسلک ہیں۔ بنو امیہ اپنی حکومت کے لئے براہ راست حضرت عمر کے مرہون منت ہیں۔ حضرت عمر کی دوربین نظروں نے دیکھ لیا کہ اگر بنو ہاشم کو مغلوب رکھنا مطلوب ہے تو ان کے مقابلہ میں بنو امیہ کو اٹھانا ہوگا۔ اور ابو سفیان کی فتنہ پردازیوں سے بچنے کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ بنو امیہ کی دل جوئی کی جائے۔ جب حضرت ابوبکر کی بیعت عام ہوئی تو ابو سفیان نہایت ناراض تھے کہ بنو تیم میں خلافت کیوں گئی اور حضرت علی سے کہا کہ اگر تم کہو تو میں مدینہ کی گلیوں کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں۔ حضرت علی تو ایسے مکار آدمی کی چالوں میں کیوں آتے مگر حضرت عمر سمجھ گئے کہ اس اٹھتے ہوئے فتنہ کو دبانا ضروری ہے۔ لہذا ابو سفیان کے فرزند یزید کو افواج شام کا کمانڈر انچیف بنا دیا گیا اور پھر اس کے مرنے پر اس کے بھائی معاویہ کو جگہ دے دی گئی۔ اور پھر ملک شام کا استمراری پٹہ ان کے حق میں لکھ دیا گیا۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ تجویز شوریٰ کا اصلی مطلب و مقصد یہ تھا کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوں۔ اس طرح سلطنت امویہ تو اپنی ہست و بود کے لئے حضرت عمر کی رہین احسان ہے حضرت ابوبکر کی حکومت گویا حضرت عمر کی حکومت تھی بلکہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بھی لوگ حضرت عمر ہی کو حاکم سمجھتے تھے۔ اور حضرت ابوبکر اس حقیقت سے واقف تھے اگر کبھی حضرت ابوبکر کوئی ایسا حکم صادر کر دیتے تھے کہ حضرت عمر کی مرضی کے خلاف ہوتا تھا تو حضرت عمر بالا ہی بالا بغیر حضرت ابوبکر سے مشورہ کئے ہوئے اس حکم کی تردید کر دیتے تھے بلکہ حکم نامہ ہی چاک کر دیتے تھے۔ حضرت عمر کی ایسی باتوں کو دیکھ کر طلحہ بن عبد اللہ نے ابوبکر سے کہا۔

أأنت الامیر ام عمر فقال عمر غیر ان الطاعۃ لی یعنی اے ابوبکر بتاؤ تو سہی تم حاکم ہو کہ عمر، حضرت ابوبکر نے کہا کہ حاکم تو عمر ہیں میرے لئے تو فقط ظاہری طاعت ہے

دیکھو تاریخ طبری: الجزء الثالث صفحہ ۴۰۲ -
امر زیر بحث پر جناب امیر معاویہ کا خط جو انہوں نے محمد بن ابی بکر کے جواب میں لکھا تھا۔ بہت روشنی ڈالتا ہے۔ اس خط کو مورخ مسعودی نے اپنی تاریخ مروج الذہب میں نقل کیا ہے۔ دیکھو مروج الذہب الجزء الثانی صفحہ ۱۴۳ تا ۱۴۳۔ مسعودی کی مورخین میں بڑی شان ہے۔ علامہ شبلی اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ابو الحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہ ہوتی لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بد مذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات ناپید ہو گئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ۔ مروج الذہب مصر میں چھپ گئی ہے۔

الفاروق حصہ اول دیباچہ صفحہ ۸۔

یہ اتنی اہم خط و کتابت ہے کہ ہم اس کو یہاں بجنسہ مروج الذہب سے یہاں نقل کرتے ہیں۔

ولما صرف علی رضی اللہ عنہ قیس بن سعد بن عبادۃ عن مصر وجہ مکانہ محمد بن ابی بکر، فلما وصل الیہا کتب الی معاویۃ کتابا فیہ: من محمد بن ابی بکر الی الغاوی معاویۃ بن صخر اما بعد فان اللہ بعظمتہ و سلطانہ خلق خلقہ بلا عبث منہ ولا ضعف فی قوتہ ولا حاجۃ بہ الی خلقھم لکنہ خلقھم عبیدا وجعل منھم غویا ورشیدا وشقیا وسعیدا ثم اختار علی علم واصطفی وانتخب منھم محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فانتخبہ لعلمہ واصطفاہ لرسالتہ وائتمنہ علی وحیہ وبعثہ رسولا و

جب حضرت علی نے قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر کی ولایت سے علیحدہ کر دیا تو اس کی بجائے محمد بن ابی بکر کو والی مصر مقرر کر کے ادھر بھیجا جب محمد بن ابی بکر مصر پہنچے تو انہوں نے معاویہ کے پاس حسب ذیل خط بھیجا محمد بن ابی بکر کی طرف سے گمراہ معاویہ بن صخر کی جانب اما بعد معلوم ہو کہ خدائے باعظمت و جبروت نے اپنی مخلوق کو عبث نہیں پیدا کیا۔ اس کو خلقت عالم کی ضرورت نہ تھی اور نہ بغیر اسکے خدا کی قوت میں کچھ ضعف آتا تھا بلکہ اس نے مخلوق کو عبادت واطاعت کے لئے پیدا کیا چنانچہ مخلوقات میں گمراہ بھی ہیں اور رشید بھی، شقی بھی ہیں اور سعید بھی پھر خداوند تعالٰی نے جناب محمد مصطفٰے کو اپنے علم کے مطابق رسالت وامانت وحی کے لئے منتخب فرمایا اور بطور بشیر و نذیر کے مبعوث برسالت کیا

مبشرا ونذیرا فکان اوّل من اجاب و
اناب وآمن وصدق اسلم وسلم
اخوہ وابن عمہ علی بن ابی طالب صدقہ
بالغیب المکتوم وآثرہ علی کل حمیم و
وقاہ بنفسہ کل ھول وحارب حربہ
وسالم سلمہ فلم یبرح مبتذلا
لنفسہ فی ساعات اللیل والنہار و
الخوف والجوع والخضوع حتی برز
سابقا لا نظیر لہ فیمن اتبعہ ولا
مقارب لہ فی فعلہ وقد رایتک تسامیہ
وانت انت وھو ھو اصدق الناس
نیۃ وافضل الناس ذریۃ وخیر
النّاس زوجۃ وافضل النّاس ابن عم
اخوہ الشاری بنفسہ یوم مؤتتہ
وعمہ سید الشھداء یوم احد و
ابوہ الذاب عن رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم وعن حوزتہ و
انت اللعین ابن اللعین لم تزل انت
وابوک تبغیان لرسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم الغوائل وتجھدان فی
اطفاء نور اللہ تجمعان علی ذلک الجموع
وتبذلان فیہ المال وتؤلبان علیہ
القبائل وعلی ذلک مات ابوک وعلیہ
خلفتہ والشھید علیک من تدانی و
یلجاء الیک من الاحزاب ورؤس
النفاق والشاھد لعلی مع فضلہ
المبین القدیم انصارہ الذین معہ

پس جس نے سب سے پہلے آنحضرت کی تصدیق
فرمائی اور ان کے پیغام کو تسلیم کیا وہ علی ابن ابیطالب
ہیں جو ہر خوف اور دہشت کے موقعہ پر رسولِ خدا
کے جاں نثار رہے آپ آنحضرت کی طرف سے
لڑائیاں لڑے اور ان کی صلح میں شامل رہے اور رات
و دن کی کسی ساعت میں اور خوف و بھوک کے
موقعوں پر کبھی اپنی جان آنحضرت پر فدا کرنے سے
دریغ نہ کیا یہاں تک کہ ان تمام امور میں وہ تمام
پیروانِ رسول پر سبقت لے گئے پیرانِ رسول
میں سے کوئی ان کی نظیر نہیں۔ اور نہ اعمالِ حسنہ
میں کوئی ان کے برابر۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ تو
ان پر فوقیت تلاش کرتا ہے حالانکہ تو تو ہی ہے
اور وہ وہ ہی ہیں۔ وہ اپنی نیت کی بنا پر اصدق
الناس اور اپنی ذریت کے اعتبار سے افضل الناس
اور فاطمہ زہرا کے شوہر ہونے کی حیثیت سے خیر
الناس ہیں ان کے چچا حمزہ جنگِ احد کے سید الشہداء
ہیں ان کے باپ وہ ہیں جو پیغمبر خدا کی تکلیفوں
کو دور کرتے رہے اور اے معاویہ تو بھی لعین ہے
اور لعین کا بیٹا ہے۔ تم باپ بیٹے ہمیشہ رسول اللہ
کی ایذا رسانی کے خواہاں اور نورِ خدا کے بجھانے میں
کوشاں رہے ان ہی کاموں کے لیے سازش کرتے
رہے اور مال خرچ کر کے قبائل کو بھڑکایا کئے اسی
حالت میں تیرا باپ مر گیا اور اب تو نے اسکی جگہ لی
ہے تیری ان باتوں کی گواہی دینے والے وہ لوگ ہیں۔
جو بقیہ احزاب و منافقین میں سے آہستہ آہستہ تیرے
پاس پہنچ کر پناہ گزین ہوتے ہیں اور علی صاحب فضل
کے شاہد عادل وہ ہیں جن کی فضیلت کا ذکر قرآن

الذین ذکرهم الله بفضلهم و اثنی
علیهم من المهاجرین والانصار و
هم معه کتائب و عصائب یرون الحق
فی اتباعه والشقاء فی خلافه فکیف یا
لك الویل تعدل نفسك بعلیٍّ وهو
وارث رسول الله صلی الله علیه وسلم
واله و وصیه وابو ولده اوّل النّاس
له اتباعا واقربهم به عهدا یخبره
بسره و یطلعه علی امره و انت
عدوه وابن عدوه فتمتع فی دنیاك
ما استطعت بباطلك ولیمدد لك ابن
العاص فی غوایتك فکان اجلك قد
انقضی وکیدك قد وهی ثم یتبین
لك لمن تکون العاقبة العلیا واعلم
انما تکاید ربك الذی آمنت کیده
ویئست من روحه فهو لك بالمر
صاد وانت منه فی غرور والسلام
علی من اتبع الهدی۔

فکتب الیه معاویه: من معاویه بن
صخر الی الزاری علی ابیه محمد بن
ابی بکر اما بعد فقد اتانی کتابك تذکر فیه
ما الله اهله فی عظمته و قدرته و
سلطانه وما اصطفی به رسول الله
صلی الله علیه وسلم وعلی آله مع
کلام کثیر لك فیه تضعیف ولابیك
فیه تعنیف، ذکرت فیه فضل ابن
ابی طالب و قدیم سوابقه و

ہیں ہے اور جن کی مدح و ثنا بحیثیت مہاجر و انصار
ہونے کے خدا نے فرمائی ہے یہی لوگ علی کی فوج
و جماعت ہیں اور علی کی پیروی کو حق اور انکی مخالفت
کو شقاوت جانتے ہیں پس وائے ہو تجھ پر کہ تو علی کی
برابری کرتا ہے حالانکہ علی وارث و وصی رسول ہیں
علی کی اولاد رسول خدا کی اولاد ہے اور علی ہی پیغمبر خدا کی پیروی
کرتے ہیں اور آنحضرت سے اقرب بعہد ہونے میں اوّل
الناس ہیں جن کو آنحضرت نے اپنے تمام امور و اسرار سے
آگاہ و مطلع کیا تھا اور تو خود بھی ان کا دشمن ہے اور
تیرا باپ بھی ان کا دشمن تھا پس جس طرح تجھ سے ہو سکے
باطل ذریعوں سے دنیوی فائدہ حاصل کر اور جتنا
ابوالعاص سے ہو سکے تجھے تیری گمراہی میں مدد دے مگر اے
معاویہ یقین کر لے کہ تیری میعاد ختم ہو چکی ہے اور تیرا مکر
سست ہو گیا ہے اور آخر کار تجھ پر ظاہر ہو جائیگا کہ
عاقبت علیا کس کے لئے ہے نیز یہ بھی سمجھ لے کہ تو اس
خدا سے فریب کرتا ہے جس نے تیری کید کی سزا سے تجھے
ابتک امن دے رکھا ہے اور جسکی رحمت سے تو مایوس ہو
چکا ہے وہ تیری گھات میں ہے اور تو اس سے بیخبر ہے
اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

جب یہ خط معاویہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسکے
جواب میں یہ لکھا۔ اپنے باپ کو عیب لگانے والے
بیٹے محمد بن ابی بکر کو من جانب معاویہ ابن صخر واضح ہو
کہ تو نے اپنے خط میں خدا کی اس عظمت و قدرت و حکومت
کا ذکر کیا ہے جس کا وہ اہل ہے اور ان محامد کو بیان کیا
ہے جن کے ساتھ خدا نے اپنے رسول کو برگزیدہ فرمایا
نیز انہیں ذکروں کے ساتھ تو نے ایسی باتیں بھی لکھی ہیں
جو تیری تضعیف اور تیرے باپ کیلئے سرزنش و ملامت کا

فرا بنه الى رسول الله صلى الله عليه
وسلم ومواساته اياه في كل هول وخوف
فكان احتجاجك علي وعيبك لي
بفضل غيرك لا بفضلك فاحمد ربا
صرف هذا الفضل عنك وجعله
لغيرك فقد كنا وابوك فينا نعرف
فضل ابن ابي طالب وحقه لازماً لنا
مبروراً علينا فلما اختار الله لنبيه
عليه الصلوة والسلام ما عنده و
أتم له ما وعده واظهر دعوته
فأبلج حجته وقبضه الله اليه صلوة
الله عليه كان ابوك وفاروقه اوّل
من ابتزه حقه وخالفه على امره
على ذلك اتفقا واتسقا ثم انهما دعواه
الى بيعتهما فابطاء عنهما وتلكا
عليهما فهما به الهموم وارادا
به العظيم ثمّ انه بايع لهما وسلم
لهما واقاما لا يشركانه في امرهما
ولا يطلعانه على سرهما حتّى قبضهما
الله ثم قام ثالثهما عثمان فهدى
بهديهما وسار بسيرهما فعبته انت
وصاحبك حتّى طمع فيه الاقاصي
من اهل المعاصي فطلبتما له الغوائل
واظهرتما عداوتكما حتّى بلغتما فيه
مناكما فخذ حذرك يا ابن ابي بكر
وقس شبرك بفترك يقصر عن ان
توازي او تساوي من يزن الجبال

باعث ہیں تو نے اپنے خط میں علی ابن ابی طالب کی
فضیلت و سابقیت کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ وہ
رسول اللہ کے ساتھ قرابت قریبہ رکھتے ہیں اور انہوں نے
خوف و خطر کے وقت آنحضرت کی حفاظت اپنی جان کو خطرہ
میں ڈال کر کی مگر میرے خلاف تیری یہ حجت تیرے فضل
پر مبنی نہیں ہے بلکہ غیر (علی) کے فضل پر ہے اور میں خدا کا
شکر کرتا ہوں کہ اس نے تجھ سے اس فضیلت کو پھیر کر
تیرے غیر (علی) کو عطا کی پس ہم سب جن میں تیرے باپ
بھی شامل ہیں علی ابن ابی طالب کی فضیلت اور انکے حقوق
کے اچھی طرح معترف تھے۔ اور واقف تھے لیکن جب خدا نے
اپنے رسول کو دین و حجت کے کامل اور آشکارا ہو جانے کے
بعد اپنے پاس بلا لیا۔ تو تیرے باپ اور اُن کے فاروق
ہی پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے باہم اتفاق کر کے
علی کے حق کو چھین لیا اور امر خلافت میں علی کی مخالفت
کی پھر ان دونوں نے علی کو اپنی بیعت کیلئے بلایا لیکن
وہ عرصہ تک کنارہ کش رہے اس کنارہ کشی پر ان دونوں نے
علی کے متعلق ایسے اہم منصوبے اور ایسی تجویزیں قائم کیں
کہ علی کو ان کی بیعت کر لینی پڑی تاہم ان دونوں نے
علی کو نہ اپنے کسی امر میں شریک کیا اور نہ اپنے بھیدوں سے
انکو مطلع کیا حتّٰی کہ یہ دونوں مر گئے اور عثمان نے ان کی
جگہ لی اور ان کی سیرت پر عمل کیا پھر تو نے اور علی نے
عثمان کی عیب گیری پر کمر باندھی حتّٰی کہ دور دور کے
نافرمانوں نے اس میں حرص کی اور تو نے اور علی نے عثمان
کے ساتھ دشمنی کا اظہار کر کے انکو مصیبت میں ڈالنا چاہا اور
اسمیں تیری اور علی کی مراد پوری ہو گئی اے ابوبکر کے بیٹے
بچ اور اپنے بالشت کو اپنی انگلیوں کی درمیانی وسعت پر
قیاس کر تو اس شخص (یعنی معاویہ) کے مقابلہ اور برابری

عبداللہ ابن عباس :۔ ایسی بات نہ کہیئے، رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے۔
حضرت عمر :۔ اس تذکرہ کو جانے دو۔
عبداللہ ابن عباس :۔ بہت مناسب۔
مولوی شبلی :۔ الفاروق مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۰۸ء حصہ اوّل فٹ نوٹ صفحہ ۲۰۴ و ۲۰۵
محمد بن جریر الطبری :۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الخامس صفحہ ۳۰، ۳۱، ۳۲
ابن الاثیر :۔ تاریخ الکامل الجزء الثالث صفحہ ۲۴، ۲۵

حضرت عمر جب اپنی کامیابی کا خیال کر کے خوش ہوا کرتے تھے تو اکثر عبداللہ ابن عباس کو ایسے کچوکے دیا کرتے تھے۔ اُنکے علاوہ اور بھی کئی مکالمے ہیں ان میں سے تین ہم ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ سے نقل کرتے ہیں۔
عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر کے ابتدائی زمانہ میں میں ان کے پاس گیا ان کے آگے ایک صاع (ساڑھے تین سیر) کھجوریں اُن کے بورے پر رکھی ہوئی تھیں۔ مجھ سے کہا کہ تم بھی کھاؤ میں نے ایک کھجور اٹھالی۔ حضرت عمر کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ اکیلے ہی ساری کھجوریں کھا گئے۔ پاس ٹھلیا رکھی تھی اس میں سے پانی پیا۔ اور گاؤ تکیہ پر کہنی لگا کر لیٹ رہے اور شکر خدا کرنے لگے پھر یوں گفتگو ہوئی:۔

حضرت عمر :۔ اے عبداللہ ابن عباس کہاں سے آ رہے ہو؟
ابن عباس :۔ مسجد سے۔
حضرت عمر :۔ اپنے ابن عم کو کس حال میں چھوڑا ہے (میں نے سمجھا عبداللہ ابن جعفر کو پوچھتے ہیں)
ابن عباس :۔ میں نے ان کو اپنے ہمجولیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے چھوڑا ہے۔
حضرت عمر :۔ اس سے میرا مطلب نہیں بلکہ تم اہل بیت کے بزرگ (حضرت علی) مقصود ہیں۔
ابن عباس :۔ وہ تو فلاں شخص کے کھجوروں کے باغ میں پانی دے رہے ہیں اور اس حالت میں بھی تلاوت قرآن کر رہے ہیں۔
حضرت عمر :۔ اے عبداللہ سچ کہنا۔ اگر چھپاؤ گے تو تم پر اونٹنیوں کی قربانی واجب ہو جائیگی۔ کیا اب بھی علی کے دل میں خلافت کی طرف سے کچھ خیال باقی ہے۔
ابن عباس :۔ یقیناً باقی ہے۔
حضرت عمر :۔ کیا علی کا خیال یقینی ہے کہ رسول اللہ نے اُنکی خلافت کیلئے نص کر دی تھی انکو خلیفہ مقرر کر دیا تھا
ابن عباس :۔ جی ہاں قطعاً اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ میں نے اپنے والد سے حضرت علی کے اس دعوے کے متعلق دریافت کیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ یہ دعوے صحیح ہے۔
حضرت عمر :۔ لقد کان من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی امرہ ذرو من قول لا یثبت حجۃ ولا یقطع عذرا ولقد کان یربع فی امرہ وقتاما ولقد اراد فی مرضہ ان یصرح باسمہ فمنعت من ذالک اشفاقا وحیطۃ علی الاسلام لا ورب ھذہ البیت لا تجتمع

بحلمه لا یلین عن قسر قناتہ ولا یدابه اللہ ذو مقال الا انه مهد مهادہ و بنی لملکه وشادہ فان یك ما نحن فیه صوابا فابوك استبد به ونحن شرکاوٴہ ولولا ما فعل ابوك من قبل ما خالفنا ابن ابی طالب ولسلمنا الیه ولکنا رأینا اباك فعل ذلك به من قبلنا فاخذنا بمثله فعب اباك بما بدا لك او دع ذلك والسلام علی من اناب۔

سے قاصر ہے جو پہاڑوں کو اپنی بردباری کے ساتھ وزن کرتا ہے پس جس معاملہ کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں اگر وہ ٹھیک ہے تو تیرے باپ ہی نے جبر سے اس کی ابتدا کی اور ہم سب اس کے اس فعل میں شریک تھے اگر تیرا باپ ایسا برتاؤ نہ کرتا تو ہم سب بھی علی کی مخالفت نہ کرتے بلکہ انکے مطیع رہتے لیکن جب ہم نے تیرے باپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی ان کے فعل کی پیروی کی اب اگر تو عیب و الزام لگاتا ہے تو اپنے باپ کو عیب لگا یا اس خیال کو ترک کر دے اور اسلام ہو اس پر جو حق کی طرف رجوع کرے

ناظرین کو چاہیئے کہ اس خط و کتابت کو بہت غور سے پڑھیں یہ ہماری بہت سی بحثوں کے لئے ثبوت قاطع ہے۔

خلافت صدر اول و حکومت امویہ کی وجہ ہستی وجود ایک ہی تھی اور ان کی حیات کا دار ایک ہی اصول پر تھا۔ حضرت ابوبکر کا مقابلہ حضرت علی سے تھا اور حضرت عثمان و معاویہ کا مقابلہ بھی حضرت علی ہی سے تھا۔ لہٰذا مخالفت علی ان تینوں حکومتوں کا جزو مشترک ہوا۔ اور سلطنت عباسیہ بھی ان کی ہی جانشین تھی اور مخالفت علویین اس کا بھی مقصد تھا یہاں تک کہ اس مخالفت خاندان نبوت کا نام سیرت شیخین رکھا گیا اور وہ ایک ایسی مستقل مستحکم شئے سیرت رسول سے علیحدہ قرار پائی گئی کہ مجلس شوریٰ میں اس کو خلافت کے حصول کے لئے شرط واحد قرار دیا گیا۔ روایت میں ہے کہ حضرت علی سے کہا گیا کہ بنو ہاشم کو حکومت میں حصہ نہ دینا۔ آپ نے نہایت معقول جواب دیا کہ جس میں قابلیت دیکھوں گا اس سے میں خدمت لوں گا۔ اکثریت کو جو محض سیرت شیخین چاہتے تھے یہ پسند نہ آیا۔ حضرت عثمان کے آگے سیرت شیخین کی شرط پیش کی گئی انہوں نے منظور کر لی لہٰذا حضرت عثمان کی حکومت جس سے حکومت امویہ کی بنیاد شروع ہوتی ہے۔ سیرت شیخین پر مبنی ہوئی۔ حضرات شیخین و حضرت عثمان کی سیاست و مقصد حکومت اور امیر معاویہ کے سیاست و مقصد میں پوری یگانگت تھی۔ لہٰذا کوئی تصادم نہ ہوا مگر چونکہ حضرت علی کی حکومت الٰہیہ اور حاکم شام کی سیاست میں جو اپنے متقدمین کی سیاست پر مبنی تھی زمین و آسمان کا فرق تھا۔ لہٰذا تصادم ناگزیر تھا اور ہوا۔ حکومت امویہ و حکومت عباسیہ نے ایک ایک کر کے ان تمام بنیادی سیاسی اصولوں پر عمل کیا جو حضرت عمر نے قائم کر دئے تھے۔ اگر کہیں جزئیات

ہیں فرق نظر آتا ہے تو وہ حالات وواقعات کے فرق کی وجہ سے ہے۔ مثلاً حضرت عمر مجبور تھے اپنے حالات وواقعات کی وجہ سے کہ حضرت علی کے قتل کی تجویز شوریٰ کی پیچیدہ کارروائیوں کے ذریعے سے کریں لیکن یزید کے زمانہ تک وہ حالات بدل چکے تھے وہ علانیہ وبراہ راست بھی حسینؑ کے قتل کا حکم دے سکتا تھا۔ لہذا دیا۔ یہی حالت احادیث کی تھی۔ امیر معاویہ کے زمانہ میں لوگوں کی حالتیں اور عادات بدل چکی تھیں وہ علانیہ حکم دے سکتا تھا کہ حضرت علی کے فضائل کی احادیث بیان نہ کی جائیں اور حضرات شیخین وحضرت عثمان کے حق میں احادیث وضع کی جائیں۔ حضرت عمر اس وضاحت سے حکم نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن وہ اصول جس کی بنا پر امیر معاویہ نے اپنا حکم صادر کیا۔ حضرت عمر ہی کا قائم کردہ تھا اور وہ یہ تھا کہ **حکومت کو چاہیئے کہ احادیثِ رسول پر قبضہ کرلے اور محض ان احادیث کی اشاعت کی اجازت دے جو حکومت کے حق میں مضر نہ ہوں اپنی مخالف احادیث کو ہر ممکن طریقے سے روکے۔**

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے خیال کیا کہ چونکہ احادیثِ رسول فضائل علی سے مملو ہیں۔ لہذا ان کا دبادینا ہی ضروری ہے، ان کا یہ خیال بالکل مطابق تھا اس طرزِ عمل سے جو انہوں نے بستر مرگ رسولؐ پر حسبنا کتاب اللہ کہنے میں اختیار کیا۔ ان بزرگواروں کا احادیث رسول کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا اور اس کے متعلق کیا احکام صادر کیے تھے۔ ہم تاریخ فقہ اسلامی سے نقل کرتے ہیں یہ کتاب ترجمہ ہے **تاریخ التشریعی الاسلامی مؤلفہ علامہ محمد الخضری** کا اور اُس کو مولوی عبدالسلام ندوی نے تیار کر کے مطبع معارف دار المصنفین میں چھپوایا ہے یہ کتاب سلسلہ دار المصنفین کی نمبر ۳۰ ہے ملاحظہ ہو۔

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں مراسیل ابن ابی ملیکہ سے یہ روایت کی ہے کہ:

رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے ان لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم لوگ رسول اللہ صلعم سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں تم لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے اور تمہارے بعد جو لوگ ہوں گے، ان میں اس سے بھی زیادہ اختلاف ہوگا۔ تم رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث نہ روایت کرو جو شخص تم سے سوال کرے اس سے کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے اسکے حلال کئے ہوئے حلال اور اسکے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھو۔ صفحہ ۱۶۱۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ شعبہ وغیرہ نے بیان سے اور بیان نے شعبی سے اور شعبی نے قرظہ بن کعب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے جب ہم کو عراق کی طرف روانہ کیا تو ہمارے ساتھ خود بھی چلے اور فرمایا تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہاری متابعت کرتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہاں ہماری عزت افزائی کے لیے بولے اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ تم ایسی آبادی کے

لوگوں کے پاس جاتے ہو جو شہد کی مکھیوں کی طرح گنگنا گنگنا کر قرآن پڑھتے ہیں۔ تو احادیث
کی روایت کرکے ان کی تلاوتِ قرآن میں رکاوٹ نہ پیدا کرنا صرف قرآن مجید پڑھیں کرو۔ اور
رسول اللہ سے روایت کم کرو۔ اور اس میں میں بھی تمہارا شریک ہوں چنانچہ جب قرظہ آئے تو
لوگوں نے روایت حدیث کی خواہش کی انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو حضرت عمر نے اسکی ممانعت کی ہے
صفحہ ۱۶۲۔

دیکھا کتنی گہری اور دور اندیش پالیسی ہے۔ نما لک بعید و قریب میں مسلمان پھیل رہے ہیں لشکر
اسلامی آگے جا رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ فضائل علی کی احادیث لوگوں میں پھیل جائیں اور لوگوں کو اس پر
غور کرنے کا موقع ملے۔ حضرت عمر نے تین شخص یعنی ابن مسعود اور ابو الدرداء اور ابو مسعود انصاری کو اسوجہ سے
قید کر دیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم سے بہت زیادہ احادیث بیان کر دیں۔ فقہ اسلامی صفحہ ۱۶۲ اور ملاحظہ ہو

ابن علیہ نے رجاء بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت
امیر معاویہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بھی حدیث کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کرو جو حضرت عمر
کے زمانہ میں جاری تھا کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتِ حدیث کرنے
کے متعلق لوگوں کو دھمکیاں دی تھیں۔ صفحہ ۱۶۳۔

حضرت عمر بن الخطاب نے احادیث کو لکھوانا چاہا اور اس بارے میں اصحاب رسول اللہ سے
مشورہ کیا تو عام صحابہ نے اس کا مشورہ دیا لیکن وہ ایک مہینہ تک خود غیر متیقن طور پر اس
معاملہ میں استخارہ کرتے رہے۔ اس کے بعد ایک دن انہوں نے یقینی رائے قائم کر لی۔ اور
فرمایا کہ میں نے جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے تم سے تحریر احادیث کا ذکر کیا تھا، پھر میں نے غور
کیا تو معلوم ہوا۔ کہ تم سے پہلے اہل کتاب میں سے بہت لوگوں نے کتاب اللہ کے ساتھ اور
کتابیں لکھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان ہی کتابوں میں مشغول ہو گئے اور کتاب اللہ کو چھوڑ
دیا۔ اس بنا پر خدا کی قسم میں کتاب اللہ کو کسی اور چیز کے ساتھ مخلوط نہ کروں گا اس لئے
انہوں نے تحریر احادیث کا کام چھوڑ دیا۔ صفحہ ۱۶۳۔

ابن سعد نے بھی طبقات میں اسی کے قریب قریب روایت کی ہے۔ صفحہ ۱۶۳۔

ہمارے دعوے کا یہ مزید ثبوت ہے احادیث رسول کے متعلق جو حضرت عمر کا رویہ تھا۔ اس کو
امیر معاویہ نے پسند کیا اور اس پر ہی عمل کیا حضرت ابوبکر نے پہلے تو اسے جمع کرنے کا ارادہ کیا اور
بہت سی احادیث جمع کر لیں لیکن پھر وہ بھی حضرت عمر کے ہم رائے ہو گئے اور ان پانچ صد احادیث
کو جو جمع کی تھیں جلا دیا الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۲۵۔ لہذا اب ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب
ہیں کہ جناب امیر معاویہ نے جو فضائل علی کی احادیث کو مٹا لے اور حضرات ثلاثہ کے حق میں احادیث

وضع کرانے کا رویہ اختیار کیا تھا وہ انہوں نے حضرت عمر سے سیکھا تھا۔ ممکن ہے۔ کہ اس جگہ معترض اعتراض اٹھا دے کہ (۱) حضرت عمر کا یہ منشاء تھا کہ آنحضرت کی طرف منسوب کر کے لوگ غلط احادیث شائع نہ کریں اور (۲) یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے محض حضرت علی کے فضائل کی جو احادیث تھیں۔ ان کو ہی بیان کرنے سے روکا اور (۳) حضرت عمر کے اس عذر کو کیوں نہ قبول کر لیا جائے کہ مثل امم سابقہ کے مسلمان بھی کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری لکھی ہوئی کتابوں کی طرف رجوع کر جاتے۔ ہم ہر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔

اعتراض اوّل:۔ اگر محض غلطی کا ڈر تھا تو اس کا تدارک تو بہت اچھی طرح ہو جاتا۔ کل ہی تو جناب رسول خدا کا انتقال ہوا تھا وہ سب صحابہ موجود تھے۔ جنہوں نے خود آنحضرت صلعم سے احادیث سنی تھیں۔ ایک جماعت صحابہ کی حضرت علی کی سرکردگی میں مقرر کر دیتے اور وہ لوگ آنحضرت کی صحیح احادیث جمع کر دیتے۔ جو کام آنحضرت کے انتقال کے ڈیڑھ صد سال کے بعد شروع ہوا۔ اسی وقت شروع ہو جاتا۔ اور اس سے بہتر طریقے سے شروع ہوتا۔ آئندہ آنے والے لوگوں کی کتنی تکالیف بچ جاتیں۔ آخر قرآن شریف بھی تو لوگوں کے سینوں ہی میں سے نکال کے جمع کیا تھا۔ اسی طرح تدوین حدیث ہو جاتی اور وہ نہایت مفید ہوتی۔ تاریخ فقہ اسلامی کی متذکرہ بالا عبارت ملاحظہ ہو۔ تمام امت کا اجماع اس پر تھا کہ آنحضرت کی احادیث کو اس طرح جمع کیا جائے۔ لیکن محض حضرت عمر کی رائے بوجوہات چند در چند جن کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس کے خلاف تھی اب فرمائیے اس اجماع امت کی قدوسیت کہاں گئی جس کا تذکرہ علمائے جماعت حکومت میں اس شدّ و مد کے ساتھ ملتا ہے یہ اجماع تو وہ چیز ہے جس کو محض ایک آدمی ٹھکرا سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت پر تو ایسا مکمل اجتماع بھی نہ تھا۔ جیسا اس تدوین حدیث کے مسئلہ پر تھا۔ اس نامکمل اجماع میں تو یہ قدوسیت تھی کہ اس نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا اور ایک لفظ اس کے خلاف کہنے سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اور یہ مکمل اجماع ایسا تھا کہ اس کو ایک آدمی نے ٹھکرا دیا اور سب خاموش رہے اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ حضرت عمر حاکم تھے لہذا ان کو یہ اختیار حاصل تھا تو یہ بھی غلط کیونکہ بقول حضرت عمرؓ کے شریعت کا منصب علیحدہ ہے حکومت کا دائرہ الگ ہے۔ امور حکومت میں تو حاکم کا حکم غالب رہے گا۔ لیکن امور حدیث تو شریعت میں آتے ہیں اور شریعت میں بقول آپ کے اجماع امت غالب رہتا ہے اور ایک آدمی کی رائے کچھ نہیں اور اگر اپنے اس مقام کو چھوڑ کر حاکم کے عہدے پر زور دیتے ہو۔ تو پھر حضرت عمر کو ڈکٹیٹر کہو۔ جمہوریت کا خلیفہ کیوں کہتے ہو۔

صرف حضرت علی کے فضائل کی احادیث کو روکا

اعتراض دوم۔ حضرت عمر کا یہ طرزِ عمل محض حضرت علی کی فضائل کی احادیث کے متعلق تھا۔ دیگر احادیث کی تو وہ تلاش میں رہتے تھے، بلکہ مقدمات فیصلہ کرتے وقت اگر قرآن شریف میں مقدمہ زیرِ غور کا جواب نہ پاتے تھے تو اس کے متعلق لوگوں سے احادیث پوچھا کرتے تھے۔ دیکھو تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۱۶۹۔ آپ کو یاد ہوگا۔ جب حضرت عمرؓ کو ضرب کاری لگی اور اپنا جانشین مقرر کرنے کا خیال آیا تو معاذ بن جبل و خالد ابن ولید و ابو عبیدہ بن الجراح و سالم مولیٰ کے فضائل آنحضرتؐ کی احادیث سے استنباط کرتے تھے کہ فلاں کو امین امت و فلاں کو سیف اللہ و فلاں کو عالم آنحضرتؐ نے کہا تھا، حضرت علی کے متعلق جو آنحضرتؐ کی احادیث تھیں، وہ سب فراموش نسیاً منسیاً۔ گویا ان کا ذکر نہیں کرنا چاہتے تھے، ان کو چھپاتے تھے۔

خارجیوں کا ذکر کرتے ہوئے مولوی عبد السلام ندوی لکھتے ہیں۔

"یہ لوگ صرف قرآن مجید کے صرف ظاہری معنے لیتے تھے اور حدیثوں میں صرف اُن ہی احادیث کو قبول کرتے تھے جن کی روایت اُن لوگوں نے کی تھی جن کو یہ لوگ دوست رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی قابل اعتماد حدیثیں صرف وہ تھیں جن کی روایت شیخین حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں کی گئی تھی۔"

تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۲۳۹۔

خوارج حضرت علی کے تو سخت دشمن تھے اور ان کو معاذ اللہ بدترین اشخاص میں سے شمار کرتے تھے، حضرت علی کے فضائل کی احادیث تو ان کی قابلِ اعتماد حدیثیں نہیں ہو سکتی تھیں اور ان کی قابل اعتماد حدیثیں تو صرف وہ تھیں جن کی روایت حضرت ابو بکر و حضرت عمر کے دورِ خلافت میں کی جاتی تھی۔ بحمد اللہ دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو گیا۔ کہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر کے دورِ خلافت میں حضرت علی کے فضائل کی احادیث کی روایت نہیں کی جاتی تھی اور اسی سنت پر امیر معاویہ نے عمل کیا جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرات شیخین کے زمانہ میں احادیث کے روایت کرنے والے خارجیوں کے دوست تھے گویا مثل خارجیوں کے حضرت علی کے دشمن تھے۔

اعتراض سوم:۔ حضرت عمر کا یہ عذر نہ تو اریخ سے ثابت ہے نہ مذہبی روایات سے۔ قرآن شریف سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اہل کتاب نے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کی تھی کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو انہوں نے زبور، توریت یا انجیل کے مقابلہ میں رکھ کر آسمانی کتاب کو چھوڑ دیا ہو اور حالت موجودہ میں تو یہ عذر بالکل بے معنی ہے، آنحضرت کی احادیث قرآن کے مطابق ہیں، اس کے معارض نہیں پھر احادیث سے تمسک کرنا قرآن شریف سے اعراض کرنے کا مرادف کیونکر ہو سکتا ہے۔

امر واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت عمر بھی اس طرز عمل کو فقہ کی رو سے غلط سمجھتے تھے۔ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم سنت رسول یعنی حدیث کے محتاج ہیں۔ شوریٰ میں سنت رسول کی سنت شیخین کے مقابلہ میں ایک شرط تھی۔ حضرت عمر کے بعد ہی بہت جلد لوگ تدوین حدیث میں مشغول ہو گئے۔ معاویہ کے دور ہی میں احادیث کی بکثرت روایت شروع ہو گئی۔ مولوی عبدالسلام حضرت عمر کی اس غلطی کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں

"اگرچہ اس دور میں حدیثوں کی بھی بکثرت روایت کی جاتی تھی اور تابعین کا ایک گروہ صرف اسی کام میں لگا ہوا تھا۔ تاہم وہ اب تک کسی مجموعہ کی صورت میں مدون نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن چونکہ تمام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید کی وضاحت کرکے حدیثیں فقہ کی تکمیل کرتی ہیں اور عام مسلمانوں میں کوئی اس رائے کا مخالف نہ تھا اس لئے عقلاً یہ حالت دیر تک قائم نہ رہ سکتی تھی چنانچہ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کمی کو محسوس کیا اور اپنے عامل مدینہ حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جو حدیثیں ملیں ان کو لکھیں کیونکہ مجھ کو علم اور علماء کے فنا ہو جانے کا خوف ہے۔"

تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۲۱۴۔

چنانچہ بہت سی احادیث کی کتابیں لکھی گئیں۔ حنفی فقہ کا تو یہ جزو اعظم ہے۔ صحاح ستہ مشہور ہیں۔ اس سے ایک اور فقط ایک نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ تو حضرت عمر بھی اور ان کے مقلدین بھی سب ہی جانتے تھے کہ احادیث ضروری شے ہیں۔ بغیر ان کے فقہ اسلامی کی تکمیل نہیں ہوتی یہاں تک کہ ارکان نماز و زکوٰۃ کا علم بھی محض ان سے ہی حاصل ہوا ہے۔ ہم کیونکر مان لیں کہ حضرت عمر اس بدیہی بات سے ناواقف تھے۔ ان کا منشاء تو یہ تھا کہ حضرت علی و اہل بیت کے فضائل کی احادیث نہ بیان کی جائیں اس کو ان کے مقلدین بھی سمجھ گئے تھے۔ چنانچہ حضرت علی کے فضائل کی بہت کم احادیث ان کے مقلدین نے جمع کیں۔ حضرت عمر کو باقی احادیث کی اشاعت سے تعرض نہ تھا۔ ان کے زمانہ میں تو اتنا ہی ہو سکتا تھا ہاں حضرت امیر معاویہ نے ان کا مقصد تو سمجھ ہی لیا تھا۔ جو بات حضرت عمر اشاروں میں کہہ سکتے تھے۔ وہ انہوں نے کھلم کھلا کہی، صاف طور سے حکم فرمایا کہ فضائل علی کی احادیث نہ بیان کی جائیں بلکہ اس پر اضافہ بھی کر دیا کہ حضرات ثلاثہ کے حق میں فضائل کی احادیث وضع بھی کی جائیں۔ یہ بات وہ تھی جو شام جیسے جاہل ملک ہی میں ممکن تھی۔ حضرت عمر مدینہ میں آنحضرت کے زمانہ سے اس قدر نزدیک یہ جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ سقیفہ بنی ساعدہ اور شوریٰ میں جہاں یہ موقعہ تھا اگرچہ یہ موضوع احادیث فضائل ثلاثہ جواب جاری ہیں موجود ہوتیں تو ان کا ذکر ضرور آتا۔ ان دونوں موقعوں پر ان احادیث کا ذکر نہ ہونا ہی صاف ثابت کرتا ہے کہ اس

دل سے حضرت عمر بھی حدیث کی ضرورت کے معترف تھے

وقت تک یہ احادیث تیار نہیں ہوئی تھیں۔

اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ کس طرح حضرت علی کے نام کو مٹانے کی کوشش کی گئی۔ آنجناب کے فضائل کی احادیث کو کس طرح ضائع کرنے کا حکم دیا گیا اور کس طرح حضرات ثلاثہ کے حق میں احادیث فضائل وضع کی گئیں۔

ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں شیخ ابوالحسن المدائنی اور تاریخ ابن عرفہ المعروف بنفطویہ سے مندرجہ ذیل واقعات نقل کئے ہیں۔

فضائل علی کی احادیث کو ضائع کرنے کے احکام

وروی ابوالحسن علی بن محمد بن ابی سیف المدائنی فی کتاب الاحداث قال کتب معاویۃ نسخۃ واحدۃ الی عمالہ بعد عام الجماعۃ ان برئت الذمۃ ممن روی شیئاً من فضل ابی تراب و اھل بیتہ فقامت الخطباء فی کل کورۃ وعلی کل منبر یلعنون علیاً و یبرؤن منہ و یقعون فیہ و فی اھل بیتہ وکان اشد الناس بلاء حینئذٍ اھل الکوفۃ لکثرۃ من بہا من شیعۃ علی علیہ السلام فاستعمل علیھم زیاد بن سمیہ وضم الیہ البصرۃ فکان یتتبع الشیعۃ و ھو بھم عارف لانہ کان منھم ایام علی علیہ السلام فقتلھم تحت کل حجر و مدر و اخافھم و قطع الایدی والارجل وسمل العیون وصلبھم علی جذوع النخل و طردھم وشردھم عن العراق

ابوالحسن علی بن محمد ابی سیف المدائنی نے کتاب الاحداث میں روایت کی ہے کہ معاویہ نے مضمون واحد کے حکم نامے امام حسنؑ سے صلح کے بعد اپنے تمام عمال کے پاس بھیجے جن میں اس نے تحریر کیا کہ میں بری الذمہ ہوں۔ اس شخص سے جو فضائل علی و اولاد علی بیان کریگا۔ لہٰذا ہر طبقہ و سرزمین میں ہر ممبر پر لکچرار کھڑے ہو گئے۔ جو حضرت علی پر لعنت کرتے تھے ان سے بیزاری چاہتے تھے اور ان کی اولاد کی مذمت کرتے تھے۔ اس مصیبت میں سب سے زیادہ اہل کوفہ گرفتار تھے کیونکہ وہاں شیعیان علی بہت تھے۔ لہٰذا معاویہ نے کوفہ پر زیاد بن سمیہ کو حاکم مقرر کر دیا اور بصرہ بھی اس کے ساتھ ملا دیا وہ شیعوں کو جہاں بھی وہ ہوتے تھے نکال لیتا تھا۔ وہ ان سے واقف تھا کیونکہ وہ حضرت علی کے زمانے میں ان ہی میں سے تھا۔ لہٰذا ہر ایک پتھر و کنکر کے نیچے سے شیعوں کو تلاش کر کے اس نے قتل کیا۔ دھمکیاں دیں ان کے ہاتھ پیر کاٹے۔ آنکھیں نکال ڈالیں، درختوں کی شاخوں

شیعوں کے مصائب

فلم یبق بها معروف منهم و کتب معاویة الی عماله فی جمیع الآفاق الاّ یجیزوا لاحد من شیعة علی و اهل بیته شهادة و کتب الیهم ان انظروا من قبلکم من شیعة عثمان و محبیه و اهل ولائه والذین یروون فضائله و مناقبه فادنوا مجالسهم و قربوهم و اکرموهم واکتبوا الیّ بکل ما یروی کل رجل منهم واسمه واسم ابیه و عشیرته ففعلوا ذلك حتّی اکثروا فی فضائل عثمان و مناقبه لما کان یبعثه الیهم معاویه من الصلات و الکساء والحباء والقطائع و یفیضه فی العرب منهم والموالی فکثر ذلك فی کل مصر و تنافسوا فی المنازل والدنیا فلیس یجیئ احد مردود من الناس عاملاً من عمال معاویه فیروی فی عثمان فضیلة او منقبة الاکتب اسمه و قربه و شفعه فلبثوا بذلك حینا ثم کتب الی عماله ان الحدیث فی عثمان قد کثر وفشا فی کل مصر و فی کل وجهة و ناحیة فاذا جاءکم کتابی هذا فادعوا النّاس

میں سولی دے کر لٹکا دیا۔ اور بہتوں کو عراق سے جلاوطن کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق میں کوئی بھی شیعہ جس سے وہ واقف تھا نہ رہا اور معاویہ نے کل اطراف میں اپنے عاملوں کو لکھا کہ کسی شیعہ علی اور اہل بیت علی کی گواہی کو جائز نہ رکھو اور اپنے عاملوں کو لکھا کہ عثمان کے پیروان و دوست داران و اہل ولاء پر مہربانی کرو۔ جو عثمان کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہیں۔ ان کی جائے نشست اپنے نزدیک قرار دو اور ان لوگوں کو اپنا مقرب بناؤ انکی بزرگی کرو ان کی بیان کردہ احادیث و روایات مجھے لکھو اور بیان کرنے والے کا نام اور اس کے باپ و قبیلے کا نام لکھو۔ پس عاملوں نے ایسا ہی کیا تا اینکہ فضائل و مناقب عثمان کی ان لوگوں نے کثرت کر دی کیونکہ معاویہ ان لوگوں کو صلہ بھیجتا تھا از قسم باغات و اراضیات و ملبوسات اور ان احادیث کو عرب میں شائع کرتا تھا اور دوستداران عثمان کے پاس بھیجتا تھا پھر ہر شہر میں اسکی کثرت ہوئی اور لوگ دنیا و وجاہت دنیا کی طرف مائل ہو گئے پس عمال معاویہ میں سے ایسا کوئی نہ تھا کہ اس قسم کی جھوٹی احادیث لاوے مگر یہ کہ ہر ایک عثمان کے حق میں فضیلت و منقبت کی جھوٹی حدیث بیان کرنے والے کا نام معاویہ لکھ لیتا تھا اور اس کو مقرب بنا لیتا تھا اور اس کی سفارش قبول کرتا تھا۔ پس اس طرح ایک زمانہ گذر گیا۔ پھر معاویہ نے اپنے عمال کو لکھا کہ بہ تحقیق حق عثمان میں حدیثیں بکثرت ہو گئی ہیں اور ہر شہر اور ہر طرف

خلفاء کے فضائل کی احادیث گھڑنے اور شائع کرنے کا حکم

الی الروایة فی فضائل الصحابة و
الخلفاء الاولین ولا تترکوا خبرا
یرویه احد من المسلمین فی ابی
تراب الا وأتونی بمناقض له فی
الصحابة مفتعلة فان هذا احبّ
الی واقر لعینی وادحض لحجة
ابی تراب و شیعته واشد الیهم
من مناقب عثمان وفضله فقرأت
کتبه علی الناس فرویت اخبار
کثیرة فی مناقب الصحابة مفتعلة
لاحقیقة لها وجد النّاس فی
روایة ما یجری هذا المجری
حتی اشادوا بذکر ذلک علی
المنابر والقی الی معلم الکتاتیب
فعلموا صبیانهم وغلمانهم من
ذلک الکثیر الواسع حتّی رووه
وتعلموه کما یتعلمون القرآن
وحتی علموه بناتهم ونساءهم
وخدمهم وحشمهم فلبثوا
بذلک ما شاء الله ثم کتب الی
عماله نسخة واحدة الی جمیع
البلدان انظروا الی من اقامت
علیه البینة انه یحب علیا و
اهل بیته فامحوه من الدیوان
واسقطوا عطاءه ورزقه وشفع
ذلک بنسخة اخری من اتهمتوه
بموالاة هؤلاء القوم فنکلوا به

اور ہر گوشہ میں پھیل گئی ہیں لہذا جس وقت یہ میرا
خط تم کو ملے فوراً تم لوگوں کو صحابہ وخلفائے ثلاثہ
کے فضائل بیان کرنے پر مائل کرو اور اگر تم کوئی
حدیث ابوتراب کے حق میں سنو تو ویسی ہی اور
اس کے مثیل ونظیر دوسری حدیث صحابہ کے حق
میں بنا کر مجھے دو۔ پس بہ تحقیق یہ امر مجھے بہت
محبوب تر ہے اور میری آنکھوں کو ٹھنڈک کرنے والا
ہے اور ابوتراب اور ان کے شیعوں کی دلیل
کو بہت توڑنے والا ہے اور ان لوگوں کو فضائل
عثمان سخت تر معلوم ہوں گے۔ معاویہ کے یہ
خطوط لوگوں کو پڑھ کر سنائے گئے۔ پس تعریف
صحابہ میں بہت سی جھوٹی احادیث بنائی ہوئی
بیان کی گئیں جن کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اور
لوگوں نے اس قسم کی خبروں کے بیان کرنے میں
کوشش کی یہاں تک کہ یہ سب موضوعہ احادیث
منبروں پر بیان اور مشتہر کی گئیں اور وہ موضوعہ
احادیث استادوں کو مکتبوں میں دی گئیں اور
انہوں نے اپنے شاگردوں اور طالب علموں اور
لڑکوں کو سکھایا اور تعلیم کیا جیسا کہ قرآن سیکھتے
ہیں تا اینکہ معلموں نے اپنی بیٹیوں اور عورتوں
اور نوکروں کو سکھایا پس اسی حال سے ان
لوگوں نے بسر کی۔ پھر معاویہ نے ایک ہی مضمون
کا پروانہ اپنے عاملوں کو سب شہروں میں بایں
مضمون لکھا کہ تم لوگ جس شخص کی نسبت گواہی
سے ثابت ہو کہ بہ تحقیق وہ شخص علی اور اہل بیت علی کو دوست
رکھتا ہے پس اس کا نام دفتر سے مٹا دو۔ اور
اس کا رزق بند کر دو اور جو اس کو ملتا ہے وہ روک

صحابہ وخلفائے ثلاثہ کے فضائل کی احادیث کو وضع کرنے اور مشتہر کرنے کے احکام

واهدموا داره فلم یکن البلاء اشد
ولا اکثر منه بالعراق ولا سیما
بالکوفة حتی ان الرجل من شیعة
علی علیه السلام لیاتیه من یثق
به فیدخل بیته فیلقی الیه سره
ویخاف من خادمه ومملوکه
ولا یحدثه حتی یاخذ علیه
الایمان الغلیظة لیکتمن علیه
فظهر حدیث کثیر موضوع و
بهتان منتشر ومضی علی ذلك
الفقهاء والقضاة والولاة وکان
اعظم الناس فی ذلك بلیة القراء
المراؤن والمستضعفون الذین
یظهرون الخشوع والنسك
فیفتعلون الاحادیث لیحظوا
بذلك عند ولاتهم ویقربوا
مجالسهم ویصیبوا به الاموال
والضیاع والمنازل حتی انتقلت
تلك الاخبار والاحادیث الی
ایدی الدیانین الذین لا
یستحلون الکذب والبهتان
فقبلوها ورووها وهم یظنون
انها حق ولو علموا انها باطلة
لما رووها ولا تدینوا بها فلم
یزل الامر کذلك حتی مات
الحسن بن علی علیه السلام
فازداد البلاء والفتنة فلم یبق

دو اور اس حکم کی تائید کے لئے پہ دوسرا فرمان بھی لکھا کہ
جس شخص کے اوپر محبت علی واہلبیت علی کا اتہام
تمہارے نزدیک ثابت ہو جائے تو اس کو اور اسکے
گھر کو گرا دو اور اس قوم سے محبت کرنے والوں کے ساتھ
بھی یہی سلوک کرو زیادہ تر یہ بلا عراق خصوصاً کوفہ میں
بھی تا اینکہ اگر کوئی شخص شیعہ علی اس شخص کے پاس
آتا تھا جس پر وہ بھروسہ کرتا تھا تو وہ داخل خانہ ہوتا
اور اپنا راز اس سے کہتا تھا اور اس کے خادم اور
غلام سے ڈرتا تھا اور اس سے بھی کچھ بات نہیں کرتا
تھا جب تک کہ غلیظ اور سخت قسمیں اس سے راز پوشیدہ
رکھنے کے لئے نہیں لیتا تھا پس بہت سی گھڑی ہوئی
موضوع احادیث حق صحابہ میں ظاہر ہوئیں اور بہت
سی بہتان چھپانے والی احادیث برخلاف حضرت
علی شائع ہوئیں اور اس ہی روش پر سب فقہاء
اور قاضی و حکام چلے سب سے زیادہ اس روش
پر چلنے والے قاریان وریاکنندگان اور مستضعفین
تھے جو اظہار خشوع وخضوع وعبادت کرتے تھے پھر وہ
جھوٹی احادیث بناتے تھے تاکہ ان کے سبب سے
اپنے والیان ملک کے نزدیک بہرہ مند ہوں۔
اور پاس بیٹھنے سے قرب حاصل کریں اور بسبب
تقرب کے مال وجائداد ومکانات ان کو حاصل
ہو یہاں تک کہ یہ خبریں اور احادیث ان دین
داروں کے ہاتھ میں منتقل ہوئیں جو جھوٹ کو حلال
نہیں جانتے تھے اور سچا گمان کر کے قبول کرتے تھے
اور اگر وہ جانتے کہ یہ احادیث جھوٹی ہیں تو ان کو
روایت نہ کرتے اور نہ اس راہ پر چلتے پس یہ امر اسی
طرح پر رہا تا اینکہ امام حسن ابن علی نے وفات پائی پھر

علیہ قریش ابداً ولو ولیہا لانتقضت علیہ العرب من اقطارہا فعلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ انی علمت ما فی نفسہ فامسک وابی اللہ الا امضاء ما حتم یعنی بے شک جناب رسولِ خدا سے علی کے بارے میں چند ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے کوئی حجت ثابت نہیں ہوتی تھی اور عذر قطع نہیں ہوتا تھا یعنی یہ حجت اور یہ عذر کہ انہوں نے علی کے بارے میں نص خلافت نہیں کی ثابت نہیں ہوتا تھا، اور بسا اوقات تو جناب رسولِ خدا علی کے اس امر میں حق کی جانب کی طرف مائل ہو جانا چاہتے تھے اور بہت مبالغہ کرتے تھے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آنحضرت نے اپنے مرض موت میں علی کے نام کی تصریح کر دینی چاہی تھی مگر میں نے اس سے ان کو روک دیا جس سے میری غرض محض اسلام کی ہمدردی تھی کعبہ کے رب کی قسم علی کے بارے میں کبھی قریش کا اجتماع نہ ہوگا۔ اور اگر لوگ ان کو خلیفہ بنا بھی لیں گے تو ہر طرف سے عرب ان پر شورش کریں گے۔ بس رسولؐ اللہ سمجھ گئے کہ میں نے ان کے دل کی بات تاڑ لی اور وہ رُک گئے اور خدا نے بھی اس سے انکار کیا اور جو خدا چاہتا تھا اس کو ہی جاری کیا۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث صفحہ ۹۷

علامہ ابن الحدید کہتے ہیں کہ اس خبر کو احمد ابن ابی طاہر نے اپنی تاریخ بغداد میں لکھا ہے۔ اس سے بہت سے اہم واقعات کا انکشاف ہوتا ہے جن کو ہم ابھی بیان کرتے ہیں۔ ایک اور مکالمہ یہاں درج کرتے ہیں۔ عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے ساتھ ملک شام کی طرف گیا اور وہاں ایک دن وہ اپنے اونٹ پر اکیلے نکلے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا اب وہ مکالمہ اس طرح ہوتا ہے۔

حضرت عمر: میں تم سے تمہارے ابن عم یعنی علی کی شکایت کرتا ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے ساتھ چلو انہوں نے انکار کر دیا اور اکثر میں انکو اپنے سے غضب ناک ہی دیکھتا ہوں۔ اس کا کیا سبب ہے؟

عبداللہ ابن عباس: یہ درست ہے ان کا یقین ہے کہ جناب رسولِ خدا نے خلافت انکو عطا کی تھی۔

حضرت عمر: اے ابن عباس یہ تو درست ہے کہ جناب رسولِ خدا کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علی کو ملے لیکن جناب رسولِ خدا کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب خدا نے نہ چاہا کہ خلافت علی کو ملے۔ خدا نے اس کے خلاف چاہا اور خدا کی مراد جاری ہو گئی اور رسولِ خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ دیکھو رسول خدا نے بہت چاہا۔ کہ ان کا چچا ایمان لائے لیکن وہ ایمان نہ لایا کیونکہ خدا نے چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ رسولِ خدا نے تو یہ بھی چاہا تھا۔ کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علی کے نام کر دیں۔ لیکن میں نے فتنہ و امر اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔ رسول اللہ بھی میرے دل کی بات کو سمجھ گئے اور رُک گئے اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہی ہوا ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث صفحہ ۱۰۲

ایک اور ایسا ہی واقعہ ملاحظہ ہو۔ عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن میں اور حضرت عمر مدینہ کے ایک کوچے میں جا رہے تھے کہ اس طرح گفتگو شروع ہوئی۔

احد من هذا القبيل الا و هو خائف على دمه او طريدا فى الارض . . . . وقد روى ابن عرفة المعروف بنفطويه وهو من اكابر المحدثين و اعلامهم فى تاريخه ما يناسب هذا الخبر وقال ان اكثر الاحاديث الموضوعة فى فضائل الصحابه افتعلت فى ايام بنى اميه تقربا اليهم بما يظنون انهم يرغمون به انوف بنى هاشم۔

فساد و بلا اور زیادہ ہوئے یہاں تک کہ کوئی شخص اس قسم کا باقی نہیں رہا مگر یہ کہ ڈرتا تھا اپنے قتل سے یا جلاوطن ہونے سے (اسکے بعد فاضل مورخ لکھتے ہیں کہ یہ بلا امام حسین کے قتل کے بعد زمانہ عبدالملک و حجاج ابن یوسف میں اور زیادہ ہوگئی) اور تحقیق روایت کی ہے اپنی تاریخ میں ابن عرفہ نفطویہ نے جو بہت بڑے محدثین میں سے وہ خبر جو اس ہی خبر کی تصدیق کرتی ہے کہا ابن عرفہ نے کہ بہت احادیث موضوعہ فضائل صحابہ و خلفائے ثلاثہ میں بنائی گئی ہیں زمانہ بنو امیہ میں تاکہ انکے ذریعہ سے نزدیکی و تقرب حاصل کیا جائے کیونکہ بنو امیہ گمان کرتے تھے کہ وہ ان احادیث موضوعہ کے ذریعے سے بنو ہاشم کی ناک مروڑ رہے ہیں۔

ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث صفحہ ۱۵ و ۱۶ لتشریح خطبہ ان فی ایدی الناس حقاً و باطلاً و صدقاً و کذباً۔

اس سے بہتر اور مؤثر تر اور کیا ثبوت ہم اپنے دعوے کا دے سکتے ہیں یہ فقط ایک معجزہ تھا کہ ان حالات اور واقعات کے اندر مذہب شیعہ و فضائل علی اور دلائل احقیت علی بخلافت بلا فصل آج تک قائم رہے۔ اور وہ بھی ان ہی مخالفین کی کتابوں میں خداوند تعالےٰ اسی طرح اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرماتا ہے۔ کبھی موسیٰ کو فرعون سے پرورش کراتا ہے۔ کبھی ابراہیمؑ کے اوپر اسی آگ کو گلزار بنا دیتا ہے جو ان کی ہلاکت کے لئے تیار کی گئی تھی۔ اس کا وعدہ سچا ہے کہ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ یہ نعمت دین کی نعمت ہے اس سچے دین کی نعمت کو قائم رکھنا تھا۔ معاویہ و بنو امیہ اور بنو عباس ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا لیتے تو یہ چراغ الٰہی کبھی گل نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہوا یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَیَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (پارہ ۱۰ سورۃ التوبہ ع ۵) ذرا اس آیہ کریمہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ کی باتوں سے نور خدا کو بجھا دیں۔ جھوٹی احادیث وضع ہو کر نور حق کو چھپانے کے لئے منہ ہی سے نکلتی تھیں اور پھیلتی تھیں۔ یہی اُن کی منہ کی پھونکیں تھیں۔ ہم نے ضمیمہ البلاغ المبین میں جو البلاغ المبین حصہ سوم بھی کہا جا سکتا ہے، اسناد و تراجم ان کتابوں کے اور مؤلفین کے تحریر کئے ہیں جن کا حوالہ کتاب البلاغ المبین

میں دیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کتابیں اور ان کے مؤلفین اور راویان کا درجہ جماعت اہل حکومت میں کتنا بلند ہے اور ان کے اوپر کتنا اعتبار ہے دراصل ان کے سارے دین کا انحصار ان ہی علماء و محدثین پر ہے جن کی کتابوں سے ہم نے استدلال کیا ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی الحدید کی نسبت ہم یہاں بھی کچھ لکھ دیں کیونکہ عبارت مذکورہ بالا ہمارے دعوے کی مکمل طور سے تائید کرتی ہے اور جماعت اہل حکومت کے ملا اس پر خاک ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ معتزلی ہے اور خلفائے ثلاثہ کا سچے اور پکے دل سے حامی ہے۔ اس امر کو اس کی شرح نہج البلاغۃ کا مطالعہ ہر ایک پر روز روشن کی طرح ظاہر کر دے گا اس نے اپنا سارا زور بلاغت و فصاحت و استدلال خلافت ثلاثہ کی احقیت ثابت کرنے پر لگا دیا ہے اور شیعہ عالم علامہ حلیؒ کے اعتراضات کا جواب دینے کی بڑی کوشش کی ہے۔ کمال الدین عبد الرزاق بن احمد بن محمد بن ابی المغازلی الشیبانی نے اپنی کتاب مجمع الآداب فی معجم الالقاب میں ابن ابی الحدید کے علم و فقہ کی بہت تعریف کی ہے اور افضل ابن روزبہان ابن ابی الحدید کے کلام سے سند لیتا ہے اور یہ واقعات تو محض ابن ابی الحدید نے دو کتابوں سے نقل کئے ہیں یعنی کتاب الاحداث ابی الحسن علی بن محمد بن ابی سیف المدائنی اور تاریخ ابن عرفہ المعروف بنفطویہ علیٰ مرتبت تو ان کتابوں کا دیکھنا ہے۔ ابن ابی الحدید پر تو اتنا ہی بھروسہ کرنا ہے کہ اس نے صحیح نقل کیا ہوگا۔ تو اس قدر تو بھروسہ قطعاً ہو سکتا ہے وہ علم کا زمانہ تھا۔ ہر ایک شخص ان کتابوں سے واقف تھا کسی میں غلط نقل کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ سو یہ دونوں بزرگوار یعنی ابو الحسن علی المدائنی اور ابن عرفہ نفطویہ اکابر محدثین اہل سنت و جماعت سے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابو سعید سمعانی نے اپنی کتاب الانساب میں لکھا ہے:۔

ابن ابی الحدید کا بیان

ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ ابن ابی شعیب المدائنی مولیٰ عبد الرحمٰن ابن سمرۃ القرشی وھو بصری سکن المدائن ثم انتقل عنھا الی بغداد فلم یزل بھا الی حین وفاتہ وھو صاحب الکتاب المصنفۃ روی عنہ الزبیر بن البکار و احمد ابن ابی خیثمۃ و الحرث ابن ابی اسامۃ قال یحییٰ بن	ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ ابن ابی شعیب مدائنی مولے ہیں عبد الرحمٰن بن سمرہ قرشی کے اور وہ بصرے کے رہنے والے تھے۔ سکونت مدائن کی اختیار کی پھر وہاں سے نقل کر کے بغداد کی طرف چلے گئے اور تا وقت وفات وہیں رہے۔ اور وہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ زبیر ابن بکار و احمد بن ابی خثیمہ اور حرث ابن ابی اسامہ نے ان سے روایت کی ہے یحییٰ بن

معین غیر مرۃ اکتب عن المدائنی کتبہ وکان ابو العباس یقول من اراد اخبار الاسلام فعلیہ بکتب المدائنی ذکر الحارث بن ابی اسامۃ ان ابا الحسن المدائنی سرد الصوم قبل موتہ بثلاثین سنۃ وانہ کان قارب مائۃ سنۃ فقیل لہ فی مرضہ ما تشتھی فقال اشتھی ان اعیش و کان مولدہ ومنشاہ بالبصرۃ ثم صار الی المدائن بعد حین ثم صار الی بغداد فلم یزل بھا حتی توفی بھا ذی القعدۃ سنۃ اربع و عشرین ومائتین وکان عالما بایام الناس واخبار العرب وانسابھم عالما بالفتوح والمغازی وروایۃ الشعر صدوقا فی ذلک ذکرہ غیر انہ مات فی سنۃ ۲۲۴

معین نے کہا کہ میں مدائنی کی کتابوں سے اخذ کرتا ہوں۔ ابو العباس کہتے ہیں کہ جو شخص تاریخ اسلام معلوم کرنے کی خواہش رکھے اس پر لازم ہے کہ وہ مدائنی کی کتابیں پڑھے۔ حارث ابن اسامہ نے ذکر کیا ہے کہ بہ تحقیق ابو الحسن مدائنی اپنی موت سے تیس سال قبل سے پے در پے روزے رکھے ان کی عمر تقریباً سو برس کی ہوئی تھی حالت مرض میں ان سے پوچھا گیا کہ تم کو کون سی چیز کی خواہش ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ میری خواہش ہے کہ میں اور زندہ رہوں ان کی جائے ولادت و نشوونما بصرہ تھی پھر بعد ایک زمانہ کے وہ مدائن گئے۔ اس کے بعد بغداد گئے اور برابر وہیں رہے تا اینکہ ماہ ذی قعد ۲۲۴ھ ہجری میں وفات پائی وہ لوگوں کے حالات، عرب کی خبروں اور ان کے نسب سے واقف تھے۔ اور حالات، فتوحات و غزوات و روایت شعراء کو جانتے تھے اور ان سب باتوں میں بڑے سچے تھے۔

ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر السمعانی، کتاب الانساب باب المیم والدال ورق ۵۱۵۔
نوٹ: یہ کتاب لاہور کی پبلک لائبریری میں ہے۔

ابن عرفہ کی تعریف علامہ جلال الدین السیوطی اپنی کتاب بغیۃ الوعاۃ میں اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

ابراھیم بن محمد بن عرفۃ بن سلیمن بن المغیرۃ بن حبیب ابن مھلب ابن ابی صفرۃ العتکی الازدی الوسطی ابو عبد اللہ الملقب نفطویہ لشبھہ بالنفطلدمامتہ وادمتہ وجعل علی مثال سیبویہ لانتسابہ فی النحو الیہ

ابراہیم ابن محمد ابن عرفہ بن سلیمان بن مغیرہ بن حبیب بن مہلب بن ابی صفرہ عتکی ازدی الواسطی ابو عبد اللہ ملقب بنفطویہ بہ سبب مشابہ ہونے کے بدصورتی اور گندمی رنگت میں ساتھ نفط کے اور گردانا گیا نفطویہ مانند سیبویہ کے بسبب منسوب ہونے نفطویہ کے نحو میں طرف سیبویہ کے۔۔۔

الی ان قال یاقوت کان نفطویہ عالماً بالعربیۃ واللغۃ والحدیث اخذ عن ثعلب والمبرد وکان زاھداً الا خلاق حسن المجالسۃ صادقاً فیما یرویہ حافظاً للقرآن فقیھاً علی مذھب داود الظاھری راساً فیہ مسنداً فی الحدیث حافظاً للسیر وایام الناس والتواریخ والوفیات ذا مروۃ وظرف جلس للاقراء اکثر من خمسین سنۃ وکان یبتدی فی مجلسہ بالقرآن علی روایۃ عاصم ثم یقرء الکتاب۔

یاقوت نے کہا کہ نفطویہ عالم علم عربی و لغت وحدیث کا تھا اور حدیث کا علم ثعلب و مبرد سے حاصل کیا۔ پاکیزہ اخلاق والا نیک صحبت اور سچا تھا اس چیز میں جو وہ روایت کرتا تھا، حافظ قرآن تھا اور طریقہ داود الظاہری کا سردار اور فقیہ تھا، حدیث میں مستند تھا علم سیرت و وقائع مردم اور ازمنہ تواریخ کی علماء و محدثین کا حافظ تھا، صاحب مروت اور ظریف تھا، پچاس برس سے زیادہ درس دیا ہے۔ اپنے درس کو حسب روایت عاصم پہلے قرآن سے شروع کرتا تھا۔ پھر اور کتابیں پڑھاتا تھا۔

جلال الدین السیوطی : کتاب بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ الطبقۃ الاولی سنہ ۱۳۲۶ ہجری مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۷۔

ابو عثمان جاحظ نے جو دشمنان علی ابن ابی طالب کا راس و رئیس تھا۔ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام کتاب عثمانیہ ہے۔ اس میں اس نے فضائل علی کے اخفاء کی بے حد کوشش کی ہے۔ اور اس کے مقابلے میں دیگر خلفاء و صحابہ کے فضائل میں بہت سی بناوٹی حدیثیں تحریر کی ہیں۔ اس کا جواب خود سواد اعظم و جماعت حکومت کے ایک عالم معتبر ابو جعفر اسکافی نے اپنی کتاب نقائض عثمانیہ میں دیا ہے اس میں ایک جگہ ابو جعفر اسکافی تحریر کرتے ہیں :۔

لولا ما غلب علی الناس من الجھل و حب تقلید لم نحتج الی نقض ما احتجت بہ العثمانیۃ فقد علم الناس کافۃ ان الدولۃ والسلطان لارباب مقالتھم وعرف کل احد اقدار شیوخھم و علمائھم وامرائھم وظھور کلمتھم وقھر سلطانھم وارتفاع التقیۃ عنھم والکرامۃ والجائزۃ لمن

اگر لوگوں کے اوپر جہل اور اپنے سلف کی تقلید کرنے کے شوق کا غلبہ نہ ہوتا تو ہمیں ضرورت ہی نہ پڑتی کہ کتاب عثمانیہ کے رد میں بحث کریں تمام لوگوں کو معلوم ہے کہ دولت و غلبہ مصنف کتاب عثمانیہ جیسے لوگوں کا رہا ہے اور سب کو ان کے رؤساء و علماء و امراء کے اقتدار کا علم ہے اور نیز جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی بات اچھی طرح مشہور ہو جاتی ہے کیونکہ

روی الاخبار والاحادیث فی فضل ابی
بکر وما کان من تاکید بنی امیہ لذالک
وما ولدہ المحدثون من الاحادیث
طلباً لما فی ایدیہم فکانوا لا یالون
جہداً فی طول ما سلکوا ان یخملوا
ذکر علی وولدہ ویطفؤا نورہم
ویکتموا فضائلہم ومناقبہم و
سوابقہم ویحملوا الناس علی
شتمہم وسبہم ولعنہم علی
المنابر فلم یزل السیف یقطر
من دمائہم مع قلۃ عددہم
وکثرۃ عدوہم فکانوا بین قتیل
واسیر وشرید وہارب ومستخف
ذلیل وخائف مترقب حتی ان
الفقیہ والمحدث والقاضی و
المتکلم یتقدم الیہ ویتوعد
بغایۃ الایعاد واشد العقوبۃ
ان لا یذکروا شیئاً من فضائلہم
ولا یرخصوا لاحد ان یطیف بہم
حتی بلغ من تقیۃ المحدث انہ
اذا ذکر حدثنا عن علی کنی عن ذکرہ
فقال قال رجل من قریش ولا یذکر
علیاً ولا یتفوہ باسمہ رأینا جمیع
المختلفین قد حاولوا نقض فضائلہ
ووجہوا الحیل والتاویلات نحوہا من
خارجی مارق وناصب حنق ونابت
مستی وناشی معاند ومنافق

ان کا غلبہ ہے اور ان کو اپنے خیالات چھپانے
کی ضرورت نہیں جو شخص فضائل ابی بکر میں
اخبار و احادیث بیان کرتا تھا اس کو انعام و
اکرام ملتا تھا اور یہی بنو امیہ کی تاکید تھی۔ لہذا
محدثین نے انعام حاصل کرنے کی غرض سے
کوشش کی کہ اس قسم کی احادیث وضع کریں
اور ذکر علی و اولاد علی سے باز رہیں۔ اور ان
کے نور کو بجھائیں ان کے فضائل و مناقب و
سوابقات کو چھپائیں۔ لوگوں پر زبردستی کی
گئی کہ منبروں پر علی و اولاد علی پر لعنت کریں
اور سب و شتم کریں حالانکہ عادہین قلیل تھے۔
اور ان کے دشمن کثیر تھے پھر بھی ان کے دشمن
کی تلواروں سے ہمیشہ ان کا خون ٹپکتا رہا ان
کو قتل کرتے تھے، قید کرتے تھے اور وہ
بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ ذلیل ہوتے تھے
خائف رہتے تھے۔ فقیہ و محدث و مؤرخ
و متکلم کو رشوت دی جاتی تھی اور ان کو
نہایت شدید عذاب و سزا کی دھمکی سے ڈرایا
جاتا تھا۔ کہ وہ فضائل علی و اولاد علی میں سے
ایک شمہ بھی بیان نہ کریں اور کسی کو اجازت
نہ تھی کہ ان سے ملیں۔ محدثین کے خوف
کی حالت یہاں تک ہو گئی کہ جب حضرت علی
کے واسطے سے کوئی حدیث بیان کرتے
تھے تو علی کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ اشارہ سے
کہتے تھے مثلاً قریش میں سے ایک شخص نے
یہ کہا ہے، قریش سے ایک شخص نے ایسا کیا
تھا۔ علی کا ذکر نہیں کرتے تھے نہ ان کا

مکذب وعثمانی حسود یعترض فیها ویطعن ومعتزلی قد نقد فی الکلام وابصر علم الاختلاف وعرف الشبه ومواضع الطعن وضروب التاویل قد التمس الحیل فی ابطال مناقبه وتاوّل مشهور فضائله فمرة یتاولها بما لا یحتمل ومرة یقصد ان یضع من قدرها بقیاس منتقض ولا تزداد مع ذلك الّا قوة دافعه ووضوحًا واستنارة وقد علمت ان معاویه ویزید ومن کان بعدهما من بنی مروان ایام ملکهم وذلك نحو ثمانین سنة لم یدعوا جهدًا فی حمل الناس علی شتمه ولعنه واخفاء فضائله وستر مناقبه وسوابقه . . . . وقد تعلمون ان بعض الملوك ربّما احدثوا قولا اورایا لهوی فیحملون الناس علی ذلك حتّی لا یعرفون غیره کنحو ما اخذ الناس الحجاج بن یوسف بقرأة عثمان وترك قرأة ابن مسعود واُبیّ بن کعب وتوعد علی ذلك بدون ماصنع هو وجبابرة بنی امیه وطغاة بنی مروان بولد

نام لیتے تھے ان سب باتوں کا نتیجہ ہم نے یہ دیکھا کہ تمام مختلف جماعتوں نے اس امر پر ایک اجتماع کر لیا کہ علی کے فضائل کو گھٹائیں۔ اور ان کی تاویلات کریں اسی وجہ سے عثمانی حاسد کو موقع ملا کہ طعن و اعتراض کرے لیکن جاننے والے اصلی بات کو جانتے ہیں فضائل علی کے ابطال میں بہت سے حیلے کرتے ہیں اور جو فضائل ایسے مشہور ہیں کہ ان کا انکار نہیں ہو سکتا تو ان کی تاویل کرنے کی کوشش کرتے جس کی مطلقاً گنجائش نہیں ہوتی اور کہیں ان فضائل کی قدر گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن باوجود ان تمام کوششوں کے فضائل علی قوت و استحکام پکڑتے ہیں اور نور الٰہی کی طرح خوب پھیلتے ہیں۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ معاویہ اور یزید اور ان کے بعد بنو مروان نے اپنے زمانہ سلطنت میں جو تقریباً اسی سال تھا لوگوں کو زبردستی کر کے علی و اولاد علی پر لعن و سب و شتم کرنے اور انکے فضائل و سوابق و مناقب کے چھپانے میں کوئی کوشش فروگذاشت نہیں کی۔۔۔۔۔ تم لوگ جانتے ہو کہ جب بادشاہوں میں سے کسی نے اپنی خواہش کی پیروی میں ایک نیا قول یا نیا دین ایجاد کیا تو لوگوں پر زبردستی و جبر کر کے کوشش کی ہے کہ لوگ سوائے انکے قول و دین کے کچھ اور نہ جانیں مثال کے طور پر دیکھو حجاج بن یوسف نے لوگوں کو مجبور کیا کہ حضرت عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن کو اختیار کریں اور ابن مسعود اور اُبیّ بن کعب کی قرأت کو ترک کر دیں اس نے اس امر پر لوگوں کو خوب دھمکی دی اور نیز ان امور

علی وشیعته وانما کان سُلطانه
نحوعشرین سنة فما مات
الحجاج حتی اجتمع اهل العراق
علی قرأة عثمان ونشاء ابناؤهم
ولا یعرفون غیرها لامساك الآباء
عنها وکف المعلمین عن تعلیمها
حتی لو قرأت علیهم قراة عبد الله
وابی ما عرفوها یظنوا بتالیفها
الاستکراه والاستهجان لالف
العادة وطول الجهالة لانه اذا
استولت علی الرعیة الغلبة و
طالت علیهم ایام التسلط وشاعت
فیهم المخافة وشملتهم التقیة
اتفقوا علی التخاذل والتساکب فلا
تزال الایام تاخذ من بصائرهم
وتنقیص من ضمائرهم وتنقص
من موائرهم حتی تصیر البدعة
التی احدثوها غامرة للسنة
التی کانوا یعرفوها ولقد کان
الحجاج ومن ولاة لعبد الملك
والولید ومن کان قبلها وبعدها
من فراعنه بنی امیه علی اخفاء
محاسن علی وفضائله وفضائل
ولده وشیعته واسقاط اقدارهم
احرص منهم علی اسقاط قرأت
عبد الله واُبیّ لان تلك القراءة
لاتکون سبباً لزوال ملکهم و

پر جو اس نے اور سرکشان بنی مروان و بنی امیہ
نے حضرت علی کی اولاد اور ان کے شیعوں کے
ساتھ کئے تھے۔ اس کی سلطنت تقریباً بیس سال
رہی اور وہ نہیں مرا یہاں تک کہ اہل عراق حضرت
عثمان کے قرآن پر جمع ہوگئے ان کی اولاد نے نشو
ونما پائی اور اب وہ سوائے قرآن عثمان کے اور
کسی قرأت کو نہیں جانتے تھے کیونکہ انکے باپ
دادا نے اس ہی قرآن کو پکڑا تھا۔ اور ان کے استادوں
نے اس کی ہی تعلیم دی تھی یہاں تک کہ اگر اب ان
کے سامنے عبداللہ ابن مسعود و ابی کے طریقے کے
قرآن کو پڑھا جائے تو وہ اس سے بالکل ناواقف
ہوں گے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ انہیں اس قرآن سے
الفت ہوگئی اور دوسرے کا علم ہی نہ تھا اسی
طرح اس امر میں (رعایا کے اوپر استبداد غالب ہو
گیا سلطنت کا زمانہ دراز ہوگیا اور ان کے دل میں
تقیہ اور ڈر نے گھر کر لیا یہاں تک کہ وہ اس امر پر
جمع ہوگئے کہ مرور زمانہ کیوجہ سے ان کی آنکھوں میں
حضرت علی کی وہ قدر و منزلت نہ رہی دلوں سے
ان کی عزت جاتی رہی اور حضرت علی کے محاسن نہاں
ہوگئے یہاں تک کہ یہ بدعت (سب وشتم علی) انکے
لئے سنت ہوگئی جو حجاج اور وہ لوگ جنہوں نے اس
کو مقرر کیا تھا عبدالملک و ولید اور نیز وہ فراعنہ بنی اُمیہ
جو ان سے پہلے تھے اور بعد میں ہوئے بہت شدت
و جور کے ساتھ ان پر تلے ہوئے تھے کہ حضرت علی کے
محاسن اور ان کی اولاد اور شیعوں کے فضائل کو چھپائیں
اور ان کے اقتدار و عزت کو محو کریں ان کی یہ خواہش
اس سے کہیں زیادہ تیز اور فوت آثار تھی جو انکو عبداللہ

فساد امرھم و انکشاف حالھم و فی اشتھار فضل علی علیه السلام و ولدہ و اظھار محاسنھم بوارھم و تسلیط حکم الکتاب المنبوذ علیھم فحرصوا و اجتھدوا فی اخفاء فضائله وحملوا الناس علی کتمانھا و سترھا و ابی الله ان یزید امرہ و امر ولدہ الا استنارۃ واشراقاً وحبھم الا شغفا وشدۃ و ذکرھم الا انتشارا و کثرۃ و حجتھم الا وضوحا و قوۃ و فضلھم الا ظھورا و شانھم الا علوا و قدرھم الا عظاما حتی اصبحوا باھانتھم ایاھم اعزاءً و باماتتھم ذکرھم احیاءً وما ارادوابه بھم من الشر تحول خیرا فانتھی الینا من ذکر فضائله و خصائصه و مزایاہ و سوابقه ما لم یتقدمه السابقون ولا ساواہ فیه القاصدون ولا یلحقه الطالبون ولولا انھا کانت کالقبلة المنصوبة فی الشھرۃ وکالسنن المحفوظة فی الکثرۃ لم یصل الینا منھا فی دھرنا حرف واحد وکان الامر کما وصفناہ۔

و ابن ابی کی قرأت کو محو کرنے کے لیے تھی کیونکہ ان قرأتوں سے ان کے ملک کو زوال نہیں آتا تھا فضائل علی و اولاد کے مشتہر ہونے میں اور ان کے محاسن کے ظاہر ہونے میں ان لوگوں کے ملک و سلطنت کی بربادی تھی لہٰذا انہوں نے فضائل علی کے اخفاء میں بہت کوشش کی اور جور و ظلم کے ساتھ لوگوں کو مجبور کیا کہ فضائل و حقوق علی کو چھپائیں لیکن خُدا وند تعالےٰ نے چاہا کہ حضرت علی اور ان کی اولاد کا نور چمکے اور پھیلے ان کی محبت زیادہ ہو ان کا ذکر اطراف عالم میں منتشر ہو ان کے حقوق لوگوں پر ظاہر ہوں انکے فضائل و محاسن لوگوں پر آشکار ہوں اُنکی شان بڑھے ان کی قدر و منزلت زیادہ ہو یہاں تک کہ جوں جوں بنی امیہ نے ان کی اہانت کی ان کی عزت زیادہ ہوئی۔ جوں جوں بنی امیہ نے اُن کے ذکر کو چھپانا چاہا۔ توں توں وہ لوگوں میں پھیلا جس امر سے بنو امیہ کا منشا انہیں بدی پہنچانے کا تھا وہ ان کے لئے نیکی میں تبدیل ہو گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علی و اولاد علی کے فضائل اور محاسن و سوابقات کا ذکر ہم تک پہنچا اور حضرت علیؑ کی یہ محاسن و صفات ایسی ہیں کہ جن میں علی کی برابری نہ آگے بڑھنے والوں نے کی اور نہ ان کی حد تک طلب و تلاش کرنے والے پہنچ سکے ان کو اخفاء و مُردہ کرنے کے لئے تو اتنے زبردست طریقے استعمال کیے گئے تھے کہ اگر یہ صفات و محاسن بہت اعلیٰ درجہ کے نہ ہوتے اور ان کی شہرت رسولِ خُدا صلعم کے وقت میں اتنی عام نہ ہو گئی ہوتی تو ہم تک ان کی ایک صفت بھی نہ پہنچتی۔

ابوجعفر اسکافی جماعت حکومت کے نہایت مشہور و معروف متکلمین و محققین میں سے ہے، ابوسعد عبدالکریم سمعانی نے کتاب الانساب (ورق ۱۵) میں لکھا ہے کہ محمد بن عبداللہ الاسکافی بغداد کے معتزلہ متکلمین میں سے بہت مشہور و معروف ہے اور اس کی بہت تصانیف ہیں ۲۴۰ھ ہجری میں اس نے وفات پائی۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ محمد بن عبداللہ ابو جعفر الاسکافی بغداد کے معتزلہ متکلمین میں سے مشہور و معروف تھا اس کی مدح ابوالحدید نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں بہت کی ہے اور عبدالجبار معتزلی جس سے اہل سنت و جماعت نے طریقہ مناظرہ سیکھا ہے اس کی بہت تعریف کرتا ہے۔

علامہ ابوبکر خوارزمی کے مکاتیب ہیں جو مصر میں چھپ چکے ہیں اور اس کا ایک نسخہ اس حقیر کے کتب خانہ میں خداوند تعالے کے فضل و کرم سے موجود ہے اس سے بھی زیادہ اس امر کی تفصیل کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

وکتب الی جماعة الشیعة بنیسابور لما قصدهم محمد بن ابراهیم و الیها سمعت ارشد الله سعیکم و جمع علی التقوی امرکم ما تکلم به السلطان الذی لا یتحامل الا علی العدل ولا یمیل الا جانب المفضل ولا یبالی بان یمزق دینه اذا رفا دنیاه ولا یفکر فی ان لا یبقل هم رضاء الله اذا وجد رضاه وانتم ونحن اصلحنا الله وایاکم عصابه لم یرض الله لنا الدنیا فذخرنا للدار الاُخری ورغب بنا عن ثواب العاجل فاعد لنا ثواب الاجل وقسمنا قسمین قسما مات شهیدا او قسما عاش شریدا فالحی یحسد المیت علی ما صار الیه ولا یرغب بنفسه عما جری علیه قال

جب محمد بن ابراہیم والی نیشاپور نے وہاں کی شیعہ جماعت کا قصد کیا تو علامہ خوارزمی نے اس جماعت کے پاس یہ خط لکھا: خدا تمہارا بھلا کرے میں نے تمہاری کوششوں اور تقویٰ کا حال اس بادشاہ سے سنا ہے جو ہمیشہ عدل کرتا ہے اور فضیلت کی طرف مائل ہوتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ اسکے دین کو اسکی دنیا کے امور خراب کر دیں اور جب رضائے الٰہی معلوم کر لیتا ہے تو اس کو سب پر مقدم رکھتا ہے ہم اور تم خدا بھلا کرے ایک جماعت ہیں خدا اس بات پر راضی نہ ہوا کہ ہمیں دنیا دیوے لہذا آخرت میں ہمارے ثواب کا ذخیرہ جمع فرمایا دنیائی دل فریبیاں اس نے ہمارے لئے مناسب نہ سمجھیں لہذا اس نے ہمارے لئے آخرت کی خوبیاں جمع فرمائیں اور ہمیں دو قسموں پر تقسیم کیا پس ایک جماعت تو شہید ہو گئی اور دوسری شہر بدر کی گئی پس زندہ لوگ مردوں پر حسد کرتے تھے بوجہ ان تکالیف کے جو ان پر گزر رہی تھیں جناب امیر المومنین علیہ السلام نے

امیر المومنین و یعسوب الدین علیہ
السلام المحن الی شیعتنا اسرع من
الماء الی الحدور وھذہ مقالۃ
اسست علی المحن وولد اھلھا
فی طالع الھزاھز والفتن فحیاۃ
اھلھا نغص قلوبھم حشوھا
غصص والایام علیھم متحاملۃ و
الدنیا عنھم مائلۃ فاذا کنا شیعۃ
ائمتنا فی الفرائض والسنن و
متبعی آثارھم فی ترک کل قبیح
وفعل حسن فینبغی ان نتبع
آثارھم فی المحن غصبت سیدتنا
فاطمۃ صلوٰۃ اللہ علیھا وعلی ابیھا
میراث ابیھا صلوات اللہ علیہ وعلی
آلہ یوم السقیفۃ واخر امیر
المومنین عن الخلافۃ وسم
الحسن علیہ السلام سراً وقتل
اخوہ علیہ السلام مجھراً وصلب
زید بن علی بالکناسہ وقطع راس
زید بن علی فی المعرکۃ وقتل ابناہ
محمد و ابراھیم علی ید عیسی بن
موسی العباسی ومات موسیٰ بن
جعفر فی حبس ھارون وسم علی
بن موسیٰ بید المامون وھزم
ادریس بفخ حتی وقع الی الاندلس
فریدا ومات عیسی زید طریدا
شریدا وقتل یحیی بن عبد اللہ

فرمایا ہے کہ جس تیزی کے ساتھ پانی نشیب کی طرف
دوڑ کر جاتا ہے اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ
مصائب و تکالیف ہمارے شیعوں کی طرف
دوڑ کر آتے ہیں اس قول کی بنیاد ان مصائب
پر ہے جن کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ لوگ فتنوں کے
طالع کے اندر پیدا ہوتے ہیں ان کی زندگی قبل
اس کے کہ پوری ہو ختم کر دی جاتی ہے اور وہ اپنی
زندگی سے پھولتے پھلتے نہیں ان کے دل اندر
سے غم و اندوہ سے بھرے رہتے ہیں۔ زمانہ ان پر
سختی کرتا ہے اور دنیا ان سے دور ہو جاتی ہے
اور اگر ہم فرائض و سنن میں اپنے اماموں کی پیروی
کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور انکے نقش قدم پر چلنا
چاہتے ہیں تو چاہیئے کہ ہم مصائب و تکالیف میں
بھی ان کے قدم بقدم چلیں بروز سقیفہ جناب فاطمہ
الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا سے ان کے باپ کی میراث
چھین لی گئی اور جناب علی مرتضیٰ کو خلافت اولیٰ سے
محروم کیا گیا۔ جناب امام حسنؑ کو پوشیدہ زہر دیا گیا جناب
امام حسینؑ کو علانیہ قتل کیا گیا۔ زید بن علی کو کناسہ
میں سولی دی اور زید ابن علی کا سر معرکہ میں کاٹا
گیا اور ان کے دونوں بیٹوں محمد ابراہیم کو عیسیٰ
بن موسیٰ عباسی نے قتل کیا۔ حضرت موسیٰ بن
جعفر ہارون کی قید میں مر گئے اور حضرت علی بن
موسیٰ کو مامون نے زہر سے شہید کیا۔ ادریس
فخ کی طرف بھاگ گئے اور پھر تن تنہا اندلس
میں آگئے عیسیٰ بن زید جلا وطنی کی حالت میں
مر گئے۔ یحییٰ بن عبد اللہ کو امان و حلف دیئے
کے باوجود قتل کیا گیا۔ یہ سب اس کے علاوہ

حضرت عمر:۔ اے ابن عباس میرا خیال ہے کہ تمہارے ابن عم یعنی حضرت علی پر ظلم ہُوا۔
عبداللہ ابن عباس:۔ (دل میں) میں اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دُوں گا۔ اے امیرالمومنین مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کو وہ شے واپس کردیں جو ظلم کے ساتھ ان سے چھینی گئی ہے۔
حضرت عمر:۔ (عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ سُن کر حضرت عمر نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں سے نکال لیا اور تھوڑی دیر کچھ گنگناتے ہوئے چلے پھر ٹھہر گئے۔ میں ان تک پہنچ گیا تو انہوں نے کہا) اے ابن عباس میرا خیال ہے کہ تمہاری قوم نے تمہارے صاحب یعنی علی کو کمسن سمجھا اور اس وجہ سے انہیں خلیفہ نہ بننے دیا۔
عبداللہ ابن عباس:۔ (میں نے اپنے دل میں کہا یہ بات پہلے سے بھی زیادہ شر آمیز ہے اور حضرت عمر کو جواب دیا) قسم بخدا خُدا اور اس کے رسُول نے تو علی کو کمسن نہ سمجھا جب انہیں مقرر کیا کہ تمہارے صاحب یعنی ابوبکر صدیق سے سُورہ برأۃ لے کر مکہ والوں تک پہنچا دیں۔
حضرت عمر:۔ نے یہ جواب سُن کر مجھ سے مُنہ موڑ لیا اور دوسری طرف خاموش چلے گئے میں بھی واپس آگیا۔ (ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ الجزا الثالث صفحہ ۱۰۵)

ہمارا مولوی شبلی سے مکمل اتفاق ہے کہ ان مکالموں سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوتا ہے بلکہ ان کی ساری سیاست دجدّ وجہد کے مقصد کا انکشاف کلی ہو جاتا ہے۔ سیاست عمریہ کے متعلق ہم جو کچھ بھی لکھیں گے وہ محض ان ہی خیالات کی تفصیل وتشریح ہو گی۔ ان سے مندرجہ ذیل امُور حضرت عمر کی زبانی ثابت ہوتے ہیں۔

ا۔ حضرت علی ارکان حکومت کے شریک کار نہیں تھے اور ان سے ہمیشہ ناراض رہتے تھے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے اور اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ جب یہ لوگ خلاف شرع کام کرتے تھے یا خلاف انصاف حکم دیتے تھے تو جناب امیر ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتے تھے اور انکو صحیح امور سے آگاہ کر دیتے تھے۔
۲۔ حضرت علیؑ کے خلاف ایک جماعت تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح خاندان نبوّت میں حکومت نہ جائے
۳۔ حضرت عمر کو اس مخالف جماعت کے اندرونی رازوں سے واقفیت تھی۔ عبداللہ ابن عباس ان رازوں سے ناواقف تھے کیونکہ وہ حضرت علیؑ کے ہم قبیلہ اور بقول شبلی طرف دار تھے۔
۴۔ اس مخالف جماعت کا مقصد و منشا تھا کہ خاندانِ نبوّت میں حکومت نہ جائے۔
۵۔ اس مقصد کو حضرت عمر نے پورا کیا بلکہ اس مقصد کی کامیابی محض ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔
۶۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عمر اس جماعت میں سے تھے بلکہ اُنکے سردار تھے اور اُنکی سیاست کا بھی مقصد یہی تھا۔
۷۔ صاف ظاہر ہے کہ جماعتِ مخالف کا یہ مقصد محض کینہ وحسد پر مبنی تھا اور کوئی وجہ نہ تھی جیسا کہ عبداللہ ابن عباس نے صاف طور سے کہہ دیا اور حضرت عمر بھی کوئی اور وجہ نہ بتا سکے۔ کم سنی تو ایک بہانہ تھا۔
۸۔ اس بحث میں اصول جمہوریت، حقوق رعایا، نمائندگی رعیّت کو دخل کرنا محض بعد کے لوگوں کی اختراع و جدّت ہے لہٰذا یہ امُور خارج از بحث رہنے چاہئیں لیکن اگر انکو بحث میں دخل کر بھی لیا جائے گا تو جماعت مخالف کو کچھ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ

ان مکالمات سے جو امور ثابت ہوتے ہیں

بعد الامان والایمان وبعد تاکید
العهود والضمان هذا غير ما
فعل يعقوب بن الليث بعلويه
طبرستان وغير قتل محمد بن زيد
والحسن بن القاسم الداعي على
ايدي آل سامان وغير ما صنعه
ابو السياح في علويته المدينة
حملهم بلا غطاء ولا وطاء من الحجاز
الى سامرا وهذا بعد قتل قتيبه
بن مسلم الباهلي لابن عمر بن علي
حين اخذه بابويه وقد ستر
نفسه وارى شخصه يصانع حياته
ويدافع وفاته ولا كما فعله الحسين
بن اسمعيل المصيعي بيحيي بن عمر
الزيدي خاصة وما فعله مزاحم بن
خاقان بعلويه الكوفة كافة وبحسبكم
انه ليست في بيضة الاسلام بلدة
الا وفيها لقتيل طالبي تشارك في
قتلهم الاموي والعباسي واطبق
عليهم العدناني والقحطاني اشعار
..... قادتهم الحمية الى المنية
وكرهوا عيش الذلة فماتوا موت
العزة ووثقوا بما لهم في الدار
الباقية فسخت نفوسهم عن
هذه الفانية ثم لم يشربوا
كاسًا من الموت الا شربها
شيعتهم واولياؤهم ولا

ہے جو یعقوب بن اللیث نے طبرستان
میں علویین کے ساتھ کیا۔ یہ اس کے علاوہ
ہے کہ محمد بن زید والحسن بن القاسم کو آل
سامان نے قتل کیا اور نیز اس کے علاوہ
ہے جو ابو السیاح نے مدینہ میں علویین کے ساتھ
کیا ان پر یکایک حملہ کر دیا جب کہ وہ بالکل
نہتے تھے اور ان کو سامرا کی طرف جلا وطن کر دیا
اور یہ قتیبہ بن مسلم باہلی کے قتل کے بعد ہوا کہ جب
وہ عمر بن علی کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا جس کو بابویہ
نے چھپا لیا تاکہ اس کی زندگی کی حفاظت ہو اور
اس سے مصائب دفع ہوں۔ حسین بن اسمٰعیل
المصیعی نے یحییٰ بن عمر الزیدی پر اور مزاحم بن
خاقان نے کوفہ میں علویین پر بڑے بڑے ظلم
وستم کیے تھے۔ غرض کہ ممالک اسلامیہ میں کوئی
شہر ایسا نہیں ہے جہاں کوئی علوی قتل نہ کیا
گیا ہو اور اس کے قتل میں اموی وعباسی و
عدنی وقحطانی سب نے شرکت نہ
کی ہو۔ . . . .
علویین کو حمیت نے موت کی طرف کھینچا
چونکہ وہ ذلت کی زندگی گوارا نہیں کرتے
تھے۔ لہٰذا وہ عزت کی موت مر گئے چونکہ
ان کا ایمان ویقین نعمائے اخروی پر کامل
تھا۔ لہٰذا ان کے دل اس فانی دنیا سے بیزار
ہو گئے مگر انہوں نے کوئی موت کا کاسہ نہیں
پیا لیکن یہ کہ ان کے ساتھ ان کے شیعوں
اور دوستوں نے بھی اس کو اسی طرح چکھا۔
عثمان بن عفان نے عمار بن یاسر کے پیٹ

تا سوالونا من الشدائد الا قاساه
انصارهم واتباعهم داس عثمان
بن عفان بطن عمار بن یاسر بالمدینة
ونفی اباذر الغفاری الی الربذة و
اشخص عامر بن عبد قیس التمیمی
وغرب الاشتر النخعی وعدی بن
حاتم الطائی وسیر عمر بن زرارة
الی الشام ونفی کمیل بن زیاد الی
العراق وجفا ابی بن کعب واقصاه
وعادی محمد بن حذیفه وناواه و
عمل فی دم محمد بن سالم ما عمل
وفعل مع کعب ذی الحطبه ما فعل و
اتبعه فی سیرته بنو امیه یقتلون
من حاربهم ویغدرون بمن سالمهم
لا یحفلون المهاجرین ولا یصونون الا
نصاری ولا یخافون الله ولا یحتشمون
الناس قد اتخذوا عباد الله خولا ومال
الله دولا ویهدمون الکعبة ویستعبدون
الصحابة ویعطلون الصلوة الموقوتة
ویختمون اعناق الاحرار ویسیرون
فی حرم المسلمین سیرتهم فی حرم
الکفار واذا فسق الاموی فلویات
بالضلالة عن کلالة قتل معاویه
حجر بن عدی الکندی وعمرو بن
الحمق الخزاعی بعد الایمان المؤکدة
والمواثیق المغلظه وقتل زیاد بن
سمیه الالوف من شیعة الکوفة وشیعة

پر لاتیں ماریں اور ابوذر غفاری کو ربذہ کی
طرف جلا وطن کر دیا، اور عامر بن عبد قیس
التمیمی کو شہر بدر کر دیا اور اشتر النخعی وعدی
بن حاتم کو جلا وطن کر دیا۔ عمر بن زرارہ کو
شام کی طرف بھیج دیا۔ کمیل بن زیاد کو عراق
کی طرف روانہ کر دیا۔ و ابی بن کعب و
محمد بن حذیفہ پر ظلم کیا اور ان کو بھی شہر
بدر کر دیا۔ محمد بن سالم کے خون کے ساتھ
اس نے وہ کیا جو اس نے کیا۔ اور کعب
ذی الحطبہ کے ساتھ وہ کیا جو اس نے
کیا۔ اسی طرح عثمان بن عفان کے نقش
قدم پر بنو امیہ چلے جو اُن سے لڑائی کرتا تھا
تو اسے قتل کر دیتے تھے اور جو اُن کے
ساتھ صلح کر لیتا تھا تو اس سے دھوکہ کرتے
تھے۔ اُن کے دستِ جور سے نہ مہاجرین
بچے ہوئے تھے اور نہ انصاری وہ نہ خدا سے
ڈرتے تھے اور نہ انسان کا کچھ خیال کرتے
تھے۔ بندگانِ خدا کو اپنا غلام سمجھتے تھے اور
خدا کے مال کو اپنے باپ کا مال خیال کرتے
تھے کعبہ کو منہدم کرتے تھے۔ صحابیوں سے اپنی
عبادت کراتے تھے (یا صحابیوں کو غلام بناتے
تھے) نماز ہائے پنجگانہ کو ترک کر دیا تھا۔ آزاد
لوگوں کو قید کرتے تھے حرم مسلمین کے ساتھ
وہی سلوک کرتے تھے جو حرم کفار کے ساتھ
کرتے تھے۔ بنو امیہ نے اتنا فسق و فجور کیا جو
حد سے گزر گیا۔ معاویہ نے حجر بن الکندی و عمرو
بن الحمق الخزاعی کو حلف کیساتھ امان دینے کے بعد

البصرة صبرلوا وسعهو حبسًا وسرحتیٰ قبض الله معاويه على سوء اعماله وختم عمره بشر احواله فاتبعه ابنه يجهز على جرحاه و يقتل ابناء قتلاه الى ان قتل هانی بن العروة المرادی . . . .

فلما خلت البلاد لال مروان سلطوا الحجاج على الحجازين ثم على عواقين فتلعب بالهاشمين واخاف الفاطمين وقتل شيعة على ومحا آثار بيت النبی وجرى منه ماجرى على كميل بن زياد النخعی واتصل البلاء مدة ملك المروانيه الى الايام العباسيه حتى اذا اراد الله ان يختم مدتهم باكثر آثامهم ويجعل اعظم ذنوبهم فی اخر ايامهم بعث على بقية الحق المهمل والدين المعطل زيد بن على فخذله منافقون اهل العراق وقتله احزاب اهل الشام وقتل معه من شيعته نصر بن خذيمة الاسدی ومعاويه بن اسحاق الانصاری وجماعة من شايعه و تابعه وحتى من زوجه وادناه وحتى كلمه وماشاه فلما انتهكوا ذلك الحريم واقترفوا ذلك الاثم العظيم غضب الله

قتل کیا۔ زیاد ابن سمیہ نے بصرہ و کوفہ کے ہزاروں شیعوں کو قتل کر دیا اور بہت کو اسیر کر لیا یہاں تک کہ خدائے تعالے نے معاویہ کو اس کی بداعمالیوں کی جوابدہی کے لئے بلا لیا اور اس کی عمر ختم ہو گئی اس کے بُرے انجام کے ساتھ اس کے بیٹے یزید نے اپنے باپ کی پیروی ان بُرے اعمالوں میں کی اور جن کو معاویہ نے قتل کر دیا تھا ان کے بیٹوں کو یزید نے قتل کیا یہاں تک کہ اس نے ہانی بن عروۃ المرادی کو بھی قتل کروا ڈالا . . . . جب تمام ممالک آل مروان کے لئے آل علی سے خالی ہو گئے تو انہوں نے حجازین و عراقین پر حجاج بن یوسف کو مسلط کر دیا پس وہ ہاشمیوں کی زندگی کے ساتھ کھیلا۔ فاطمین کو ڈرایا شیعیان علی کو قتل کیا۔ آل رسول کی نشانیوں کو مٹا دیا اس کی طرف سے کمیل ابن زیاد النخعی پر جو گزرا وہ گزرا اور یہ بلاء عظیم سلطنت مروانیہ کے زمانہ میں عباسیوں کی حکومت تک یہی رہا تا تک کہ جب خداوند تعالے نے ارادہ کیا کہ ان کی مدت سلطنت کو عظیم الشان گناہوں کے ساتھ ختم کرے اور انکے سب بڑے گناہ ان کے آخری زمانہ میں ہوں تو زید ابن علی کو اس رہے سہے معطل دین اسلام پر کھڑا! پس عراق کے منافقوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ اہل شام نے ان کو قتل کر دیا اور ان کے ساتھ انکے شیعوں میں سے نصر بن خزیمہ الاسدی و معاویہ بن اسحاق الانصاری قتل کئے گئے۔ اور وہ سب قتل کر دئے گئے جنہوں نے ان سے سلسلہ ازدواج قائم کیا تھا اُن کے نزدیک آئے تھے یا ان سے کلام کیا تھا

عليهم و انتزع الملك منهم
فبعث عليهم ابا مجرم لا ابا مسلم
فنظر لا نظر الله اليه الى صلابة
العلوية والى لين العباسية
فترك تقاه واتبع هواه وباع
آخرته بدنياه وافتتح عمله
بقتل عبد الله بن معاوية بن
عبد الله بن جعفر بن ابيطالب
وسلط طواغيت خراسان وخوارج
سجستان واكراد اصفهان على
آل ابي طالب يقتلهم تحت كل
حجر ومدر ويطلبهم في كل
سهل وجبل حتى سلط عليه
احب الناس اليه فقتله كما
قتل الناس في طاعته واخذه
بما اخذ الناس في بيعته ......
وقد امتلأت سجونه باهليبت
الرسالة ومعدن الطيب والطهارة
فقد تتبع غائبهم وتلقط حاضر
هم حتى قتل عبد الله بن محمد
بن عبد الله الحسنى بالسند ...
.... وهذا
قليل في جنب ما قتله هارون
منهم وفعله موسى قبله
بهم ....
ويموت امام من ائمة الهدى
وسيد من سادات بيت

پس جب بنی امیہ نے یہاں تک ظلم عظیم کیے تو خداوند
تعالیٰ ان پر غضب ناک ہوا اور ان سے ملک چھین
لیا اور اُن کے اُوپر ابو مسلم کو جسے ابو مجرم کہنا چاہیئے
مسلط کیا پس ابو مسلم نے مناسب سمجھا کہ علویین
پر سختی کرے اور عباسیوں کی طرف جھکے اس نے
تقویٰ چھوڑ دیا اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کی اور
آخرت کو دُنیا کے عوض میں فروخت کر دیا اس
نے اپنی بد اعمالیاں عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن
جعفر بن ابی طالب کے قتل سے شروع کیں اور
خراسان کے شیطانوں وسجستان کے خارجیوں اور
اصفہان کے کردوں کو آل ابیطالب کے اوپر مسلط
کر دیا وہ لوگ اولاد ابیطالب کو ہر ایک پتھر و کنکر
کے نیچے سے ڈھونڈھ کر قتل کرتے تھے اور ان کو
میدانوں اور پہاڑوں میں سے تلاش کر کے نکالتے
تھے یہ قدرت خداوندی تھی کہ ابو مسلم کے اُوپر وہ
شخص مسلط ہو گیا جو سب سے زیادہ اس کا محبوب تھا پس
اس نے ابو مسلم کو اسی طرح قتل کیا جسطرح ابو مسلم نے
لوگوں کو اسکی اطاعت میں قتل کیا تھا ..... شاہان
عباسیہ کے قید خانے اہلبیت رسالت سے بھر دیئے
گئے اُنکے غائب کو ڈھونڈھ کے نکالا گیا اور اُنکے
حاضر کو قتل کیا گیا یہاں تک کہ عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ
حسنی ملک سندھ میں قتل کر دیئے گئے .... اور یہ
سب بہت کم تھا اس کے مقابلہ میں جو ہارون نے ان
میں سے قتل کیے اور جو کہ موسیٰ نے اس کے قبل ان
کے ساتھ کیا تھا .... عباسیوں کی
یہ حالت تھی کہ اگر خاندان رسالت میں سے کوئی
امام یا سید مرجاتا تھا تو کوئی اُس کے جنازہ

مصطفیٰ فلا تتبع جنازته ولا تجصص مقبرته ویموت ضراط لهم اولاعب اومسخرة اوضراب فتحضر جنازته العدول والقضاة ویعمر مسجد التعزیه عند القواد والولاة ویسلم فیهم من یعرفونه دهریا اوسوفسطائیا ولا یتعرضون لمن یدرس کتابا فلسفیا ومانویا ویقتلون من عرفوه شیعیا ویسفکون دم من سمی ابنه علیا .... وکفاهم ان شعراء قریش قالوا فی الجاهلیة اشعارا یهجون بها امیر المومنین علیه السلام ویعارضون فیها اشعار المسلمین فحملت اشعارهم ودونت اخبارهم ورواها الرواة مثل الواقدی ووهب بن منبه التمیمی ومثل الکلبی والشرقی بن القطامی والهیثم بن عدی و داب بن الکنانی وان بعض شعراء الشیعة یتکلم فی ذکر مناقب الوصی بل فی ذکر معجزات النبی صلی الله علیه واله وسلم فیقطع لسانه ویمزق دیوانه کما فعل بعبدالله بن عمار البرقی وکما ارید بالکمیت

کے ساتھ نہ جاتا تھا اور نہ ان کی قبر میں مٹی ڈالتا تھا اور اگر انکے ظالموں میں سے کوئی مرتا تھا یا کوئی مسخرہ یا لہو ولعب کا آدمی مرتا تھا تو اس کے جنازے کے ساتھ حکام عدالت وقاضی جاتے تھے اور تعزیت کرنے والوں سے جن میں والیان ملک بھی شامل ہوتے تھے مسجد بھر جاتی تھی۔ ان میں وہ لوگ صحیح وسالم رہتے تھے اور خوشی کی زندگی بسر کرتے تھے جن کو وہ جانتے تھے کہ یہ دہریئے یا سوفسطائی ہیں اور ان سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا جو مدرسوں میں مانی کے مذہب یا دہریت کی تعلیم دیتے تھے مگر جس شخص کو وہ جانتے تھے کہ شیعہ علی ہے اس کا خون مباح کر دیتے تھے اور اس کو قتل کرتے تھے اور جو شخص اپنے بیٹے کا نام علی رکھتا تھا اس کو قتل کر دیتے تھے ..... اور یہ کہنا ہی کافی ہے کہ شعرائے قریش جو امیر المومنین علی کی ہجو میں اشعار کہتے تھے اور مسلمانوں کے اشعار سے معارضہ کرتے تھے ان کے اشعار لوگوں میں فروغ پاتے تھے اور ان کے سوانح حیات تحریر کئے جاتے تھے اور ان کے اشعار کو واقدی و وہب جیسے مورخ روایت کرتے تھے مثلاً کلبی والشرقی بن القطامی وہیثم بن عدی اور داب بن الکنانی اور وہ شعراء شیعہ جو وصی مصطفےٰ کی مدح میں شعر کہتے تھے بلکہ جو صرف معجزات رسول خدا بیان کرتے تھے ان کی زبان قطع کی جاتی تھی اور ان کے دیوانوں کو چاک کیا جاتا تھا جیسا کہ عبداللہ بن عمار البرقی کے ساتھ کیا گیا۔ اور جس طرح کہ منصور بن الزبرقان کی قبر اکھاڑی

بن زید الاسدی وکما نبش قبر منصور بن الزبرقان النمری وکماد مر علی وعبل بن علی الخزاعی معرة فقتھم من مروان بن ابی حفصه الیمامی ...... حتی ان هارون بن الخیزران وجعفر المتوکل علی الشیطان لا علی الرحمن کانا لا یعطیان مالا ولا یبذلان نوالا الا لمن شتم آل ابی طالب ونصر مذهب النواصب مثل عبد الله بن المصعب الزبیری ووهب بن وهب البختری ومن الشعراء مثل مروان بن ابی حفصه الاموی ومن الادباء مثل عبد الملك بن قریب الاصمعی......

گئی اور جیسا کہ دعبل بن علی الخزاعی کے اوپر ظلم کیا گیا۔ حالانکہ وہ مروان بن ابی حفصه الیمامی کے رفقاء میں سے تھا...... ...... یہاں تک کہ ہارون و جعفر متوکل کسی کو کچھ مال عطا نہیں کرتے تھے اور نہ کسی پر مہربانی و تلطف کرتے تھے جب تک کہ انہیں یہ معلوم نہیں ہو جاتا کہ یہ شخص آل ابی طالب پر سب و شتم کرتا ہے۔ اور مذہب نواصب و خارجی رکھتا ہے۔ مثل عبداللہ بن مصعب الزبیری و وہب بن وہب البختری کے اور شاعروں میں سے مثل مروان بن ابی حفصة الاموی کے اور ادیبوں میں سے مثل عبد الملک بن قریب الاصمعی کے........

کتاب رسائل خوارزمی صفحہ ۱۰ - مطبوعہ مصر

جس کو ابوبکر خوارزمی کے علو مرتبت و فضل و علم و قدر و منزلت کا حال معلوم کرنا ہو۔ وہ شیخ احمد بن علی کی فتح وہبی اور جلال الدین سیوطی کی بغیۃ الوعاۃ کی طرف توجہ کرے۔ علاوہ اس کے اس عبارت میں کوئی نئی بات درج نہیں، یہ تمام تاریخی واقعات ہیں، بنو امیہ و بنو عباس نے جو مظالم علوئین پر کئے، ان سے کتب تواریخ مملو ہیں۔ ان کتابوں میں زیادہ تر حکومت امویہ و سلطنت عباسیہ کا ذکر ہے لیکن ظاہر ہے کہ جہاں تک استحکام و استقلال کا تعلق ہے ان کی سلطنت کی ضروریات وہی تھیں جو صدر اول کی حکومت کی تھیں۔ اموی و عباسی حکومتوں کو تو ان سے مقابلہ تھا جو اپنے تئیں حضرت علی کے ذریعے سے دعویدار خلافت سمجھتے تھے اور اپنا حق حضرت علی کے سلسلہ اور واسطے سے اخذ کرتے تھے۔ اس حکومت کی سراسیمگی کا کیا حال ہوگا جس کے زمانہ میں خود حضرت علی موجود تھے اور اپنے حقوق کا اعلان ہر مناسب موقع پر کرتے رہتے تھے۔ دنیاوی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اور حضرت علی کو اپنے اوپر

قیاس کرتے ہوئے اس وقت کے ارکان حکومت نے اپنی عقل کے بموجب چند اصول قائم کر لئے تھے جن پر انہوں نے عمل کیا۔ ان اصول وتدابیر وتجاویز کو اجمالاً ہم نے اس کتاب کے صفحہ ۵۷ پر بیان کیا ہے، ان میں سے مضمون زیر بحث کے متعلق یہ پانچ اصول تھے۔ (۱) حضرت علی واہل بیت کی شان ومنزلت کو گھٹانا (۲) احادیث رسول پر قبضہ کرنا (۳) حضرت علی کے فضائل کی احادیث کا اخفاء (۴) جہاں تک اس وقت کے حالات اجازت دے سکتے تھے حضرت علی کے مقابل میں صحابہ کے فضائل میں مبالغہ کرنا (۵) یہ اشارہ کرنا کہ اگر حضرت علی قتل کر دیئے جائیں تو پھر ہماری حکومت کی جڑ بالکل مضبوط ہو جائے گی، اس کو ہم نے شوریٰ کے حالات میں اچھی طرح ثابت کیا ہے۔ اموی وعباسی حکومتوں نے جو سلوک علویین اور حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ کیا ہے، وہ ان ہی پانچ اصولوں پر مبنی تھا۔ علویین کا وہ علانیہ قتل جو اموی وعباسی حکومتوں کے اندر ہوا۔ حکومت صدر اول کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس وقت ممکن نہ تھا۔ کیونکہ حضرت علی نے اس کا موقعہ ہی نہ دیا اور وہ زمانہ رسول خدا کے اس قدر نزدیک تھا بلکہ اس سے ملحق تھا کہ اس وقت اولاد علی کا علانیہ قتل ایک سیاسی غلطی ہوتی لہٰذا اس سے احتراز کیا گیا۔ لیکن وہ تمام حالات عمداً اور خاص کوششوں کے ساتھ پیدا کئے گئے۔ جن کا بہت کم عرصہ کے بعد ہی اس قتل وغارت پر منتہی ہونا اغلب ہی نہیں بلکہ یقینی تھا جو مقصد کہ مکان شوریٰ کے اندر پورا نہ ہو سکا وہ بہت خوبی سے میدان کربلا میں پورا ہوا۔

موجودہ کتب احادیث کی روایات

غرض کہ بہت اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ حکومت نے فضائل صحابہ وخلفائے اولین کے حقوق کی تائید میں بہت سی جھوٹی احادیث وضع کیں اور کرائیں اور جد وجہد بلیغ کی کہ فضائل علی اور وہ احادیث واقوال رسول مقبول جن سے حضرات علی کا حق خلافت بلا فصل ثابت ہوتا ہو۔ شائع نہ ہوں ان ہی اصول کو مد نظر رکھ کر تالیف حدیث کی گئی، اور ان ہی اصول کی بناء پر تدوین صحاح ستہ ہوئی، یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تدوین وتالیف کتب احادیث کے زمانہ تک امیر معاویہ اور ان سے قبل کی موضوعہ احادیث امتداد زمانہ کی وجہ سے بقول ابوجعفر اسکافی لوگوں کی نظروں میں صحیح معلوم ہونے لگی تھیں۔ جن اصول وقواعد کو مد نظر رکھ کر ان کتب احادیث کی تدوین وتالیف ہوئی وہ خود ان کے متن اور ان کی ترتیب سے ظاہر ہیں۔ امور مندرجہ ذیل قابل غور ہیں۔

۱۔ ان بزرگواروں نے حضرت علی واہل بیت رسول سے بہت کم احادیث اخذ کی ہیں۔

۲۔ اور جو احادیث اخذ کی ہیں وہ محض معمولی امور کے متعلق ہیں۔ امور سیاسیہ وحکومت

کا ان سے کوئی تعلق نہیں

۳ - حضرت علی و اہلِ بیت رسول سے عمداً اعراض کیا ہے اور جا بجا ظاہر کرتے گئے ہیں کہ یہ لوگ قابلِ اعتبار نہیں۔

یہ اعراض و اغماض کتنا صریحاً و علانیہ طور سے مخالف تھا جناب رسولِ خدا کے ارشادات سے جو فرمایا کرتے تھے کہ اگر علم حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو حضرت علی سے ملے گا اور کہیں نہیں ملے گا۔ میرے اہلِ بیت سے آگے نہ بڑھو اور ان کو سکھانے کی کوشش نہ کرو کیونکہ وہ تم سے زیادہ علم والے ہیں۔ ان احادیث رسول کو ہم حصۂ اول میں بیان کر چکے ہیں۔ بڑا ہو ضروریات سیاسی و خواہش ملک گیری کا جس نے ارکان حکومت کو مجبور کیا۔ کہ ایسے علی کو چھوڑ کر اخذ علم کے لئے رجوع کریں کس کی طرف، ابوہریرہ کی طرف، وہ ابوہریرہ جن کو صحابۂ رسول، خود حضرت عمر، کاذب اور مفتری جانتے تھے اور ان کو احادیث بیان کرنے سے منع کرتے تھے۔ اس کی تشریح آگے آتی ہے۔ امام احمد حنبل ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ اور ان کا مسند احادیث کی مستند ترین کتاب سمجھا جاتا ہے ان کا یہ حال ہے کہ ان کے مسند کے ۲۱۴ صفحات تو ابوہریرہ کی بیان کردہ احادیث سے پر ہیں اور حضرت علی کی مرویات صرف ۸۵ صفحات میں آ گئی ہیں۔ امام بخاری نے تو حضرت علی سے شاذ و نادر ہی کوئی حدیث لی ہو گی۔ مولوی عبید اللہ امرت سری نے بھی اس امر کو تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ارجح المطالب میں لکھا ہے اور حکومت کے جبر و استبداد کا ذکر کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے رسالہ فی اثبات سماع الحسن البصری عن علی میں لکھا ہے

اورده المزی فی التهذیب من طریق ابی نعیم قال ثنا القاسم عبد الرحمن بن العباس بن عبد الرحمن بن زکریا ثنا ابو حنیفة محمد بن الحنفیه الواسطی ثنا محمد بن موسی الجرشی ثنا ثمامه بن عبیدة ثنا عطیه بن محارب عن یوسف بن عبید کما قال سالت الحسن یا ابا سعید انك تقول قال رسول الله صلی الله

حافظ مزی نے تہذیب میں ابو نعیم کے طریق سے روایت کی ہے کہ ابو القاسم عبد الرحمن بن العباس بن عبد الرحمن بن زکریا نے بیان کیا کہ مجھ سے موسیٰ الجرشی نے کہا اور موسیٰ الجرشی سے ثمامہ بن عبیدہ نے کہا اور اس سے عطیہ بن محارب نے نقل کیا ہے وہ کہتا ہے کہ مجھ سے یوسف بن عبید نے کہا کہ میں نے حسن بصری سے کہا کہ اے ابا سعید تم ہمیشہ یہی کہتے ہو کہ جناب رسول خدا فرماتے تھے حالانکہ تم نے آنحضرت کا زمانہ نہیں پایا۔ حسن

علیه وسلم وانك لم تدركه قال یا ابن اخی سألتنی عن شیئ ماسألنی عنه احد قبلك ولو لا منزلتك عندی ما اخبرتك انی فی زمان کما تری (وکان فی عمل الحجاج کل شیئ) سمعتنی اقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فهو عن علیؑ غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیاً۔

بصری نے کہا کہ اے بھتیجے تو نے مجھ سے ایسی بات پوچھی ہے جو اس سے پہلے مجھ سے کسی نے نہیں پوچھی اگر میرے نزدیک تیری وہ منزلت نہ ہوتی جو ہے تو میں ہرگز تجھ سے بیان نہ کرتا تو دیکھتا ہے کہ میں کس زمانہ میں ہوں (یہ وہ زمانہ تھا کہ سب امور پر حجاج کا عمل تھا) تو نے جو مجھ سے قال رسول اللہ سُنا ہے اس سے میری یہ مراد ہے کہ اس حدیث کو میں نے جناب علی مرتضیٰ سے سنا ہے چونکہ میں ایسے وقت میں ہوں کہ جناب علی علیہ السلام کا نام نہیں لے سکتا۔ اس لئے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہوں۔

اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد عبید اللہ امرتسری لکھتے ہیں۔

"عبارت مرقومہ صدر سے صاف ظاہر ہے کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ حجاج کے خوف سے جناب امیر علیہ السلام کی مرویات آنحضرتؐ کی طرف مرفوع کرکے بیان کرتے تھے۔ اور حضرت علی کا نام نہیں لیتے تھے۔ پس اس سے خیال کر لینا چاہیئے کہ دوسرے راویوں کو بھی اسی قسم کا خوف تھا جس کے سبب سے وہ علی الاعلان جناب امیر علیہ السلام کی مرویات کو نہیں بیان کرسکتے تھے"

ارجح المطالب۔ اڈیشن چہارم باب سوم صفحہ ۱۵۰ اور ۱۵۲

دراصل امر واقعہ یہ ہے کہ جناب علی مرتضیٰؑ تو اپنا فرض سمجھتے تھے کہ علم رسول کی جہاں تک ہوسکے خوب اشاعت کی جائے اور جناب رسول خدا سے اتنی احادیث بیان کی ہیں کہ جتنی کسی اور صحابی نے نہیں کیں۔ ہم پھر ارجح المطالب سے نقل کرتے ہیں:۔

"ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر سے جس قدر احادیث روایت ہوئی ہیں کسی صحابی سے نہیں ہوئیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر صواعق محرقہ اور علامہ حسام الدین علی المتقی کنز العمال میں لکھتے ہیں۔"

اخرج ابن سعد عن علی انه قیل له مالك اکثر اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم حدیثاً قال انی کنت اذا سألته انبأنی واذا سکت ابتدانی یعنی جناب امیر سے لوگوں نے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ بہ نسبت دیگر

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ تر حدیث روایت کرتے ہیں۔ جناب علی نے فرمایا کہ میرا یہ حال تھا کہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتا تھا۔ تو مجھ سے بیان فرمایا کرتے تھے اور جب میں چپ رہتا تھا تو حضرت ابتدا فرماتے تھے"

ارجح المطالب :- ایڈیشن چہارم باب سوم صفحہ ۱۵۳۔

صحیح بخاری بعد کتاب باری اصح الکتب سمجھی جاتی ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کے جامع نے اہل بیت رسالت سے بہت زیادہ اعراض کیا ہے۔ آپ حضرت امام جعفر صادق کو (مماکم بدہن) صادق اللہجہ نہیں خیال فرماتے تھے۔ لہٰذا ان سے اخذ حدیث نہیں کیا۔ بخاری ہی پر کیا منحصر ہے۔ جماعت حکومت کے آئمہ اربعہ نے اہل بیت علیہم السلام سے اخذ حدیث کرنے سے اعراض کیا ہے۔ ابن تیمیہ نے منہاج میں لکھا ہے۔

وبالجملة فهؤلاء اربعة ليس منهم من اخذ عن جعفر من قواعد الفقه لكن رووا عنه الاحاديث كما رووا عن غيره واحاديث غيره اضعاف احاديثه وليس بين حديث الزهري وحديثه نسبة لا في القوة ولا في الكثرة وقد استراب البخاري في بعض حديثه لما بلغه عن يحيي بن سعيد القطان فيه كلام فلم يخرج له ويمتنع ان يكون حفظ الحديث كحفظ من يحتج بهم البخاري۔

چاروں اماموں میں سے کسی نے امام جعفر صادق سے اصول فقہ اخذ نہیں کئے ہاں انہوں نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ جس طرح اور لوگوں سے بھی احادیث لی ہیں دوسروں سے جو احادیث اخذ کی گئی ہیں وہ امام جعفر صادق سے اخذ کی ہوئی احادیث سے دو گنی ہیں اور زہری اور امام جعفر صادق کی بیان کردہ احادیث میں جو اخذ کی گئی ہیں نہ تو صحت میں اور نہ کثرت میں کچھ نسبت ہے۔ اور بخاری نے تو مطلقاً امام جعفر سے اخذ حدیث نہیں کیا۔ کیونکہ اسے یحییٰ بن سعید القطان کا یہ قول پہنچ چکا تھا کہ امام جعفر قابل اعتبار نہیں۔

آپ نے دیکھا۔ زہری کو امام جعفر صادق پر کتنی ترجیح دی اور یہ زہری وہ ہے جس کا کام شطرنج کھیلنا، مجالس رقص و سرود میں شریک ہونا، اور امراء کی خوشامد کرنا تھا۔ علامہ ذہبی کے میزان الاعتدال میں سے ہم ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

جعفر بن محمد بن علی بن الحسين الهاشمي ابو عبد الله احد الائمة الاعلام بر صادق كبير الشان لم يحتج

جعفر بن محمد بن علی بن الحسین الہاشمی ابو عبد اللہ عظیم الشان آئمہ میں سے ایک امام تھے۔ نیک۔ سچے عظیم الشان لیکن بخاری نے

اہل بیت سے اخذ احادیث میں اعراض

سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں نمائندگی جمہور کو اتنا ہی دخل تھا کہ جتنا سیاہی میں سفیدی کو۔

۹۔ سقیفہ بنی ساعدہ ایک منظم سازش کا آخری نتیجہ تھا۔ فوری جوش یا فوری ضرورت اسکی محرک نہ تھی کیونکہ لوگوں میں یہ خیال کہ خاندان نبوّت میں حکومت نہ جانے پائے اس وقت ہی سے شروع ہو گیا تھا اور ان لوگوں کی طبیعت دیکھتے ہوئے شروع ہو جانا چاہیئے تھا کہ جب سے رسولِ خدا نے اس حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی۔

۱۰۔ چونکہ سقیفہ بنی ساعدہ میں یہ کوشش کی گئی کہ خاندان رسالت میں حکومت نہ جائے اور یہ مقصد اس جماعت کا تھا جو حضرت علی کے حاکم مقرر ہونے پر راضی نہ تھی لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ اجتماع مخالفین کا تھا۔

۱۱۔ اس استدلال کو قوت اس امر واقعہ سے بھی پہنچتی ہے کہ وہاں خاندان رسالت میں سے کسی کو مدعو نہ کیا گیا

۱۲۔ چونکہ وہ مخالفین کا اجتماع تھا جو ایک خاص غرض و مقصد کی تکمیل کے لئے وہاں جمع ہوئے تھے۔ لہٰذا ان سے انصاف کی امید رکھنا اور یہ خیال کرنا کہ وہ اس مسئلہ پر اس کے ہر پہلو سے غیر جانبدارانہ نظر ڈالیں گے خلاف واقعہ ہے

۱۳۔ اور اسی طرح یہ گمان کرنا بھی خلاف واقعہ ہو گا کہ وہ مجمع تمام امت اسلامیہ کی نمائندگی کی حیثیت رکھتا تھا۔

۱۴۔ خاندان رسالت کا جس میں حضرت علی بھی شامل ہیں یہ یقین تھا کہ خلافت علی کا حق ہے۔ حضرت ابو بکر و عمر اور دیگر اشخاص نے حسد اور ظلم کی وجہ سے ان کو محروم کر دیا وہ ان کو حاسد و ظالم و غاصب جانتے تھے۔

۱۵۔ حضرت عمر کا یقین تھا کہ جناب رسول خدا کے خاندان والے اپنے دلوں میں پرانے رنج اور کینے رکھے ہوئے ہیں

۱۶۔ یہ تو ناظرین خود غور و خوض کر کے نتیجہ نکالیں کہ حضرت عمر کا گمان کینہ و بغض درست تھا یا خاندان رسالت کا یقین ظلم و حسد۔ ہماری موجودہ بحث کے لئے تو اتنا ہی ضروری ہے کہ حضرت عمر کی جماعت خاندان رسالت کی مخالف تھی اور ایک دوسرے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

۱۷۔ حضرت علی و حضرت عباس بلکہ تمام بنو ہاشم کا ادعا تھا کہ جناب رسول خدا نے خلافت کیلئے حضرت علی کو مقرر کر دیا ہے

۱۸۔ حضرت عمر بھی اتنا تو تسلیم کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا کی خواہش تھی کہ خلافت حضرت علی کو ملے۔

۱۹۔ یہ خواہش اتنی زبردست تھی کہ حضرت عمر کو جناب رسول خدا پر الزام لگانے کا موقع ملا کہ آنحضرت علی کی محبت میں جادہ انصاف سے تجاوز کر جاتے تھے اور ایسی باتیں کرتے تھے جو اسلام کو نقصان پہنچانے والی ہوتی تھیں اور اسلام کو نقصان عظیم پہنچتا اگر حضرت عمر جناب رسول خدا کی مخالفت نہ فرماتے۔

۲۰۔ حضرت عمر تسلیم کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا بستر مرگ پر آخری وصیّت حضرت علی کی خلافت کے متعلق لکھوانا چاہتے تھے۔

۲۱۔ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے جناب رسولِ خدا کو وصیت آخری لکھنے سے روکا۔

۲۲۔ وہ یہ بھی ادعا کرتے ہیں کہ آنحضرت یہ فعل محض حضرت علی کی ذاتی محبت کی وجہ سے کرنا چاہتے تھے اور یہ اسلام کے نقصان و پراگندگی کا باعث ہوتا۔

۲۳۔ حضرت عمر کو چونکہ اسلام کے ساتھ بہت محبت تھی لہٰذا انہوں نے آنحضرت کو اس مضرت رساں فعل سے باز رکھا

۲۴۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جناب رسولِ خدا کو اسلام کے مفاد کا خیال نہ تھا اور حضرت عمر کو آنحضرت سے زیادہ اسلام کا

به البخاری قال يحيي بن سعيد مجالد احب الى منه فى نفسى منه شيئ وقال مصعب عن الدراوردى قال لم يروا مالك عن جعفر حتى ظهر امر بنى العباس عن مصعب بن عباس كان مالك لا يروى عن جعفر حتى يضمه الى احد وقال احمد بن سعد بن ابى مريم سمعت يحيي يقول كنت لا اسأل يحيي بن سعيد عن جعفر بن محمد فقال لى لم تسألنى عن حديث جعفر قلت لا اريده فقال لى ان كان يحفظ فحديث ابيه المسند وقال ابن معين هو ثقة ثم قال خرج حفص بن غياث الى عبادان وهو موضع رباط فاجتمع اليه البصريون فقالوا لا تحدثنا عن ثلاثة وجعفر بن محمد فقال: اما جعفر فلو كنتم بالكوفة لاخذتكم النعال المطرقة وروى عباس عن يحيي قال جعفر ثقة مامون وقال ابو حاتم ثقة لا يسئل عن مثله۔

ان کی احادیث پر اعتماد نہیں کیا۔ بخاری کہا کرتے تھے کہ اس کے نزدیک یحیی بن سعید امام موصوف سے زیادہ محبوب تھا کیونکہ جعفر کی طرف سے میرے (بخاری کے) دل میں کچھ شبہ ہے مصعب بن عبد اللہ نے دراوردی سے روایت کی ہے کہ امام مالک نے جعفر سے حدیثیں نہیں لی یہاں تک کہ امر بنی عباس ظاہر ہوا۔ خود مصعب کہتا ہے کہ مالک حضرت جعفر سے حدیث بیان نہیں کرتا تھا جب تک کہ انکے ساتھ کسی دوسرے کو نہ ملائے احمد بن سعید بن ابی مریم کہتا ہے کہ میں نے یحیی کو کہتے سنا تھا کہ یحیی بن سعید سے امام جعفر کی احادیث نہیں دریافت کیا کرتا تھا اس نے مجھ سے پوچھا کہ تو جعفر کی حدیث کیوں نہیں دریافت کرتا۔ میں نے کہا کہ میں ان کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہتا اس نے جواب دیا کہ اگر وہ اپنے باپ کی حدیث بیان کریں تو کچھ ہرج نہیں ابن معین کہتا ہے کہ جعفر ثقہ ہیں پھر کہا حفص بن غیاث عبادان کی طرف گیا جو رباط میں ایک موضع ہے وہاں بصری لوگ اس کے پاس آئے اور کہا کہ تین آدمیوں کی حدیث ہم سے بیان نہ کرنا اور جعفر بن محمد معین نے کہا: اور جعفر کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم کوفہ میں ہوتے (اور تم جعفر کی احادیث بیان کرتے) تو تم پر لوگ جوتیاں اٹھا کر مارتے اور عباس نے کہا کہ معین کہتا تھا کہ جعفر ثقہ ہیں اور ابو حاتم بھی یہی کہتا تھا کہ جعفر ثقہ ہیں۔

میزان الاعتدال ذہبی ؒ۔ المجلد الاول صفحہ ۱۹۲ ترجمہ ۱۵۱۹ جعفر بن محمد مطبوعہ مصر

دیکھا آپ نے امام جعفر صادق کی تعریف و مذمت دونوں ساتھ ساتھ ہو رہی ہیں۔ امام اعظم ؒ نے اخذ فقہ حضرت امام جعفر صادق ؒ سے نہیں کیا بلکہ فقہ کی تعلیم ان سے اور ان کے والد ماجد حضرت امام

محمد باقر علیہ السلام سے حاصل کی اور فرمایا کرتے تھے کہ لولا السنتان لہلک النعمان یعنی اگر وہ دو سال نہ ہوتے جو میں نے امام جعفر صادق کی خدمت میں فقہ سیکھنے میں خرچ کئے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ دیکھو ارجح المطالب عبید اللہ امرتسری چوتھا ایڈیشن باب سوم صفحہ ۱۵۴۔

اس کی ایک وجہ تھی

اب سوچنا چاہیئے کہ اس کی وجہ کیا ہے، اور ان دونوں متضاد صورتوں کا آپس میں کس طرح تطابق ہو سکتا ہے دراصل دل سے تو یہ لوگ امام جعفر صادق اور دیگر آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی عظمت وجلالت شان کے قائل تھے لیکن اگر علانیہ ان کی پیروی کرتے تو اپنے پرانے اعتقادات کو خیرباد کہنا پڑتا اور خود امام بننے کے اتفاقات زائل ہو جاتے۔ امام جعفر صادق میں کوئی برائی ملی تو نہیں ان کے معاذ اللہ کاذب ہونے کا ان کے پاس کیا ثبوت تھا۔ پیروی کرنی مطلوب ہی نہ تھی، لہٰذا لکھ دیا کہ ان کی طرف سے ہمارے دل میں کچھ ہے یہ کیا ایک غیر ذمہ دارانہ فقرہ ہے جس کے کوئی معنی ہی نہیں بات تو یہ ہے کہ اگر امام جعفر صادق و دیگر آئمہ اہل بیت علیہم السلام کو صادق اللہجہ تسلیم کر کے ان سے اخذ فقہ وحدیث کرتے تو پھر ان کی ساری اصول فقہ و بیان کردہ احادیث صحیح ماننی پڑتیں جن سے خلافت بلا فصل علیؑ ابن ابی طالب ثابت ہوتی ہے اور یہ منظور نہ تھا لہٰذا کچھ شے میرے دل میں ہے، کہہ کر پیچھا چھڑایا۔ جب انسان حق کو چھوڑ کر ہٹ دھرمی پر اتر آتا ہے اور کج بحثی کو اختیار کر لیتا ہے تو اس کی بحث صحیح منطق و درست استدلال سے عاری ہو جاتی ہے کیونکہ وہ حق کو نہیں بلکہ سیاسی اغراض کو مدنظر رکھ کر گفتگو کرتا ہے

صادقوں کی کیفیت

امام جعفر صادق تو بقول بخاری صادق اللہجہ نہیں تھے۔ اس لئے حضرت امام بخاری نے ان سے اعراض کیا ذرا ایک چلتی سی نظر رواۃ بخاری پر تو ڈالیں دیکھیں کیسے کیسے صادق اللہجہ لوگوں کا مجمع ہے جن کے مقابلہ میں امام جعفر صادق معاذ اللہ کاذب سمجھے گئے ان میں ہم اسحاق بن سوید جریر بن عثمان، عمران بن حطان، حصین ابن نمیر یزیدی، عبد اللہ ابن سالم، عکرمہ مولیٰ بن عباس، قیس ابن ابی حازم اور ولید بن کثیر وغیرہم کو پاتے ہیں۔

عمران بن حطان

عمران بن حطان خارجی تھا اور امیر المومنین علی بن ابی طالب کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا۔ اس نے ابن ملجم قاتل امیر المومنین کی مدح کی ہے جیسا کہ سید صادق حسن نے حطہ فی بیان احادیث صحاح ستہ و ہدایت السائل صفحہ ۵۰ منہج الوصول صفحہ ۱۱۱ میں لکھا ہے تقریب التہذیب عسقلانی میں ہے کہ عمران خارجی تھا۔ تیسرے طبقے سے ہے اور ۸۴ھ ہجری میں فوت ہوا۔ عسقلانی بھی اس کو سچا جانتا ہے حیوٰۃ الحیوان جلد ۲ صفحہ ۳۰ در ذیل لغت الانسان اور الاذکیاء ابن جوزی میں ہے۔

ان عمران بن حطان ہذا کان احد الخوارج وھو القائل یمدح عبد الرحمٰن

ابن ملجم لعنہما علی قتل علی ابن ابی طالب ؎

یا ضربۃ من تقی ما اراد بہا

الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا

ترجمہ:۔ بہ تحقیق عمران بن حطان ایک خارجی تھا اس نے عبدالرحمن ابن ملجم قاتل امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کی مدح آنجناب کے قتل پر کی تھی۔ چنانچہ اس کا شعر ہے ؎

اے وہ پرہیزگار کی ضرب جس کا ارادہ اس ضرب سے صرف

رضائے پروردگار حاصل کرنا تھا۔

حریز بن عثمان کی نسبت سنئے:۔

کان حریز: یقول لا احب علیا قتل آبائی یوم صفین

یعنی میں علی کو دوست نہیں رکھتا، انہوں نے یوم صفین میرے آباؤ اجداد کو قتل کیا تھا۔

میزان الاعتدال ذہبی:۔ الجزء الاول صفحہ ۲۲۰

حصین ابن نمیر وہ ہیں جو کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک تھے۔ اور پھر بیت اللہ کا انہوں نے محاصرہ کیا تھا اور کعبہ کو منہدم کیا تھا۔ اور مکہ کو خراب کیا تھا۔ میزان الاعتدال ذہبی۔ الجزء الاول صفحہ ۲۵۹۔

عبداللہ بن سالم الاشعری الحمصی۔ . . . قال ابو داؤد کان یقول علی اعان علی قتل ابی بکر و عمر و جعل یذمہ ابو داؤد یعنی انہ ناصبی۔

ترجمہ:۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سالم کہا کرتا تھا کہ علی نے ابوبکر و عمر کے قتل میں اعانت کی ہے۔ ابو داؤد اس کی بہت برائی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ عبداللہ بن سالم ناصبی ہے۔

عکرمہ مولی ابن عباس . . . . فقال یحیی کذاب . . . . عن عبداللہ بن الحارث قال دخلت علی علی بن عبداللہ ابن عباس فاذا عکرمہ فی وثاق عند باب الحسن فقلت لہ الا تتقی اللہ فقال ان ہذا الخبیث یکذب علی ابی و یروی عن ابن المسیب انہ کذب عکرمہ . . . عن محمد بن سیرین انہ کذاب . . . عن ابی ذئب کان غیر ثقہ . . . کان عکرمہ یری رای الخوارج . . . . ان عکرمہ کان اباضیاء . . . . عن خالد بن ابی عمران قال کنا بالمغرب و عندنا عکرمہ فی وقت الموسم فقال وددت ان بیدی حربۃ فاعترض بہا من شہد الموسم یمینا

حریز بن عثمان

حصین ابن نمیر

عبداللہ بن سالم

عکرمہ

وشماً لا...... کان یری رای الصفریہ کان یاتی الامراء فیطلب جوائزھم

ترجمہ:۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ عکرمہ کذاب ہے...... عبداللہ بن حارث کہتا ہے کہ ایک دن میں علی بن عبداللہ ابن عباس کے گھر گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میاں عکرمہ دروازے کے پاس زنجیروں میں بندھے ہوئے پڑے ہیں۔ میں نے علی ابن عبداللہ ابن عباس سے کہا کہ کیا تم کو خدا کا خوف نہیں ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ خبیث میرے باپ پر بہتان رکھ کر ان کے حوالے سے جھوٹی احادیث بیان کرتا ہے... ابن المسیب کہتے ہیں کہ عکرمہ کذاب ہے...... محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ عکرمہ کذاب ہے... ابی ذئب کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے.... عکرمہ خارجی تھا..... عکرمہ اباضیہ تھا.... خالد بن عمران کہتا ہے کہ ہم مغرب یعنی افریقیہ میں تھے اور عکرمہ ہمارے پاس تھا وہ حج کا زمانہ تھا۔ عکرمہ نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میرے ہاتھ میں حربہ ہو اور میں اس سے لوگوں کو مار مار کر حج کرنے سے منع کروں... عکرمہ صفریہ تھا..... عکرمہ امراء کے پاس آتا تھا اور ان سے انعام مانگا کرتا تھا۔

میزان الاعتدال:۔ الجزء الثانی صفحہ ۲۰۸

ولید بن کثیر: قال ابو داؤد ثقة الا انه اباضی

ترجمہ ابو داؤد کہتے ہیں کہ ولید ثقہ تو تھا لیکن اباضیہ تھا۔

میزان الاعتدال: الجزء الثالث صفحہ ۲۷۴۔

تنقید بخاری میں بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ جتنے بھی نام ہم نے لکھے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سب میں عداوت علی جزو مشترک تھا اور اسی وجہ سے ان کا انتخاب ہوا۔ ورنہ کوئی خارجی تھا۔ کوئی اباضیہ۔ کوئی صفریہ جنکے اعتقادات بھی صحیح نہ ہوں۔ ان سے تو اخذ احادیث کیا اور حضرت علی سے اعراض کیا گیا۔ حدیث کو اپنے سمجھنے میں لینے سے یہی حکومت کا مقصد تھا اور وہ پورا ہوا۔ تدوین حدیث میں سیاسی مقصد بالکل صاف عیاں ہے خارجیوں کو جناب رسول خداؐ نے کلاب النار یعنی جہنم کے کتے فرمایا ہے دیکھو حیات الحیوان۔ الجزء الاول صفحہ ۳۴۔

امام بخاری و دیگر محدثین و آئمہ جماعت حکومت کے سب سے زیادہ معتبر راوی حضرت ابوہریرہ ہیں، ان کے صفات ملاحظہ ہوں۔ آپ شطرنج کھیلنے میں اپنا وقت بہت ضائع کیا کرتے تھے دیکھو حیوٰۃ الحیوان لغت عقرب الجزء الثانی صفحہ ۱۴۴

نہایۃ ابن الاثیر جزری میں مسطور ہے۔

فی حدیث بعضھم قال رایت اباھریرۃ یلعب السدر لعبۃ یقامر بھا تکسر سینھا وتضم وھی فارسیۃ معربۃ سہ در یعنی ثلاثۃ ابواب

ترجمہ:- بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ابو ہریرہ کو سدر کھیلتے ہوئے دیکھا۔ سدر ایک کھیل ہوتی ہے جس سے جوا کھیلتے ہیں سین پر زیر وپیش جائز ہے یہ لفظ فارسی ہے۔ سہ در کا معرب ہے۔

مجمع البحار محمد طاہر گجراتی میں بھی اسی طرح درج ہے لیکن شطرنج فعل حرام ہے۔ شیخ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم معروف بہ ابن تیمیہ اپنی کتاب منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ القدریۃ میں تحریر کرتے ہیں۔

مذھب جمھور العلماء ان الشطرنج حرام... فقال مالک الشطرنج اشد من النرد۔

ترجمہ:- جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ شطرنج حرام ہے اور مالک نے کہا کہ شطرنج بہ نسبت نرد (یعنی جوسر) کے بدتر زیادہ حرام ہے۔

یہ تو حضرت ابوہریرہ کے مشاغل تھے ان کے صدق لہجہ کا یہ حال تھا کہ اجلہ صحابہ وحضرت عائشہ وحضرت عمر ان کو کاذب ومفتری جانتے تھے۔ علامہ عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ نے کتاب الرد علی من قال بتناقض الحدیث میں لکھا ہے۔

اتھموہ وانکروا علیہ وقالوا کیف سمعت ھذا وحدک .... وکانت عائشۃ اشدھم انکارا علیہ۔

یعنی اجلہ صحابہ نے اس کو کذب سے متہم کیا اور کہا کہ تم اکیلے نے اتنی ساری احادیث کہاں سے سن لیں.... اور سب سے زیادہ حضرت عائشہ ابوہریرہ کی منکر تھیں۔

رسالہ عین الاصابہ علامہ جلال الدین سیوطی میں ہے

روی عن عائشۃ قالت لابن اختھا الا تعجب من کثرۃ روایت ھذا الرجل (ابو ھریرۃ) ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدث باحادیث لو عدھا عاد لاحصاھا

یعنی جناب عائشہ اپنے بھانجے سے کہا کرتی تھیں کہ تم اس شخص (ابو ہریرہ) کی اکثار روایات کو دیکھتے ہو۔ حالانکہ جناب رسول خدا کی احادیث کا شمار ہو سکتا ہے۔ لیکن اس شخص کی بیان کردہ احادیث لاتعد ولاتحصیٰ ہیں۔

نیز ملاحظہ ہو مستدرک علی الصحیحین للحاکم الجزء الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ صفحہ ۵۰۹۔

حضرت عمر جناب ابوہریرہ کو کاذب و مفتری جانتے تھے اسمٰعیل بن عمر بن کثیر شامی المعروف با بن کثیر اپنی تاریخ البدایہ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الثامن صفحہ ۱۰۶ در ذیل ذکر وفیات ۵۹ھ میں لکھتے ہیں۔

عن سائب بن یزید قال سمعت عمر بن الخطاب یقول لابی ھریرۃ لتترکن الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولا لحقنك بارض دوس۔

یعنی سائب بن یزید کہتا ہے کہ میں نے حضرت عمر کو ابوہریرہ سے کہتے سنا کہ تو جناب رسولؐ خدا سے احادیث بیان کرنا چھوڑ دے ورنہ میں تجھ کو ارض دوس میں بھجوا دوں گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ اور دیگر فقہاء و علماء حنیفہ ابوہریرہ کو متروک و مطعون جانتے تھے۔ چنانچہ علامہ علی بن یحیٰی زندویستی اپنی کتاب روضۃ العلماء میں لکھتے ہیں۔

روی عن ابی حنیفۃ انہ سئل ... ثم قال اترک قولی بجمیع قول الصحابی الا ثلاثۃ منھم ابو ھریرۃ وانس بن مالک وسمرۃ بن جندب۔

ابوحنیفہ سے پوچھا گیا کہ اگر تمہارے قول اور دیگر صحابہ کے قول میں مخالفت ہو تو کس کو ترک کیا جائے انہوں نے جواب دیا کہ تمام صحابہ کے اقوال کے مقابلہ میں میرے قول کو ترک کر دو باستثنائے تین اصحاب کے یعنی ابوہریرہ وانس بن مالک وسمرۃ بن جندب۔

ابوحنیفہ کے نزدیک ابوہریرہ کا مطعون و متروک ہونا محمود بن سلیمان کفوی نے کتاب اعلام الاخیار من فقہاء مذہب نعمان المختار میں بھی ذکر کیا ہے۔ عیسٰی بن آبان نے بھی ابوہریرہ کو مطعون کہا ہے جیسا کہ علی بن یحیٰی زندویستی نے روضۃ العلماء میں تحریر کیا ہے:۔

قال عیسٰی بن ابان اقلد اقاویل جمیع الصحابۃ الا ثلاثۃ منھم ابو ھریرۃ وابصۃ بن معبد و ابو سنابل

ترجمہ:۔ باستثنائے تین صحابیوں کے کے یعنی ابوہریرہ، وابصہ بن معبد و ابو سنابل کے باقی جملہ صحابیوں کے اقوال کی پیروی کرو۔

خود ابوہریرہ کہتے ہیں کہ جناب عمر کے زمانہ میں وہ حدیث بیان کرنے سے قطعاً روک دیئے گئے تھے۔ چنانچہ ابن کثیر شامی اپنی تاریخ میں تحریر کرتے ہیں۔

قال صالح بن ابی الاخضر عن الزھری عن ابی سلمۃ سمعت اباھریرۃ یقول

ابوسلمہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم میں طاقت نہ

ما کنا نستطیع ان نقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی قبض عمر۔

تھی کہ ہم اتنا بھی منہ پر لائیں کہ فرمایا جناب رسولِ خدا نے یہاں تک کہ عمر مر گئے۔

الجزو الثامن صفحہ ۱۰۷، ذکر ۵۹ھ ہجری۔

افادات امام رازی سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات حنفیہ ابوہریرہ کو مطعون و متروک جانتے ہیں جیسا کہ رسالہ مناقب الشافعی میں امام رازی نے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح علامہ ابن حجر عسقلانی نے روایت مصراۃ میں حضرات حنفیہ کے طعن کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہ جناب ابوہریرہ سے مروی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فتح الباری کتاب البیوع۔

حضرت عمر جناب ابوہریرہ کو خائن، بد دیانت جانتے تھے اور اس جرم میں ان کو سزا بھی دی تھی۔ چنانچہ علامہ احمد بن محمد بن عبداللہ نے جو علمائے مشاہیر سے ہیں اور جنکے مدائح جلیلہ و محامد جمیلہ سے وفیات الاعیان ابن خلکان و عبر ذہبی و مراۃ الجنان یافعی اور مدینۃ العلم ارنیقی پُر ہیں۔ لکھا ہے۔

دعا عمر بن الخطاب ابا هريرة فقال هل علمت انی استعملتك على البحرين و انت بلا نعلين ثم بلغني انك ابتعت افراسًا بالف دينار و ست مائة دينار قال كانت افراس تناتجت و عطايات لاحقت قال قد حسبت لك مئونتك هذا افضل فادّه قال ليس ذلك لك قال بلى واللہ اوجع ظهرك ثم قام اليه بالدرة حتى ادماه ثم قال ائت بها قال احتسبها عند الله قال ذلك لو اخذتها من حلال او ايتها طائعًا احببت من اقصى حجر بالبحرين يجبى الناس لك لا لله و لا للمسلمين ما رجعت بك اميه

عمر بن الخطاب نے ابوہریرہ کو بلایا اور ان سے کہا کہ کیا تو جانتا ہے کہ جب میں نے تجھے بحرین پر عامل مقرر کیا تھا تو تیرے پیر میں جوتی بھی نہ تھی اور اب مجھے اطلاع ملی ہے کہ تو نے گھوڑے ایک ہزار دینار و چھ ہزار دیناریں خریدے ہیں ابوہریرہ نے جواب دیا کہ ہمارے گھوڑے دوڑے تھے اور ہم کو تحفہ و تحائف ملے تھے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ اگر تو نے کچھ محنت بھی کی تو یہ اس سے فاضل مال ہے لہٰذا وہ ہم کو دے دے۔ ابوہریرہ نے جواب دیا کہ یہ تمہارا حق نہیں ہے حضرت عمر نے کہا کہ اچھا اب میں تیری پیٹھ کی خبر لیتا ہوں یہ کہا اور دُرّہ لیکر کھڑے ہوئے اور ابوہریرہ کی چمڑی ادھیڑ دی اور پھر کہا کہ لا اب تو ہمیں اپنا مال دے دے اس نے کہا کہ اچھا خُدا کے نام پر دیتا ہوں حضرت عمرؓ نے کہا کہ خدا کے نام پر تو جب ہوتا کہ یہ تیرا حلال کا مال ہوتا یا اب تو نے بخوشی دیا ہوتا۔ یہ مال تو نے بحرین کے

الا لاعيّة الحمر واميمة ام ابو هريرة وفي حديث ابي هريرة لما عزلني عمر بن الخطاب عن البحرين قال يا عدو الله و عدو كتابه سرقت مال الله قال قلت لست بعدو الله وعدو كتابه ولكني عدو من عاداهما قال فمن اين اجتمعت لك عشرة الاف قال خيل تناتجت وعطايا تلاحقت وسهام تتابعت قال فقبضها مني فلما صليت الصبح استغفرت لامير المومنين فقال لی بعد ذلك الا تعمل قلت لا قال قد عمل من هو خير منك يوسف عليه السلام قال قلت ان يوسفؑ نبي وانا ابن اميمة اخشى ان يشتم عرضي ويضرب ظهري و ينزع مالي۔

دور ترین حصوں سے جمع کیا ہے لوگ تیرے پاس تیری خاطر سے آتے تھے. خدا کے یا مسلمانوں کے لئے نہیں آتے تھے۔ امیمہ کو تجھ سے کچھ فائدہ نہ ہوا بلکہ امیمہ تو وہی گدھوں کی پالنے والی رہی۔ امیمہ نام تھا ابوہریرہ کی والدہ کا۔ ابوہریرہ نے بیان کیا جب مجھ کو عمر بن الخطاب نے بحرین سے معزول کیا تو کہا کہ اے دشمن خدا و کلام اللہ تو نے مال چرایا ہے. میں نے جواب دیا کہ میں خدا و اس کی کتاب کا تو دشمن نہیں ہوں بلکہ اس کا دشمن ہوں جو ان دونوں کا دشمن ہے عمر نے پوچھا کہ یہ دس ہزار روپیہ کہاں سے جمع ہوا ہے. میں نے جواب دیا کہ گھوڑے دوڑے تھے آئے اور تیر مارے گئے لیکن عمر نے مجھ سے یہ مال چھین لیا۔ جب میں نے نماز صبح پڑھی تو عمر کے لئے استغفار کی، حضرت عمر سُن کر نرم ہو گئے حضرت عمر نے کہا کہ کیا اب حاکم بننا قبول نہیں کریگا؟ میں نے کہا کہ نہیں انہوں نے کہا کہ جو تجھ سے بہتر تھا اس نے حاکم بننا پسند کیا یعنی یوسف علیہ السلام. میں نے کہا کہ یوسف تو نبی اللہ تھے اور میں تو امیمہ کا بیٹا ہوں میری بےعزتی کی جاتی ہے میری پیٹھ پر کوڑے مارے جاتے ہیں اور مجھ سے مال چھینا جاتا ہے۔

اس ہی واقعہ خیانت ابوہریرہ، دُرّہ بازی و خطاب عدو اللہ و عدو کتاب اللہ کو شیخ **ابو عبداللہ یاقوت الحموینی** نے **معجم البلدان** میں اور **ابن کثیر شامی** نے اپنی تاریخ میں مفصل لکھا ہے دیکھو **البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ** الجزء الثامن صفحہ ۱۱۳ ذکر ۵۹ھ ہجری۔ اس عبارت سے اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ جناب خلافت مآب ابوہریرہ کو خائن و سارق جانتے تھے انہوں نے ابوہریرہ کے کسی عذر کو قبول نہ کیا اور ضبطِ مال کا حکم صادر فرمایا۔ جناب ابوہریرہ کو مال دنیا سے اس طرح عشق تھا کہ وہ مال نہ دیا یہاں تک کہ حضرت عمر نے ان کی خوب چمڑی ادھیڑی۔ اسوقت مجبوراً انہوں نے مال دیا۔ اور عند اللہ کہہ کر دیا گویا حضرت عمر کے ظلم و جور کو ظاہر کیا اور حضرت عمر نے اپنے اخذ

مال کو اس وجہ سے حق بجانب سمجھا کہ ابوہریرہ نے وہ مال خیانت سے حاصل کیا تھا۔
بشیر بن سعد کہتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے پاس تھے ابوہریرہ کعب کی باتیں رسولِ خدا کے قول کہہ کر بیان کرتے تھے اور رسولِ خدا کی احادیث کو اقوالِ کعب ظاہر کرتے رہتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ کعب کے اقوال جناب رسولِ خدا پر تھوپ دیتے تھے اور جو احادیث رسولِ خدا کی ہوتی تھیں وہ اقوالِ کعب کہہ کر بیان کرتے تھے۔ دیکھو تاریخ ابن کثیر شامی الجزء الثامن صفحہ ۱۰۹۔

یہ ہیں حضرت ابوہریرہ جن کو حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے آئمہ آلِ رسول پر ترجیح دی ہے۔ اگر خوفِ طوالت نہ ہوتا تو ہم بہت طویل فہرست مع حالات کے ایسے اشخاص کی پیش کرتے جن سے صحاح ستہ میں احادیث اخذ کی گئی ہیں۔ لیکن امام جعفر صادق سے اعراض کیا جاتا ہے۔ وجہ وہی صرف ایک ہے یعنی انحراف از اہلبیت۔ محدثین، مورخین و ارباب حکومت سب اس امر پر متفق تھے کہ جو غصب حق جناب علی مرتضیٰ کا شروع ہوا تھا آخر تک اسی پر ہی ساری عمارت بنائی جاوے اور یہ سلب حق کبھی ظاہر نہ ہووے۔ معمولی سمجھ کا انسان معلوم کر سکتا ہے کہ ایسی فضا میں ان احادیث کا کیا حشر ہو سکتا تھا۔ جن سے جناب رسولِ خدا کا حضرت علی کو خلیفۂ بلا فصل مقرر کرنا ثابت ہوتا ہے اور ایسی حالت میں تاریخ کا یکطرفہ ہونا یقینی ہے۔

غالباً اب اس امر واقعہ کے تسلیم کرنے میں تو کسی کو عذر نہ ہوگا کہ حضرات خلفائے اولین نے جو احادیث کو شائع کرنے سے روکا اور اپنے قول حسبنا کتاب اللہ اس کے منطقی حدود تک پہنچانے کی کوشش کی کہ وہ ان کی فاحش غلطی تھی اور اس کے بہت برے نتیجے ہوئے۔ ان کے اس طرزِ عمل کا غلط ہونا مندرجہ ذیل امور سے ثابت ہے۔

(۱) وہ خود مجبور ہو گئے کہ احادیث کی طرف رجوع کریں۔ مقدمات فیصل کرنے میں وہ احادیث تلاش کیا کرتے تھے۔ اور لاوارث حدیث تو بڑی مشہور ہے۔ جس پر انہوں نے فدک کے قضیہ میں انحصار کیا تھا۔

(۲) ان کا یہ طرزِ عمل قرآن شریف کی تعلیم کے خلاف تھا۔ اور کتاب اللہ نے انہیں مجبور کیا کہ احادیث رسول کی طرف رجوع کریں وہ عالم الغیب تو جانتا تھا کہ حق کو چھپانے کے لئے یہ لوگ کیا کیا تدابیر اختیار کریں گے اور یہ کہ ان میں سے ایک یہ بھی ہوگی کہ احادیث رسول سے اعراض کریں لہٰذا اس نے اپنی کتاب میں نہایت ضروری امور مثلاً تفصیلاتِ نماز پر خاموشی اختیار کر کے اچھی طرح واضح کر دیا کہ ان کا یہ طرزِ عمل غلط ہے۔ ارکانِ

اسلام معلوم کرنے کے لئے ان کو احادیث رسول کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

(۳) پھر نہایت زبردست اجماع امت نے یہ قطعی فیصلہ صادر کر دیا کہ یہ ان خلفائے اولین کی غلطی تھی۔ چنانچہ تمام امت نے احادیث رسول جمع کرنے کو اپنا پہلا فرض قرار دیا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عمر جیسے ذکی و ذہین و فہیم شخص اپنی اس طرز عمل کی غلطی سے ناآشنا تھے۔ اس کا ایک اور محض ایک ہی جواب ہے۔ وہ یہ کہ وہ اپنے اس طرز عمل کی اس غلطی سے تو ضرور واقف تھے لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی تھا۔ اور وہ سیاسی پہلو تھا۔ انہوں نے یہ کوشش کرنی چاہی کہ فضائل علی کی احادیث بالکل مفقود و معدوم ہو جائیں تاکہ حقوق علی لوگوں کے سامنے نہ آئیں لیکن ان کی یہ کوشش کارگر نہ ہوئی۔

آپ نے دیکھا کہ ہر ایک حکومت نے کس طرح حقوق و فضائل علی کے چھپانے کی کوشش کی۔ اب یہ دعویٰ روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ عدم استخلاف کے اعتقاد کی ضرورت حکومت کو اپنے قیام و حیات کے لئے تھی۔ اس غلط اعتقاد کی اشاعت عمداً ہی نہیں بلکہ جبر و تعدی کے ساتھ کی گئی۔ یہاں تک کہ یہ اعتقاد لوگوں کے گوشت و پوست میں بس گیا۔ اور ان کی اولاد نے اس کی ہی تعلیم پائی اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ غلط خیال ان کے مذہب میں داخل ہو گیا اور یہی نہیں کہ اب وہ اس کو غلطی نہیں سمجھتے بلکہ اس کے سچا ہونے پر ان کا ویسا ہی ایمان ہے کہ جیسا قرآن پر۔ باوجود ان سب باتوں کے پھر ذکر علی و فضائل علی زندہ رہے۔ اور ان ہی مخالفین کی زبانوں پر بغیر ان کی مرضی و ارادہ کے وقتاً فوقتاً جاری ہوتے رہے۔ یہ ہے تفسیر اس آیہ مبارکہ کی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ؕ

باب دوازدہم[۱۲]

تدبیر مقتدہم وضع احادیث یعنی فضائل کے متعلق مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش

ان احادیث صحیحہ و اقوال مسلمہ جناب رسول خدا کے مقابلہ میں جو خلافت بلا فصل علی[۲] بن ابی طالب کے لئے نص قاطع ہیں جماعت اہل حکومت نے حکام سقیفہ بنی ساعدہ کے حق میں چند احادیث وضع کر کے مشتہر کیں تاکہ لوگ مغالطہ میں پڑ جائیں۔

صحابہ کرام میں فضیلت و کرامت کا معیار قول رسول اور ان کے خود اپنے سوانح حیات تھے۔ حکم قرآنی صادر ہو چکا تھا کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے وہ ہی خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ہے فضیلت و کرامت کے درجات

محبت و شفقت تھی۔

۲۵۔ حضرت عمر تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی پر ظلم کیا۔

۲۶۔ حضرت عمر کی رائے میں حضرت علی کو خلافت نہ ملنے کی محض ایک وجہ تھی اور وہ یہ کہ وہ کم سن تھے۔

۲۷۔ لیکن جب اس کا دندان شکن جواب عبداللہ ابن عباس کی طرف سے ملا تو حضرت عمر لاجواب ہو گئے اور کچھ کہتے بن نہ پڑی۔

۲۸۔ حضرت عمر کا فلسفہ ملاحظہ ہو رسول خدا چاہتے تھے کہ خلافت علی کو ملے انہوں نے یہ خواہش رضائے خداوندی کے خلاف کی کیونکہ خدا چاہتا تھا کہ علی کو خلافت نہ ملے۔ لہٰذا خدا کی خواہش غالب رہی جس طرح آنحضرتؐ چاہتے تھے کہ اُنکے چچا ایمان لائیں لیکن خدا کی خواہش تھی کہ وہ ایمان نہ لائیں اور خدا کی خواہش غالب رہی۔ حضرت عمر نے اپنے حصول مقصد کیلئے بہت سے ایسے اعتقادات ایجاد کر لئے تھے اور ان کو شائع کرتے رہتے تھے اسکا مفصل تذکرہ حکومت کی سیاسی تدابیر و تجاویز کے تحت میں آئیگا۔ اتنا تو یہاں بھی کہہ دیں کہ رسول خدا کی خواہش اور خدا کی مشیت میں مخالفت تھی جب رسول خدا اپنے خدا کے منشا کے خلاف خواہش رکھ سکتے تھے اور اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے تدبیریں کی تھیں تو حضرت عمر بھی رسولِ خدا کے خلاف خواہش رکھ سکتے تھے اور اس کی تکمیل کے لئے کوشش کر سکتے تھے یہ تھی حضرت عمر کی بحث اپنے طرزِ عمل کی موافقت میں۔

۲۹۔ اس سے یہ بھی نتیجہ نکلا کہ جناب رسولِ خدا حضرت علی کو خدا کی رضا کے خلاف خلافت دینا چاہتے تھے۔

۳۰۔ ثابت ہوا کہ لوگوں کو حضرت عمر یہ کہہ کر حضرت علی کے خلاف کرتے تھے کہ جناب رسولِ خدا جو کچھ بھی حضرت علی کے حق میں فرماتے ہیں وہ ذاتی محبت پر مبنی ہے منصب نبوّت کے متعلق نہیں۔

۳۱۔ آنحضرتؐ کی تعلیم تو یہ تھی کہ کسی کا ایمان مکمل نہ ہو گا جب تک قرآن و اہل بیت سے تمسک نہ کریں حضرت عمر نے واقعۂ قرطاس کے موقعہ پر صاف کہہ دیا کہ نہیں آنحضرت غلط کہہ رہے ہیں اس سے اسلام میں پراگندگی پھیلے گی اہل بیت کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو صرف قرآن کافی ہے۔ حسبنا کتاب اللہ۔

۳۲۔ یہ بہت اچھی طرح واضح ہے کہ حضرت عمر نے فقہ اسلام میں ایسے عقائد داخل کرنے چاہے جو اُنکے مقصد سیاست کے حصول میں مفید ہوں چونکہ وہ اپنی سیاست میں کامیاب ہو گئے۔ لہٰذا یہ عقائد بھی اُنکے پیرؤوں میں راسخ ہو گئے اور اکثریت میں وہ اسلام رائج ہوا جس کو حضرت عمر نے ترمیم کیا تھا نہ کہ وہ اسلام جس کو جناب رسولِ خدا نے اپنی امت کے سامنے پیش کیا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھو ہماری کتاب التغریق والتحریف فی الاسلام۔

عبداللہ ابن عباس نے تو بتا ہی دیا کہ لوگ ظلم و حسد کی وجہ سے حضرت علی کے خلاف ہیں اور یہ بات ایسی عیاں ہے کہ کسی پر مخفی نہیں" اور حضرت عمر نے بھی اس کی تقریباً تصدیق ہی کر دی یہ کہہ کر کہ لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ نبوت و حکومت ایک خاندان میں جمع نہ ہوں یہ مقصد خاندان کے حسد ہی پر مبنی تھا لیکن علامہ شبلی کی مورخانہ دیانت ملاحظہ ہو کہ اپنی زبان سے اتنا کہنا بھی گوارا نہیں کرتے حسب عادت اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ ہی چنتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش

تقویٰ کے درجات کے مطابق قرار پائے۔ تقویٰ کا تعلق قلب سے ہے اور قلب کی حالت سوائے خدا اور رسولِ خدا کے اور کون جان سکتا تھا۔ ظاہری اعمال کا تقویٰ بھی نیت کے اوپر منحصر تھا، اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ، اور نیتوں کا عالم الغیب خدا ہے۔ جو تقرب اور براہِ راست تعلق جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند تعالےٰ سے حاصل تھا وہ اس کا ہی مقتضی تھا کہ ہر ایک صحابی کی منزلت و فضیلت جو خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں تھی اس کے دل و ایمان و اعتقادات کی اصلی حالت و کیفیت اور اس کے اعمال کی مقبولیت ان تمام امور سے جناب رسولِ خدا بدرجۂ اتم واقف ہوں، یوں بھی یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ ایک جماعت کے سردار و رئیس سے زیادہ اور کوئی شخص اس جماعت کے ہر ایک فرد کی اصلی حالت و کیفیت اور ان کے مدارج ترقی و فضیلت سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ جب یہ حالت ہوئی تو قدرتی طور سے خلیفہ رسول و امیر المسلمین کے استحقاقِ خلافت و حکومت کی بناء یہی اقوالِ رسول ٹھہرے۔

کسی معرکہ، کشمکش یا اتفاق سے حکومت کو حاصل کرنے کے بعد کامیاب حاکم سب سے پہلے یہ تدبیر کرتا ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کر کے اپنی حکومت کو مستقل و مضبوط بنائے اور ان لوگوں کی طرف سے عوام الناس کے دلوں کو پھیر دے جن سے بوجہ اُن کے زیادہ اہل و حقدار ہونے کے یا بوجہ ان کے زیادہ رسوخ و اثر کے اس کی حکومت کو خطرہ ہے۔ جی تو اس کا یہی چاہتا ہے کہ یہ بالکل نیست و نابود ہو جائیں لیکن اگر واقعات و حالات ایسے ہیں کہ وہ فوراً ہی ان کو جلا وطن یا قتل نہیں کر سکتا تو اُن دعویداران حکومت کے حقوق و فضائل کو کم کر کے دکھانا یا ممکن ہو تو بالکل چھپانا اور اپنی نفس مارخانی کے قصّے کہانیاں گھڑ کر لوگوں میں حکمت عملی کے ساتھ شائع کرانا اُس کی تدابیر کا پہلا قدم ہوتا ہے سقیفہ بنی ساعدہ کی کامیابی ایک نہایت عظیم الشان گر غیر متوقع کامیابی تھی اور ایک ایسے شخص کو نظر انداز کر کے حکومت حاصل کی گئی تھی جس کی اسلامی خدمت کے کارہائے نمایاں لوگوں کی نظروں میں پھر رہے تھے جس کی محبت و قرابت رسول زبان زدِ خاص و عام تھی جس کی شجاعت و سخاوت کی مثالیں اور جس کے علم و حکمت کے قصے ابھی تک لوگوں کو مبہوت کئے ہوئے تھے جناب رسولِ خدا کے وہ خطبے جن میں آپ نے اسکے فضائل و حقوق کا اظہار فرمایا تھا۔ لوگوں کے کانوں میں گونج رہے تھے خم غدیر کا اعلان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ وہ صورت حالات تھی کہ اگر حضرت علی کو خداوند تعالےٰ نے صبر کامل کی طاقت نہ عطا فرمائی ہوتی اور اُنکے دل میں اسلام کی محبت اسی درجہ کی نہ ہوتی جس درجہ کی محبت اسلام کے بانیٔ اول کے دل میں تھی تو ارا کین

حکومت کے لئے اپنی مسندِ حکومت کو قائم رکھنا دشوار ہو جاتا اور مدینہ کی گلیوں میں خون کی ندیاں بہنے لگتیں۔ لیکن آئمہ لعین علی نفسہ اراکین سلطنت و اہلکاران حکومت نے حضرت علی کو اپنے اوپر قیاس کر کے ایسی تدبیریں اور پیش بندیاں کیں جن کی وجہ سے ان کے زعم میں جو علی کیطرف سے خوف تھا وہ اگر بالکل نہ جاتا رہے تو بہت حد تک کم ہو جائے ہم ان ہی تدابیر کا ذکر کر رہے ہیں۔ ان تدابیر میں احادیث کی روک تھام کو اہم درجہ حاصل تھا اور جب حکومت نے احادیث کو اپنے قبضہ و اختیار میں لے لیا تو پھر وضع احادیث اس کا قدرتی اور نہایت آسان نتیجہ تھا۔ یہ طریقہ نہایت مؤثر بھی تھا اور آسان بھی کیونکہ اگر لوگوں کو یقین ہو جائے کہ ان بزرگواروں کے بھی اتنے فضائل جناب رسولِ خدا نے بیان فرمائے ہیں تو پھر وہ ان کے اخذ حکومت کو حق بجانب سمجھنے لگیں گے۔ اور آسان اس وجہ سے تھا کہ چند آدمیوں پر اپنی خاص عنایت کر کے ان کو ایسا کہنے پر آمادہ کر لینا کون سی بڑی بات تھی۔ چنانچہ امیر معاویہ نے کس خوبی سے یہ فرض پورا کیا۔ ایسی موضوعہ احادیث میں سے چند بڑی بڑی اور مشہور احادیث کا ذکر ہم کرتے ہیں اور ہر ایک حدیث کے ساتھ اس کے موضوع ہونے کے دلائل بھی پیش کریں گے لیکن اس ضمن میں تین گر یا اصول ایسے ہیں جن کو زیر نظر رکھنے سے موضوعیت کی جانچ پڑتال بہت اچھی طرح ہو سکتی ہے وہ اصول یہ ہیں :۔

(۱) فضائل کی حدیث کی مطابقت قرآن شریف سے (۲) اس کی مطابقت ممدوح کے واقعات یا سوانح حیات سے (۳) آنحضرتؐ کی رحلت کے فوراً بعد ہی چند مواقعے ایسے پیش آئے کہ جن میں فضائل کی احادیث کا ذکر آنا چاہیئے تھا۔ کیا ان موقعوں پر ان احادیث کی بناء پر استدلال قائم کیا گیا

اگر کسی حدیث کی مطابقت قرآن شریف سے نہیں ہے تو فوراً نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ وہ حدیث جھوٹی ہے اور وضعی ہے۔ یہ اصول خود جناب رسولِ خداؐ نے احادیث کی صحت کی جانچ پڑتال کے لئے قائم کیا تھا اسی وجہ سے ہم نے ایک پورا باب یعنی باب نہم البلاغ المبین حصہ اول یہ دکھلانے کیلئے قائم کیا ہے کہ وہ احادیث جو علی مرتضیٰ کی شان میں ہیں قرآن سے پوری طرح مطابق ہیں۔ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ آیا حدیث کا ممدوح اس قابل بھی تھا کہ اس پر یہ حدیث چسپاں ہو سکے۔ تعریف جب ہی تعریف ہے کہ وہ ممدوح کے سوانح حیات، چال چلن وطرز زندگی کے مطابق ہو ورنہ وہ ہجو ہے مثلاً کسی منحنی کمزور اور مریض آدمی کو جو لکڑی کے سہارے کے بغیر چل نہیں سکتا آپ کہیں یہ رستم دوراں ہے بخیل کے لئے کہیں کہ یہ حاتم ثانی ہے۔ فقیر کو کہیں کہ یہ قارونِ زمانہ ہے تو فرمائیے کہ یہ ہجو ہے یا تعریف اور کوئی معقول آدمی اس طرح کی تعریف نہیں کریگا۔ جناب علی مرتضیٰ کے فضائل وکمالات وعلوم نبوت کے متعلق جتنی احادیث ہیں وہ محض ایک امر واقعہ کو بیان کرتی ہیں اور آپ کے چال و چلن، سوانح حیات، فضائل روحانی وصفات جسمانی کے بالکل مطابق ہیں۔ اگر احادیث کہتی ہیں کہ

آپ کا اور جناب رسولِ خدا کا نور تخلیق ارض و سما سے پہلے کیا گیا تھا اور ایک ہی تھا وہ ایک نورِ عرش الٰہی کے سامنے ہزارہا سال تخلیق آدم سے پہلے مشغولِ عبادتِ الٰہی تھا تو اس کی تردید آپکے سوانح حیات نہیں کریں گے بلکہ اور اس حدیث کو تقویت دیں گے۔ اور اس کو سچا ثابت کریں گے کیونکہ فضائل میں آپ رسولِ خدا کے دوش بدوش تھے اور اس دنیا میں بھی آن کر دونوں نے کبھی بتوں کے آگے سجدہ نہیں کیا۔ ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ میں اور ابوبکر دو گھوڑے تھے کہ نبوت کے لئے دوڑ رہے تھے، میں آگے نکل گیا تو نبوت مل گئی یہ پیچھے رہ گئے تو خلیفہ بن گئے[1]۔ یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ ابوبکر و عمر کا نور تخلیق آدم سے پہلے مشغولِ عبادت تھا تو کیا یہ تداحی تعلیاں واقعات کے مطابق ہوں گی۔ نبوت کی گھوڑ دوڑ کی وجہ کیا ہوئی اور یہ کس میدان میں دوڑائے گئے تھے دنیا میں آن کر تو وہ فضائل کچھ ظاہر نہ ہوئے یہ کیسا مضحکہ خیز امر ہے کہ ہیئت جسمانی میں آنے سے پہلے تو مشغول عبادت خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ تھے اور اب اس دنیا میں آنے کے بعد ترقی معکوس شروع ہو گئی پہلی ساری عبادت و ریاضت کا کچھ اثر باقی نہ رہا۔ یہی نہیں کہ اثر باقی نہ رہا بلکہ اس کے مقابل میں کفر کا رنگ چڑھ گیا اور چالیس سال تک پتھر کے بتوں کو خدا سمجھ کر ان کے آگے سجدے کیئے گئے۔ اگر علیؑ کی نسبت کہا جائے کہ ان کی یوم خندق کی ایک ضرب میری تمام امت کے قیامت تک کے اعمال سے بہتر ہے تو یہ محض امرِ واقعہ ہے، اس ضرب سے اسلام بچ گیا، اسلام نہ رہتا تو عبادت کون کرتا امت محمدیہ کی قیامت تک کی عبادت کی موجب یہی ایک ضرب تھی، اگر یہ کہا جائے کہ علیؑ کرار غیر فرار ہے تو امرِ واقعہ ہو گا۔ کبھی انہوں نے میدانِ جنگ سے فرار نہیں کیا اور بغیر فتح کے واپس نہ ہوئے اور اگر علی بھی اوروں کی طرح دشمنوں کی تلواروں کے سامنے سے منہ پھیر کر بھاگ آتے تو کیا آپ کہتے کہ یہ حدیث واقعی رسولؐ نے کہی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ علیؑ مدینہ علم نبی کے در ہیں تو آپ کے سوانح حیات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہمیشہ سَلُوْنِی قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِی کی صدائے عام دیتے رہے۔ مشکل مسئلہ کو باتیں کرتے کرتے حل کر دیتے تھے امور فقہ میں کسی کے مشورے کے محتاج نہیں ہوئے۔ احادیث رسولؐ پوچھنے کے لئے کسی غیر کی طرف رجوع نہیں کیا۔ در در پھر کے قرآن شریف جمع نہیں کیا۔ اگر یہی بات کسی اور کے لئے کہی جائے کہ وہ شہر علم نبی کی دیوار ہے اور خود وہ شخص اپنے عجز و جہالت کو ان الفاظ میں ظاہر کرے کہ لولا علیؑ لھلک عمرؓ تو کتنا مضحکہ خیز امر ہے، اور چونکہ ہم جناب رسولِ خدا کو مخبر صادق سمجھتے ہیں لہٰذا ہم فوراً نتیجہ نکالیں گے کہ آنحضرتؐ نے اس شخص کو دیوار شہر علم نبی نہ کہا ہو گا۔ ایک اور نکتہ بھی ہے۔ جناب رسولِ خدا کی رحلت کے بعد ہی ایسے مواقع پیدا ہو گئے کہ اگر یہ احادیث فضائل سچی ہوتیں تو وہاں بیان کی جاتیں سقیفہ بنی ساعدہ میں تو بڑا مشکل کا معرکہ تھا۔ حضرت ابوبکر کے فضائل بیان ہوئے مگر صرف یہی کہ ثانی

[1] صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱، کتاب ہذا

اثنین ہیں غار کی دوستی ہے اور حضرت عائشہ والی ترکیب امامت نماز، پس اگر یہ طویل طومار حضرت ابوبکر کی احادیث فضائل کا جواب ان کتابوں میں پایا جاتا ہے اس وقت بھی موجود ہوتا تو دل کھول کر بیان ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ احادیث بعد کی پیدائش ہیں حضرت عمر کے لئے تو کوئی بات فضیلت کی بیان ہی نہیں ہوئی۔ نہ سقیفہ میں اور نہ ان کے اپنے استخلاف کے وقت شوریٰ کا معرکہ لتنے دن چلا حضرت عثمان کے لئے ایک بھی فضیلت کی حدیث نہ ملی۔ برخلاف اس کے حضرت علیؑ ان تمام موقعوں پر اپنے فضائل جتاتے رہے اور آنحضرتؐ کی احادیث پر استدلال کرتے رہے اور جلسہ شوریٰ میں تو اتنے تفصیل کے ساتھ اپنے فضائل شمار فرمائے کہ ان لوگوں کو اقبال فضیلت ہی کرتے بنی۔ اگر حضرت عثمان کے حق میں بھی کچھ ہوتا تو ضرور بیان کیا جاتا۔ اب ہم مثلاً چند موضوع احادیث کی طرف ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں۔ ان کی موضوعیت بھی ہم ساتھ ساتھ ثابت کریں گے۔ لیکن ان کی موضوعیت و مصنوعیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے ممدوح کے قد و قامت پر موزوں نہیں بیٹھتیں۔

(۱) انہم ای الخلفاء الاربعة و النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا انوارا قبل ادم و وصف کل منہم بصفة و التحذیر عن سبہم عن محمد ابن ادریس الشافعی بسندہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کنت انا و ابوبکر و عمر و عثمان و علی انوارا علی یمین العرش قبل ان یخلق ادم بالف عام فلما خلق اسکنا ظہرہ ولم نزل ننتقل فی الاصلاب المطاہرہ الی ان نقلنی اللہ الی صلب عبداللہ و نقل ابابکر الی صلب ابی قحافہ ونقل عمر الی صلب الخطاب و نقل عثمان الی صلب عفان و نقل علیا الی صلب ابی طالب ثم اختارہم لی اصحابا فجعل ابابکر

خلفاء اربعہ اور جناب رسول خدا حضرت آدمؑ کی تخلیق سے پہلے نوری حالت میں موجود تھے اور ان میں سے ہر ایک ایک خاص صفت کے ساتھ موصوف تھا اور ان کو برا کہنے کے لئے تحذیر ہے محمد بن ادریس الشافعی اپنی سند سے جناب رسول خداؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں ابوبکر و عمر و عثمان و علی خداوند تعالےٰ کے عرش کی داہنی طرف نور کی شکل میں حضرت آدم کی پیدائش سے ایک ہزار برس قبل سے تھے جب آدم پیدا ہوگئے تو ہمیں ان کی صلب میں رکھ دیا گیا اور ہم اسی طرح اصلاب طاہرہ میں منتقل ہوتے رہے تا آنکہ خداوند تعالےٰ نے مجھے صلب عبداللہ میں، ابوبکر کو صلب ابی قحافہ میں، عمر کو صلب خطاب میں، عثمان کو صلب عفان میں اور علی کو صلب ابی طالب میں منتقل فرما دیا پھر ان کو میرا اصحابی مقرر کیا۔ ابوبکر کو صدیق

صدیقاً وعمر فاروقاً وعثمان ذی النورین وعلیاً وصیاً فمن سبّ صحابی فقد سبّنی ومن سبّنی فقد سبّ اللہ ومن سبّ اللہ اکبہ اللہ فی النار علی منخرہ خرجہ الملاء فی سیرۃ۔

عمر کو فاروق، عثمان کو ذوالنورین اور علی کو وصی قرار دیا۔ پس جس نے میرے اصحاب کو سب وشتم کیا اس نے مجھے گالی دی جس نے مجھے گالی دی اس نے خدا کو برا کہا اور جس نے خدا کو برا کہا۔ اسکو خداوند تعالیٰ نارِ جہنم میں منہ کے بل ڈالیگا۔

محب الدین طبری :۔ ریاض النضرہ الجزء الاول الباب الرابع صفحہ ۳۰

ابن حجر مکی :۔ صواعق محرقہ۔ **شاہ عبدالعزیز**۔ تحفہ اثنا عشریہ۔ **ابراہیم بن عبداللہ** کتاب الاکتفا

اس حدیث کے چہرہ پر مصنوعیت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی کے حق میں جو حدیثِ نور ہے اس کا یہ جواب تراشا گیا ہے۔ حضرت علی کے لئے تو حدیثِ نور بالکل موزوں ہے۔ مگر اور بزرگواروں کے جسم پر یہ خلعت موزوں نہیں بیٹھتا۔ مندرجہ ذیل امور ملاحظہ ہوں۔

(۱) عرشِ الٰہی کے سامنے ہزاروں برس تک طاہر و مطہر رہنے سے بھی اتنی صلاحیت پیدا نہ ہوئی کہ دُنیا میں آن کر پرستشِ اصنام نہ کرتے۔ یہ ساری عبادت وطہارت بے فائدہ رہی (۲) حضرت آدم سے ایک ہزار برس پہلے پیدا ہونے سے تمام انبیاء پر امتیاز و فوقیت و فضیلت لازم آتی ہے، کوئی شخص امتِ محمدیہ میں سے ایسا نہیں ہے جو اس امر کا قائل ہو کہ اصحاب ثلاثہ انبیاء سابقہ سے افضل تھے اور نہ ہی ان کے سوانح حیات اس کی شہادت دیتے ہیں (۳) اصحاب ثلاثہ کے والد و آباؤ اجداد مسلمہ طور سے کافر تھے پھر اصلاب طاہرہ کے کیا معنی اور ارحام کے تو کیا کہنے ہیں اور حضرت ابوطالب تو یقیناً مسلمان تھے حضرت عبدالمطلب کی طرح، اگر ہم اس بحث کو یہاں چھیڑتے ہیں تو یہ ہی ایک کتاب علیحدہ بن جائے ایمان واعتقاد کا تعلق دل و نیت سے ہے اور دل کی حالت کی شہادت انسان کے افعال دیتے ہیں۔ اپنے بیٹے علی کو رسول خدا کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا تو ابوطالب نے نہ روکا بلکہ ہدایت کی کہ محمد کی پیروی کرتے رہنا وہ تم کو راہِ ہدایت ہی پر چلائیں گے۔ جناب رسول خدا کی حفاظت کافروں سے اتنی کی کہ جس سے زیادہ ممکن نہ تھی۔ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ وہ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ ہم نے اپنی کتاب **سیرۃ الفاطمۃ الزہرا** میں اچھی طرح ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوطالب اسلام لائے تھے اور شروع سے آخر تک اپنے والد عبدالمطلب کے دین پر قائم تھے

(۴) یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں ہے (۵) بہت سے علماء اہلسنت وجماعت مانتے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔ چنانچہ **مولوی ثناء اللہ پانی پتی سیف مسلول** میں اس حدیث کی نسبت تحریر کرتے ہیں:۔

"ایں حدیث ہر چند ضعیف است"، **حافظ ابونعیم تاج المحدثین** نے امالی میں ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا کہ "یہ جھوٹ ہے"

علامہ سیوطی نے ایسی احادیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

ابو نعیم فی امالیہ حدثنا محمد بن محمد بن عمرو بن زید املاء حدثنا احمد بن یوسف حدثنا ابو شعیب صالح بن زیاد حدثنا احمد بن یوسف المنجی حدثنا ابو شعیب السوسی عن الھیثم بن جمیل عن المقبری عن ابی معشر عن ابی ھریرۃ مرفوعاً خلقنی اللہ من نورہ وخلق ابا بکر من نوری وخلق عمر من نور ابی بکر وخلق امتی من نور عمر وعمر سراج اھل الجنۃ قال ابو نعیم ھذا باطل وابو معشر وابو شعیب متروکون وقال فی المیزان ھذا خبر کذب ما حدث بہ واحد من الثلاثۃ والآفۃ عندی فیہ المنجی لا یعرف۔

حدیث منقولہ راویان ذیل میں ملاحظہ ہوں، کہ خدا نے مجھے اپنے نور سے، ابو بکر کو میرے نور سے، عمر کو ابو بکر کے نور سے اور میری امت کو عمر کے نور سے پیدا کیا اور یہ کہ عمر اہل جنت کا چراغ ہے۔ باطل و موضوع ہے ابو نعیم نے امالی میں ذکر کیا ہے کہ یہ باطل ہے۔ ابو معشر اور ابو شعیب دونوں متروک ہیں۔ میزان الاعتدال میں ذہبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث کذب محض ہے۔ تینوں میں سے ایک نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ میرے نزدیک المنجی ایک آفت ہے، بلا ہے جھوٹ بولتا ہے۔

سیوطی:۔ ذیل الموضوعات: ذہبی:۔ میزان الاعتدال جلد ا۔ صفحہ ۶۶۔
شیخ رحمت اللہ:۔ مختصر تنزیہ الشرعیہ

۲۔ حضرت علی کے متعلق مشہور و معروف حدیثِ منزلت ہے اور کئی موقعوں پر دہرائی گئی تھی، اس کے مقابلہ میں ایک حدیث وضع ہوتی ہے ملاحظہ ہو۔

عن ابن عباس مرفوعاً لو کنت متخذا خلیلاً لا تخذت ابا بکرٍ خلیلاً و لکن اللہ اتخذ صاحبکم خلیلاً و ابو بکر و عمر منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ۔

جناب ابن عباس سے مرفوعاً روایت ہے کہ اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ مگر مجھے تو خدا نے دوست بنا لیا۔ ابو بکر و عمر مجھ سے وہی درجہ رکھتے ہیں جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰ کے ساتھ تھا۔

اوّل تو اس کا بے جوڑ پن ملاحظہ ہو۔ ذکر تو خلّت کا تھا۔ حضرت موسیٰ کی اور ہارون کی منزلت کا کیا تذکرہ، پھر یہ دو ہارون کیسے۔ ایک موسیٰ کے لئے تو ایک ہی ہارون تھے یہاں

دو گئے۔ کیونکہ جن حضرات نے یہ حدیث بنائی وہ دونوں کی منزلت قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اس حدیث کے ایک راوی قزعہ بن سوید ہیں۔ ان کی نسبت علامہ ذہبی میزان الاعتدال جلد دوم صفحہ ۳۴۱ میں کہتے ہیں:۔

قال البخاری لیس بذالک القوی وقال احمد مضطرب الحدیث وقال ابوحاتم لا یحتج بہ وقال النسائی ضعیف ومشاہ ابن عدی ولہ حدیث منکر عن ابن ابی ملیکہ عن عباس مرفوعاً لو کنت متخذاً خلیلاً ... الخ

امام بخاری کہتے ہیں کہ قزعہ بن سوید قوی نہیں ہے امام احمد کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں مضطرب ہوتی ہیں اور ابوحاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیثوں سے استدلال نہیں کر سکتے۔ امام نسائی نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے ابن عدی نے بھی یہی کہا ہے اور اس نے یہ غلط حدیث ابن ابی ملیکہ سے مرفوعاً ابن عباس سے بیان کی کہ اگر میں کسی کو دوست رکھتا... الخ

یہ ہی حدیث ایک اور طریقے سے روایت کی گئی ہے اس میں ایک راوی عمار بن ہارون ہیں ان کے متعلق علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:۔

قال موسیٰ بن ہارون متروک الحدیث وقال ابن عدی عامۃ ما یرویہ غیر محفوظ کان یسرق الحدیث۔

میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۲۰

یعنی موسیٰ نے کہا ہے کہ ابن ہارون کی حدیث کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ عامی آدمی ہے جو وہ بیان کرتا ہے غلط ہوتا ہے۔ اور یہ حدیثیں چرایا کرتا تھا۔

(۳) حدیث تشبیہ حضرت علی کی شان میں نہایت مشہور و معروف ہے۔ اس کا منہ اس طرح چڑایا گیا ہے۔

(۳) حدیث تشبیہ بانبیاء

عن عبد اللہ بن مسعود فی قصۃ مشاورۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع ابی بکر و عمر فی اساری بدر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تقولون فی ھؤلاء ان مثل ھولاء کمثل اخوۃ لھم کانوا من قبلھم قال نوح رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا وقال موسیٰ اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم الایۃ قال ابراھیم فمن

حاکم نیشاپوری عبداللہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت رسول خدا نے ابوبکر و عمر سے مشورہ کرتے وقت فرمایا کہ تم لوگ ان دونوں کے بارے میں رکھا کہتے ہو ان کی مثل ان کے بھائیوں نوح و موسیٰ و ابراہیم و عیسیٰ کی طرح ہے نوح نے تو کہا کہ اے خدا دنیا کے پردہ پر کافروں کا نشان تک نہ چھوڑ اور موسیٰ نے کہا کہ خداوندا تو ان کے مالوں کو خراب کر اور دلوں کو سخت کر دے آخر آیت تک

تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ؕ وَقَالَ عِیْسٰی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۔ اخرجه الحاکم شاہ ولی اللہ : قرۃ العینین۔

ابراہیم نے کہا کہ اے خدا جس نے میری اطاعت کی وہ تو مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی بس تو بخشنے والا ہے عیسیٰ نے کہا کہ اے خدا اگر تو عذاب کرے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو بخشدے تو تُو بڑا رحیم طاقت والا ہے۔

اصل ونقل میں صاف فرق نمایاں ہے۔ حضرت علیؑ کے حق میں جو تشبیہہ ہے اسکے الفاظ و عبارت کی موزونیت ولطافت وصداقت ورفعت ومرتبت ہی کچھ اور ہے، یہ حدیث تو کسی نے ڈرتے ڈرتے بنادی اور وہ بھی غلط، مصنوعیت کی مہر اس حدیث کے چہرے پر ثبت ہے۔ حضرت ابوبکر وعمر تو نبی نہ تھے تو پھر یہ پیغمبر ان الوالعزم کس رشتے سے انکے بھائی ہوئے خود حضرات اہل سنت وجماعت معترف ہیں کہ حضرات شیخین انبیاء الوالعزم سے کچھ نسبت ہی نہ رکھتے تھے یہ روایت جتنی اور جیسی بھی ہے یہ ہے کہ اسیران بدر کے حق میں حضرت عمرؓ کی سخت رائے اور حضرت ابوبکر کی نرم رائے، حضرت نوح وحضرت موسیٰ کی سخت اور حضرت ابراہیم وحضرت عیسیٰ کی نرم دُعاؤں کے مشابہ ہے۔ اس میں کیا فضیلت ہوئی۔ فرض کرو کہ اتفاق سے میرا کوئی فعل نبی کے کسی فعل کے مشابہ ہوگیا تو مجھ میں اور نبی میں مشابہت وبرابری تو کچھ نہ ہوئی۔ مثلاً میں نے بھی ایک دن اپنے کھانے میں سے فقیر کو رزق دیا اور حضرت ابراہیمؑ نے بھی ایسا کیا تھا تو اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ میں حضرت ابراہیم کے برابر ہوگیا۔ اس حدیث کا یہی مطلب علامہ ابن تیمیہ نے لیا ہے۔ دیکھو منہاج السنّۃ

(۴) جناب علی مرتضیٰ کا عالم علم لدنی ہونا ظاہر ہے اس دعوید ار سلونی اور شہسوار میدان لوکشف کے جملہ علوم سے آگاہی حاصل کرنا حد بشر سے باہر ہے۔ جناب پیغمبر خداؐ نے یہ فرماکر کہ اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا سب کے مُنہ پر مہر سکوت لگادی۔ اس حدیث کا جواب ہی کیا ہو سکتا تھا اور اس امام مبین کے مقابلہ کا علم کس میں ہو سکتا تھا۔ لیکن یار لوگوں نے یہاں بھی کچھ نہ کچھ ہاتھ پَیر مارے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں :۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماصبب اللہ شیئًا الا وصببتہ فی صدر ابی بکر۔

کوئی علم یا الہام خداوند تعالےٰ نے میرے سینہ میں نہیں ڈالا لیکن یہ کہ میں نے پھر اس کو سینۂ ابی بکر میں ڈال دیا۔

کہاں اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا کی فصاحت وبلاغت، کہاں اس موضوعہ فقرہ کا بھونڈا پن اس حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ جس درجہ کا علم جناب رسول خداؐ کو خداوند تعالےٰ نے عطا

ص ۱۱۷ جلد ۴

فرمایا تھا اس ہی درجہ کا علم جناب ابوبکر کو حاصل تھا۔ شب معراج جو جو اسرار خداوند تعالے نے
اپنے حبیب کو بتائے وہ سب صبح آن کر جناب رسول خدا نے حضرت ابوبکر کے کان میں دہرا
دیئے اس ناموزوں کلام کے یہ بھی معنی ہوئے کہ جن معارف دینیہ و مسائل شرعیہ سے حضرت
ابوبکر ناواقف تھے ان سے جناب رسول خدا بھی جاہل تھے کیونکہ اگر آنحضرت کو یہ امور بتائے گئے ہوتے
تو وہ ضرور حضرت ابوبکر کے اندر رڈال دیتے حضرت ابوبکر کا بہت سے مسائل شرعیہ سے ناواقف
ہونا ظاہر ہے اُنکی اس ناواقفیت کی بہت سی مثالیں جماعت اہل حکومت کے علماء کی کتابوں میں
درج ہیں جن کو جناب علامہ السید محمد قلی صاحب اعلی اللہ مقامہ فی دار الکرامہ نے اپنی تشیید
المطاعن میں نقل کیا ہے جہاں یہ بحث صفحہ ۲۲۳ سے شروع ہوتی ہے علی المتقی کنز العمال میں لکھتے ہیں:-

عن میمون بن مهران قال کان ابو بکر
اذا ورد علیه خصم نظر فی کتاب الله تعالیٰ
فان وجد فیه یقضی به قضی به بینهم
وان لم یجد فی کتاب الله نظر هل کانت
من النبی فیه سنة فان علمها قضیٰ بها
فان لم یعلم خرج فسأل المسلمین
اتانی کذا وکذا فنظرت فی کتاب الله و
فی سنة رسول الله فلم اجد فی ذلك
شیئاً فهل تعلمون ان النبی قضی فی
ذلك بقضاء فربما قام الیه الرهط
فقالوا نعم قضی فیه هکذا وکذا فیأخذ
بقضاء رسول الله ویقول الحمد لله الذی
جعل فینا من یحفظ عن نبینا وان اعیاه
ذلك دعی رؤس المسلمین وعلماءهم
فاستشارهم فاذا اجتمع رایهم
علی الامر قضی به وان عمر
بن الخطاب کان یفعل ذلك فان
اعیاه ان یجد فی القرآن والسنة
نظر هل کان لابی بکر فیه

میمون بن مہران صحابی سے مروی ہے کہ جب ابوبکر کے
پاس مدعی و مدعا علیہ اپنا مقدمہ لیکر آتے تھے تو ابوبکر
کتاب خدا کو کھول کر دیکھتے تھے اگر وہاں کوئی حکم
اس مقدمہ کے حالات کے مطابق مل گیا تو اس طرح
فیصلہ کر دیتے تھے اور اگر کتاب خدا میں کوئی ایسا حکم
نہیں ملتا تھا تو سنت رسول کی طرف رجوع کرتے تھے
اگر انہیں کسی مطابقت رکھنے والی سنت رسول کا
علم ہوتا تھا۔ تو اسکے مطابق فیصلہ صادر کر دیتے تھے
اور اگر انہیں اس کا علم نہیں ہوتا تھا تو آپ باہر نکل جاتے
تھے اور مسلمانوں میں کہتے تھے کہ میرے پاس اس قسم
کا مقدمہ آیا ہے میں نے خدا و سنت رسول اللہ کیطرف
رجوع کیا وہاں تو مجھے کچھ نہیں ملا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ
ایسے حالات میں رسول خدا کیا حکم دیتے تھے اکثر ایک
گروہ ان میں کا کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا کہ ہاں ہم
جانتے ہیں اور وہ ابوبکر کو آگاہ کرتے تھے اور ابوبکر اسکے
مطابق عمل کرتے تھے اور کہتے تھے خدا کا شکر ہے کہ
ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو سنت رسول سے واقف
ہیں اور اگر کسی مقدمہ میں ایسے لوگ نہیں ملتے تھے
تو پھر مسلمانوں کے صاحب رسوخ لوگوں اور علماء کو جمع

بہت سے مسائل شرعیہ سے حضرت ابوبکر کی عدم واقفیت

قضاء فان وجد ابا بکر قد قضی فیه بقضاء قضی به والا دعا رؤس المسلمین وعلمائهم واستشارهم فاذا اجتمعا علی امر قضی بینهم (الدارمی ق)

علی المتقی: کنز العمال الجزء الثالث صفحہ ۱۲۸۔ حدیث ۲۲۵۳

محمد بن سعد: طبقات الکبری جلد ۲ ق ۲ صفحہ ۱۹

صواعق محرقہ: ابن حجر مکی الباب الاول الفصل الثالث صفحہ ۱۰۔

کرکے ان سے مشورہ لیتے تھے اور پھر ان کی رائے کے مطابق فیصلہ صادر کیا کرتے تھے اور حضرتِ عمر بھی اسی طرح کیا کرتے تھے اور جب وہ دیکھتے تھے کہ قرآن شریف وسنتِ رسول سے کچھ ہدایت نہیں ملتی تھی تو پھر دیکھتے تھے کہ ابوبکر نے ایسے موقعہ پر کیا حکم دیا ہے اور اگر ان کو ایسا حکم ابوبکر کا مل جاتا تھا تو اس کے مطابق عمل کرتے تھے ورنہ مسلمانوں کے بڑے بڑے آدمیوں اور علماء کو جمع کرکے ان سے فیصلہ کی بابت مشورہ لیتے تھے اور جب ان کی رائے متفق ہوتی تھی تو پھر حکم اس کے مطابق دیتے تھے۔

اس روایت سے بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے۔ حسبنا کتاب اللہ کہنے والے بزرگوں کو کتاب اللہ میں سے ہدایت نہیں ملتی تھی یعنی کتابِ خدا ان کے لئے کافی نہ تھی یا تو واقعی کتاب اللہ میں کسی مقدمہ خاص کے فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہدایت نہ ہوتی تھی یا ان بزرگوں کی تلاش میں نقص ہوتا تھا۔ بہر صورت حسبنا کتاب اللہ غلط ہوا سنتِ رسول بھی کافی نہیں ہوتی تھی۔ پھر معلوم نہیں مسلمانوں کے بڑے بڑے رسوخ والے اصحاب اپنے فیصلہ ومشاورت کی بناء کس پر رکھتے تھے لیکن یہ ثابت ہوگیا کہ خلیفہ رسول وحکومتِ الہیہ کا سردار اُن کو ہونا چاہیئے تھا جن کی نظر کی وسعت کتاب اللہ کی وسعت وہمہ گیری کے مطابق ہوتی تاکہ کتاب اللہ میں ان کو سب کچھ مل جایا کرتا اور جن کا اپنا اجتہاد ایسے خُداداد علم پر مبنی ہوتا کہ پھر وہ ایرے وغیرے کی مشورت کے محتاج نہ ہوتے۔ امورِ سیاست تو مشورت سے طے ہو سکتے ہیں۔ مقدمات کے فیصلہ میں مشاورت کرنا قطعاً غیر ضروری بلکہ مضر ہوتا ہے معلوم نہیں مجلسِ مشاورت میں کون کون ایسے ہیں جن کی ہمدردی اور دوستی ملزم یا مستغیث سے ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی رائے غلط ہو اور علماء کو جمع کرنا تو کچھ معنی بھی رکھتا ہے۔ یہ صاحبِ رسوخ ورؤساء وامراء کا جمع کرنا کیسا۔ وہ ہی سرمایہ داری کی بے جا خوشامد۔ کیا مقدمات کے فیصلے بھی رسوخ کی بناء پر ہوتے ہیں، جناب رسولِ خُدا نے مقدمات فیصلہ کرنے میں کبھی مشاورت نہیں کی۔ ان کے نائب وخلیفہ میں بھی اتنی ہی وسیع لیاقت وعلمیت ہوتی چاہیئے تھی کہ محض اپنے اُوپر اعتبار واختصار کر سکتا۔ کچھ ہی ہو یہ سب کچھ ماصبب اللہ شیئاً الا وصببۃ فی صدر ابی بکر کی بہت اچھی تفسیر ہے۔

اس روایت کو شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخلفاء اور نیز قرۃ العینین میں نقل کیا ہے۔ زین الفتی میں ابو محمد احمد بن علی العاصمی نے ایک تاریخی واقعہ درج کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب

کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔"

وہ مکالمہ جو حضرت شبلی نقل کر رہے ہیں خود وجوہات بتا رہا ہے پھر ان وجوہات کو پیچ در پیچ کے پیچدار فقرہ میں چھپانے کا کیا فائدہ۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ آپ خود بتاتے کہ وہ وجوہات کیا تھے حضرت علی کے علیحدہ معاملات قریش کے ساتھ کیا تھے اور کیا ہو سکتے تھے ان کے وہی معاملات تھے جو جناب رسولِ خدا کے تھے ان سے علیحدہ کوئی معاملہ نہیں تھا۔ کوئی علیحدہ بیوپار نہیں تھا کہ اس بیوپار کے معاملات پیچیدہ ہو گئے ہوں اور علیحدہ رشتہ داریاں نہیں تھیں کہ معاملات پیچیدہ ہو جاتے حضرت علی کی کوئی ذاتی دشمنی کسی کے ساتھ نہیں تھی وہی دشمنی تھی جو جنگ ہائے اسلام کی وجہ سے ہو سکتی تھی۔ حضرت علی پر تو آنحضرت اور اسلام کی مدد کرنے کا جرم ہی عائد ہو سکتا تھا۔ یہ لطیفہ تو ملاحظہ ہو مولوی شبلی حضرت علی اور جناب رسولِ خدا اور بنو ہاشم کے معاملات ملا کر نہیں کہتے بلکہ محض حضرت علی کے معاملات پیچیدہ بتاتے ہیں۔ ہمیں تو بہت شوق پیدا ہو گیا کہ کاش مولوی شبلی یہاں مناظرانہ خاموشی اختیار نہ کرتے بلکہ مورخانہ تحقیق سے بتلاتے کہ وہ کیا پیچ در پیچ معاملات تھے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ جماعت اہلِ حکومت کے مورخ ایسے ہوا کرتے ہیں۔ مولوی شبلی ان کے زبردست مورخوں میں سے ہیں اور یہ ان کی شان ہے تو اوروں کا کیا کہنا ع این خانہ ہمہ آفتاب است

حضرت عمر نے یہ تو فرما دیا کہ بنو ہاشم کے دلوں میں پرانے کینے اور رنج ہیں۔ یہ نہ فرمایا کہ یہ رنج و کینے کیوں ہیں کس سے ہیں اور کب سے ہیں۔ بنو امیہ و بنو ہاشم میں خاندانی عداوت مدت سے چلی آتی تھی لیکن اس مکالمہ میں بنو امیہ کی طرف اشارہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کینے اور رنج تو ان کے خلاف تھے جنہوں نے بقول عبداللہ ابن عباس حسد و ظلم کے ساتھ خاندان نبوت سے حکومت کو نکال لیا حضرت عمر کے اس قول سے توثیق و تصدیق ہوتی ہے اس امر واقعہ کی کہ اسلام سے پہلے بنی عدی (خاندان عمر) و بنی ہاشم و بنی تیم (خاندان ابوبکر) میں آپس میں دشمنی تھی ان بنی تیم و بنی عدی و بنی ہاشم کان عداوۃ بینھم فی الجاھلیۃ فلما اسلم ھؤلاء القوم تحابوا۔

علامہ سیوطی:- کتاب الدر المنثور الجزء الرابع صفحہ ۱۰۱؛ ابن حجر مکی:- صواعق محرقہ صفحہ ۲۱؛ شاہ ولی اللہ: ازالۃ الخفا جلد ا صفحہ ۲۱۲

ترجمہ:- زمانہ جاہلیت میں بنو ہاشم اور بنو عدی و بنو تیم کے درمیان دشمنی تھی۔ لیکن یہ قبیلے جب مسلمان ہو گئے تو آپس میں دوست بن گئے۔

لیکن حضرت عمر کہتے ہیں کہ نہیں یہ آپس میں دوست نہیں ہوئے۔ حضرت عمر کا خیال ہے کہ یہ کینے و رنج بنو ہاشم کے دلوں میں باقی رہے مگر واقعات خلافت حضرت عمر کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر کہتے ہیں ع

تم الزام ان کو دیتے ہو قصور اپنا نکل آیا

حضرت عمر کے مقصد سیاست بلکہ مقصد حیات میں اب بھی کوئی شک ہو تو ہم مزید ثبوت الولد سر لابیہ کے کلیہ کی بنا پر پیش کرتے ہیں حضرت عمر کے دو نامی گرامی فرزندان تھے عبداللہ اور عبیداللہ۔ حضرت عبیداللہ نے یقیناً اپنے والد ماجد کی پالیسی کے مطابق حضرت معاویہ کا ساتھ دیا اور حضرت علی کے خلاف خوب لڑے یہاں تک کہ جنگ صفین

جناب رسول خدا کے انتقال کی خبر قیصر روم کو پہنچی تو اس نے ایک صد نصاریٰ کی جماعت کو یہ کہہ کر مدینہ بھیجا کہ تم جاؤ اور جناب محمد مصطفےٰ کی وصی اور خلیفہ سے وہ سوال کرو جو اس سے قبل انبیاء اور انکے خلفا سے کئے گئے ہیں اگر وہ صحیح جواب دیدے تو تم سمجھنا کہ وہ رسول برحق تھے جن کا یہ خلیفہ ہے وہ لوگ روانہ ہوئے۔ راستہ میں بیت المقدس میں پہنچے وہاں یہودیوں نے ایک ایسی ہی جماعت تیار کی۔ اور یہ دونوں جماعتیں مل کر مدینہ پہنچیں، وہ دن جمعہ کا تھا۔ حضرت ابو بکر مسجد میں تھے، یہ جماعت وہاں پہنچی اور ابتدائی مراسم کے بعد ان کے سردار نے حضرت ابو بکر سے سوالات کرنے شروع کر دیے حضرت ابو بکر جواب نہ دے سکے اور بحالت مجبوری و بے لبسی ہیں کبھی معاذ کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی ابن مسعود کی طرف، اس جماعت کے سردار نے اپنی جماعت سے اپنی زبان میں کہا کہ یہ شخص نبی نہ تھا لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو اس سے کہا کہ چلو ہم تم کو ایسے شخص کے پاس چلیں جو اہل توریت کو توریت سے اہل زبور کو زبور سے اہل انجیل کو انجیل سے اور اہل قرآن کو قرآن سے جواب دیتا ہے۔ پس اس جماعت کو حضرت علی کی خدمت میں لے گئے ان کے سردار نے حضرت علی سے بھی وہی سوالات کئے۔ آپ نے جوابات شافی دے کر اس کی تسلی کر دی۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ جب تک یہ لوگ حضرت علی کے پاس نہیں پہنچے تھے اس وقت تک ہمارے اوپر ذلت کی چادر پھیل ہوئی تھی۔ زین الفتی میں وہ سوالات وجوابات بھی لکھے ہوئے ہیں۔ ہم ان کو بخوف طوالت حذف کرتے ہیں۔

اس واقعہ کو امام احمد حنبل کے حوالے سے سبط ابن الجوزی نے تذکرۂ خواص الامۃ میں بھی لکھا ہے دیکھو تذکرۂ خواص الامۃ صفحہ ۸۵-۸۶۔ اس طرح کے کئی واقعات ہوئے ہیں کیونکہ بعد رحلت رسول کفار و معاندین کو یہ اچھا مشغلہ ہاتھ آیا تھا کہ آتے تھے اور خلیفہ رسول سے سوال کر کے ان کو عاجز کرتے تھے پھر لوگ ان کو حضرت علی کے پاس لے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے تھے۔ زین الفتی میں ایک اور واقعہ ایسا ہی لکھا ہے۔ یہاں ایک یہودی نے سوالات کئے تھے۔ جن کے جوابات حضرت ابو بکر نہ دے سکے اور حضرت علی نے مشکلکشائی کی۔

ابو الفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب الموضوعات میں تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث ما صب اللہ شیئًا.... الخ جہلا کی وضع کی ہوئی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

وقد ترکت احادیث کثیرۃ یردونھا فی فضل ابی بکر فیھا صحیح المعنی لکنہ لا یثبت منقولًا منھا ما لیس بشیئٍ ما زال اسمع العوام یقولون عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال ما صب اللہ فی صدری الا	میں نے وہ بہت سی احادیث ترک کر دی ہیں جو حضرت ابو بکر کی فضیلت میں بیان کی جاتی ہیں کچھ تو انمیں ایسی ہیں کہ کچھ ظاہری معنی تو رکھتی ہیں لیکن ان کی صحت ثابت نہیں لیکن بہت سی تو بالکل بے معنی و لغو بیہودہ ہیں میں عوام الناس کو کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ جناب رسول خدا نے

وصبتہ فی صدر ابی بکر واذا اشتقت الی الجنۃ قبلت شیبۃ ابی بکر وکنت انا وابو بکر کفرسی رھان سبقتہ فاتبعنی ولو سبقنی لاتبعہ فی اشیاء ما رأینا لھا اثرا فی الصحیح ولا فی الموضوع ولا فائدۃ فی الاطالۃ بمثل ھذہ الاشیاء

فرمایا کہ کوئی شے خدا نے میرے سینہ میں نہیں ڈالی لیکن یہ کہ پھر میں نے اسکو سینۂ ابی بکر میں ڈالدیا اور یہ کہ جب مجھے جنت کا شوق ہوتا ہے تو ابو بکر کی سفید داڑھی کو چوم لیتا ہوں اور یہ کہ میں اور ابو بکر دو گھوڑوں کی طرح دوڑ رہے تھے (یعنی نبوت کے پالے کو چھونے کیلئے) میں ان سے آگے بڑھ گیا تو ان کو میری پیروی کرنی پڑی اور اگر وہ آگے بڑھ جاتے تو میں ان کی پیروی کرتا۔ یہ سب احادیث جھوٹی ہیں اور قطعاً موضوعہ ہیں اور ایسی احادیث کے جاری کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔

مجد الدین محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم الشیرازی الفیروزآبادی نے کتاب سفر السعادہ میں ان احادیث کے موضوع اور باطل ہونے کو اچھی طرح ثابت کیا ہے چنانچہ وہ خاتمہ کتاب پر کہتا ہے

"درباب فضائل ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ آنچہ مشہور ترست از موضوعات حدیث ان اللہ یتجلی یوم القیامۃ للناس عامۃ ولابی بکر خاصۃ وحدیث ما صب اللہ فی صدری شیئاً الا وصببتہ فی صدر ابی بکر وحدیث انا وابو بکر کفرسی رھان وحدیث ان اللہ تعالیٰ لما اختار الارواح اختار روح ابی بکر ومثال ایں از مفتریاتے ست کہ بطلان آں ببداہت نص معلوم است"

علامہ فیروزآبادی کی تائید شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادۃ میں اس طرح کی ہے :-

"ما صب اللہ فی صدری شیئاً وصببتہ فی صدر ابو بکر موضوع" مصنف میگوید کہ امثال ایں احادیث کہ از انہا افضل بر تمامہ خلق از انبیاء وغیرہم لازم آید یا مساوات در مرتبہ با سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مفہوم گردد ویا از دائرہ حکم عقل وعادت بیروں بود ہمہ موضوعات اند"

محمد طاہر گجراتی نے بھی اس حدیث کو افترا سمجھا ہے تذکرۃ الموضوعات میں لکھتے ہیں :-

"ما صب اللہ فی صدری شیئاً الا وصببتہ فی صدر ابی بکر موضوع"

ملا علی قاری نے اپنے رسالہ موضوعات کبریٰ میں نقلاً عن ابن القیم اس طرح لکھا ہے :-

مما وضعہ جھلۃ المنتسبین الی السنۃ فی فضل الصدیق حدیث ان اللہ یتجلی للناس عامۃ یوم القیامۃ ولابی بکر خاصۃ وحدیث ما صب اللہ فی صدری شیئاً الا وصببتہ فی صدر ابی بکر وحدیث کان

جہلا اہلسنت نے جو احادیث فضائل ابی بکر میں وضع کی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں، خداوند تعالیٰ روز قیامت اور لوگوں کے لئے عام طور سے اور ابو بکر کے لئے خاص طور سے تجلی کریگا، کوئی علم کی شے خداوند تعالیٰ نے میرے سینہ میں نہیں ڈالی جب آنحضرت کو جنت

اذا اشتاق الی الجنۃ قبل شیبۃ ابی بکر وحدیث انا وابی بکر کفرسی رھان وحدیث ان اللہ لما اختار الارواح اختار روح ابی بکر وحدیث عمر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر یتحدثان وکنت کالزنجی بینھما وحدیث لوحدثتکم بفضائل عمر عمر نوح فی قومہ ما فنیت وان عمر حسنۃ من حسنات ابی بکر وحدیث ما سبقکم ابو بکر بکثرۃ صوم ولا صلوۃ وانما سبقکم بشیئ وقر فی صدرہ

کا شوق ہوتا تھا تو داڑھی الخ ہیں اور ابوبکر دو گھوڑے تھے الخ جب خداوند تعالےٰ نے ارواح میں سے انتخاب کیا الخ عمر کا قول کہ جب جناب رسول خداؐ و ابوبکر آپس میں باتیں کرتے تھے تو میں زنگی کی طرح مبہوت بیٹھا رہتا تھا اگر میں عمر کے فضائل عمر نوح تک بیان کروں تو ختم نہ کر سکوں گا۔ عمر تو صرف ایک نیکی ہے نیکی ہائے ابوبکر میں سے، ابوبکر تم سے کثرت صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس چیز کی وجہ سے تم پر سبقت لے گیا جو اس کے سینہ میں ہے یہ سب جھوٹی ہیں۔

۵۔ ایک اور حدیث موضوعہ ملاحظہ ہو۔ جماعت اہل حکومت کا اس پر بہت انحصار ہے اور اسکو پڑھتے پڑھتے وجد میں آجاتے ہیں۔ اصحاب صحاح ستہؒ میں سے ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کو اپنے اپنے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو دو طریق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جن میں سے ایک پر وہ خود جرح کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:۔

حدثنا سفیان بن وکیع حدثنا حمید بن عبد الرحمن عن داؤد العطار عن معمر عن قتادہ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارحم امتی بامتی ابوبکر واشدھم فی امر اللہ عمر واصدقھم حیاء عثمان بن عفان واعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبل وافرضھم زید بن ثابت واقرءھم ابی بن کعب ولکل امۃ امین وامین ھذہ الامۃ ابو عبیدۃ بن الجراح ھذا حدیث غریب لا نعرفہ من حدیث قتادہ الا من ھذا الوجہ وقد رواہ ابو قلابہ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ

(اسماء راویان عربی عبارت میں دیکھیں) میری امت میں سب سے زیادہ میرے امتیوں پر رحم کرنے والا ابوبکر اور دین خدا میں سب سے زیادہ سخت عمر اور سب سے زیادہ حیا والا عثمان، سب سے زیادہ کتاب خدا کا علم رکھنے والا ابی بن کعب اور سب سے زیادہ حلال اور حرام کا علم رکھنے والا معاذ بن جبل اور سب سے زیادہ فرائض سے واقف زید بن ثابت ہے۔ بہ تحقیق کہ ہر ایک امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن الجراح۔ یہ حدیث ابو عبیدہ والی غریب ہے اور قتادہ سے ہم اس کو

بہت سے مسائل ترغیب سے حضرت ابوبکرؓ کی عدم واقفیت

۵۔ حدیث ارحم امتی

وسلم نحوہ حدثنا محمد بن بشار نا عبد الوھاب بن عبد المجید الثقفی حدثنا خالد الحذاء عن ابی قلابہ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارحم امتی بامتی ابو بکر واشدھم فی امر اللہ عمر ..... الی اخر الحدیث .... هذا حدیث حسن صحیح۔

صرف اس ہی ایک طریقے سے جانتے ہیں۔ ایسی ہی حدیث انس بن مالک سے ابو قلابہ کے ذریعے سے مروی ہے۔ کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سب سے زیادہ میرے امتیوں پر رحم کرنے والا ابوبکر اور دین خدا میں سب سے زیادہ سخت عمر..... الخ یہ حدیث حسن وصحیح ہے۔

یہ حدیث مسند امام احمد حنبل (الجزء الثالث صفحہ ۱۸۴) میں بھی ہے ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو دو طرق سے بیان کیا ہے۔ ان کا سلسلۂ رواۃ یہ ہے:۔

حدثنا محمد بن المثنیٰ ثنا عبد الوھاب بن عبد المجید ثنا خالد الحذاء عن ابی قلابہ عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ارحم امتی ..... الی اخر الحدیث، وحدثنا علی بن محمد ثنا وکیع عن سفیان من خالد الحذاء عن ابی قلابہ مثلہ۔

اب ہم اس حدیث کے راویوں پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں جس سے اس حدیث کی موضوعیت بدرجہ اتم ثابت ہوگی۔

انس بن مالک :۔ یہ صاحب حضرت علی کے مخالفین میں سے تھے۔ حدیث طیر کے ذکر میں آپ سن چکے ہیں۔ کہ دو دفعہ غلط بیانی کر کے کہ آنحضرت کام میں مشغول ہیں حضرت علی کو واپس کر دیا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر وحضرت عمر کے حق میں عجیب عجیب احادیث بیان کی ہیں جن کو دہرانا باعث طوالت ہوگا۔ خود فرماتے ہیں کہ میں صرف حضرت رسول خدا وحضرت ابوبکر وعمر سے محبت رکھتا ہوں۔

قال فانا احب رسول اللہ وابا بکر وعمر وانا ارجو ان اکون معھم لحبی ایاھم وان کنت لا اعمل بعملھم

مسند احمد حنبل الجزء الثالث صفحہ ۲۲۷

یعنی میں جناب رسول خدا و ابوبکر وعمر کو دوست رکھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس محبت کی وجہ سے میں آخرت میں بھی ان کے ساتھ رہوں اگرچہ میں ان جیسے اعمال نہیں بجا لاتا۔

اس محبت کی وجہ تھی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

ان ابا بکر لما استخلف بعث الی انس

حضرت ابوبکر نے خلیفہ ہوتے ہی انس کو بلا بھیجا

انس بن مالک جو کہ حدیث کے راوی ہیں غیر ثقہ۔

ليوجهه الى البحرين على السعاية فدخل عليه عمر فاستشاره فقال ابعثه فانه لبيب كاتب قال فبعثه.	تاکہ ان کو سعایۃ کے عہدہ پر بحرین بھیجیں اتنے میں حضرت عمر بھی آگئے حضرت ابو بکر نے ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا ہاں ان کو ضرور بھیجو کیونکہ وہ سمجھدار کاتب ہیں۔

ابن حجر عسقلانی :۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ الجزء الاول صفحہ ۷۳۔

حضرت ابو بکر و حضرت عمر کی سیاست کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے یہ نکتہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ ان کی سیاست کا یہ نہایت ضروری اصول تھا کہ جو لوگ آنحضرتؐ کے گردوپیش رہتے تھے یا کسی اور طرح صاحب رسوخ تھے ان کو کسی نہ کسی طرح اپنی طرف ملالیں تاکہ صاحب رسوخ لوگ ان کی طرف ہو جائیں اور کوئی فتنہ و فساد نہ کریں اور آنحضرتؐ کے مصاحبین ان کی ہاں میں ہاں ملا کر لوگوں کی نظروں میں ان کی وقعت کو بڑھا دیں۔ اس ہی اصول کی بناء پر یزید ابن سفیان و معاویہ ابن سفیان کو شام کی ولایت دی گئی اور اس ہی وجہ سے اسامہ بن زید و انس بن مالک و زید ابن ثابت نوجوان پارٹی کو ابھارا گیا۔ مسند احمد بن حنبل میں انس بن مالک سے ہزارہا حدیث مروی ہیں۔ مسند الجزء الثالث کے صفحہ ۹۸ سے صفحہ ۲۹۲ تک ان کی مرویات ہیں اور کوئی صفحہ ایسا نہیں کہ جس میں حضرت ابو بکر و حضرت عمر کا ذکر نہ ہو۔ حدیث زیر بحث ہی کو لو۔ معاذ ابن جبل و زید ابن ثابت تک کی تو مدح سرائی کی گئی ہے۔ لیکن حضرت علی کا ذکر نہیں۔

ابو قلابہ۔ ابو قلابہ عبداللہ بن زید الجرمی۔ یہ شخص بھی جناب امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالب کے مخالفوں میں سے تھا۔ چنانچہ اس نے جناب امیرؑ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ ابن حجر عسقلانی اپنی تہذیب التہذیب میں بترجمہ ابو قلابہ لکھتے ہیں۔

وقال العجلى بصرى تابعى ثقة وكان يحمل على علیؑ ولم يرو عنه شيئاً۔	یعنی عجلی کہتا ہے کہ ابو قلابہ تابعی ثقہ تھا علی کی مخالفت کرتا تھا، ان سے ایک حدیث بھی بیان نہیں کی۔

علامہ ذہبی اپنی کتاب میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

عبد الله بن زيد ابو قلابه الجرمى امام شهير من علماء التابعين ثقة فى نفسه الا انه يدلس عمن لحقهم وعمن لم يلحقهم وكان له صحف يحدث منها ويدلس۔	عبداللہ ابن زید ابو قلابہ جرمی مشہور امام علماء تابعین میں سے ہے اپنی ذات سے ثقہ ہے لیکن وہ تدلیس کرتا ہے ان راویوں کیمتعلق بھی جن سے اس نے خود حدیث سُنی ہے اور انکے متعلق بھی جن سے اس نے خود نہیں سنی اسکے پاس ایک کتاب تھی جس میں سے وہ

میزان الاعتدال الجزء الثانی صفحہ ۳۹۔ حدیثیں بیان کرتا تھا اور تدلیس بھی کرتا تھا۔
اس پر تدلیس کا الزام ایسا محقق تھا کہ جو شخص بھی اس کے متعلق کچھ لکھتا تھا۔ اسے یہ ذکر کرنا پڑتا تھا۔
چنانچہ **ابراہیم بن خلیل، سبط ابن العجمی الحلبی** نے اپنی کتاب **التبیین لاسماء المدلسین** میں اس پر یہ الزام لگایا ہے۔

تدلیس کیا ہے اور اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ ہم **ابن الجوزی کی کتاب تلبیس ابلیس** سے نقل کرتے ہیں۔

ومن تلبیس ابلیس علی علماء المحدثین روایت الحدیث الموضوع من غیر ان یبینوا انہ موضوع وھذا خیانۃ منھم علی الشرع ومقصودھم تنفیق احادیثھم وکثرۃ روایاتھم وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من روی عنی حدیثاً یری انہ کذب فھو احد الکاذبین ومن ھذا الفن تدلیسھم فی الروایۃ فتارۃ یقول احدھم فلان عن فلان اوقال فلان عن فلان یرھم انہ سمع منہ ولم یسمع وھذا قبیح لانہ یجعل المنقطع فی مرتبۃ المتصل ومنھم من یروی عن الضعیف والکذاب فیعمی اسمہ فربما سماہ بغیر اسمہ وربما کناہ وربما نسبہ الی جدہ لئلا یعرف وھذہ خیانۃ الشرع المطھر لانہ یثبت حکما بما لا یثبت بہ۔

علماء حدیث کو شیطان اس طرح دھوکا دیتا ہے کہ وہ حدیث موضوعہ کو روایت کرتے وقت یہ نہیں کہتے کہ یہ موضوعہ ہے یہ شرح محمدی میں خیانت ہے اور ان کا مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ ان کی احادیث لوگوں میں جاری ہوں اور ان کی کثرت ہووے جناب رسولخدؐا نے فرمایا ہے کہ جو مجھ سے کوئی روایت بیان کرے یہ جانتے ہوئے کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ کاذبین میں سے ہے اور ان کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ روایات میں تدلیس کرتے ہیں یعنی کبھی تو کہتے ہیں کہ ان راویان میں سے فلاں راوی نے فلاں شخص سے سنا یا یہ کہتے ہیں کہ روایت بیان کی فلاں نے فلاں سے یہ اثر پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ گویا اس راوی نے ان کی بیان کردہ حدیث کو فلاں شخص سے سنا درآنحالیکہ وہ جانتے ہیں کہ نہیں سنا۔ اور قبیح ہے کیونکہ اس طرح وہ منقطع حدیث کو متصل حدیث کا مرتبہ دینا چاہتے ہیں۔ تدلیس کرنے والوں میں سے چند ایسے ہوتے ہیں جو ضعیف وکاذب شخص سے روایت کرتے ہیں لیکن اس کا نام نہیں لیتے کبھی تو بغیر نام کے بیان کرتے ہیں اور کبھی کنیت سے بیان کرتے ہیں لیکن اس کے جد کی طرف نسبت دیکر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ ضعیف وکاذب راوی پہچانا نہ جائے۔ یہ شرع مطہر میں بہت بڑی خیانت ہے کیونکہ اس طرح وہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جو ثابت نہیں ہو سکتی۔

تدلیس بہت بڑی شے ہے۔ چنانچہ محمد اکرم بن عبدالرحمٰن اپنی کتاب امعان النظر فی توضیح نخبۃ الفکر میں کہتے ہیں۔

قال فریق من المحدثین والفقهاء من عرف بانه تکاب التدلیس ولو مرة صار مجروحًا مردودًا وان بین السماع واتی بصیغة صریحة فی هذا الحدیث او فی غیره من احادیثه

محدثین و فقہاء کہتے ہیں کہ جو شخص تدلیس کرتا ہوا پایا جائے چاہے ایک ہی دفعہ ہو تو وہ مجروح و مردود ہو جاتا ہے اگرچہ وہ خود سماعت حدیث بیان کرے یا بہت صریح الفاظ استعمال کرے اس خاص حدیث میں یا اپنی دیگر احادیث میں سے کسی حدیث میں۔

ملا علی قاری شرح الشرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں:۔

قال الشیخ شمس الدین محمد الجزری التدلیس قسمان تدلیس الاسناد وتدلیس الشیوخ اما تدلیس الاسناد فهو ان یروی عمن لقیه و عاصره ما لم یسمعه منه موهما انه سمعه منه ولا یقول اخبرنا وما فی معناه بل یقول قال فلان او عن فلان او ان فلانا قال وما اشبه ذلك ثم قد یکون بینهما واحد وقد یکون اکثر ومما لم یقسط المدلس شیخه لکن یقسط من بعده رجلا ضعیفا او صغیر السن یحسن الحدیث بذلك وکان الاعمش والثوری وابن عیینة وابن اسحق وغیرهم یفعلون هذا النوع ومن ذلك ما حکی ابن حشر کنا یوما عند سفیان بن عیینة فقال عن الزهری فقیل له حدثك الزهری فسکت ثم قال الزهری فقال حدثنی عبدالرزاق عن معمر عن الزهری و

شیخ شمس الدین جزری کہتے ہیں کہ تدلیس دو قسم کی ہے تدلیس الاسناد اور تدلیس الشیوخ اول الذکر یہ ہے کہ اپنے ہمعصر سے اور اس سے جس سے وہ ملا ہو حدیث نقل کرے جو حدیث اس نے اپنے ہمعصر سے نہیں سُنی اور اس طرح بیان کرے کہ گویا وہ حدیث اس نے اس سے سُنی ہے اور یہ نہ کہے کہ اخبرنا یا اس کے ہم معنی لفظ بلکہ یہ کہے کہ قال فلاں یا عن فلاں یا ان فلاناً قال یا اس ہی قسم کے دیگر الفاظ۔ رآنحالیکہ اسکے اور اس کے کہنے والے کے درمیان ایک یا کئی راوی اور ہوں اور بعض اوقات تدلیس کرنے والا اس شخص کا نام تو ساقط نہیں کرتا جس سے اُس نے روایت سُنی ہو لیکن اس کے بعد کے کسی راوی کا نام ساقط کر دیتا ہے اگر وہ راوی ضعیف ہے یا کمسن ہے۔ مدعا یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کو ضعف نہ پہنچے اور حسن معلوم ہو اور اعمش و سُفیان ثوری اور ابن عیینہ اور ابن اسحٰق وغیرہم اس ہی قسم کی تدلیس کیا کرتے تھے اس قسم کا ایک واقعہ

هذا القسم من التدليس مكروه جدا و فاعله مذموم عند اكثر العلماء و من عرف به فهو مجروح عند جماعة لا يقبل روايته بين السماع او لم يبينه۔

ابن حشرم سناتا ہے وہ کہتا ہے کہ ایک دن ہم سفیان بن عیینہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس نے حدیث بیان کی اور کہا۔ عن الزہری۔ اس سے کہا گیا کہ کیا زہری نے تم سے خود یہ حدیث بیان کی ہے تو وہ خاموش ہوگیا اور پھر کہا۔ قال الزہری۔ پھر اس سے کہا گیا کہ کیا تم نے خود زہری سے سنا تو اتنی نکتہ چینی کے بعد اس نے کہا کہ مجھ سے عبدالرزاق نے معمر کی روایت بیان کی جس کو معمر نے زہری سے سنا تھا۔

اس قسم کی تدلیس بہت مکروہ ہوتی ہے اور اس کا کرنے والا علماء کے نزدیک مذموم ہے جس کی نسبت معلوم ہوجائے کہ ایسی تدلیس کرتا ہے تو وہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک مجروح ہے اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی، خواہ وہ یہ ظاہر کرے کہ اس نے خود سماعت کی یا یہ نہ ظاہر کرے۔

خالد حذاء ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں۔

قال ابو حاتم يكتب حديثه و لا يحتج به۔

ابو حاتم کہتا ہے کہ خالد حذاء حدیث لکھتا ہے۔ مگر اس کی حدیث قابلِ اعتبار نہیں۔

نیز تہذیب التہذیب میں بترجمہ خالد ہے۔

قد اشار حماد بن زيد ان حفظه تغير لما قدم من الشام و عاب عليه بعضهم دخوله في عمل السلطان۔

حماد بن زید کہتے ہیں کہ خالد کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا۔ جب وہ شام سے واپس آیا اور بعض لوگوں نے اس کے دربار سلطانی میں داخل ہونے کو برا کہا ہے۔

محمد طاہر فتنی قانون الموضوعات میں لکھتے ہیں۔

خالد بن مهران الحذاء ابو المنازل البصرى احد الاثبات عند الائمة الا انه تكلم فيه الا لدخوله في عمل السلطان

یعنی خالد بن مہران کی آئمہ حدیث کے نزدیک کچھ قدر ہے لیکن دربار سلطانی میں داخل ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اس پر عیب لگائے۔

عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی۔ ابن حجر تہذیب التہذیب بترجمہ عبدالوہاب کہتے ہیں۔

عده ابن مهدى فيمن كان يحدث من كتاب الناس ولا يحفظ ذلك الحفظ۔

ابن مہدی نے اس کو ان لوگوں میں شمار کیا ہے جو لوگوں کے لکھے ہوئے حدیثوں میں سے بیان کرتے تھے اور انہیں یاد نہیں رکھتے تھے

نیز اس ہی کتاب میں مرقوم ہے۔

وقال الدوری عن ابن معین اختلط بآخرہ وقال عقبۃ بن مکرم اختلط قبل موتہ بثلاث سنین اواربع سنین۔

الدوری ابن معین سے روایت کرتا ہے کہ عبدالوہاب کا دماغ آخر عمر میں مختل ہو گیا تھا۔ اور عقبہ بن مکرم کہتا ہے کہ اپنی موت سے تین یا چار سال قبل اسکو کہ اختلاط دماغ کا عارضہ ہو گیا تھا

محمد بن المثنیٰ

محمد بن المثنیٰ۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کے حالات میں لکھا ہے:

رادی عباس عن یحیی کذاب وقال ابو حاتم ذاهب الحدیث

یحیی ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ احادیث کو خراب کرنے والا ہے

سفیان ثوری

سفیان ثوری۔ علامہ جلال الدین سیوطی تدریب الراوی میں بہ ذکر تدلیس تسویہ کہتے ہیں کہ

قال الخطیب وکان الاعمش وسفیان الثوری یفعلون مثل هذا قال العلائی وبالجملۃ فهذا النوع افحش انواع التدلیس مطلقاً وشرها قال العراقی وهو قادح فیمن تعمد فعله وقال شیخ الاسلام لا شك انه جرح وان وصف به الثوری والاعمش فلا اعتذار انهما لا یفعلانه الا فی حق من یکون ثقۃ عندهما ضعیفاً عند غیرهما۔

خطیب کہتے ہیں کہ اعمش و سفیان ثوری تدلیس کیا کرتے تھے۔ علامہ علائی نے بھی یہی کہا ہے کہ اس قسم کی تدلیس بدترین قسم کی ہوتی ہے اور سب سے زیادہ فاحش ہوتی ہے۔ عراقی بھی یہی کہتا ہے اور اسکو برا سمجھتا ہے جو تدلیس کرتا ہے۔ شیخ الاسلام کہتا ہے کہ بیشک تدلیس ایک عیب ہے اور یہ عیب سفیان ثوری و اعمش میں پایا جاتا تھا اور یہ عذر ان کے لئے کافی نہیں ہے کہ وہ تدلیس اس راوی کی نسبت کرتے تھے جو انکے نزدیک ثقہ ہوتا تھا اور دیگر لوگوں کے نزدیک ضعیف ہوتا تھا۔

قتادہ

قتادہ:۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں کہتا ہے

قتادہ بن دعامۃ السدوسی حافظ ثقۃ ثبت لکنہ مدلس ورمی بالقدر۔ میزان الاعتدال، الجزء الثانی صفحہ ۳۲۵۔

قتادہ بن دعامۃ السدوسی حافظ ثقہ تو تھا لیکن تدلیس کرنے کا عادی تھا اور قدریہ تھا۔

ابن حجر تہذیب التہذیب میں بترجمہ قتادہ لکھتے ہیں کہ قتادہ تدلیس کیا کرتا تھا اور یہ قدریہ تھا۔ اس کے تدلیس کرنے کو اور قدریہ ہونے کو ابن العجمی الحلبی نے کتاب التبیین لاسماء المدلسین میں اور صفی الدین احمد خزرجی نے مختصر تذہیب میں لکھا ہے۔

داؤد ابن عبدالرحمن عطار

داؤد ابن عبدالرحمن عطار۔ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں بترجمہ داؤد بن عبدالرحمن لکھتے ہیں

ونقل الحاکم عن ابن معین تضعیفہ

حاکم نے ابن معین سے نقل کیا ہے۔ داؤد بن عبدالرحمن

وقال الازدی یتکلمون فیه ضعیف تھا اور ازدی کہتا ہے کہ لوگ اس کے اوپر اعتراض کرتے تھے

نیز ملاحظہ ہو میزان الاعتدال الجزء الاول صفحہ ۳۲۰

سفیان بن وکیع - ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں ترجمہ سفیان بن وکیع کہتے ہیں۔

قال البخاری یتکلمون فیه لاشیاء لقنوه وقال ابو حاتم سالت اباذرعه عنه فقال لا یشتغل به قیل له کان یکذب قال کان ابوه رجلاً صالحاً قیل له کان سفیان متهما بالکذب قال نعم۔	بخاری کہتے ہیں کہ لوگ سفیان بن وکیع کیخلاف کئی امور کیوجہ سے چہ میگوئیاں کرتے ہیں وہ کچھ نہیں ہے ابو حاتم کہتا ہے کہ میں نے ابوذرعہ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے جب اس سے کہا گیا کہ وہ جھوٹ بولتا تھا تو ابوذرعہ نے جواب دیا کہ اس کا باپ تو مرد صالح تھا

جب یہ جتایا گیا کہ سفیان جھوٹ بولتا تھا تو اس نے جواب دیا کہ ہاں۔

صفی الدین احمد مختصر تذہیب میں کہتے ہیں:۔

سفیان بن وکیع بن الجراح الرواسی ابو محمد الکوفی عن مطلب بن زیاد و حفص بن غیاث وقال البخاری یتکلمون فیه مات سنة سبع واربعین ومائتین	یعنی سفیان بن وکیع بن الجراح نے سماعت حدیث مطلب بن زیاد اور حفص بن غیاث سے کی ہے بخاری کہتے ہیں کہ اس پر علماء الزام لگاتے ہیں یہ ۲۴۷ھ ہجری میں فوت ہوا۔

نیز ملاحظہ ہو۔ میزان الاعتدال :۔ الجزء الاول صفحہ ۹۸۔

علامہ ذہبی کتاب المغنی فی الضعفاء میں لکھتے ہیں :۔

سفیان بن وکیع بن الجراح ضعف وقال ابوذرعه کان یتهم بالکذب	سفیان بن وکیع بن الجراح کی تضعیف کی گئی ہے اور ابوذرعہ کہتا ہے کہ علماء حدیث اسکو جھوٹا جانتے ہیں

اس حدیث موضوعہ ارحم امتی با متی الخ کو علامہ حاکم نے مستدرک میں بروایت ابن عمر نقل کیا ہے اور ان کے رواۃ میں محمد بن سنان رہاوی اور کوثر بن حکیم واقع ہوئے ہیں۔ دیکھو مستدرک الجزء الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ ۔ یہ دونوں راویاں مجروح و مقدوح ہیں اور ان کی روایت علماء حدیث کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ محمد بن سنان رہاوی کی نسبت علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔

محمد بن یزید بن سنان الرهاوی عن ابیه قال الدارقطنی ضعیف قلت روی عن جده سنان بن یزید	محمد بن یزید بن سنان الرہاوی اپنے باپ سے روایت کرتا ہے دارقطنی کہتا ہے کہ وہ ضعیف ہے میں کہتا ہوں کہ وہ اپنے دادا سنان بن یزید اور ابن

میں حضرت معاویہ کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے گئے (تاریخ الکامل لابن الاثیر الجزء الثالث صفحہ ۱۲ و تاریخ الطبری الجزء الخامس صفحہ)
حضرت عبداللہ ابن عمر نے حضرت معاویہ کی طرح حضرت علی کی بیعت کرنے سے انکار کیا۔ لیکن حضرت معاویہ اور ان کے برخوردار حضرت یزید کی بیعت بہ طیب خاطر کر لی اور جب حضرت یزید نے کربلا کے میدان میں جناب امام حسین علیہ السلام کو مع ان کے فرزندان و برادران و عزیزان و دوستان شہید کر ڈالا اور لوگوں نے اس ظلم کی وجہ سے اس کی خلع بیعت کرنی چاہی تو حضرت عبداللہ ابن عمر کو بہت بُرا لگا اور اپنے اولاد و عزیزوں کو جمع کر کے فرمایا کہ جو یزید کی بیعت سے خلع کرے گا تو میں اس کو عاق کر دونگا اور اس سے قطع تعلق کر لوں گا۔ آپ کو بھی اپنے والد ماجد کی طرح ایسے موقعہ پر جناب رسول خدا کی ایک حدیث یاد آ گئی آپ نے مدینہ والوں کے مجمع میں فرمایا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الغادر ینصب لہ یوم القیامۃ یقال ھذہ غدرۃ فلان۔ مسند امام حنبل الجزء الثانی صفحہ ۴۸ و ۹۶ و ۹۰۔ صحیح بخاری باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافہ۔ ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری الجزء الثالث عشر صفحہ ۶۱۔

حدیث غدر

یعنی "میں نے جناب رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہر ایک بغاوت کرنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہو گا جس پر یہ لکھا ہوا ہو گا۔ کہ اس نے فلاں شخص سے بغاوت کی"
جو فقہ اس میں قائم کیا گیا ہے اس پر تو بحث ہم آئندہ چل کر کریں گے۔ ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ غالباً حضرت ابوبکر کو یہ حدیث نہیں معلوم تھی کیونکہ انہوں نے تو اپنے خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔ کہ میری بیعت تمہاری گردنوں میں اسی وقت تک ہے کہ جب تک میں سنت رسول پر عمل کروں اگر میں خلاف کروں تو تم میری بیعت توڑ دینا خیر وہ اپنے موقعہ کی بات تھی یہ اپنے موقعہ کی بات ہے موقعہ و محل جدا جدا ہوتا ہے لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جب طلحہ و زبیر نے حضرت علی سے نکث بیعت کیا تو اس وقت یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن عمر کو کیوں نہ یاد آئی اور ان کو جا کر کیوں نہ سمجھایا۔ ایسی ہی مفید مدعا بہت سی روایات حضرت ممدوح نے بیان کی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اسامۃ احب الناس الی ما خلا فاطمۃ ولا غیرھا" مسند امام حنبل الجزء الثانی صفحہ ۹۶۔

ترجمہ:۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ دنیا بھر میں مجھ کو سب سے زیادہ محبت سوائے فاطمہ کے اسامہ سے ہے۔ اس استثناء میں فاطمہ کے علاوہ اور کوئی شامل نہیں"
کیا عقل سلیم اس کو تسلیم کرے گی۔ علی و حسنین علیہم السلام غرض سب سے زیادہ جناب رسول خدا کو اسامہ عزیز تھے لیکن جب ان کے اقوال کو قبول کرنے والے لوگ موجود ہوں تو پھر عقل سلیم کیا چیز ہوتی ہے حضرت عائشہ تو فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ و حضرت علی سے سب سے زیادہ جناب رسول خدا کو محبت تھی۔ حدیث طیر و حدیث رایت وغیرہ بھی یہی کہتی ہیں لیکن ہم تو اس وقت حضرت عبداللہ ابن عمر کی ذہنیت کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ یہ اسامہ وہی بزرگ ہیں جو حضرت عمر کی خواہش کیمطابق اپنے لشکر کو مدینہ سے نہ لے گئے اور جب آنحضرت نے بہت اصرار کیا تو جرف تک جا کر رک گئے جب تک زندہ

اسامہ اور فاطمہ کی برابری ... [illegible]

وابن ابی ذئب وعنه ابنه ابو فروہ یزید بن محمد وابو حاتم وجماعة وقال النسائی لیس بالقوی

ابی ذئب سے روایت کرتا ہے اور اس کا لڑکا ابو فروہ یزید بن محمد اور ابو حاتم اس سے روایت کرتے ہیں اور نسائی کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے یعنی ضعیف راوی ہے

میزان الاعتدال ۱۔ الجزء الثالث صفحہ ۱۰۵۔ ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب میں کہتے ہیں۔

قال ابن ابی حاتم سالت ابی عنه فقال لیس بشیئٍ هو اشد غفلة من ابیه۔

یعنی ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے اسکی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ تو کچھ چیز ہی نہیں غفلت میں اپنے باپ سے بھی زیادہ ہے۔

کوثر بن حکیم کی نسبت بخاری کتاب الضعفاء والمتروکین میں کہتے ہیں

کوثر بن حکیم عن نافع منکر الحدیث۔ یعنی کوثر بن حکیم منکر الحدیث ہے۔

اور امام نسائی کتاب الضعفاء والمتروکین میں یہی کہتے ہیں کہ متروک الحدیث ہے یعنی اس سے حدیث نہیں بیان کرنی چاہیئے۔

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

ابو زرعہ کہتے ہیں کہ کوثر بن حکیم ضعیف ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کچھ شے ہی نہیں احمد حنبل کہتے ہیں کہ اس کی احادیث باطل ہیں اور وہ کچھ چیز نہیں دار قطنی وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے۔ میزان الاعتدال ۱۔ الجزء الثانی صفحہ ۳۵۹۔

شیخ رحمۃ اللہ بن عبد اللہ مختصر تنزیہ الشریعہ میں کہتے ہیں :۔

کوثر بن حکیم احادیثہ بواطیل یعنی کوثر بن حکیم کی احادیث باطل ہوتی ہیں۔

سیوطی نے اس حدیث اُحرا متی یا ھتی الخ کو بروایت ابن عمر اپنی جامع صغیر میں نقلاً عن مسند ابی یعلی بیان کیا ہے۔ مسند ابی یعلی کی اسناد میں محمد بن عبد الرحمٰن البیلمانی ایک راوی ہے۔ اور وہ بہت متقدح ومجروح ہے بخاری کتاب الضعفاء والمترکین میں لکھتے ہیں۔

محمد بن عبد الرحمن البیلمانی عن ابیه منکر الحدیث کان الحمیدی یتکلم فیه ۔

محمد بن عبد الرحمٰن البیلمانی اپنے باپ سے روایت کرتا ہے منکر الحدیث ہے اور حمیدی اسمیں عیب نکالتا ہے

نسائی کتاب الضعفاء والمتروکین میں یہی کہتے ہیں اور ابن الجوزی کتاب الموضوعات میں محمد بن عبد الرحمٰن البیلمانی کو لاشے کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابو حاتم نے بیان کیا کہ اس نے ایک کتاب کی کتاب موضوع احادیث کی اپنے باپ کی روایت سے لکھ ڈالی ہے۔

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں :۔

محمد بن عبد الرحمٰن البیلمانی عن ابیه یعنی محمد بن عبد الرحمٰن البیلمانی اپنے باپ سے

ضعفوہ وقال البخاری وابو حاتم منکر الحدیث وقال الدار قطنی وغیرہ ضعیف قال ابن حبان حدث عن ابیہ بنسخة شبیھا بمائتی حدیث کلھا موضوعة

روایت کرتا ہے علماء حدیث اس کو ضعیف سمجھتے ہیں بخاری وابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے دار قطنی وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ اس نے اپنے باپ سے روایت کر کے تقریباً دو سو احادیث کی ایک کتاب لکھی ہے اور وہ سب کی سب موضوع ہیں۔

میزان الاعتدال الجزء الثالث صفحہ ۸۹۔

یہی رائے محمد بن عبد الرحمٰن بن البلیمانی کی نسبت ابراہیم بن محمد بن خلیل الحلبی المعروف بسبط ابن العجمی نے کتاب الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث میں ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب اور تہذیب التہذیب میں صفی الدین احمد بن عبد اللہ نے مختصر تہذیب التہذیب میں رحمت اللہ بن عبد اللہ السندی نے مختصر تنزیہ الشریعہ میں اور ملا علی قاری نے رسالہ موضوعات میں ظاہر کی ہے۔

اس حدیث موضوعہ کو جابر بن عبد اللہ سے طبرانی نے معجم صغیر میں نقل کیا ہے اور اس کی اسناد میں مندل ابن علی واقع ہوا ہے اور وہ ابن جریج سے اس کو روایت کرنے میں منفرد ہے مندل ابن علی مقدوح ومجروح ہے نسائی نے کتاب الضعفاء والمتروکین میں لکھا ہے " مندل بن علی ضعیف " ذہبی نے مغنی میں لکھا ہے۔

مندل بن علی مشھور فیه لین ضعفه احمد والدار قطنی۔

یعنی مندل بن علی مشہور ہے اس میں نرمی ہے۔ امام احمد حنبل اور دار قطنی اس کو ضعیف سمجھتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں :۔

قال ابن ابی خثیمه عن ابی خثیمه عن ابن معین لیس بشیئ

ابن معین کہتے ہیں کہ مندل کچھ چیز نہیں ہے۔

ابن جریج جس سے مندل بن علی نے روایت کی وہ بھی مقدوح ومجروح ہے۔ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں بترجمہ ابن جریج لکھتے ہیں :۔

قال الجرمی عن مالك كان ابن جريج حاطب ليل۔

امام مالک کہتے ہیں کہ ابن جریج بیکار حدیثیں بیان کرتا ہے۔

ابن جریج تدلیس بھی کرتا تھا چنانچہ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں :۔

وکان یدلس

یعنی وہ تدلیس کرتا تھا۔

حدیث موضوعہ ارحم امتی بامتی الخ کو ابن عبد البر نے الاستیعاب میں بہ سند ابو خدری

مندل ابن علی

روایت کیا ہے اس کی اسناد میں زید عمی واقع ہوا ہے یہ زید عمی مقدوح و مجروح ہے چنانچہ نسائی کتاب الضعفاء والمتروکین میں لکھتے ہیں "زید العمی ضعیف" زید عمی ضعیف ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے " ابن معین کبھی اس کو صالح لکھتے ہیں کبھی اس کی تضعیف کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ وہ تو کوئی شے ہی نہیں۔ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا ابو حاتم کہتے ہیں کہ ضعیف ہے حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ نسائی نے اس کی تضعیف کی ہے۔ ابن عدی کہتا ہے کہ اس سے زیادہ ضعیف میں نے کوئی اور نہیں دیکھا" میزان الاعتدال الجزء الاول صفحہ ۳۶۳ اسی طرح ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ محمد طاہر گجراتی قانون الموضوعات میں لکھتے ہیں کہ زید العمی کچھ شے ہی نہیں شیخ رحمۃ اللہ مختصر تنزیہ الشریعہ میں لکھتے ہیں :-

زید بن الحواری العمی یروی اشیاء موضوعۃ لا اصل لھا۔ — زید العمی ایسی احادیث موضوعہ بیان کرتا ہے کہ جن کی کوئی اصلیت ہی نہیں۔

ابن عبد البر الاستیعاب میں اس حدیث کو بروایت ابو محجن ثقفی بھی نقل کرتے ہیں کہ اس کی اسناد میں سعید بقال واقع ہوا ہے اور وہ ابو محجن سے روایت کرتا ہے۔ ابو سعید بقال مقدوح و مجروح ہے چنانچہ الضعفاء والمتروکین میں نسائی لکھتے ہیں۔ سعید بن المرزبان ابو سعد البقال ضعیف یعنی سعید بقال ضعیف ہے۔ یہی رائے علامہ ذہبی نے کاشف اور مغنی میں اور ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں ظاہر کی ہے علاوہ اس کے علامہ ابن حجر عسقلانی الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں لکھتے ہیں کہ ابو سعید بقال نے ابو محجن کا زمانہ نہیں پایا۔ لہذا یہ حدیث مرسل ہوئی اور جب ابو سعید ضعیف بھی ہے تو یہ حدیث بالکل باطل ہو گئی۔ علاوہ اس کے خود ابو محجن ثقفی کے معائب و نقائص اس قدر ہیں کہ اس کی روایت پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ یہ شخص شراب میں اس قدر منہمک ہو گیا تھا کہ ہر وقت مخمور رہتا تھا۔ لوگوں نے عتاب کیا۔ حد بھی جاری کی لیکن باز نہیں آیا۔ حضرت عمر اکثر اس سے درگذر کرتے رہتے تھے لیکن اس کی شہرت شراب خواری مسلمانوں کے لئے باعث ننگ ہوئی تو آخر کار انہیں بھی اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ کئی دفعہ اس کو قید کیا مگر باز نہ آیا۔ پھر حضرت عمر نے اس کو ایک جزیرے میں بھیج دیا۔ اور ایک آدمی اس کے ساتھ کیا کہ اسے شراب پینے سے روکتا رہے۔ اس جزیرہ میں پہنچ کر ابو محجن نے اپنے نگہبان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ جان بچا کر حضرت عمر کے پاس بھاگ آیا اور یہ ابو محجن جزیرے سے نکل کر سعد بن ابی وقاص کے پاس پہنچا جو ان دنوں ایران میں مصروف جنگ تھے۔ ادھر اس ملازم نے جا کر حضرت عمر کو خبر کی۔ انہوں نے سعد کو لکھا کہ اسے قید کر دیا جائے، چنانچہ سعد نے شراب پینے سے منع کیا جب باز نہ آیا تو قید کر دیا۔ جنگ قادسیہ کے دن اس نے بہت سی

شراب پی لی۔ اور سعد بن ابی وقاص کی زوجہ سے کہا کہ مجھے سعد کا گھوڑا منگا دو میں بھی جنگ کرنے جاؤں گا، وہ معظمہ اس پر بہت مہربان تھی۔ اس کی درخواست رد نہ کی اور گھوڑا منگا دیا۔ یہ میدان جنگ میں گیا۔ شراب کا نشہ چڑھا ہوا تھا۔ خوب نبرد آزمائی کی سعد ابن وقاص نے اس صلہ میں اسے قید سے آزاد کر دیا۔ مگر پھر بھی اس نے شراب پینی نہ چھوڑی۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے انگور کی بیل کے پاس دفن کرنا۔ اس کا مصرعہ ہے ؎

اذا مت فادفنی الی جنب کرمۃ

جیسی جس کی خواہش ہوتی ہے خدا اس کو پورا کرتا ہے۔ دیکھو اس کی قبر پر خود بخود انگور کی بیلیں اُگ آئیں اور ان سے اس کی قبر کی شناخت ہوتی تھی۔ ممکن ہے اس کی آخری وصیت کو پیش نظر رکھ کر کسی نے انگور کی بیلیں اس کی قبر پر لگا دی ہوں گی۔ ابو محجن ثقفی کے ان حالات کے لیے دیکھو الاستیعاب ابن عبدالبر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ ابن حجر عسقلانی، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ لابن الاثیر۔ ابو سعد کا ذکر کرتے ہوئے ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

ابو سعد ضعیف، ولم یدرک ابا محجن　　یعنی ابو سعید ضعیف ہے اور اس نے ابو محجن کا زمانہ نہیں پایا

ناظرین نے ان بزرگواروں کی ذہنیت ملاحظہ فرمائی۔ امام جعفر صادق تو معاذ اللہ غیر معتبر۔ انکی احادیث سے پرہیز کرنا چاہیے مگر ابو محجن جیسے لوگ صادق اللہجہ جو وہ بیان کریں آمنّا و صدّقنا

اس حدیث موضوعہ ارحم امتی بامتی الخ کو عقیلی نے کتاب الضعفاء میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں شداد بن اوس صحابی سے نقل کیا ہے اور اس کو ضعفاء میں لکھا ہے اور ابن الجوزی نے اس کو اپنی کتاب موضوعات میں موضوع سمجھ کر داخل کیا ہے۔ اس اسناد میں بہت سے مجروح و مقدوح راویان ہیں مثلاً شداد بن اوس اور بشیر بن زاذان۔ چنانچہ میرزا محمد بن معتمد خاں اپنی کتاب تحفۃ المحبین میں لکھتے ہیں:۔

ابو بکر ارأف امتی وارحمها و عمر بن الخطاب خیر امتی واعدلها و عثمان بن عفان احیا امتی واکرمها و علی بن ابی طالب الب امتی واشجعها عق عس وضعفه عن شداد بن اوس وفی سنده مجروحون وانهم منهم بشیر وانما وضعه وانما دلسه عن بعض الضعفاء واورده ابن الجوزی فی الموضوعات۔

حدیث ابی بکر ارأف امتی وارحمها الی آخر الحدیث کو عقیلی و ابن عساکر نے نقل کیا ہے اور اس کی تضعیف کی ہے اور اس کی سند میں بہت سے مقدوح و مجروح راوی ہیں ان میں سے بشیر ہے یا تو اس نے خود وضع کی ہے یا ضعفاء سے نقل کر کے ان کے نام نہیں لکھے اور دوسرے معتبر لوگوں کے نام لکھ دیئے یعنی تدلیس کی ہے ابن الجوزی نے اس کو موضوعات میں لکھا ہے۔

میرزا محمد ابن معتمد خاں:۔ تحفۃ المبین باب اوّل فصل الثالث اصل ثانی۔

ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات سے ذیل کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

حدیث فی ذکر جماعۃ من الصحابۃ انبانا
عبد الوہاب بن المبارک قال انبانا محمد
بن المظفر قال انبانا ابو الحسن احمد بن محمد
العتیقی قال اخبرنا یوسف بن الدخیل قال
ثنا ابو جعفر العقیلی قال ثنا بشیر بن موسیٰ
قال ثنا عبد الرحیم بن واقد الواقدی قال
ثنا بشیر بن زاذان عن عمر بن صبح عن مکحول
عن شداد بن اوس ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم قال ابو بکر اوزن امتی و
ارجحہا وعمر بن الخطاب خیر امتی واکملہا و
عثمان احیی امتی واعدلہا وعلی بن ابی طالب
ولی امتی واوسعہا وعبد اللہ بن مسعود امین
امتی واوصلہا وابو ذر ازہد امتی وارفقہا وابو
الدرداء اعدل امتی وارحمہا ومعاویہ بن سفیان
احلم امتی واجودہا طریق آخر اخبرنا علی بن
عبید اللہ قال انبانا ابو عبد اللہ قال حدثنی ابو
صالح محمد بن احمد قال ثنا خلف بن عمرو
العکبری قال حدثنا محمد بن ابراہیم قال ثنا یزید
الحلال صاحب بن ابی الثور ابیہ قال حدثنا احمد
بن القاسم بن بہرام قال ثنا محمد بن بشیر عن بشیر
بن زاذان عن عکرمہ عن ابن عباس قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکر خیر
امتی واتقاہا وعمر اعزہا واعدلہا وعثمان اکرمہا
واحیاہا وعلی البہا واوسعہا وابن مسعود امینہا
واعدلہا وابو ذر ازہدہا واصدقہا وابو الدرداء

مختلف صحابہ کی جماعت کے حق میں ایک حدیث (اسماء راویان عربی میں ملاحظہ ہوں، شداد بن اوس سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ابوبکر میری امت میں سب سے زیادہ وزن دار اور افضل ہے۔ عمر سب سے زیادہ نیک اور کامل ہے۔ عثمان سب سے زیادہ حیا دار اور عادل ہے۔ علی بن ابی طالب اس امت کا ولی ہے۔ عبد اللہ بن مسعود امین ہے۔ ابوذر سب سے زیادہ زاہد اور نرم ہے۔ ابو درداؑ سب سے زیادہ عادل اور رحیم ہے معاویہ سب سے زیادہ حلیم اور سخی ہے۔ دوسرے طریق سے عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے (اسماء راویان عربی میں دیکھیں)، ابوبکر میری امت میں سب سے زیادہ نیک و متقی ہے عمر سب سے زیادہ عزت والا و عادل ہے عثمان سب سے زیادہ کریم و حیا والا ہے علی سب سے زیادہ فہیم و عقلمند ہے عبد اللہ بن مسعود سب سے زیادہ عادل اور امین ہے۔ ابو ذر سب سے زیادہ زاہد و صادق ہے۔ معاویہ سب سے زیادہ حلیم و سخی ہے مصنف کہتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور جناب رسول خدا پر جھوٹ بولا گیا ہے اور اس کے دونوں طرق میں مجروح و متقدح

اعبدها ومعاویه احلمها واجودها۔ قال المصنف هذا الحدیث موضوع علی رسول الله صلی الله علیه واله وسلم وفی الطریقین جماعة مجروحون والمتهم به عندی بشیر اذان اما ان یکون من فعله او من تدلیسه عن الضعفا وقد خلط فی اسناد قال ابن عدی هو ضعیف و یحدث عن الضعفاء۔

راویوں کی ایک جماعت ہے اور وہ عیب دار ہیں۔ میرے نزدیک بشیر ابن اذان ضعفاء میں سے ہے خواہ خود جھوٹی حدیث وضع کی ہو خواہ تدلیس کر کے ضُعفاء سے حدیث بیان کر دی اور ان کا نام ظاہر نہ کیا۔ اس کے اسناد میں خلط ہے۔ ابن عدی کہتا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور ضعفاء سے حدیث بیان کرتا ہے۔

اگر اس حدیث کے راویوں کے ضعف و تدلیس سے قطع نظر بھی کی جائے تب بھی اس سے زیادہ نہیں کہا جا سکتا کہ حدیث مرسل ہے اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس کے آخری راوی کا نام محذوف ہو جیسے مثلاً رواۃ کا سلسلہ کسی تابعی پر ختم ہوتا ہے اور وہ تابعی یہ کہے کہ فرمایا جناب رسولِ خُدا نے علماءِ اہلِ سُنت وجماعت خود اس حدیث کو مرسل بتاتے ہیں کیونکہ یہ ثابت ہے کہ ابو قلابہ نے انس بن مالک سے خود نہیں سُنا۔ علینی نے عمدۃ القاری میں در شرح قول عمر اقرانا ابی کہا ہے۔

هذا الحدیث موقوف واخرجه الترمذی وغیره من طریق ابی قلابه عن انس مرفوعًا وفیه ذکر جماعة واوله ارحم امتی بامتی ابوبکر وفیه اقرأهم لکتاب الله ابی بن کعب الحدیث وصححه الترمذی وقال غیره والصواب ارساله۔

یہ حدیث مرسل ہے ترمذی نے اس کو ابو قلابہ کے ذریعے سے انس سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس میں کئی دیگر احادیث ہیں، اوّل ان کی یہ ہے کہ ارحم امتی بامتی ابو بکر الخ اور اس میں یہ بھی ہے کہ کتاب اللہ کو سب سے زیادہ پڑھنے والے ابی بن کعب ہیں ترمذی نے اس حدیث کی صحت کی ہے لیکن باقی علماء یہ کہتے ہیں کہ ان احادیث کا ترک کرنا مناسب ہے۔

علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں حدیث ارحَم اُمّتی باُمّتی ابو بکر کی تحقیق میں کہا ہے:۔

والحدیث اُعِلّ بالارسال وسماع ابی قلابه من انس صحیح الا انه قیل وانه لم یسمع منه هذا وقد ذکر الدار قطنی فی العلل الاختلاف فیه علی ابی قلابه ورجح هو وغیره کالبیهقی والخطیب فی المدارج ان الموصول منه ذکر ابی عبیدة والباقی مرسل ورجح ابن المواق وغیره روایة الموصول

اس حدیث میں ارسال کا نقص ہے۔ ابو قلابہ نے انس بن مالک سے سماعت کی ہے لیکن خود ابو قلابہ نے یہ حدیث انس سے نہیں سُنی دار قطنی نے کہا ہے کہ ابو قلابہ کی وجہ سے اس حدیث کے صحیح ہونے میں اختلاف ہے اس کے متعلق بیہقی و خطیب کی یہ رائے ہے کہ ابو عبیدہ کا ذکر تو موصول ہے اور باقی مرسل ہے۔

حدیث مرسل

اس حدیث کے مرسل ہونے کو مناوی نے فیض القدیر میں مانا ہے اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہے اور اس پر احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ جلال الدین سیوطی تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں لکھتے ہیں:۔

ثم المرسل حدیث ضعیف لا یحتج بہ عند جماہیر المحدثین — جمہور محدثین کے نزدیک حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہے اور اس پر احتجاج نہیں کیا جا سکتا ہے۔

یہی بات علامہ ابن الصلاح نے کتاب علوم الحدیث میں لکھی ہے اور حافظ ابن کثیر بھی اس کے قائل ہیں مولوی صدیق حسن خاں منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول میں کہتے ہیں:۔ "شوکانی گفتہ مذہب جمہور ضعف مرسل و عدم قیام حجت با دست"

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ کئی علماء نے اس حدیث کو ابو قلابہ سے بلا واسطہ انس بیان کیا ہے چنانچہ زین الفتی میں جہاں کہ صحابہ کا ذکر کیا ہے وہاں عاصمی نے اس حدیث کو ابو قلابہ سے بلا واسطہ انس بن مالک سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح مصابیح و مشکوٰۃ و فتح الباری میں اس حدیث کو قتادہ سے بلا واسطہ انس بن مالک بیان کیا ہے اس صورت میں اسکے مرسل ہونے میں کچھ شک نہیں رہا۔

جب ان کے علماء خود ہی اس حدیث کو موضوع اور کذب کہتے ہیں تو اب ہم کیا مزید تنقید کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنو امیہ کے زمانے میں یہ حدیث وضع ہوئی ہے۔ جب لوگوں کو امیر معاویہ کی سخاوت کی ضرورت تھی، ورنہ آنحضرت کے زمانے میں تو نہ ان سے کوئی علم کی نشانی ظاہر ہوئی اور نہ کوئی سخاوت کا فعل ظہور پذیر ہوا اور اکابر علماء مثلاً احمد حنبل، اسحٰق بن راہویہ و حنظلی استاد بخاری خود بخاری صاحب صحیح، نسائی صاحب سنن و حاکم صاحب مستدرک و ابن الجوزی و ابن تیمیہ و عینی صاحب عمدۃ القاری و ابن حجر عسقلانی اس امر پر متفق ہیں کہ کوئی حدیث صحیح معاویہ کی فضل و تعریف میں جناب رسول خدا سے مروی نہیں۔

احادیث کو وضع کرنے کے لئے اور ان پر سچائی کا ملمع چڑھانے کے لئے اصول موضوعہ و علوم متعارفہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لہٰذا ایک جامع و حاوی گر مقرر کیا گیا اور رواج و دستور کے مطابق وہ بھی جناب رسول خدا ہی کے سر منڈھا گیا اور وہ یہ ہے۔

۲۔ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم و اختلاف اصحابی لکم رحمۃ — میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے میرے اصحاب کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔

اس حدیث سے دو کام نکالنے کی کوشش کی گئی، ایک تو یہ کہ دیگر احادیث موضوعہ کے لئے ایک گُر قائم ہوگیا۔ دوسرے یہ کہ حدیث مدینۃ العلم و حدیث ثقلین و دیگر احادیث جو حضرت

علیؓ کی شان میں آنحضرتؐ کے اقوال ہیں ان کے مقابلہ میں ایک ایسی حدیث نکل آئی جو ہر وقت کام آنے والی ہے۔ لیکن حق کی صفت یہ ہے کہ پانی پر تیل کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے اور چھپائے سے بھی نہیں چھپتا۔ چنانچہ اس حدیث کو خود دگردہ حکومت کے علماء و محدثین نے موضوع قرار دیا ہے اور اس کی جرح و قدح کی ہے۔ نقشۂ ذیل سے ظاہر ہو گا کہ کس کس نے اس حدیث کو موضوع ثابت کیا ہے اور اس میں جرح و قدح کی ہے پہلے ہم نے اس محدث یا محقق کا نام لکھا ہے اور اس کے آگے ان کتابوں کا ذکر ہے۔ جن میں اس محقق یا محدث نجوم پر جرح و قدح اور اس کی تضعیف کرنے کا ذکر ہے۔

۱۔ **امام احمد حنبل الشیبانی**: کتاب التقریر والتحبیر مؤلفہ ابن امیر الحاج الحلبی۔ **صبح صادق** تصنیف ملا نظام الدین۔ سہالوی **فواتح الرحموت** شرح مسلم الثبوت، تصنیف مولوی عبد العلی بحر العلوم

۲۔ **ابو ابراہیم اسمعیل بن یحیی المزنی**۔ کتاب جامع بیان العلم تصنیف ابی یوسف بن عبد اللہ النمری۔

۳۔ **ابو بکر احمد بن عمر بن عبد الخالق المعروف بزار**: کتاب جامع بیان العلم تصنیف ابی عمر یوسف بن عبد اللہ النمری؛ رسالہ ابطال رائے و قیاس تصنیف ابن حزم، منہاج السنۃ ابن تیمیہ، تفسیر بحر محیط ابی حیان، تفسیر نہر ماد ابی حیان تفسیر در لقیط تاج الدین المعروف ابن مکتوم۔ اعلام الموقعین ابن القیم، تخریج احادیث منہاج ابو الفضل العراقی؛ تلخیص الحبیر و تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب تصنیف ابن حجر عسقلانی، کتاب التقریر والتحبیر ابن امیر الحاج الحلبی، شرح علی قاری بر شفائے قاضی عیاض، فیض القدیر مناوی، صبح صادق ملا نظام الدین سہالوی، فواتح الرحموت مولوی عبد العلی۔

۴۔ **ابو احمد عبد اللہ بن محمد الجرجانی المعروف ابن عدی**۔ کتاب الکامل در ذکر حدیث نجوم در ترجمہ جعفر بن عبد الواحد۔ ترجمہ حمزہ بن ابی حمزہ الجزری۔

۵۔ **ابو الحسن علی بن عمر الدار قطنی**:۔ کتاب غرائب مالک نیز لسان المیزان ابن حجر عسقلانی و تخریج احادیث کشاف تصنیف ابن حجر عسقلانی۔

۶۔ **ابو محمد علی بن محمد بن احمد بن حزم**۔ رسالہ ابطال رائے و قیاس۔ نیز تفسیر بحر محیط ذکر حدیث نجوم تصنیف۔ ابو حیان غرناطی، تفسیر النہر الماد ابی حیان۔ تفسیر در اللقیط ذکر حدیث نجوم تصنیف تاج الدین ابو محمد احمد بن عبد القادر بن احمد بن مکتوم، تخریج احادیث منہاج زین الدین عراقی، کتاب تلخیص الحبیر ابن حجر عسقلانی، کتاب التقریر والتحبیر ابن امیر الحاج حلبی، مرقاۃ ملا علی قاری، نسیم الریاض شہاب الدین خفاجی، صبح صادق ملا نظام الدین سہالوی، فواتح الرحموت مولوی عبد العلی۔

۷۔ **ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی**۔ کتاب المدخل۔ تخریج احادیث منہاج بیضاوی تصنیف زین الدین عراقی

۸۔ **ابو عمر یوسف بن عبد اللہ المعروف ابن عبد البر**۔ کتاب جامع بیان العلم

۹ - ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ المعروف ابن عساکر - فیض القدیر مناوی -
۱۰ - عمر بن الحسن بن علی الکلبی المعروف ابن دحیہ - تعلیق تخریج احادیث منہاج بیضاوی تصنیف زین الدین عراقی -
۱۱ - احمد بن عبد الحلیم المعروف ابن تیمیہ - منہاج السنۃ
۱۲ - ابوحبان محمد بن یوسف الاندلسی - تفسیر بحر محیط - تفسیر النہر الماد من البحر -
۱۳ - تاج الدین ابومحمد احمد بن عبد القادر بن احمد بن مکتوم - کتاب الدر اللقیط من بحر المحیط -
۱۴ - محمد بن ابی بکر بن قیم الجوزیہ - کتاب اعلام الموقعین در مقام رد بر مقلدین -
۱۵ - زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی - کتاب تخریج احادیث منہاج بیضاوی تعلیق کتاب التخریج احادیث المنہاج -
۱۶ - احمد بن علی بن حجر العسقلانی - کتاب تلخیص الکبیر فی تخریج الرافعی الکبیر - کتاب تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب - لسان المیزان در ترجمہ جمیل بن یزید -
۱۷ - کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الہمام - کتاب التحریر در مبحث اجماع -
۱۸ - محمد بن محمد الحلبی المعروف ابن امیر الحاج - کتاب التقریر والتحبیر در مبحث اجماع -
۱۹ - احمد بن ابراہیم الحلبی - شرح شفا -
۲۰ - شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی - مقاصد حسنہ -
۲۱ - کمال الدین محمد بن ابی بکر بن علی بن مسعود بن رضوان المعروف ابن ابی شریف فیض القدیر مناوی -
۲۲ - جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی - کتاب اتمام الدرایہ لقراء النقایہ - جامع صغیر، جمع الجوامع -
۲۳ - ملا علی متقی - کنز العمال، منتخب کنز العمال، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ - شرح شفا -
۲۴ - عبد الرؤف بن تاج العارفین المناوی - فیض القدیر - شرح جامع صغیر -
۲۵ - شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی - نسیم الریاض شرح شفائی قاضی عیاض -
۲۶ - علامہ محمد معین بن محمد امین - دراسات اللبیب -
۲۷ - قاضی محب اللہ بہاری - مسلم الثبوت -
۲۸ - ملا نظام الدین سہالوی - صبح صادق شرح منار -
۲۹ - عبد العلی - فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت در مبحث اجماع شیخین -
۳۰ - قاضی محمد بن علی بن محمد الشوکانی - ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول - القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید -

۳۱۔ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد البکری المعروف ابن الجوزی۔ کتاب العلل المتناہیہ۔

۳۲۔ ولی اللہ ابن حبیب اللہ۔ شرح مسلم الثبوت۔

۳۳۔ مولوی صدیق حسن خاں۔ حصول المامول من علم الاصول۔

گرچہ ان حوالہ جات کے تحریر کرنے کے بعد مزید کسی اور تفصیل کی ضرورت نہ تھی لیکن مزید تسلی و تشفی کے لئے ہم ان کتابوں میں سے چند کی عبارات نقل کرتے ہیں۔ ملا نظام الدین سہالوی صبح صادق شرح منار میں حدیث نجوم کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔

قال ابن حزم فی رسالۃ الکبری مکذوب موضوع باطل وبہ قال احمد و البزار۔

ابن حزم اپنے رسالۃ الکبری میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث (حدیثِ نجوم) جھوٹی، بناوٹی اور باطل ہے اور احمد بن حنبل اور بزار نے بھی یہی کہا ہے۔

مولوی عبدالعلی بحر العلوم نے اپنی کتاب فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں حدیث نجوم کے متعلق بالکل یہی لکھا ہے۔

ابو حیان غرناطی تفسیر بحر محیط میں حدیثِ نجوم کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

قال الحافظ ابو محمد علی بن احمد بن حزم فی رسالتہ فی ابطال الرای والقیاس والاستحسان والتحلیل والتقلید ما نصہ وھذا خبر مکذوب موضوع باطل لم یصح قط۔

ابن حزم اپنے رسالہ فی ابطال الرائے والقیاس و الاستحسان میں کہتے ہیں کہ حدیث نجوم کے لئے کوئی نص نہیں ہے اور یہ خبر جھوٹی بناوٹی اور باطل ہے اور ہرگز صحیح نہیں ہے۔

ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی نجوم کی تضعیف کی ہے۔ چنانچہ حافظ زین العراقی تخریج احادیث منہاج بیضاوی میں ذکر حدیث نجوم کے نیچے لکھتے ہیں۔

رواہ البیھقی فی المدخل من حدیث عمر ومن حدیث ابن عباس بنحوہ و من وجہ اٰخر مرسلا وقال متنہ مشھور واسانیدہ ضعیف لم یثبت فی ھذا الاسناد۔

بیہقی نے مدخل میں حدیث نجوم کو حضرت عمر و ابن عباس سے روایت کیا ہے اور ایک اور طریقہ سے بھی روایت کیا ہے کہ جو مرسل ہے بیہقی کہتا ہے کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے مگر اسکی اسانید ضعیف ہیں اور ان اسناد سے اس روایت کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

کتاب العلل المتناھیہ میں ابن الجوزی لکھتے ہیں:۔

روی نعیم بن حماد قال ثنا عبد الرحیم بن زید العمی عن ابیہ عن سعید بن المسیب

نعیم بن حماد کہتا ہے کہ بیان کیا اس سے عبدالرحیم بن زید نے اپنے باپ اور اس کے باپ نے سعید بن المسیب سے اور اس نے عمر بن الخطاب سے

رہے حضرت عمر بھی ان کی قدر و منزلت کرتے رہے جن سے رسول خدا راضی تھے ان کو شوریٰ میں حضرت عمر نے داخل کر دیا۔ کیا وجہ ہے کہ جس سے جناب رسول خدا کو اتنی محبت تھی اس کو شوریٰ میں نہ رکھا۔ شاید غلام زادہ ہونے کی وجہ سے۔ یہ اُسامہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے عبد اللہ ابن عمر کی طرح حضرت علی کی بیعت سے تخلف کیا تھا۔

اس انقلاب کی عظمت اور اس کی کامیابی کی اہمیت اس وقت ہی اچھی طرح ذہن نشین ہو سکتی ہے کہ جب ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ کس مقرر شدہ نظام کو اس نے درہم برہم کر کے یہ کامیابی حاصل کی۔ وہ نظام اس حکومت الٰہیہ کا نظام تھا جو جناب رسول خدا قائم کر چکے تھے خود حضرت عمر کا اقبال ہے کہ جناب رسول خدا نے حضرت علی کو اپنی جانشینی کے لئے منتخب کر لیا تھا اور ان کے حق میں وصیت کرنا چاہتے تھے لیکن میں نے ان کی اس تجویز کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ ہم حصہ اول میں اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں کہ جناب رسولِ خدا نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کر کے حکومت الٰہیہ کے حکام کا سلسلہ بتا دیا تھا۔

ان لوگوں نے تاریخ عالم کا مطالعہ تعمق فکر اور دقتِ نظر سے نہیں کیا جو کہتے ہیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ کا اجلاس ایک فوری ضرورت کی وجہ سے ایک فوری مصیبت کو ٹالنے کے لئے فوراً ہی بغیر کسی سابقہ تجویز و مشورہ کے قائم ہو گیا اور حضرات شیخین بصد اکراہ و اجبار وہاں گئے۔ اتنے عظیم الشان واقعات ایک لمحہ کے جوش کا نتیجہ نہیں ہوا کرتے خصوصاً جبکہ وہ ایک قائم شدہ نظام کے خلاف اس کو درہم و برہم کرنے کے لئے ہوں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انقلاب فرانس کسی ایک ہفتہ کے کھیل کا نتیجہ تھا یا روس کو زار کی حکومت سے نکال کر بالشوزم کے دامن میں ڈالنا ایک دن یا ایک مہینہ کا کام تھا۔ فوری جوش کے ماتحت ایک یا چند آدمی قتل کئے جا سکتے ہیں لیکن مستقل طور سے ایک نظام نہیں بدلا جا سکتا رومن سینٹ کے لئے قیصر اعظم کا قتل کرا دینا آسان تھا لیکن یہ چند دلوں کا جوش نظام قیصریت کو نہ بدل سکا اور جولیس سیزر کی جگہ آگسٹس سیزر نے لے لی۔ اس شخص کی گفتگو کو طفلانہ کہانیوں سے زیادہ وقعت نہ دی جائے گی جو یہ کہیگا۔ کہ آخری عالمگیر جنگ کی وجہ یہ تھی کہ ایک رات کو ہٹلر نے خیال کیا کہ مجھے دنیا فتح کر لینی چاہیئے اور صبح یہ جنگ چھڑ گئی۔

جناب رسولِ خدا کے مقرر کردہ نظام کو بدلنا چند گھنٹوں کا کام نہ تھا اس کے لئے ایک جماعت پیدا کرنی تھی اور اس جماعت کو اپنے ساتھ لے کر اس نظام کو بدلنا تھا۔ ایسی جماعت کا پیدا کرنا کوشش ضرور چاہتا تھا لیکن ناممکن نہ تھا۔ ہم مانتے ہیں کہ جناب رسول خدا کے قائم کردہ حکومت الٰہیہ اور ان کے مقرر کردہ خلیفہ و امام کو نظر انداز کر کے گمنام قبیلہ کے لوگوں کا مسندِ حکومت پر قابض ہو جانا اور ایک نیا نظام چلانا ایک عظیم الشان واقعہ تھا۔ بہت سے نادان جن کو غور و فکر کرنے کی عادت نہیں فقط اس ہی بحث کی بناء پر اپنے آبائی عقیدہ عدم استخلاف پر قائم ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ جناب رسول خدا خلیفہ مقرر کرتے اور ان کے صحابہ ان کے اس حکم کی تعمیل نہ کرتے لیکن یہ طریقہ استدلال غلط ہے۔ یہ لوگ اس طاقت کا پورا اندازہ نہیں کرتے جو دنیا کی دلفریبیوں میں مضمر ہے اور ورغلائے جانے کے امکان کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں جب آنکھوں دیکھی جنت اپنے اندر اتنی کشش نہ پیدا کر سکی کہ حضرت آدم ورغلانے کے اثر کا مقابلہ کر سکتے تو ان دیکھی جنت میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ ان لوگوں کو ان کے فریب دینے والے ماحول سے متاثر نہ ہونے دیتی صحابہ

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سألت ربی فیما یختلف فیه اصحابی من بعدی فاوحی الیّ یا محمد ان اصحابك عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها اضوء من بعض فمن اخذ بشیئ مما هو علیه من اختلا فهو فهو علی هدی قال المؤلف وهذا لا یصح نعیم مجروح وقال یحیی بن معین عبد الرحیم کذاب۔

کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ میں نے درگاہ رب العزت میں اس اختلاف کی نسبت سوال کیا جو میرے بعد میرے اصحاب میں ہوگا پس خداوند تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے محمد تیرے اصحاب میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں کہ کوئی زیادہ چمکدار ہے اور کوئی کم پس جس شخص نے تیرے اصحاب کے اختلاف میں سے کوئی بھی امر پکڑ لیا تو وہ ہدایت پر ہے مؤلف کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ نعیم مجروح ہے۔ اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ عبد الرحیم کذاب ہے یعنی بہت جھوٹا ہے۔

منہاج السنّۃ میں ابن تیمیہ کہتے ہیں۔

واما قوله اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم فهذا الحدیث ضعیف ضعفه ائمة الحدیث قال البزار هذا حدیث لا یصح عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ولیس هو فی کتب الحدیث المعتمدة۔

پس آنحضرت صلعم کا قول کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جس کی پیروی کروگے۔ ہدایت پاؤگے یہ حدیث ضعیف ہے جس کو ائمۂ حدیث نے ضعیف ثابت کیا ہے چنانچہ البزار کہتے ہیں کہ یہ حدیث جناب رسول خدا سے صحیح ثابت نہیں ہے اور وہ احادیث کی کتب معتبرہ میں نہیں پائی جاتی۔

ابو حیان محمد بن یوسف الاندلسی اپنی تفسیر بحر محیط اور تفسیر النہر الماد من البحر میں اسی طرح رقمطراز ہیں :-

قال الزمخشری فان قلت کیف کان القران تبیانا لکل شیئ قلت المعنی انه بین کل شیئ من امور الدین حیث کان نصا علی بعضها واحالة علی السنّة حیث امر فیه باتباع رسول الله صلی الله علیه وسلم

زمخشری کہتے ہیں کہ اگر تو یہ کہے کہ قرآن شریف کس طرح ہر ایک شے کو واضح کرتا ہے تو میں جواب دوں گا کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ قرآن شریف نے ہر ایک امر دین کو واضح کر دیا ہے بعض امور دین کو تو خود براہ راست بیان کیا ہے اور بعض امور کو بذریعہ سُنّت رسول کے واضح کیا ہے کیونکہ اس نے رسول خدا کی اطاعت و پیروی کا حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ رسول

وطاعته وقیل ما ینطق عن الهوٰی و
حثا علی الاجماع فی قوله ویتبع غیر
سبیل المؤمنین وقد رضی رسول
الله صلی علیه وسلم لامته اتباع
اصحابه والاقتداء بآثارهم فی
قوله اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم
اهتدیتم وقد اجتهدوا وقاسوا
ووطئوا طرق القیاس والاجتهاد فکانت
السنة والاجماع والقیاس والاجتهاد
مستندة الی تبیین الکتاب فمن
ثم کان تبیاناً لکل شیئ وقوله
وقد رضی رسول الله صلی الله
علیه وسلم الی قوله اهتدیتم
لم یقل ذلك رسول الله صلی الله
علیه وسلم وهو حدیث موضوع
لا یصح لوجه عن رسول الله صلی الله
علیه وسلم قال الحافظ ابو محمد علی
بن احمد بن حزم فی رسالته فی ابطال
الرأی والقیاس والاستحسان والتعلیل
والتقلید ما نصّه وهو خبر مکذوب موضوع
باطل لم یصح قط وذکر اسناده الی
البزار صاحب المسند قال سألتم عما
روی عن النبی صلی الله علیه وسلم
مما فی ایدی العامة ترویه عن
رسول الله صلی الله علیه وسلم انه
قال انما مثل اصحابی کمثل النجوم او
کالنجوم بایها اقتدوا اهتدوا وهذا

خواہش سے گفتگو نہیں کرتا اور بعض امور کو اجماع
کے ذریعہ سے واضح کیا ہے کیونکہ اپنے اس قول ویتبع
غیر سبیل المومنین سے اجماع کی پیروی کا حکم دیا
ہے ۔ اور بہ تحقیق کہ جناب رسول خدا کی خواہش
اپنی امت سے یہ تھی کہ وہ آپ کے اصحاب کی پیروی
کریں اور ان کے طریقے پر چلیں جیسا کہ آپ کے
اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرے اصحاب مثل
ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی لوگ
کریں گے ہدایت پائیں گے اور لوگوں نے اجتہاد کیا
اور قیاس کیا پس سنت و اجماع و قیاس و اجتہاد
کے ذریعہ سے کتاب خدا کی توضیح ہوتی ہے لہذا
قرآن شریف ہر ایک شے کا واضح کرنے والا ہوا
ہیں (ابو حیان) کہتا ہوں کہ زمخشری کا یہ کہنا ۔ کہ
جناب رسول خدا کی خواہش تھی کہ ان کے اصحاب
کی پیروی کی جائے بموجب اس قول کے آپ نے
فرمایا کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جس کی
پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے غلط ہے کیونکہ یہ قول
جناب رسول خدا کا نہیں ہے آپ نے یہ نہیں فرمایا یہ
حدیث بناوٹی ہے اور کسی طرح سے بھی رسول خدا
کا قول ہونا ثابت نہیں ہے حافظ ابو محمد علی ابن
احمد بن حزم اپنے رسالہ فی ابطال الرائے والقیاس
والاستحسان والتعلیل والتقلید میں کہتے ہیں کہ اس
اس حدیث کیلئے کوئی نص نہیں ہے یہ خبر جھوٹی
بناوٹی اور باطل ہے اور اس کا صحیح ہونا ثابت
نہیں اس روایت کے اسناد کا ذکر البزار صاحب مسند
سے کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ تم نے اس حدیث کے متعلق
کا ذکر کیا جو عامۃ الناس کا قول ہے اور جسکو وہ روایت

كلام لم يصح عن النبي صلى الله
عليه وسلم ورواه عبد الرحيم
بن زيد العمي عن أبيه عن سعيد بن
المسيب عن ابن عمر عن النبي صلى
الله عليه وسلم وانما اتى ضعف هذا
الحديث من قبل عبد الرحيم لان اهل
العلم سكتوا عن الرواية لحديثه و
الكلام ايضا منكر عن النبي صلى الله
عليه وسلم ولم يثبت والنبي
صلى الله عليه لايبيح الاختلاف بعده
من اصحابه هذا نص كلام البزار
قال ابن معين عبد الرحيم بن زيد
كذاب خبيث ليس بشيء وقال
البخاري هو متروك رواه ايضا حمزة
الجزري وحمزة هذا ساقط متروك

کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسولخدا نے مثل
اصحابی کمثل النجوم .... الخ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ قول
جناب رسول خدا کا نہیں ہے اس کو عبدالرحیم بن
زید العمی نے اپنے باپ سے اور اس نے سعید بن
المسیب سے اور اس نے ابن عمر سے روایت کیا ہے
اس روایت کا ضعف عبدالرحیم کی وجہ سے ہے
کیونکہ علمائے حدیث اس کی روایت کو درست
نہیں سمجھتے اور یہ کلام جناب رسولخدا کا نہیں ہے
جناب رسولخدا اپنے بعد اپنے اصحاب کے اختلاف
کو کبھی مباح نہیں رکھیں گے یہ البزار کا قول ہے
اور ابن معین کہتے ہیں کہ عبدالرحیم بن زید بہت جھوٹا
اور خبیث ہے کچھ شے ہی نہیں ہے اور بخاری
نے کہا ہے کہ وہ متروک ہے اس حدیث کو
حمزہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اور حمزہ ساقط
اور متروک ہے۔

ابو حیان کا رتبہ علمائے اہل سنت والجماعت میں نہایت اعلےٰ ہے ملاحظہ ہو ہمارا ضمیمہ کتاب البلاغ المبین، ابو حیان کے اس کلام و بحث کی توثیق اس کے شاگرد رشید تاج الدین ابو محمد احمد عبدالقادر بن احمد بن مکتوم نے کتاب الدر اللقیط من البحر المحیط میں کی ہے۔

ابن حجر عسقلانی کہ محققین کبار و نقادین عظام جماعت اہل سنت میں سے ہیں اس حدیث کو موضوع اور باطل بتاتے ہیں اور اس کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ کتاب تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر میں تحریر کرتے ہیں:۔

حديث اصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم
اهتديتم عبد بن حميد في مسنده
من طريق حمزة النصيبي عن نافع
عن ابن عمر وحمزة ضعيف جدا ورواه
الدار قطني في غرائب مالك من طريق
جميل بن يزيد عن مالك عن جعفر بن محمد

عبد بن حمید نے اپنے مسند میں حدیث اصحابی
کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم کو حمزہ النصیبی عن
نافع عن ابن عمر کے طریق سے بیان کیا ہے اور
حمزہ بہت ہی ضعیف ہے اور اس حدیث کو
دار قطنی نے غرائب مالک میں جمیل بن یزید عن
مالک عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر کے طریق

عن ابیه عن جابر وجمیل لا یعرف
ولا اصل له من حدیث مالك ولا
من نوقه وذکره البزار من روایة
عبد الرحیم بن زید العمی عن ابیه
عن سعید بن المسیب عن ابن عمر
وعبد الرحیم کذاب ومن حدیث انس
ایضاً واسناده واه ورواه القضاعی
فی مسند الشهاب له من الاعمش
عن ابی صالح عن ابی هریرة وفی اسناده
جعفر بن عبد الواحد الهاشمی
وهو کذاب ورواه ابو ذر الهروی
فی کتاب السنة من حدیث مندل
عن جریر عن الضحاك من مزاحم
منقطعا وهو فی غایة الضعف قال
ابو بکر البزار هذا الکلام لم
یصح عن النبی صلی الله علیه وسلم
قال ابن حزم هذا خبر مکذوب
موضوع باطل وقال البیهقی فی
الاعتقاد عقب حدیث ابی موسی
الاشعری الذی اخرجه مسلم بلفظ
النجوم امنة اهل السماء فاذا ذهبت
النجوم اتی اهل السماء ما یوعدون و
اصحابی امنة لامتی فاذا ذهب اصحابی
اتی امتی ما یوعدون قال البیهقی
روی فی حدیث موصول باسناد غیر
قوی یعنی حدیث عبد الرحیم العمی
وفی حدیث منقطع یعنی حدیث الضحاك

سے روایت کیا ہے جمیل ایک نامعلوم سا شخص ہے
اس کی کچھ اصلیت حدیث مالک میں نہیں ہے اور
البزار نے اس حدیث کو عبدالرحیم بن زید العمی عن ابیہ
عن سعید بن المسیب عن ابن عمر کے طریق سے
روایت کیا ہے اور عبدالرحیم بہت بڑا جھوٹا ہے
اور انہوں نے انس سے بھی اس حدیث کو روایت
کیا ہے اور اس کے اسناد بہت ہی واہیات
ہیں اور قضاعی نے مسند میں اعمش عن ابی صالح
عن ابی ہریرہ کے طریق سے روایت کیا ہے اور
اس کے اسناد میں جعفر بن عبدالواحد الہاشمی ہے
اور وہ بہت جھوٹا ہے اور نیز اس حدیث کو
ابوذر ہروی نے کتاب السنۃ میں مندل عن
جویبر عن الضحاک بن مزاحم کے طریق سے بیان
کیا ہے اور وہ حدیث منقطع ہے اور نہایت ہی
کمزور ہے ابوبکر البزار کہتے ہیں کہ یہ حدیث
جناب رسول خدا سے ثابت نہیں ہے اور ابن حزم
کہتے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی ہے بناوٹی ہے۔ اور
باطل ہے اور بیہقی الاعتقاد میں حدیث ابو
موسیٰ اشعری کے بعد جس کو مسلم نے ان الفاظ
سے روایت کیا ہے والنجوم امنۃ الخ کہتا
ہے کہ یہ حدیث موصول ہے اس کے اسناد
بہت ضعیف ہیں۔ اس کا اشارہ عبدالرحیم
العمی کی طرف ہے اور اس منقطع حدیث کے
متعلق جو ضحاک بن مزاحم کے واسطے سے بیان
کی گئی ہے وہ کہتا ہے کہ وہ شخص جس نے
اس کو حدیث صحیح سے روایت کیا ہے وہ اگلے
کے چند معنی ہی لیتا ہے (ہم کہتے ہیں کہ بیہقی

بن مزاحم مثل اصحابی کمثل النجوم
فی السماء من اخذ بنجم منها اهتدی
قال والذی رویناه من الحدیث الصحیح
یودی بعض معناه قلت صدق البیهقی
هو یودی صحة التشبیه للصحابة
بالنجوم خاصة اما فی الاقتداء فلا
یظهر فی حدیث ابی موسی الاشعری نعم
یمکن ان یتلمح ذلک من معنی الاهتداء
بالنجوم وظاهر الحدیث انما هو اشارة
الی الفتن الحادثة بعد انقراض عصر
الصحابة من الطمس السنن وظهور
البدع ونشو الفجور فی اقطار الارض
فالله المستعان۔

نے سچ کہا ہے۔ وہ اس حدیث سے صحابہ
کے لئے صرف نجوم کی تشبیہ ہی
کے معنی لیتا ہے اور پیروی کے معنی
حدیث ابوموسیٰ اشعری میں ظاہر
نہیں ہوتے۔ ہاں یہ ممکن
ہے کہ نجوم کے ذریعہ ہدایت
پانے کی تلمیح بیان کی ہو۔
ظاہر حدیث اشارہ کرتی ہے
ان فتنوں کی طرف جو رحلت
رسول کے بعد ظہور میں
آئے بدعتیں ظاہر ہوئیں
فسق وفجور اطراف
عالم میں پھیل گیا۔

نیز ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری کتاب تخریج احادیث کشاف میں اس حدیث نجوم کی بہت اچھی تنقید کی ہے اور قطعی طور پر ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی اور باطل ہے اسکی عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

حدیث اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم
اهتدیتم الدار قطنی فی الموتلف من
روایة سلام بن سلیم عن الحرث بن
غصین عن الاعمش عن ابی سفیان عن
جابر مرفوعًا وسلام ضعیف واخرجه فی
غرائب مالک من طریق جمیل بن یزید
عن مالک عن جعفر بن محمد عن ابیه
عن جابر فی اثناء حدیث وفیه فبای
قول من اصحابی اخذتم اهتدیتم
انما مثل اصحابی مثل النجوم من اخذ
بنجم منها اهتدی وقال لا یثبت عن
مالک ورواته دون مالک مجهولون

حدیث اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم کو
دار قطنی نے موتلف میں روایت سلام بن سلیم
عن الحرث بن غصین عن الاعمش عن ابی
سفیان عن جابر سے بیان کیا ہے یہ حدیث
مرفوع ہے اور سلام ضعیف ہے اس حدیث کو
دار قطنی نے غرائب مالک میں بھی جمیل بن یزید عن
جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر کے طریق سے بیان
کیا ہے حدیث کے درمیان میں یہ قول بھی ہے
فبای قول من اصحابی اخذتم الخ دار قطنی
نے کہا ہے کہ یہ حدیث مالک سے ثابت نہیں
ہے مالک کے علاوہ سب راویان مجہول ہیں
اور اس حدیث کو عبد بن حمید نے اور دار قطنی

ورواہ عبد بن حمید والدار قطنی فی الفضائل من حدیث حمزۃ الجزری عن نافع عن ابن عمر وحمزۃ اتھموہ بالوضع ورواہ القضاعی فی مسند الشھاب من حدیث ابی ھریرۃ وفیہ جعفر بن عبد الواحد الھاشمی وقد کذبوہ ورواہ ابن طاھر من روایۃ بشر بن الحسین عن الزبیر بن عدی عن انس وبشر کان متھما ایضاً و اخرجہ البیھقی فی المدخل من روایۃ جویبر عن الضحاک عن ابن عباس وجویبر متروک ومن روایۃ جویبر ایضاً عن جواب بن عبید اللہ مرفوعاً ومرسل قال البیھقی ھذا المتن مشھور و اسانیدہ کلھا ضعیفۃ وروی فی المدخل ایضاً عن عمر سألت ربی فیما یختلف فیہ اصحابی من بعدی فاوحی الی یا محمد اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضھا اضوء من بعض فمن اخذ بشیئ مما ھم علیہ من اختلافھم فھو عندی علی ھدی وفی اسنادہ عبد الرحیم بن زید العمی وھو متروک

نے فضائل میں حدیث حمزۃ الجزری عن نافع عن ابن عمر سے بیان کیا ہے اور حمزہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ اسی حدیث کو قضاعی نے مسند الشہاب میں حدیث ابی ہریرہ سے روایت کیا ہے اور اس میں جعفر بن عبد الواحد الہاشمی ہے اور علماء حدیث نے اس کی تکذیب کی ہے اور ابن طاہر نے اس حدیث کو بطریق بشر بن الحسین عن الزبیر بن عدی عن انس بیان کیا ہے اور بشر بھی جھوٹ اور وضع حدیث کے ساتھ متہم ہے اور بیہقی نے مدخل میں اس حدیث کو روایت جویبر عن الضحاک عن ابن عباس سے بیان کیا ہے۔ اور جویبر متروک ہے۔ جویبر کی روایت بطریق دیگر عن جواب بن عبید اللہ سے وہ مرفوع ہے اور حدیث مرسل ہے بیہقی کہتا ہے کہ اس کا متن تو مشہور ہے مگر اس کے تمام اسانید ضعیف ہیں اور بیہقی نے مدخل میں حضرت عمر سے بھی اس حدیث کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے۔ سألت ربی فیما الخ۔ اس کے اسناد میں عبد الرحیم بن زید العمی ہے اور وہ متروک ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے ہر ایک طریقہ اور سند پر گفتگو کر کے اس کو باطل و موضوع ثابت کیا ہے مگر پھر بھی راویوں کی جرح و قدح میں ذرا اختصار سے کام لیا ہے۔ ہم ذرا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

سلام بن سلیم۔ بخاری نے کتاب الضعفاء میں کہا ہے کہ سلام کو علمائے حدیث نے

متروک کر دیا ہے اسی طرح نسائی نے کتاب الضعفاء میں کہا ہے کہ سلام متروک الحدیث ہے۔
ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں تصریح کی ہے کہ سلام بالاتفاق متروک ہے۔
ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین نے سلام کے حق میں کہا ہے کہ وہ کچھ شے نہیں اور اس سے حدیث نہیں لی جاتی اور پھر بخاری و نسائی و دارقطنی سے اس کا متروک ہونا نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ابن حبان کہتا ہے کہ سلام ثقہ لوگوں کے نام سے احادیث وضع کرتا ہے۔ نیز ابن الجوزی نے حدیث زکوٰۃ نطرہ کی قدرح میں سلام کی تضعیف کی ہے۔ علامہ ذہبی نے مغنی میں سلام کو متروک کہا ہے اور ابو زرعہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔ نیز ذہبی نے کاشف میں سلام کے متروک ہونے کو بخاری سے نقل کیا ہے۔ اور سبط ابن العجمی نے کتاب الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث سلام کے متعلق تصریح کی ہے کہ اس کو ایک جماعت علماء نے مجروح کیا ہے اور ابن الجوزی و ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ سلام احادیث خود وضع کرتا تھا۔ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں سلام کے متروک ہونے کو واضح کیا ہے۔ نیز ابن حجر نے تہذیب میں سلام کی جرح بہت کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ احمد بن حنبل نے کہا کہ سلام احادیث منکرہ روایت کرتا ہے اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ سلام کی احادیث منکرہ ہیں اور سلام کچھ شے نہیں ہے۔ ابن مدینی نے کہا کہ ضعیف ہے۔ ابن عمار نے کہا ہے کہ حجت نہیں ہے۔ جوزجانی نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے ابو حاتم کہتا ہے کہ سلام ضعیف الحدیث ہے اور علماء نے اس کو ترک کر دیا ہے۔ ابو زرعہ نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ ابن خراش نے کہا کہ وہ بہت جھوٹا ہے کذاب ہے اور متروک ہے۔ ابو القاسم بغوی نے کہا کہ وہ بہت ہی زیادہ ضعیف الاحادیث ہے ساجی نے کہا کہ اس کی احادیث مناکرہ ہیں۔ اور حاکم نے کہا ہے کہ سلام احادیث موضوعہ بیان کرتا ہے۔

حارث بن غصین۔ ابن عبد البر نے کتاب جامع بیان العلم میں حدیث نجوم کی اسانید کے قدح کرتے ہوئے کہا ہے کہ حارث بن غصین مجہول ہے۔

حمزہ جزری۔ بخاری نے اور نسائی نے کتاب الضعفاء میں کہا ہے کہ حمزہ جزری منکر الحدیث ہے۔ ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں بقدح حدیث اشعر فی الانف امان من الجذام کہ جو جابر سے منقول ہے کہا ہے کہ اس کے طریقہ ثانیہ میں حمزۃ النصیبی ہے جس کے متعلق یحییٰ ابن معین نے کہا ہے کہ وہ کچھ شے نہیں ہے اور ابن عدی کہتا ہے کہ وہ جھوٹی احادیث وضع کیا کرتا ہے۔ نیز کتاب الموضوعات میں ابن الجوزی نے حدیث فضل عسقلان کی قدح میں کہا ہے۔

و فی الطریق الثانی حمزہ بن ابی حمزہ قال احمد بن حنبل ھو مطروح الحدیث قال یحیی لیس بشئً لیس یساوی فلسا و قال النسائی والدارقطنی ھو متروک الحدیث و قال ابن عدی یضع الحدیث و قال ابن حبان ینفرد عن الثقات بالموضوعات لایحل الروایۃ عنہ۔

اس حدیث کے طریق ثانی میں حمزہ بن ابی حمزہ ہے اس کے متعلق احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ وہ مطروح الحدیث ہے اور یحیی نے کہا ہے کہ کچھ شے نہیں ہے ایک پیسے کی برابر بھی نہیں ہے۔ نسائی و دارقطنی کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے اور ابن عدی کہتا ہے کہ وہ جھوٹی حدیثیں وضع کرتا ہے اور ابن حبان کہتا ہے کہ ثقات کے ذریعہ سے اپنی بنی ہوئی جھوٹی حدیثیں بیان کرتا ہے اس سے حدیث روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

ذہبی نے تلخیص المستدرک میں بعد ذکر حدیث من مثل لعبدہ فہو حرکہ جو حمزہ جزری سے مروی ہے، کہا ہے کہ:۔

حمزہ ھو النصیبی قال ابن عدی یضع الحدیث

حمزہ النصیبی کے متعلق ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ احادیث وضع کیا کرتا ہے۔

ملّا علی المتقی نے کنز العمال میں بعد ذکر حدیث استوصوا بالمعزی خیرا کہا ہے کہ:۔

قال عدی فیہ حمزۃ النصیبی کذاب۔

ابن عدی کہتا ہے کہ اس میں حمزہ ہے اور وہ کذاب ہے

جعفر بن عبدالواحد۔ ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات میں باب الخشوع فی الصلوٰۃ میں بعدِ ذکر حدیث مروی از جعفر بن عبدالواحد یہ لکھا ہے:۔

ھذا حدیث موضوع قال ابن حبان لا اصل لھذا الحدیث قال وجعفر کان یسرق الاحادیث و یقلب الاخبار حتی لا شک انہ یعملھا و قال ابو احمد بن عدی کان جعفر یتھم بوضع الاحادیث۔

یہ بناوٹی جھوٹی حدیث ہے ابن حبان کہتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصلیت نہیں اور کہتا ہے کہ جعفر حدیث کی چوری کرتا تھا اور خبروں کو بدل دیتا تھا۔ یہاں تک کہ کوئی شک نہیں رہتا تھا کہ اُس نے ایسا کیا ہے اور ابو احمد بن عدی نے کہا ہے کہ جعفر احادیث وضع کرنے میں بدنام ہے

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں کہتے ہیں:۔

جعفر بن عبدالواحد قال دارقطنی یضع الحدیث و قال ابو زرعہ روی۔

جعفر بن عبدالواحد۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ جعفر جھوٹی احادیث بنایا کرتا تھا اور ابوزرعہ کہتے

احادیث لا اصل لہا وقال ابن عدی یسرق الحدیث ویاتی باسناکیر عن الثقات۔

ہیں، کہ وہ ایسی احادیث بیان کرتا تھا جو محض بے اصل ہوا کرتی تھیں ابن عدی کہتے ہیں کہ حدیث کو چرایا کرتا تھا اور ان جھوٹی احادیث کو ثقہ لوگوں سے منسوب کرکے بیان کرتا تھا

ومن بلایاہ عن وہب بن جریر عن ابیہ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم من اقتدیٰ بشیٔ منہا اھتدی۔

جعفر کے فتنوں میں سے ایک فتنہ حدیث نجوم ہے جو وہ اس سند سے بیان کرتا ہے وہب بن جریر عن جریر عن اعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرہ کہ بیان کیا ابو ہریرہ نے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جس نے ان میں سے کسی کی پیروی کی ہدایت پائی۔

میزان الاعتدال۔ الجزء الاول ترجمہ جعفر بن عبدالواحد صفحہ ۱۹۱۔

مزید ثبوت کے لئے دیکھو۔ سبط ابن العجمی الحلبی۔ کتاب الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث۔ ابن حجر عسقلانی۔ لسان المیزان ترجمہ جعفر بن عبدالواحد۔ محمد بن طاہر فتنی۔ قانون الموضوعات۔

بشر بن الحسین۔ زین العراقی تخریج احیاء العلوم حدیث ان التواضع لا یزید اللہ العبد الارفعۃ کے ذیل میں لکھتے ہیں: وفیہ البشر بن الحسین وھو ضعیف جداً یعنی حدیث کے اس سلسلہ میں بشر بن الحسین ہے اور وہ بہت ضعیف ہے۔

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:۔

بشر بن الحسین الاصبہانی صاحب الزبیر بن عدی قال الدار قطنی متروک وقال ابن عدی عامۃ حدیثہ لیس بمحفوظ و قال ابو حاتم یکذب علی الزبیر۔

بشر بن حسین۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ متروک ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی اکثر احادیث غیر محفوظ ہوتی ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ زبیر پر بہتان باندھتا ہے۔

وقال ابن حبان یروی بشر بن الحسین عن الزبیر نسخۃ موضوعۃ شبیہا بمائۃ وخمسین حدیثاً۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ اس نے عدی ابن زبیر سے ایک جھوٹی احادیث کی کتاب تیار کی تھی اور اس میں تقریباً ایک سو پچاس موضوعہ احادیث تھیں۔

مزید ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو قانون الموضوعات محمد بن طاہر فتنی۔

علی ابن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی مجمع الزوائد باب خصال الایمان میں ایک حدیث کے ذکر کے بعد جو انس سے مروی ہے لکھتے ہیں:۔ وفیہ بشر بن الحسین وھو کذاب۔ یعنی اس کے راویوں کے سلسلہ میں بشر بن حسین ہے اور وہ بہت ہی جھوٹا ہے۔

جواب بن علیداللہ الکتیمی۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں کہتے ہیں وثقہ ابن

حواشی: مصنف کے تضعیف ابن نمیر

عبدالرحیم بن زید

معین و ضعفه ابن نمیر یعنی اگرچہ ابن معین اس کو ثقہ سمجھتا ہے۔ ابن نمیر اس کو ضعیف جانتا ہے
آگے چل کر کہتے ہیں کہ وہ مرجیہ تھا۔ میزان الاعتدال الجزء الاول صفحہ ۱۹۸۔
نیز ملاحظہ ہو۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ خلاصۃ التہذیب۔ صفی الدین
خزرجی عبدالرحیم بن زید۔ اس کے مجروح و مقدوح و کاذب ہونے کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں
بخاری و نسائی نے اس کو کتاب الضعفاء میں متروک لکھا ہے عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کتاب
العلل میں فضل تثلیث وضو کی حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: عبد الرحیم بن زید متروک
الحدیث۔ نیز فضل ماہ رمضان کی حدیث کے بعد بھی یہی لکھا ہے۔
ابن الجوزی کتاب الموضوعات میں کتاب النکاح کے عنوان کے نیچے بعد ذکر حدیث
لولا النساء لعبد الله حقاً حقاً کہتے ہیں۔

هذا حديث لا اصل له و فيه عبد الرحيم بن زيد العمى قال يحيى ليس بشيء هو و ابوه وقال مرة عبد الرحيم كذاب خبيث وقال النسائى متروك الحديث وقال ابن عدى هذا حديث منكر لا اعرفه الا من هذا الطريق و كل احاديث عبد الرحيم لا يتابعه الثقات عليها۔

اس حدیث کی کچھ اصلیت نہیں۔ اس کے راویوں میں عبدالرحیم بن زید العمی ہے یحییٰ کہتے ہیں کہ وہ اور اس کا باپ دونوں ہیچ اور بے حقیقت ہیں دوسری جگہ کہتے ہیں کہ عبدالرحیم جھوٹا خبیث ہے نسائی کہتے ہیں کہ متروک ہے۔ ابن عدی کہتا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اس کو سوائے اس طریقے کے میں نہیں جانتا اور عبدالرحیم کی تمام احادیث ایسی ہیں کہ جن پر کوئی عالم حدیث اعتبار نہیں کرتا۔

میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔

عبد الرحيم بن زيد ابن الحوارى العمى عن ابيه و غيره قال البخارى تركوه و قال يحيى كذاب وقال مرة ليس بشيء وقال الجوزجانى غير ثقة وقال ابو حاتم ترك حديثه وقال ابو زرعه واه وقال ابو داؤد ضعيف روى نعيم بن حماد عن عبد الرحيم عن ابيه عن ابن المسيب عن عمر يا محمد اصحابك بمنزلة النجوم الحديث

عبدالرحیم بن زید العمی اپنے باپ وغیرہ سے روایت کرتا ہے بخاری کہتے ہیں کہ عبدالرحیم کو ترک کر دو۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ ہیچ ہے۔ جوزجانی کہتے ہیں کہ وہ قابل اعتبار نہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی ساری احادیث ترک کر دی گئی ہیں۔ ابو زرعہ کہتے ہیں کہ وہ واہی ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔
حدیث نجوم کے یہی حضرات راوی ہیں۔

رسول کا حب جاہ وجلال دنیاوی کے جال میں پھنس جانا محال عقلی نہیں ہے کہ جس کی بناء پر استدلال قائم کیا جاسکے اس کے لئے زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ آنحضرت کی رحلت پر جو لوگوں کی حالت ہونی تھی اور جس طرح اصلی اسلام کو چھوڑ کر فوج در فوج حالتِ کفر میں عود کرنا تھا اس کا نقشہ آنحضرت نے اپنے معجزہ پیشین گوئی اور طاقتِ انجام بینی سے بہت اچھا کھینچ دیا ہے اور وہ صحیح بخاری و صحیح مسلم و کنز العمال غرض ہر ایک حدیث کی کتاب میں کتاب الفتن کے عنوان کے تحت موجود ہے۔ اس میں سے چند احادیث ہم حصہ اوّل میں بیان کر چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ورغلایا جانا کونسا مشکل تھا۔

جماعتِ مخالفین نے کس طرح اپنے مقصد کی امداد کے لئے جماعت پیدا کر کے اس کی تنظیم کی۔ وہ کیا واقعات تھے جنہوں نے ان کی مساعدت کی اور وہ کون سی تجاویز اور تدابیر تھیں اس جماعتِ مخالفین نے اپنی مقصد سیاست کی کامیابی کے لئے اختیار کیں۔ نہایت دلچسپ تاریخی سوالات ہیں جن پر آبائی اعتقادات کو نظر انداز کر کے ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے۔

پہلے ہم ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔ جنہوں نے اس جماعت کی سیاسی جدوجہد میں مساعدت کی اور جن کی موجودگی پر بھروسہ کر کے اس جماعت نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے قدم اٹھایا۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) اکثریت قریش و صحابہ کا نبوت کے مفہوم اور اس کے مقصد کو کماحقہ نہ سمجھنا۔

(۲) عربوں کی حب مال وجاہ

(۳) عربوں کی فطرت میں کینہ کا خمیر۔

(۴) قبیلانہ رشک وحسد اور عصبیت۔

(۵) بنوامیہ کی رقابت

(۶) حضرت علی کا طرز عمل اور ان کی رفعت شان۔

(۷) انصار و مہاجرین کی رقابت

(۸) مخالفین حضرت علی کا حرمِ رسول میں رسوخ

واقعات جنہوں نے جماعت مخالفین کو مقصد میں مدد دی

(۱) ناقص معرفت قرآن و رسول

عربوں کی اکثریت نے نبوّت کے مفہوم اور نبی کی شخصیت کو کبھی صحیح طور پر نہ سمجھا اور چونکہ انہوں نے ان لوگوں سے اعراض کیا جو قرآن شریف کی صحیح تاویل سے واقف تھے لہٰذا وہ صحیح تاویل قرآن سے بھی محروم رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے دونو کو غیر مذاہب کے لوگوں کے مضحکہ کا نشانہ بنا دیا۔ غیر لوگ ان ہی کی کتابوں سے مواد لے کر رنگیلا رسول لکھتے ہیں اور ان کی ہی تفاسیر قرآن سے نوٹ لے کر قرآن پر اپنے مضامین شائع کرتے ہیں۔ اور جب یہ دونوں چیزیں آئینے کی طرح مسلمانوں کے سامنے آتی ہیں تو اس وقت حیران ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ کیا یہ ہماری ہی بنائی ہوئی تصویریں ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ یہ سمجھتے رہے کہ نبی بھی ہماری طرح حرص و لالچ و حب و

ناقص معرفت قرآن و رسول

میزان الاعتدال الجز الاوّل ترجمہ عبدالرحیم بن زید صفحہ ۱۲۴ و ۱۲۵۔

کتاب المدخل کے رواۃ کی تنقید

یہ امر واقعہ ہے کہ حدیث نجوم کی شہرت کی بنا بیہقی کی کتاب المدخل ہے۔ جس میں یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ خود بیہقی ہی نے اس ہی کتاب المدخل میں اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے اس کی تضعیف کی ہے دیکھو ابن حجر عسقلانی کی تخریج احادیث کشاف جس کی عبارت اوپر نقل ہوئی صرف یہ ہی ایک بات اس سارے کاخ کاغذی کو ہوا میں اڑا دینے کے لئے کافی ہے اور اگر کسی مزید تنقید کی ضرورت ہے تو وہ بھی حاضر ہے۔ روایت بیہقی کے اسناد یہ ہیں :- سلیمان بن کریمہ عن جویبر عن الضحاک عن ابن عباس اور اس ہی روایت میں یہ فقرہ بھی ملتا ہے۔ اختلاف اصحابی لکم رحمۃ

ہم ان راویوں پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخادی مقاصد حسنہ میں حدیث نجوم کو بیہقی کی کتاب المدخل سے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

ومن ھذا الوجہ اخرجہ الطبرانی والدیلمی فی مسندہ بلفظہ سواء جویبر ضعیف والضحاک عن ابن عباس منقطع۔

یعنی ان ہی اسناد کے ساتھ دیلمی نے اپنے مسند میں و طبرانی نے اس حدیث نجوم کو بجنسہٖ الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جویبر ضعیف ہے اور ضحاک اور ابن عباس کے درمیان انقطاع ہے یعنی ضحاک نے ابن عباس کو نہیں پایا۔

سلیمان ابن ابی کریمہ

سلیمان ابن ابی کریمہ :- ضعفہ ابوحاتم وقال ابن عدی عامۃ احادیثہ مناکیر۔

ترجمہ :- ابو حاتم نے اس کی تضعیف کی ہے اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی اکثر احادیث جھوٹی ہوتی ہیں

میزان الاعتدال ذہبی الجزء الاوّل صفحہ ۴۲۲ - بترجمہ سلیمان بن ابی کریمہ۔

ابن ابی حاتم اپنی **کتاب العلل** میں اس حدیث اعظم نساء امتی برکۃ اصبحن جھاد اقلھن مھرا کے بعد تحریر کرتے ہیں۔

قال ابی ھذا حدیث باطل وابن ابی کریمۃ ضعیف الحدیث

میرے والد کہتے تھے کہ یہ حدیث باطل ہے۔ اور ابن ابی کریمہ ضعیف ہے۔

ابن الجوزی موضوعات میں مرجیہ کی برائی کرنے والی احادیث کے بعد لکھتے ہیں۔

ھذہ الاحادیث موضوعۃ کذب علی رسول اللہ اما الاول فنیہ سلیمان بن ابی کریمۃ واحمد بن ابی ابراھیم قال ابن عدی یرویان المناکیر۔

یعنی یہ احادیث موضوعہ جناب رسول خدا پر کذب ہیں پہلی حدیث میں تو سلیمان بن ابی کریمہ اور احمد بن ابراہیم ہیں اور ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ دونوں اشخاص جھوٹی احادیث روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں، علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں ملا علی متقی نے کنز العمال میں، طاہر بن علی فتنی نے قانون الموضوعات میں، عبدالوہاب بن محمد غوث

المدراسی نے کشف الاحوال فی نقد الرجال میں سلیمان بن ابی کریمہ کو ضعیف اور اس کی احادیث کو جھوٹا بیان کیا ہے۔

جو یبر بن سعید۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں۔

جویبر بن سعید ابو القاسم الازدی البلخی المفسر صاحب الضحاک قال ابن معین لیس بشیئ وقال الجوزجانی لا یشتغل به وقال النسائی والدار قطنی وغیرهما متروك الحدیث

جو یبر بن سعید ضحاک کا ساتھی ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ جو یبر کچھ شے نہیں۔ جوزجانی کہتے ہیں کہ جو یبر کی احادیث کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیئے نسائی و دار قطنی وغیرہما کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔

میزان الاعتدال الجزء الاول ترجمہ جو یبر بن سعید۔ الجزء الاول صفحہ ۱۹۸۔

یہی قول علامہ ذہبی نے مغنی اور کاشف میں دہرایا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو۔ نسائی اور بخاری کی کتاب الضعفا۔ ابن الجوزی کتاب الموضوعات میں بعد ذکر حدیث اکتحال یوم عاشورا لکھتے ہیں۔

قال الحاکم انا ابرئی الی الله من عهدة جویبر قال والاکتحال یوم عاشورا لم یرو من رسول الله صلعم فیه اثر وهو بدعة ابتدعها قتلة الحسینؓ قال احمد لا یشتغل بحدیث جویبر وقال یحیی لیس بشیئ وقال النسائی والدار قطنی متروك۔

حاکم کہتے ہیں کہ میں جو یبر سے خُدا کی طرف بیزاری چاہتا ہوں۔ یوم عاشورہ پورے دن کا روزہ جناب رسول خُدا سے مطلقاً منقول نہیں ہے بلکہ یہ تو بدعت ہے۔ جس کو قاتلانِ امام حسینؑ نے شروع کیا تھا۔ احمد کہتے ہیں کہ جو یبر کی احادیث توجہ کے قابل نہیں ہیں۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ وہ کچھ شے نہیں ہے نسائی اور دار قطنی کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے۔

ابن حجر عسقلانی اپنی تہذیب التہذیب میں بترجمہ جو یبر کہتے ہیں کہ جو یبر کے قول کا اعتبار نہیں وہ منکر ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ کچھ شے نہیں اور عبداللہ بن علی بن المدینی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے جو یبر کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ بہت ہی ضعیف ہے اور میرے والد اکثر کہا کرتے تھے کہ جو یبر بہت سی منکر احادیث ضحاک سے بیان کرتا ہے۔ نسائی و علی بن جنید اور دار قطنی کہتے ہیں کہ جو یبر متروک ہے ابن عدی بھی جو یبر کی تکذیب کرتے ہیں۔ ابو قدامہ سرخسی کہتے ہیں کہ یحییٰ القطان نے بیان کیا کہ ان لوگوں سے علم تفسیر نہ حاصل کرو۔ جن کی احادیث پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ پھر انہوں نے ان غیر معتبر لوگوں میں ضحاکؒ جو یبر و محمد بن سائب کا نام لیا اور کہا کہ ان کی احادیث جھوٹی ہیں اور علم تفسیر ان سے نہیں لیا جاتا۔ نیز دیکھو جمع الجوامع علامہ سیوطی۔ قانون الموضوعات، محمد بن طاہر فتنی کشف الاحوال۔ عبدالوہاب بن محمد غوث المدراسی۔

ضحاک: علامہ ذہبی کہتے ہیں :-

الضحاك بن مزاحم البلخي المفسر قال يحيي بن القطان كان شعبة ينكران ان يكون الضحاك لقي ابن عباس قط وقال الطيالسي حدثنا شعبة سمعت عبد الملك بن ميسرة يقول الضحاك لم يلق ابن عباس و قال يحيي بن سعيد الضحاك ضعيف عندنا۔

یحیی بن القطان کہتے ہیں کہ شعبہ کا قول تھا کہ ضحاک نے کبھی ابن عباس سے ملاقات نہیں کی۔ طیالسی کہتے ہیں کہ مجھ سے شعبہ نے کہا کہ انہوں نے عبدالملک بن میسرہ کو کہتے سنا تھا۔ کہ ضحاک نے کبھی ابن عباس سے ملاقات نہیں کی۔ یحیی ابن سعید کہتا ہے کہ ضحاک ہمارے نزدیک ضعیف ہے۔

میزان الاعتدال :- الجزء الاول صفحہ ۴۷۱ نیز ملاحظہ ہو۔ کتاب الموضوعات ابن الجوزی لآلی مصنوعہ سیوطی، قانون الموضوعات محمد بن طاہر الفتنی، کشف الاحوال فی نقد الرجال عبدالوہاب بن محمد غوث المدراسی۔

اب ناظرین کو حدیث نجوم کی حقیقت معلوم ہوئی۔ ہر ایک راوی اس کا مجروح و مقدوح ہے قابل اعتبار نہیں، ضعیف ہے اور حدیث نجوم کا موضوع ہونا خود علماء اہل سنت والجماعت نے ثابت کیا ہے۔ اس حدیث کے اندر اس کے موضوع ہونے کی شہادت موجود ہے۔ یہ بدیہی امر ہے کہ یہ حدیث کذا احادیث مدینۃ العلم و حدیث ثقلین کے جواب کے طور پر وضع کی گئی ہے۔

علامہ محمد معین بن محمد امین السندی کتاب دراسات اللبیب میں حدیث الثقلین کا ذکر کرکے اس سے اہل بیت علیہم السلام کی عصمت ثابت کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث نجوم و دیگر ویسی ہی احادیث کو حدیث ثقلین کے مقابلہ میں ان الفاظ میں موضوع قرار دیتے ہیں۔

فان قلت قد ورد اصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم وورد اقتدوا بالذين من بعدي ابي بكر و عمر و ورد عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين الحديث فقد ثبت الحث باقتداء غيرهم اهتدا من اقتدى بهم قلنا الحديث الاول موضوع والا لكان قوله اهتديتم فيه خاصة مما

اور اگر تو کہے کہ یہ بھی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ میرے بعد اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جن کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے نیز یہ کہ میرے بعد ابوبکر و عمر کی پیروی کرو نیز یہ کہ تم کو چاہیے میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرو اور بس ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اہل بیت علیہم السلام کے علاوہ دوسروں کی پیروی بھی جائز ہے تو ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ احادیث موضوعہ ہیں کیونکہ اہتدیتم کے لفظ سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ بزرگوار

یدل علی عدم خطاء ھم - کبھی خطا ہی نہیں کریں گے جو کہ واقعاً غلط ہے

حدیث نجوم سے جس طرح کہ بیہقی کی کتاب المدخل میں منقول ہے دو کلیات قائم ہوتے ہیں۔

(الف) ایک تو یہ کہ صحابہ کا آپس کا اختلاف امت کے لئے رحمت ہے۔ اور

(ب) دوسرے یہ کہ صحابہ میں سے ہر ایک کی پیروی کرنے سے راہ ہدایت ملتی ہے۔

ان دونوں نتائج پر ذرا غور تو کرو۔

(الف) تضاد و تفریق حق کی صفت نہیں ہے حق ہمیشہ ایک ہی ہوگا۔

قرآن شریف کی آیات کی سچی وصحیح تفصیل و تفسیر و تاویل ایک ہی ہوگی۔ اختلاف و تفرقہ کیسا ہی ہو اور کتنے ہی درجہ کا ہو بُرا ہوتا ہے۔ ذرا سا اختلاف آگے چل کر بہت بڑا ہو جاتا ہے۔ اس سے اتحاد عمل مفقود ہو جاتا ہے اور نصب العین کی قوت کشش میں اضمحلال پیدا ہو گیا تو جماعت، قوم یا امت کمزور اور رفتہ رفتہ تباہ ہو جاتی ہے۔ محبت و دل الفت مفقود ہو جاتے ہیں، اس حالت میں ہمدردی کہاں۔ غرضکہ تمام قوم یا امت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ جلیا فہیم و ذکی و زیرک سیاست داں جس کی ذکاوت وور طبعی اور سیاست دانی کو وقتاً فوقتاً الہام و وحی سے مدد ملتی رہتی تھی امت کو تعلیم دیتے تفرقہ کی اور تفرقہ بھی کیسا کہ دائمی اور اس تفرقہ کو نتیجہ کی رحمت کہے، عقل سلیم اس کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے۔ مستزاد برآں کہ یہ اتنا تو خطرناک یہ کلیہ قائم کیا گیا اور اس کے لئے کوئی حدود و قواعد نہیں مقرر کیے گئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کن امور کے اختلاف سے مطلب ہے دنیوی یا دینی؟ یا دونوں؟ اور پھر کس حد تک کا اختلاف رحمت ہے تفسیر آیات قرآنی میں اختلاف کریں۔ آیات محکمات کے معنی بتلانے میں اختلاف کریں۔ صفات باری تعالیٰ میں اختلاف کریں، وحدانیت کے لئے حدود مقرر کریں۔ کیا یہ سب اختلاف رحمت ہوگا۔ آپس میں ٹھیٹریں کھٹ وخون کریں، مسلمان بکثرت مارے جائیں، بچے یتیم ہوں۔ عورتیں بیوہ ہوں، زنا بڑھے کیا یہ سب رحمت خداوندی ہے۔ دین اسلام انسان سے خدا تک ایک صراط مستقیم قائم کرتا ہے دو نقطوں کے درمیان فقط ایک ہی صراط مستقیم قائم ہو سکتا ہے ذرا سا اختلاف صراط مستقیم سے ادھر ادھر کر دے گا۔ لہٰذا اختلاف رحمت نہ ہوا۔ یہ بات دوسری ہے کہ چھوٹے امور کا اختلاف شدید عذاب کا باعث نہ ہو۔ لیکن وہ موجب ثواب تو نہیں ہو سکتا۔ غرضکہ ایک ایسے غیر ذمہ دارانہ طریقے سے ایسے گمراہ کن الفاظ میں یہ کلیہ قائم کیا گیا ہے کہ عقل سلیم کا قطعی فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ یہ کلام رسولؐ نہیں ہے۔

(ب) کہیں یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہر ایک صحابی پیروی کے قابل ہو۔ پیروی کے قابل صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو کبھی غلط حکم نہ دے۔ غلط معانی قرآن نہ بتائے۔ جس کا کوئی حکم د

اختلاف امت رحمت نہیں ہو سکتا

عمل خلافِ شرع و خلافِ انصاف نہ ہو، ورنہ لازم آئے گا کہ اس حدیثِ نجوم کی رُو سے جنابِ رسولِ خدا نے گناہ و زیغ و ظلم کے اتباع کا حکم دیا جو قطعاً غلط ہے۔ یہ وہی بحث ہے جو اختصار کے ساتھ علامہ محمد معین بن محمد ابن سندی نے دراسات اللبیب میں تحریر کی ہے جو اُوپر نقل ہوئی ہے۔ غرضکہ حدیث نجوم اس صورت ہی میں مطابقِ عقل و نقل کے ہو سکتی ہے کہ جب ہم یہ ثابت کر سکیں کہ ہر ایک صحابی معصوم تھا اور اس کا کوئی دعویٰ بھی نہیں کرتا، ثابت کرنا تو کجا، حالت تو یہ تھی کہ بہت سے اصحاب صریحاً کبائر کے مرتکب ہوتے تھے۔ تاریخ و سیر کی کتابیں شاہد ہیں کہ بہت سے صحابیوں پر زنا اور شرب خمر کی حد جاری کرتے کرتے حضرت عمرؓ تھک گئے تھے ایسے بہت سے صحابیوں کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ سمرہ ابن جندب بہت شراب پیتے تھے اور شراب فروخت کر کے اس سے نفع بھی حاصل کرتے تھے۔ حضرت عمر نے بار بار ان کو روکا مگر وہ باز نہ آئے۔ ملاحظہ ہو۔ مسند شافعی عن ابن عباس، مسند احمد حنبل عن ابن عباس، صحیح بخاری باب الاذاب لحم المیتة ولا یباع، صحیح بخاری در باب ذکر عن بنی اسرائیل، صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ در باب التجارۃ فی الخمر، جامع الاصول ابن الاثیر جزری اور تفسیر لباب التاویل علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی المعروف بالخازن در تفسیر آیہ یسئلونک عن الخمر، امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں

ومن الوقت الذی نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن الربا فقال اوّل ربا اضعه ربا العباس ما ترك الناس باجمعهم كما لو يتركوا شرب الخمر و سائر المعاصی حتی روی ان بعض اصحاب النبی صلی الله علیه و سلم باع الخمر فقال عمر رضی الله عنه لعن الله فلانا هو اول من سن بیع الخمر۔

اس وقت سے کہ جب سے جناب رسول خدا نے سود سے لوگوں کو منع کیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلا سود جو میں ضائع کرتا ہوں وہ میرے چچا عباس کا سود ہے اس وقت سے لوگوں نے من حیث الجماعت سود کو نہیں چھوڑا جس طرح انہوں نے شراب پینے کو اور دیگر معاصی کو بھی نہیں چھوڑا یہاں تک کہ مروی ہے کہ جناب رسول خدا کے بعض اصحاب شراب کو فروخت کرتے تھے جس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ خدا فلاں صحابی پر لعنت کرے وہ پہلا شخص ہے جس نے شراب کی تجارت کی سنت جاری کی

علی المتقی کنز العمال میں لکھتے ہیں:۔

عن ابن عباس قال رایت عمر یقلب کفه وهو یقول قاتل الله سمرة عویمل

ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ کفِ افسوس مل رہے تھے اور

لنا بالعراق خلط فی فئ المسلمین عن الخمر والخنزیر فھی حرام وثمنھا حرام (عب ق) (ای اخرجہ عبدالرزاق فی مصنفہ والبیھقی فی سننہ)

کہہ رہے تھے کہ خدا سمرہ کو برباد کرے وہ ہمارا عامل عراق میں ہے اور اس نے مسلمانوں کی فئے میں شراب و سوئر کے گوشت کی قیمت ملا دی ہے۔ وہ دونوں حرام ہیں ان کی قیمت بھی حرام۔

بہت سے صحابی ایسے تھے جو جاہل محض تھے۔ اور بغیر سوچے سمجھے فتویٰ صادر کر دیتے تھے۔ اور وہ غلط ہو جاتے تھے چنانچہ ابو موسیٰ نے فتویٰ دیا کہ نبیذ سے وضو ساقط نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی شوہر کے مُنہ میں اپنی عورت کے پستان پر بوسہ دیتے وقت احیاناً اس عورت کا دودھ چلا جائے تو نکاح ساقط و باطل ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ مبسوط علامہ شمس الدین سرخسی موطای امام مالک۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں فتویٰ صادر کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا۔ تو اوّل قرآن شریف کی طرف رجوع کرتے اگر وہاں جواب نہ ملتا تو سنّت رسول خدا کی طرف رجوع کرتے، اور اگر وہ بھی نہ معلوم ہوتی تو جو اصحاب رسول موجود ہوتے ان سے مشورہ کرتے۔ حضرت عمر و حضرت عثمان نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا۔ ملاحظہ ہو ابن سعد طبقات الکبریٰ۔ ق ۲ ج ۲ ص ۱۰۵ زیر عنوان باب اہل العلم والفتویٰ من اصحاب رسول صلعم۔ اور عبدالسلام ندوی تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۲۸۔ یہ تو ناممکن ہے کہ کتاب اللہ جیسی جامع کتاب میں کسی مسئلہ کے لئے حکم نہ ہو یہ ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان بزرگواروں میں کتاب الہٰی میں سے اخذ احکام کرنے کی قابلیت نہ تھی۔ مولوی عبدالسلام صاحب نے اس اعتراض کو محسوس کیا اور اس کا اس غلط فقرہ سے جواب دیا کہ حضرت علی بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ یہ صریحاً غلط ہے۔ حضرت علی نے تو اس تقلید کی شرط کو قبول نہ کر کے حکومت پر لات ماردی تھی وہ کیوں حضرات شیخین کی تقلید کرتے کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ جو شخص سلونی عما شئتم قبل ان تفقدونی کی صلائے عام دے وہ سنّت بکری و عمری کی طرف رجوع کرے گا۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی بہت سے مسائل سے ناواقفیت کا تذکرہ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں کیا ہے۔ کنز العمال میں علی المتقی لکھتے ہیں کہ:۔

جاءت جدات الی ابی بکر فاعطی المیراث ام الام دون ام الاب فقال رجل یا خلیفہ رسول اللہ قد اعطیت المیراث التی لوانھا ماتت لم یرثھا فجعل ابو بکر

متوفی کی دادی و نانی حضرت ابوبکر کے پاس آن کر اس کی میراث کی طالب ہوئیں حضرت ابوبکر نے نانی کو میراث دیدی اور اس کی دادی کو نہ دی ایک شخص نے کہا کہ اے خلیفہ رسولؐ تم نے اس عورت کو میراث دیدی جو اگر خود مرجاتی تو اس کی میراث یہ شخص نہ پاتا اس

المیراث بینھما۔　　　پر حضرت ابوبکر نے وہ میراث دونوں پر تقسیم کر دی

کنز العمال الجزء السادس ۔ صفحہ ۶۔

خالد بن ولید

حضرت خالد بن ولید کو لو۔ مالک بن نویرہ کو اس بہانہ سے قتل کر دیا۔ کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔ اور پھر اسی رات کو اس کی عورت سے ہمبستری کر لی۔ یہ واقعہ ہم تاریخ ابی الفداء سے نقل کرتے ہیں

و فی ایام ابی بکر منعت بنو یربوع الزکوٰۃ وکان کبیرھم مالک بن نویرہ وکان ملکا فارسا مطاعا شاعر اقدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واسلم فولاہ صدقۃ قومہ فلما منع الزکوٰۃ ارسل ابوبکر الی مالک المذکور خالد ابن الولید فی مانعی الزکوٰۃ فقال مالک انا اٰتی الصلوٰۃ دون الزکوٰۃ فقال خالد اما علمت ان الصلوٰۃ والزکوٰۃ معاً لا تقبل واحدۃ دون الاخری فقال مالک قد کان صاحبکم یقول ذالک قال خالد اما تراہ لک صاحبا واللہ لقد ھممت ان اضرب عنقک ثم تجادلا فی الکلام فقال لہ خالد انی قاتلک فقال لہ او بذالک امرک صاحبک قال وھذہ بعد تلک وکان عبد اللہ بن عمر و ابو قتادہ الانصاری حاضرین فکلما خالدا فی امرہ فکرہ کلامھما فقال مالک یا خالد ابعثنا الی ابی بکر فیکون ھو الذی یحکم فینا فقال خالد لا اقالنی اللہ ان اقتلک وتقدم الی ضرار بن الازور بضرب عنقہ فالتفت مالک الی زوجتہ وقال لخالد ھذہ

حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بنو یربوع نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور ان کا بزرگ مالک بن نویرہ تھا وہ بڑا شاہسوار، قابل اطاعت شاعر بادشاہ تھا۔ جناب رسول خدا سے اس نے ملاقات کی تھی اور آپ نے اس کو اس کے ملک میں صدقات کا والی مقرر کر دیا تھا۔ جب اس نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو مالک کی طرف ابوبکر نے خالد بن ولید کو بھیجا مالک نے کہا کہ میں نماز پڑھتا ہوں ہاں زکوٰۃ ابوبکر کو نہ دوں گا۔ خالد نے کہا کہ کیا تمہیں جانتا صلوٰۃ و زکوٰۃ دونوں ساتھ قبول کی جاتی ہیں۔ مالک نے کہا کہ تمہارے صاحب نے یہ کہا تھا۔ خالد نے کہا کہ کیا وہ تیرے صاحب نہ تھے۔ قسم خدا کی میں تجھے قتل کر دوں گا۔ مالک نے کہا کہ کیا تمہارے صاحب یعنی ابوبکر نے تم کو میرے قتل کا حکم دیا ہے، عبد اللہ ابن عمر و ابو قتادہ انصاری بھی موجود تھے۔ ان دونوں نے مالک کے حق میں خالد سے گفتگو کی۔ خالد کو ان دونوں کی گفتگو بری معلوم ہوئی۔ مالک نے کہا کہ اے خالد ہم کو ابوبکر کے پاس بھیج دے اور وہ ہمارا فیصلہ کریں خالد نے کہا کہ خدا مجھے نہ چھوڑے اگر میں تجھ کو چھوڑوں اور ضرار ابن الازور کو خالد نے قتل کا حکم دیا پس مالک نے اپنی زوجہ کی طرف دیکھا اور خالد سے کہا کہ مجھے تو اس کی وجہ سے قتل کرتا ہے سو وہ

التی قتلتنی وکانت فی غایۃ الجمال فقال خالد بل اللہ قتلک برجوعک عن الاسلام فقال مالک انا علی الاسلام فقال خالد یا ضرار اضرب عنقہ فضرب عنقہ و قبض خالد امراءتہ......

وقال لہ ابن عمر نکتب الی ابی بکر و نعلمہ بامرھا وتتزوج بھا فابی و تزوجھا وفی ذلک یقول ابو نمیر السعدی۔

الا قل لحی اوطؤا بالسنابک
تطاول ھذا اللیل من بعد مالک
قضی خالد بغیا علیہ بعرسہ
وکان لہ فیھا ھوی قبل ذلک

ولما بلغ ذلک ابا بکر و عمر قال عمر لابی بکر ان خالدا قد زنی فارجمہ قال ما کنت ارجمہ فانہ تاول فاخطاء قال فانہ قد قتل مسلما فاقتلہ قال ما کنت اقتلہ فانہ تاول فاخطاء۔

کتاب المختصر فی اخبار البشر لابی الفداء الجزء الاول صفحہ ۱۵۸

عورت بہت حسین تھی خالد نے کہا کہ خدا نے تجھے اسلام سے پھر جانے کی وجہ سے قتل کیا مالک نے کہا کہ میں تو مسلمان ہوں۔ خالد نے ضرار سے کہا کہ اے ضرار اس کی گردن مار دے۔ پس ضرار نے اس کی گردن مار دی اور خالد نے اس کی عورت کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔

ابن عمر نے خالد سے کہا کہ ہم ابوبکر کو تزوج مالک کے معاملہ کی اور تیرا اس سے نکاح کرنے کے معاملہ کی اطلاع کرتے ہیں لیکن خالد نہ مانا اور فوراً اس عورت سے نکاح کر لیا۔ ابو نمیر سعدی نے اس معاملہ پر اشعار کہے ہیں۔

"قبیلہ والوں سے کہہ دو کہ وہ لوگ سنانوں سے کچلے گئے اور مالک کے بعد رات کی تاریکی بڑھ گئی
خالد نے اس کی عورت کی وجہ سے مالک کو قتل کرا دیا
اور واقعہ یہ ہے کہ خالد کو پہلے ہی سے اس عورت سے عشق تھا

جب ابوبکر و عمر کو یہ خبر پہنچی تو عمر نے ابوبکر سے کہا کہ بہ تحقیق خالد نے زنا کیا۔ اس کو سنگسار کرو۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں اس کو سنگسار نہ کروں گا کیونکہ بات تو اتنی ہے کہ اس نے قیاس کیا اور خطا کی حضرت عمر نے کہا کہ اس نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا اسے بھی قتل کرو حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں اس کو قتل نہ کروں گا اس نے قیاس کیا اور غلطی کی۔

یہ ہیں ہدایت کے ستارے، ان کے ہر ایک فعل کی پیروی کرو۔ ثواب بھی پاؤ۔ مزے بھی اڑاؤ۔ حالانکہ خالد ایسا ہی ایک فعل جناب رسول خدا کے زمانہ میں کر چکے تھے فتح مکہ کے بعد جناب رسول خدا نے خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا۔ خالد ان کی طرف گئے۔ بنو جذیمہ نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ خالد نے کہا کہ مسلمان ہو تو ہتھیار ڈال دو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ خالد نے ان کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا۔ جب جناب رسول خدا کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے دونوں ہاتھ آسمان

کی طرف اٹھا کر کہا کہ بار الٰہا میں بری الذمہ ہوں اس سے جو خالد نے کیا۔ پھر آنحضرتؐ نے حضرت علی کو بلایا اور ان کی معرفت بنو جذیمہ کے پاس دیت خون بھجوا دی تاریخ طبری الجزء الثالث صفحہ ۱۲۴

ایسی بہت سی مثالیں ہیں ان سب کو لکھنا باعث طوالت ہوگا۔ حضرت عائشہ کے متعلق جو قصہ افک ہے اس میں بہت سے صحابی حضرت عائشہ کو متہم کرتے تھے کیا وہ قابل تقلید تھے۔

بہت سے صحابی محض فاسق و فاجر تھے۔ جن کے فسق و فجور پر قرآن کریم شاہد ہے چنانچہ بالاتفاق امت آیات قرآنی اِذَا جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا اور اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ میں فاسق سے مراد ولید بن عقبہ بن ابی معیط الاموی ہے۔ جو ماں کی طرف سے حضرت عثمان کا بھائی تھا۔

ابن عبد البر:۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب بترجمہ ولید بن عقبہ۔

محمد بن طلحۃ الشافعی:۔ کتاب مطالب السؤل الباب الاول فصل السادس صفحہ ۲۰۔

واحدی۔ اسباب النزول۔ جلال الدین سیوطی:۔ کتاب الدر المنثور الجزء الخامس صفحہ ۱۰۸۔

ان حضرات کی خوش اعتقادی ملاحظہ ہو۔ اسی ولید بن عقبہ سے احادیث روایت کرتے ہیں اور اس کا ذکر رجال صحاح میں کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ تہذیب الکمال للمزی، الکاشف لذہبی اور تہذیب التہذیب و تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانی۔

سب سے پہلی جھوٹی شہادت جو اسلام میں دی گئی وہ بھی ان بزرگوار دل ہی نے دی تھی جب جنگ جمل کے لئے حضرت عائشہ لشکر لے کر لڑائی کے لئے چڑھی ہیں۔ تو راستے میں چشمہ حواب کے کتے آپ پر بھونکے۔ حضرت عائشہ نے دریافت کیا کہ یہ کون سی جگہ ہے لوگوں نے جواب دیا یہ چشمہ حواب ہے۔ یہ سن کر آپ گھبرا گئیں اور فرمانے لگیں کہ میرے لئے سوائے اسکے چارہ نہیں کہ میں واپس ہو جاؤں۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت اس اضطراب کا کیا سبب ہے حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ ایک دن جناب رسول خداؐ نے اپنی ازواج کو مخاطب کر کے فرمایا کہ گویا میں دیکھتا ہوں کہ تم میں سے ایک کے اوپر حواب کے کتے بھونک رہے ہیں۔ اے حمیرا خبردار! دیکھ وہ تو ہی نہ ہو، محمد ابن طلحہ صحابی نے کہا کہ یہ لوگ غلط کہتے ہیں یہ چشمہ حواب نہیں ہے۔ طلحہ و زبیر و عبد اللہ ابن زبیر اور دیگر صحابہ گواہی میں پیش ہوئے اور پچاس صحابیوں نے قسم کھا کر یہ جھوٹی گواہی دی اس واقعہ کے ثبوت کے لئے دیکھو کتاب مندرجہ ذیل۔

ابن قتیبہ:۔ کتاب الامامت والسیاست، ذکر واقعہ جمل صفحہ ۵۶ محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الخامس ذکر واقعہ جمل صفحہ ۱۷۱ ابن الاثیر:۔ تاریخ الکامل واقعہ جمل۔

ابن خلدون:۔ اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد چہارم ذکر واقعہ جمل صفحہ ۲۹۹۔

ابوالفداء:- تاریخ الجزء الاول ذکر حوادث سنہ ست وثلاثین صفحہ ۱۷۳-
الحاکم:- مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث صفحہ ۱۲۰-
ابن حجر مکی:- صواعق محرقہ، باب الثامن صفحہ ۷۱- تاریخ حبیب السیر:- جلد اول جزو چہارم صفحہ ۴۸-
روضۃ المناظر فی علم الاوائل والاواخر در وقائع سنہ ۳۶ ہجری۔
حبیب السیر میں طلحہ و زبیر اور ان کے پسران کی اس غلط بیانی کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-
"وعبداللہ ابن زبیر جمعے از اعراب را مبلغ گراں رشوت داد تا نزد ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا ادائے شہادت نمودند کہ ایں موضع دیگر است و حواب نیست واول گواہی دروغ کہ در اسلام واقع شد ایں شہادت بود" حبیب السیر جلد اول جزو چہارم صفحہ ۴۸۔
یہ حدیث موضوعہ احکام قرآنی اور اقوال مسلمہ نبوی کے خلاف ہے قرآن شریف کی تو یہ تعلیم ہے۔
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا۔ (پارہ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۱)
وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۞ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ (پارہ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۱)
وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ (پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۱)
فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (پارہ ۱۴ سورہ النحل ع ۶)
شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (پارہ ۲۵ سورۃ الشوریٰ ع ۲)
قرآن شریف تفرقہ واختلاف کی کتنی مذمت کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے تصریح فرما دی کہ یہ ہی حکم موسیٰ وعیسیٰ و ابراہیم کو دیا گیا تھا اور یہ ہی حکم تمہیں اے محمد دیا جاتا ہے کہ دین کو سیدھا رکھو اور اس میں تفرقہ واختلاف نہ پیدا کرو۔ اور اگر اے مسلمانو تم کو قرآن کی صحیح تاویل نہیں معلوم ہے تو اہل ذکر کی طرف رجوع کرو۔ قرآن شریف کی متشابہات کی صحیح تاویل صرف خدا اور راسخون فی العلم ہی جانتے ہیں۔ ہر ایک آدمی نہیں جانتا۔ ہر کس و ناکس کی طرف رجوع نہ کرو۔ کیا اب گمان ہو سکتا ہے کہ ان صریح احکام کی مخالفت کرتے ہوئے جناب رسول خدا نے حکم دیا کہ میرے ہر ایک صحابی کی پیروی سے ہدایت مل سکتی ہے۔ گویا ہر صحابی مکمل قرآن کی صحیح تاویل سے آگاہ ہے اور متشابہات کا بھی کامل علم رکھتا ہے اور ان کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے کوئی کسی صحابی کی پیروی کرے اور آپس میں خوب اختلافات پیدا ہوں اور یہی رحمت ہے۔
یہی نہیں کہ اس موضوعہ حدیث سے مخالفِ قرآن ہوتی ہے بلکہ یہ حدیث صحیح واقوالِ رسول ؐ

جاہ و مال کی دلآویزیوں میں پھنسا ہوا ہے جب ہی تو خداوند تعالیٰ کی خواہش کے خلاف اپنے داماد کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہے اور کوشش ہے کہ حکومت اس کے ہی خاندان میں استقرار پکڑ جائے۔ یہ اُن کے تخیل سے بالاتر بات تھی کہ کوئی شخص خواہ نبی ہی کیوں نہ ہو وہ معصوم ہو سکتا ہے یعنی ہر ایک گناہ اور ہر ایک صفت ذمیمہ سے بری ہو سکتا ہے یہاں تک کہ ان کے فقہ میں نبی کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے یعنی عصمت شرط نبوت نہیں معصوم کا جانشین عقلاً غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔ لہذا ضرورت پڑی کہ معصوم کو معصوم ہی نہ مانیں یعنی نبی کو معصوم نہ جانیں۔ پھر خیریت ہے۔ حضرت ابوبکر خلیفہ ہو سکتے ہیں۔ ان لوگوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر حضرت عمر نے نبوت کے متعلق ایک عجیب عقیدہ قائم کیا اور لوگوں میں پھیلایا۔ جس کا ذکر ہم حضرت عمر کی سیاسی تدابیر کے نیچے کریں گے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بغیر اس عقیدہ کے اختراع کئے ہوئے کامیابی ناممکن تھی۔

(۲) عربوں کی حبّ مال وجاہ اصلی عربی فطرت مثل اصلی عربی زبان کے بدّوؤں میں پائی جاتی ہے ہر ایک سیاح نے جو وہاں گیا ہے۔ ان کی اس صفت کو اپنے ذاتی تجربے سے بیان کیا ہے محض چند پیسوں کی خاطر کسی انسان کو قتل کر دینا ایک معمولی بات ہے ان کی یہ فطرت و عادت ہی رسم دختر کشی کا باعث ہوئی انہوں نے خیال کیا کہ لڑکے تو روپیہ کمائیں گے کاروبار دنیاوی میں مدد دیں گے۔ لیکن لڑکیاں محض بے فائدہ کا خرچ ہیں۔ ہم اس دعویٰ کی تصدیق میں قرآن شریف کی شہادت پیش کرتے ہیں وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی۔ جو قوم روپیہ کو اولاد سے زیادہ عزیز رکھے اور اس کی خاطر اپنی اولاد کو قتل کر دے۔ اس سے کیا بعید ہے کہ جناب رسولِ خدا کے حکم کو نظر انداز کر کے ادھر جائیں جہاں سے خوب مال و متاع و جاگیریں ملیں۔ جس نقطۂ نظر سے حضرت علی نے بیت المال کا روپیہ خرچ کیا اور جس فائدہ کو مدِّ نظر رکھ کہ حضرت عمر نے بیت المال کا روپیہ اور جاگیریں لوگوں میں تقسیم کیں ان میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ ان دونوں بزرگواروں کے مقصدِ سیاست میں فرق تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے اپنے ذاتی مفاد نے ان کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ حضرت علی کو خلیفہ نہ ہونے دیں کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ اگر علی خلیفہ ہو گئے تو وہ تو عادلانہ و مساوی طریقہ سے بیت المال کا روپیہ خرچ کریں گے۔ ان کے منظور نظر امیر نہیں ہوں گے بلکہ غریب ہوں گے۔ حضرت عمر نے کس طرح عربوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

(۳) فطرت کینہ پرور جو لوگ عربوں کی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ انکی ساری تاریخ کینہ و حسد کی ایک طویل داستان ہے کچھ عرب کی خاک ہی میں کینہ توزی کی تاثیر مضمر ہے۔ عرب کا خاص جانور اونٹ ہے اور شتر کینہ مشہور ہے۔ بنو بکر و بنو تغلب کی لڑائیوں سے لے کر ہسپانیہ و ایران کے عربوں کی خانہ جنگیوں تک اس ہی ایک صفت ذمیمہ کا منظر چلا آتا ہے۔ اکبر شاہ

کے بھی معارض ہے جناب رسولِ خدا کے مسلمہ اقوال ہیں کہ صرف میری عترت اور قرآن شریف ہی مل کر وہ حبل المتین ہیں جن کے ساتھ تمہیں تمسک کرنا چاہیئے۔ علی میرے شہر علم کا دروازہ ہے جو علم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ شخص اس دروازے کے ذریعے سے آئے۔ حدیثِ نجوم کہتی ہے کہ نہیں ہر ایک صحابی ہدایت کا سرچشمہ ہے جس صحابی سے چاہو علم و ہدایت حاصل کر سکتے ہو۔ ہر ایک حدیث کی کتاب اٹھا کر دیکھو۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، کنز العمال وغیرہ وغیرہ ہر ایک کتاب میں کتاب الفتن پاؤ گے۔ ہم نے صفحات ۴۱ ۲ لغایت ۴۸ حصہ اول طبع ثانی پر ان حدیثوں کو نقل کیا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت کی رحلت کے بعد بہت سے فتنے اٹھیں گے جن میں بہت سے اصحاب رسولِ خدا راہ عنقا اختیار کریں گے یہاں تک کہ جب قیامت کے دن حوض کوثر پر جناب رسولِ خدا موجود ہوں گے تو ان صحابیوں کو اس طرح حوض کے پاس سے ہنکا کر لے جائیں گے جس طرح اونٹ کو لے جاتے ہیں۔ جناب رسولِ خدا فرمائیں گے کہ یہ تو میرے اصحاب ہیں حکم ہوگا کہ تم کو نہیں معلوم تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا فتنے پیدا کیے اس پر جناب رسولِ خدا فرمائیں گے کہ دور کرو ان کو میرے پاس سے۔ اگر ہر ایک صحابی استعداد ہدایت و راہنمائی رکھتا ہے تو یہ صبح و شام کافر ہو جانا کیسا، اور حوض کوثر پر سے ذلت کے ساتھ ہنکایا جانا کیسا۔ اور پھر عشرہ مبشرہ کیسا۔ ہر ایک صحابی جنتی ہو گیا۔

سید شہاب الدین توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل میں لکھتے ہیں:۔

اتقوا اللّٰہ ایھا الناس حق تقاتہ و لا تموتن الا و انتم مسلمون واعلموا ان اللّٰہ بکل شیئٍ محیط وانہ سیکون من بعدی اقوام یکذبون علی فیقبل منھم معاذ اللّٰہ ان اقول علی اللّٰہ الا الحق او انطق بامر اللّٰہ الا الصدق ما امرکم الا ما امرنی بہ ولا ادعوکم الا الی اللّٰہ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون فقام الیہ عبادۃ بن الصامت فقال متی ذالک یا رسول اللّٰہ ومن ھؤلاء عرفناھم لنحذرھم قال اقوام استعدوا النا من یومھم

جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ اے لوگو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرتے دم تک مسلمان رہو اور جان لو کہ خداوند تعالےٰ سب شے کو محیط کیے ہوئے ہے معلوم کر لو کہ فوراً میرے بعد ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو میرے اوپر جھوٹ بولیں گے اور میری نسبت جھوٹی حدیثیں لوگوں میں بیان کریں گے اور وہ قبول کر لی جائیں گی۔ میں پناہ مانگتا ہوں خدا کی طرف اس بات سے کہ میں خدا کی طرف سے حق کے علاوہ کچھ اور کہوں یا تم کو ایسی بات کا حکم دوں جس کا خدا نے حکم نہیں دیا یا خدا کے سوا اور کی طرف تمہیں بلاؤں، عنقریب یہ ظالم لوگ

وسيظهرون لكم اذا بلغت النفس مني هٰهنا واومى صلى الله عليه وآله وسلم الى حلقه فقال عبادة اذا كان ذلك فالى من يا رسول الله فقال صلى الله عليه وآله وسلم عليكم بالسمع والطاعة للسابقين من عترتي والآخذين من نبوتي فانهم يصدونكم عن الغي ويدعونكم الى الخير وهم اهل الحق ومعادن الصدق يحيون فيكم الكتاب والسنة ويجنبونكم الالحاد والبدعة ويقمعون بالحق اهل الباطل لا يميلون مع الجاهل۔

معلوم کریں گے کہ ان کا رکیا حشر ہوتا ہے پس عبادہ بن صامت کھڑے ہو گئے اور سوال کیا کہ اے رسولِ خدا کب واقع ہو گا تاکہ ہم ان لوگوں کو پہچان لیں اور ان سے پرہیز کریں آپ نے فرمایا کہ یہ جماعت اپنے ظاہری اسلام لانے کے دن ہی سے اپنی تیاری میں مشغول ہے لیکن پوشیدہ طور سے ۔ تم پر وہ فوراً ظاہر ہو جائیں گے جب میرا سانس یہاں تک پہنچے گا اور آپ نے اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کیا۔ عبادہ بن صامت نے کہا کہ جب ایسا ہو تو ہم کیا کریں اور کس طرف پناہ لیں آپ نے فرمایا کہ میرے عترت میں سے سابقین (یعنی علی مرتضیٰ) کی طرف اور ان کی اطاعت کرو اور اُن کے قول کو مانو وہ میری نبوت کے آخذین ہیں وہ تم کو بدی سے بچائیں گے، خیر کی طرف لے جائیں گے وہ اہل حق ہیں معادن صدق ہیں، وہ تم میں کتاب و سنت کو زندہ کریں گے الحاد و بدعت سے تم کو بچائیں گے، اہل باطل کا قلع قمع کریں گے اور جاہلوں کی طرف رُخ نہیں کریں گے۔

کیسی صریح پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ ابھی آپ کی رحلت میں چند گھنٹے باقی تھے۔ جو آپ کو تحریر وصیت نامہ سے روکا گیا اور آپ کی نسبت کہا گیا کہ یہ تو ہذیان بک رہے ہیں۔ اس جماعت کی کوششیں سقیفہ بنی ساعدہ میں بارآور ہوئیں۔ تاریخ اسلام اپنے پہلے صفحے سے آخری صفحے تک ایک ہی ثبوت ہے اس امر کا کہ اختلاف صحابہ اسلام کے لئے رحمت نہیں بلکہ عذاب الٰہی ثابت ہوا۔

(۷) حدیثِ اقتدا

حدثنا وكيع عن سفيان عن عبد الملك بن عمير مولى لربعي بن خراش عن ربعي عن حذيفة قال كنا جلوسا عند النبي

(اسناد در زبان عربی میں ملاحظہ فرمائیے) حذیفہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے فرمایا۔ کہ میں نہیں جانتا کہ میری زندگی تمہارے درمیان

صلی اللہ علیہ وسلم فقال لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین بعدی واشار الی ابی بکر و عمر واھتدوا بھدی عمار وما حدثکم ابن مسعود من شیء فصدقوہ۔

ہیں اور کتنی ہے میرے بعد تم اُن کی پیروی کرنا اور آپ نے ابوبکر اور عمر کی طرف اشارہ کیا اور پھر فرمایا کہ پیروی کرو جس کی طرف عمار ہدایت کرے اور جو بات ابن مسعود کہے اس کی تصدیق کرو۔

دیکھا آپ نے اپنے متعلق تو پتہ نہیں کہ کب رحلت ہوگی۔ لیکن ابوبکر کے متعلق آنحضرتؐ کو یقین ہو گیا کہ آپ ان سے پہلے رحلت کریں گے حالانکہ حضرت ابوبکرؓ عمر میں آنحضرتؐ سے بڑے تھے یہ مرض الموت کے وقت کی حدیث نہیں ہے۔

اس حدیث کو امام احمد بن محمد حنبل الشیبانی نے اپنے مسند میں ترمذی نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے مگر ان سب کی اسناد میں عبدالملک بن عمیر واقع ہوا ہے جس کی خود امام احمد حنبل نے بہت زوردار الفاظ میں تضعیف کی ہے۔ علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال الجزء الثانی صفحہ ۱۵۱ میں سے ذیل کی عبارت عبدالملک بن عمیر کے متعلق ہم نقل کرتے ہیں۔

قال ابو حاتم لیس بحافظ تغیر حفظہ وقال احمد ضعیف یغلط وقال ابن معین مخلط وقال ابن خراش کان شعبۃ لا یرضاہ وذکر الکوسج عن احمد انہ ضعیف جداً۔

ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا امام احمد کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ابن معین کہتے ہیں کہ احادیث میں اختلاط کر دیتا ہے ابن خراش کہتے ہیں کہ شعبہ اس کا اعتبار نہیں کرتا تھا اور کوسج نے احمد سے نقل کیا ہے کہ وہ بہت ہی ضعیف ہے۔

علامہ ذہبی تہذیب التہذیب میں کہتے ہیں۔

عبدالملک بن عمیر بن سوید القرشی اللخمی ابو عمر ویقال ابو عمرو الکوفی بالقبطی قال علی بن الحسین الھمانی سمعت احمد بن حنبل یقول عبدالملک بن عمیر مضطرب الحدیث جداً مع قلۃ روایتہ ما اری لہ خمسمائۃ حدیث وقد غلط فی کثیر منھا۔

عبدالملک بن عمیر بن سوید القرشی ابو عمر۔ علی بن الحسین الہجانی کہتے ہیں کہ میں نے احمد حنبل کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ عبدالملک بن عمیر بہت ہی مضطرب الحدیث ہے حالانکہ اس کے پاس بہت ہی کم احادیث ہیں۔ میں نے پانچ صد سے زیادہ اس کے پاس احادیث نہیں دیکھیں لیکن ان میں بھی کثرت غلط حدیثوں کی ہے۔

عبدالملک بن عمیر

نیز ملاحظہ ہو ابن حجر عسقلانی در تہذیب التہذیب بترجمہ عبدالملک بن عمیر۔ عبدالغنی، کمال۔ سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ عبدالملک بن عمیر مدلس تھا یعنی تدلیس کرتا تھا۔

اس حدیث کے اسناد میں حذیفہ سے روایت کرنے والا ربعی بن خراش ہے اور یہ ثابت ہے کہ ربعی بن خراش نے حذیفہ سے سماعت حدیث نہیں کی۔ علامہ مناوی نے فیض القدیر میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

قال البزار ابن حزم لا یصح لانہ عبدالملک لم یسمعہ من ربعی وربعی لم یسمع من حذیفہ لکن لہ شاھد۔

ابن حزم اس حدیث کو غلط کہتے ہیں کیونکہ عبدالملک نے ربعی سے سماعت حدیث نہیں کی اور ربعی نے حذیفہ سے سماعت حدیث نہیں کی۔

اس حدیث کے ایک طریقہ اسناد میں سالم بن علاء مرادی بھی ہے اور وہ مجروح و مقدوح ہے علماء حدیث کی ایک جماعت نے جن میں سے ابن معین و نسائی ہیں اس کی تضعیف کی ہے۔ دیکھو میزان الاعتدال ذہبی، کاشف علامہ ذہبی، تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی اس کے اسناد میں عمرو بن حرم بھی ہے اور وہ بھی ضعیف و مجروح ہے۔ دیکھو میزان الاعتدال ذہبی الجزء الثانی صفحہ ۳۰۳ ترجمہ عمرو بن حرم۔

اس حدیث کو ابن مسعود سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کی تضعیف بھی کر دی گئی ہے۔ چنانچہ صحیح ترمذی میں ہے۔

حدثنا ابراھیم بن اسمعیل بن یحیی بن کھیل ثنا ابی عن ابیہ عن سلمہ بن کھیل عن ابی الزعراء عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر وعمر اھتدوا بھدی عمار وتمسکوا بعھد ابن مسعود ھذا حدیث غریب من ھذا الوجہ من حدیث ابن مسعود لا نعرفہ الا من الحدیث یحیی بن سلمہ بن کھیل ویحیی بن سلمہ بن کھیل ویحیی بن سلمی یضعف فی الحدیث وابوالزعراء

(اسماء رواۃ عربی میں ملاحظہ فرمائیے)
ابن مسعود سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ میرے بعد میرے اصحاب میں سے ابوبکر و عمر کی پیروی کرو۔ اور عمار کی ہدایت پر چلو اور ابن مسعود کے قول کے ساتھ تمسک کرو۔ لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ کیونکہ اس کو ابن مسعود کی روایت سے سوائے یحیی بن سلمی بن کہیل کے اور کسی ذریعہ سے نہیں جانتے اور علماء حدیث نے یحیی بن سلمی کی تضعیف کی ہے۔ اور ابوالزعرا کا نام عبداللہ بن ہانی ہے اور ابوالزعرا وہ ہے جس سے شعبہ و ثوری نے روایت

اسمه عبداللہ بن ھانی وابو الزعراؑ الذی روی عنه شعبة والثوری وابن عیینة اسمه عمرو بن عمرو وھو ابن الاخی ابی الاحوص صاحب ابن مسعود

کی ہے۔ اور ابن عیینہ کا نام عمرو بن عمرو ہے۔ اور وہ ابو الاحوص کے بھائی کا لڑکا ہے۔ یہ ابو الاحوص ابن مسعود کا مصاحب ہے۔

آپ نے دیکھا کہ خود ترمذی نے اس کی تضعیف کر دی۔ علامہ ذہبی مغنی میں کہتے ہیں۔ کہ ابراہیم بن اسمعیل بن یحیی بن سلمہ بن کہیل ضعیف ہے اور اس کو علماء حدیث نے ترک کر دیا ہے ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں بہت سے علماء کا قول لکھا ہے۔ جو ابراہیم بن اسمعیل کی تضعیف کرتے ہیں اور اس کو ترک کرتے ہیں۔

اسی طرح اسمٰعیل بن یحیی متروک اور مجروح ہے۔ دارقطنی اور ابن الجوزی کہتے ہیں۔ ہیں کہ متروک ومجروح ہے دیکھو میزان الاعتدال ذہبی وتہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی اور مغنی علامہ ذہبی۔

یحیی بن سلمہ بن کہیل بھی متروک ومجروح ہے۔ ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ذہبی الجزو الثالث صفحہ ۲۹۱ و کاشف ذہبی اور کمال عبد الغنی بن سعید۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ شیخین یعنی بخاری ومسلم نے اپنی اپنی صحیح میں اس حدیث کو روایت نہیں کیا اور اس کو ترک کر دیا ہے۔ علامہ ذہبی نے قطعی کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے دیکھو میزان الاعتدال الجزء الثانی صفحہ ۲۰۳۔

(۸) خذوا شطر دینکم عن ھذہ الحمیرا۔

اس کے جھوٹے اور موضوع ہونے کو خود علماء گروہ اہل حکومت نے تسلیم کیا ہے چنانچہ جمال الدین ابو الحجاج یوسف بن عبد الرحمٰن المزی اس کو منکر جانتے ہیں۔ جیسا کہ درر منتشرہ جلال الدین سیوطی و تمیز الطیب من الخبیث۔ عبد الرحمٰن شیبانی و تذکرۃ الموضوعات و مجمع البحار محمد طاہر فتنی ورسالہ موضوعات کبریٰ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری و شرح مواہب لدنیہ محمد بن عبد الباقی زرقانی و صبح صادق، نظام الدین سہالوی و فوائد مجموعہ شوکانی کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کتاب التقریر والتحبیر میں علامہ ابن امیر الحاج اس حدیث کی جرح وقدح کر کے لکھتے ہیں۔

قال الشیخ سراج الدین بن الملقن وقال الحافظ جمال الدین المزی لم اقف علی سند الی الآن بل قال

شیخ سراج الدین اور حافظ جمال الدین المزی کہتے ہیں کہ ہم اب تک اس حدیث کے اسناد سے واقف نہیں ہوئے بلکہ امر واقعہ تو یہ ہے جیسا

تاج الدین السبکی و کان شیخنا الحافظ ابو الحجاج المزی یقول کل حدیث فیہ لفظ الحمیرا لا اصل لہ الاحدیثاً واحداً فی النسائی۔

کہ حافظ جمال الدین المزی۔ تاج الدین السبکی اور ہمارے شیخ ابو الحجاج المزی کہتے ہیں ہر ایک حدیث جس میں لفظ حمیرا واقع ہے غلط ہے سوائے ایک حدیث کے جس کو نسائی نے نقل کیا ہے۔

علامہ سیوطی درر منتشرہ میں اس حدیث کی قدح میں نقلاً عن ابن کثیر کہتے ہیں:۔

وقال الشیخنا الذہبی ھو من الاحادیث الواھیۃ التی لا یعرف لھا اسنادٌ۔

یعنی ہمارے شیخ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ان واہیات اور بیہودہ احادیث میں سے ہے کہ جس کی کوئی اسناد ہی نہیں۔

علامہ ذہبی کی اس رائے کو رسالہ موضوعات کبری تصنیف ملا علی قاری وصبح صادق مولوی نظام الدین اور فواتح الرحموت مولوی عبد العلی میں قبول کیا گیا ہے اور دوہرایا گیا ہے۔ ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر القرشی المعروف با بن کثیر نے اپنی کتاب تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب میں اس حدیث کی تنقید کی ہے اور اسے موضوع ثابت کیا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی درر منتشرہ میں اس حدیث کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

وقال الحافظ عماد الدین بن کثیر فی تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب ھو حدیث غریب جداً بل ھو حدیث منکر سالت عنہ شیخنا الحافظ ابا الحجاج المزی فلم یعرفہ قال ولم اقف لہ علی سند الی الان وقال شیخنا الذہبی ھو من الاحادیث الواھیۃ لا یعرف لھا اسناد۔

عماد الدین بن کثیر اپنی کتاب تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے بلکہ بہت ہی منکر ہے میں نے اپنے شیخ ابو الحجاج مزی سے اس کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا اور نہ اس کے اسناد سے واقف ہوں اور ہمارے شیخ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ ان واہیات احادیث میں سے ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

علامہ شمس الدین سخاوی اپنی کتاب مقاصد حسنہ میں لکھتے ہیں:۔

حدیث خذوا شطر دینکم عن الحمیراء قال شیخنا فی تخریج ابن الحاجب من املائہ لا اعرف لہ اسناد ولا روایتہ فی شیئ من کتب الحدیث الا فی النہایۃ لابن الاثیر ذکرہ فی مادح م ر

حدیث خذوا شطر دینکم الخ ابن حجر کہتے ہیں کہ میں اس کے اسناد سے واقف نہیں اور نہ میں نے اس کو کسی حدیث کی کتاب میں سوائے نہایۃ الابن الاثیر کے دیکھا۔ ابن الاثیر نے نہایت میں اس کو

ولم يذكر من خرجه ورواية
ايضًا في كتاب الفردوس لكن بغير
لفظه و ذكره من حديث انس بغير
اسناد ايضاً و لفظه خذوا ثلث
دينكم من بيت الحميرا و بيض
له صاحب مسند الفردوس فلم
يخرج له اسنادًا وذكر الحافظ عماد
الدين بن كثير انه سئال الحافظين
المزي والذهبي عنه فلم يعرفاه۔

مادہ ح م ر کے نیچے ذکر کیا ہے۔
لیکن یہ نہیں لکھا کہ کس نے اس
حدیث کا اخراج کیا ہے اور حافظ
عماد الدین ابن کثیر کہتے ہیں
کہ میں نے مزی و ذہبی سے
اس حدیث کے متعلق
دریافت کیا ان دونوں
نے کہا کہ ہم اسکو
نہیں جانتے

رسالہ موضوعات کبریٰ میں ملا علی قاری نے صرف وہ احادیث لکھی ہیں جن کا موضوع ہونا متفق علیہ ہے۔ جن کے موضوع ہونے میں اختلاف ہے۔ ان کو نہیں لکھا اپنے اس اصول کا ذکر خود انہوں نے اس رسالہ میں کیا ہے۔ ہم موضوعات کبریٰ کی عبارت ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

حديث خذوا شطر دينكم عن
الحميراء وهي عائشة وتصغير الحمراء
بمعنى البيضاء على ما في النهاية و
الشطر النصف قال العسقلاني لا
اعرف له اسنادًا ولا رايته في شيءٍ
من كتب الحديث الا في النهاية لابن
الاثير ولم يذكر من خرجه وذكر
الحافظ عماد الدين ابن كثير انه سئال
المزي والذهبي فلم يعرفاه وذكره في
الفردوس بغير اسناد وبغير هذا اللفظ
ولفظه خذوا ثلث دينكم من بيت الحميراً
وبيض له صاحب المسند الفردوس و
لم يخرج له اسنادًا كذا ذكره السخاوي
وقال السيوطي لم اقف عليه وقال

حدیث خذوا شطر دینکم الخ حمیرا سے
مطلب عائشہ ہے اور الحمراء کی تصغیر ہے اس
کے معنی بیضاء یعنی سفید کے ہیں جیسا کہ نہایہ میں
درج ہے اور شطر کے معنی نصف کے ہیں۔ علامہ
ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد
معلوم نہیں ہیں اور نہ میں نے اس کو کسی حدیث
کی کتاب میں سوائے النہایہ ابن الاثیر کے دیکھا
ہے اور ابن الاثیر نے یہ نہیں لکھا کہ کس نے اس
حدیث کی تخریج کی ہے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر
لکھتے ہیں کہ میں نے مزی و ذہبی سے اس
حدیث کی نسبت دریافت کیا وہ دونوں اس
سے واقف نہیں تھے فردوس میں بھی اس کا ذکر
بغیر اسناد کے ہے اور وہاں الفاظ دیگر کے ساتھ
ہے اس کے یہ الفاظ ہیں اپنے دین کے تین حصے

الحافظ عماد الدین بن کثیر فی تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب غریب جدا بل ھو حدیث منکر سألت عنہ شیخنا الحافظ المزی فلم یعرفہ وقال لم اقف لہ علی سند الی الآن وقال شیخنا الذھبی ھو من الاحادیث الواھیۃ التی لا یعرف لھا اسناد انتھی لکن فی الفردوس من حدیث انس خذوا ثلث دینکم من بیت عائشۃ ولم یذکر لہ اسناداً۔

عائشہ کے گھر سے حاصل کرو۔ صاحب مسند نے بھی اس کی اسناد نہیں لکھیں اسی طرح سخاوی نے تنقید کی ہے اور علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ میں اس حدیث سے واقف نہیں اور حافظ عماد الدین بن کثیر تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے بلکہ بہت ہی منکر ہے میں نے اپنے شیخ حافظ مزی سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا اور ابتک اس کی اسناد مجھے معلوم نہیں اور ہمارے شیخ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ ان واہیات احادیث میں سے ہے کہ جنکے اسناد معلوم نہیں ہیں مسند فردوس میں یہ حدیث انس بن مالک سے مروی ہے لیکن اس نے بھی اسناد اس حدیث کے نہیں بیان کئے۔

اتنا لکھنے کے بعد علامہ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اگرچہ حدیث صحیح و قابلِ اعتبار نہیں ہے مگر اس کے معنی تو صحیح ہیں کیونکہ حضرت عائشہ واقعاً علمِ دین سے واقف تھیں لیکن یہ جواب غیر متعلق ہے۔ سوال یہ نہیں ہے کہ ملا علی قاری کی رائے میں حضرت عائشہ کے علمِ دین کا کیا درجہ ہے سوال تو یہ ہے کہ آیا جناب رسول خدا کی کیا رائے تھی اور آیا انہوں نے یہ حدیث بیان فرمائی یا نہیں اور بھی بہت سے صحابی ہوں گے جن کے متعلق ہم میں سے کوئی علیحدہ علیحدہ رائے رکھ سکتا ہے مگر یہاں ہماری رائے کا سوال نہیں اور اگر ہماری رائے کا سوال ہے تو حکم قرآن کے برخلاف گھر سے نکل کر خلیفہ جائز کے خلاف جنگ پر چڑھنا اور ہزاروں مسلمانوں کا خون کرانا علمِ دین کی زیادتی کی نشانی سمجھی جاتی ہے تو اس خوش اعتقادی کا علاج ہمارے پاس نہیں ہے۔

محمد بن عبد الباقی زرقانی شرح مواہب لدنیہ قسطلانی میں تحریر کرتے ہیں

واما حدیث خذوا شطر دینکم عن ھذہ الحمیراء المذکور فی النھایۃ بلا عزو وحدیث خذوا ثلث دینکم من بیت الحمیراء المذکور فی الفردوس بلا اسناد و بیض ولدہ لسندہ فذکر الحافظ ابن کثیر انہ سأل عنہ المزی والذھبی فلم یعرفاہ وکذا قال الحافظ یعنی ابن حجر فی تخریج ابن الحاجب لا اعرف لہ سندا (شرح زرقانی علی مواہب لدنیہ قسطلانی۔ الجزء الثالث صفحہ ۲۳۳۔ در ذکر عائشہ ام المومنین)

ترجمہ:۔ الفاظ تقریباً وہی ہیں جن کا ترجمہ اوپر گذر چکا ہے۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اس حدیث

کا ماخذ نہایہ ابن الاثیر ہے۔

غرض کہ اس حدیث کی حقیقت بس اتنی ہوئی کہ صرف ابن الاثیر کی النہایۃ میں "ح-م-ر" مادہ کے نیچے بغیر اسناد کے درج ہے اور وہاں سے سب نے اس کو نقل کر لیا۔ علامہ شوکانی نے فوائد مجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں اس حدیث کی تضعیف کی ہے۔

ملاحظہ ہو۔ حدیث انا مدینۃ العلم و علیؓ بابہا کے مقابلہ میں ایک حدیث کس طرح وضع کی جاتی ہے اور وضع کرنے والا کون ہے وہ جو کذاب تسلیم کر لیا گیا ہے۔

قال احمد المرهادی لما ظهر لاصحابنا کذب اسمٰعیل ابن علی بن الحسن بن بندار احضروا جمیع ما کتبوا عنه وشققوه وسموابه بین یدیه وکان علی یتکلم علی الناس عند باب بیت المقدس وکان حمد هذا امام قبة الصخرة وکان مرة یعظ بدمشق فقام الیه رجل فقال ایها الشیخ ما تقول فی قوله علیه السلام انا مدینة العلم وعلی بابها فاطرق لحظة ثم رفع راسه وقال نعم لا یعرف هذا الحدیث علی التمام الا من کان صدقا فی الاسلام انما الحدیث انا مدینة العلم وابوبکر اساسها وعمر حیطانها وعثمان سقفها وعلی بابها فاستحسن الحاضرون ذلك وهو یردده ثم سالوه ان یخرج لهم اسناده فانعم ولم یخرجه لهم ثم بعد مدة وجد هذا الحدیث فی جزء یعنی اخترع له اسنادًا واودعه ذلك الجزء۔

حمد المرهادی کہتا ہے کہ جب اسمٰعیل کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر ہوا تو جتنی احادیث انہوں نے اس سے تحریر کی تھیں سب کو ایک جگہ جمع کر کے اس کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا یہ اسوقت بیت المقدس کے دروازے کے پاس وعظ کر رہا تھا یہ احمد الرہادی امام قبۃ صخرا تھا ایک دفعہ اسمٰعیل دمشق میں وعظ کر رہا تھا کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے سوال کیا کہ حدیث اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا کی نسبت تم کیا کہتے ہو اسمٰعیل نے کچھ دیر کے لئے تو اپنا سر جھکا لیا، اور پھر سر اٹھایا اور کہا کہ ہاں۔ لیکن یہ مکمل حدیث نہیں ہے اصلی حدیث یہ ہے کہ میں علم کا شہر ہوں، ابوبکر اس کی بنیاد ہے۔ عمر اس کی دیواریں ہے اور عثمان اس کی چھت ہے اور علی اس کا دروازہ ہے جو لوگ موجود تھے انہوں نے اس کو پسند کیا اور اسمٰعیل بار بار اسکو دہراتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کے راویان کون ہیں۔ کہا بتاتا ہوں لیکن بتا نہ سکا مدت کے بعد اس کی ایک کتاب میں یہ حدیث لکھی ہوئی دیکھی گئی اور اس میں اس نے اس کے راویوں کے نام اپنے دل سے اختراع کر لئے تھے۔

ابوالقاسم علی بن الحسن ہبۃ اللہ المعروف ابن عساکر: التاریخ الکبیر حصۃ تہذیب المجلد۔

الثالث ترجمہ اسمٰعیل بن علی بن الحسن بن بندار ص ۳۵ -

اسمٰعیل بن علی بن الحسن بن بندار اس حدیث کا وضع کرنے والا ہے - یہ شخص جھوٹی احادیث وضع کرنے کا عادی تھا - لوگوں نے اس کی موضوعہ حدیثوں کا پلندہ اس کے سامنے جلا دیا - کھڑے کھڑے یہ حدیث وضع کی - اس وقت راویوں کے نام جلدی میں نہ گھڑ سکا - یہ بعد کا کام ہے اور حدیث کیسی بھونڈی ہے - شہر کیا ہوا ؛ مکان ہوا ؛ ظاہر ہے کہ کافر لوگ تو نبی کے علم کی دیواریں اور بنیادیں نہیں ہو سکتیں جب تک کہ عمر ایمان نہ لائے ، یہ شہر بغیر دیواروں کے رہا - لیکن اس پر سقف پہلے بغیر دیواروں کے چڑھائی گئی - کیونکہ عثمان ایمان لے آئے تھے قبل اس کے کہ عمر ایمان لائیں - جن دیواروں نے اس شہر کا احاطہ کیا ہوا تھا - وہ ایسی تھیں کہ لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَكَ عُمَرُ - یہ اچھا علم ہے اور جب بقول حضرت ابوبکر ان پر شیطان چڑھتا تھا - تو پھر تو نبوت کے علم کے شہر کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہوں گی نہ گھے بوجھوں تو مرے -

(۹) لو کان بعدی نبیٌّ لکان عمر - اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر ہوتے -

عقلاً یہ حدیث قطعاً بے معنی ہے - اور نقلاً غلط محض - یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت عمر آنحضرت کی بعثت کے کئی سال بعد ایمان لائے - اس وقت جبکہ بہت سے کفار مسلمان ہو چکے تھے - اور اس دین کی ترقی اور آئندہ کی وجاہت لوگوں پر آشکارا ہو چکی تھی - اتنے عرصہ تک آپ کافر ہی رہے اور اس سے پہلے ساری عمر کفر ہی میں گذاری تھی - ہم نے تو کسی نبی کو نہیں دیکھا یا سُنا کہ اپنی عمر کے کسی حصہ میں سوائے خدا کے کسی کی پرستش کی ہو - باوجود بت پرستوں بلکہ بت تراشوں کے گھر میں پیدا ہونے کے حضرت ابراہیمؑ نے کبھی بت پرستی نہیں کی بلکہ خدا سے کفر کبھی نہیں کیا - النبی نبیٌّ ولو کان صبیاً - نبیوں کو جھولے میں تبلیغ رسالت وحدانیت کرتے سُنا ہے - کسی نبی کی مثال نہیں پیش کی جا سکتی جو اپنی عمر کے کسی حصہ میں کافر رہا ہو برعکس اس کے گروہ حکومت آنحضرتؐ سے حضرت عمر کی نبوّت کی شہادت دلاتے ہیں - اگر یہ حدیث صحیح تھی تو سقیفہ بنی ساعدہ کے معرکے میں کیوں نہ پیش کی گئی - اس کے بعد جب حضرت علی نے اپنے حق خلافت اور افضلیّت کی دلائل پیش کیں تو حضرات شیخین کیوں سر بگریباں ہو کر خاموش ہو گئے - کیوں اس حدیث کو پیش نہ کیا - ان سب باتوں کو جانے دو - مثیل نبی کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر کو کیوں خلافت پیش کی گئی - حضرت ابوبکر کی شان میں جو موضوعہ احادیث ہیں ان سے بھی یہ معارض ہے - بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو کچھ خدا نے میرے سینے میں ڈالا تھا وہ سب کا سب جوں کا توں میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا ساری نبوت تو حضرت ابوبکر کے سینہ میں پڑ گئی - اب حضرت عمر کے لئے کیا رہا - ایک اور حدیث آپ

نجیب آبادی اپنی تاریخ اسلام جلد اوّل کے صفحہ ۲۴ پر لکھتے ہیں کہ عربوں کے کینہ کی یہ حالت تھی کہ اگر کبھی قاتل یا دشمن پر اس کی زندگی میں دسترس نہ حاصل ہو سکتی تو اس کے ناکردہ گناہ بیٹوں پوتوں اور رشتہ داروں سے بدلہ لیتے تھے۔ اگر سبب عداوت یاد نہ رہے تو عداوت پھر بھی یاد رہتی تھی۔

یہ ظاہر ہے کہ جناب رسول خداؐ کے اعلان رسالت نے تمام قریش بلکہ تمام عرب کو بنو ہاشم سے بدظن کردیا۔ آپ کی لڑائیوں نے سب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ اور آپ کی کامیابی نے اس عداوت میں حسد کی آمیزش کر دی۔ یہ ہم اچھی طرح واضح کر چکے ہیں کہ آنحضرت کی تمام بڑی لڑائیاں جن پر اسلام کی ہستی کا دار و مدار تھا محض حضرت علی نے فتح کی ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر علی نہ ہوتے تو یہ لڑائیاں مسلمانوں سے فتح نہ ہوتیں اور رنگ ہی دوسرا ہو جاتا۔ حضرت علی نے ہر ایک قبیلہ کے متعدد سرداروں کو قتل کیا تھا اور ہر ایک قبیلہ کے دل میں ذوالفقار کے گھاؤ پڑے ہوئے تھے جن کو وہ کبھی نہ بھولے اور نہ بھول سکتے تھے۔ وہ لوگ جو محض آنحضرت کی کامیابی سے مجبور ہو کر مسلمان ہوئے تھے اور دل میں اپنے آباؤ اجداد کے خداؤں کی توہین و تحقیر دیکھ کر جلے جاتے تھے۔ کب حضرت علی سے خوش رہ سکتے تھے۔ اس امر واقعہ کا ثبوت کہ اسلام لانے کے بعد بھی ان کے دلوں سے یہ بغض و کینے نہیں نکلے بہت آسان ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے اپنی تاریخ الکامل میں صاف طور سے اس کا ذکر کیا ہے۔

قال عبد الله ابن زبیر کنت مع ابی بالیرموك وانا صبی لا اقاتل فلما اقتل الناس نظرت الی ناس علی تل لا یقاتلون فرکبت وذهبت الیهم واذا ابوسفیان بن حرب ومشیخة من قریش من مهاجرة الفتح فراء ونی حدثا فلم یتقونی قال فجعلوا والله اذا مالت المسلمون ورکبتهم الروم یقولون ایه بنی اصفر فاذا مالت الروم ورکبتهم المسلمون قالوا ویح بنی اصفر فلما هزم الروم اخبرت ابی فضحك فقال قاتلهم الله ابوا الا ضغناء لنحن خیر لهم من الروم۔

عبد اللہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ جنگ یرموک میں میں اپنے باپ کے ساتھ تھا جب لڑائی شروع ہوئی تو میں نے چند لوگوں کو ایک ٹیلے پر دیکھا۔ کہ وہ کھڑے ہیں اور لڑائی میں شریک نہیں ہوتے میں گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہاں ابوسفیان اور چند بزرگان قریش تھے چونکہ میں کمسن تھا کسی نے میری پرواہ نہ کی اور کھلم کھلا باتیں کرنے لگے میں نے دیکھا کہ جب روم والے مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے تو وہ خوش ہوتے تھے اور ان کی تعریف کرتے تھے اور جب مسلمان رومیوں پر حملہ کرتے تھے تو یہ لوگ کہتے تھے ہائے ہائے روم والے جب اہل روم شکست کھا کر بھاگے تو میں نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنے باپ کیا وہ ہنسے اور کہا کہ خدا انکو غارت کرے ان کے دلوں سے کینے نہیں جاتے حالانکہ ہم ان کے لئے رومیوں سے بہتر تھے

سن چکے ہیں۔ میں اور ابوبکر میدانِ نبوت میں دو گھوڑے تھے۔ میں دوڑ کر آگے نکل گیا۔ ابوبکر رہ گئے ایک ثابت شدہ امر واقعہ ہم قضیۂ امامت کے ضمن میں سنا چکے ہیں۔ غلطی سے حضرت عمر امامت نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو آنحضرتؐ کو بہت شاق گذرا اور فرمایا کہ خدا و مومنین انکار کرتے ہیں۔ کہ عمر امامتِ نماز کریں۔ غرضکہ احادیث کی فیکٹری میں یہ کون یاد رکھنے کی تکلیف گوارا کرے کہ اس سے پہلے کیا بن چکا ہے ایسے لوگوں کا حافظہ نباشد۔

حدیثِ نبوت عمری کے اسناد بھی مجروح و مقدوح ہیں یہ حدیث عام طور سے عقبہ بن عامر سے بذریعہ مشرح بن ہاعان بیان کی جاتی ہے۔ صحیح ترمذی کی عبارت یہ ہے:۔

حدثنا سلمه بن شبيب نا المقرى عن حياة بن شريح عن بكر بن عمرو عن مشرح بن هاعان عن عقبه بن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو كان بعدى نبى لكان عمر۔

(راویوں کے نام عربی عبارت میں ملاحظہ ہوں) عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔

مشرح بن ہاعان سخت مجروح ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:۔

قال ابن حبان يكنى ابا مصعب يروى عن عقبه مناكير لا يتابع عليها۔

ابنِ حبان کہتے ہیں کہ مشرح بن ہاعان کی کنیت ابومصعب تھی عقبہ سے جھوٹی احادیث روایت کرتا ہے جس پر مطلق اعتبار نہ کرنا چاہیے۔

و ذكره العقيلى فما زاد فى اكثر من ان قيل انه ممن جاء مع الحجاج الى مكه و نصب المنجنيق على الكعبة۔

عقیلی نے بھی اس کا ذکر ان ہی الفاظ میں کیا ہے صرف یہ زیادہ کیا ہے کہ مشرح بن ہاعان ان لوگوں میں سے تھا جو حجاج کے ساتھ آئے تھے اور جنہوں نے کعبۂ مقدس کو منہدم کرنے کے لئے منجنیق چڑھائی تھی۔

میزان الاعتدال الجزء الثالث صفحہ ۱۷۲

ابن الجوزی کتاب الضعفاء میں لکھتے ہیں:۔

مشرح بن هاعان المعافرى المصرى لا يحتج به۔

یعنی مشرح بن ہاعان اعتبار کے قابل نہیں ہے اور دلیل کی بنا اس کی مروی احادیث پر نہیں رکھی جا سکتی

اور نیز ابن الجوزی کتاب الموضوعات میں ایک اور حدیث کی قدح کرتے ہوئے جو حضرت عمر کی تعریف میں اسی مشرح بن ہاعان سے مروی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

قال ابن حبان انقلبت على مشرح

ابن حبان کہتے ہیں کہ مشرح بن ہاعان کی بیان

صحائفه فبطل الاحتجاج به　　کردہ احادیث پر اعتبار کرنا باطل ہے۔

بکر بن عمر المعافری جو مشرح سے روایت کرتا ہے وہ بھی مجروح اور مقدوح ہے چنانچہ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں بکر بن عمر المعافری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

وقال ابو عبید الله الحاکم ینظر فی امرہ　　حاکم کہتے ہیں کہ اس کے امر میں تامل کرنا چاہیئے۔

یہ ہی عبارت ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں لکھی ہے۔

طبرانی نے معجم کبیر میں اس خبر موضوعہ کو بروایت عصمہ بن مالک نقل کیا ہے مگر اس کے اسناد بھی ضعیف ہیں اور نا قابل اعتبار ہیں۔ علامہ عبد الرؤف مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں

لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب اخبر عما لم یکن لو کان کیف یکون وفیه ابانته عن فضل ما جعله الله لعمر من اوصاف الانبیاءُ وخلال المرسلین حم ت ك عن عقبه بن عامر الجهنی۔ طب عن عصمة بن مالك واسناد ضعیفه۔

لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب عقلاً درست نہیں۔ خداوند تعالیٰ نے حضرت عمر میں انبیاء کے اوصاف رکھے۔ امام احمد۔ ترمذی و حاکم نے عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے اور طبرانی نے عصمت بن مالک سے روایت کی ہے۔ لیکن اس کے اسناد ضعیف ہیں۔

نیز علامہ مناوی فیض القدیر شرح جامع صغیر میں سیوطی کے قول عن عصمة بن مالك کے بعد لکھتے ہیں:۔

قال البیهقی وفیه الفضل بن مختار وهو ضعیف۔

بیہقی کہتے ہیں کہ اس کے اسناد میں فضل بن مختار ہے اور وہ ضعیف ہے۔

فضل بن مختار کے متروک و کاذب ہونے پر علماء حدیث کا اتفاق ہے علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:۔

الفضل بن المختار ابو سهل البصری عن ابن ابی ذئب وغیره قال ابو حاتم احادیثه منکرة یحدث بالاباطیل وقال الازدی منکر الحدیث جداً وقال ابن عدی احادیثه منکرة عامتها لا یتابع علیها۔

فضل بن مختار ابو سہل البصری روایت حدیث ابن ابی ذئب وغیرہ سے کرتا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ فضل بن مختار کی احادیث منکر ہوتی ہیں اور وہ جھوٹی احادیث بیان کرتا ہے ازدی کہتے ہیں کہ یہ بہت ہی منکر الحدیث ہے اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی سب احادیث بہت ہی منکر ہوتی ہیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو قبول نہ کرنا چاہیئے

بکر بن عمر المعافری

فضل بن مختار

فضل بن المختار عن ابان عن انس مرفوعاً قال لابی بکر ما اطیب مالک منہ بلال موذنی و ناقتی کان انظر الیک علی باب الجنۃ تشفع لامتی فھذہ اباطیل و عجائب۔ میزان الاعتدال الجزء الثانی ترجمۃ الفضل بن المغازص ۳۳۲

فضل بن مختار نے ابان سے اور اس نے انس سے مرفوعاً بیان کیا کہ فرمایا جناب رسولِ خدا نے ابوبکر سے کہ اے ابابکر تمہارا مال کیسا طیب و مطہر ہے اس مال نے میرے لئے بلال موذن و ناقہ حاصل کیا اس کے علاوہ یہ گویا میں دیکھتا ہوں کہ تم دروازہ جنت پر میری امت کی شفاعت کر رہے ہو۔ یہ روایت باطل و دروغ محض ہے اور خلافِ عقل ہے۔

ابن الجوزی نے کتاب الضعفاء میں اور علامہ سیوطی نے ذیل اللآلی مصنوعہ میں فضل بن مختار کے متعلق یہی لکھا ہے۔

ایسی ہی اور بہت سی واہی و لغو و فضول احادیث وضع کی گئی ہیں مثلاً حضرت عائشہ سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ پس جمع کیا اللہ نے میرا لعاب دہن جناب رسولِ خدا کے لعاب دہن مبارک کے ساتھ ان کی دنیا کے آخری اور عقبیٰ کے اول روز آنحضرت نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے مسواک اپنے منہ میں چبا کر دو تاکہ مجھ پر موت آسان ہو یا سعد بن عبادہ سے مرسل حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا بہ تحقیق دیکھیں میں نے دونوں ہتھیلیاں عائشہ کی جنت میں تاکہ آسان ہو جائے میرے اوپر موت۔ گویا حضرت عائشہ کی دونوں ہتھیلیاں جو جنت میں آپ نے دیکھیں تو آپ کے دل میں اس وجہ سے جنت جانے کا شوق بڑھ گیا اور موت آسان ہو گئی ورنہ دنیا چھوڑنی بہت مشکل معلوم ہوتی۔ خدا کے دیدار میں معاذاللہ اتنی جاذبیت نہ تھی جتنی حضرت عائشہ کی ہتھیلیوں میں اور پہلی حدیث لعاب دہن والی تو ماشاء اللہ نور علی نور ہے۔ جتنا زیادہ اس پر انسان غور کرتا ہے۔ عیسائیوں اور آریوں کے اعتراضات آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں اور اب پھر دوہراتے ہیں کہ واضعین حدیث کے دو مقصد تھے۔ ایک تو یہ کہ حضرت علی و اہل بیت رسول کے مقابلہ میں ان حکام و والیان ریاست کے فضائل میں احادیث وضع کی جائیں جنہوں نے حضرت علی کو نظر انداز کر کے خود زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی تاکہ وہ اس عہدے کے لائق سمجھے جائیں۔ دوسرے یہ کہ ایسی احادیث وضع کی جائیں جن سے حضرت علی کی تنقیص شان ہوتی ہو تاکہ ان کے حقوق لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نہ آویں اور ان پر پردہ پڑ جائے۔ یہاں دونوں اقسام کی احادیث کا ذکر کر چکے ہیں یہاں اپنی رائے کی تائید میں ایک سنی عالم کی عبارت لکھتے ہیں علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ الجزء الرابع صفحہ ۳۵۸ میں زیر شرح کلام امیر علیہ السلام اما انہ سیظھر علیکم بعدی بحوالہ جعفر اسکافی تحریر کرتے ہیں۔

ان معاویہ وضع قوماً من الصحابۃ

بہ تحقیق کہ معاویہ نے ایک جماعت صحابہ میں سے

وقوما من التابعين على رواية اخبار
قبيحة في علي عليه السلام تقتضي
الطعن فيه والبراءة منه و
جعل لهم على ذلك جعلا يرغب
في مثله فاختلقوا ما ارضاه
منهم ابو هريرة وعمرو بن
العاص والمغيرة بن شعبة و
من التابعين عروة بن الزبير
روى الزهري ان عروة بن الزبير
حدثه قال حدثتني عائشة
قالت كنت عند رسول الله
اذ اقبل العباس وعلي فقال يا
عائشة ان هذين يموتان
على غير ملتي او قال ديني و
روى عبد الرزاق عن معمر
قال كان عند الزهري حديثان
عروة عن عائشة في علي
عليه السلام فسألته عنهما
يوما فقال ما تصنع بهما وبحديثهما
الله اعلم بهما اني لا تهمهما في
بني هاشم قال فاما الحديث الاول
فقد ذكرناه واما الحديث الثاني
فهو ان عروة زعم ان عائشة
حدثته قالت كنت عند النبي
صلى الله عليه وآله وسلم اذا
قبل العباس وعلي فقال يا عائشة
ان سرك ان تنظري الى رجلين

اور ایک جماعت تابعین میں سے اس غرض کے
لئے قائم کر رکھی تھی کہ وہ حضرت علی علیہ السلام
کے متعلق قبیح روایات واحادیث وضع کیا کریں
اور وہ روایات ایسی ہوں کہ جن سے حضرت علی پر
طعن عائد ہو اور ان سے لوگ بیزاری کرنے لگیں۔
اور ان لوگوں کے واسطے ان کی اس خدمت روایت
سازی کے عوض میں وظیفے مقرر کر دئے تھے۔
پس ان لوگوں نے ایسی احادیث و روایات ایجاد
کیں جن سے معاویہ خوش ہوا اور وہ اس کی طبیعت
کے موافق ہوں اس جماعت واضعین احادیث
میں صحابہ میں سے ابوہریرہ وعمرو بن العاص۔
المغیرہ بن شعبہ تھے اور تابعین میں سے عروۃ بن
الزبیر تھا۔ زہری نے عروہ سے ایک روایت
بیان کی ہے کہ کہا عروہ نے کہ مجھ سے عائشہ
نے کہا کہ میں جناب رسول خدا کے پاس بیٹھی
ہوئی تھی کہ اتنے میں عباس وعلی آئے جناب
رسول خدا نے فرمایا کہ اے عائشہ یہ دونوں یعنی عباس
وعلی (معاذ اللہ خاکم بدہن) مرتد ہو کر مریں گے ۔اور
عبد الرزاق نے معمر سے روایت کی ہے معمر
نے کہا کہ زہری کے پاس عروہ سے عائشہ کی بیان
کی ہوئی حضرت علی کی دو حدیثیں تھیں پس میں
نے زہری سے ایک دن وہ دونوں حدیثیں دریافت
کیں ۔اس نے جواب دیا کہ تم ان دونوں سے یعنی
عروہ وعائشہ سے اور ان کی حدیثوں سے کیا کرو گے
خداوند تعالے ان دونوں کے حالات بہتر جانتا ہے
پھر زہری نے ایک حدیث بیان کی وہ وہی ہے
جو اوپر لکھی گئی ،دوسری حدیث یہ ہے کہ عروہ کا

من اہل النار فانظری الی ہذین قد طلعا فنظرت فاذا العباس و علی بن ابی طالب و اما عمرو بن العاص فروی فیہ الحدیث الذی اخرجہ البخاری و مسلم فی صحیحہما مسندا متصلا بعمرو بن العاص قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یقول ان آل ابی طالب لیسوا لی باولیاء انما ولی اللہ و صالح المومنین و اما ابو ہریرہ فروی عنہ الحدیث الذی معناہ ان علیا علیہ السلام خطب ابنتہ ابی جہل فی حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسخطہ فخطب علی المنبر وقال لا واللہ لا تجتمع ابنۃ ولی اللہ وابنتہ عدو اللہ ابی جہل ان فاطمہ بضعۃ منی یوذینی ما یؤذیہا فان کان علی یرید ابنتہ ابی جہل فلیفارق ابنتی ولیفعل ما یرید او کلاما ہذا معناہ والحدیث مشہور من روایۃ الکرابلیسی قلت ہذا الحدیث ایضا مخرج فی صحیحی مسلم والبخاری عن المسور بن مخرمۃ الزہری وقد ذکرہ المرتضی فی کتابہ المسمی تنزیہ الانبیاء والائمۃ وذکر انہ روایتہ حسین الکرابیسی وانہ مشہور

گمان ہے کہ عائشہ نے اس سے بیان کیا کہ میں جناب رسول خدا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ اتنے میں عباس و علی آئے پس جناب رسولخدا نے مجھ سے کہا کہ اے عائشہ اگر تو چاہتی ہے کہ اہل النار میں سے دو آدمیوں کو دیکھے تو دیکھ تو ان دونوں کی طرف (معاذ اللہ) اتنے میں وہ دونوں آگئے اور میں نے نظر اٹھا کے دیکھا تو وہ علی و عباس تھے۔ اور عمرو بن العاص (کا حصہ ان احادیث کے وضع کرنے میں) تو عمرو بن العاص سے ایک حدیث مروی ہے جس کو مسلم و بخاری نے اپنی صحیح میں عمرو بن العاص سے روایت کی ہے کہا عمرو بن العاص نے کہ بہ تحقیق میں نے سُنا جناب رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے کہ آلِ ابی طالب (جن میں حسنین علیہما السلام شامل ہیں) میرے دوست نہیں ہیں۔ میرے دوست تو خدا اور صالح مومنین ہیں (علی تو معاذ اللہ فاجر تھے) اور ابوہریرہ (کا حصہ حدیث سازی میں) تو پس اس سے ایک حدیث مروی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت علی نے بنت ابوجہل سے حیاتِ رسول خدا میں خطبہ نکاح کا ارادہ کیا اس سے جناب رسول خدا بہت ناراض ہوئے آپ اس ہی حالت میں منبر پر تشریف لےگئے اور فرمایا کہ ہرگز نہیں واللہ خدا کے دوست کی لڑکی اور خدا کے دشمن کی لڑکی ایک جگہ جمع نہیں ہونگی فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جو شے اسکو ایذا پہنچاتی ہے وہ مجھے ایذا پہنچاتی ہے اگر علی کا ارادہ بنت ابی جہل سے نکاح کرنیکا ہے تو میری لڑکی کو طلاق دیدے اور پھر جو چاہے کرے یہ حدیث کرابیسی سے مشہور ہے اور صحیح مسلم و بخاری میں

بالانحراف من اهل البيت عليهم السلام و عداوتهم والمناصبة فلا تقبل روايته۔

مسور بن مخرمہ سے بھی مروی ہے۔ سید مرتضیٰ نے اپنی کتاب تنزیہ للانبیاء والائمہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث حسین الکرابیسی سے مروی ہے اور حسین الکرابیسی

اہل بیت رسول سے منحرف تھا اور ان کی عداوت میں مشہور تھا پس اس کی روایت قبول نہیں کی جا سکتی۔

دیکھا آپ نے علامہ ابن الحدید گروہ حکومت کے بہت بڑے علماء میں سے ہیں۔ کیا کیا ناممکن باتیں حضرت علی کی تنقیص شان کے لئے بیان کی جاتی ہیں جس کی تلوار پر اسلام کی زندگی کا انحصار تھا۔ وہ معاذاللہ دوزخی تھا۔ حضرت فاطمہ کو جن لوگوں نے واقعی ایذا دی تھی اور ایسی ایذا دی تھی کہ مرتے دم تک آپ نے ان کی شکل نہیں دیکھی ان کے گناہ پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ روایت وضع کی گئی کہ حضرت علی نے بنت ابوجہل سے نکاح کرنا چاہا تھا۔ ایک دشمنِ خدا کی لڑکی سے نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی اور معاذاللہ کیا حضرت فاطمہ شرع سے ناواقف تھیں کہ خدا نے تو ایک مسلمان مرد کو چار عورتیں ایک دفعہ اپنی زوجیت میں رکھنے کی اجازت دی مگر وہ دوسری عورت کی وجہ سے ناراض ہو جاتیں اور جناب رسول خدا کو منبر پر جا کر علی الاعلان اس بات کے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ حضرت علی سے علیحدہ خلوت ہی میں کہہ دیتے تو وہ نہ مان جاتے وہ اگر دشمنِ خدا کی لڑکی تھی لیکن خود تو مسلمان تھی۔ بہت سے دشمن خدا تھے جو مسلمان ہونے کے بعد خلافت کے عہدے تک پہنچ گئے۔ یہ خود تو دشمن خدا نہ تھی دشمن خدا کی لڑکی تھی۔ باپ کے اعمال کی سزا بیٹی کو تو نہیں ملنی چاہیئے۔ خود ہی جو آنحضرتؐ نے ایک دشمنِ خدا یعنی ابوسفیان کی لڑکی سے شادی کر رکھی تھی۔ حضرت علی کی تنقیصِ شان تو مطلب تھا۔ لیکن تنقیص شان ہو گئی جناب رسولِ خدا کی اور خاتون جنت کی گویا وہ بزرگوار اس بات سے ناراض ہوئے جس سے شرعاً ناراض نہ ہونا چاہیئے تھا۔ اور جو شرعاً حضرت علی کا حق تھا۔ واضعینِ حدیث کے اس ناجائز عمل سے یہ ظاہر ہوا کہ جو بات خداوند تعالےٰ نے حضرت علی کے لئے حلال کی تھی وہ ان بزرگواروں نے حرام کر دی۔ معاذاللہ اس باطل حدیث کی حقیقت ہم نے بہت تفصیل سے اپنی کتاب سیرۃ فاطمۃ الزہرا میں ظاہر کی ہے

یہ دعوے ہم نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں کہ ہم نے تمام مصنوعی احادیث یہاں جمع کر دیں اس کے لئے تو ایک دفتر چاہیئے۔ لیکن ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ حکام وقت کو خوش کرنے اور ان کے استحقاق خلافت کے ثابت کرنے کے لئے

لوگوں نے احادیث وضع کیں اور اس

کارکردگی کے لئے ان کو انعامات

دئے گئے۔ اور ہر طرح سے ان

کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

باب سیزدہم [۱۳]

تدبیر پنجدہم۔ حضرت علیؑ کے القاب خصوصی پر قبضہ کرنا

تحریر کی ترتیب کے مطابق اس کو تدبیر ہشت دہم ہونا چاہیئے تھا۔ مگر ہم تدبیروں کا نمبر شمار اس کتاب کے صفحہ ۵۶ پر مقرر کر چکے ہیں اور اب اس کے ہی مطابق لکھ رہے ہیں۔

جناب رسولِ خداؐ نے حضرت علی کے بہت سے جامع و بلیغ القاب مقرر فرما دے تھے۔ جو حضرت علی کی بے شمار صفات کو ایک مختصر لفظ یا جملہ میں آشکارا کر دیتے تھے۔ اور بوجہ جامعیت و بلاغت کے لوگوں کے دلوں پر اثر بھی ہوتا تھا اور آسانی سے یاد بھی رہتے تھے۔ جماعت اہلِ حکومت کے لئے اس ہی قسم کے دیگر القاب کارکنان حکومت کے حق میں ایجاد کرنا تو کہاں ممکن تھا یہ ہی آسان طریقہ ان کے ہاتھ لگا کہ وہی القاب اُلٹ پلٹ کر انہوں نے اپنے سرداروں کے لئے رسولؐ خدا کی طرف منسوب کر کے مشہور کر دئے۔ ہم باب نہم میں ثابت کر چکے ہیں کہ صدیق اکبر، فاروق امت امیر المومنین، خلیفہ رسول، جناب علی مرتضیٰ کے بلشمار القابوں میں سے چند القاب ہیں۔ دیکھو صفحات ۴۴۴ لغایت ۴۶۲ البلاغ المبین حصہ اوّل طبع سوم۔ جماعت اہلِ حکومت نے کہا کہ ہم کیوں پیچھے رہیں، لگے وہ القاب اپنی حکومت کے سرداروں کو عطا کرنے۔ تاکہ لوگ مغالطہ میں پڑ جائیں کچھ مغالطے میں پڑے۔ کچھ خدا کے بندے اصل مطلب کو سمجھ گئے۔

باب چہاردہم [۱۴]

تدبیر ہشت دہم جمع قرآن

سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا جناب رسول خداؐ نے جمع قرآن کی طرف توجہ کی یا اس کو بھی بقول سواد اعظم خلافت کی طرح امت کے رحم پر چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آنحضرت نے اپنی امت کو بتایا کہ قرآن شریف کتاب اللہ ہے تا قیام قیامت دنیا میں باقی رہنے والا ہے۔ خود خداوند تعالےٰ نے فرمایا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ ہم نے قرآن شریف کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ آنحضرت نے اس کو کتاب اللہ کے نام سے یاد کیا ہے۔ فرمایا کہ کتاب اللہ اور میری عترت تک ساتھ رہیں گے۔ آپ اس کو اپنی نبوت و رسالت

کا معجزہ فرمایا کرتے تھے۔ قرآن نے دعویٰ کیا کہ یہ لوگ لاکھ کوشش کریں میری جیسی ایک سورۃ بھی نہیں لا سکتے۔ دعوے تو اتنے بڑے اور حالت یہ کہ اس کو جمع کرنے کی طرف توجہ تک نہ کی اور لوگوں کے سینوں میں چھوڑ کر رحلت فرمائی۔ در آنحالیکہ آپ کو معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ کی انجیل کتاب کی صورت میں موجود ہے اور لوگ اس کے حوالے دیتے ہیں۔ قرآن شریف میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ موجودہ انجیل محرف ہے لیکن ہے تو کتاب کی صورت میں اور محض لوگوں کے سینوں میں چھوڑ دینے سے تو تحریف کا امکان کئی گنا ہو جاتا ہے اور اس کا بالکل ضائع ہونا بھی آخر کار یقینی ہوتا ہے عقل سلیم اس کو باور کرنے سے انکار کرتی ہے۔ خلافت کی طرح قرآن شریف کے متعلق بھی امت دو جماعتوں میں منقسم ہو گئی۔ علماء شیعہ کا قول ہے کہ قرآن شریف کے جمع کرنے کی طرف جناب رسول خدا نے شروع ہی سے توجہ کی تھی۔ حضرت علی کے پاس اس کو جمع کرتے جاتے تھے اور امت کو مطلع کرتے رہتے تھے کہ قرآن علی کے پاس ہے۔ یہ قرآن اور میری عترت قیامت تک ساتھ رہیں گے جو قرآن کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ علی کے پاس آئے۔

سواد اعظم کے علماء کا قول ہے کہ آنحضرتؐ نے جمع قرآن کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کی۔ صرف آیات و سور کی ترتیب آپ لوگوں کو بتا دیتے تھے (کتاب تاریخ فقہ اسلامی عبدالسلام ندوی صفحہ ۱۵۷) خلافت کی طرح جمع قرآن کا انتظام بھی حضرت عمرؓ ہی نے کیا۔ جنگ یمامہ میں جب بہت سے حفاظ قتل ہو گئے تو حضرت عمر کو خیال آیا کہ اس طرح تو قرآن ضائع ہو جائے گا۔ آپ نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ قرآن شریف کو جمع کرائیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔

مولوی عبدالسلام ندوی اپنی کتاب تاریخ فقہ اسلامی کے صفحہ ۱۵۰ پر لکھتے ہیں:۔

"آیات و سور کی جو ترتیب ہوتی تھی۔ رسول اللہ خود ان کو بتا دیتے تھے۔ مگر رسول اللہ کی وفات کے زمانہ تک قرآن مجید ایک مصحف میں جمع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ حفاظ قرآن کے سینوں، کاتبان وحی اور دوسرے کاتبوں کے صحیفوں میں محفوظ تھا"

اگر آیات اور سورتوں کی ترتیب یعنی قرآن شریف میں ان کا محل وقوع ہی جناب رسول خدا نے مقرر کر دیا تو پھر جمع قرآن میں باقی کیا رہ گیا۔

اب ہم عقائد و روایات سواد اعظم کا تذکرہ کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے:۔

حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل عن ابراہیم بن سعد حدثنا ابن شہاب عن عبید بن سباق ان زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ قال ارسل الی ابو بکر

(راویوں کے نام عربی ملاحظہ کیجیے) زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ مجھے ایک دن جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابوبکر نے بلایا۔ میں پہنچا تو عمر بھی ان کے پاس تھے۔ حضرت ابوبکر نے مجھ

مقتل اهل اليمامه فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابوبكر رضى الله عنه ان عمر اتانى فقال ان القتل قد استحر يوم اليمامه بقراء القران وانى اخشى ان يستحر القتل بالقراء بالمواطن فيذهب كثير من القران وانى ارى ان تامر بجمع القران قلت لعمر كيف تفعل شيئاً لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم قال عمر هذا والله خير فلم يزل عمر يراجعنى حتى شرح الله صدرى لذالك ورايت فى ذالك الذى راى عمر قال زيد قال ابوبكر انك رجل شاب عاقل لا نتهمك قد كنت تكتب الوحى لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتتبع القران فاجمعه فوالله لو كلفونى نقل جبل من الجبال ما كان اثقل على مما امرنى به من جمع القران قلت كيف تفعلون شيئاً لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم قال هو والله خير فلم يزل ابوبكر يراجعنى حتى شرح الله صدرى للذى شرح له صدر ابوبكر وعمر رضى الله عنهما فتتبعت القران اجمعه من العسب والنخلات وصدور الرجال حتى وجدت اخر سورة التوبة مع ابى خزيمة الانصارى لم اجدها مع احد غيره لقد

سے کہا کہ عمر نے مجھ سے آن کر بیان کیا - کہ جنگ یمامہ میں بکثرت حفاظ قرآن قتل ہوئے ہیں - مجھے ڈر ہے کہ اگر اسی طرح لڑائیوں میں حفاظ قتل ہوتے گئے تو قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا - میں چاہتا ہوں کہ تم قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دو - اس پر میں نے عمر سے کہا کہ تم وہ بات کیونکر کرو گے جو رسول خدا نے نہیں کی - عمر نے جواب دیا - نہیں - یہ کار نیک ہے اور عمر اسی طرح بار بار مجھ کو سمجھاتے رہے - یہاں تک کہ خداوند تعالے نے میرے سینہ کو اس کے لئے کھول دیا - اور میں نے بھی وہی رائے قائم کر لی - جو عمر کی تھی - زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ پھر ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ تم نوجوان عاقل ہو - ہم تم میں کوئی قابل الزام عیب نہیں پاتے - اور تم رسول خدا کے کاتب وحی رہے ہو - بس اب قرآن کو ڈھونڈو جہاں بھی ہو وہاں سے نکالو اور جمع کرو - زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر وہ لوگ مجھے پہاڑ کو اپنی جگہ سے سرکانے کو کہتے تو وہ مجھ کو ان کے ارشاد جمع قرآن سے گراں نہ ہوتا - میں نے کہا کہ تم لوگ وہ کام کیوں کرتے ہو جو جناب رسول خدا نے نہیں کیا - حضرت ابوبکر نے کہا کہ نہیں یہ کار خیر ہے ابوبکر مجھ کو بار بار سمجھاتے رہے یہاں تک کہ خدا نے میرا سینہ بھی اس بات کے لئے اسی طرح کھول دیا جس طرح ابوبکر و عمر کا کھولا تھا - پس میں نے قرآن شریف کو تلاش کر کے کھجور کی شاخوں پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے اکٹھا کر کے جمع کرنا

جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَتّٰى خاتمة براءة فكانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاه الله ثم عند عمر حیاته ثم عند حفصه بنت عمر رضی الله عنه

شروع کیا۔ یہاں تک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھ کو ابو خزیمہ انصاری سے ملا۔ انکے علاوہ میں نے اسکو کسی دوسرے کے یہاں نہ پایا۔ لقد جاءکم رسولٌ آخر سورہ توبہ تک یہ صحیفہ تادمِ وفات حضرت ابوبکر کے پاس رہا۔ اس کے بعد حضرت عمر کے پاس ان کی زندگی تک رہا۔ پھر حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔

ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری :۔ صحیح بخاری۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب جمع القرآن۔ الجزء الثالث صفحہ ۱۵۰؛ عبدالسلام ندوی:۔ تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۱۵۷۔۱۵۸؛ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء، حالات ابوبکر، ذکر جمع القرآن۔ حافظ ابو عمر یوسف المعروف ابن عبدالبر کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمۂ زید بن ثابت؛ الجزء الاول۔ صفحہ ۱۹۴۔

دیکھئے قرآن مجید جمع کرنے میں کتنی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ جب جنابِ رسولِ خدا کے احکام سے اعراض کر کے اصلی ہادیانِ دین کو چھوڑ کر غلط رہنماؤں کی پیروی کی جاتی ہے تو اس کے یہی نتیجے ہوتے ہیں اس عبارت پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل واقعات کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ نہ تو حضرت زید ابن ثابت کے پاس اور نہ ان کے پاس جنہوں نے اپنے تئیں خلیفہ وجانشین کہلانا پسند کیا تھا۔ اور نہ ان کے دستِ راست حضرت عمر کے پاس مکمل قرآن موجود تھا۔ زید ابن ثابت کو ہر کس و ناکس کے پیچھے دوڑنا پڑا۔ اور قرآن شریف کی آیات جمع کی گئیں۔ جانشین رسول کی پہلی علامت یہ ہے کہ اس کے پاس رسول کی مکمل کتاب موجود ہو لیکن ان کے پاس نہیں تھی۔ لہذا ثابت ہوا کہ وہ اصلی جانشین رسولؐ نہ تھے۔

۲۔ حضرت زید ابن ثابت نے قرآن شریف کی آیتوں کی تلاش میں ہر طرف چھان بین کی لیکن حضرت علی کی طرف نہ گئے کیونکہ یہ حضرت علی کی مخالف پارٹی میں تھے اس سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف جمع کرنے کا شوق سیاسی مصالح پر مبنی تھا۔ مذہب کی محبت اس کی بنیاد نہ تھی۔

۳۔ سورہ توبہ کا آخری حصہ فقط ایک آدمی کے پاس ملا۔ کسی اور کے پاس نہ تھا۔ کیا ثبوت تھا کہ یہ قرآن کا حصہ تھا۔ اس کی تصدیق تو کسی اور سے ہوئی نہیں۔ صرف ابو خزیمہ انصاری نے سورہ توبہ کو اس طرح لکھا ہوا تھا۔ معمولی باتوں کے لئے تو حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ و حضرت علیؑ تک کی گواہی غلط سمجھی اور مزید گواہ طلب کئے۔ جمع قرآن میں اتنی بے احتیاطی کہ کسی اور سے اس کی تصدیق بھی نہ کرائی۔

۴۔ اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنابِ رسولِ خدا نے قرآن شریف جمع نہیں کیا تھا۔

ہم ایک واقعہ درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ اسلام لانے کے بعد بھی جہاد کے مقتولین کی وجہ سے جو بغض و کینے دل میں بیٹھ گئے تھے وہ نہیں نکلے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ حضرت عمر کس طرح اس دشمنی سے اپنے مقصد کے حصول میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال لسعید بن العاص و مرّ بہ انّی اراك كان فی نفسك شيئًا اراك تظنّ انی قتلت اباك انی لو قتلته لم اعتذر اليك من قتله و لكنی قتلت خالی العاص بن هشام بن المغيره فاما ابوك فانی مررت به و هو يبحث بحث الثور بروقه فحدت عنه و قصد له ابن عمه علیؑ فقتله

سیرۃ ابن ہشام الجزء الثانی صفحہ ۲۷۷

ایک دن حضرت عمر راہ میں سعید بن العاص سے ملے اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دل میں میری طرف سے بغض بھرا ہوا ہے میرا خیال ہے کہ تم گمان کرتے ہو کہ میں نے ہی تمہارے باپ کو قتل کیا ہے۔ اگر میں نے ان کو قتل بھی کیا ہوتا تو میں اس کی معذرت تم سے نہ کرتا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ میں نے تو اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تھا اور تمہارے باپ کے پاس سے میں گزرا تھا تو میں نے دیکھا کہ وہ بیل کی طرح پڑا ہوا اپنے خون میں لوٹ رہا تھا مگر اس کے ابن عم علی ابن ابی طالب اس کی طرف آئے اور اس کو قتل کر ڈالا۔

یہ ہے حضرت عمر کی سیاست کا نمونہ، اور زیرکی کا نقشہ۔ پہلے تو یہ کہہ دیا کہ اگر میں قتل کرتا تو معذرت نہ کرتا۔ تاکہ اس کو یقین آجائے کہ اب جو یہ انکار کر رہے ہیں وہ درست ہے۔ پھر اس کے غم و غصہ کا رخ کس خوبی کے ساتھ حضرت علی کی طرف کر دیا۔ اور عمداً ایسا کیا اور مرنے والے کا ایسا نقشہ کھینچا کہ اس کے دل میں وہ غصہ اور زیادہ تیز و شدید ہو جائے کہ دیکھو علی نے میرے باپ کو کیسی بے کسی، اور بے لسبی کی حالت میں قتل کیا۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ ہر بڑی لڑائی کے بعد جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد تو ہزاروں کافروں نے ظاہرا لباسِ اسلام پہن لیا۔ جنگ خیبر اور دیگر یہودیوں کی لڑائی کے بعد بہت سے یہودی بظاہر مسلمان ہو گئے۔ یہ بھی ان کی ایک سیاسی چال تھی جس میں وہ کامیاب ہو گئے۔ جب دیکھا کہ اسلام کو تلوار سے زک نہیں دے سکتے تو مکر و فریب کے ذریعے سے تخریب اسلام کے درپے ہو گئے یہ لوگ کبھی نہیں بھولے اور نہ بھول سکتے تھے کہ صرف حضرت علی ہی ان کے بیخ و بن کے اکھیڑنے والے ہیں۔ اب انہوں نے یہ چال چلی کہ مخالفین علی سے مل گئے اور ایسے ملے کہ شیر و شکر ہو گئے۔ کیونکہ مخالفت علی دونوں میں جزو مشترک تھا۔ اس کا ذکر تفصیل سے آگے آئے گا۔

(۴) قبیلانہ رشک وحسد اور عصبیت

عرب کی اس زمانے کی تہذیب بنی نوع انسان

۵۔ جس طریقہ سے زید بن ثابت نے یہ قرآن جمع کیا اس سے غلطی و کمی بیشی کا احتمال بلکہ یقینی ہوسکتا ہے لوگوں کے حافظہ کے اوپر اعتبار کیا گیا، خبر نہیں کس کس سے پوچھا۔ وہ کس سیاسی عقائد کے لوگ تھے۔ چونکہ اس غرض کے لئے بنو ہاشم کی طرف رجوع نہیں کیا۔ لہٰذا اس سے صاف عیاں ہے کہ جمع قرآن سیاسی عقائد کی بناء پر تھی۔ اس طرح حضرت علی کا نام نکل جانا معمولی سی بات تھی اور چونکہ یہ حکومت کے نظریہ کے مطابق تھا۔ لہٰذا اس کا واقع ہونا یقینی ہوگیا۔

۶۔ جمع قرآن بھی صرف حضرت عمر ہی کی تجویز تھی۔ نام تو یہ کیا کہ حفاظ قتل ہو جائیں گے۔ اصلی وجہ اور تھی۔

۷۔ حضرت عمر نے جس سے اس کا ذکر کیا۔ اس نے اس کو جناب رسول خداؐ کے طرز عمل کے مخالف سمجھا مگر بعد ہی جب حضرت عمر نے سیاسی نیچ اونچ دکھایا۔ تو شرح صدر ہوگیا۔

۸ اس سے ثابت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے کم سے کم حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کو قرآن شریف جمع کرنے کی ہدایت نہیں فرمائی تھی اور نہ ان کے ذمے یہ فرض لگایا تھا۔ اور نہ ان کے پاس مکمل قرآن ہی موجود تھا۔ لہٰذا وہ جانشین رسول نہیں ہوسکتے تھے۔

۹۔ زید ابن ثابت میں قابلیت و اہلیت قرآن جمع کرنے کی نہ تھی چنانچہ وہ اس کام کو پہاڑ کے سرکانے سے بھی زیادہ مشکل سمجھتے تھے۔ ۲ہجری میں ان کی عمر گیارہ سال کی تھی (الاستیعاب ترجمہ زید ابن ثابت صفحہ ۱۹۴) اور یہ جمع قرآن کا حکم ۱۱ہجری میں جنگ یمامہ کے زمانہ میں ہوا۔ گویا اس وقت ۲۲ سال کے بچے تھے۔ ان کی کمئ سن کی وجہ سے آنحضرتؐ نے ان کو جنگ بدر میں لڑائی کی اجازت نہ دی۔ ان بزرگوں کا منطق بھی کسی اصول پر مبنی نہیں ہوتا کہتے ہیں کہ جناب ابوبکر و عمر سن میں حضرت علی سے بڑے تھے۔ لہٰذا صغیر سنی کی وجہ سے حضرت علی کو نظر انداز ہی ہونا چاہیئے تھا۔ مگر اب ایک بچے کو جمع قرآن کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ اور اب اس کی صغر سنی اس کے لئے کچھ مانع نہیں ہے۔ زید ابن ثابت تو اپنے تئیں اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے، اصرار کرکے ان کے ذمے یہ فرض لگایا جاتا ہے۔ حضرت علی جو بہانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ پوچھ لو جو مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو۔ کتاب اللہ کے متعلق پوچھ لو۔ قسم بخدا کوئی آیت ایسی نہیں کہ جس کی نسبت مجھے یہ نہ معلوم ہو کہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو۔ میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر، نرم زمین پر نازل ہوئی یا پتھریلی پر (صفحہ ۵۹، ۷، حصہ اول) جناب رسول خداؐ آخر وقت تک یہی کہتے رہے کہ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ میرے اہل بیت جن کے رأس رئیس یہ علی ہیں اور کتاب اللہ یہ ایک دوسرے سے قیامت تک جدا نہ ہونگے۔ اگر تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو قیامت تک گمراہ نہ ہوگے ایسے شخص کی طرف تو جمع قرآن کے لئے

رجوع نہیں کیا۔ منتخب کس کو کیا جاتا ہے ایک بائیس برس کے نوجوان کو، بہانہ کے طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ کاتب وحی تھا۔ کاتب وحی تو وہ شخص بھی تھا جو بعد میں مرتد ہو گیا اور جناب رسول خدا نے مدینہ سے جلا وطن کر دیا۔ زید ابن ثابت ایسے کاتب وحی تھے کہ خود ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ دوسروں ہی سے مانگ مانگ کر پیوند سازی کی اور کاتب وحی ہونا ہی خاص باعث فضیلت تھا۔ تو حضرت علی بھی کاتب وحی تھے زید ابن ثابت تو اس وقت بچوں سے گلیوں میں کھیل رہے تھے جب قرآن شریف کا بہت بڑا حصہ نازل ہو چکا تھا اور جناب علی مرتضیٰ زیر تربیت رسول علم قرآن اس وقت اخذ کر رہے تھے۔ قرآن کا مکی حصہ ۱۹/۳۰ ہے اور مدنی حصہ ۱۱/۳۰ ہے۔ قیام مکہ میں قرآن شریف کے نازل ہونے کی مدت بارہ سال پانچ مہینے تیرہ دن ہے۔ مدینہ میں نزول قرآن کا زمانہ نو سال نو مہینے اور نو دن ہے (عبدالسلام ندوی، تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۶) جب آنحضرتؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے اس وقت زید ابن ثابت کی عمر گیارہ سال تھی اور خاص ذہانت و ذکاوت کے مالک بھی نہ تھے۔ تعجب اور ہزار تعجب ہے۔ کہ ایسے لڑکے کو اس کام پر مقرر کیا جاتا ہے اور حضرت علی کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا۔ صرف یہی ایک بات اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ قرآن شریف کے جمع کرنے میں سیاسی تجاویز مرکوز تھیں۔ اس کا تعلق امداد مذہب سے نہ تھا۔

۱۰۔ علامہ ابن عبدالبر نے بتا دیا کہ زید ابن ثابت کو کیوں منتخب کیا گیا۔ وہ کہتے ہیں:۔

قال ابو عمر رحمه الله كان عثمان يحب زيد ابن ثابت وكان زيد عثمانيا ولم يكن فيمن شهد شيئاً من مشاهد علي مع الانصار۔

حضرت عثمان کو زید ابن ثابت سے بہت محبت تھی اور زید حضرت عثمان کی پارٹی میں تھا۔ اور وہ حضرت علی کے ساتھ ایک لڑائی میں بھی شامل نہ ہوا۔

(حافظ ابو عمر یوسف المعروف بابن عبدالبر۔ کتاب الاستیعاب الجزء الاول۔
ترجمہ زید ابن ثابت صفحہ ۱۹۴)

نیز ملاحظہ ہو۔ عبدالسلام ندوی، تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۱۹۲)

جب زید ابن ثابت کو مجبوراً یہ پہاڑ اٹھانا پڑا تو انہوں نے سب سے پہلے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے جتنا بھی قرآن ان کے پاس تھا وہ طلب کیا۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے اپنے اپنے قرآن کس طرح جمع کئے تھے وہ ہم بتاتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے:۔

حدثنا يحيى بن يحيى التميمي قال قرأت على مالك عن زيد بن اسلم عن القعقاع بن حكيم عن ابي يونس

(اسمائے رواۃ عربی میں دیکھئے) ابو یونس حضرت عائشہ کے غلام سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ عائشہ نے مجھے قرآن شریف لکھنے

مولی عائشه انه قال امرتنی عائشه ان اکتب لها مصحفا وقالت اذا بلغت هذا الاٰیه حَافِظُوْا عَلَی الصَّلٰوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی فاذنی قال فلما بلغتها اذنتها فاملت حَافِظُوْا عَلَی الصَّلٰوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَصَلٰوۃِ الْعَصْرِ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِیْنَ قالت عائشه سمعتها من رسول الله۔

کا حکم دیا اور کہا کہ جب تو اس آیہ حافظوا..... الآیۃ پر پہنچے۔ تو مجھ سے اجازت لے لینا جب میں وہاں تک پہنچا تو میں نے ان سے اجازت لی انہوں نے مجھ سے اس طرح لکھوایا حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطی وصلوٰۃ العصر وقوموا للہ قانتین حضرت عائشہ نے کہا کہ میں نے جناب رسول خدا سے اسی طرح سُنا تھا۔

تفسیر درمنثور میں ہے:۔

واخرج عبدالرزاق والبخاری فی تاریخه وابن جریر وابن ابی داؤد فی المصاحف عن ابی رافع مولی حفصه قال استکتبتنی حفصه مصحفاً فقالت اذا اتیت علی هذه الاٰیه فتعال حتّٰی املیها علیك کما اقرأتها فلما اتیت علی هذه الاٰیة حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ قالت اکتب حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَصَلٰوۃِ الْعَصْرِ فلقیت ابی بن کعب فقلت ابا المنذر ان حفصه قالت کذا وکذا فقال هو کما قالت اولیس اشغل ما نکون عند صلوٰۃ الظهر فی عملنا واخرجها مالك وابوعبید وعبد بن حمید وابویعلی وابن جریر وابن الانباری فی المصاحف والبیهقی فی سننه عن عمرو بن رافع قال کنت اکتب مصحفاً لحفصة زوج النّبی صلی الله علیه وسلم فقالت اذا بلغت هذه الاٰیه فاذنی حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطی فلما بلغتها اذنتها

عبدالرزاق نے بخاری نے اپنی تاریخ میں، ابن جریر نے اپنی تفسیر میں، ابن داؤد نے المصاحف میں ابورافع غلام حضرت حفصہ بنت عمر سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت حفصہ نے مجھ سے ایک قرآن کا نسخہ لکھنے کو کہا اور کہا کہ جب تو اس آیت پر پہنچے تو مجھے بلا لینا تاکہ میں بولتی جاؤں اور تو لکھتا جائے جس طرح کہ میں اس آیت کو پڑھا کرتی ہوں پس جب میں اس آیت پر پہنچا یعنی آیہ حافظوا علی الصلوٰۃ تو حفصہ نے کہا کہ لکھ حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطی وصلوٰۃ العصر۔ پس اس کے بعد میں ابی ابن کعب سے ملا اور اس سے کہا کہ اے ابوالمنذر مجھ سے حفصہ نے یہ یہ کہا اس نے کہا کہ وہ سچ کہتی ہیں کیا نماز ظہر کے وقت ہم اپنے کاموں میں مشغول نہیں ہو جاتے مالک و ابوعبید و عبد بن حمید و ابویعلی و ابن جریر نے اور ابن الانباری نے المصاحف میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں عمرو بن نافع سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت حفصہ زوجۂ نبی کے لئے میں ایک قرآن شریف لکھ رہا تھا حضرت حفصہ نے

فاملت علیّ حافظوا علی الصّلوٰۃِ والصّلوٰۃِ
الوُسطیٰ وَصَلوٰۃِ العَصرِ وَقُومُوا لِلّٰہِ
قَانِتِینَ وَقالت اشهد انی سمعتها
من رسول الله صلی الله علیه وسلم
واخرج عبد الرزاق عن نافع ان
حفصه دفعت مصحفًا الی مولیٰ لها
یکتبه وقالت اذا بلغت هذه الآیة
حَافِظُوا عَلَی الصَّلوٰتِ وَالصَّلوٰۃِ الوُسطیٰ
فاذنی فلما بلغها جاءها فکتبت بیدها
حَافِظُوا عَلَی الصَّلوٰتِ وَالصَّلوٰۃِ الوُسطیٰ
وَصَلوٰۃِ العَصرِ واخرج مالك واحمد
وعبد بن حمید ومسلم وابوداؤد
والترمذی والنسائی وابن جریر وابن
ابی داؤد وابن الانباری فی المصاحف والبیهقی
فی سننه عن ابی یونس مولیٰ عائشة قال
امرتنی عائشة ان اکتب لها مصحفا
وقالت اذا بلغت هذه الآیة
فاذنی حَافِظُوا عَلَی الصَّلوٰتِ وَالصَّلوٰۃِ
الوُسطیٰ فلما بلغتها اذنتها فاملت علی
حَافِظُوا عَلَی الصَّلوٰتِ وَالصَّلوٰۃِ الوُسطیٰ
وَصَلوٰۃِ العَصرِ وَقُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِینَ
وقالت عائشة سمعتها من رسول
الله صلی الله علیه وسلم واخرج
عبد الرزاق وابن جریر وابن ابی
داؤد فی المصاحف وابن المنذر
عن ام حمید بنت عبد الرحمٰن
انها سألت عائشة عن الصلوٰۃ الوسطیٰ

کہا کہ جب تو اس آیت پر پہنچے تو میری اجازت
لے لینا۔ آیتہ یہ تھی۔ حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ
الوسطیٰ۔ پس جب میں اس آیت پر پہنچا تو ان کی
اجازت چاہی تو انہوں نے آیت بول کر اس
طرح لکھوائی۔ حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ
وصلوٰۃ العصر وقوموا للّٰہ قانتین اور کہا کہ میں گواہی
دیتی ہوں کہ میں نے جناب رسولِ خدا سے اسی طرح
سُنا تھا اور عبدالرزاق نے رواۃ کے سلسلہ سے
نافع سے روایت کی ہے کہ حفصہ نے ایک قرآن
شریف اپنے غلام کو لکھنے کے لئے دیا اور کہا کہ
جب تو اس آیت پر پہنچے حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ
الوسطیٰ تو مجھے بتا دینا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا
تو وہ غلام ان کے پاس گیا۔ حضرت حفصہ نے
اپنے ہاتھ سے لکھ دیا۔ حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ
الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر اور امام مالک اور امام احمد
وعبد بن حمید ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی و
ابن جریر وابن ابی داؤد نے اور ابن الانباری
نے المصاحف میں اور بیہقی نے اپنے سنن میں
ابویونس غلام حضرت عائشہ سے روایت کی
ہے وہ کہتا ہے کہ عائشہ نے مجھے حکم دیا کہ میں ایک
قرآن شریف ان کے لئے لکھوں اور کہا کہ جب تو
اس آیت پر پہنچے تو مجھے بُلا لینا حافظوا علی الصلوٰۃ
والصلوٰۃ الوسطیٰ پس جب میں اس آیت پر پہنچا
تو میں نے ان کو بتایا۔ انہوں نے خود بول بول کر یہ
آیت اس طرح لکھوائی حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ
الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر وقوموا للّٰہ قانتین۔ عائشہ نے
کہا کہ میں نے رسول خدا سے اسی طرح سُنا تھا اور

فقالت کنا نقرؤھا فی الحرف الاول
علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
حٰافِظُوا عَلَی الصَّلٰوٰۃِ وَالصَّلٰوٰۃِ الْوُسْطٰی
وَصَلٰوٰۃِ الْعَصْرِ وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ
قَانِتِیْنَ۔

ابن جریر و عبدالرزاق نے و ابن ابی داؤد نے
المصاحف میں اور ابن المنذر نے ام حمید بنت
عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے وہ کہتی ہے کہ
میں نے حضرت عائشہ سے الصلوٰۃ الوسطیٰ کی
بابت پوچھا تو اس نے کہا کہ ہم عہد جناب رسالت
مآب میں اسی طرح پڑھتے تھے۔ حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ العصر و قوموا للہ قانتین۔

جلال الدین سیوطی کتاب الدر المنثور الجزء الاول صفحہ ۳۰۲؛
کتاب موطا امام مالک اور فتح الباری ابن حجر عسقلانی میں بھی یہ دونوں روایتیں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی اسی طرح درج ہیں۔ غلاموں کا مبلغ علم ظاہر ہے۔ باب مدینۃ العلم نبی کو چھوڑ کر غلاموں کی علم و لیاقت پر بھروسہ کرنا جس حکومت کی سیاسی تدبیروں کا نتیجہ ہو۔ اس کا آخری انجام معلوم۔

حضرت عثمان کے زمانہ میں قرآن شریف کو اس کی موجودہ شکل دی گئی۔ اس کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی۔ یہ قصہ اس طرح ہے۔

حدثنا موسیٰ حدثنا ابراہیم حدثنا
ابن شہاب ان انس بن مالک حدثہ
ان حذیفہ بن الیمان قدم علی عثمان
وکان یغازی اہل الشام فی فتح ارمینیہ
واذربیجان مع اہل العراق فافزع حذیفہ
اختلافھم فی القراءۃ فقال حذیفہ لعثمان
یا امیرالمومنین ادرک ھذہ الامۃ قبل
ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیہود و
النصاریٰ فارسل عثمان الی حفصہ ان ارسلی
الینا بالصحف ننسخہا فی المصاحف ثم
نردھا الیک فارسلت بہا حفصہ الی عثمان
فامر زید بن ثابت و عبداللہ بن الزبیر
وسعید بن العاص و عبدالرحمن بن الحرث
بن ہشام ننسخوھا فی المصاحف وقال

(اسمائے راویان عربی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے)
انس بن مالک کہتے ہیں کہ جنگ ہائے آرمینیہ
و آذربائیجان کے دوران میں حذیفہ بن الیمان
حضرت عثمان کے پاس آئے کیونکہ ان کو قرآن
شریف میں لوگوں کے اختلاف نے بہت رنج
پہنچایا تھا۔ اور کہا کہ اے امیرالمومنین اس امت
کی مدد کو پہنچو قبل اس کے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح
اپنی کتاب میں اختلاف پیدا کر دیں۔ پس عثمان نے
حفصہ کے پاس آدمی بھیجا کہ ہمارے پاس قرآن
شریف کا نسخہ بھیج دو تاکہ ہم نقل کر لیں پھر ہم تم
کو واپس کر دیں گے پس حفصہ نے اپنا قرآن شریف
عثمان کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے زید بن ثابت
و عبداللہ بن زبیر و سعید بن العاص و عبدالرحمٰن
بن الحرث بن ہشام کی ایک جماعت مقرر کی اور

عثمان للرھط القرشیین الثلاثۃ اذا اختلفتم انتم زید بن ثابت فی شئی من القرآن فاکتبوہ لسان قریش فانما نزل بلسانھم ففعلوا حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمان الصحف الی حفصہ وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا او امر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق قال ابن شھاب واخبرنی خارجہ بن زید بن ثابت سمع زید بن ثابت قال فقدت ایۃ من الاحزاب حین نسخنا المصحف قد کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقراءُ بھا فالتمسناھا فوجدنا مع خزیمہ بن ثابت الانصاری من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فالحقناھا فی سورتھا فی المصحف۔

ان سے کہا کہ اس کی دو نقلیں کرو۔ اور اگر تم آپس میں اختلاف کرو زید بن ثابت سے تو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ یہ قرآن شریف قریش کے لہجہ میں نازل ہوا ہے پس انہوں نے ایسا ہی کیا اور نقلیں ختم کر دیں تو عثمان نے حفصہ کا قرآن تو واپس کر دیا اور ایک ایک نسخہ ہر ملک میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا اگر کچھ اور قرآن کا حصہ کہیں ملے تو اس کو جلا دو ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ کو زید بن ثابت کے لڑکے خارجہ نے بتایا کہ میں نے اپنے باپ زید کو کہتے سنا ہے کہ سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں ملتی تھی۔ جب قرآن لکھنے لگے جو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے پس ہم نے اس کو تلاش کیا۔ یہاں تک کہ خزیمہ بن ثابت کے پاس وہ مل گئی اور وہ آیت یہ تھی۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔ پس ہم نے اس کو سورہ احزاب میں داخل کر لیا۔

صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن الجزء الثالث۔ صفحہ ۱۵۰۔ عبد السلام ندوی، تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۱۶۰؛ جلال الدین سیوطی:۔ الاتقان الجزء الاول ص۵۹

حضرت عثمان کے زمانہ میں جمع قرآن کا کام ۲۵ھ ہجری میں انجام پایا۔ اس واقعہ سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:۔

۱۔ حضرت عثمان کے پاس بھی مکمل قرآن نہ تھا اور نہ اس کا علم رکھتے تھے۔ انہیں زید ابن ثابت اور عبدالرحمٰن بن الحرث جیسے نوجوانوں پر بھروسہ کرنا پڑا۔

۲۔ اب دیکھیں کہ اس کمیٹی کے ممبران کون کون تھے۔ زید ابن ثابت کا حال پہلے گذر چکا ہے۔ عبداللہ ابن زبیر نواسے تھے حضرت ابوبکر کے ۳ھ میں پیدا ہوئے گویا جمع قرآن کے وقت ان کی

عمر ۲۳ سال کی تھی۔ یہ وہ ہونہار نوجوان تھے جن کی نسبت حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ زبیر بن العوام ہم میں سے تھے جب تک کہ ان کے بیٹے عبد اللہ بڑے نہیں ہوئے تھے۔ سن تمیز کو پہنچ کر انہوں نے اپنے باپ کو حضرت علی کے مخالف کر دیا۔ جنگ جمل ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ سعید بن العاص بنو امیہ میں سے تھے ۲ھ میں پیدا ہوئے جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۴ سال کی تھی۔ ان کے والد بزرگوار کو جنگ بدر میں حضرت علی نے قتل کیا تھا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب الجزء الثانی صفحہ ۵۵۵)۔ عبد الرحمن بن الحارث ابن ہشام بن المغیرہ مخزومی تھے۔ بنو مخزوم حضرت علی کے خاص طور سے دشمن تھے۔ جب آنحضرتؐ کا انتقال ہوا۔ تو یہ دس سال کے تھے۔ جمع قرآن کے وقت ان کی عمر بھی ۲۴ یا ۲۵ سال کی تھی۔

۳۔ ایسے بچوں کو جمع قرآن کے لئے منتخب کیا جاتا ہے کہ جو ابھی سن تمیز کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ نزول قرآن ختم ہو گیا تھا کوئی خاص فضیلت و بزرگی کے حامل نہ تھے ہاں ان کا ایک مابہ الامتیاز تھا کہ حضرت علی سے دشمنی رکھتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں کن کو نظر انداز کیا گیا۔ حضرت علیؑ، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ ابن عباس، عمار ابن یاسر، مقداد و ابوذر کو، یہ وہ بزرگوار تھے۔ کہ جن کی فضائل سے خود گروہ اہل حکومت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ عبد اللہ ابن مسعود کی نسبت ان کی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ اگر قرآن سیکھنا ہو تو عبد اللہ بن مسعود سے سیکھو۔ مگر ان خلفاء نے آنحضرت کے اس قول کی تائید نہ کی کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ یہ بزرگوار قرآن شریف کو اس پالیسی کے ماتحت جمع کرنا نہیں چاہتے تھے جو اس وقت حکومت کی تھی۔ عبد اللہ ابن مسعود سے حضرت عثمان نے کہا کہ اپنا قرآن ترک کر دو اور ہمیں دے دو تاکہ ہم اس کو جلا دیں۔ انہوں نے انکار کیا۔ اس پر حضرت عبد اللہ ابن مسعود کو خوب مارا گیا۔

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں۔

روی الاعمش عن شقیق ابی وائل قال لما امر عثمان فی المصاحف بما امر قام عبد اللہ بن مسعود خطیباً فقال ایامرونی ان اقرء القران علی قراۃ زید بن ثابت والذی نفسی بیدہ لقد اخذت من فی رسول اللہ صلعم سبعین سورۃ وان زید بن ثابت لذو ذوابۃ یلعب به الغلمان۔

اعمش نے روایت کی ہے ابو وائل شقیق بن سلمہ سے کہ جب حضرت عثمان نے قرآن کی نسبت وہ حکم دیا جو انہوں نے دیا تو عبد اللہ بن مسعود نے ایک خطبہ لوگوں کے سامنے دیا جس میں کہا کہ کیا یہ مجھ کو حکم دیتے ہیں کہ میں قرآن کو زید بن ثابت کے مطابق پڑھوں۔ بخدائے لایزال میں نے جناب رسول خدا سے ستر سورتیں اخذ کیں درانحالیکہ اس وقت زید ابن ثابت بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا۔

ابن عبدالبر۔ الاستیعاب الجزء الاول ترجمہ عبداللہ بن مسعود صفحہ ۳۷۳۔

قال حذیفة لقد علم المحفوظون من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان عبداللہ بن مسعود کان من اقربهم وسیلة واعلمهم بکتاب اللہ

حذیفہ کہتے ہیں کہ اصحاب رسول میں سے جو حافظان قرآن تھے۔ وہ جانتے تھے کہ عبداللہ ابن مسعود ان سب میں آنحضرتؐ سے نزدیک تر تھے اور زیادہ علم قرآن رکھنے والے تھے۔

الاستیعاب :۔ ترجمہ عبداللہ بن مسعود صفحہ ۳۷۲۔

۴۔ جو قرآن حضرت ابوبکر کے زمانہ میں جمع کیا گیا تھا اور حضرت حفصہ کے پاس رکھا گیا تھا اور جس کو اب حضرت عثمان نے نقل کے لئے طلب کیا تھا، وہ بھی کامل نہ تھا۔ اگرچہ زید ابن ثابت کا ہی جمع کیا ہوا تھا۔ اب چودہ برس کے بعد ان کو یاد آیا کہ اس میں ایک آیت رجال صدقوا ما عاهدوا الآیة نہیں ہے لہذا اس کی تلاش میں نکلے۔

۵۔ تمام حفاظ اور صحابہ میں سے وہ کسی کے پاس سوائے خزیمہ بن ثابت کے نہ نکلی۔

۶۔ تو کیا احتمال نہیں ہو سکتا کہ اور ایسی ہی آیتیں ہونگی جو اسی طرح جمع ہونے سے رہ گئیں کیونکہ زید ابن ثابت کے ذہن سے اُتر گئیں۔

۷۔ اس جمع شدہ قرآن کو چاہیئے تھا۔ کہ مسجد میں صحابہ کے مجمع میں پیش کرتے۔ تاکہ اگر اس میں کوئی آیت نہ ہوتی تو دیگر لوگ اس کمی کو پورا کر دیتے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہوتا۔ کہ تمام سلطنت سے قرآن شریف جمع کرکے اس سے مقابلہ کرتے۔

۸۔ لیکن ایسا نہ کیا بلکہ اس کو تو حکماً قطعی کرکے کسی اور کو اس پر گفتگو کرنے کا حق بھی نہ دیا۔ اور جس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا اس کو مارا۔

۹۔ ایسی سختی کی در آنحالیکہ خود قرآن شریف کا علم نہیں رکھتے تھے۔ اور اپنے پاس مکمل نہ تھا۔ اگر اپنے پاس مکمل قرآن ہوتا تب بھی کچھ بات تھی۔

۱۰۔ اتنی مشکلات جمع قرآن میں پیش آئیں مگر حضرت علی کی طرف پھر بھی رجوع نہ کیا۔

۱۱۔ کیا یہ امر بذات خود ایک بہت بڑی دلیل نہیں ہے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ ہی تمام بنو ہاشم کو نظر انداز کر دیا ان میں سے ایک کی طرف بھی اس کام کے لئے رجوع نہ کیا۔

ان تمام امور سے صریحاً ثابت ہے کہ جمع قرآن ایک سیاسی تدبیر تھی۔ حدیث مدینۃ العلم اور دیگر احادیث جو حضرت علی کی شان میں تھیں اور لوگوں میں جاری تھیں ان کے اثر کو دور کرنے کے لئے بھی یہ ایک تدبیر تھی۔ عام لوگوں کو جتانا مطلوب تھا کہ حضرت علی سے بہت اعلیٰ و بہتر و افضل لوگ موجود ہیں۔ ان میں تو معاذ اللہ قرآن کے جمع کرنے کی بھی اہلیت نہیں ان سے تو ۲۲ برس

کے چھوکرے زیادہ عالم قرآن ہیں۔

تحریف واغلاط

تحریف واغلاط قرآن کے عقائد:۔

صحیح بخاری میں ایک خاص باب اس عنوان سے قائم کیا گیا ہے۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ یعنی آنحضرتؐ کا قول کہ البتہ تم چلوگے اگلے لوگوں کی چالوں پر۔ اس باب کے تحت میں ایک حدیث یہ لکھی ہے:۔

حدثنا محمد بن عبد العزیز قال حدثنا ابو عمر الصنعانی من الیمن عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن

(اسماء راویان عربی میں دیکھو) ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ البتہ تم چلوگے۔ اگلے لوگوں کی چالوں پر بالشت بالشت بھر اور ہاتھ ہاتھ بھر یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کی پیروی کروگے ہم نے عرض کی کہ یا حضرتؐ یہود ونصاریٰ کی چال پر چلیں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر یہی نہیں۔ تو پھر کون۔ یعنی یہود ونصاریٰ ہی مراد ہیں ان کی چال پر چلوگے۔

صحیح بخاری: کتاب الاعتصام بالکتب والسُّنۃ۔ الجزء الرابع صفحہ ۷۶

یہ حدیث دیگر کتب احادیث یعنی صحیح مسلم وکنز العمال وسنن نسائیؒ وغیرہ میں بھی درج ہے۔ یہود ونصاریٰ کا اپنی اپنی آسمانی کتابوں کی تحریف کرنا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ یہود ونصاریٰ نے اپنی اپنی کتابوں کی ان آیات میں تحریف کی جو آنحضرتؐ کی رسالت کی تصدیق کرتی تھیں اور ایسی آیات کو چھپانا چاہتے تھے نہیں چاہتے تھے کہ ان کے مخالفین یعنی مسلمانوں کو معلوم ہوں۔ وہ لوگ کلمات والفاظ کو اصلی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ میں رکھ دیتے تھے تاکہ سیاق وسباق کلام کی وجہ سے تاویل ومعانی میں تحریف ہوسکے۔ ملاحظہ ہو پارہ ۱ سورۂ بقر ع ۵ سورہ بقر ع ۹۔ وپارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۷ وپارہ ۵ سورۃ النساء ع ۷۔ اس عالم الغیب والشہادۃ نے اس پر ہی اکتفا نہ کی کہ یہود اور نصاریٰ کے اس مذموم فعل کی قلعی کھولی جائے۔ بلکہ خود مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ

وہ لوگ جو اس کو چھپاتے ہیں جو کچھ خدا نے کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے

فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ج فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَی النَّارِ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ط وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ○	ہیں ۔ اور خداوند تعالیٰ قیامت کے دن نہ ان سے بات کریگا اور نہ ان کو پاک کریگا اور اُن کے لئے عذاب دردناک ہے یہ وہی ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور بخشش کے بدلے عذاب خرید لیا ۔ تو بس اب یہ آتش جہنم پر کیا اچھی طرح رہنے والے ہیں یہ اس لئے کہ یہ یقیناً خدا نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا ہے وہ بیشک بہت بڑی نافرمانی پر ہیں ۔

پارہ ۲ سورۃ البقرہ ۔ ع ۲۱

ان آیات کو جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ۔ جناب رسولِ خدا کی اس حدیث کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے کچھ نتائج تو نکلتے ہیں ۔ غور کی ضرورت ہے ۔

تحریف دو قسم کی ہوتی ہے ۔ لفظی اور معنوی ۔ پھر لفظی تحریف تین طرح سے ہو سکتی ہے (۱) کسی لفظ کلمہ یا آیت کو اپنے اصلی مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا (۲) کمی الفاظ (۳) زیادتی الفاظ ۔ زیادتی الفاظ کا کوئی فریق قائل نہیں ۔ یعنی اس موجودہ قرآن شریف میں انسانی کلام نہیں ہے ۔ معنوی تحریف قرآن شریف کی آیات کی غلط تاویل کرنے کو کہتے ہیں اور اس کے سب قائل ہیں ۔ جب ایک آیت کی مختلف تاویلیں ہوئیں تو ظاہر ہے کہ صحیح تاویل کے علاوہ باقی معنوی تحریف ہے ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اسلام کے سب فرقے اس غلط تاویل کا ہی نتیجہ ہیں ۔ بہت سے صحابہ بھی چونکہ باب مدینۂ علم نبی کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے ۔ قرآن شریف کی آیات کے معنی میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے ۔ آیات کو ان کی اصلی جگہ یا معنی سے اٹھا کر دوسرے موقعہ یا معنی پر رکھنا جس کو قرآن شریف میں یحرفون الکلمہ عن مواضعہ کے فقرے سے ظاہر کیا گیا ہے ۔ سو یہ بھی ظاہر ہے ۔ مثال کے طور پر آیۂ تطہیر کو لو ۔ اپنی موجودہ جگہ پر بے جوڑ معلوم ہوتی ہے اور یہ تو سب مانتے ہیں کہ موجودہ قرآن شریف تنزیل کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے ۔

اب ہم اس تحریف کا ذکر کرتے ہیں جو الفاظ یا آیات کی کمی کا نام ہے ۔ اہل سنت والجماعت کے علماء اس تحریف کے قائل نظر آتے ہیں ۔ ان کی روایات ملاحظہ ہوں ۔

امام شعرانی اپنی کتاب الکبریت الاحمر فی بیان علوم الشیخ الاکبر میں لکھتے ہیں ۔

قال ولو ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان هو الذی تولی بجمع	کہا کہ اگر جناب رسول خدا خود جمع قرآن کی نگرانی کرتے تو ہم ضرور توقف کرتے اور کہتے کہ یہی ہے

کی معاشرتی زندگی کے ارتقاء کے اس مرحلہ تک پہنچی تھی کہ جہاں آبادی کی اکائی قبیلہ سے شروع ہوتی ہے اور افراد کی ہستی ان کے قبیلہ میں مدغم ہو جاتی ہے، دوستی، محبت و نفرت، الفت و حسد افراد میں منحصر نہیں رہتے بلکہ قبیلوں میں ہوا کرتے ہیں۔ عرب کی یہ حالت اس زمانہ میں تھی۔ جس طرح زمانہ حال میں مہذب دنیا کی قومیں نہیں چاہتیں کہ ایک قوم دوسری قوم سے زیادہ طاقتور یا مالدار ہو جائے اسی طرح عرب میں اس زمانہ میں سارے قبائل رشک وحسد کے جذبات میں سرشار تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے زیادہ رسوخ و اثر والا ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ عرب میں ابھی تک اندرونی بادشاہت قائم نہیں ہو سکی۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سردار امت ہونے کی وجہ سے یہ حکومت قائم ہو گئی تو وہ لوگ جن کے دلوں میں حمیت جاہلیت موجود تھی۔ اس کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اور یہ تو وہ قطعی نہیں چاہتے تھے کہ ایک ہی قبیلہ میں سے متواتر یکے بعد دیگرے دو حاکم ہوں اور جو بزرگوار سقیفہ بنی ساعدہ کی کاوشوں کے بعد برسرِ حکومت آئے تھے ان کا اس ہی میں فائدہ تھا کہ اس قبیلانہ رشک وحسد کی بناء پر لوگوں کو قبیلۂ بنی ہاشم سے منحرف کر دیں چنانچہ انہوں نے ان لوگوں کو سمجھایا اور بہت اچھی طرح ذہن نشین کرایا کہ اگر آنحضرت کی رحلت کے بعد ہی علی خلیفہ ہو گئے تو پھر حکومت کا یہ سلسلہ قائم ہو جائے گا۔ اور بنو ہاشم میں سلطنت کو استقلال ہو جائے گا۔ اور تمہارے لئے کوئی گنجائش نہیں رہے گی برخلاف اس کے ہماری طرف سقیفہ بنی ساعدہ کی دھما چوکڑی ہے۔ آج ہم، کل تم، اسی طرح یاروں کے گھر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اندریں صورت لوگوں کا رُخ کدھر ہونا چاہیئے تھا۔ حضرت عمر کے بیان سے اور کون سا زیادہ ثبوت ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس گفتگو میں جو حضرت عبداللہ ابن عباس سے ہوئی تسلیم کر لیا ہے کہ محض قبیلانہ رشک وحسد کی وجہ سے علی کو خلیفہ نہیں ہونے دیا۔ علامہ جرجی زیدان لکھتے ہیں

"عمر ابن الخطاب وغیرہ کے اقوال سے جو انہوں نے مختلف موقعوں پر کہے ہیں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے بنو ہاشم کو عزت نبوّت سے سرفرازہ دیکھا۔ کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان ہی میں سے تھے۔ لہٰذا انہوں نے یہ پسند نہ کیا کہ عزتِ نبوّت پر خلافت کا بھی اضافہ کریں۔"

جرجی زیدان:۔ تمدن اسلام حصہ اوّل صفحہ ۵۷۔

(۵) بنو امیّہ کی رقابت یہ رقابت ایسی مشہور و مسلم ہے کہ زیادہ بحث کی ضرورت نہیں جس طرح اس رقابت کو آلۂ کار بنایا گیا وہ ابھی بیان ہوگا۔

(۶) حضرت علی کا طرزِ عمل اور ان کی رفعت شان جن ترکیبوں، طریقوں اور کاریگروں سے عوام الناس پر اثر پیدا کر کے ان کو اپنے ساتھ لیا جاتا ہے وہ ترکیبیں اور طریقے ہر ایک قوم و ملک میں ایک سے ہی ہوتے ہیں۔ لوگوں کو رشوت سے، عطاء و بخشش سے ان کی جائز و ناجائز خواہشات کو پورا کرنے سے اپنی طرف کیا جاتا ہے و ر سازشوں

القرآن تو قفنا وتلنا هذا وحده هو الذی نتلوه یوم القیامة وقال لولا ما یسبق للقلوب الضعیفة ووضع الحکمة فی غیر اهلها لبینت جمیع ما سقط من مصحف عثمان واما ما استقر فی مصحف فلم یتنازع احد فیه۔

وہ قرآن جس کی ہم روز قیامت تلاوت کرینگے اور کہا کہ اگر یہ نہ ہوتا کہ یہ ضعیف دلوں کے واسطے سبقت کرے گا (یعنی ان کو شبہات پیدا ہوں گے) اور اس کہنے سے نااہلوں میں حکمت کو ڈال دینا ہوگا (یعنی ایسا کہنے سے نااہل لوگوں کو حکمت کی بات بتا دینا ہوگا) تو ہر آئینہ ہم ان تمام آیات کو ضرور بیان کر دیتے جو مصحف عثمان سے ساقط ہیں اور کہا۔

(صفحہ ۱۴۳۔ بر حاشیہ الیواقیت والجواہر مطبوعہ مصر)

(شیخ الاکبر نے) لیکن جو کچھ اب باقی ہے مصحف عثمان میں پس کسی نے اس میں تنازعہ نہیں کیا۔

آپ نے دیکھا امام شعرانی اور ان کے شیخ کی تحقیق یہ ہے کہ اس موجودہ مصحف سے بہت سی آیات ساقط ہیں۔ اگر خود جناب رسالت مآبؐ اس قرآن کے جمع کرنے کی نگرانی کرتے تو پھر ان کو کچھ عذر نہ ہوتا اور وہ یقین کرتے کہ یہ وہی قرآن ہے جس کی تلاوت روز قیامت ہو گی۔ مگر اب ان کو اس میں کلام ہے۔ ان ساقط شدہ آیات کو امام شعرانی محض اس وجہ سے بیان نہیں فرماتے کہ لوگوں کے اعتقادات میں ضعف آجائے گا۔

کتاب الدر المنثور میں علامہ جلال الدین سیوطی تحریر کرتے ہیں

اخرج ابو عبید وابن الضریس وابن الانباری فی المصاحف عن ابن عمر قال لا یقولن احدکم قد اخذت القرآن کله ما یدریه ما کله قد ذهب منه قرآن کثیر ولکن یقل قد اخذت ما ظهر منه۔

ابوعبید و ابن الضریس اور نیز ابن الانباری المصاحف میں ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ ابن عمر نے کہا کہ کوئی تم میں سے یہ نہ کہے۔ کہ میرے پاس مکمل قرآن ہے اسے کیا معلوم۔ کہ مکمل قرآن کتنا تھا۔ قرآن شریف کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا ہے ہاں وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس اتنا قرآن ہے جتنا آپ ظاہر ہے

سورۂ احزاب و آیت رجم:۔ دراصل سورۂ احزاب بہت طویل تھی۔ سورۃ البقرہ سے بہت بڑی تھی اور اس میں آیت رجم تھی۔

جلال الدین سیوطی:۔ کتاب الدر المنثور الجزو الخامس صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰۔

تفسیر اتقان۔ امام راغب اصفہانی۔ محاضرات

(اسمائے رواۃ عربی میں دیکھیں)

حدثنا ابن ابی مریم عن ابی لهیعه

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جناب رسول خدا

عن ابی الاسود عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ قالت کانت سورۃ الاحزاب تقرء فی زمان النبی مأیتی ایہ فلما کتب عثمان المصاحف لم یقدر منہا الا علی ما ھو الآن	کے زمانہ میں سورہ الاحزاب کی دو صد آیتیں پڑھی جاتی تھیں۔ مگر جب عثمان نے قرآن لکھوا لئے۔ تو ان کو صرف اتنی ہی مل سکیں کہ جتنی اب ہیں۔

آیت رجم قرآن شریف کا حصہ ہے مگر موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔

صحیح بخاری الجزء الرابع باب رجم الحبلی صفحہ ۱۱۹۔ ومسند امام احمد حنبل الجزء الاول ۲۳، ۴۰، ۵۵، الجزء الخامس صفحہ ۱۳۲، ۱۸۳۔ در منثور الجزء الخامس صفحہ ۱۸۰ و تفسیر اتقان الجزء الاول صفحہ ۵۸، موطائے امام مالک و محاضرات امام راغب، فتح الباری ابن حجر عسقلانی۔

سورۃ الخلع و سورۃ الحفد۔ موجودہ قرآن شریف میں یہ دونوں سورتیں اب موجود نہیں ہیں لیکن ان بزرگواروں کا اعتقاد ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن شریف کا جزو ہیں۔ اور خداوند تعالے کا کلام ہیں لیکن حضرت عثمان کو نہ مل سکیں۔ جلال الدین سیوطی نے تو ان دونوں سورتوں کو مکمل اپنی کتاب در المنثور میں لکھا ہے اور ان کی تفسیر بھی کی ہے۔

جلال الدین سیوطی :- کتاب الدر المنثور الجزء السادس صفحہ ۴۲۰ و ۴۲۱۔

" :- تفسیر اتقان الجزء الاول النوع التاسع فی عدد سورہ و آیاتہ و کلماتہ و حروفہ صفحہ ۶۵

اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا۔ تو ہم وہ تمام حوالے اور کتابوں کے نام لکھتے جن میں ان دونوں سورتوں کا قرآن عبداللہ ابن مسعود و ابی بن کعب و ابن عباس میں موجود ہونا بیان کیا ہے۔ ابو موسیٰ اشعری بھی ان سورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے اور حضرت علی نے یہ دونوں سورتیں عبداللہ غافقی کو تعلیم کی تھیں جیسا کہ کتاب الدر المنثور میں یہ سب درج ہیں۔

اور کئی سورتیں اور آیات غائب اور ضائع شدہ بیان کی جاتی ہیں مگر اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے باہر ہے ہاں یہ ثابت کرنا ہمارے ذمے ہے کہ خود ان بزرگوں کے عقیدے کے مطابق قرآن شریف میں صحابہ کے بہت سے مثالب و معائب بیان کئے گئے تھے اور حضرت علیؑ کے بہت سے فضائل تھے جو جامع قرآن کیلئے خارج کر دیئے چنانچہ سورۂ توبہ کی نسبت لکھتے ہیں

اخرج ابن ابی شیبہ والطبرانی فی الاوسط وابو الشیخ والحاکم وابن مردویہ عن حذیفہ رضی اللہ عنہ قال التی تسمون سورۃ التوبۃ ھی سورۃ العذاب واللہ	ابن ابی شیبہ و ابو الشیخ و حاکم و ابن مردویہ اور طبرانی نے اوسط میں اپنے اپنے اسناد کے ساتھ حذیفہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جس کو تم سورۂ توبہ کہتے ہو وہ تو سورہ عذاب ہے قسم بخدا اس نے تو صحابہ میں سے کسی کو بغیر اس کے

ماتركت احدا الا نالت منه و لا تقرؤن منها مما كنا نقرأ الا ربعها واخرج ابو عبيد و ابن المنذر وابو الشيخ وابن مردويه عن سعيد بن جبير رضى الله عنه قال قلت لابن عباس رضى الله عنهما سورة التوبة قال التوبة بل هى الفاضحة ما زالت تنزل و منهم حتى ظننا ان لن يبقى منا احد الا ذكر فيها واخرج ابو عوانه وابن المنذر وابو الشيخ وابن مردويه عن ابن عباس رضى الله عنهما ان عمر رضى الله عنه قيل له سورة التوبة قال هى الى العذاب اقرب ما اقلعت عن الناس حتى ما كادت تدع منهم احدا واخرج ابو الشيخ عن عكرمه رضى الله عنه قال عمر رضى الله عنه ما فرغ من تنزيل براءة حتى ظننا انه لم يبق منا احد الا سينزل فيه وكانت تسمى الفاضحة

معائب بیان کئے چھوڑا ہی نہیں۔ تم تو اس سورۃ کا چوتھائی حصہ بھی نہیں پڑھتے جو ہم پڑھا کرتے تھے...... ابو عبید و ابن المنذر و ابو الشیخ و ابن مردویہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے سورۂ توبہ کا ذکر کیا انہوں نے کہا کہ سورۂ توبہ کیا وہ سورۂ فاضحہ یعنی عیب ظاہر کرنے والا سورۃ ہے وہ نازل ہوتا رہا یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ہم میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا اور ابو عوانہ و ابن المنذر و ابو الشیخ و ابن مردویہ اپنے اپنے اسناد کے ساتھ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر کے سامنے سورۂ توبہ کا ذکر ہوا۔ انہوں نے کہا توبہ کیا یہ تو عذاب سے زیادہ قریب ہے اس نے تو ہم میں سے کسی کو چھوڑا ہی نہیں۔ ابو الشیخ نے اپنے اپنے اسناد کے ساتھ عکرمہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ اس سورۃ کا تو نازل ہونا ختم ہی نہ ہوا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی بغیر عیب بیان کئے نہ چھوڑے گی۔ اور اس کا نام ہم نے فاضحہ رکھا۔

واخرج ابو الشيخ عن حذيفه رضى الله عنه قال ما تقرؤن ثلثها يعنى سورة التوبة۔

اور ابو الشیخ نے اپنی اسناد کے ساتھ حذیفہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ تمہارے پاس تو اصل سورۂ توبہ کا تیسرا حصہ بھی نہیں ہے

جلال الدین سیوطی:۔ کتاب الدر المنثور، الجزء الثالث صفحہ ۲۰۸، تفسیر اتقان الجزء الاول صفحہ ۵۴، ۵۵۔

دیکھئے ان روایات کو جلیل القدر علماء مثل حاکم وابو شیبہ وطبرانی وابو الشیخ وابن مردویہ وابن المنذر وابو عوانہ وجلال الدین سیوطی نے بیان کیا ہے ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ توبہ تین چوتھائی کے قریب ضائع ہوگئی اس میں صحابہ کے معائب ومثالب کھول کھول کر بیان کئے گئے تھے۔ اب وہ معائب ومثالب موجودہ سورۃ میں نہیں ملتے ثابت ہوا کہ وہ حصہ سورۂ توبہ کا ساقط کر دیا گیا ہے جس میں یہ معائب ومثالب تھے۔

نقصان آیۂ رجم وآیۂ رضاع کبیر

قالت عائشہ لقد نزلت اٰیۃ الرجم و رضاع الکبیر وکانت فی رقعۃ تحت سریری وشغلنا بشکاۃ رسول اللہ فدخلت داجن للحی فاکلتہ۔ امام راغب اصفہانی در محاضرات

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے آیۂ رجم وآیۂ رضاع کبیر نازل فرمائیں لیکن یہ دونوں آئتیں لکھی ہوئی میرے تکیہ کے نیچے رکھی ہوئی تھیں۔ ہم تو آنحضرت کے مرض میں مشغول ہوئے اور ایک بکری آن کر کھا گئی۔

فخر الدین عثمان بن علی متوفی رمضان ۷۴۳ھ ہجری التبیان الحقائق شرح کنز الدقائق۔

حضرت عائشہ نے کیا اچھی تفسیر کی ہے۔ آیۂ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ کی۔ ایسے قرآن شریف لکھے ہوئے تھے جن سے زمانہ حضرت ابوبکر میں وہ قرآن نقل کیا گیا جس سے بعد میں حضرت عثمان کے زمانہ میں جمع قرآن کمیٹی نے تمام ملتِ اسلامیہ کے لئے قرآن شریف مرتب کیا تھا کیا آپ کا خیال ہے کہ جناب رسول خدا اسی طرح لاپرواہی کے ساتھ قرآن شریف کو بکریوں کے حوالے کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کیا انہوں نے اپنے وصی وجانشین و باب مدینۃ العلم کے ذمہ جمع قرآن کا فرض نہیں لگایا تھا ضرور لگایا تھا جب ہی تو حضرت علی نے اس فرض کی ادائیگی میں اس کام کو سب سے اول کر کے حکومت کے سامنے پیش کیا۔ گو حکومت نے بوجوہات چند در چند جو ظاہر ہیں اس قرآن کو قبول وشائع کرنے سے انکار کیا جس پر حضرت علی نے فرمایا کہ اب تم قیامت تک اس قرآن کو نہیں دیکھو گے۔

قال ابو عبید حدثنا ابن ابی مریم عن نافع بن عمر الجمحی حدثنی ابن ابی ملیکہ عن المسور بن مخرمہ قال لعبد الرحمٰن بن عوف الم تجد فیما انزل علینا ان جاھدوا کما جاھدتم اول مرۃ فانا لا نجدھا قال اسقطت فیما اسقط من القرآن۔

(اسماء رواۃ عربی میں ملاحظہ ہوں) عبد الرحمٰن بن عوف کے بھانجے مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے عبد الرحمٰن بن عوف سے کہا کہ کیا تم قرآن شریف میں جو نازل ہوا ہے اس میں آیہ ان جاھدوا الآیۃ کو نہیں پاتے ہم کو تو وہ نہیں ملتی عبد الرحمٰن نے جواب دیا کہ یہ آیت بھی اس حصہ قرآن کے ساتھ گرا دی گئی جو کہ ضائع کیا گیا ہے۔

جلال الدین سیوطی :۔ تفسیر اتقان، علی المتقی :۔ کنز العمال :
حضرت عائشہ کی بھی یہی رائے تھی کہ حضرت عثمان نے قرآن شریف میں ناجائز تحریف کی ہے اور تغیر و تبدل کیا ہے چنانچہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ الایۃ کے نقصان کو ذکر کرنے کے بعد فرماتی ہیں کہ یہ آیت اس وقت ایسی تھی قالت قبل ان یغیر عثمان المصاحف یعنی آپ فرماتی ہیں کہ قبل اس کے کہ عثمان نے قرآن شریف میں تغیر و تبدل کیا۔ جلال الدین سیوطی تفسیر اتقان
اب حضرت علی و آل محمد کے ناموں اور الفاظ کے اخراج کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

اخرجہ ابن مردویہ عن ابن مسعود قال کنا نقرء علی عہد رسول اللّٰہ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ اِنَّ عَلِیًّا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط

ابن مردویہ نے اپنے اسناد سے ابن مسعود سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم زمانہ جناب رسول خدا میں اس آیہ کو اس طرح پڑھا کرتے تھے اے رسول جو کچھ تمہارے پاس پیغام علی کی بابت تمہارے خدا سے پہنچا وہ لوگوں تک پہنچا دو کہ علی مومنین کا مولا ہے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خدا کی رسالت ہی ادا نہ کی اور خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

جلال الدین سیوطی، کتاب الدر المنثور الجزء الثانی صفحہ ۲۹۸۔ ابو نعیم۔ حلیۃ الاولیاء، فخر الدین رازی :۔ تفسیر کبیر، ابن مردویہ :۔ کتاب المناقب مرزا محمد بن معتمد خاں :۔ مفتاح النجا۔

واخرج ابن ابی حاتم وابن مردویہ وابن عساکر عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ انہ کان یقرء ھذا الحرف وکفی اللّٰہ المومنین القتال بعلی بن ابی طالب۔

ابن ابی حاتم و ابن مردویہ و ابن عساکر نے اپنے اپنے اسناد کے ساتھ ابن مسعود سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں ہم اس طرح پڑھا کرتے تھے کَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ بِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ ط

جلال الدین سیوطی :۔ کتاب الدر المنثور الجزء الخامس صفحہ ۱۹۲۔ میرزا محمد بن معتمد خاں :۔ مفتاح النجا تفسیر ثعلبی میں مذکور ہے :۔

اخبرنی ابو محمد عبد اللّٰہ بن محمد بن عبد اللّٰہ القائینی نا ابو الحسین محمد بن عثمان بن الحسین النصیبی نا ابو بکر محمد بن الحسین بن صالح السبیعی نا احمد بن محمد بن سعید نا احمد بن ابی نعیم نا ابو جنادہ السلولی عن الاعمش عن ابی وائل قال قرأت فی مصحف عبد اللّٰہ بن مسعود

(اسماء راویان عربی کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے)
ابو وائل سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللّٰہ بن مسعود کے مصحف میں یہ آیت اس طرح دیکھی :۔

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ وَ اٰلَ مُحَمَّدٍ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۝

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ وَ اٰلَ مُحَمَّدٍ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۝

خود ان بزرگوں کی اپنی کتابوں سے ثابت ہو گیا کہ جمع قرآن بھی مثل دیگر تجاویز کے ایک سیاسی ترکیب تھی جس کا مدعا یہ تھا کہ صحابہ کے معائب و مثالب اور حضرت علی کے فضائل کو پوشیدہ کیا جائے اور قرآن شریف کو اس طرح جمع کیا جائے جس سے یہ دونوں چھپ جائیں اس موقعہ پر قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات پھر تلاوت کریں۔ جن میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ لَا یُزَکِّیۡہِمۡ ۚۖ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۔

وہ لوگ جو چھپاتے ہیں کتاب اللہ میں سے اس چیز کو جس کو خداوند تعالے نے نازل کیا ہے اور اس کو چھپانے سے تھوڑا سا دنیاوی فائدہ حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور خداوند تعالی روز قیامت ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ اور اُن کے لئے عذاب دردناک ہے۔

(پارہ ۲۔ سورہ بقر۔ ع ۲۱)

ان بزرگوں کے عقیدہ کے مطابق ان کاتبوں کی جہالت کی وجہ سے جنہوں نے حضرت عثمان کے لئے قرآن شریف نقل کیا بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ جن کو ان غلطیوں کی سیر کرنی مطلوب ہے ان کو چاہیئے کہ کتاب الدر المنثور و تفسیر اتقان علامہ جلال الدین سیوطی۔ موطائے امام مالک و مسند امام احمد حنبل و تفسیر ابن جریر طبری وغیرہم بہت سی کتابوں کو دیکھے۔ اس مضمون کو نہایت تفصیل کے ساتھ ابو بکر عبداللہ بن ابی داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی نے اپنی کتاب المصاحف میں تحریر کیا ہے۔

کراچی سے ایک ماہنامہ "طلوع اسلام" کے نام سے نکلتا ہے۔ اس کا مدعا اس کے نام سے ظاہر ہے رسولؐ اللہ کے زمانہ کے پرانے اسلام کی از سر نو ترمیم، تنسیخ و تاویل کر کے ایک نئے اسلام کا طلوع اس کا مقصد ہے اور اہلبیت و احادیث رسولؐ سے دشمنی اس کا مابہ الامتیاز ہے۔ ماہ نومبر ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں ایک مضمون ہے "قرآن کریم روایات کے آئینہ میں" اس میں صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث خصوصاً کتاب المصاحف سے لے کر بہت سی روایات جمع کی ہیں۔ جن سے امور ذیل ثابت ہوتے ہیں

۱۔ رسولِ خدا نے جمع قرآن کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ حضرت عمر نے یہ اہم کام کیا۔

۲۔ حضرت عثمان نے دوبارہ قرآن جمع کرایا کیونکہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر کے جمع کیے ہوئے قرآن شریف میں کچھ نقص رہ گئے تھے۔

۳۔ زید ابن ثابت کے انتخاب اور ان کے جمع قرآن سے عبداللہ ابن مسعود بہت ناراض تھے

۴۔ عہد عثمانی کے قرآنوں میں سخت اختلافات تھے۔

۵۔ مروان نے حضرت حفصہ کے قرآن جلا دئیے۔

۶۔ حضرت عثمان نے اپنے جمع کئے ہوئے قرآن کے علاوہ باقی سب قرآن جلا دیئے۔

۷۔ موجودہ قرآن کی ترتیب حضرت عثمان نے قائم کی۔

۸۔ قرآن میں بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں۔

۹۔ حضرت عثمان کے جمع کردہ قرآن سے مدینہ کے باقی بہت سے قرآن مختلف تھے۔

۱۰۔ مختلف شہروں کے لئے جو مصاحف لکھے گئے ان میں آپس میں اختلاف تھا۔

۱۱۔ حجاج بن یوسف مصحفِ عثمانی میں گیارہ مقامات پر تبدیلی کی۔ انکی فہرست اس مضمون میں درج ہے

۱۲۔ صحابہ کبار کے قرآن ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

۱۳۔ آج ہمارے پاس حجاج ابنِ یوسف کا اصلاح کردہ قرآن ہے۔

۱۴۔ عبداللہ ابنِ مسعود کا مصحف حضرت عثمان کے جمع کردہ قرآن سے ایک صد پچاس جگہ مختلف تھا۔ اور یہ سب اہم اختلافات تھے۔

۱۵۔ عبداللہ ابن عباس کا مصحف سولہ مقامات میں، مصحف ابی بن کعب چار مقامات میں، مصحف عمر بن الخطاب تین مقامات میں مصحفِ عثمانی سے مختلف تھے۔

۱۶۔ فاضل نامہ نگار نے بہت محنت کی ہے۔ ان تمام اختلافات کی فہرستیں مرتب کی ہیں۔

اس مقالہ کی تحریر سے فاضل نامہ نگار کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے۔ کہ احادیث ایسی فضول ولغو شے ہے کہ ان کے ماننے سے ان تمام بعید از عقل امور کو ماننا لازم آتا ہے۔ اپنے جوش میں فاضل نامہ نگار نے یہ نہ دیکھا کہ یہ احادیث رسول نہیں ہیں۔ یہ تو صحابہ کی روایات و اقوال ہیں۔ اُن کے بعید از عقل ہونے سے احادیث رسول کا بعید از عقل ہونا کیونکر ثابت ہوا۔ بلکہ ہم اس مقالہ کی بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ تمہاری وہ کتابیں جن پر تم نے اپنے عقائد قائم کیے ہیں تم کو ان بعید از عقل عقائد اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ لہٰذا ان کتابوں پر اپنے ایمان کی بنیاد نہ رکھو۔

اس مضمون میں ایک بات بڑے لطف کی ہے۔ سینکڑوں اختلافات تو لکھے ہیں۔ لیکن وہ اختلافات نہیں لکھے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آیات میں سے علی کا نام نکال دیا گیا ہم ثابت کر چکے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود کے مصحف میں مندرجہ ذیل آیات میں علی یا آلِ محمد کا نام تھا۔

۱۔ یاَ ایُّھا الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربک ان علیًا مولی المومنین۔

۲۔ کفی اللہ المومنین القتال بعلی ابن ابی طالب۔

۳۔ انّ اللہ اصطفیٰ اٰدم و نوحاً و اٰلِ ابراھم و اٰل عمران و اٰل محمّد علی العالمین۔

عبداللہ ابن مسعود کے مصحف کے ڈیڑھ صد اختلافات لکھے۔ لیکن یہ تین نہ لکھے وجہ کیا؟

وجہ یہ کہ علیؑ وآلِ محمدؐ نے کچھ ایسا قصور کیا ہے کہ ان سے دشمنی باعث ثواب ہوئی۔ اب تیرہ صد برس
کے بعد تو یہ حالت ہے خاص اس زمانہ میں دشمنی و عداوت کی کیا حالت ہوگی۔

اہل سنت وجماعت کی ان تحریرات وروایات کی بناء پر عیسائی مورخین کو یہ اعتراض کرنے
کا موقعہ ملتا ہے کہ خود مسلمان تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے قرآن میں کمی بھی ہے اور کہیں کچھ تاریخی غلطیاں بھی
ہیں پھر ایسے قرآن کا کیا اعتبار۔ اس کے دو جواب ہیں۔ اوّل تو یہ کہ یورپ کے مورخین و مصنفین
ہمیشہ یہ بدیہی غلطی کرتے رہے ہیں کہ وہ اہل سنت وجماعت کے نظریات واعتقادات کو تمام مسلمانوں
کے معتقدات سمجھ لیتے ہیں۔ اسی ہی مسئلہ کو لو۔ فرقہ شیعہ ان روایات کی بناء پر اپنا اعتقاد قائم نہیں
کرتا بلکہ وہ خود اور ان کے آئمہؑ اس موجودہ قرآن کو کتاب اللہ سمجھتے ہیں وہ کبھی اس میں کمی بیشی
کے قائل نہیں ہوئے لیکن اگر ان میں سے اسقاط کی چند روایات کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ان سے
ساری کتاب پر اعتراض قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ تو اسلام کے سب فرقے تسلیم کرتے ہیں کہ موجودہ قرآن
میں کسی غیر کا کلام شامل نہیں ہے یہ سارا قرآن شریف وہی ہے جو حرف بہ حرف جناب رسول خدا
کے لبِ اقدس سے نکلا ہوا ہے۔ سرکار و سرکاری قرآن جمع کرنے والوں کا تنازعہ حضرت علی سے یہ
تھا۔ اور وہ لوگ آں جناب کو حکومت کا رقیب سمجھتے تھے۔ اگر سیاسی اغراض سے چند الفاظ ادھر ادھر
ہو گئے یا کوئی نام نکالا گیا تو اس سے ساری موجودہ کتاب پر اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ فرائض اور اخلاقیات
میں کمی نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جو لوگ خود شیشے کے گھروں میں رہتے ہیں انہیں دوسروں پر پتھر
نہیں پھینکنے چاہئیں۔ کبھی عیسائی حضرات نے اپنی موجودہ بائبل کا بھی جائزہ لیا ہے۔ ان کے نبی کے
منہ سے نکلا ہوا تو اس میں ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ وہ تو اپنے نبی کی زبان ہی کو زندہ نہ رکھ سکے تو
ان کے کلام کو کیا کہا جائے۔ وہ زبان نہیں رہی، وہ کلام نہ رہا۔ لہٰذا وہ شریعت بھی مردہ ہو گئی۔ حضرت
عیسیٰؑ کی زبان ارامی تھی اور ارامی کی کوئی انجیل ہی نہیں بلکہ عبرانی کی بھی انجیل نہیں۔ موجودہ بائبل کے
نسخے یونانی زبان کی انجیل سے ترجمہ کئے گئے ہیں۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ یہ انجیل حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں
مرتب نہیں ہوئی بلکہ ان کے انتقال یعنی دنیا سے اُٹھ جانے کے ستر سال بعد لکھی گئی۔ قرآن شریف
کی نسبت ہمارا عقیدہ وہ ہے اور ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ جناب رسول خداؐ نے حضرت علی سے اپنے
سامنے سارا قرآن جمع کرایا اور حضرت علیؑ نے قرآن جمع کر کے آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا۔ بعض
روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد حضرت علیؑ نے فرمایا۔ کہ میں نے قسم
کھائی ہے کہ اپنے دوش پر ردا نہ ڈالوں گا جب تک قرآن جمع نہ کر لوں۔ یہ جمع قرآن مطابق تنزیل
کے تھا اور اس میں اسباب نزول درج تھے۔ حکومت نے اس وجہ سے قبول نہ کیا کہ ان اسباب نزول
کا بیان ان کے مفاد کے خلاف ہوتا۔ کیونکہ اس سے حضرت علی کا شرف ظاہر ہوتا بہر صورت

جس طرح حکومت نے قرآن جمع کرایا اس سے بھی تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ کے صحابہ سے وہ لیا گیا۔ یہ لوگ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں قرآن حفظ کر چکے تھے۔ انجیل کی مختلف کتابوں کے مصنفین کا پتہ ہی نہیں کہ کون تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے یہ روایات کس سے اور کس طرح لیں۔ اپنی تحریرات کو وقعت دینے کے لئے انہوں نے اپنی اپنی کتابوں کو مختلف حواریوں کی طرف منسوب کر دیا۔ موجودہ تحقیقات سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایسا محض اپنی تحریرات کو وقعت دینے کے لئے کیا۔

دین و کتاب مسیح پر دوسرے مذاہب و فلسفہ کا اثر بالکل نمایاں ہے پہلی تحریرات میں بہت تبدیلیاں ہوتی رہیں اور ان پر بہت اضافے کئے گئے۔ یہاں تک کہ موجودہ بائبل بالکل مختلف ہو گئی اس کتاب سے جو پہلے لکھی گئی تھی اور جس سے آخری یونانی بائبل نقل کی گئی ہے۔ اور اب وہ اصلی کتاب مفقود ہے۔ عیسائیوں کے اعتقادات بھی وقتاً فوقتاً بدلتے رہے۔ اس زمانہ کے تخیلات و نظریات کی روشنی میں ان اعتقادات کو مرتب کیا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے خود اپنے تئیں خدا کا بیٹا نہیں کہا اور نہ یہ اعتقاد ان کے حواریوں کا تھا۔ اس زمانہ میں چونکہ یہ اعتقادات مروّج تھے کہ خداؤں کے بیٹے اور بیٹیاں ہوا کرتے ہیں اور ہونے چاہئیں تو ان ملحدانہ یونانی اعتقادات کے زیر اثر عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کا صلیب پر مرنا بھی ثابت نہیں۔ یہ اعتقاد۔ کہ انہیں سُولی دی گئی اور وہ اپنے مرنے کے تین دن بعد آسمان پر گئے اور بادلوں میں سے فرشتوں کے ساتھ نظر آئے بعد کے ایجادات ہیں۔ ان سب امور کا ثبوت ہم دیتے ہیں اور خود عیسائی کی اپنی کتابوں سے دیتے ہیں

زمانہ حال کی تحقیقات و انکشافات نے عیسائیوں کے اعتقادات میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہے اور اب اچھی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ موجودہ بائبل اصلی انجیل نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی انجیل کو NEW TESTAMENT یعنی عہد جدید کہتے ہیں۔ اس میں بہت سے رقعات و کتابیں ہیں لیکن انجیل دراصل پہلی چار کتابوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ متی MATTHEW کی انجیل

۲۔ مرقس MARKS کی انجیل

۳۔ لوقا LUKE کی انجیل

۴۔ یوحنا۔ JOHN کی انجیل

پہلے زمانہ میں لوگوں کا اعتقاد تھا کہ سب سے پہلے متی کی انجیل لکھی گئی۔ اور اس کے بعد دوسری کتابیں تصنیف ہوئیں۔ ان کے مصنفین کی نسبت خیال کیا جاتا تھا کہ ان کے لکھنے والے وہ ہی حضرت عیسیٰ کے حواری ہیں جن کے نام پر یہ انجیلیں لکھی ہوئی ہیں۔ یہ نظریئے ایکسٹون

بائبل میں دیگر مذاہب کا اثر انجیل اور عیسائی اعتقادات میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں

زمانہ حال کی تحقیقات

صدی کے آخر تک قائم تھے۔ اب انیسویں صدی کے آخر کی تحقیقات نے پہلے اعتقادات کو غلط ثابت کر دیا اور اب یہ طے شدہ امر ہے کہ سب سے پہلے مرقس لکھی گئی اور پھر اس کو دیکھ کر اور سامنے رکھ کر متی اور لوقا کی انجیلیں تصنیف ہوئیں۔ ان دونوں موخرالذکر انجیلوں کا ماخذ ایک اور کتاب بھی تھی جواب ناپید ہے اس کا نام انہوں نے Q رکھ لیا ہے ان کتابوں کے مصنفین کی نسبت خیال تھا کہ متی انجیل کو متی حواری نے لکھا ہے۔ مرقس انجیل کی برنباس BARNABAS کے چچازاد بھائی نے لکھا ہے۔ جو سفر میں پال کا ساتھی تھا۔ یہ بھی گمان کیا جاتا تھا کہ اس کتاب میں پیٹر (پطرس) حواری کے خیالات منضبط ہیں۔ لوقا کی نسبت اعتقاد تھا کہ اس کو پال کے طبیب نے لکھا ہے۔ موجودہ تحقیقات کا ذکر ہم ہر ایک کتاب کے عنوان کے نیچے کرتے ہیں۔

مرقس کی انجیل اس کو لکھنے والا ایک نامعلوم عیسائی تھا جس نے ۶۵ء میں اس کو لکھا یہ صرف ان قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے جو اس زمانہ میں لوگوں میں رائج تھے اور یہ روم میں لکھی گئی تھی اس کا لکھنے والا برنباس BARNABAS کا چچازاد بھائی نہیں ہے۔ اور نہ اس میں پیٹر کے تاثرات ہیں۔ اس میں بار بار ترمیمات اور اضافے ہوتے گئے۔

لوقا کی انجیل نام لوقا کا رکھ دیا ہے تاکہ اس کتاب کی وقعت ہو جائے ورنہ دراصل یہ لوقا کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ لوقا اور رسولوں کے اعمال Acts ایک ہی شخص کی تالیف ہیں۔ یہ دونوں ۱۰۰ء میں ایک نامعلوم تعلیم یافتہ آدمی کے لکھے ہیں۔ اس کے بعد ان دونوں میں تبدیلیاں، ترمیمات اور اضافے ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ۱۰۰ء سے ۱۵۰ء تک یہ تبدیلیاں جاری رہیں اور اس زمانے میں اس کو موجودہ شکل دی گئی۔ چنانچہ حضرت عیسٰی کے قصہ رجعت بعد موت میں بہت سی تبدیلیاں ہوئیں۔

متی کی انجیل یہ مرقس اور Q پر مبنی ہے اور اسی وقت لکھی گئی کہ جب لوقا کی انجیل لکھی گئی یعنی ۱۰۰ء میں۔ یہ دراصل ملک شام اور فلسطین کے یونانی زبان بولنے والے باشندوں کے لئے لکھی گئی تھی۔ جس طرح لوقا عام معمولی عیسائیوں کے لئے لکھی گئی تھی۔ شروع شروع میں یہ گمنام تھی۔ یعنی اس کے مصنف یا مؤلف کا نام معلوم نہ تھا۔ دوسری صدی عیسوی کے وسط سے اس کو متی کی طرف منسوب کیا جانے لگا۔ متی ایک کسٹم آفیسر تھا۔ جو حضرت عیسٰیؑ کے پیروان اولین میں سے تھا۔ جب کہ آپ GALLILEE میں وعظ فرمایا کرتے تھے اس کے نام سے منسوب کرنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ اس کتاب کو وقعت حاصل ہو جائے۔

یوحنا کی انجیل یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس کو دوسری صدی عیسوی کے شروع میں ایک مذہبی مفکر نے لکھا

سے بہت اچھی طرح کام لیا جاتا ہے۔ جھوٹے پروپاگنڈا عمل میں لائے جاتے ہیں۔ حضرت علی ان باتوں سے پرہیز کرتے تھے اور جانشین رسول کی شان کے منافی سمجھتے تھے۔ لہٰذا لوگ بہت آسانی سے ادھر جمع ہوگئے جہاں یہ باتیں تھیں۔ حضرت علی کا مساوی وعادلانہ طرز عمل بھی ان خواہش کے بندوں کو پسند نہ تھا ابن ابی الحدید کہتے ہیں:-

اِنَّ سبب افتراق الناس عنه کان لعدله و قسمته مساویًا

یعنی حضرت علی کے خلاف لوگوں کے ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ امیر وغریب وضیع و شریف صاحب رسوخ وگوشہ نشین سب کے ساتھ عدل کرتے تھے اور آپ کی تقسیم غنائم واقطاع مساوی وعادلانہ تھی۔

(شرح نہج البلاغۃ الجزء الاول صفحہ ۱۸۰ - الجزء الثانی صفحہ ۱۷۲)

حضرت علی اپنی فطرت میں اپنے خصائل حمیدہ میں، اپنے علم میں، اپنی بلند حوصلگی میں، اپنی شدت ریاضت اور سختی ایمان میں، اس قدر ان لوگوں سے ارفع و اعلیٰ تھے کہ وہ لوگ ان کو اپنے میں ایک غیر سمجھتے تھے۔ اور ان کی شخصیت کے سامنے اپنے تئیں صغیر اور حقیر محسوس کرتے تھے۔ ہر ایک شخص اپنے جیسے شخص سے میل جول کرنا چاہتا ہے اور مل کر خوش ہوتا ہے۔ ع کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔

ایک بڑے شہر میں ایک اجنبی وارد ہوتا ہے اور اپنا ایک حلقہ احباب بناتا ہے، اس حلقہ سے پہچان لیا جاتا ہے کہ آیا وہ قصاب ہے، حجام ہے، مولوی ہے، عالم ہے، شاعر ہے یا جواری ہے ہر ایک گروہ چاہتا ہے کہ حاکم ہم میں سے ہو یعنی ہم جیسا ہو، بوجہ اپنی رفعت شان ومنزلت علم و عمل و طہارت نفس کے حضرت علی اپنے ابنائے زماں میں بطور ایک نوع غیر کے سمجھے جاتے تھے۔ لہٰذا عوام الناس نے دیکھا کہ ان کو حاکم مقرر کرکے ہمیں کوئی ذاتی فائدہ نہ ہوگا اور یہ ہم سے ہمیشہ بالاتر رہیں گے۔ ہم ان کو اپنی تعداد یا طاقت یا شور و غل سے مرعوب و مغلوب نہیں کر سکیں گے ایسا آدمی مقرر ہو جائے تو اچھا ہے جو ہم جیسی کمزوریاں رکھنے والا ہو۔ ہم سے دبا رہے ہماری خوشامد کرتا رہے جو ذاتی فوائد وہ حاصل کرے ان میں ہم کو شریک کرے اور ہمیشہ سمجھتا رہے کہ اس کو یہ بزرگی و حکومت دلانے والے ہم ہیں اور اس کے صلہ میں وہ ہم کو انعامات و اکرامات دیتا رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت علی اپنے ذاتی نفع کے لئے کبھی وہ بات نہیں کرتے تھے جو ان کی شان سے گری ہوئی ہو۔ اُن کے حریف یہ بات جانتے تھے اور ان کی عالی حوصلگی سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ یہ تو ہر ایک سقیفہ ساز جانتا تھا کہ اگر خلیفہ گری کی بحث کے وقت علی اور بنو ہاشم موجود ہوئے تو ہماری دال نہیں گلنے کی۔ مگر علی کیونکر دور رکھے جا سکتے تھے یہ فقط چند لیڈروں کی فکر رسا کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ جن کے ہاتھ

تھا۔ اس کا نام نہیں معلوم۔ اس میں بہت سے فرضی قصے درج کیئے گئے۔ معجزات کی بھرمار اس وجہ سے کی گئی ہے کہ لوگوں کے اعتقاد مضبوط ہوں۔ ورنہ وہ معجزے درست نہیں ہیں۔ مثلاً سامرہ کی عورت LAZARUS اور NICODEMUS کے سب فرضی قصے ہیں۔ اس کا آخری باب بعد کے زمانہ کا اضافہ ہے۔ اس انجیل کو بھی یوحنا کے نام سے اس وجہ سے منسوب کیا ہے کہ اس کی وقعت بڑھے اور لوگوں کے اعتقاد مضبوط ہوں۔

یہ چاروں انجیلیں مسودوں کی صورت میں لوگوں میں جاری رہیں اور ان میں تبدیلیاں اور اضافے ہوتے رہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انجیل کا کوئی نسخہ چوتھی صدی عیسوی کے پہلے کا لکھا ہوا نہیں دستیاب ہوا ہے۔ چوتھی صدی عیسوی تک جو تبدیلیاں تحریرات میں اور اعتقادات میں ہوتی رہیں وہ ہوتی رہیں۔

امور مندرجہ بالا ہم نے عیسائیوں کی مندرجہ ذیل کتابوں سے لئے ہیں۔

1:– THE RISE OF CHRISTANITY BY EARNEST WILLIAM BARNES BISHOP OF BIRMINGHAM.

2:– HISTORY OF SYRIA BY PHILIP K. HITTI.

3:– THE LIFE OF JESUS BY EARNEST RENAN.

ان میں سے خاص طور سے قابل ذکر یہ کتاب ہے:۔

THE RISE OF CHRISTANITY BY EARNEST WILLIAM BARNES BISHOP OF BIRMINGHAM

یہ کتاب ایک بشپ کی لکھی ہوئی ہے جو بے دین اور مسیحیت کا دشمن نہیں کہا جا سکتا۔ اس کتاب کے باب ششم کا پیرا ۱۰۰ صفحہ ۱۸۴ ہم نیچے نقل کرتے ہیں:۔

MARK, OUR EARLIEST GOSPEL, WAS, AS WE SHALL SEE IN CHAPTER VII, NOT WRITTON UNTIL CHRISTANITY HAD SPREAD WIDELY. DURING THE FORTY YEARS OR MORE WHICH SEPARATED THE CRUCIFICATION OF JESUS FROM THE PERIOD WHEN THE GOSPAL ASSUMED SUBSTARTIALLY ITS PRESENT FORM, THERE WERE MANY DEVELOPMENTS OF CHRISTIAN THOUGHT AND BELIEF. WHAT FINALLY BECAME THE AUTHORITATIVE CHRISTIAN TRADITION.

SHAPED ITSELF GRADUALLY. IT WAS, IN PART, BUILT UP OF TEXTS IN THE OLD TESTAMENT WHICH WERE REGARDED AS MESSIANIC. THEN, TOO, ILLUSTRATIONS AND EXAGGERATIONS OF POPULAR PREACHING WERE HARDENED INTO WHAT WE ASSERTED TO BE HISTORICAL FACTS. RELIGIOUS INFLUENCES POTENT IN GREEK-SPEAKING COMMINITIES OF THE LEVENT CONTRIBUTED TO THE DEVOLPMENT OF WORSHIP AND BELIEF. THE INTELLECTUAL ATMOSPHERE OF THE ERA BEGAN TO MAKE ITS CONTRIBUTION TO THE FRAMING OF AN EXPLANATION OF THE RELATION TO GOD OF HIS ANOINTED, THE CHRIST.

ترجمہ:۔ مرقس سب سے پرانی انجیل ہے۔ لیکن وہ بھی جیسا کہ باب ہشتم میں ذکر کریں گے۔ اس وقت لکھی گئی تھی کہ جب عیسائیت اچھی طرح پھیل چکی تھی اس چالیس پچاس سال کے درمیانی عرصہ میں جو حضرت علیٰی کے صلیب پر جانے اور اس انجیل کے لکھے جانے کے درمیان گذرا مذہب عیسوی کے اعتقادات و تخیلات میں بہت سی تبدیلیاں ہوئیں۔ وہ مسیحی اعتقاد جو آخرکار اس مذہب میں قائم ہو گیا۔ وہ کئی رفتہ رفتہ کی تبدیلیوں کے بعد بنا ہے۔ اس کا زیادہ ترحصہ عہد عتیق کے اس اعتقاد پر مبنی ہے جو رائج تھا۔ کہ دنیا کو اس کے مصائب سے نجات دلانے والا ایک مسیحا آنے والا ہے۔ علاوہ اس کے وہ قصے اور مبالغہ آمیزیاں جو عوام الناس میں رائج تھیں۔ آخرکار تاریخی واقعات مانے جانے لگے۔ اس زمانہ میں LEVENT کی یونانی زبان بولنے والی اقوام میں ان کے بت پرستی کے مذہب کے تاثرات جاری وساری تھے۔ ان کے ہی زیر اثر دین مسیحیت کے معتقدات اور عبادات نے موجودہ شکل اختیار کی۔ اس زمانہ کے معتقدات و تخیلات حضرت علیٰیؑ اور خدا کے باہمی رشتہ کے اعتقاد بننے کے ذمہ دار ہیں۔

اس تحریر سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہیں:۔

۱۔ مرقس اور دیگر انجیلیں اصلی نہیں ہیں۔

۲۔ بہت سی تبدیلیوں اور تغیرات کے بعد انہوں نے موجودہ شکل پائی ہے۔

۳۔ عیسائی مذہب کے اعتقادات حضرت عیسیٰؑ کی اصلی تعلیم کے نتائج نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں بہت سے تغیرات و انقلابات ہوئے ہیں۔

۴۔ عیسوی مذہب کے اعتقادات و روایات مندرجہ ذیل امور سے مرکب ہیں۔ اور ان پر مبنی ہیں

(ا) عہد عتیق کے معتقدات۔

(ب) وہ قصے کہانیاں جو جہلاء و عوام الناس میں اس زمانہ میں رائج تھے۔

(ج) یونانی بت پرستی و فلسفہ کے اثرات

۵۔ حضرت عیسیٰ خدا کا بیٹا ہونے کا اعتقاد ان ہی بت پرست اقوام کے مذہب کا اثر ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مذہب عیسوی کے اعتقادات جو انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک رائج تھے۔ اور جن کو اب زمانہ حال کی تحقیقات نے غلط ثابت کیا ہے۔ ایک شخص EUSEBIUS کی کتاب ECCLESIASTICAL HISTORY سے ماخوذ تھے۔ اور اس پر ہی مبنی تھے یہ EUSEBIUS (۲۶۰ء تا ۳۳۹ء) سیزریا CAESARIA کا بشپ تھا اور اس نے اپنی یہ کتاب ۳۲۴ء میں لکھی تھی۔ خرابی یہ تھی۔ کہ دین عیسوی کے شروع زمانہ میں اور اس میں تین صدیوں کا فاصلہ تھا۔ یہ اپنی کتاب کا ماخذ PAPIAS کو بتاتا ہے۔ جو HIERAPOLIS کا بشپ تھا۔ اور دوسری صدی عیسوی کے وسط میں تھا اس نے اپنی کتاب EXPOSITION OF THE ORACLES OF THE LORD محض متی اور مرقس کی انجیلوں کی تائید کے لئے اور ان کی وقعت بڑھانے کی غرض سے لکھی تھی۔ یہ ایک مناظرہ کی کتاب تھی جو کفار و یہودیوں سے مناظرہ کرنے کے لئے لکھی گئی تھی۔

ابنیت عیسیٰؑ

زمانہ حال کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ شروع میں یہ اعتقاد نہیں تھا۔ کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں بلکہ یہ اعتقاد بعد کے زمانہ میں پیدا ہوا ہے موجودہ مرقس کی انجیل میں یہ الفاظ ملتے ہیں:۔

GOSPEL OF JESUS CHRIST, THE SON OF GOD. یعنی انجیل عیسیٰ جو خدا کے بیٹے تھے۔ لیکن مرقس کے نہایت قدیم نسخے میں یہ الفاظ نہیں ہیں لہذا ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہیں کہ اصلی اور پہلی کتاب میں یہ الفاظ نہ تھے۔ ولیم بارنز WILLIAM BARNES بشپ نے یہ بہت اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ بعد میں تراشا گیا ہے

THE RISE OF CHRISTIANITY BY WILLIAM BARNES.

CHAPT. VI P.P. 48 TO 90

یہ عقیدہ دراصل صنم پرستانِ روم سے لیا گیا تھا۔ جن کے خداؤں کے بچے ہوتے تھے۔ اور وہ اپنے بڑے آدمیوں کو خدا کا بیٹا کہا کرتے تھے۔ جیسے افلاطون اور آگسٹس کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ افلاطون و آگسٹس APPOLLO خدا کے بیٹے تھے۔ اس زمانہ میں یہ خیالات عام تھے۔ عیسائیوں نے کہا کہ ہم کیوں پیچھے رہیں۔ انہوں نے اپنے عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بنا دیا۔

ان لوگوں میں اس زمانہ میں انسان اور خدا کے درمیان کچھ بڑا فرق نہیں ہوا کرتا تھا۔ بڑے بڑے آدمیوں کو ان کے مرنے کے بعد خدا مان کر ان کی پرستش کرتے تھے۔ جیسے سکندر اعظم جولیس سیزر۔ ان کا خیال تھا کہ بڑے آدمیوں میں خدا کی روح ہوتی ہے۔ آگسٹس کو عام طور سے خدا کا اوتار سمجھتے تھے۔ ہندوؤں میں تو یہ خیال عام تھا۔ کسی ملک کی زبان سے اس کے تخیلات و معتقدات کی نہایت سچی تاریخ مرتب ہوتی ہے۔ انگلستان و فرانس بلکہ یورپ کے ہر ملک میں ایک لفظ ملتا ہے DEIFY DEIFICATION جس کے معنی ہیں۔ خدا بنانا۔ خدا کے درجہ پر پہنچانا۔ یہ لفظ لاطینی زبان کے الفاظ DEUS (خدا) FACERE (بنانا) سے بنا ہے اسکی لاطینی DEIFICARE ہے۔ گویا یہ خیال روم سے لیا گیا ہے۔ یونان و روم کا قاعدہ تھا کہ بڑے آدمیوں کو ان کے مرنیکے بعد خدا کے درجہ پر رکھ کر ان کی پرستش کرتے تھے۔ اس ہی خیال کو لے کر عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کے درجہ پر اس طرح پہنچایا۔ کہ انہیں خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ اور انکو خدا کی تمام صفات سے آراستہ کرکے خدا کے عرش پر بٹھا دیا۔ حضرت عیسیٰ کے حواریین کو یہ لوگ Saint کہتے تھے جیسے SAINT PEER SAINT JHON. حضرت عیسیٰ کو تو خدا بنا دیا۔ ان کے بعد کے آنے والے خدا تو نہیں بن سکتے تھے۔ لیکن کچھ بننا وہ بھی چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے لئے سینٹ SAINT کا درجہ پسند کر لیا۔ جو مذہبی شخص بہت پرہیزگار سمجھا جاتا تھا اور خیال تھا کہ اس کے ہاتھ پر معجزے ہوتے رہیں ان کے مرنے کے بعد گرجا کے پادری اسقف اعظم ان کو سینٹ کا درجہ دے دیتے تھے اور سینٹ کی فہرست میں ان کا نام لکھ لیتے تھے۔ اس عمل کو لفظ CANONISE یعنی سینٹ بنانا سینٹ کی فہرست میں نام درج کر لینا سے ظاہر کرتے ہیں۔ ان ہی کی تاسی میں ہمارے سواد اعظم نے اولیاء اللہ کی فہرست کھول دی تھی اور بہت سے معجزے ان کی طرف منسوب کر دئے تھے۔ دیکھو شیخ فریدالدین عطار کی تذکرۃ الاولیاء۔

دینِ مسیح کا مجموعہ اعتقادات بہت سے مذاہب سے لے کر ایک خاص غرض کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ دین مسیح کو شروع شروع میں بہت سے مثلاً یونانی، ایرانی و اشیرائی

مذاہب سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اس زمانہ میں ایران کا مذہب دین مہتھرا بہت زوروں پر تھا۔ عیسائی مذہب میں خدا کے بیٹے کا اعتقاد اور دیگر رسومات مذہبی اسی دین سے لئے گئے ہیں۔

ایرانیوں نے خدا کا تخیل مہتھرا کی صورت میں کیا تھا۔ یہ دین ہندوستان کے برہمنوں میں بھی برہمہ کے نام سے رائج تھا لیکن ایرانیوں نے اس کو زرتشتی مذہب کے ساتھ ملا کر ایک عمدہ ترکیب بنالیا تھا۔ دین زرتشت میں اہورا مزدا سب سے بڑا خدا ہے۔ مہتھرا اس سے کمتر درجہ کا خدا لکھا گیا۔ تقریباً خدا کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ یہ نور کا خدا جنت و دوزخ کے درمیان کے میدان میں آسمان پر رہتا تھا۔ نور و ظلمت کی لڑائی میں حق کا محافظ اور اہورامزدا کا معاون تھا۔ مہتھرا زمین پر پیدا ہوا تھا اس نے آسمانی سانڈ کو گرفتار کر کے قتل کیا تھا۔ اس کے جسم سے وہ تمام درخت اور جانور پیدا ہوئے تھے۔ جو انسان کے لئے مفید تھے۔ مہتھرا نے انسان کو نیچر کی طاقتوں کو مغلوب کرنے میں مدد دی اور پھر آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ جہاں سے وہ اپنے ایمان لانے والوں کی نگرانی اور مدد کرتا ہے اور آخرکار دوبارہ زمین پر آن کر شر کے عناصر کو ہمیشہ کے لئے مغلوب کر کے خیر کو دائمی زندگی عطا کرے گا۔ یہ مذہب ایران میں حضرت عیسٰی سے بہت پہلے سے رائج تھا۔ اور اس کے ہی اعتقادات کو دین مسیح نے اپنے اندر لے کر حضرت عیسٰی کو مہتھرا کی جگہ قائم کر دیا۔ دین مہتھرا کی بہت سی رسومات بھی دین مسیح نے اختیار کر لیں۔ یہ مذہب روم میں شاہ ٹراجان (TRAJAN 98-117 A.D) کے وقت میں آیا اور شاہ کوڈلیس (COMMODIUS, 180-192. A.D) نے اس کی بہت اشاعت کی۔ تمام رومن افواج میں دین مہتھرا پھیل گیا تھا۔ ان افواج نے تمام رومانی سلطنت میں اس دین کو پھیلا دیا۔

چونکہ تمام لوگ مہتھرا کی محبت میں سرشار تھے۔ اور دین مسیحی کا مقابلہ اس دین مہتھرا سے آن پڑا لہٰذا عیسائی کارکنوں نے حضرت عیسٰیؑ کو مہتھرا کی جگہ قائم کیا۔ اور جو عقیدہ مہتھرا کے متعلق تھا۔ وہ حضرت عیسٰی کے متعلق انہوں نے مقرر کر دیا۔ یعنی حضرت عیسٰی کا جو تصور دین مسیح میں قائم کیا گیا ہے۔ وہ اس ہی دین مہتھرا سے لیا گیا ہے مہتھرا کا تصور ہم نے اوپر لکھا ہے۔ اب حضرت عیسٰی کا تصور ملاحظہ ہو۔ دیکھو یوحنا کا مکاشفہ (REVELATION) باب اول۔ آیت ۱۵ تا ۱۸۔ باب دوم آیت ۱۸۔ باب ۱۲ آیات ۱ تا ۶، باب ۱۹ آیات ۱۱ تا ۱۶۔ وہاں سے ہم نقل کرتے ہیں۔ یوحنا نے حضرت عیسٰی کے انتقال کے بعد انہیں اس طرح دیکھا۔

ایک شخص دیکھا جو پاؤں تک کا جامہ پہنے اور سونے کا بند سینہ پر باندھے ہوئے تھا۔ اس کا سر اور بال سفید اون بلکہ برف کی مانند سفید تھے۔ اور اس کی آنکھیں آگ کے شعلہ کی مانند تھیں اور اسکے پاؤں اس خالص پیتل کے سے تھے جو بھٹی میں تپایا گیا ہو اور اس کی آواز زور

کے پانی کی سی تھی۔ اور اس کے دہنے ہاتھ میں سات ستارے تھے اور اس کے منہ میں سے ایک دو دھاری تیز تلوار نکلی ہوئی تھی۔ اور اس کا چہرہ ایسا چمکتا تھا جیسے تیزی کے وقت آفتاب۔ جب میں نے اسے دیکھا تو اس کے پاؤں میں مردہ سا گر پڑا۔ اور اس نے یہ کہہ کر مجھ پر اپنا داہنا ہاتھ رکھا کہ خوف نہ کر میں اول اور آخر اور زندہ ہوں۔ میں مر گیا تھا اور دیکھ ابدالآباد تک زندہ رہوں گا۔ اور موت اور عالم ارواح کی کنجیاں میرے پاس ہیں۔ باب اول آیات ۵ تا ۱۸۔"

پھر آگے چل کر باب دوم آیت ۱۸ میں حضرت عیسٰیؑ نے یوحنا سے کہا۔
"خدا کا بیٹا جس کی آنکھیں آگ کے شعلہ کی مانند اور پاؤں خالص پیتل کی مانند ہیں یہ فرماتا ہے"
پھر باب ۱۲۔ آیت ۱ تا ۷ میں تحریر ہے کہ۔
"پھر آسمان پر ایک بڑا نشان دکھائی دیا یعنی ایک عورت نظر آئی جو آفتاب کو اوڑھے ہوئے تھی اور چاند اس کے پاؤں کے نیچے تھا۔ اور بارہ ستاروں کا تاج اس کے سر پر۔ وہ حاملہ تھی اور دردِ زہ میں چلا رہی تھی۔ اور پھر ایک اور نشان آسمان پر دکھائی دیا وہ ایک بڑا لال اژدہا تھا۔ اس کے سات سر اور دس سینگ تھے۔ اور اس کے سروں پر سات تاج۔ اس دُم نے آسمان کے تہائی ستارے کھینچ کر زمین پر ڈال دئے۔ اور وہ اژدہا اس عورت کے آگے جا کھڑا ہوا تاکہ جب وہ جنے تو اس کے بچے کو نگل جائے۔ اور وہ بیٹا جنی یعنی وہ لڑکا جو لوہے کے عصا سے سب قوموں پر حکومت کرے گا۔ اس کا بچہ یکایک خدا اور اسکے تخت کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اور وہ عورت اس بیابان کو بھاگ گئی جہاں خدا کی طرف سے اس کے لئے ایک جگہ تیار کی گئی تھی۔ تاکہ وہاں ایک ہزار دو سو ساٹھ دن تک اس کی پرورش کی جائے۔"
اس کے بعد آسمان پر لڑائی ہوئی۔ میکائیل اپنے فرشتوں کو لے کر اژدہا سے لڑنے کے لئے نکلے۔ باب ۱۹ آیات ۱۱ تا ۱۶ میں حضرت عیسٰی کی ایسی ہی تصویر کھینچی ہے۔ اور آخر میں لکھا ہے۔ کہ یہ خدا کے غضب کی شراب میں انگور روندے گا۔ اس کی پوشاک اور اس کی ران پر لکھا ہوا تھا۔
"بادشاہوں کا بادشاہ اور خداؤں کا خداوند"

یہ سب کا سب خزانہ تخیلات کا اجتماع ہے۔ اور متھرا کی شکل صاف حضرت عیسٰی میں نظر آتی ہے۔ چونکہ اس دینِ متھرا سے مقابلہ تھا۔ پادریوں نے لوگوں کو دینِ مسیح کی طرف مائل کرنے کے لئے اپنے عیسٰی کو ان کے محبوب متھرا کی صورت دے دی اور اس مذہب کی بہت سی رسومات لے لیں۔ چنانچہ (sacrament) کی رسومات سب دینِ متھرا سے لی گئی ہیں۔
حضرت عیسٰی کی ابنیت کے اعتقاد کا ایک ماخذ یونانی فلسفہ بھی ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ

دینِ مسیحی دینِ متھرا کی ایک شکل ہے

چوتھی انجیل کا لکھنے والا ایشیائے کوچک کے ساحلی شہر EPHESUS کا باشندہ تھا اور یہ وہی شہر تھا جہاں تقریباً ۵۰۰ق۔م۔ میں ہرقلاطیس فلاسفر (HERACLEITUS) نے LOGOS کا نظریہ قائم کیا تھا اور اس کی تشریح کی تھی۔ ہرقلاطیس کا خیال تھا کہ LOGOS وہ برحق شے یا ہستی ہے جس سے دُنیا کی تمام چیزیں پیدا ہوتی ہیں اس کے نزدیک LOGOS ایک زبردست خیال یا خیالی طاقت یا قوت متخیلہ ہے۔ جو تمام عالم کی زندگی ہے یعنی اس کی ہستی کا باعث ہے۔ اس دُنیا کی ہر شے حرکت والی دوامی تغیر میں ہے۔ لیکن LOGOS جو عقل دا آگہی میں جلوہ گر ہے، مستقل ودائم بغیر حرکت اور تغیر کے ہے۔ دراصل ہرقلاطیس کے نزدیک LOGOS نیچر یا خدا ہے۔ اس حکیم کی تعلیم کا اثر اس کے بعد کے آنے والے حکماء پر بہت ہوا۔ خصوصاً STOICS (رواقی حکماء) کے فرقہ پر بہت اثر ہوا۔ اس کی تعلیم ZENO نے ۳۰۸ق۔م میں دی تھی۔ ان کے خیال میں تمام عالم ہی خود خدا تھا۔ یعنی نیچر خدا تھی۔ اور LOGOS اس میں جان پھونکنے والی روح تھی۔ جو تمام عالم کی حرکت کا باعث تھی۔ اُن کے نزدیک عقل اور خیال میں بھی LOGOS تھا۔ یہ تمام نظام عالم کا منبع اور سرچشمہ تھا۔ یہ ہی قانونِ قدرت تھا۔ اور یہ ہی قسمت۔ گویا ان حکماء کے نزدیک LOGOS ایک ذات جسم والی بھی تھی اور بغیر جسم کے بھی۔ یہ LOGOS ہی دنیا کی روح تھا۔ دراصل خداوند تعالےٰ کی خالقیت یا قدرت تخلیق ہی کا نام LOGOS تھا۔ انجیل چہارم کا مصنف اگرچہ انبیاء بنی اسرائیل کے خدا کو مانتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ خدا روح ہے۔ لیکن ضروری ترمیمات کرکے اس نے LOGOS کے نظریہ کو قبول کر لیا تھا۔ انگریزی میں بائیبل میں LOGO کا ترجمہ WORD (کلمہ) سے کیا گیا ہے۔ WILLIAM BARNES کہتے ہیں:۔

THE BELIEF THAT JESUS, AS THE LOGOS, IS THE SOURCE OF LIGHT AND LIFE RUNS AS A RECURRENT THEME THROUGH THE FOURTH GOSPEL. THE WRITER'S SUPREME MESSAGE IS THAT IN JESUS THE LOGOS BECAME FLESH AND DWELT AMONG US (AND WE BEHELD HIS GLORY, GLORY AS OF AN ONLY BEGOTTEN FROM A FATHER) FULL OF GRACE AND TRUTH (1·14)

THUS THE WRITER OF THE FOURTH GOSPEL IN A FEW BRIEF SENTENCES, BY ADAPTING IDEAS WHICH HAD

MUCH VOGUE AMONG INTELLECTUALS OF HIS TIME, CLAIMED FOR JESUS A COMPLETE SUPERMACY. (THE RISE OF CHRISTIANITY BY ERNEST WILLIAM BARNES, P-95)

ترجمہ: یہ اعتقاد کہ حضرت عیسٰی LOGOS ہیں اور بوجہ LOGOS ہونے کے تمام نور و زندگی کے سرچشمہ ہیں چوتھی انجیل میں بار بار دوہرایا گیا ہے۔ اسکے مصنف کا سب سے بڑا پیغام یہ ہے کہ حضرت عیسٰی میں LOGOS نے گوشت و پوست کا جسم اختیار کر لیا اور ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس منور عظمت کا ملاحظہ کیا۔ وہ منور عظمت جو معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک باپ کی اکلوتی پیدائش ہے۔ رحم و حق سے بھری ہوئی۔ ...... اس طرح چوتھی انجیل کے مصنف نے چند مختصر جملوں میں ان خیالات کو عیسائیت میں لے کر جو اس زمانہ کے تعلیم یافتہ لوگوں میں مروج تھے حضرت عیسٰی کے لئے مکمل برتری کا دعویٰ کیا۔

ان تمام مشکلات کا ذکر کرنے کے بعد جو اس اعتقاد ابنیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ فاضل مصنف جو خود بشپ ہے۔ لکھتا ہے:۔

THERE WERE CENTURIES OF ARGUMENT DURING WHICH MEN SOUGHT TO EXPLAIN THE RELATION OF THE SON TO THE FATHER, OF JESUS TO GOD. WE PASS NO HARSH VERDICT ON THE PROTAGONISTS IN THESE PROTRACTED DISPUTES IF WE SAY THAT THE INTELLECTUAL DIFFICULTIES WHICH AROSE WERE NEVER SATISFACTORILY OVER COME (IBID - P - 97)

ترجمہ:۔ صدیوں تک بحثیں ہوتی رہیں جن میں لوگوں نے یہ تشریح کرنے کی کوشش کی۔ کہ بیٹے سے باپ کے تعلق اور عیسٰیؑ سے خدا کے تعلق کی حقیقت و ماہیت کیا ہے۔ ان طویل مناظروں کے فریقین پر ہم کوئی ناواجب فیصلہ نہیں صادر کرتے جب ہم کہتے ہیں۔ کہ ان عقلی و منطقی مشکلات کا جو اس عقیدہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ کبھی تسلی بخش حل نہیں ہوا۔ حضرت عیسٰیؑ کی الوہیت اور ابنیت کا عقیدہ بہت کچھ عہد عتیق کی تحریفات پر بھی مبنی ہے۔ یہی فاضل مصنف کہتے ہیں:۔

A FRAGMENT OF A STORY IN THE BOOK OF GENESIS (XIV, 18-20) AND A VERSE IN ONE OF THE PSALMS (CX-4) FARM THE BASIS OF SPECULATIONS SO FANCIFUL THAT WE FIND IT HARD TO TAKE THEM SERIOUSLY, MELCHIZEDEK IS DESCRIBED (HEBREWS VII-2-3) AS KING OF RIGHTEOUS-NESS AND KING OF PEACE, "WITHOUT FATHER, WITHOUT MOTHER, WITHOUT GENEALOGY, HAVING NEITHER BEGINNING OF DAYS NOR END OF LIFE, BUT MADE LIKE UNTO THE "SON OF GOD" JESUS, WHO IS TERMED "OUR LORD" HAS BEEN MADE AFTER THE LIKENESS OF MELCHIZEDEK (IBID- P-91)

ترجمہ :- کتاب پیدائش GENESIS (سفر تکوین) کے قصہ کا ایک حصہ XIV : 18-20 اور مزامیر داود کا ایک جملہ PSALMS 104-4 ایسے موہوم اور بیہودہ تخیلات پر مبنی ہیں کہ ان کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ لکھنے والے کا مدعا تھا کہ ان کو صحیح سمجھا جائے۔ ملکیزدک کو نیکی اور امن کا بادشاہ بتایا گیا ہے۔ جس کا نہ کوئی باپ ہے نہ ماں ہے اور نہ نسب ہے۔ نہ اس کی کوئی ابتدا تھی اور نہ اس کی زندگی کے لئے کوئی انتہا رہے بلکہ اس کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ گویا خدا کا بیٹا تھا۔ عیسیٰؑ کو جسے "ہمارا مالک" کا خطاب دیا گیا ہے۔ اس ہی ملکیزدک کے نمونہ پر بنایا گیا ہے۔

دینِ مسیح پر باطنی مذاہب کا اثر

یہاں لفظ باطنی سے وہ مذاہب مراد ہیں جن کے رسومات وعقائد بطور ایک مذہبی راز کے خفیہ رکھے جاتے تھے۔ ان کے رسومات وعقائد کا خفیہ ومبہم ہونا ہی ان کے اثر ورسوخ کا موجب تھا۔ ان کی لغویت اسی طرح لوگوں کی آنکھوں سے نہاں رہ سکتی تھی۔ ایسے مذاہب کا اثر یونان وروم میں چھ صدی قبل مسیح سے چوتھی صدی عیسوی تک تھا۔ یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک قوم نیا مذہب اختیار کرتی ہے۔ تو یہ نیا مذہب ان پرانے مذہب سے اثر پذیر ہو کر متغیر بلکہ مسخ ہو جاتا ہے۔ یہ ہی حالت دینِ مسیح کی ہوئی کہ ان مذاہب سے متاثر ہو کر متغیر ہو گیا۔ مسٹر ولیم یادنز کہتے ہیں:-

IT HAS BEEN SAID THAT CHRISTIANITY ULTIMATELY TRIUMPHED IN THE ANCIENT WORLD AS A MYSTERY-RELIGION; AND UNDOUBTEDLY

دینِ مسیح پر باطنی مذاہب کا اثر

THE INFLUENCE OF IDEAS FROM THESE FAITHS IS TO BE FOUND IN THE NEW TESTAMENT, AND ESPECIALLY IN THE WRITINGS ATTRIBUTED TO PAUL. (THE RISE OF CHRISTIANITY, CHAPT.-III, PAGE-50)

ترجمہ :۔ "یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ دین مسیح آخر کار پُرانی دُنیا میں محض باطنی مذاہب کے طور پر کامیاب ہوا۔ اور امر واقعہ بھی یہ ہے کہ ان باطنی مذاہب کے عقائد کا اثر عہد جدید انجیل میں پایا جاتا ہے۔ خاص کر ان تحریرات میں جو پال کی طرف منسوب کی جاتی ہیں" دین مسیح میں ان مختلف ملحدانہ باطنی مذاہب کے اثر کی مثالیں دکھا کر فاضل مصنف کہتے ہیں کہ اگرچہ دینِ مسیح نے سب باطنی مذاہب کو مغلوب کر لیا۔ لیکن وہ عقائد اور خرافات جو ان تمام ملحدانہ باطنی مذاہب میں مشترک تھے۔ وہ سب اس فاتح مذہب (دین مسیح) میں پائے جاتے ہیں۔ صفحہ ۵۵۔ آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

THE LIKENESSES BETWEEN MITHRAISM AND CHRISTIANITY, AS EACH HAD DEVOLOPED BY THE END OF THE SECOND CENTURY OF OUR ERA, WERE MANY. EACH FAITH HAD BORROWED FROM THE OTHER AND THE BORROWINGS OF CHRISTIANITY WERE PERHAPS THE MORE EXTENSIVE.

(THE RISE OF CHRISTIANITY, PAGE-60)

ترجمہ :۔ دین متھرا اور دین مسیح میں جیسا کہ وہ دوسری صدی عیسوی تک صورت اختیار کر چکے تھے۔ بہت سی مشابہتیں تھیں۔ ایک مذہب نے دوسرے سے لے کر عقائد اختیار کئے بلکہ وہ عقائد جو دین مسیح نے دین متھرا سے لئے بہت زیادہ تھے۔

انجیل کی غلطیاں

۱۔ حضرت عیسٰی کا شجرہ نسب پہلی اور تیسری انجیل میں ہے (متی باب اول آیات ۱ تا ۱۶۔ لوقا باب سوم آیات ۲۳ تا ۳۸) یہ دونوں شجرۂ نسب ایک دوسرے کے متضاد ہیں اور اب زمانۂ حال کی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ دونوں غلط ہیں۔

۲۔ حضرت عیسٰی کی پیدائش کی تاریخ ۲۵ دسمبر نہیں ہے۔ بلکہ یہ تاریخ دین متھرا کی تقلید میں رکھی گئی ہے۔ دین متھرا میں ۲۵ دسمبر روزِ جشن قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ متھرا خدائی آفتاب ہے۔ اور ۲۵ دسمبر کو آفتاب اپنی طاقت اور تپش کا اظہار شروع کرتا ہے۔ دین مسیح میں تقریباً

میں اس انقلاب کی باگ ڈور تھی۔ انہوں نے اس بحث کے لئے ایسا وقت اور ایسا مقام مقرر کیا کہ علی اپنی جگہ سے ہل ہی نہیں سکتے تھے وہ جانتے تھے کہ علی کی شان کے خلاف ہے کہ جسد اطہر رسول کو بے غسل و کفن چھوڑ کر خلافت کے لئے دوڑیں لہٰذا تغسیل و تدفین رسول سے پہلے ہی انہوں نے اپنا سارا کام بنا لیا

(۷) انصار و مہاجرین کی رقابت

انصار نے مہاجرین کو مکہ سے بلایا اور سر آنکھوں پر رکھا اپنے گھروں میں جگہ دی اپنے لقمے میں سے توڑ کر لقمہ ان کو دیا یہ تو غربت کے وقت کی حالت تھی اس کے بعد فتوحات ہوئیں۔ مال غنیمت آنے لگا۔ ان حالات کی تبدیلی کے ساتھ ہی انصار کے دلوں کی کیفیت بھی بدلنے لگی۔ مکہ کے حضرات کفر میں زیادہ پختہ کار تھے۔ ان کی تالیف قلوب کے لئے جناب رسول خدا نے مال غنائم میں سے ان کو زیادہ حصہ دیا چونکہ آنحضرت بھی اس ہی قبیلہ سے تھے اور قریش کی طرح انصار نے بھی شان نبوت کو اچھی طرح نہیں سمجھا تھا۔ لہٰذا ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ ناجائز ترجیح ہے۔ آنحضرتؐ سے شکایت کی آپ نے ان کو سمجھا دیا۔ چونکہ آنحضرتؐ کے احکام کی اطاعت اسلام کا ایک جزو تھی۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں تو یہ صورت حالات بددلی کے درجہ سے آگے نہیں بڑھی لیکن جوں جوں آنحضرتؐ کی سرداری حکومت کی صورت اختیار کرتی گئی۔ انصار کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ آپ کے بعد اس حکومت کو کون سنبھالیگا۔ اور آیا وہ ایسا شخص ہوگا کہ ہمارے ساتھ عدل و مساوی سلوک کر سکے۔ انہوں نے اپنی اس فکر کا اظہار صاف طور سے سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس میں کر دیا جب بشیر ابن سعد اور زید بن ثابت کو مہاجرین کی حمایت کرتے ہوئے دیکھا تو حباب ابن المنذر نے صاف کہہ دیا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری اولاد ان مہاجرین کے دروازوں پر بھیک مانگتی پھر رہی ہے اگر انصار کو یقین ہو جاتا کہ آنحضرتؐ کے بعد بغیر کسی رکاوٹ کے حضرت علی مسند حکومت پر متمکن ہو سکیں گے تو وہ پھر مطمئن ہو جاتے۔ یہ امر قطعاً کہا جا سکتا ہے کہ اگر مہاجرین کی طرف سے حضرت علی کی مخالفت شروع نہ ہوتی تو انصار کبھی اس کی ابتدا نہ کرتے اور سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس کے انعقاد کی نوبت ہی نہ آتی۔ یہ مخالفین کی جماعت ہی کا طرز عمل تھا جس نے انصار کو اپنا علیحدہ خلیفہ مقرر کرنے پر مجبور کیا۔ روزانہ کے طرز عمل اور واقعات سے انصار کو یقین ہو گیا تھا کہ اگرچہ جناب رسول خدا نے علی کو تمام امت اسلامیہ کا حاکم و خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ مگر مہاجرین کی یہ طاقتور جماعت اس حکم کی اطاعت نہیں کرے گی۔ جب ہی تو بغیر مہاجرین سے صلاح و مشورہ کئے ہوئے اپنا علیحدہ خلیفہ سقیفہ بنی ساعدہ میں مقرر کرنا چاہا اور جب اس جماعت کے تین سردار وہاں آ ہی پہنچے تو پھر انصار نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ منا امیر و منکم امیر یہ مطالبہ صاف بتا رہا ہے کہ انصار جانتے تھے کہ اس جماعت نے جو طرز عمل اپنے لئے سوچ لیا ہے اس سے وہ نہ ہٹے گی اور یہ ممکن نہیں کہ ایک حاکم ہو اور وہ ان کا ہو۔ مہاجرین کے جور و ظلم سے بھی ڈرتے تھے۔ حکومت میں اپنا دخل چاہتے تھے لہٰذا ایک امیر کا مطالبہ کیا خواہ وہ امیر درجۂ دوم ہی پر رکھا جاتا۔ ہمارے

۳۰۰ سنہ میں ۲۵ دسمبر کو حضرت عیسٰی کی تاریخ ولادت مقرر کی گئی۔ ابتداء میں حضرت عیسٰی کو سورج کی طرف دین مِعثرا کی تقلید میں خاص طور سے منسوب کیا گیا تھا۔ مکاشفہ باب ۱۹، آیات ۱۱ تا ۱۶ میں حضرت عیسٰی کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ گویا وہ آفتابی خدا (SOLAR DEITY) ہے۔
جب شام کے یونانی بادشاہ ANTIOCHUS EPIPHANES نے یہودیوں کے مذہب کو مٹانے کی کوشش کی تو اس کی یاد میں یروشلم میں ایک مندر مخصوص کر دیا گیا۔ اس رسم مخصوص کے لئے ۲۵ دسمبر کا دن مقرر کیا گیا۔ کیونکہ اس دن سورج کی طاقت پھر زور پکڑنا شروع کرتی ہے ۱۶۸ سنہ قبل مسیح کا واقعہ ہے۔ لیکن اس کوشش کی وجہ سے بغاوت ہو گئی اور یہودیوں نے ۱۶۴ سنہ ق۔م میں یروشلم پر قبضہ کر کے اس مندر کو از سر نو صاف کیا اور یہ رسم ۲۵ دسمبر ہی کو قرار دی گئی اس جشن کا نام FEAST OF THE DEDICATION OF THE HOUSE. رکھا گیا۔

۳۔ یہ جو انجیل متی اور لوقا میں لکھا ہوا ہے۔ کہ حضرت عیسٰی BETHLEHEM میں پیدا ہوئے۔ بالکل غلط ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ حضرت عیسٰی NAZARETH میں پیدا ہوئے ہے۔ (THE RISE OF CHRISTIANITY P-80)

۴۔ لوقا انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ کچھ عرصہ GALILEE میں رہنے کے بعد حضرت عیسٰی NAZARETH میں آئے۔ اور وہاں کے آدمی آپ کی تعلیم سے بہت غضبناک ہوئے انہیں باہر نکال دیا اور ایک پہاڑی پر لے گئے کہ نیچے پھینک دیں یہ غلط ہے۔ صفحہ ۲۔

۵۔ یوحنا انجیل میں ہے کہ حضرت عیسٰی BETHANY (بیت عنیاہ) میں آئے۔ اور وہاں لازرس (LAZARUS) کے گھر گئے اور اس کے ساتھ شام کا کھانا کھایا۔ لازرس کی بہنیں بھی وہاں تھیں۔ (JOHN XII 1, 2) لیکن مرقس اسی ہی کھانے کو شمعون (SIMON) کے گھر میں بتاتا ہے۔ (MARK XIV 1-3)

۶۔ چاروں انجیلوں میں خصوصاً یوحنا میں درج ہے کہ حضرت عیسٰی کو اس وقت سولی ملی ہے۔ اور آپ نے انتقال کیا کہ جب یہودیوں نے عید فسح کا بھیڑا ذبح کیا۔ چنانچہ حضرت عیسٰی کو عید فسح کے بھیڑے سے تشبیہہ دے کر عیسائی کہتے تھے۔ کہ یہودیوں کے بھیڑئیے کی طرح حضرت عیسٰی بھی اپنی امت کے گناہوں کو اپنے ساتھ لے گئے دیکھو JOHN 1. 29 (CORINTHIANS: V. 7) صلیب دئے جانے کے آخری مرحلہ میں جلدی کی گئی۔ تاکہ عید فسح کے شروع ہونے سے پہلے وہ ختم ہو سکے۔ اس ہی وجہ سے عیسائیوں نے اپنا EEASTER-DAY. اس طرح رکھا کہ وہ یہودیوں کے طعام فسح کے مطابق ہو۔ یعنی وہ نیسان

کے چودہ دن گذرنے کے بعد شام کو۔ لیکن پادریوں کی COUNCIL OF NICE نے اس کو غلط قرار دے کر اس رسم کو چھوڑ دیا۔ یہ ۳۲۵ء کا واقعہ ہے۔ اس کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد WILLIAM BARNES لکھتے ہیں:۔

"IT MAY BE THAT THOSE ANALYTICAL SCHOLARS ARE RIGHT WHO MAINTAIN THAT ACCURATE KNOWLEDGE OF THE ARREST, TRIAL AND DEATH OF GESUS HAD PERISHED WHEN THE GOSPELS WERE WRITTEN; AND THAT THE STORIES WHICH HAVE COME DOWN TO US WERE SHAPED FOR USE AT WORSHIP." (P-153).

ترجمہ:۔ غالباً وہ محققین حق پر ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی گرفتاری، مقدمہ اور موت کا صحیح و درست علم مفقود ہو چکا تھا کہ جب انجیلیں لکھی گئیں اور وہ داستانیں اور ان امور کے متعلق جو ہم تک آئی ہیں، صرف عبادت کے استعمال کے لئے وضع کی گئی ہیں۔

زمانہ حال کی اس تحقیقات سے نہایت اہم نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ کی موت کی نسبت جو قصّہ کہانیاں تراشی گئی ہیں۔ وہ سب غلط ہے۔ دراصل حضرت عیسیٰ کو سولی نہیں دی گئی۔ اور نہ وہ سولی پر مرے۔ اس بیان کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے۔ جو انجیلوں پر مبنی ہے کہ حضرت عیسیٰ سولی کے تین دن بعد اپنے حواریین کے پاس آئے۔ ان سے باتیں کیں اور پھر آسمان پر اٹھا لیئے گئے۔ گویا آسمان پر اٹھا لیا جانا تو مسلمان بھی مانتے ہیں اور عیسائی بھی۔ فرق یہ ہے کہ مسلمان کہتے ہیں کہ انہیں سولی نہیں ملی۔ عیسائی کہتے ہیں کہ سولی مل گئی۔ اور قبر میں ڈال دیئے گئے لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی ساتھی عورت نے قبر کو جو جا کر دیکھا تو وہ خالی تھی۔ وہ ان کے دیگر حواریین کو لائی۔ انہوں نے بھی قبر کو خالی پایا۔ حضرت عیسیٰ قبر میں ڈالے بھی گئے یا نہیں۔ یہ ثابت نہیں کہ وہ قبر میں ڈالے گئے۔ آپ کے تمام مرد مقلدین تو اس خوف سے بھاگ گئے تھے کہ کہیں وہ بھی مجرم قرار دے جا کر دار پر نہ چڑھا دئے جائیں۔ کہتے ہیں کہ عورتوں نے حضرت عیسیٰ کو سولی پر مرتے ہوئے دیکھا۔ لیکن وہ کون سی عورتیں تھیں یہ معلوم نہیں۔ عام طور سے مجرموں کو سولی دئے جانے کے وقت اِرد گرد کی عورتیں جمع ہو جاتی تھیں۔ اور مرنے والے کو شربت وغیرہ پلاتی تھیں۔ زمانہ حال کی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ انجیلوں میں جو مرتے وقت کے مختلف جملے حضرت عیسیٰ کے منہ میں ڈالے گئے ہیں وہ غلط ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے کچھ نہیں کہا۔ صفحہ ۱۶۲۔ انگریزی کتاب مذکور بالا

* حضرت عیسیٰ کو سولی نہیں دی گئی *

یہ عقیدہ کہ واقعہ سُولی کے تین دن بعد حضرت عیلی کے مردہ جسم میں از سر نو جان آگئی دین مسیحی کا رکن اعظم ہے۔ لیکن زمانہ حال کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ عقیدہ صحیح نہیں اور یہ واقعہ غلط ہے۔ صفحہ ۱۶۴۔ انگریزی کتاب متذکرہ بالا۔

حضرت عیلی کے دفن ہونے کے واقعہ کو مرقس اس طرح بیان کرتا ہے کہ جوزف جو COUNCILLOR of PILATE تھا۔ آیا اور حضرت عیلی کے جسم کو اس سے لے لیا۔ اور پھر اس گڑھے یا قبر میں ڈال دیا۔ جو جوزف نے حال ہی میں اپنے لئے تیار کرائی تھی۔ اس جوزف کے متعلق بومتی، مرقس، لوقاؔ اور یوحنا میں بیانات ہیں وہ آپس میں مختلف اور متضاد ہیں۔ اور سب سے زیادہ مزے دار بات یہ ہے کہ رسولوں کے اعمال Acts میں جو اس ہی شخص کی تصنیف ہے جس نے انجیل لوقا لکھی ہے۔ یہ واقعۂ دفن بالکل مختلف طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ وہاں (باب ۱۳ آیت ۲۹ (۳۰) یہ کہا گیا ہے کہ یروشلم کے رہنے والوں نے جن کی درخواست واصرار پر حضرت عیلی کو قتل کیا گیا تھا۔ انہیں صلیب پر سے اتار کر قبر میں رکھا۔ یہ نہایت اہم بیان ہے۔ حضرت عیلی کے قتل کے وقت ان کا تو کوئی پیرو موجود نہ تھا۔ دشمن ہی دشمن تھے۔ حضرت عیلی کے ساتھ دو چوروں کو بھی پھانسی دی گئی تھی۔ وہ لوگ ایسے تھے کہ جو حضرت عیلی کی حرکات وسکنات وانداز سے اچھی طرح واقف نہ تھے انہوں نے عیلی سمجھ کر ایک ایسے شخص کو پھانسی دے دی جو ان کے ہم شکل تھا۔ بالکل ہم شکل ہونا کوئی ناممکن امر نہیں ہے۔ اس جنگ عظیم ثانی میں ہٹلر کے اتنے ہم شکل تھے کہ دوستوں کو دھوکہ ہو جاتا تھا کجا کہ دشمن جو اس کی حرکات وسکنات سے اچھی طرح واقف نہ تھے۔ یہ انجیل ہی کا بیان ہے کہ واقعہ سُولی سے تین دن کے بعد حضرت عیلی اپنے اصلی جسم کے ساتھ اپنے مقلدین سے ملے اور پھر یکایک بادلوں میں اٹھا لئے گئے۔ جس کو حضرت عیلی کی قبر بیان کیا جاتا ہے وہ خالی پائی گئی۔ سُولی کے وقت کوئی دوست موجود نہ تھا۔ قبر میں ڈالنے کا واقعہ صحیح نہیں۔ دشمنوں نے حضرت عیلی کے ہم شکل کو عیلی سمجھ کر صلیب کے بعد کسی گڑھے میں ڈال دیا۔ قرآن شریف بھی یہ ہی کہتا ہے کہ عیلی کے ہم شکل کو سُولی دی گئی۔ موجودہ تحقیقات سے بھی اس ہی کا امکان پایا جاتا ہے۔ نقلہ ختم ہوا۔

غرضکہ انجیلوں میں وہ سب غلطیاں ہیں جو متوسط درجہ کے تعلیم یافتہ انسان کی لکھی ہوئی کتابوں میں ہوا کرتی ہیں۔ یہ ہی زمانہ حال کی تحقیقات کا نتیجہ ہے اور یہ ہی وہ بات ہے جس کو اب انصاف پسند بشپ و پادری بھی مان گئے ہیں۔ قرآن شریف میں ایک بھی ایسی کوئی بات نہیں اوپر جو کچھ قرآن شریف کی تحریف وغیرہ کے متعلق ہم نے لکھا ہے وہ اہل سُنت وجماعت

کے علماء کا عقیدہ ہے۔ علماء شیعہ اس پر خاموش ہیں۔ ان کی کتابوں میں بطور عقیدہ یہ ہی لکھا ہوا
پایا جاتا ہے۔ کہ قرآن شریف میں نہ کوئی غلطی ہے۔ اور نہ کوئی لفظی تحریف، اندریں صورت جو شخص
مزید اس موضوع پر واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ مجتہدین کرام کی خدمت میں حاضر ہو۔ ہم
فتوے دینے کے مجاز نہیں۔ ہمارا اپنا ذاتی عقیدہ تو یہ ہے کہ جتنا قرآن شریف موجود ہے وہ سارا
کلام اللہ ہے۔ اس میں کسی انسان کا کلام شامل نہیں۔ فرائض و حلال و حرام میں نہ کمی ہے نہ بیشی
اب رہا اسقاط فقرہ جات و الفاظ سو اس کی بحث ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔

باب پنجدہم [15]

تدبیر نوزدہم۔ انحراف از علیؑ

ان تمام تدابیر کا مقصد و منشا یہی تھا کہ لوگوں کو حضرت علیؑ سے منحرف کیا جائے۔

تدبیر بستم:۔ حضرت علیؑ کے مقابل دیگر اصحاب کو رکھنا اور بسا اوقات انہیں حضرت علیؑ پر ترجیح دینی۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ نے حضرت علی اور اہل بیت علیہم السلام کے
مقابل میں صحابہ کا ایک مضبوط محاذ قائم کر لیا تھا۔ ان کی یہ کوشش تھی کہ یہ جماعتیں ایک دوسرے
کے مخالف نظر آئیں اور ان دونوں کی باہمی کشمکش کے لئے ایک ایسا مستقل مضمون تیار
کر دیا جائے۔ کہ پھر یہ کبھی آپس میں مل ہی نہ سکیں۔ ان دونوں کی علیحدگی ہی میں حکومتِ
سقیفہ کی زندگی تھی۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت سی ترکیبیں استعمال کی گئیں جن
میں سے ایک یہ بھی تھی کہ صحابہ کے مقابلہ میں حضرت علی کی شان گھٹائی جائے۔ عالم دین و فقہ کا
یہ فرض ہے کہ جب کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو اس کو شرعاً جواب دیں حضرت علی نے اس فرض کو
محسوس کیا اور آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ہی علوم دینیہ کا نشر کرنا اپنے ذمہ لے لیا۔ نتیجہ یہ
ہوا کہ لوگ دور دور سے اپنے تنازعات و مقدمات فیصلہ کرانے اور شرعی مسائل دریافت کرنے
کے لئے حضرت علی کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ جب ان لوگوں کی کثرت ہو گئی تو حضرت عمر
کی دور بین آنکھ نے اس میں حکومت کے لئے خطرہ محسوس کیا۔ ان کو خیال پیدا ہوا کہ اس طرح
حضرت علی کا رسوخ و اثر بہت بڑھ جائے گا اور خلیفہ کی ہستی ان کے سامنے حقیر نظر آنے لگے گی
اس خطرے کو محسوس کر کے حضرت عمر نے مدینہ کے لئے قاضی و مفتی مقرر کرا دئے۔ اور حکم دیا
کہ میرے مقرر کردہ قاضی و مفتی کے علاوہ اور کوئی شخص فتوے نہ دے اور نہ مقدمات فیصلہ

کر لے۔ اس طرح محکمۂ قضا کو حکومت کے زیر کر کے اس کی آزادی سلب کر لی۔ اس کی تفصیل باب شش دہم میں آتی ہے۔ مولوی شبلی لکھتے ہیں:-

"پایۂ تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابت تھے جو رسول اللہ کے زمانہ میں کاتب وحی رہے تھے۔ وہ سریانی و عبرانی زبان کے ماہر تھے۔ اور علوم فقہیہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا" الفاروق حصہ دوئم صفحہ ۶۵۔

ہم حیران ہیں کہ حضرت عمر کے انتخاب اور حضرت قبلی کی صفت مداحت طرازی کی داد دیں۔ یا جناب رسول خدا کے فرمان کو صحیح مانیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ تم میں سب سے زیادہ صحیح فیصلے کرنے والا علی بن ابی طالب ہے۔ غالباً اس زمانہ کا قرآن سریانی یا عبرانی زبان میں ہوگا یا مسلمان قاضی کا یہ بھی فرض ہوگا۔ کہ سریانی و عبرانی علوم کا رواج دے۔ آگے چل کر مولوی شبلی فرماتے ہیں

"دوسرا امر جو اس طریقے کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے اس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ میں جن سے بڑھ کر اعلان عامہ کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ حضرت عمر نے بارہا اس کا اعلان کرایا۔ شام کے سفر میں بمقام جابیہ بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے من اراد القرآن فلیات ابیا ومن اراد ان یسئل الفرائض فلیات زیداً ومن اراد ان یسئل عن الفقہ فلیات معاذاً یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے۔ تو معاذ کے پاس جائے"

الفاروق۔ حصہ دوم صفحہ ۶۷۔

دیکھا۔ آپ نے اس تعریفی خطبہ میں حضرت علی کا نام اپنی غیر موجودگی کی وجہ سے کس طرح نمایاں ہے جناب رسول خدا کی مخالفت جو اس جماعت کا طرۂ امتیاز تھا اور جس کا اظہار اس بھونڈے طریقے سے فقرہ ان الرجل لیہجر کہہ کر کیا گیا تھا۔ اب تک جاری ہے جناب رسول خدا تو فرماتے ہیں کہ جو میرے تمام علوم جس میں علم قرآن و فقہ و فرائض وغیرہ سب شامل ہیں۔ سیکھنا چاہے وہ علی کے پاس آئے صرف یہ ہی ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں سے اس کو یہ علوم مل سکیں گے۔ حضرت عمر کے خطبہ میں جناب رسول خدا کی مخالفت کس قدر نمایاں ہے۔ خیر خدا کا شکر ہے یہ تو حضرت شبلی نے فرما دیا کہ اس طرح خطبہ کے ذریعہ اعلان کرنے سے بڑھ کر کوئی اور ذریعہ اعلان کا نہ تھا۔ غالباً انہیں غدیر خم کے اعلان عظیم کا جو تمام امت کے سامنے ہوا تھا۔ خیال نہ رہا۔ ورنہ شاید یہ تسلیم نہ کرتے کہ اس سے بڑھ کر اعلان عام کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا۔ مولوی شبلی صاحب کو تو اس خطبہ پر بڑا ناز ہے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ خلیفہ کے لئے کیسا عاجزانہ خطبہ ہے

علم وفقہ حاصل کرنے کے لیے لوگ فلاں فلاں شخص کے پاس جائیں۔ خلیفہ رسول کے پاس اتنی علمیت نہیں ہے کہ لوگ ان چیزوں کی تلاش میں اس کے پاس آئیں۔ پھر جانشینی رسول کس بات کی ہے؟ محض حکومت کی؟ خلیفہ رسول کی یہ شان ہے کہ وہ صلائے عام دیتا ہے۔ سَلُونِی قَبْلَ اَن تَفْقِدُونِی آؤ اور مجھ سے علم حاصل کرو۔ میں قرآن کی ہر ایک آیت کی معانی وتاویل وتفسیر سے واقف ہوں۔ آسمان کی راہوں کو بہ نسبت زمین کے راستوں کے زیادہ جانتا ہوں۔ حضرت علی فرمایا کرتے تھے۔ تم لوگ کہاں بھٹکتے پھرتے ہو۔ تم نے ہمارے دروازے سے ہدایت پائی ہے نہیں آؤ تاکہ تم کو ہدایت ملے یہ ہے خلیفہ برحق کی شان۔ دیکھو صفحات ۵۹، لغایت ۷۲، حصہ اول طبع سوم

تدبیر سیاست وحکم حضرت علیؑ کو فوج وحکومت سے علیحدہ رکھنا

تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اول کے تین خلفاء راشدین کے طرز عمل میں جناب رسول خداؐ کی مخالفت مضمر ہوا کرتی تھی۔ اس کی بہت سی مثالیں پہلے ہم لکھ چکے ہیں یہ ایک مزید نظیر ہے۔ جناب رسول خداؐ ہر ایک مشکل کی حل کے لئے۔ ہر ایک لڑائی کی فتح کے لئے حضرت علی کو مقرر فرماتے تھے۔ جناب رسول خدا کے ہر ایک جنگ میں علم لشکر حضرت علی کے ہاتھ میں ہوا کرتا تھا۔ آنحضرتؐ کی ہر ایک سخت لڑائی کو حضرت علی نے فتح کیا ہے ہر ایک کار عظیم یا آنحضرت نے خود کیا ہے یا حضرت علیؑ سے کرایا ہے۔ جہاں ہم دیکھتے ہیں حضرت علیؑ کو آنحضرت کے دوش بدوش پاتے ہیں۔ برخلاف اس کے ان خلفاء کے زمانہ میں حضرت علیؑ بالکل معطل نظر آتے ہیں۔ ان بزرگوں نے حضرت علی کو کسی لڑائی میں باہر نہیں بھیجا اور کوئی فوج کا دستہ آنجناب کے سپرد نہیں فرمایا۔ کسی حکومت کے عہدہ پر آپ کو مقرر نہیں کیا کسی صوبہ کا گورنر نہیں بنایا۔ ہر ایک کس وناکس سپہ سالار بننے لگا۔ ہر ایک غیر معروف شخص صوبہ کا گورنر بن سکتا تھا۔ لیکن فاتح بدر وحنین، کنندہ خیبر وکشندہ عنتر کی ذوالفقار پر اب کچھ ایسا زنگ لگ گیا ہے کہ ان بزرگوں کے زعم میں اس کی پہلی سی تیزی نہ رہی۔ فدک کو جناب فاطمہ سے لینے کے لئے تو بزعم خود سنت رسول کا بہانہ کیا جاتا ہے مگر اس امر عظیم میں جس پر خود اسلام کا مستقبل مبنی تھا یہ نہیں کہ سنت رسول کو ترک کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف عمل کیا جاتا ہے۔ اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ یہ صورت حالت ارادتاً تھی محض اتفاق کی بات نہیں تھی، اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی جو وجہ قیاس کی جا سکتی ہے وہ ان چار وجوہات میں سے ایک ہو سکتی ہے۔

۱۔ حضرت علیؑ نے خود ان خلفاء کے ماتحت کام کرنا نہیں چاہا۔ ان خلفاء نے حضرت علیؑ

کو منصب و عہدہ دینے کی کوشش کی مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔

۲۔ حضرت علیؑ کی ضرورت مدینہ میں بہ نسبت باہر جانے کے زیادہ تھی۔

۳۔ حضرت علی سے بہتر آدمی مل گئے لہذا اُن کی ضرورت نہ رہی۔

۴۔ حکام وقت کو ڈر تھا کہ اگر علی کے ہاتھ میں طاقت دے دی اور فوج اُن کے سپرد کر دی تو پھر ہماری خیر نہیں اور ہماری حکومت متزلزل ہو جائے گی۔

ہم اِن وجوہات میں سے ہر ایک پہ ایک نظر ڈالتے ہیں۔

وجہ اول :۔

وجہ اول — حضرت علی نے ان خلفاء کے ماتحت کوئی عہدہ قبول نہیں کیا۔

اگر جماعت اہلِ حکومت اس وجہ کو صحیح مانتی ہے تو ہم بھی اس کو تسلیم کئے لیتے ہیں۔ اس صورت میں ہمارا بڑا اور اصلی دعویٰ ثابت ہو گیا کہ حضرت علی جانتے تھے کہ یہ لوگ اس کے اہل نہیں ہیں جو انہوں نے سنبھال لیا ہے۔ اصلی حقدار اور مستحق اس منصب عظمیٰ کا میں ہوں اور انہوں نے میرا حق غصب کر لیا ہے۔ اس کے بعد کسی ضمنی بحث میں جانے کی ضرورت نہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ گروہ حکومت کے مورخین کا دعویٰ ہے کہ حضرت علی و خلفائے ثلاثہ میں شروع سے آخر تک اتحاد کامل رہا۔ حضرت علی ان کی حکومت سے خوش تھے۔ یہی نہیں کہ خوش تھے بلکہ ان کو اس کا اہل جانتے تھے۔ اور بعض شوقین مورخوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ان کو اپنے سے افضل جانتے تھے۔ اگر یہ صورت تھی تو پھر وجہ اول ساقط ہو کر دائرہ غور سے باہر ہو جاتی ہے پھر یہ صورت پیدا ہوتی ہے۔ کہ حضرت علی ان کی حکومت کو جائز برحق بھی سمجھتے تھے۔ اور ان لوگوں نے حضرت علی کو افسر فوج اور حاکم صوبہ مقرر کرنا چاہا۔ لیکن حضرت علی نے انکار کر دیا۔ مگر یہ صورت دو وجوہ سے خارج از بحث ہو جاتی ہے۔ اول تو یہ کہ کسی تاریخ یا واقعہ کی کتاب میں درج نہیں کہ ان بزرگوں نے کبھی حضرت علی کو فوج کی افسری یا صوبہ کی حکومت پیش کی ہو۔ اور انہوں نے انکار کیا ہو۔ جب واقعہ ہی ثابت نہیں تو اس پہ بحث کی بناء کیسے قائم کی جا سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس صورت پر حضرت علی کیوں انکار کرتے صرف ایک ہی وجہ انکار ہو سکتی تھی۔ اور وہ یہ کہ حضرت علی جہاد سے اور صوبہ کی حکومت کی ذمہ داریوں سے جی چراتے تھے۔ مگر حضرت علی کی طبیعت اور ان کے سوانح حیات اس قیاس کی کامل طور سے تردید کرتے ہیں۔

وجہ دوم :۔

وجہ دوم — حضرت علی کی مدینہ میں ضرورت

یہ وہ وجہ ہے جو جماعت حکومت کے مورخین و مبلغین اکثر بیان کرتے ہیں مگر بے سود، دوران حکومت خلفاء ثلاثہ میں مدینہ کو کبھی باہر کے حملے کا اندیشہ نہیں ہوا۔ مانعین زکوٰۃ وہ لوگ تھے جو حضرت ابوبکر کو جانشینی رسول کے لائق نہ سمجھ کر زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے تھے۔ خواہ مخواہ

میل کا بیل بنا دیا اور اُن کو اہل ردّہ کا نام دے کر اس بے فائدہ مہم کی عظمت بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ انہوں نے کبھی مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا اور نہ جنگ کرنا ان کا مقصد تھا۔ بلکہ خود اُن کے گھروں پر چڑھائی کر کے ان کو قتل کیا گیا ہے بہر صورت اس مہم کے لئے بھی حضرت علی کو مقرر کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ اسی طرح کاذب بنی دو تین پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن ان کا ظہور تو زمانہ رسالت ہی میں ہو چکا تھا۔ اور بہت آسانی سے ان کی سرکوبی کر دی گئی۔ بہر صورت اگر ایسی نظائر اس ضرورت کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں تو ہمارا جواب ہے کہ ان صورتوں میں بھی حضرت علی کی طرف رجوع نہیں کیا گیا۔ لہذا یہ وجہ اس طرح ساقط ہو گئی۔ اگر مدینہ کا ڈر تھا تو وہاں ہی ایک فوج قائم کر کے حضرت علی کو افسر بنا دیا ہوتا۔

اب رہی مسائل علمیہ و فقہیہ کے حل کرنے کی ضرورت تو ہم ابھی ابھی حضرت عمر کا خطبہ پیش کر چکے ہیں آپ نے رعایا کو ان امور میں چند اصحاب کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا۔ ان میں حضرت علی کا نام نہیں ہے اور مدینہ کا قاضی ایک نو عمر بچے زید ابن ثابت کو علی کی موجودگی میں مقرر کیا گیا تھا۔

ہاں ایسا ضرور ہوا ہے بہت مشکل مسئلے اور اہم مقامات پیش ہوئے ہیں اور خلیفہ وقت ان کے حل کرنے سے قاصر رہ گئے ہیں تو علی کی طرف رجوع کیا گیا اور جب انہوں نے مشکل حل کر دی تو لولا علی لہلک عمر کے نعرے لگاتے ہوئے واپس ہوئے ہیں۔ لیکن ایسے موقعے روز نہیں پیدا ہوتے۔ بعد میں حضرت علی کو اگر فوجی مہم پر بھیجا جاتا تو ہمیشہ ہی تو وہ باہر نہ رہتے ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے اہم موقعوں پر حضرت علی نے دین کی حفاظت و حرمت کے لئے مشورے دیئے ہیں لیکن چونکہ وہ موجودہ حاکم کی سیاست کے خلاف تھے تسلیم نہ کئے گئے۔ حضرت علی کی صرف اس رائے پر عمل کیا جاتا تھا جس پر عمل کرنے سے کسی سیاسی غرض یا ذاتی مفاد کو نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ ہم کئی مثالیں دیتے ہیں۔ جب عبید اللہ ابن عمر نے ہرمز کو اپنے والد بزرگوار کے شبہ میں قتل کر دیا۔ اور پھر وہ غلط ثابت ہوا تو حضرت علی نے مشورہ دیا کہ عبید اللہ ابن عمر سے قصاص خون لیا جائے۔ اور سزا دی جائے لیکن ان کی رائے کو رد کر دیا۔ مغیرہ ابن شعبہ نے ام جمیل سے زنا کیا۔ علینی شہادت گزر گئی۔ حضرت علی نے واجب التعذیر گردانا لیکن حضرت عمر نے نہ مانا ایک نہایت قیمتی مشورہ حضرت علی نے حضرت عمر کو دیا۔ کہ اسکندریہ کی لائبریری کو نہ جلایا جائے بلکہ اس کی کتابیں محفوظ کی جائیں۔ لیکن حضرت عمر نے نہ مانا اب مولانا شبلی کی کوشش بے سود ہے کیا ہوتا ہے چنانچہ علامہ السید محمد رشید رضا المصری" مدیر المنار" اپنی تصنیف میں تحریر فرماتے ہیں :-

واعظم من ذلك كلمة الاثر المأثور المشهور عن سيدنا علي في ما اشار به على سيدنا عمر رضي الله عنه بعدم احراق خزانة الكتب بالاسكندرية قال انها ليست تخالف القرآن العزيز بل تعاضده و تفسير حق التفسير لاسراره الغامضة الدقيقة وهو قول معروف عنه وقد اخرج الخبر به مفصلا الحكيم المورخ الاسلامي القاضي ساعد الاندلسي في طبقات الامم۔

ان سب سے زیادہ عظیم وہ مشہور قول ہے جو حضرت علی نے حضرت عمر سے کتب خانہ اسکندریہ کو جلا دینے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا تھا۔ آپ نے کہا کہ یہ کتابیں قرآنِ کریم کے مخالف نہیں ہیں بلکہ قرآنِ عزیز کی تائید کرتی ہیں۔ اور یہ کتابیں علوم و رموز قرآن کی پوری طرح تفسیر کرتی ہیں۔ حضرت علی کا حضرت عمر کو یہ مشورہ اس قول کے ساتھ دینا بہت ہی مشہور و معروف ہے۔ اس واقعہ کا مفصل ذکر مورخ اسلام قاضی ساعد اندلسی نے اپنی تاریخ طبقات الامم میں کیا ہے۔

سید محمد رشید رضا المصری مدیر المنار"۔ تاریخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ الجزء الاول صفحہ ۵۲۵ طبع اول مطبوعہ مطبع المنار مصر ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء۔

فتح ایران کے وقت بھی حضرت علی کا یہ مشورہ نہ مانا گیا اور ایران قدیم کے علوم غارت ہو گئے۔

ان المسلمين لما فتحوا بلاد فارس و اصابوا من كتبهم كتب سعد بن ابي وقاص الى عمر بن الخطاب يستاذن في شأنها وتنقيلها للمسلمين فكتب اليه عمر رضي الله عنه ان اطرحوها في الماء فان يكن ما فيها هدى فقد هدانا الله باهدى منه وان يكن ضلالا فقد كفانا الله فطرحوها في الماء او في النار و ذهبت علوم الفرس فيها۔

جب مسلمانوں نے ملک ایران کو فتح کیا اور ایرانیوں کی کتابیں ان کے ہاتھ لگیں تو سعد بن ابی وقاص نے عمر بن الخطاب سے اجازت چاہی کہ ان کتابوں کو مسلمانوں کے لئے منتقل کر دیں۔ لیکن خلیفہ عمر نے جواب دیا کہ ان کو دریا میں ڈال دو کیونکہ اگر ان میں ہدایت ہے تو خداوند تعالیٰ نے اس سے بہتر ہدایت ہم کو دی ہے اور اگر ان میں گمراہی ہے تو اللہ نے ہم کو بچا لیا۔ پس ان لوگوں نے ان کتابوں کو دریا برد کر دیا یا جلا دیا۔ اور اس طرح ایران کے علوم غارت ہو گئے۔

کشف الظنون :۔ باب الحکمۃ ۹۰۰۳ طبعۃ الآستانہ صفحہ ۶۷۴۔

حضرت عمر کے اس فعل پر افسوس کرتا ہوا ابن خلدون مغربی اپنے مقدمہ تاریخ میں لکھتا ہے فاین علوم الفرس التی امر عمر رضی اللہ بمحوها عند الفتح یعنی ہائے کہاں

ہیں وہ علوم ایران جن کو فتح ایران پر حضرت عمر نے مٹا دینے کا حکم دیا۔
جمع قرآن کا وقت آیا تو اس کمیٹی میں حضرت علی کو نہ رکھا۔ آخر وہ کون سی ضرورت تھی۔ جس کے لئے حضرت علی کو وہاں رکھا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ عذر بھی ایک بہانہ ہی ہے۔

وجہ سوم:۔
اس کے لئے تو کسی طویل بحث کی ضرورت نہیں۔ ابو عبیدۃ بن الجراح، خالد، عمرو بن العاص و سعد بن ابی وقاص صرف یہ ہی بزرگوار تھے جو اپنی زندگی میں باری باری سے خلفاء اولین کے زمانہ میں عساکر اسلامیہ کی سپہ سالاری کیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان میں ایک بھی حضرت علی کی گرد کو نہیں پہنچتا تھا۔ ان سے بہتر تو کیا ہوتا۔

وجہ چہارم
اصل وجہ یہ ہی تھی کہ حکام وقت کو ڈر تھا کہ اگر علی کے ہاتھ میں طاقت آجائے گی۔ یا ان کا رسوخ بڑھ جائے گا تو وہ ہم سے بزور تلوار اپنا حق واپس لینے کی کوشش کریں گے۔ المرءُ یقیس علیٰ نفسہٖ۔ اگر وہ علی کی جگہ ہوتے تو ایسا ہی کرتے لہٰذا انہیں علی کی طرف سے یہ ہی ڈر لگا رہتا تھا۔ حضرت علی و بنو ہاشم کے مقابلہ میں بنو امیہ کے کھڑا کرنے کی جو کوشش کی گئی۔ اس کا بھی یہی مقصد تھا۔ بارسوخ و بااثر اصحاب کو جاگیرات و اراضیات دے کر ان کی ناجائز حمایت کرکے ان کو ان کے افعال ناشائستہ کی سزا سے محفوظ رکھ کر اپنے زیر احسان رکھنے کا بھی یہی منشاء تھا کہ وہ لوگ حکام وقت کی طرف مائل ہوں اور ان کی مخالفت نہ کریں۔ خلفاء اوّلین کی اس مشکل کا اندازہ اتنی صدیوں کے فاصلہ پر کرنا آسان نہیں ہے۔ بنو ہاشم سے خلافت چھین لینی اور بنو امیہ کی آنکھوں میں خاک ڈالنی اس وقت کے لحاظ سے نہایت مشکل امر تھا۔ اور اگر بنو ہاشم کی سرداری حضرت علی کے سوا کسی اور کے ہاتھ میں ہوتی اور ان میں سے کوئی اور شخص دعویدار خلافت ہوتا تو پھر وہ خلفاء اک ایسے گرداب میں پھنس جاتے کہ جہاں سے نکلنا دشوار ہوتا۔ حضرات شیخین تو وہ کام کر بیٹھے تھے کہ اگر اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا جاتا۔ تو وہ خون خرابے ہوتے اور اسلام اور بانی اسلام اس طرح بدنام ہوتے کہ پھر اسلام تو ختم ہی ہو جاتا۔ حضرت علی نے اپنے اس وقت کے صبر و جہاد نفس سے اسلام پر اتنا بڑا احسان کیا جو آپ کے اس احسان سے کم نہ تھا جو جہاد سیف کے ذریعے سے کیا تھا۔ مگر کارکنان حکومت نے حضرت علی کو اپنا سا معمولی انسان سمجھ کر ان پر معمولی انسانوں کا سا قیاس کیا اور اپنے خیال کے مطابق یہ ساری تجویزیں بطور حفظ ماتقدم کرتے تھے۔
اور ان ہی پر کیا منحصر ہے۔ اور کوئی سیاسی مدبر یا بادشاہ ان کی جگہ ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی

اس دعویٰ کی تصدیق کہ اگر مہاجرین کی اس جماعت کی طرف سے حضرت علی کی مخالفت شروع نہ ہوتی تو انصار کبھی اس کی ابتدا نہ کرتے، بہت سے واقعات سے ہوتی ہے سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ انہیں حضرت علی سے کوئی وجہ عناد نہ تھی حضرت علی سے دعویٰ ہمسری و رقابت نہ تھا۔ قبیلانہ رشک و حسد جو ایک شہر کے مختلف قبیلوں میں اس زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ وہ ان میں حضرت علی و بنو ہاشم کے خلاف نہ تھا جنگ ہائے بدر و احد وغیرہ میں حضرت علی نے ان کے قبیلے کے آدمیوں کو قتل نہیں کیا تھا۔ وہ حضرت کی اعلیٰ صفات اور خدمات اسلامی سے واقف تھے ان میں سے کوئی اپنے تئیں علی کا مد مقابل یا رقیب نہیں سمجھتا تھا ان میں کوئی شخص حضرت عمر جیسی جرأت و ہمت والا موجود نہ تھا جو باوجود جناب رسول خدا کے صریح احکام کے حضرت علی کے مقابلہ میں کھڑا ہو جاتا۔ یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس میں حضرت علی کی غیر حاضری میں بھی بہت سے انصار نے کہہ دیا کہ ہم سوائے علی کے اور کسی کو خلیفہ نہ مانیں گے۔

وبایعه الناس فقالت الانصار او بعض الانصار لا نبایع الا علیاً۔	جب حضرت ابوبکر کی بیعت لوگ کرنے لگے تو انصار نے یا ان میں سے اکثر نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو سوائے علی کے اور کسی کی بیعت نہیں کرینگے

ابن الاثیر ۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی صفحہ ۱۲۴۔

ایک اور امر بھی غور طلب ہے۔ حضرت عمر کو جب اپنی موت کا یقین ہو گیا اور لوگوں نے ان سے التجا کی کہ آپ ہی اپنا جانشین مقرر کر دیں تو انہوں نے چند رفتگان کے نام لیے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا ان میں سے کوئی انصار نہ تھا۔ پھر جب آپ نے چھ امیدواران خلافت نامزد کیے تو اُن میں کسی انصار کو نہ رکھا بلکہ صریحاً کہہ دیا کہ خلافت میں انصار کا حصّہ نہیں شوریٰ مقرر کرتے وقت آپ نے لوگوں کو یا معشر المهاجرین کہہ کر خطاب کیا۔ انصار کو مطلقاً نظر انداز کر دیا اور فرمایا۔

احضروا معکم من شیوخ الانصار ولیس لهم من امرکم شیئاً۔

ابن قتیبہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۲۲

یعنی دوران مشاورت خلافت سازی میں تم انصار کے چند بڑے آدمیوں کو تو بلا لینا مگر تمہارے امر میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ خلافت کو آپ نے تمہارا امر یعنی مہاجرین کا معاملہ بنایا۔ انصار اس قابل بھی نہ تھے کہ ان کی طرف اضافت یا ذی ملابست بھی ہو سکے یہ وہ انصار تھے جن کی نسبت جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ حب الانصار من الایمان اور اللّٰهم انتم من احب الناس الیّ قالها ثلاث مرات یعنی خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ اے انصار تم میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہو یہ آپ نے تین دفعہ کہا آپ نے یہ بھی فرمایا لو ان الانصار سلکوا وادیاً او شعباً لسلکت فی وادی الانصار یعنی اگر انصار ایک علیحدہ وادی و شعب میں جائیں تو میں ان کے ساتھ رہوں گا۔ الانصار

کرنا۔ میدان سیاست کی سب سے زیادہ عظیم الشان نبرد آزمائی یہ ہے کہ حریف کی چالوں کو پہلے سے سوچ کر ان کی روک تھام کرے۔ اور یہ اس وقت ہی اچھی طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ جب اپنی قوت متخیلہ اتنی تیز ہے کہ اپنے تئیں حریف کی جگہ رکھ کر اس کی طرف سے تدبیریں سوچے۔ اور پھر ان کے مطابق اپنا انتظام کرے۔ جیسا ہمارا اپنا طرز تخیل و اخلاقی معیار ہوگا ذہنی کیفیات ہوں گی۔ بعینہٖ اس کے مطابق ہم اپنے حریف کو سمجھیں گے۔ اس سیاسی شطرنج میں غلطی کا احتمال و امکان اس وقت ہوتا ہے کہ جب ہم اپنے حریف کے نقطۂ نظر و وسعت تخیل و رفعت ہمت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے خواہ اس کے خیالات کی جولانگاہ اور ارادوں کی بلندی ہم سے کم ہو یا ہم سے زیادہ ہو دونوں حالتوں میں ہم غلطی کریں گے۔ صرف فرق اتنا ہوگا کہ اگر ہمارا نقطۂ نظر ارفع و اعلیٰ ہے تو ہم اپنے حریف کو سمجھ تو لیں گے لیکن اس کی سطح تک جھکنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ لہٰذا دنیاوی نقطۂ نگاہ سے ہم ناکامیاب رہیں گے۔ اور اگر ہمارا تخیل ہمارا تدین ہمارا زاویہ نگاہ اپنے حریف سے کم ہے تو ہم اپنی تدبیروں اور تجویزوں کو ایسے مکر و فریب کے اوپر قائم کریں گے کہ جہاں تک جھکنا ہمارے حریف کے لئے ناممکن ہوگا اور دنیاوی نقطۂ نگاہ سے ہم کامیاب ہو جائیں گے۔

جناب رسول خدا کی رحلت پر آپ کی جانشینی کے متعلق فوراً دو گروہ ہو گئے ایک طرف حضرت علی و بنو ہاشم اور چند مومنین تھے۔ دوسری طرف سائر مسلمین کی اکثریت تھی۔ جماعت اوّل کا نقطۂ نگاہ و مقصد اقصیٰ حمایت و حفاظت اسلام تھا۔ فریق دوم کی نظر حکومت پر تھی۔ حضرت علی کے لئے یہ گمان کرنا ناممکن تھا کہ کوئی مسلمان ایسا ہو سکتا ہے جو اپنے نبی و محسن کا جنازہ بے غسل و کفن چھوڑ کر حکومت و سرداری کی تلاش میں سرگرداں پھرے گا۔ لہٰذہ آپ غسل و کفن میں مشغول رہے اور دنیاوی نقطۂ نگاہ سے فریق ثانی نے سقیفہ بنی ساعدہ میں اپنا کام بنا لیا اور دنیا والوں کی نظر میں کامیاب ہو گئے۔ اس فریق کے لئے یہ خیال کرنا ناممکن تھا کہ اسلام و بانیٔ اسلام کی محبت اس حد تک ہو سکتی ہے کہ اتنی بڑی سلطنت و حکومت کے حصول کی کوششوں میں اس کو نظر انداز نہ کیا جا سکے۔ لہٰذا جب یہ گروہ برسر حکومت آ گیا۔ تو اس نے حضرت علی کو اپنے اوپر قیاس کر کے یقین کر لیا کہ اس حکومت کی حصول کے لئے حضرت علی کسی ممکن کوشش سے دریغ نہ کریں گے خواہ اسلام کے لئے کچھ ہی نتیجہ ہو۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ کہ یک عشق و ہزار بدگمانی۔ ان حضرات کو اپنی معشوقہ حکومت سے جو شغف تھا۔ وہ یہ بدگمانیاں پیدا کر رہا تھا۔ ورنہ حضرت علی کا روز اوّل ہی کا طرز عمل بتا رہا تھا کہ آپ کا نقطۂ نگاہ صرف حفاظت و ترقیٔ اسلام ہے اور اگر کبھی حکومت کی خواہش بھی ظاہر کی ہے تو صرف اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ بہ نسبت ان لوگوں کے جنہوں نے خلافت کا جوا اپنے کندھوں پر رکھ لیا ہے آپ خود اسلام کی کشتی کو صحیح راستہ پر طوفان اور چٹانوں سے بچا کر اچھی طرح چلا سکتے

تھے۔ اگر آپ کو فتوحات ملک کی طرف بھیجا جاتا اور آپ قبول بھی کر لیتے تو پھر آپ کبھی خود غرضی و نفس پرستی کو درمیان میں نہ آنے دیتے اور فتوحات ممالک کو چھوڑ کر اپنے لیئے حصول حکومت کی کوشش کر کے عساکر اسلامیہ میں پھوٹ نہ ڈلواتے مگر عمائد حکومت سیاسی اصول کے مطابق اپنے اُوپر قیاس کر کے اسی ہی نتیجہ پر پہنچے کہ اگر علی کے ماتحت عساکر اسلامیہ دے دیئے تو تخت خلافت متزلزل ہو جائیگا اور ایران و روم فتح کرنے کی بجائے علی مدینہ کو فتح کرنے کی کوشش کریں گے۔ سچ ہے۔ ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

تدبیر بست و دوم: بنو امیہ کو بنو ہاشم کے مقابلہ میں کھڑا کرنا اور انکو تقویت پہنچانا۔

حضرت ابوبکر و حضرت عمر عرب کے معزز و موقر خاندانوں میں سے نہ تھے۔ بنو تیم و بنو عدی کا زمانہ قبل اسلام میں کچھ اثر و رسوخ نہ تھا اور وہ گمنامی کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ خلافت و حکومت اس نبوت کا جزوِ اعظم تھی جو بنو ہاشم کے ایک فرد کو خدا وند تعالے نے عطا فرمائی تھی۔ اور اس شخص واحد ہی کی جد و جہد سے یہ حکومت حاصل ہوئی تھی۔ جناب رسول خدا نے اپنی جانشینی کے لیئے بنو ہاشم ہی میں سے ایک فرد کو بحکم خداوندی منتخب کر لیا۔ جو ہر طرح سے اس عہدۂ جلیلہ کا مستحق تھا۔ اور جس کی ہی تلوار کے ذریعے سے یہ حکومت حاصل ہوئی تھی۔ حکومت و خلافت کو چھین کر اس پر خود قبضہ کر لینا ہی بنو تیم و بنو عدی کے لئے بہت تھا۔ اس قبضہ کو استوار کرنا اور بنو ہاشم سے حکومت کو ہمیشہ کے لئے لے لینا یہ دوسرا کام تھا۔ اس کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی ان کوششوں و تدبیروں کا ذکر ہم کر رہے ہیں۔ اس میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بنو ہاشم کے پرانے دشمنوں کو اٹھایا جائے۔ بنو امیہ کے سرگروہ ابو سفیان زمرۂ مولفۃ القلوب میں تھے۔ ان کو محض دنیاوی وجاہت کی پرواہ تھی۔ صاحب سیرۃ العلویہ لکھتے ہیں۔

"ابو سفیان کو جب حضرت ابو بکر کی خلافت کی اطلاع ملی تو وہ جناب امیرؑ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ قریش کا ایک ادنیٰ خاندان تم پر غالب ہو گیا۔ ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تم سے بیعت کر لوں۔ خدا کی قسم اگر تم چاہو تو میں سواروں اور پیادوں سے مدینہ کی سرزمین بھر دوں۔ جناب امیرؑ نے فرمایا۔ جائیے۔ تشریف لے جائیے قبل اسلام بھی آپ کو خونریزی سے بہت ذوق رہا ہے۔ اب بھی آپ خونریزی کرانا چاہتے ہیں۔ اور اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ ابو سفیان نادم ہو کر چلے گئے" سیرۃ العلویہ حیدر علی حنفی حصہ اول صفحہ ۱۸۱۔ اسی واقعہ کے لئے ملاحظہ ہوں۔

تاریخ طبری، الجزء الثالث صفحہ ۲۰۳ - ابن عبد البر۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔

الجزء الاول صفحہ ۵۴۴۔ ابن ابی الحدید جلد ۱۔ شرح نہج البلاغۃ۔ الجزء الاول صفحہ ۴۷
حضرت علیؑ کا انکار اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ خلافت ابی بکر سے راضی تھے بلکہ اس انکار کی وجوہات یہ تھیں :۔

۱۔ اس وقت مسلمانوں کی خانہ جنگی منافقین و کفار کے دعوے کو تقویت دیتی۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ جناب رسولِ خدا نے یہ سب کچھ دنیا کی حکومت حاصل کرنے کے لئے کیا ہے اگر رسولِ خداؐ کے قریب ترین رشتہ داران اس حکومت کے لئے تلوار اٹھاتے تو اس دعوے کی تائید ہوتی۔

۲۔ وہ وقت ایسا تھا۔ کہ ابھی شجر اسلام کی جڑ پختہ نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی خانہ جنگی اسلام کو تباہ کر دیتی

۳۔ ابوسفیان کی مدد سے حکومت حاصل کرنا اصلی مقصد کو فوت کرنا تھا۔ اگر وہ حکومت دلا دیتا تو وہ ضرور حکومت پر حاوی ہوتا اور اس کو اپنے حکم پر چلتا ہوا دیکھنا پسند کرتا۔ پھر اسلام کہاں رہتا حضرت علی ضرور انکار کرتے۔ پھر ابوسفیان سے لڑائی ہوتی۔ جو شخص حکومت دلانے کی طاقت رکھتا ہے حکومت چھین بھی سکتا ہے۔ تاریخ عالم میں ایسے بادشاہ گروں کے بہت سے قصے ملتے ہیں ان کا بنایا ہوا بادشاہ یا تو ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہوتا ہے یا اس کو تخت سے اتار دیتے ہیں۔

۴۔ ابوسفیان دل سے اسلام نہیں لایا تھا۔ اس سے تعاون کرنا اسلام کے مخالف سے تعاون کرنا تھا

حضرت علیؑ کے پاس سے ابوسفیان اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ لیکن ان کی سازش پسند طبیعت ایسے نادر ترین موقعہ کو کب ہاتھ سے کھوتی۔ جب ایک فریق نے ان کی کمک لینے سے انکار کر دیا تو پھر دستِ آشتی دوسرے فریق کی طرف بڑھانا لازمی تھا۔ وہ دوسرا فریق بنو ہاشم کو زیر کرنے کی تدبیریں پہلے ہی سے سوچ رہا تھا۔ یہ تو ایسا ہوا کہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ ابوسفیان درگاہِ خلافت پر پہنچے اور وہاں بہت جلدی سمجھوتہ ہو گیا۔ اگرچہ یہ سمجھوتہ اسلام کے آئندہ کی تمام آفات و مصائب کا سرچشمہ تھا۔ وہ سمجھوتہ یہ تھا کہ صوبۂ شام بنو امیہ کو دے دیا جائے۔ اور خلافتِ جاریہ کے بعد خلافت ان کی طرف لوٹا دی جائے اور بنو امیہ اس کے بدلے کارکنانِ خلافت کی مخالفت چھوڑ دیں اور بنو ہاشم سے ہر ایک ممکن موقعہ پر مقابلہ و مقاتلہ کریں۔ خلافتِ جاریہ سے مطلب خلافت ابوبکر و عمر سے تھا۔ دونوں فریقین کے لئے یہ نہایت خوشگوار شرائط تھیں اور ان پر دونوں نے سچے دل سے عمل کیا۔ چونکہ بقول حضرت شبلی تمام مروجہ تاریخ کی کتابیں اہلسنت و جماعت کی لکھی ہوئی ہیں لہٰذا ان میں اس تصفیہ باہمی کی شرائط صریح الفاظ میں تلاش کرنا بے سود ہوگا۔ ہاں واقعات کی شہادت الفاظ سے بھی زیادہ معتبر ہوتی ہے۔ واقعات یہ تھے کہ ابوسفیان کے صاحبزادے یزید فوراً صوبۂ شام کی افواج کے کمانڈر اعلیٰ بنا دیئے گئے اس کے بعد پھر کسی نے ابوسفیان کے منہ سے بارگاہِ خلافت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنا۔ حضرت عمر کا دستور تھا کہ ایک حاکم کے مرنے کے بعد اس کے رشتہ دار کو اس

ابوسفیان دوسرا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں

کا جانشین نہیں کرتے تھے۔ مگر صوبۂ شام کے معاملہ میں ان کو اپنے دستور العمل سے تجاوز کرنا پڑا۔
اور جب یزید مر گیا تو اس کے بھائی معاویہ ابن ابی سفیان کو شام کا والی مقرر کر دیا۔ اس طرح صوبہ شام
بنو امیہ کا ایک مضبوط و وسیع دار القرار بن گیا اور پھر تدبیر شوریٰ کے ذریعے سے خلافت بھی حضرت
عثمان کو پہنچا دی گئی۔ اگر یہ انتظام اس سمجھوتے کے شرائط کے ماتحت نہ تھا۔ تو کیا تھا۔ اس
خاندان نے اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی تھی۔ بلکہ اسلام و بانیٔ اسلام کا سخت ترین دشمن یہی خاندان
تھا۔ اسلام کی تمام بڑی بڑی لڑائیاں اس ہی خاندان کے خلاف ہوئیں۔ جناب رسولِ خدا مرتے دم
تک اس خاندان سے ناراض تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنا خواب اپنی امت کو سنا دیا تھا کہ میں نے
اپنے منبر پر بندروں کو اچھلتے ہوئے دیکھا ہے جس کی تعبیر یہ ہے کہ بنو امیہ میری ملک و سلطنت پر
حاوی ہو جائیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ آنحضرت کو اس کا اتنا صدمہ تھا کہ اس کے بعد رحلت تک کسی
نے آنحضرتؐ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس خواب کی تعبیر کو پورا کرنے کی فضیلت کارکنانِ قضا و
قدر نے حکامِ سقیفہ کے حوالے کی۔ اگر یہ نہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ کون سی خدمتِ اسلامی
تھی .... کون سی فضیلت ذاتی تھی۔ کون سی صفت تھی جس کے صلہ میں شام کی جاگیر
کا استمراری پٹہ خاندان ابو سفیان کے نام لکھ دیا گیا۔ کسی معرکہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ شامل نہ تھے
ہمیشہ مولفۃ القلوب میں رہے۔ جنگ حنین میں فرمایا کہ اب محمد کا سحر باطل ہوا۔ ان کی بھاگ
سمندر کے ورے نہیں ٹھہرتی۔ حضرت علی تو خیر ان کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے۔ اگر خالد بن ولید کو
شام کا صوبہ حوالے کر دیتے۔ تب بھی ہم کہتے کہ سرحدی علاقہ تھا ایک اچھے جنرل کے سپرد کر دیا گیا
یزید ابن سفیان و معاویہ ابن سفیان کو اتنا بڑا ملک کیوں دیا گیا۔ دکلائے حکومت اس کا کوئی معقول
بخش جواب نہیں دے سکتے۔ اور ہم بتاتے ہیں کہ ایسا کیوں کیا۔ کارکنانِ حکومت نے سمجھا کہ یہ ہی
خاندان ایسا ہے کہ جو ہمیشہ کے لئے بنو ہاشم کی جان و دل سے مخالفت کرے گا۔ اپنے پرانے
کینے یاد کر کے ان سے لڑے گا۔ اپنے پرانے بتوں کی تباہی کا خیال کر کے اس کی آنکھوں میں
خون اتر سے گا۔ محض ہماری خاطر ہی سے نہیں بلکہ اپنی طرف سے اور اپنی وجہ سے بنو ہاشم کی جڑ
اکھاڑنے میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ اگر احیانًا کبھی مدینہ کی خلافت علی کو مل بھی گئی تو ہم نے ایسے
خاندان کو شام میں مضبوط کر کے بٹھا دیا ہے کہ وہ علی کو چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ اور
اب ابو سفیان ہم سے خوش ہوا جاتا ہے یہ جو خاندانی فضیلت کی بانگ بے ہنگام لگا رہا ہے
اس کا بھی منہ بند ہوئے جاتا ہے۔ یہ امیہ نوازی یہیں ختم نہیں ہوئی۔ شوریٰ کی پیچ در پیچ ایسی
تجویز تھی کہ سوائے بنی امیہ کے خلافت کہیں اور جا ہی نہیں سکتی تھی۔ مکمل تجویز تو یہ تھی کہ حضرت عثمان
کے بعد حضرت معاویہ خلیفہ ہوتے۔ مگر حضرت عثمان کی ناعاقبت اندیشی نے ذرا سا موقعہ بنو ہاشم کو دے

دیا پھر بھی وہ تجویز مکمل ہو کر رہی آخر کار حضرت معاویہ خلیفہ ہو ہی گئے۔ اور خلافت بنو امیہ میں چلی ہی گئی تجویز شوریٰ میں بھی حضرت عبداللہ ابن عمر ایک نہایت پر جوش کارکن تھے۔ بلکہ ثالث مقرر کئے گئے تھے۔ اور اس کے بعد بھی وہ اپنے والد بزرگوار کی پالیسی کے نگران و محافظ رہے۔ جب شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد مدینہ والوں نے یزید کی بیعت توڑنی شروع کی تو حضرت عبداللہ ابن عمر بگڑ بیٹھے اور اپنی اولاد و اقارب کو جمع کر کے فرمایا کہ خبردار اگر تم نے خلع بیعت کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ان کو بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح جناب رسول خدا کی حدیث وقت پر یاد آگئی۔ فرمانے لگے کہ جناب رسول خدا کی حدیث ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک باغی کے لئے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا۔ کہ یہ شخص فلاں شخص کا باغی ہے۔ دیکھو صفحات ۴۴۳ کتاب ہذا۔ گویا جس نے شیطان کی بیعت ایک دفعہ کر لی۔ اس کو عمر بھر تک اس کی ہی بیعت میں رہنا چاہیئے۔ جلدی میں اتنا سوچنے کا وقت کہاں تھا۔ گھبرا گئے۔ باپ کے لگائے ہوئے درخت کے دیر یزی پھل ابھی تو گدرانے شروع ہوئے تھے اب ہی سے لوگوں نے خلع بیعت کا ذکر چھیڑ دیا۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ بنو ہاشم کو دبا کر رکھنے کی پالیسی ہر ایک صوبہ کے گورنر مقرر کرنے کے وقت ملحوظ خاطر رہتی تھی۔ عمرو بن العاص مصر میں، ابو موسیٰ اشعری بصرہ میں، مغیرہ ابن شعبہ کوفہ میں۔ لیکن بنو ہاشم کہیں نہیں۔ بنو ہاشم کا صرف ایک قصور تھا اور وہ یہ کہ وہ جناب رسول خدا کے قرابت داروں میں سے تھے۔ یہ مخالفت رسول نہیں تو کیا ہے کرتو رہے تھے مخالفت علی۔ ہو گئی مخالفت رسول۔ اسی لیے حضرت علی کو ہم نفس رسول کہتے تھے۔ ایک کی مخالفت کر دو تو دوسرے کی خود بخود مخالفت ہو جاتی تھی۔

تدبیر بست و سوم۔ تقسیم انعامات و اکرامات

اس میں خاص حکومت سقیفہ کا کیا قصور تھا۔ یہ تو ہوتی آئی ہے۔ اس دنیائے دنی کی حکومتوں کا یہی چلن ہے کہ جو فریق برسر اقتدار ہوتا ہے وہ اپنی جماعت کی توسیع کی کوشش کرتا ہے اور حکومت کے قبضۂ اختیار میں جو انعامات ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے با اثر و صاحب سوخ لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ چنانچہ اسی طرح حضرت عمر نے کیا۔ فتوح البلدان البلاذری میں ہے۔

عن هشام بن عروة عن ابيه قال اقطع عمر رضى الله عنه العقيق حتى انتهى الى الارض فقال ما اقطعت مثلها قال خوات بن جبير اقطعنيها فاقطعه اياها ....

عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے وادی عقیق لوگوں کو بخش دی اور ایک ایسے قطعۂ زمین پر پہنچے کہ فرمایا کہ ایسا قطعہ اراضی میں نے اس سے پہلے کسی کو نہیں دیا۔ خوات بن جبیر نے کہا کہ مجھ کو دے دو۔ حضرت عمر نے اکو وہ قطعۂ زمین

خرج عمر يقطع الناس و خرج معه الزبير فجعل عمر يقطع حتى مر بالعقيق فقال اين المستقطعون هذا اليوم ما مررت بقطعة اجود منها فقال الزبير اقطعنيها فاقطعه اياها ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قال اقطع ابو بكر الزبير ما بين الجرف الى قناة۔

فتوح البلدان البلاذری

دیا ایک دن حضرت عمر لوگوں کو اراضیات بخشنے کے لئے نکلے ان کے ساتھ زبیر تھے پس اراضیات دیتے دیتے ایک وادی عقیق پر گذرے اور حضرت عمر نے کہا کہ جب سے میں نے جاگیر دینی شروع کی ہے آج تک اس سے بہتر قطعہ اراضی میں نے کسی کو تقسیم نہیں کیا زبیر نے کہا کہ یہ مجھ کو دے دیں حضرت عمر نے وہ ان کو دے دیا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے زبیر کو اراضی جرف سے قناۃ تک بخشدی تھی۔

آپ نے دیکھا کہ کس فراخ دلی کے ساتھ لوگوں کو بہترین اراضیات دیدی جاتی تھیں۔ یہ وہی زبیر تھے جو شروع شروع میں حضرت ابوبکر کے خلاف تھے اور علی کے ساتھ تھے۔ مگر آہستہ آہستہ کس طرح ان کو ادھر سے ادھر کر لیا۔ آخر کار ایسے پکے اور وفادار دوست بن گئے کہ بجوف وخطر مجلس شوریٰ کے ممبر مقرر کئے جا سکتے تھے۔

باب ششدہم[16]

قابضان و عویداران خلافت کے خلاف حضرت علی کا احتجاج اور اپنی احقیت کا اظہار

سوادِ اعظم کی اکثریت کو اکثر یہ کہتے سنا گیا ہے کہ خلافت کی جو ترتیب ہوئی حضرت علی ہاشمی بہت مطمئن تھے اس کو جائز سمجھتے تھے نہ اس کے خلاف انکا کچھ دعویٰ تھا اور نہ ان کو کچھ شکایت۔ پھر ان کے معتقدین کے لئے یہ کب جائز ہے کہ کچھ نکتہ چینی کریں۔ اس باب میں ہم سوادِ اعظم کے اس اعتراض پر غور کرتے ہیں۔ اوّل تو ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ناظرین جنہوں نے البلاغ المبین کا شروع سے یہاں تک مطالعہ کر لیا ہے خود ہی اس اعتراض کا جواب دے لیں گے اور ہمیں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں ہی اس کا جواب آگیا ہے۔ اگر اس سے بھی زیادہ تفصیل کی ضرورت ہے تو ہم بیان کرتے ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ جناب علی مرتضیٰ کا کھلم کھلا دعویٰ تھا کہ وہ اور صرف وہی جناب رسولخدا کے خلیفہ بلافصل ہیں اور ان کی موجودگی میں جو کوئی اور قابض ہو گیا ہے وہ نہ اس کا حق دار ہے اور نہ اس کا اہل ہے۔ اگر حضرت علی کے ان تمام خطبوں اور تقریروں کو جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے

دعوے کے ثبوت اور اپنی احقیت کے اظہار میں مسلمانوں کے سامنے بیان کیے۔ اس جماعت کی کتابوں سے جمع کیا جائے جن کو غلط میں شیعیانِ علی کہتے ہیں تو یہ باب بذات خود ایک مستقل کتاب بن جائے چنانچہ شیخ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمیؒ نے اپنی کتاب خصال میں اس بار بار کے احتجاج کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی کی کتاب امالی اور علامہ مجلسی علیہ الرحمتہ کی بحار الانوار حسن بن محمد دیلمی کی کتاب ارشاد القلوب۔ علامہ طبرسی کی کتاب احتجاج۔ کتاب ناسخ التواریخ بھی اس ضمن میں قابل ذکر ہے۔ مگر ہم نے تو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ جو کچھ لکھیں وہ جماعت حکومت کی کتابوں سے لکھیں۔ ہاں ناظرین کو ہماری مشکلات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ جناب امیر کے اس علانیہ احتجاج اور اس دعوے سے ارا کین حکومت کا تغلب ناجائز روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے اور ان کے دعوے کی جڑ پر تیشۂ کاری لگتا ہے لہٰذا ان کے حامیوں اور مقلدوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ جناب امیر کی احتجاجی گفتگو اور دعوؤں کو من وعن پورا نقل کر دیں گے خلافِ عقل ہو گا۔ ان کے لئے یہ نہایت نازک موقعہ ہے وہ اس احتجاج کو بیان کرتے ہیں۔ لیکن چبا چبا کر حضرت علی کی گفتگو کو نقل کرتے ہیں لیکن قطع وبرید کے ساتھ جو زبردست وصریح دل دوز الفاظ ہیں وہ نکال دیتے ہیں۔ اکثر تو اشارے اور کنایہ ہی باقی رہ جاتے ہیں جناب امیر کی ساری بحث بھی نقل نہیں کرتے۔ اندریں صورت اگر ان بزرگواروں کی کتابوں میں ذرا سا بھی مل جائے تو اس کو بہت سمجھنا چاہیئے۔ اب ناظرین واقعاتِ مندرجۂ ذیل پر غور کریں۔

اگرچہ ایک فریق تو کہتا ہے کہ حضرت علی نے ان خلفاء ثلاثہ میں سے کسی کی بیعت ہی نہیں کی اور بعض عمر تک بیعت نہیں کی لیکن اتنا تو جماعت اہل حکومت بھی مانتی ہے کہ حضرت علی نے بیعتِ ابوبکر سے تخلف کیا۔ اور ان کے ہمراہ دیگر بنو ہاشم نے بھی بیعتِ ابوبکر نہیں کی۔ اور جب ان سے بعد تجہیز وتکفین رسول بیعت ابی بکر طلب کی تو انہوں نے انکار کیا اور خانۂ فاطمہؑ میں جمع ہو گئے۔ دیکھو کتاب ہذا صفحہ ۱۰۳-۱۰۵-۱۰۶ تمام کتب تواریخ اس امر پر متفق ہیں دیکھو حبیب السیر المجلد الاول الجزء الرابع صفحہ ۲، تاریخ طبری ، الجزء الثالث صفحہ ۱۹۹-۲۰۲ ؛ شمس التواریخ ، صفحہ ۷۵۸ ، تاریخ ابو الفداء ، الجزء الاول صفحہ ۱۵۶ ، تاریخ ابن کثیر شامی الجزء الخامس صفحہ ۲۴۶- ابن الاثیر ، تاریخ الکامل تاریخ الخمیس ، الجزء الثانی صفحہ ۱۸۵ ، ۱۸۶ ، الفاروق۔

جب حضرت عمر نے دیکھا کہ یہ لوگ خوشی سے بیعت نہیں کرتے تو جبراً بیعت لینے کے لئے اس طرح چلے کہ اپنے ساتھ جماعت مددگاروں کی لے لی۔ ہاتھ میں آگ لیتے گئے۔ اور

خانہ بنت رسول اللہ پر آن کر یہ آواز لگائی کہ تم لوگ ابھی باہر چلے آؤ اور بیعت ابی بکر کر لو۔ ورنہ میں اس گھر کو جلا دوں گا اور جو اس کے اندر ہیں سب جل جائیں گے۔ دروازے پر آن کر حضرت فاطمہؑ نے کہا کہ اے ابن خطاب! کیا تم ہمارا گھر جلانے آئے ہو۔ حضرت عمرؓ نے (خدا اُن سے بہت خوش ہو) جواب دیا۔ کہ ہاں میں تمہارا گھر جلانے آیا ہوں ورنہ تم سب ابھی بیعت ابی بکرؓ کر لو۔
تاریخ ابی الفداء۔ الجزء الاول صفحہ ۱۵۶؛ کتاب الامامۃ والسیاسۃ مسلم ابن قتیبہ۔ صفحہ ۱۲؛ مروج الذہب مسعودی مطبوعہ مصر الجزء الثالث صفحہ ۴۴؛ تاریخ طبری الجزء الثالث صفحہ ۱۹۸؛ امام شہاب الدین احمد المعروف بابن عبد ربہ اندلسی۔ عقد الفرید مطبوعہ مصر جلد ۲۔ صفحہ ۱۷۹؛ محمد ابن شحنہ۔ روضۃ المناظر برحاشیہ جلد یازدہم؛ تاریخ الکامل صفحہ ۱۱۳؛ اردو ترجمہ ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ مقصد دوم مآثر ابوبکر صفحہ ۲۲۶؛ ابن عبد البر۔ الاستیعاب مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن الجزء الاول صفحہ ۲۴۳؛ ترجمہ عبد اللہ بن ابی قحافہ ابی بکر؛ مولوی شبلی۔ الفاروق حصہ اول صفحہ ۱؛ حافظ عبد الرحمن امرتسری؛ کتاب المرتضیٰ صفحہ ۴۵۔ شاہ عبد العزیز۔ تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۹۲؛
حضرت عمرؓ کی اس دھمکی سے بہت سے بنو ہاشم باہر نکل آئے۔ زبیر بن العوام کو معہ دیگر آدمیوں کے بجبر دربار خلافت میں لے گئے اور ان لوگوں نے بیعت کر لی حضرت علی پھر نہ گئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو صلاح دی کہ اس متخلف (یعنی علی) کو نہ چھوڑو اور اس سے بیعت لو۔ انہوں نے اپنے غلام قنفذ کو حضرت علی کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ خلیفہ رسول اللہ آپ کو بلاتے ہیں حضرت علی نے فرمایا کہ کیسی جلدی جناب رسولؐ خدا پر بہتان باندھا ہے اور نہ گئے۔ قنفذ نے یہی جواب حضرت ابوبکر کو پہنچایا۔ وہ رونے لگے۔ خیال آیا ہوگا کہ واقعی علی سچ کہتے ہیں پھر یہ کہہ کر بھیجا کہ امیر المومنین بلاتے ہیں حضرت علی نے جواب دیا کہ اس نے اس شے کا دعویٰ کیا ہے۔ جو نہ اس کی ہے اور نہ وہ جس کا اہل ہے اور نہ گئے یہ جواب سُن کر حضرت ابوبکر دیر تک روتے رہے۔ اب حضرت عمرؓ خود جماعت مسلمین کو لے کر گئے اور حضرت علی کے لئے کوئی چارہ نہ چھوڑا۔ کہ یا تو عمر کے ساتھ چلیں یا تلوار کے ذریعہ سے ان کو دفع کریں۔ چونکہ تلوار اٹھانے سے فتنہ ہوتا تھا اور جناب رسولِ خدا نے وصیت کر دی تھی کہ تلوار نہ اٹھانا لہذا مجبور ہو گئے۔ مگر کہتے جاتے تھے کہ تم یہ سختی عہد خدا اور عہد رسول پر کر رہے ہو وہاں پہنچ کر بھی آپ نے بیعت نہ کی اگرچہ حضرت عمرؓ نے قتل کی بھی دھمکی دی اور واپس آن کر قبر رسول پر فریاد کرنے لگے۔ دیکھو صفحات ۸۵ تا ۹۳ کتاب ہذا۔ اگر بحث کی خاطر یہ بھی مان لیا جائے کہ جناب فاطمہؑ کی رحلت کے بعد حضرت علی نے بیعت کر لی جو کہ قطعاً غلط ہے۔ تب بھی ان واقعات سے اتنا تو اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ جناب علی مرتضیٰ حکام سقیفہ کو اسی امر کا نااہل سمجھتے تھے۔ آپ کا دعویٰ تھا کہ یہ ہمارا حق ہے۔ آپ نے بتا دیا کہ تمہارا خلیفہ رسول کہلایا جانا رسولِ خدا

پر بہتان ہے اور تم امیر المومنین ہونے کے حق دار نہیں ہو اگر اس کے بعد بیعت فرض بھی کر لی جائے۔ تو وہ جبراً ہوئی۔ خوشی سے نہ ہوئی۔ تم خود کہتے ہو کہ اس وجہ سے بیعت کی کہ فاطمہ علیہا الصلوٰۃ السلام کے بعد لوگوں نے آپ کا پاس خاطر کرنا چھوڑ دیا۔ حضرت علی کی وہ گفتگو قابل غور ہے جو آپ نے اس وقت کی کہ جب آپ کو حضرت عمر دربارِ خلافت میں لائے اس گفتگو کو ہم نے اس کتاب کے صفحہ ۴۰۱۰۵۰۱ پر کتاب الامامت والسیاست سے نقل کیا ہے۔ تاریخ روضۃ الاحباب میں آپکا احتجاج ان الفاظ میں درج ہے:۔

جمعے از اہل تاریخ آوردہ اند کہ چوں از مہم بیعت فراغت حاصل شد۔ ابوبکر از وجوہ مہاجران و اعیان و انصار مجمعے ساختہ علی مرتضیٰ علیہ السلام را باں مجلس طلبید۔ وے اجابت فرمودہ دراں مجمع حاضر شد و در محل لائق خود نشست و از موجب طلب خویش پرسید۔ عمر گفت موجب آں است کہ می خواہم چناں کہ سائر اصحاب با ابوبکر بیعت کردہ تو نیز بیعت کنی۔ علی علیہ السلام فرمود من ہماں سخنی کہ شما بر انصار حجت ساختہ ایں منصب را گرفتید بر شما حجت مے گردانم راست بگوئید کہ بحضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اقرب کیست۔ عمر گفت ترا نگذاریم تا بیعت نکنی۔ علی علیہ السلام گفت اول سخن مرا جواب باصحاب بگوئید۔ بعد ازیں از من بیعت جوئید۔ ابوعبیدہ گفت اے ابوالحسنؑ تو بواسطہ سبقت اسلام و فضل قرابت قریبہ با سید الانام علیہ السلام سزاوار خلافت و حکومتی ولیکن چوں اصحاب برابوبکر اجماع و اتفاق نمودہ اند۔ مناسب ایں است کہ تو نیز قدم در دائرہ وفاق در آری۔ علی السلام گفت اے ابوعبیدہ تو امین امتی بقول رسول مختار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مقتضائے امانت راستی است در گفتار و کردار موجبی کہ حق سبحانہ و تعالٰی بجا نہ ذال

(ترجمہ) مورخین کہتے ہیں کہ جب بیعت لینے کی مہم سے حضرت ابوبکر کو فراغت حاصل ہوئی۔ تو انہوں نے اشراف مہاجرین و انصار و اعیان کی ایک مجلس تیار کی اور وہاں جناب علی مرتضیٰ کو بلایا آنجناب اپنے مناسب مقام پر رونق افروز ہوئے اور دریافت فرمایا کہ انہیں کیوں بلایا گیا۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ یہ وجہ تھی کہ چونکہ دیگر اصحاب نے ابوبکر سے بیعت کر لی ہے آپ بھی بیعت کریں۔ حضرت علی نے کہا کہ میں وہی حجت تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں جو حجت تم نے انصار کے سامنے پیش کر کے یہ عہدہ لے لیا۔ سچ سچ بتاؤ کہ جناب رسول خدا سے کون نزدیک تر ہے حضرت عمر نے کہا کہ ہم تو آپ کو نہیں چھوڑیں گے جبتک آپ بیعت نہ کر لیں گے۔ حضرت علی نے کہا کہ اول میری بات کا جواب دو۔ اور اسکے بعد مجھ سے بیعت طلب کرو (حضرت عمر کو کچھ جواب نہ بن آیا۔ اب ابوعبیدہ بن الجراح نے ان کا بوجھ بٹایا) ابوعبیدہ نے کہا کہ اے ابوالحسن آپ بوجہ سبقت اسلامی و قرابت رسول خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں لیکن چونکہ اب لوگوں نے ابوبکر پر اجماع کر لیا ہے۔ بہتر ہے کہ آپ بھی موافقت کریں حضرت علی نے جواب دیا کہ اے ابوعبیدہ تم کہ بقول رسول امین امت بیان کیا جاتا ہے امانت

ثبوت کرامت دادہ در بند آں مے باشید کہ بجائے دگر کنید مہبط قرآن و وحی و مورد امر و نہی و منبع فضل و علم و معدن عقل و علم ما ئیم و بواسطہ ایں امور خلافت را شائستہ و امارت را سزا واریم بشیر بن سعد انصاری گفت اے ابو الحسن ایں داعیہ کہ امروز ظاہر میکنی و پیش ازیں اگر معلوم مردم شدی ہر آئینہ با تو مضائقہ و منازعہ نمی کردند با تو بیعت مے نمودند و لیکن چوں در خانہ نشستی و در اختفا بر دم بستی ایشاں را ایں گمان شد کہ از خلافت کنارہ مے کنی و در رفع اعبائی ایں امر را از خود میکنی اکنوں جماعتے مسلمانان کسے دیگر را قبول کردہ اند بہ پیشوائی از پے دل می آئی و خود را طرف دیگر می نمائی علی مرتضیٰ فرمود اے بشیر روا میداری کہ من جسد اطہر و قالب انور سید عالم را غسل نا دادہ و تجہیز و تکفین او نمودہ و از دفن او فراغت حاصل نکردہ ام از طلب حکومت و خلافت زدمی و با مردم در منازعت و خصومت شدمی۔ ابوبکر صدیق چوں دید کہ کلمات علی جملہ محکم و استوار و ہر یکے از ینہا مقابلہ صد کلمہ بلکہ صد ہزار کلمہ است از رفق و مدارا در آمد و گفت اے ابو الحسن را گماں ایں بود کہ ترا با من مضائقہ نہ باشد و اگر میدانستم کہ از بیعت با من تخلف خواہی کرد ہرگز آں را قبول نمی کردم۔ اکنوں کہ مردم با من اتفاق نمودہ اند۔ اگر تو نیز با ایشاں اتفاق نمودہ ظن مرا مطابق واقع ساختہ باشی و اگر حالا توقف کنی و خواہی کہ تو درایں امر تامل و تفکر نمائی ہیچ حرجے نیست پس علی از مجلس برخاست و متوجہ خانہ خویش گشت۔

کیلئے گفتار و کردار میں راستی ضروری ہے وہ عزت و شرف و درجہ جو خداوند تعالیٰ نے خاندان نبوت کو عطا فرمایا ہے اس کو دوسری جگہ منتقل کرنیکی کوشش نہ کرو ہم وحی و قرآن شریف کے نازل ہونے کا محل ہیں اور اس وجہ سے ہم خلافت کے مستحق اور اسکے اہل ہیں (اب یہ بھی خاموش ہو گئے کچھ جواب نہ بن آیا تو بشیر ابن سعد انصاری اس طرح ان کی مدد کرتے ہیں) بشیر ابن سعد نے کہا کہ اے ابالحسن یہ خواہش جو تم آج ظاہر کر رہے ہو اگر سقیفہ والے دن مجھے اور لوگوں کو معلوم ہوتا۔ تو پھر تمہارے سوائے وہ کسی اور کی بیعت نہ کرتے اور تم سے بیعت کر لیتے لیکن چونکہ تم گھر میں بیٹھے رہے اور لوگوں میں نہ آئے تو لوگوں نے خیال کیا کہ تم خلافت سے کنارہ کرتے ہو اب کہ لوگوں نے دوسرے سے بیعت کر لی تو تم پیشوائی کیلئے آگے بڑھے ہو اور دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے (اس سے زیادہ کیا کوئی بے ڈھنگی گفتگو ہو سکتی تھی) اس پر جناب علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ اے بشیر کیا تم جائز رکھتے ہو کہ میں بھی (تمہاری طرح) جناب رسول خدا کے جسد اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر حکومت کے پیچھے دوڑتا اور لوگوں سے تنازعہ کرتا جب حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ حضرت علی کے کلمات نہایت محکم و استوار ہیں ان میں سے ہر ایک کا ہزار ہزار لفظوں کے برابر ہے تو تملق و چاپلوسی پر اتر آئے اور کہا اے اباالحسن میں جانتا تھا کہ تم کو میرے خلیفہ ہو جانے پر کچھ مضائقہ نہ ہو گا اور اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ تم میری بیعت سے تخلف کرو گے تو میں ہرگز قبول نہ کرتا اب کہ لوگوں نے میری خلافت پر اتفاق کر لیا ہے مناسب ہے

لا یحبہم الا مومن ولا یبغضہم الا منافق فمن احبہم احبہ اللہ و من ابغضہم ابغضہ اللہ یعنی انصار کو نہیں دوست رکھے گا لیکن مومن۔ اور ان کو نہیں دشمن رکھے گا۔ لیکن منافق پس جوان کو دوست رکھے خدا اس کو دوست رکھے گا۔ اور جو ان سے بغض رکھے خدا اس سے بغض رکھے گا۔

صحیح بخاری۔ الجزء الثانی باب مناقب الانصار صفحہ ۲۰۵-۲۰۶

یہی فقرہ جناب رسول خدا نے حضرت علی کے حق میں کہا تھا حضرت عمر نے دونوں کے حق میں جناب رسول خدا کے اس قول کی عزت ایک ہی طریقے پر کی یعنی دونوں کو خلافت سے محروم کر دیا جناب رسول خدا نے جماعت مخالفین کی خواہش خلافت کی فراوانی کو دیکھ کر وہی نتیجہ انصار کے متعلق نکالا تھا جو آپ نے حضرت علی کے متعلق اخذ کیا تھا۔ اس کو معجزہ پیشین گوئی بھی کہہ سکتے ہیں اور قدرت پیشین بینی آپ انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے۔

انکم ستلقون بعدی اثرۃ فاصبروا حتی تلقونی و موعدکم علی الحوض

صحیح بخاری باب مناقب الانصار باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للانصار اصبروا حتی تلقونی علی الحوض" الجزء الثانی صفحہ ۲۰۷

ترجمہ: "میرے بعد ہی تم پر مصائب و آلام آئیں گے۔ پس تم صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر تم مجھ سے ملو" دونوں کے لئے یہ مصیبت قائم شدہ گورنمنٹ کی سختیوں کی صورت میں آئی۔ حضرت عمر کے عمالوں کی فہرست پر نظر ڈالو جس کو جناب شبلی نے اپنے الفاروق حصہ دوم میں صفحہ ۳۸، ۳۹ پر نقل کیا ہے۔ بنو امیہ اور دشمنان علی ابن ابی طالب کی کثرت ہے۔ سوائے ایک کے اور کوئی انصاری نظر نہیں آتا۔ سعد ابن عبادہ انصاری جو حریف سلطنت تھا، اس کو شام میں ایک "جن" نے قتل کر دیا۔ اس کے بیٹے قیس سے بے رخی برتی گئی۔ اس سلوک کی تلافی جناب امیر نے اس طرح کی کہ قیس ابن سعد ابن عبادہ کو مصر کی گورنری پر مقرر فرما دیا۔ مسئلہ زیر غور یہ ہے کہ حضرت عمر کی یہ ناراضگی انصار پر کیوں تھی کہ خلافت میں سے ان کا حصہ ہی نکال دیا۔ کیا انصار امت اسلامیہ میں سے نہ تھے۔ اس کی وجوہات تھیں۔ حضرت عمر کی سیاست کا یہ رکن عظیم تھا۔ کہ جس شخص میں ذرا بھی حب علی ہو وہ حکومت سے دور رکھا جاتا تھا دوسری وجہ یہ تھی کہ انصار نے خلافت کو خاندان نبوت میں سے نکالنے میں جو سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر و حضرت عمر کی مدد کی تھی اس سے انصار بہت پچھتائے اور اپنی غلطی محسوس کرنے لگے انہوں نے مہاجرین کو ملامت کرنی شروع کر دی جس کی وجہ سے حضرت ابو بکر کی بیعت کے بعد ہی دونوں فریقین میں لڑائی جھگڑے ہونے لگے جن کے روکنے کے لئے حضرت ابو بکر نے فوراً ان لوگوں کو لڑائی پر بھیج دیا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اگر یہ وجوہات نہ تھیں تو دکھلائے اہل حکومت ہمیں بتائیں کہ باوجود مسلمان اور ناصران رسول ہونے کے انصار کا حق و حصہ کیوں خلافت میں نہ تھا۔ اگر خلافت بنی تیم و بنی عدی و بنی امیہ میں جا سکتی تھی تو کیوں انصار کی

آپ بھی اس پر اتفاق کریں اور اگر آپ بیعت نہیں کرنا چاہتے اور تامل و تفکر کرنا چاہتے ہیں تو اسمیں بھی کچھ ہرج نہیں پس حضرت علی علیہ السلام بغیر بیعت کئے مجلس سے اٹھے اور بیت الشرف میں تشریف لے آئے۔

تاریخ حبیب السیر میں بھی یہ واقعہ اسی طرح درج ہے اسکی عبارت ہم نے اس کتاب کے صفحہ ۱۱۲ پر نقل کی ہے

جب مرتے وقت حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کیا تو نہ احتجاج کا موقعہ تھا۔ اور نہ اس کی ضرورت، ہر ایک شخص جانتا تھا کہ سقیفہ میں حضرت عمر نے خلافت و حکومت اپنے لیے حاصل کی ہے۔ درمیان میں حضرت ابوبکر کو ذراسی آڑ بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ جب حضرت عمر کی میعادِ مدت اس دارِ عمل میں ختم ہونے لگی تو ان کے دماغ پُرپیچ وخم نے نہایت پُرکج ترکیب نکالی۔ جس نے مجلس شوریٰ کی صورت اختیار کی۔ جب عبدالرحمن بن عوف نے اپنے رشتہ دار حضرت عثمان کیلئے خلافت حاصل کرنے کے واسطے چالیں چلنی شروع کیں تو حضرت علی نے اپنے حقوق، افضلیت و احقیت کا اظہار بہت اچھی طرح فرمایا **ابوالحسن علی بن محمد بن الطیب الجلالی المعروف بابن المغازلی المتوفی ۴۸۳ھ** ہجری اپنی کتاب **المناقب** میں اس طرح لکھتے ہیں۔

اخبرنا ابوطالب محمد بن علی بن محمد البیع البغدادی انا احمد بن محمد بن سعید المعروف بابن عقدۃ الحافظ ناجعفر بن محمد بن سعید الاحمسی نانصر وھو ابن مزاحم ناالحکم بن مسکین ناابوالجارود بن طارق عن عامر واثلہ وابوساسان وابوحمزہ عن ابی اسحاق السبیعی عن عامر بن واثلہ قال کنت مع علی فی البیت یوم الشوریٰ فسمعت علیاً یقول لھم لاحتجن علیکم بما لا یستطیع عربیکم ولا عجمیکم ان یغیر ذلک قال انشدکم اللہ ایھا النفر جمیعاً افیکم احد وحد اللہ قبلی قالوا اللھم لا قال فانشدکم باللہ ھل فیکم احدٌ

(اسماء رواۃ عربی میں ملاحظہ فرمائیے)
عامر بن واثلہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ شوریٰ کے دن میں وہاں موجود تھا میں نے حضرت علی کو اصحاب شوریٰ سے یہ کہتے ہوئے سُنا آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے اوپر اس امر کے ساتھ حجت پکڑتا ہوں جس کو تم میں سے کوئی خواہ عربی ہو کہ عجمی متغیر نہیں کر سکتا پھر آپ نے فرمایا کہ ایہا الناس میں تم سب کو خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں سے ایک بھی ایسا ہے جس نے مجھ سے قبل خداوند تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا ہو۔ سب نے کہا کہ ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے پھر فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دلا کر سوال کرتا ہوں کہ کیا تم میں سے کسی کا بھائی میرے بھائی جعفر طیار کی طرح ہے جو جنت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے ہیں سب نے کہا کہ نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم میں کوئی

له اخٌ مثل جعفر الطيار في الجنة
مع الملائكة غيري قالوا اللهم
لا قال فانشدكم بالله افيكم
احد له زوجته مثل زوجتي فاطمة
بنت محمد قالوا اللهم لا قال فانشدكم
بالله هل فيكم احد له سبطان
مثل سبطي الحسن والحسين سيدي
الشباب اهل الجنة غيري قالوا
اللهم لا قال فانشدكم بالله هل
فيكم احد ناجى رسول الله صلى الله
عليه وسلم عشر مرات يقدم بين
نجواه صدقة قبلي قالوا اللهم
لا قال فانشدكم بالله فهل فيكم
احد قال له رسول الله صلى الله عليه
وسلم من كنت مولاه فعلي مولاه
اللهم وال من والاه وعاد من عاداه
ليبلغ الشاهد منكم الغائب غيري
قالوا اللهم لا قال فانشدكم بالله هل
فيكم احدٌ قال له رسول الله صلى
الله عليه وسلم اللهم ائتني
باحب خلقك اليك والي واشدهم
حبالك وحبالي ياكل معي من
هذا الطائر فاتاه فاكل معه
غيري قالوا اللهم لا قال فانشدكم
بالله هل فيكم احد قال له رسول
الله صلى الله عليه واله وسلم
لاعطين الراية رجلاً يحب الله

ایسا ہے جس کی زوجہ میری زوجہ فاطمہ بنت
رسول اللہ کی مانند ہو سب نے اقرار کیا نہیں
پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دلا کر
پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے
بیٹے میرے بیٹوں حسنؑ وحسینؑ کی طرح سبطین
رسول سرداران جوانان اہل جنت ہیں سب نے
اقرار کیا کہ نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں
سے کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس دفعہ صدقہ دے
کر دس دفعہ راز کی باتیں کی ہوں سب نے کہا
کہ نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے میرے
سوا کوئی اور ایسا ہے جس کی نسبت رسول خدا
نے کہا ہو کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا
ہے خداوندا دوست رکھ اس کو جو اسے دوست
رکھے۔ اور دشمن رکھ اس کو جو اسے دشمن
رکھے۔ تم میں جو حاضر ہے وہ غائب کو میرا
یہ کلام پہنچا دے۔ سب نے اقرار کیا۔ کہ
نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم
دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں کوئی سوائے
میرے ایسا ہے کہ جس کی نسبت رسول خدا
نے فرمایا ہو کہ خداوندا اس وقت میرے
ساتھ اس طائر کو کھانے کے لئے ایسے شخص
کو بھیج جو تمام خدائی میں سب سے زیادہ میرا
اور تیرا محبوب ہو۔ اور سب سے زیادہ تجھ سے
اور مجھ سے وہ شخص محبت کرتا ہو پس وہ آیا ہو
اور اس نے وہ طائر آنجناب کے ساتھ تناول
کیا ہو سب نے بقسم اقرار کیا نہیں۔ پھر آپ نے

ورسوله ويحبه الله ورسوله
لا يرجع حتى يفتح الله على يديه
اذا رجع منهزما غيري قالوا
اللهم لا قال فانشدكم بالله هل
فيكم احد قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم لبني لهيعة لتنتهن
او لابعثن اليكم رجلا كنفسي
طاعته كطاعتي ومعصيته كمعصيتي
يعضكم بالسيف غيري قالوا اللهم
لا قال فانشدكم بالله هل فيكم
احد قال له رسول الله صلى الله
عليه وسلم كذاب من زعم
انه يحبني ويبغض هذا غيري
قالوا اللهم لا قال فانشدكم بالله هل
فيكم احد سلم عليه في ساعة واحدة
ثلاثة الاف من الملائكة فيهم
جبرائيل وميكائيل واسرافيل حيث
جئت بالماء الى رسول الله صلى الله
عليه وسلم من القليب غيري
قالوا اللهم لا قال فانشدكم بالله
هل فيكم احد قال له جبرئيل هذه
هي المواساة فقال رسول الله صلى
الله عليه وسلم انه مني وانا منه فقال
جبرئيل وانا منكما غيري قالوا اللهم
لا قال فانشدكم بالله هل فيكم احد
نودي به من السماء لا فتى الا علي
لا سيف الا ذو الفقار قالوا اللهم

فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔
کہ کیا تم میں میرے سوا کوئی اور شخص ہے۔
جس کی نسبت جناب رسول خدا نے فرمایا ہو کہ
بہ تحقیق میں کل علم ایک شخص کو دوں گا۔ جو خدا
و رسول کو دوست رکھتا اور خدا و رسول خدا
اس کو دوست رکھتے ہیں وہ نہیں واپس ہوگا۔
جب تک کہ خداوند تعالیٰ لڑائی کو اس کے ہاتھ
پر فتح نہ کرے گا۔ میرے سوا سب پسپا ہو چکے
تھے سب نے اقرار کیا واللہ نہیں۔ پھر آپ نے
فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا
ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میرے سوائے
کوئی اور شخص ہے جسکے متعلق جناب رسول خدا
نے بنی لہیعۃ سے فرمایا کہ تم باز آجاؤ ورنہ میں
تمہاری طرف ایسے شخص کو بھیجوں گا جو کہ میرا ہم نفس
اور میرے مانند ہے جس کی اطاعت کرنا میری اطاعت
کے مرادف ہے جس کی نافرمانی میری نافرمانی ہے جو
تم کو تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا سب نے جواب
دیا واللہ نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم
دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں میرے سوا
کوئی اور شخص ہے جس کی نسبت جناب رسول خدا
نے فرمایا کہ وہ شخص جھوٹ بولتا ہے جو دعویٰ کرتا
ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے درآنحالیکہ وہ اس سے
یعنی علی سے بغض رکھتا ہے سب نے جواب دیا کہ قسم بخدا
نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی
قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میرے
سوائے کوئی اور شخص ہے کہ جس کو ایک ہی وقت واحد
میں تین ہزار ملائکہ نے جن میں جبرئیل و میکائیل و

لا قال فانشدکم باللہ ہل فیکم احد قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی قاتلت علی تنزیل القرآن وتقاتل انت یا علی علی تاویل القرآن غیری قالوا اللھم لا قال فانشدکم باللہ ہل فیکم احد ردت علیہ الشمس حتی صلی العصر فی وقتہا غیری قالوا اللھم لا قال فانشدکم باللہ ہل فیکم احد امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بان یاخذ براۃ من ابی بکر فقال لہ ابوبکر انزل فی شیئ فقال لہ ان لا یودی عنی الا علی غیری قالوا اللھم لا قال فانشدکم باللہ ہل فیکم احد قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق غیری قالوا اللھم لا قال فانشدکم باللہ اتعلمون انہ امر بسد ابوابکم ...... وفتح بابی فقلتم فی ذلک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما انا سددت ابوابکم ولا انا فتحت بابہ بل اللہ سد ابوابکم وفتح بابہ غیری قالوا اللھم نعم قال فانشدکم باللہ اتعلمون انہ ناجا یوم الطائف دون الناس فاطال ذلک فقلتم ناجاہ دوننا فقال ما انا انتجیتہ بل اللہ انتجاہ

اسرافیل تھے سلام کیا ہو جب کہ وہ جناب رسولخدا کے پاس ایک کنوئیں سے پانی لایا تھا سب نے جواب دیا کہ واللہ نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں میرے سوا کوئی اور شخص ہے کہ جس کی نسبت جبرئیل نے کہا کہ محبت وانسیت اسکو کہتے ہیں تو جناب رسول خدا نے فرمایا کہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اس پر جبرئیل نے کہا کہ میں تم دونوں میں سے ہوں سب نے جواب دیا کہ قسم بخدا نہیں. پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی نسبت آسمان سے ندا آئی لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار سب نے جوابدیا واللہ نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمکو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں کوئی ایسا شخص میرے سوائے ہے جسکی نسبت جناب رسول خدا نے فرمایا ہو کہ میں نے تنزیل قرآن کیلئے جنگ کی ہے اور تو اے علی تاویل قرآن کیلئے جنگ کریگا. سب نے جوابدیا قسم بخدا نہیں ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے. پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمکو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں میرے سوائے کوئی اور شخص ہے جس کیلئے آفتاب نے رجعت کی یہاں تک کہ اس نے نماز عصر ادا کی. سب نے جواب دیا قسم بخدا نہیں. پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمکو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا میرے سوائے کوئی اور تمہارے درمیان میں ہے کہ جس کو جناب رسولخدا نے حکم دیا کہ ابوبکر سے جا کر سورت برائت لیلو پس ابوبکر نے واپس آن کر جناب رسولخدا سے عرض کیا کہ میرے

غیری قالوا اللهم نعم قال فا
نشدکم اتعلمون ان رسول الله
صلی الله علیه وسلم قال
انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله
وعترتی لن تضلوا ما ان تمسکتم
بهما ولن یفترقا حتی یردا علی
الحوض قالوا اللهم نعم قال
فانشدکم بالله هل فیکم احد
وقی رسول الله صلی الله علیه وسلم
بنفسه من المشرکین فاضطجع
مضجعه غیری قالوا اللهم لا قال
فانشدکم بالله هل فیکم احد
بارز عمرو بن عبد ود حیث دعاکم
الی البراز غیری قالوا اللهم لا قال
فانشدکم بالله هل فیکم احد
انزل الله فیه آیة التطهیر حیث
یقول انما یرید الله لیذهب عنکم
الرجس اهل البیت ویطهرکم
تطهیرا غیری قالوا اللهم لا قال
فانشدکم بالله هل فیکم احد
قال له رسول الله صلی الله علیه
وسلم انت سید العرب غیری
قالوا اللهم لا قال فانشدکم بالله
هل فیکم احد قال له رسول الله
صلی الله علیه وسلم ما سألت الله
شیئا الا سألت لك مثله غیری
قالوا اللهم لا

خلاف کچھ وحی نازل ہوئی جناب رسولخدا نے جواب
دیا کہ اس کو میرے بجائے سوائے علی کے اور کوئی
ادا نہیں کر سکتا۔ سب نے جواب دیا کہ قسم بخدا
نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دیکر
دریافت کرتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں میرے
سوائے کوئی اور ہے جس کی نسبت رسولخدا نے فرمایا
ہو کہ تو میرے ساتھ وہ نسبت رکھتا ہے جو حضرت
موسیٰ کے ساتھ ہارون نسبت رکھتے تھے۔ صرف
اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا سب نے
جواب دیا قسم بخدا نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمکو خداوند
تعالیٰ کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں کہ کیا تمہارے
درمیان میں میرے سوائے کوئی اور ہے جسکی نسبت جناب
رسولخدا نے فرمایا ہو کہ نہیں تجھ کو محبوب رکھیگا لیکن مومن
اور نہیں تجھ سے عداوت رکھے گا لیکن منافق سب
نے جواب دیا قسم بخدا نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم سب
کو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تم
جانتے ہو کہ جناب رسول خدا نے تمہارے مکان
کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم صادر فرمایا اور
میرا دروازہ کھلا رکھا اس پر تم نے آپس میں گفتگو
شروع کر دی تو جناب رسول خدا نے فرمایا کہ میں
نے نہ تمہارے دروازے بند کرائے اور نہ علی کا دروازہ
کھلا رکھا ہے بلکہ خدا نے تمہارے دروازے بند
کرائے ہیں اور علی کا دروازہ کھلا رکھا ہے سب نے
جواب دیا قسم بخدا اسی طرح ہے پھر آپ نے فرمایا
کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر دریافت
کرتا ہوں کیا تم نہیں جانتے ہو کہ جناب رسولخدا
نے طائف کے دن مجھ سے علیحدگی میں راز کی باتیں

بہت عرصہ تک کیں جس پر تم نے اعتراض کیا۔ کہ جناب رسولِ خدا نے ہم کو چھپکر علی سے بہت دیر تک راز کی گفتگو کی ہے تو جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ میں نے اس سے راز کی باتیں نہیں کیں بلکہ خدا نے اس سے راز کی باتیں کی ہیں سب نے جواب دیا قسم بخدا اسی طرح ہے پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالےٰ کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ میں اپنے بعد دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ اور دوسرے میری عترت جب تک تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جُدا نہ ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں سب نے جواب دیا قسم بخدا اسی طرح ہے پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا میرے سوائے کوئی اور تمہارے درمیان میں ہے جس نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالکر رسولِ خدا کو بچایا ہو۔ اور آپ کے بستر پر سویا ہو۔ سب نے جواب دیا کہ قسم بخدا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں میرے سوائے کوئی ہے جو عمرو بن عبد ود کے مقابلہ میں نکلا ہو۔ جب اس نے جنگ کے لیے تم سے مبارز طلب کیا۔ سب نے جواب دیا۔ قسم بخدا۔ نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ میں تم کو خداوند تعالےٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تمہارے درمیان میں میرے سوائے کوئی اور ہے۔ جس کے حق میں خداوند تعالےٰ نے آیۂ تطہیر نازل فرمائی تھی۔ سب نے جواب دیا قسم بخدا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں میرے سوائے کوئی اور شخص ہے جس کے لیے جناب رسولِ خدا نے فرمایا ہو تو عرب کا سردار ہے سب نے جواب دیا قسم بخدا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمکو خداوند تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میں میرے سوائے کوئی اور ہے جس کے لیے جناب رسولِ خدا نے فرمایا تھا کہ میں نے کوئی چیز خدا سے اپنے لئے نہیں مانگی کہ جو میں نے تیرے لئے اے علی نہ مانگی ہو سب نے کہا کہ قسم بخدا نہیں۔"

اس بلیغ اور جامع کلام نے تمام اہل شوریٰ کی زبانوں کو بند کر دیا اور وہ اسکا کچھ جواب نہ دے سکے اس ہی وجہ سے عبدالرحمٰن کو وقت واقع ہوئی اور وہ اپنے مقصد کے مطابق میعاد مقررہ کے اندر فیصلہ نہ کر سکے۔ پھر وہ ہی چالیں چلی گئیں۔ جو ایسے موقعہ پر چلی جاتی ہیں یعنی کثرت کے عذر کی آڑ میں اپنا کام نکال لیا۔ جہلا کی کثرت ہی ایک ایسی سپر ہے جو ایسے موقعوں پر کام آتی ہے یہ خطبہ بھی جا بجا حق کے دشمن کے مورخین نے کتر بیونت کر کے لکھا ہے۔ اس کے ٹکڑے کہیں کہیں ملتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ مکمل خطبہ کسی نے شائع نہیں کیا کیونکہ اس سے انکے اعتقاد پر کاری تیشہ لگتا ہے جناب علیٰ مرتضیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ تم سے پہلے ابوبکر و عمر نے بھی میرا حق لیا ہے۔ درآنحالیکہ وہ اس کے قابل نہ تھے۔ چنانچہ محمد بن یوسف الکنجی نے اپنی کتاب کفایت الطالب میں اس طرح لکھا ہے

روی عن عامر بن واثلہ ا.ن عامر بن واثلہ ابی الطفیل سے مروی ہے وہ کہتا ہے

الطفيل قال كنت يوم الشورىٰ
على الباب و على يناشد عثمان
و طلحة و الزبير و سعدا و عبد الرحمن
بعدة من فضائله منها ردّ الشمس كما
اخبرنا ابو بكر بن ابى دارم الحافظ
بالكوفة من اصل كتاب حدثنا
منذر بن محمد بن منذر حدثنا
ابى حدثنا عمى حدثنا ابى عن ابان
بن تغلب عن عامر بن واثله قال
كنت يوم الشورىٰ على الباب و علىؑ
فى البيت فسمعته يقول استخلف
ابوبكر و انا فى نفسى احق بها منه
فسمعت و اطعت و استخلف عمر
و انا فى نفسى احق بها منه فسمعت
و اطعت و انتم تريدون ان
تستخلفوا عثمان اذا لا اسمع ولا
اطيع جعل عمر فى خمسة" انا
سادسهم لا يعرف لهم فضل
اما والله لاحاجنهم بخصال لا
يستطيع عربيهم ولا عجميهم
المعاهد منهم والمشرك ان
ينكر منها خصلة انشدكم بالله
ايها الخمسة امنكم اخو رسول
الله صلى الله عليه وسلم غيرى
قالوا لا قال امنكم احد له اخ
مثل اخى المزين بالجناحين يطير
مع الملائكة فى الجنة قالوا لا۔

کہ میں شوریٰ کے دن اس گھر کے دروازہ پر تھا
کہ جہاں اہل شوریٰ جمع تھے اور حضرت علی کو میں
نے سنا کہ عثمان و طلحہ و زبیر و سعد و عبد الرحمن کو
حلف دلا کر اپنے چند فضائل کا ان سے اقبال کرا
رہے تھے جن میں سے ایک رجعت شمس ہے جیسا
کہ خبر دی ہم کو ابو بکر بن الخازن نے ... اسکو خبر دی
ابو ذرعہ نے ... الخ تا عامر بن واثلہ مروی ہے عامر
بن واثلہ سے وہ کہتا ہے کہ روز شوریٰ میں مکان کے
دروازہ پر تھا اور علیؑ مکان کے اندر تھے میں نے
حضرت علی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوبکر کو خلیفہ لوگوں
نے بنایا حالانکہ مجھے یقین تھا کہ میں خلافت کے
لئے ابوبکر کی نسبت زیادہ اہل و حقدار ہوں لیکن
میں خاموش رہا اور کچھ نہ کیا۔ عمر کو خلیفہ بنایا گیا۔
اسوقت بھی مجھے یقین تھا کہ میں اس کی نسبت
خلافت کے لئے زیادہ موزوں اور حقدار رہوں لیکن
پھر بھی خاموش رہا اور کچھ نہ کیا اب تم ارادہ رکھتے ہو
کہ عثمان کو خلیفہ مقرر کرو اب میں ہرگز اس طرح
خاموش نہ رہوں گا۔ عمرؓ نے خلافت کو پانچ آدمیوں
میں محدود کیا اور میں ان کا چھٹا رکھا گیا حالانکہ
عمر کو علم تھا کہ ان پانچ اشخاص کے کچھ فضائل نہیں
قسم بخدا میں ان سے احتجاج کروں گا اپنے ان فضائل
کے ساتھ جو ان میں کے عربی و عجمی کسی میں نہیں ہیں
اور وہ میرے ایک فضل سے بھی انکار نہیں کر سکتے
اے پانچ آدمیوں کی جماعت میں تم سے خداوند تعالیٰ کی
قسم دیکر دریافت کرتا ہوں کیا تم میں میرے سوائے کوئی رسولِ خدا
کا بھائی ہے سب نے جواب دیا نہیں پھر فرمایا کیا تم میں میرے سوا
ایک بھی ایسا ہے کہ جسکا چچا مثل میرے چچا حمزہ بن عبدالمطلب کے

قال امنكم احد له زوجة مثل
زوجتي فاطمة سيدة نساء الامة
غيري قالوا لا قال امنكم احد له
سبطان مثل الحسن والحسين سبطي هذه
الامة ابني رسول الله صلى الله عليه وسلم
غيري قالوا لا قال امنكم احد قتل مشركي
قريش قبلي قالوا لا قال امنكم احد ردت
عليه الشمس بعد غروبها حتى صلى العصر
غيري قالوا لا قال امنكم احد قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم حين
اقرب اليه الطير فاعجبه اللهم
ائتني باحب خلقك اليك ياكل
معي من هذا الطير فجئت وانا
اعلم ما كان من قول النبي صلى
الله عليه وسلم فدخلت قال
والي يا رب والي يا رب غيري
قالوا لا هكذا رواه الحاكم في كتابه
بجمع طرق حديث الطير وناهيك به راوياً
انتهى۔

ہو جو شیر خدا و شیر رسول خدا بھی ہو۔ سب نے جواب دیا نہیں پھر
فرمایا کیا تم میں کسی کا ایسا بھائی ہے جیسا کہ میرا بھائی جعفر
طیار ہے جو جنت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتا ہے
سب نے کہا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ کیا تم میں میرے سوائے
کسی اور کی زوجہ میری زوجہ فاطمہ سیدۃ النساء الامۃ
جیسی ہے سب نے کہا کہ نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ کیا میرے
سوائے کسی اور کے فرزندان مثل حسنؑ اور حسینؑ کے ہیں
جو اس امت کے دو سرداران پسران رسول ہیں۔
سب نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا کیا تم میں کوئی اور ہے
جس نے مجھ سے پہلے مشرکین قریش کو قتل کیا ہو۔
سب نے جواب دیا نہیں پھر فرمایا کیا تم میں میرے سوائے
کوئی اور ہے جس کے لئے رجعت شمس ہوئی تاکہ وہ
نماز عصر پڑھ لے سب نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا
کہ کیا تم میں کوئی اور میرے سوا ہے کہ جس کے متعلق
رسول خدا نے کہا ہو جب آپ کے پاس طائر پیش کیا
کیا گیا۔ کہ جو آپ کو پسند آیا تو آپ نے دعا کی کہ بار الہا
اسوقت میرے ساتھ اس طائر کو کھانے کیلئے وہ
شخص بھیج جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ تیرا محبوب
ہو پس میں آیا در آنحالیکہ میں آپ کی اس دعا سے
خدا کیطرف سے مطلع کیا گیا تھا پس جب میں داخل ہوا تو آپ رسول خدا نے بہت خوش ہو کر مجھے اپنے پاس بلایا
سب نے کہا کہ نہیں۔ اسی طرح روایت کی ہے حاکم نے اپنی اس کتاب میں جس میں حدیث طیر کے طرق
اس نے جمع کئے ہیں۔

جناب امیر علیہ السلام کے روز شوریٰ کے اس احتجاجی خطبہ کو اخطب خوارزم نے اپنی کتاب المناقب
میں اس طرح نقل کیا ہے۔

اخبرني الشيخ الامام شهاب الدين افضل الحافظ ابو النجيب سعد بن عبد الله بن
الحسن الهمداني المعروف بالمروزي فيما كتب الي من همدان اخبرنا الحافظ
ابو علي الحسن بن احمد بن الحسن الحداد باصبهان فيما اذن لي في الرواية عنه

قال اخبرنا الشیخ الادیب ابو یعلی عبد الرزاق بن عمر بن ابراہیم الطہرانی
سنۃ ثلث وسبعین وار بعمائۃ قال اخبرنا الامام الحافظ طراز المحدثین ابو بکر
احمد بن موسیٰ بن مردویہ الاصبہانی قال الشیخ شہاب الدین ابو النجیب
سعد بن عبد اللہ الہمدانی و اخبرنا بہذا الحدیث عالیا الامام الحافظ سلیمان
بن ابراہیم الاصبہانی فی کتابہ الی من اصبہان سنۃ ثمان وثمانین
واربعمائۃ عن ابی بکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ قال حدثنا
سلیمان بن احمد قال حدثنا علی بن سعید الرازی قال حدثنا محمد
بن جمیل حدثنا زافر بن سلیمان قال حدثنا الحارث بن محمد عن ابی
الطفیل عامر بن واثلہ قال کنت علی الباب یوم الشوریٰ فارتفعت الاصوات
بینہم فسمعت علیاً یقول بایع الناس ابابکر وانا واللہ اولیٰ بالامر منہ واحق
فسمعت واطعت مخافۃ ان یرجع الناس کفارا یضرب بعضہم رقاب بعض
بالسیف ثم بایع ابو بکر لعمر وانا واللہ اولیٰ بالامر منہ فسمعت
واطعت مخافۃ ان یرجع الناس کفارا ثم انتم تریدون ان تبایعوا
عثمان اذا لا اسمع ولا اطیع ان عمر جعلنی فی خمسۃ نفر انا سادسہم
لا یعرف لی فضل فی الصلوٰۃ ولا یعرفونہ لی کما نحن فیہ شرع سواء
وایم اللہ لو اشاء ان اتکلم ثم لا یستطیع عربیہم ولا عجمیہم ولا
المعاہد منہم ولا المشرک رد خصلۃ منہا قال انشدکم ایہا الخمسۃ
امنکم اخو رسول اللہ غیری قالوا لا قال امنکم احد لہ عم مثل عمی حمزۃ بن
عبد المطلب اسد اللہ واسد رسولہ غیری قالوا لا قال امنکم احد لہ اخ
مثل اخی المزین بالجناحین یطیر مع الملائکہ فی الجنۃ قالوا لا قال
امنکم احد لہ زوجۃ مثل زوجتی فاطمۃ بنت رسول اللہ سیدۃ نساء ہذہ
الامۃ قالوا لا قال امنکم احد لہ سبطان مثل الحسن والحسین سبطا ہذہ
الامۃ ابنا رسول اللہ غیری قالوا لا قال امنکم احد قتل مشرکی قریش
غیری قالوا لا قال امنکم احد وحد اللہ قبلی قالوا لا قال امنکم احد
صلی القبلتین غیری قالوا لا قال امنکم احد امر اللہ بمودتہ غیری قالوا
لا قال امنکم احد غسل رسول اللہ قبلی قالوا لا قال امنکم احد سکن المسجد
یمر فیہ جنبا غیری قالوا لا قال افیکم احد ردت لہ الشمس بعد غروبہا حتی صلی

العصر غیری قالوا لا قال افیکم احد قال له رسول الله حین قرب الیه الطیر
لیاکل منه اللهم ائتنی باحب خلقک الیک یاکل معی من هذا الطیر فجئت و
انا لا اعلم ما کان من قوله ثم دخلت قال والیّ یا رب والیّ یا رب غیری
قالوا لا قال افیکم احد کان یقتل المشرکین عند کل شدیدة تنزل برسول
الله غیری قالوا لا قال افیکم احدٌ کان اعظم غناء عن رسول الله منی حتی
اضطجعت علی فراشه ووقیته بنفسی وبذلت مهجتی غیری قالوا لا قال
افیکم احد کان یاخذ الخمس غیری وغیر فاطمة قالوا لا قال افیکم احدٌ
کان له سهم فی الخاص وسهم فی العام غیری قالوا لا قال افیکم احد یطهره
کتاب الله غیری حتی سد النبی ابواب المهاجرین جمیعاً وفتح بابی حتی قام
الیه عماه حمزة والعباس وقالا یا رسول الله سددت ابوابنا وفتحت باب علی
فقال النبی ما انا فتحت بابه ولا سددت ابوابکم بل الله فتح بابه وسد
ابوابکم قالوا لا قال افیکم احد تمم الله نوره من السماء حین قال وآت ذا القربیٰ
حقه قالوا اللهم لا قال افیکم احد ناجی رسول الله ست عشرة مرة غیری
حین قال یا ایها الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم
صدقة قالوا اللهم لا قال افیکم احد ولی غمض رسول الله غیری قالوا اللهم لا قال
افیکم احدٌ آخر عهداً برسول الله حین وضعته فی حفرته غیری قالوا لا۔

الخطیب خوارزمی۔ کتاب المناقب۔ ابن حجر مکی :۔ صواعق محرقہ باب حادی عشر فی فضائل اہلبیت
النبوی فصل الاول الآیات الواردہ فیہم الآیۃ الثامنہ۔

ترجمہ :۔ (اسناد راویان عربی عبارت میں دیکھو) حارث بن محمد روایت کرتا ہے ابو الطفیل عامر
بن واثلہ سے۔ عامر بن واثلہ کہتا ہے کہ میں شوریٰ والے دن اس مکان کے دروازہ پر تھا پس اندر لوگوں
کی آوازیں بلند ہوئیں میں نے حضرت علی کو کہتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے کہ لوگوں نے ابوبکر کی بیعت
کر لی درآنحالیکہ قسم بخدا میں ابوبکر کی نسبت خلافت کا زیادہ حقدار تھا۔ مگر میں خاموش رہا۔ اس ڈر
سے کہ لوگ مرتد نہ ہو جائیں اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں۔ پھر ابوبکر نے عمر کی بیعت کرائی اور قسم بخدا
میں عمر کی نسبت خلافت کا زیادہ حقدار اور اہل تھا۔ مگر پھر بھی میں اس ہی ڈر سے خاموش رہا کہ لوگ
پھر کافر نہ ہو جائیں۔ اب تم عثمان کی بیعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہو لہٰذا میں تم کو حق کی باتیں سناؤں گا عمر
نے اس امر خلافت کو پانچ آدمیوں میں ڈال دیا اور میں ان کا چھٹا ہوں۔ نہ عمر نے میرے شرف و بزرگی کو
سمجھا اور نہ یہ لوگ سمجھتے ہیں اور قسم بخدا اگر میں اپنی فضیلتیں بیان کرنی شروع کردوں تو انہیں سے ایک کی بھی

صرف نہ جاتی۔ اگر آپ اس کا یہ جواب دیں کہ چونکہ آنحضرتؐ قریش میں سے تھے لہٰذا خلافت قریش ہی کا حصہ تھا تو پھر آپ کا قصر جمہوریت متزلزل ہوتا ہے اور اگر رشتہ داری باعثِ ترجیح ہو سکتی تھی تو نزدیک ترین رشتہ دار خلافت کے لیے اولیٰ تھے نہ کہ حضرت ابوبکر و عمرؓ، اس قسم کی منطق کی خرابیوں کو دیکھتے ہوئے ہی انصار نے مجبوراً حفظ ما تقدم کے طور پر اپنا علیحدہ خلیفہ مقرر کرنا چاہا۔ مہاجرین میں علی کے سوائے انصار کو کوئی ایسا نظر نہیں آتا تھا جو ان کے اور مہاجرین کے درمیان عدل کا حل کر سکے اور اسلام کے معاملات کو اسی طرح تکمیل کو پہنچائے جس طرح جناب رسولِ خدا نے شروع کئے تھے باقی جتنے لوگ تھے ان سے انصار کو دعویٰ برابری تھا اور خوف رقابت بھی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ انصار ادعائے خلافت کی بناء پر نہیں اٹھے تھے بلکہ ظلم کا سدِباب کرنا مقصود تھا۔

جب انصار کو یقین ہو گیا کہ یہ جماعت مہاجرین کی علی کو خلیفہ نہ ہونے دے گی اور انصار نے اپنا خلیفہ نامزد کر دیا تو پھر ان کو بھی اس کی پچ ہو گئی مگر وہ پچ حضرت ابوبکر ہی کے مقابلہ میں تھی۔ اب سارا معاملہ اس نقطہ پر آن کر منتہی ہو گیا کہ انصار میں سے خلیفہ ہو یا مہاجرین میں سے۔ حضرت عمر کی کوشش ہی یہ تھی کہ شخصیت پر نظر نہ جائے بلکہ قبیلہ ہی میں معاملہ رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اب مقابلہ آسان ہو گیا۔ اب سعد بن عبادہ کے مقابلہ میں ابوبکر بن ابی قحافہ پیش کئے جا سکتے تھے غرضیکہ اس جماعتِ مہاجرین نے وہ حالات پیدا کر دئے جن کی وجہ سے انصار کو سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونا پڑا۔ اگر یہ حالات پیدا نہ ہوتے تو انصار کفن و دفن رسول کی طرف توجہ کرتے، نہ کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف جاتے۔

(۸) مخالفین علی ابن ابی طالب کا رسوخ حرم رسولؐ میں

یہ امر واقعہ ہے کہ جماعت مخالفین کی بساط سیاست پر جو کام حضرت عائشہ اور ان کی جماعت نے کیا وہ سقیفہ بنی ساعدہ کی کامیابی کا ایک بڑی حد تک باعث تھا۔ جس طرح اصحابِ رسولؐ میں حضرت علی کی محبت و بغض کی بناء پر دو پارٹیاں ہو گئی تھیں اسی طرح حرم رسول میں دو فرقے بن گئے تھے۔ اس کی شہادت صحیح بخاری میں موجود ہے

عن عائشۃ ان نساء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کن حزبین فحزب فیہ عائشۃ وحفصۃ وصفیۃ وسودۃ والحزب الآخر ام سلمہ وسائر نساء صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ازواج رسول اللہ دو مخالف جماعتوں میں منقسم تھیں ایک میں تو عائشہ، حفصہ، صفیہ، سودہ اور دوسری میں ام سلمہ اور باقی ازواج۔

صحیح بخاری پارہ دہم باب من اھدی الی صاحبہ وتحری بعض نسائہ دون بعض

یہ طویل روایت ہے جس کا پہلا حصہ اوپر لکھا گیا اس کے بعد درج ہے کہ لوگ اس ہی دن تحائف آنحضرت کی خدمت میں بھیجتے تھے جب حضرت عائشہ کی باری ہوتی تھی دیگر جماعت ازواج ان کی مخالفت کرتی تھی۔

خواہ عربی ہو یا عجمی دشمن ہو کافر تغیر نہیں کر سکتا۔ پھر فرمایا اے پانچ لوگوں کی جماعت! میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں میرے سوا کوئی رسول خداؐ کا بھائی ہے انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر اسی طرح آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کی نسبت دریافت کرنے لگے۔ حمزہ۔ جعفر۔ فاطمہؑ حسنینؑ اور وہ سب جواب دیتے گئے کہ ہم میں کوئی آپ کے سوا ایسا نہیں ہے جس کے رشتہ دار قریبی ایسے ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے کہ جس نے مجھ سے پہلے مشرکین کو قتل کیا ہو یا مجھ سے پہلے اسلام لایا ہو یا میری طرف دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہو۔ سب نے جواب دیا کہ ہم میں سے آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کی محبت خدا وند تعالٰے نے امت اسلامیہ پر واجب رکھی ہو یا رسول خداؐ کو غسل دیا ہو۔ سب نے جواب دیا نہیں۔ پھر آپ نے سد ابواب، ردّ شمس، حدیث طیر کے حوالہ سے اپنی فضیلت بیان کی اور وہ لوگ جواب دیتے گئے کہ ہم میں آپ کے سوائے کوئی اور ایسا نہیں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے کہ جس نے میری طرح رسول خدا کو ہر ایک جنگ و شدت میں بچایا اور ان کی حفاظت کی۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی اور ایسا ہے۔ جس نے میری طرح اپنی جان رسول خداؐ پر قربان کی ہو۔ اور ان کے فرش پر سویا ہو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ کیا تم میں کوئی میرے اور فاطمہ زوجہ ام کے سوائے ایسا ہے کہ جس کو خمس ملا ہو سب نے کہا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا میرے سوائے جس کو خاص و عام دونوں میں حصہ ملا ہو سب نے کہا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کی طہارت مطلق قرآن شریف سے ثابت ہو سب نے جواب دیا کہ ہم میں آپ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں۔ پھر سد الباب کا ذکر فرمایا اور کہا کہ تمہاری شکایت پر رسولخداؐ نے فرمایا کہ میں نے نہیں بلکہ خدا نے تمہارے دروازے بند کئے اور علی کا دروازہ کھلا رکھا۔ سب نے تصدیق کی۔ پھر آپ نے آیت ذی القربیٰ اور جناب رسولخداؐ کی رازداری و رازگوئی کا ذکر کیا اور سب نے تصدیق کی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو جناب رسول خدا کے ساتھ سب سے آخر تک رہا ہو۔ سوائے میرے اور ان کو قبر میں اتارا ہو۔ سب نے کہا کہ ہم میں اور کوئی ایسا نہیں ہے۔"

جناب امیر علیہ السلام کا یہ احتجاج یوم شوریٰ مسلّمات تاریخیہ میں سے ہے۔

ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں:۔

واخرج الدار قطنی ان علیاً قال للستة الذین جعل عمر الامر شوریٰ بینهم کلاماً طویلاً من جملته انشدکم باللہ هل فیکم احد

دار قطنی نے اپنے اسناد سے اخراج کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے یوم شوریٰ ان چھ آدمیوں کے سامنے جن کو عمر نے خلافت کے فیصلہ کا اختیار دیا تھا ایک طویل کلام کیا اس میں کا ایک فقرہ یہ تھا کہ میں تم کو خداوند تعالٰے کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان

قال له رسول الله صلی الله علیه وسلم یا علی انت قسیم الجنة والنار یوم القیامة غیری قالوا اللهم لا۔
صواعق محرقہ۔ الباب التاسع فصل الثانی صفحہ ۷۵

میرے سوائے کوئی اور ہے جس کو رسولِ خدا نے کہا ہو کہ اے علیؑ! تم جنت و دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہو سب نے کہا کہ بخدا نہیں ہم میں آپ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں ہے۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۹۳ پر لکھتے ہیں

واخرج الدار قطنی ان علیا یوم الشوریٰ احتج علی اهلها فقال لهم انشدکم بالله هل فیکم احد اقرب الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الرحم منی ومن جعله صلی الله علیه وسلم نفسه وابناءه ابناءه ونساءه نساءه غیری قالوا اللهم لا

دار قطنی نے اپنے اسناد سے روایت کی ہے کہ شوریٰ والے دن حضرت علیؑ نے اہلِ شوریٰ پر حجت ختم کرنے کے لئے گفتگو کی پس فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ تمہارے درمیان میرے سوائے کوئی دوسرا ہے جو جنابِ رسولِ خدا سے رشتہ میں مجھ سے زیادہ قریب ہو اور جس کو رسولِ خدا نے نفس کہا ہو اور جس کی اولاد کو آنحضرت نے اپنی اولاد اور جس کی عورتوں کو اپنی عورتیں کہا ہو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں

جب عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان کے حق میں خلافت کا فیصلہ دیا۔ تب بھی حضرت علیؑ نے فرمایا کہ یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ اس موقع پر آپ نے ایک طویل گفتگو کی جو ہم نے تاریخ طبری وغیرہ سے اس کتاب کے صفحہ ۱۴۶ پر نقل کی ہے۔ اس گفتگو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ شبلی الفاروق صفحہ پر لکھتے ہیں:

"جب عبدالرحمٰن بن عوف نے جو اس نزاع کے طے کرنے کے لئے ثالث مقرر ہوئے تھے حضرت عثمان کا ہاتھ پکڑ لیا تو حضرت علیؑ نے صبر جمیل کہا اور تن بہ تقدیر راضی ہو گئے"

دو الفاظ ملاحظہ ہوں "صبر جمیل" اور "تن بہ تقدیر"۔ صبر جمیل اس صبر کو کہتے ہیں کہ جو مظلوم آدمی نہایت رنج و عظیم ظلم کے اندر اختیار کرتا ہے۔ تن بہ تقدیر راضی ہو گئے کیونکہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

جناب علی مرتضیٰ اپنے حقوق و فضائل کا اظہار ہر ایک مناسب موقع پر فرماتے رہتے ہیں یعنی امت کو بار بار جتلاتے رہے ہیں کہ سوائے ان کے خلیفہ بلافصل ہونا نہ کوئی اور ہو سکتا تھا اور نہ ہوا۔ یہ اظہار فضیلت از راہ فخر نہ تھا بلکہ آپ اپنا فرض ادا کر رہے تھے کیونکہ امت کے لئے ضروری تھا کہ بمطابق حدیث نبوی من مات ولم یعرف امام زمانه فقد مات میتة جاهلیة اپنے امام زمانہ کی معرفت حاصل کریں۔

شیخ سلیمان القندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں لکھتے ہیں:-

الحموینی بسند عن سلیم بن قیس الهلالی قال رایت علیاً فی المسجد المدینة فی خلافة عثمان ان جماعة المهاجرین والانصار یتذاکرون فضائلهم وعلی ساکت فقالوا یا ابا الحسن تکلم فقال یا معشر قریش و الانصار اسئالکم ممن اعطاکم الله هذا الفضل بانفسکم وبغیرکم قالوا عطانا الله ومن علینا بمحمد صلی الله علیه وسلم قال الستم تعلمون ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انی واهل بیتی کنا نوراً نسعی بین یدی الله تعالی قبل ان یخلق الله عزوجل ادم باربعة عشر الف سنة فلما خلق الله ادم علیه السلام وضع ذلك النور فی صلبه واهبطه الی الارض ثم حمله فی سفینة فی صلب نوح علیه السلام ثم قذف به فی النار فی صلب ابراهیم علیه السلام ثم لم یزل الله ینقلنا من الاصلاب الکریمة الی الارحام الطاهرة من الاباء والامهات لم یلتق واحد منا علی سفاح فقال اهل السابقة واهل بدر واحد نعم قد سمعناه ثم قال انشدکم الله اتعلمون ان الله عزوجل فضل فی کتابه السابق علی المسبوق فی غیر ایة ولم یسبقنی احد من الامة فی الاسلام قالوا نعم قال فانشدکم الله اتعلمون حیث نزلت والسابقون السابقون اولئك المقربون سئل عنها رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال انزلها الله عزوجل فی الانبیاء واوصیائهم فانا افضل انبیاء الله ورسوله وعلی وصیی افضل الاولیاء قالوا نعم قال انشدکم الله اتعلمون حیث نزلت یا ایها الذین امنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم وحیث نزلت انما ولیکم الله ورسوله والذین امنوا الذین یقیمون الصلوة ویوتون الزکوة وهم راکعون وحیث نزلت لم یتخذوا من دون الله ولا رسوله .... ولا المومنین ولیجة امر الله عزوجل فیه ان یعلمهم ولاة امرهم وان یفسر لهم من الولایة کما فسر لهم من صلوتهم وزکوتهم وحجهم فنصبنی للناس بغدیر خم فقال ایها الناس ان الله جل جلاله ارسلنی برسالة ضاق بها صدری و ظننت ان الناس مکذبی فاوعدنی ربی ثم قال اتعلمون ان الله عزوجل مولای وانا مولی المومنین وانا اولی بهم من انفسهم قالوا بلی یا رسول الله

فقال اخذا بیدی من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ فقام
سلمان وقال یارسول اللہ ولاء علی ماذا قال ولاؤہ کولائی من کنت اولی بہ من نفسہ فعلی
اولی بہ من نفسہ فنزلت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الا
سلام دیناً فقال صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر باکمال الدین واتمام النعمۃ ورضا ربی بر
سالتی وولایۃ علی بعدی قالوا یا رسول اللہ ھذہ الآیات فی علی خاصۃ قال بلی فیہ وفی اوصیائی
الی یوم القیامۃ قالوا بینھم لنا قال علی اخی ووارثی ووصیی وولی کل مومن بعدی ثم ابنی الحسن
ثم الحسین ثم التسعۃ من ولد الحسین القرآن معھم وھم مع القرآن لایفارقونہ ولا یفارق
قھم حتی یردوا علی الحوض قال بعضھم قد سمعنا ذالک وشھدنا وقال بعضھم قد حفظنا
جل ما قلت ولم یحفظہ کلہ وھوٴلاء الذین حفظوا اخیارنا وافاضلنا ثم قال اتعلمون ان اللہ
انزل انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا فجمعنی و
فاطمۃ وابنی حسنا وحسینا ثم القی علینا کساء وقال اللھم ھوٴلاء اھل بیتی لحمھم
لحمی یوٴلمنی ما یوٴلمھم ویجرحنی ما یجرحھم فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیر
فقالت ام سلمۃ وانا یا رسول اللہ فقال انت علی خیر فقالوا نشھد ان ام سلمۃ . . . . .
حدثتنا بذالک ثم قال انشدکم اللہ اتعلمون . . . .
ان اللہ انزل یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین فقال سلمان یا رسول اللہ ھذا
عامۃ ام خاصۃ قال اما المامورون فعامۃ المومنین واما الصادقون لخاصۃ اخی علی واوصیائہ
من بعدہ الی یوم القیامۃ قالوا نعم فقال انشدکم اللہ اتعلمون انی قلت لرسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فی غزوۃ تبوک خلفتنی علی النساء والصبیان فقال ان المدینۃ لا تصلح الا بی او
بک وانت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبوۃ بعدی قالوا نعم قال اتشھدکم اللہ
اتعلمون ان اللہ انزل فی سورۃ الحج یا ایھا الذین امنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا
الخیر الی اخر السورۃ فقام سلمان فقال یا رسول اللہ من ھوٴلاء الذین انت علیھم شھید
وھم شھداء علی الناس الذین اجتباھم اللہ ولم یجعل علیھم فی الدین من حرج ملۃ
ابراھیم قال عنی بذالک ثلثۃ عشر رجلاً قال سلمان بینھم لنا یا رسول اللہ قال انا واخی
علی واحد عشر من ولدی قالوا نعم قال انشدکم اللہ اتعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال فی خطبۃ فی مواضع متعددۃ فی اخر خطبۃ لم یخطب بعدھا ایھا الناس
انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی فتمسکوا بھما لن تضلوا فان اللطیف
الخبیر اخبرنی وعھد الی انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فقالوا کلھم نشھد ان رسول

صلی اللہ علیہ و سلم قال ذلک۔

ترجمہ :۔ حموینی نے اپنے اسناد کے سلسلہ سے سلیم بن قیس سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ خلافت عثمان کے زمانہ میں میں نے حضرت علی کو مسجد مدینہ میں دیکھا۔ وہاں انصار و مہاجرین کا گروہ اپنے اپنے فضائل بیان کر رہا تھا اور حضرت علی خاموش بیٹھے۔ لوگوں نے کہا کہ اے ابوالحسن تم بھی کچھ گفتگو کرو حضرت علی نے جواب دیا کہ اے گروہ قریش و انصار میں تم سے پوچھتا ہوں یہ بتاؤ کہ یہ فضائل جو خدا نے تم کو عطا کئے ہیں تمہاری اپنی ذات کی بنا پر ہیں یا کسی دوسرے کی وجہ سے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ خداوند تعالےٰ نے جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وسیلے سے ہمیں یہ فضائل عطا کئے ہیں اور ہم پر بخشش کی ہے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ میں اور میرے اہل بیت ایک نور تھے جو خداوند تعالےٰ کے سامنے حضرت آدم کی پیدائش سے چودہ ہزار برس پہلے عبادت اور ریاضت کرتے تھے پس جب خداوند تعالےٰ نے حضرت آدم کو خلق کیا تو اس نور کو حضرت آدم کے صلب میں داخل کر دیا اور اس کو زمین پر اتارا پھر صلب نوح میں رکھا جب کہ وہ کشتی میں تھے پھر حضرت ابراہیم کے صلب میں ہمارے نور کو رکھا کہ جب وہ آگ میں ڈالے گئے دیکھو یا اس نور کی برکت سے حضرت نوح کو طوفان سے اور حضرت ابراہیم کو آتش نمرود سے رہائی ملی پھر اس کے بعد خداوند تعالےٰ ہمارے اس نور کو اصلاب کریمہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل کرتا گیا۔ ہمارے آباؤ امہات میں سے کوئی زنا کا مرتکب نہیں ہوا۔ اس پر اہل سابقہ و اہل بدر و اہل احد نے جواب دیا کہ واقعی ہم نے جناب رسولخدا کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ قرآن شریف میں خداوند تعالیٰ نے اسلام میں سبقت کرنے والے کو اس کے بعد میں آنے والے پر فضیلت دی ہے اور امت اسلامیہ میں کسی شخص نے مجھ پر اسلام میں سبقت نہیں کی سب نے جواب دیا واقعی یہ درست ہے پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالےٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ جب یہ آیہ مبارکہ والسابقون السابقون اولئک المقربون نازل ہوئی تو جناب رسول خدا سے پوچھا گیا کہ سابقون سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالےٰ نے یہ آیت انبیاء اور ان کے اوصیاء کے حق میں نازل فرمائی ہے میں تمام انبیاء اللہ سے افضل ہوں اور علی میرا وصی تمام اوصیاء سے افضل ہے۔ سب نے جواب دیا کہ واقعی یہ درست ہے پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ جب یہ آیت یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ نازل ہوئی۔ اور جب یہ آیت اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ

الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ نازل ہوئی اور جب یہ آیت لَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلَا رَسُوْلِہٖ وَلَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَۃً نازل ہوئی اور خداوند تعالیٰ نے حکم دیا کہ لوگوں کو بتا دیا جائے کہ ان کے امور کے والی کون لوگ ہیں اور اس ولایت کی تشریح و تفصیل کر دی جائے جس طرح ان کی نماز و زکوٰۃ و حج کی تفصیل کر دی گئی تو جناب رسول خدا نے بمقام غدیر خم مجھے اوپر اٹھا کے لوگوں کو دکھایا اور فرمایا اے لوگو! خداوند تعالیٰ نے جب مجھے مبعوث برسالت فرمایا۔ تو میرا دل گھبرایا اور میں نے خیال کیا کہ لوگ میری تکذیب کریں گے تو خدا نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا۔ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ خدا میرا مولا و آقا و مالک ہے اور میں تمہارا مولا و آقا و مالک ہوں اور میں تمہاری جانوں پر تصرف رکھتا ہوں سب نے کہا کہ اے رسول خدا واقعی یہ درست ہے۔ پھر جناب رسول خدا نے مجھے اوپر اٹھا کر فرمایا پس جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے اے خداوندا دوست رکھ اس کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علی کو دشمن رکھے۔ سلمان فارسی کھڑے ہوئے اور دریافت کیا کہ اے رسول خدا علی کی ولایت کیسی ہے آپ نے فرمایا کہ علی کی ولایت ویسی ہی ہے جیسی کہ میری ولایت ہے جس کے نفس پر میں حاکم ہوں علی بھی اس کے نفس پر حاکم ہے۔ اس کے بعد آیہ کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا نازل ہوئی۔ پس جناب رسول خدا نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے اکمال دین و اتمام نعمت پر اور اس امر پر کہ خداوند تعالیٰ میری رسالت اور میرے بعد علی کی ولایت سے راضی ہوا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے رسول خدا کیا یہ آیات صرف خاص طور سے علی کے حق میں نازل ہوئی ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں اور میرے ان اوصیاء کے حق میں جو قیامت تک ہوں گے سلمان نے عرض کی کہ اس کی تشریح فرمایئے۔ اس پر جناب رسول خدا نے فرمایا۔ کہ سب سے پہلے میرا بھائی میرا وارث و میرا وصی علیؑ ہے جو میرے بعد تمام مومنین کا حاکم ہے پھر میرا بیٹا حسنؑ پھر حسینؑ کی اولاد سے نو فرزند۔ قرآن ان سب کے ساتھ ہے اور وہ قرآن کے ساتھ ہیں، نہ وہ قرآن سے جدا ہوں گے اور نہ قرآن ان سے جدا ہوگا۔ یہاں تک کہ قیامت کے روز حوض کوثر پر وہ میرے پاس اسی طرح آئیں گے۔ یہ سن کر جمیع انصار و مہاجرین میں سے بعض نے کہا کہ واقعی ہم نے خود سنا ہے اور دیکھا ہے اور بعض نے کہا کہ جو آپ نے فرمایا اس میں سے زیادہ حصہ ہمیں یاد ہے اور تھوڑا سا یاد نہیں ہے اور وہ لوگ جنہوں نے کہا تھا کہ ہمیں کل سارے کا سارا یاد ہے وہ ہم سب سے زیادہ شرف والے تھے۔ پھر حضرت علی نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ جب آیت کریمہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا نازل ہوئی۔ تو جناب رسول خدا نے مجھے و فاطمہ و میرے دونوں بیٹوں حسنؑ و حسینؑ کو ایک جگہ جمع کیا اور ہم سب پر ایک چادر ڈال کر فرمایا کہ اے بار الہا! یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں ان کا گوشت میرا گوشت

ہے اور وہ چیز مجھے رنج دیتی ہے جوان کو رنج دیتی ہے اور وہ چیز مجھ کو مجروح کرتی ہے جوان کو مجروح کرتی ہے پس تو ان سے ہر قسم کا رجس دور رکھ اور ان کو ایسا پاک رکھ جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے۔ اس پر ام سلمہ نے کہا کہ اور میں یا رسول خدا، آپ نے فرمایا تو اپنی جگہ خیر پر ہے سان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں۔ ام سلمہ نے ہم سے اسی طرح کہا ہے پھر حضرت علی نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ جب آیہ کریمہ یا ایّھا الّذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین نازل ہوئی تو سلمان فارسی نے جناب رسول خدا سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ یہ آیہ عام لوگوں کے لئے ہے یا خاص لوگوں کے لئے تو جناب رسول خدا نے فرمایا کہ جہاں تک مامورین کا تعلق ہے وہ عام ہے یعنی تمام امت کو حکم دیا گیا ہے اور جہاں تک صادقوں کا تعلق ہے وہ خاص ہے یعنی صادقین سے خاص آدمی مراد ہیں اور وہ میرا بھائی علی اور اس کے بعد میرے اوصیاء ہیں جو روز قیامت تک ہوں گے سب لوگوں نے جواب دیا کہ درست ہے پھر حضرت علی نے فرمایا کہ میں تم کو قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ غزوۂ تبوک میں میں نے رسول خدا سے عرض کی کہ کیا آپ نے مجھ کو عورتوں اور بچوں پر حاکم مقرر فرمایا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ مدینہ کی اصلاح ہی صرف تجھ سے ہو سکتی ہے یا مجھ سے اور تجھ کو اے علی مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی۔ صرف اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ سب نے جواب دیا کہ ہاں اسی طرح ہے پھر حضرت علی نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ جب یہ آیہ سورۂ حج میں نازل ہوئی یا ایّھا الّذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر آخر سورۃ تک تو سلمان فارسی کھڑے ہوئے اور دریافت کیا کہ یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں جن پر آپ گواہ ہیں اور جو باقی تمام امت پر گواہ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے منتخب کر لیا ہے اور جن کے اوپر دین میں کچھ سختی نہیں کی ہے ان کے باپ ابراہیم کا مذہب انکے لئے پسند کیا آپ نے فرمایا کہ ان سے تیرہ اشخاص مراد ہیں۔ سلمان نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ان کا پتہ بتلایئے۔ وہ کون ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ وہ میں اور میرا بھائی علی اور میرے گیارہ فرزندان ہیں۔ سب نے جواب دیا کہ واقعی یہ درست ہے۔ پھر حضرت علی نے فرمایا کہ میں تم کو خداوند تعالیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ جناب رسول خدا نے اپنے بہت سے خطبوں میں بہت سی جگہ اور آخری خطبہ میں جس کے بعد آپ نے اور خطبہ نہیں ادا کیا فرمایا کہ اے لوگو! میں تمہارے درمیان دو عظیم القدر گرانبہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ اور ایک میری عترت میری اہل بیت۔ پس تم کو چاہیئے کہ ان دونوں سے تمسک رکھو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو پھر تم کبھی گمراہ نہ ہو گے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے اور مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ

روزِ قیامت حوضِ کوثر پر میرے پاس وارد ہوں ان سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول خدا نے اسی طرح فرمایا ہے "

اس جامع و بلیغ کلام پر غور کرنے سے حضرت علی کے فضائل و حقوق اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے آپ نے اپنے حقوق و فضائل کا مختصر الفاظ میں شمار کرایا اور اچھی طرح جتا دیا کہ آپ ہی خلیفۂ رسول ہونے کے اہل تھے اور آپ کے غیر کے لئے خلعت خلافت موزوں نہ تھا۔ شیخ سلیمان بن ابراہیم البلخی مفتی اعظم قسطنطنیہ اپنی کتاب ینابیع المودہ میں ایک اور ایسے خطبہ کو نقل کرتے ہیں۔ اسی ہی خطبہ کو کمال الدین ابو سالم محمد بن طلحۃ القرشی نے بھی اپنی کتاب الدر المنتظم میں روایت کیا ہے علامہ طبرسی نے بھی جناب امیر المومنین کے ہر موقعہ کے احتجاج کو اپنی کتاب الاحتجاج میں جمع کیا ہے۔ دیکھو کتاب الاحتجاج مطبوعہ ایران صفحہ ۶۷ تا ۷۸ حصہ اول طبع دوم۔

استشہاد رحبہ

اس واقعہ کا اجمالی ذکر ہم نے البلاغ المبین حصہ اول طبع سوم صفحہ ۷۹ پر کیا ہے۔ یہاں تفصیل کی ضرورت ہے۔ لہٰذا تفصیلی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد السخاوی القاہری ۹۰۲ھ اپنی کتاب استجلاب ارتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول ذوی الشرف میں لکھتے ہیں:-

واما حدیث خزیمہ فھو عند ابن عقدۃ من طریق محمد بن کثیر عن فطر وابی الجارود کلاھما عن ابی الطفیل ان علیا رضی اللہ عنہ قام فحمد اللہ واثنیٰ علیہ ثم قال انشد اللہ من شھد یوم غدیر خم الا قام ولا یقوم رجل یقول نبئت او بلغنی الا رجل سمعت اذناہ ووعاہ قلبہ فقام سبعۃ عشر رجلاً منھم خزیمہ بن ثابت وسھل بن سعد وعدی بن حاتم وعقبہ بن عامر وابو ایوب الانصاری وابو سعید الخدری وابو شریح الخزاعی

ابن عقدہ نے محمد بن کثیر کے سلسلہ سے فطر وابو الجارود سے روایت کی ہے۔ اور دونوں نے ابو الطفیل سے کہ ایک روز حضرت علی اٹھ کھڑے ہوئے۔ حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کو درمیان ڈال کر کہتا ہوں، وہ شخص کھڑا ہو جائے جو روز غدیر خم موجود تھا وہ نہ کھڑا ہو جو صرف یہ کہہ سکے کہ مجھے خبر دی گئی ہے یا مجھے خبر پہنچی ہے بلکہ وہ کھڑا ہو۔ خود جس کے کانوں نے خطبۂ رسول کو سنا ہو اور اس کے دل نے اسے محفوظ رکھا ہو۔ اس پر سترہ اصحاب رسول کھڑے ہوئے۔ جن میں سے خزیمہ بن ثابت و سہل بن سعد و عدی بن حاتم و عقبہ بن عامر و ابو ایوب انصاری و ابو سعید الخدری و ابو شریح خزاعی و ابو قدامۃ الانصاری و ابو یعلیٰ و ابو الہیثم

وابو قدامة الانصاری وابو يعلی وابو الهيثم
بن التيهان رجال من القريش قال علی
رضی الله عنه و عنهم هاتوا ما سمعتم
فقالوا نشهد انا اقبلنا مع رسول الله
صلی الله عليه وسلم من حجة الوداع
حتی اذا کان الظهر خرج رسول الله صلی
الله عليه وسلم فامر بشجرات فشذبن
والقی عليهن ثوب ثم نادی بالصلوة
فخرجنا فصلينا ثم قام فحمد الله و
اثنی عليه ثم قال ايها الناس ما انتم
قائلون قالوا قد بلغت قال اللهم اشهد
ثلاث مرات قال انی اوشك ان ادعی
فاجيب وانی مسئول وانتم مسئولون
ثم قال الا ان اموالکم ودماءکم حرام
کحرمة يومکم هذا وحرمة شهرکم هذا
اوصيکم بالنساء اوصيکم بالجار اوصيکم
بالمماليك اوصيکم بالعدل والاحسان
ثم قال ايها الناس انی تارك فيکم
الثقلين کتاب الله وعترتی اهل بيتی
فانهما لن يتفرقا حتی يردا علی
الحوض نبانی بذلك اللطيف الخبير
وذکر الحديث فی قوله صلی الله عليه
وسلم من کنت مولاه فعلی
مولاه فقال علی رضی الله
عنه صدقتم وانا علی
ذلك من
الشاهدين

بن التیہان اور قریش کے چند دیگر آدمی تھے حضرت علی
نے کہا اب تم سب بیان کرو جو تم نے اُس دن رسول خداؐ
سے سُنا تھا انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ
حجۃ الوداع کی واپسی پر ہم جناب رسول خداؐ کے ساتھ تھے
جب ظہر کا وقت ہوا تو رسول خداؐ باہر تشریف لائے اور حکم
دیا کہ درختوں کی پراگندہ شاخوں کو کاٹ کر ان پر کپڑا
ڈال دیا جائے پھر نماز کی منادی کرائی پس ہم سب
باہر آئے اور ہم نے نماز پڑھی پھر جناب رسول خداؐ خطبہ
کے لئے کھڑے ہوئے۔ حمد و ثنا الہٰی کے بعد فرمایا
ایہا الناس تم کیا کہتے ہو۔ سب نے کہا کہ آپ نے پیغام
الہٰی ہم تک پہنچا دیا۔ اس پر آپ نے تین مرتبہ فرمایا بار
الٰہا تو گواہ رہیو۔ پھر فرمایا کہ قریب ہے کہ میں طلب کیا
جاؤں اور میں لبیک کہوں مجھ سے بھی خداوند تعالیٰ
سوال کریگا اور تم سے بھی سوال کریگا۔ پھر فرمایا خبردار
تمہارے مال و تمہارا خون آج کے دن اور اس مہینہ کی
حرمت کی طرح حرام ہیں میں تمہیں عورتوں ہمسایوں اور
لونڈی اور غلاموں کیساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں
اور وصیت کرتا ہوں کہ عدل و نیکی پر عمل کیا کرو پھر فرمایا
ایہا الناس میں تمہارے درمیان دو بزرگ و گراں
قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ دوسری
میری عترت اہل بیت۔ وہ دونوں ایک دوسرے
سے جُدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر قیامت
کے روز میرے پاس وارد ہوں۔ اس کی خبر مجھے اس
لطیف و خبیر نے دی ہے اور پھر فرمایا جس کا میں
مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا
کہ تم سچ کہتے ہو۔ اور میں بھی اس پر گواہوں میں
سے ایک گواہ ہوں

علی المتقی :- کنز العمال الجزء السادس - صفحہ ۴۰۳ - حدیث ۶۱۱۷ ، ۶۱۲۱ ، ۶۱۲۳ صفحہ ۴۰۷

حدیث ۶۱۴۹ ، ۶۱۵۰ ؛ شمس الدین الجزری :- اسنی المطالب صفحہ ۳ ، ۴ ؛ امام احمد حنبل :-

مسند الجزء الاول صفحہ ۸۴ ، ۸۸ ، ۱۱۹ ؛ الجزء الرابع صفحہ ۳۷۰ ، الجزء الخامس صفحہ ۳۶۶ -

محمد بن اسمٰعیل بن صلاح الامیر :- روضۃ الندیہ صفحہ ۶۸ ؛ سبط ابن الجوزی :- تذکرۃ

خواص الامۃ الباب الثانی صفحہ ۱۷ ؛ حسن علی محدث : تفریح الاحباب صفحہ ۳۲۹ -

ابوالحسن علی بن محمد الجلالی المعروف بابن المنازلی :- کتاب مناقب عن عمیر بن سعد ؛

موفق بن احمد المعروف باخطب خوارزم :- کتاب المناقب عن سعید بن وہب ؛

علی بن محمد بن محمد عبد الکریم الجزری :- اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ عن یعلی بن مرہ ؛

عبد الرحمٰن بن ابی لیلی الاصبغ بن نباتہ و سعید بن وہب و ابی الطفیل و ابی اسحٰق -

ابن حجر عسقلانی :- الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ عن ابی الطفیل - ابی اسحٰق -

ابراہیم بن عبد الیمنی الوصابی ، کتاب الاکتفاء عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی - زید بن ارقم

و عمیر بن سعد - سید نور الدین علی سمہودی : جواہر العقدین عن ابی الطفیل ؛

نور الدین علی بن ابراہیم الحلبی :- سیرۃ الحلبیہ الجزء الثالث - صفحہ ۳۰۸ ؛ عبد الرحمٰن جامی

شواہد النبوۃ ؛ احمد بن یحیٰی بن جابر البلاذری :- انساب الاشراف ؛ ابونعیم احمد صفہانی -

حلیۃ الاولیاء ؛ ابوعبد الرحمٰن شعیب نسائی :- خصائص علویہ ؛ محب الدین احمد :

ریاض النضرہ ؛ اسمٰعیل بن عمر المعروف بابن کثیر شامی :- البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ -

الجزء الخامس صفحہ ۲۱۰ ، ۲۱۱ ، ۲۱۲ ؛ جلال الدین سیوطی :- تاریخ الخلفاء مطبوعہ مطبع مجتبائی

صفحہ ۱۱۹ ؛ محمد بن طلحہ القرشی الشافعی :- مطالب السئول فی مناقب آل الرسول ؛ میرزا

محمد بن معتمد خان :- نزل الابرار صفحہ ۲۰۷ ؛ محمد صدر عالم :- معارج العلیٰ فی مناقب

المرتضیٰ ؛ مولوی ولی اللہ لکھنوی :- مرأۃ المومنین فی مناقب اہل بیت سید المرسلین ؛

ان کتابوں میں سے اقتباسات نقل کرنا باعث طوالت ہوگا۔ لیکن ایک دو کتابوں کی عبارت نقل

کرنا ضروری ہے -

عبد اللہ احمد اپنے والد احمد حنبل کے مسند میں لکھتے ہیں :-

حدثنا احمد بن عمر الوکیعی قال حدثنا
زید بن الحباب قال حدثنا
الولید بن عقبہ بن نزار العنسی
قال حدثنی سماک بن عبید بن

(اسمائے رواۃ چھوڑ کر) عبد الرحمٰن بن ابی لیلی
سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں بمقام رحبہ موجود
تھا۔ جب علی نے خطبہ دیا۔ حضرت علی نے لوگوں
کو قسم دے کر کہا وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جنہوں نے

چنانچہ زینب زوجۂ رسول اور حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ کے ذریعہ سے اُن کی شکایت آنحضرت صلعم تک پہنچائی گئی۔

یہ بہت غور کرنے کی بات ہے ازواج مطہرات میں فریق بندی کیوں ہو۔ اگر کہا جائے کہ سوکنوں کا جلاپا تھا تو یہ غلط ہوگا۔ کیونکہ یہ جلاپا وہاں ہوتا ہے کہ جہاں سب ازواج کے ساتھ مساوی سلوک نہیں کیا جاتا۔ آنحضرت سے ناانصافی کی امید نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ جواب دیا جائے کہ انصاف ہو یا نہ ہو یہ فطری ہے کہ جو زوجہ زیادہ محبوبہ ہوگی باقی اس کے خلاف ہو جائیں گی تو یہ بھی غلط۔ کیونکہ اس صورت میں تین ازواج کیوں حضرت عائشہ کے ساتھ ہوں اور وہ بھی خلیفہ گروں اور حکام کے خاندان کی۔ یہ حضرت صفیہ وہی ہیں جنہوں نے آنحضرت کو شانہ گوسفند میں زہر دیا تھا اور پھر سوکنوں کا جلاپا امہات المومنین کی شان سے بعید ہے۔ آپ کی رائے میں تو ہر ایک زوجۂ رسول آیۂ تطہیر میں شامل ہے۔ یہ ناحق کا سوکنوں سے حسد طہارت کے کس عنوان کے نیچے آئیگا۔ اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ آئندہ کے واقعات نے صاف کر دیا کہ وجہ تنازعہ وعناد کیا تھی۔ حضرت عائشہ کو حضرت علی سے ایسا بغض تھا کہ حضرت علیؑ کا ذکر خیر کرنے اور سننے پر قادر نہ تھیں (تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۱۹۱۔ مسند امام احمد حنبل الجزء السادس صفحہ ۳۸،۳۴) جنگ جمل نے سارا بھانڈہ ہی پھوڑ دیا۔ حضرت عائشہ حضرت علی کے خلاف لڑتی ہیں۔ حضرت ام سلمہ حضرت علی کی طرف ہیں۔ اور جناب عائشہ کے خلاف اور ان کو سمجھاتی ہیں کہ ایسا نہ کرو۔ یہ بھی ان دونوں جماعتوں میں وجہ اختلاف، واقعات بتا رہے ہیں کہ امور سیاسیہ میں سب سے زیادہ حضرت عائشہ حصہ لیتی تھیں اور حضرت علی کی مخالف جماعت ان کی بہت مرہون منت ہے۔ حضرت عائشہ نے اپنے والد بزرگوار کو امامت نماز پر کھڑا کر کے سقیفہ سازی کے جدال کے لئے ایک مغالطہ میں ڈالنے والا نکتہ مہیا کر دیا[1]۔ مخدراتِ عصمت کی یہ جماعت حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو جناب رسول خدا کی نقل و حرکت اور ان کے ارادوں سے مطلع رکھتی تھی۔ جیش اسامہ کے قضیہ میں بھی ان ہی ازواج رسول کا ہاتھ نمایاں ہے یہ ان ہی مخدرات عصمت کے متواتر احکام اور اطلاعات تھے جنہوں نے لشکر اسامہ کو جرف سے آگے نہ بڑھنے دیا اور عین وقت پر بلا لیا۔ امہات المومنین کی ایک جماعت نے بڑی کوشش کی کہ اسامہ بن زید اپنے لشکر کو نہ لے جائیں اور وہ بوقت رحلت آنحضرت مدینہ ہی میں رہیں دیکھو تجہیز جیش اسامہ صفحات ۱۹۹ لغایت ۲۱۶ البلاغ المبین حصہ اوّل طبع سوم۔

و مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم　　جناب رسولِ خدا کو مرض لاحق ہوا اور حالت

[1] قضیہ امامت نماز دیکھو صفحات ۲۱۶ لغایت ۲۳۲ البلاغ المبین حصہ اول طبع سوم

پیغمبروں و بغض علی اس کی وجہ تھی

نقل و حرکت سے ایک جماعت ازواج رسول

الولید العبسی قال دخلت علی عبد الرحمن بن ابی لیلی فحدثنی انہ شھد علیاً فی الرحبہ قال انشد اللہ رجلاً سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشھدہ یوم غدیر خم الا قام ولا یقوم الا من قد راہ فقام اثنا عشر رجلاً فقالوا قد رأیناہ وسمعناہ حیث اخذ بیدہ یقول اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ فقام الا ثلثۃ لم یقوموا فدعا علیھم فاصابتھم دعوتہ۔

یوم غدیر خم میں جناب رسولخدا کا خطبہ سُنا تھا صرف وہ ہی کھڑے ہوں جنہوں نے خود رسولخدا کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اور سُنا اور اس پر بارہ اشخاص کھڑے ہوئے اور شہادت دی کہ ہم نے اس روز رسولخدا کو دیکھا اور سُنا جب انہوں نے علی کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خداوند دوست رکھ اس کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علی کو دشمن رکھے مدد کر اس کی جو علی کی مدد کرے۔ چھوڑ دے اس کو جو علی کو چھوڑ دے۔ وہ لوگ کھڑے ہوئے لیکن ان میں سے تین اشخاص نہیں کھڑے ہوئے اس پر حضرت علی نے ان پر بددعا کی۔ اور وہ بددعا قبول ہوئی۔

ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

قال عبد اللہ احمد حدثنا احمد بن عمر الوکیعی ثنا زید الحباب ثنا الولید بن عقبہ بن نزار العنسی ثنا سماک بن عبید بن الولید العبسی قال دخلت علی عبد الرحمن بن ابی لیلی فحدثنی انہ شھد علی فی الرحبۃ قال انشد اللہ رجلاً سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشھدہ یوم غدیر خم الا قام ولا یقوم الا من قد راہ فقام اثنا عشر رجلاً فقالوا قد رایناہ وسمعناہ حیث اخذ بیدہ یقول اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ فقام الا ثلثۃ لم یقوموا فدعا علیھم فاصابھم دعوتہ۔ ابن کثیر شامی:۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الخامس ص۲۱۱

ترجمہ:۔ عبارت وہی ہے جو مسند احمد حنبل میں ہے۔ اس کا ترجمہ اُوپر گذر چکا ہے۔

کنز العمال علی متقی میں درج ہے:۔

عن عبد الرحمن بن ابی لیلی قال خطب علی فقال انشد اللہ امراء نشدۃ الاسلام سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم

عبد الرحمن بن ابی لیلی سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت علی نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ میں سوگند دے کر کہتا ہوں کہ وہ شخص جس نے خود اپنے کانوں سے روز غدیر جناب رسول خدا کو میرا ہاتھ پکڑ

غدیر خم اخذ بیدی یقول الست اولی بکم یا معشر المسلمین من انفسکم قالوا بلی یا رسول اللہ قال من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہٗ و اخذل من خذلہ الا قام فشھد فقام بضعۃ عشر رجلاً فشھدوا وکتم قوم فما فنوا من الدنیا حتی عموا ادبرصوا قط فی الافراد

کہتے ہوئے سُنا ہو کہ اے گروہ مسلمانان کیا میں تمہارے نفسوں کے اُوپر حاکم نہیں ہوں سب نے کہا کہ آپ ہیں پھر فرمایا کہ پس جس کا میں مولا و حاکم ہوں اس کا یہ علی حاکم ہے بار الٰہا دوست رکھ اسکو جو اس کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اسکو جو اسکو دشمن رکھے مدد کر اسکی جو اسکی مدد کرے اور چھوڑ دے اس کو جو اس کو چھوڑ دے پس اس پر بارہ اصحاب نے اُٹھ کر گواہیاں دیں۔ چند لوگوں نے اس گواہی کو چھپایا بھی اور خاموش رہے لیکن یہ گواہی چھپانے والے لوگ دُنیا سے نہیں فنا ہوئے مگر یہ کہ یا اندھے ہو گئے یا برص میں مبتلا ہو گئے۔ دار قطنی نے بھی اس روایت کی توثیق کی ہے

یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس گواہی کو چھپانے والے صرف عبدالرحمٰن بن مدلج و یزید بن ودیعہ ہی نہیں تھے بلکہ حکومت اول و دوم وسوم کے خالص ارکان و عمائد بھی اس کتمان شہادت میں شامل تھے مثلاً نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد بن علی الحلبی اپنی کتاب انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون الجزء الثالث صفحہ ۳۰۸ میں لکھتے ہیں:-

وقول بعضھم ان زیادۃ اللھم وال من والاہ الی اخرہ موضوعۃ مردود فقد ورد ذلک من طرق صحح الذھبی کثیرا منھا وقد جاء ان علیاً رضی اللہ عنہ قام خطیبا فحمد اللہ تعالی واثنی علیہ ثم قال انشدک اللہ من ینشد یوم غدیر خم الا قام ولا یقوم رجل یقوم انبئت اودلغنی الا رجل سمعت اذناہ ووعی قلبہ فقام سبعۃ عشر صحابیا وفی روایۃ ثلاثون صحابیا وفی المعجم الکبیر ستۃ عشر وفی روایۃ اثنا عشر فقال ھاتوا ما سمعتم فذکروا الحدیث ومن جملۃ من کنت مولاہ فعلی مولاہ وفی روایۃ فھذا مولاہ ومن زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ وکنت ممن کتم نذھب اللہ ببصری وکان علی کرم اللہ وجھہ دعا علی من کتم۔

ترجمہ:- بعضوں کا قول کہ یہ الفاظ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ موضوع ہیں غلط و مردود ہے بہ تحقیق کہ یہ سب الفاظ ان روایات

ہیں پائے جاتے ہیں جن کے طرق (راویوں) کی توثیق و تعدیل ذہبی نے کی ہے۔ تحقیق کہ مردی ہے کہ ایک دن حضرت علی کھڑے ہوئے اور خطبہ میں بعد حمد و ثنائے الٰہی کے فرمایا کہ میں قسم دیتا ہوں ان سب لوگوں کو جو روز غدیر خم میں رسول خدا کے ہمرکاب تھے کہ وہ کھڑے ہو جائیں لیکن وہ شخص نہ کھڑا ہو جو صرف یہ کہہ سکے کہ مجھے خبر دی گئی یا مجھ تک خبر پہنچی ہے بلکہ وہ شخص کھڑا ہو جسکے دونوں کانوں نے سنا ہو اور جسکے قلب نے یاد رکھا ہو۔ پس سترہ صحابی کھڑے ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ تیس صحابی کھڑے ہوئے اور معجم الکبیر میں ہے کہ سولہ صحابی کھڑے ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ بارہ صحابی کھڑے ہوئے پس حضرت علی نے فرمایا کہ اب تم خود بیان کرو جو تم نے سنا تھا پس انہوں نے حدیث غدیر مکمل بیان کی اور اس میں ایک جملہ تھا جس کا میں حاکم ہوں اسکا علی حاکم ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جس کا میں حاکم ہوں اس کا یہ حاکم ہے۔ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اس شہادت کا اخفا کیا تھا پس خداوند تعالیٰ نے مجھے اندھا کر دیا کیونکہ حضرت علی نے اس شہادت کے چھپانے والے کو بددعا دی تھی۔

مولانا جامی اپنی کتاب شواہد النبوۃ میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کی کرامات کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں

"و از آنجملہ آنست کہ روزے بر حاضران مجلس سوگند داد کہ ہر کہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شنیدہ است کہ گفتہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ گواہی دہد۔ دوازدہ تن از انصار حاضر بودند گواہی دادند یکے دیگر کہ آں را از رسول صلی اللہ علیہ وسلم شنیدہ بود گواہی نداد۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرمود کہ اے فلاں تو چرا گواہی نہ دادی با آنکہ تو ہم شنیدہ۔ گفت من پیر شدہ ام و فراموش کردہ ام۔ امیر گفت اے خداوند اگر ایں شخص دروغ مے گوید سفیدی بر بشرہ وے ظاہر گرداں کہ عمامہ آنرا نپوشد۔ راوی گوید کہ واللہ دیدم آں شخص را دیدم کہ سفیدی میان دو چشم وے پیدا آمدہ بود و از آنجملہ آنست کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ گفتہ است کہ من در ہماں مجلس یا مثل آں حاضر بودم و من نیز از آنجملہ بودم شنیدہ بودم اما گواہی ندادم و آں را پنہاں داشتم۔ خدائے تعالیٰ روشنائی چشم مرا ببرد گویند کہ ہمیشہ بر فوت آں شہادت اظہار ندامت میکرد و از خدائے تعالیٰ آمرزش میخواست۔"

کتاب اربعین میں جمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ بن عبدالرحمن الشیرازی المحدث حدیث غدیر کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

"روا زر بن حبیش فقال خرج علی من القصر فاستقبلہ رکبان متقلدی السیوف علیہم العمائم حدیثی عہد بسفر فقالوا السلام علیک یا امیر المومنین و رحمۃ اللہ و برکاتہ السلام علیک یا مولانا فقال علی بعد ما رد السلام من ھٰھنا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام اثنا عشر رجلاً منھم خالد بن زید ابو

ایوب الانصاری وخزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین وثابت بن قیس بن شماس وعمار بن یاسر وابوالہیثم بن التیہان وهاشم بن عتبہ بن ابی وقاص وحبیب بن بدیل بن ورقا فشهدوا انهم سمعوا رسول اللہ یوم غدیرخم یقول من کنت مولاہ فعلی مولاہ الحدیث فقال علی لانس بن مالک والبراء بن عازب مامنعکما ان تقوما فتشہدا فقد سمعتما کما سمع القوم فقال اللھم ان کانا کتماھا معاندۃ فابلھما فاما البراء فعمی فکان یسئال عن منزلہ فیقول کیف یرشد من ادرکتہ الدعوۃ واما انس فقد برصت قدماہ وقیل لما استشہد علی علیہ السلام قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اعتذر بالنسیان فقال اللھم ان کان کاذبا فاضربہ ببیاض لا تواریہ العمامۃ فبرص وجہہ فسدل بعد ذلک برقعا علی وجہہ ... الخ

ترجمہ :- حدیث غدیر کو زر بن جیش نے روایت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ایک دن حضرت علی قصر برآمد ہوئے اور آپکا استقبال سوارہ دل نے کیا جنکے گلے میں تلواریں اور سر پر عمامے تھے انہوں نے کہا کہ السلام علیک یا امیرالمومنین اے ہمارے مولا! حضرت علی نے فرمایا کہ یہاں کون کون اصحاب رسول ہیں پس بارہ آدمی کھڑے ہوئے جن میں خالد بن زید ابوایوب الانصاری وخزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین وثابت بن قیس بن شماس وعمار بن یاسر وابوالہیثم بن التیہان وہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص حبیب بن بدیل بن ورقا تھے۔ پس انہوں نے گواہی دی کہ انہوں نے غدیرخم کے دن جناب رسولخدا کو کہتے ہوئے سنا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔ آخر حدیث تک حضرت علی نے انس بن مالک اور براء بن عازب کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کس چیز نے تم کو کھڑے ہونے اور شہادت دینے سے روکا حالانکہ تم لوگوں نے بھی یہ حدیث سنی تھی جس طرح کہ ان لوگوں نے سنی اور پھر فرمایا کہ اے خداوند تعالی اگر انہوں نے دل کی کھوٹ کی وجہ سے اس شہادت کا اخفا کیا ہے تو انکو عذاب میں مبتلا کر پس براء بن عازب تو اندھا ہو گیا۔ اور اپنے گھر کا راستہ پوچھا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ وہ شخص کس طرح ہدایت پا سکتا ہے جس کو حضرت علی کی بددعا لگی ہے۔ اور انس کو برص ہو گئی اور اس کے نشان نمایاں ہو گئے۔ کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت علی نے رسول خدا کے قول مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ کی شہادت اس سے طلب کی اس نے نسیان کا عذر کیا۔ جس پر حضرت علی نے کہا کہ اے خدا اگر اس نے جھوٹ بولا ہے تو اس کو برص میں مبتلا کر کہ جس کا نشان اس کا عمامہ نہ چھپا سکے پس برص کے نشان اس کے چہرے پر ظاہر ہو گئے۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ اپنے منہ پر برقعہ ڈالے رکھتا تھا۔"

حضرت علی کے اس طرح برسر منبر حدیث غدیر پر احتجاج کرتے ہیں اور گواہی لینے میں کئی راز مضمر تھے اوّل تو اس حدیث کی عظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ جس نے اس کو چھپایا وہ عذاب الہٰی میں مبتلا ہُوا۔ حضرت علی کا بد دعا کرنا ہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ حدیث خاص اہمیت رکھتی تھی اور آپ کی خلافت بلافصل پر دال تھی۔ اگر اس حدیث کا مقصد چوتھے درجہ پر خلیفہ ہونا تھا تو اس پر احتجاج کرنے کے کیا معنی۔ چوتھے خلیفہ تو آپ ہو ہی چکے تھے۔ دوم اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ اعلان روزِ غدیر خم ہوا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے تھا۔ اگر خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو اس کے چھپانے والوں پر عذاب الہٰی نازل نہ ہوتا۔ خدا کی طرف سے ان پر عذاب نازل ہوتا ہے جو خداوند تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی اور اس کی آیتوں کی تحقیر کرتے ہیں سوم چونکہ دولتہائے ثلاثہ اولین کے خوان نعماکے زلہ ربا تھے وہ جانتے تھے کہ یہ حدیث ان کے آقاؤں کی خلافت وحکومت کی جوازیت کے اُوپر نیشہ کاری لگاتی ہے لہٰذا اس کو چھپانے کی کوشش کی۔ چہارم یہ کہ اعوان و حامد دولِ اولین حضرت علی کے خلاف تھے اور ان سے عداوت رکھتے تھے۔ پنجم یہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حدیث الصحابہ کلہم عدول وحدیث نجوم دونوں موضوع ہیں۔ وہ صحابی ہی تو تھے جنہوں نے حق کو چھپانا چاہا اور ظلم کیا۔ ششم۔ یہ گمان کہ صحابہ رسولؐ کے لئے ناممکن تھا کہ اگر کوئی نص صریح علی کی خلافت پر ہوتی تو وہ اس کو چھپاتے غلط ثابت ہوا۔

جناب امیر علیہ السلام کا دیوان مروجہ قطعاً آپ کا کلام ہے۔ چنانچہ حسین میبدی حنفی المذہب اپنی کتاب فواتح میں اس دیوان کو حضرت علی کا دیوان ثابت کرکے اس کی شرح کرتے اور اس کے متعلق تحریر کرتے ہیں:۔

خاصتہ دیوان اشعار حقائق اشعار او کہ بے شائبہ تکلف وبے رائحہ تصلف آسمانیست پر از کواکب حقائق و چمنی است پر از شقائق و دقائق .... مدینہ مشتمل بر ہزار بیت معمور سفینہ منطوی بر صد بحر مسجور .... کانے پر از جواہر لطائف بحری پر از لئالی معارف ..... کیمیائے کہ قلب ناقص را بصورت نوعیہ کمال رساند عین الحیوان کہ تشنہ ماد حجاب را زلال وصال چشاند ...... در ظرف حروفش الوف اسرار مندرج و در سواد مدادش صنوف انوار مندمج آفتاب حقیقت از برج ارقام او لامع و ظاہر معانی ابیات او مانند اہلبیت کامل و طاہر .... و سر کلام خاتم الاولیاء آنست کہ نطق اخص خواص انسان ست وارتفاع وانحطاط نطق انسان بر طبق مرتبہ اوست در کمال و نقصان چوں کمال صوری و معنوی آنحضرت مانند آفتاب لامع است کلام غناق نفاسش مطابق آن واقع است انتہیٰ۔

اِس دیوان سے ہم آپ کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کرتے ہیں:۔

تَعَلَّمْ اَبَابَکْرٍ وَّلَا تَکُ جَاهِلًا (۱) بِاَنَّ عَلِیًّا خَیْرُ حَافٍ وَّ نَاعِلِ
وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْصٰی بِحَقِّهٖ (۲) وَاَکَّدَ فِیْهِ قَوْلَهٗ فِی الْفَضَائِلِ
وَلَا تَبْخَسَنْ حَقَّهٗ وَاَرْدُدِ الْوَرٰی (۳) اِلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ اَصْدَقُ قَائِلِ

ترجمہ :- (۱) معلوم کر اے ابوبکر اور تو جاہل نہ بن کر علی ہر پابرہنہ اور کفش پوش سے بہتر ہے۔
(۲) بہ تحقیق کہ رسولؐ اللہ نے علی کے حق میں امت کو وصیت کی اور اس کے فضائل بیان کرنے میں اپنے قول کو کئی دفعہ دہرایا اور تاکید کی۔
(۳) اس کے حق میں بخیلی نہ کر اور دُنیا کے لوگوں کو اس کی طرف پھیر دے۔ بہ تحقیق خدائے عزّ و جل سب سے زیادہ حق کو ظاہر کرنے والا ہے اور حق کہنے والا ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں :-

لَقَدْ عَلِمَ الْاُنَاسُ بِاَنَّ سَهْمِیْ (۱)	مِنَ الْاِسْلَامِ یَفْضُلُ کُلَّ سَهْمٍ
وَاَحْمَدُ النَّبِیُّ اَخِیْ وَصِهْرِیْ (۲)	عَلَیْهِ اللّٰهُ صَلّٰی وَابْنُ عَمِّیْ
وَاِنِّیْ قَائِدٌ لِلنَّاسِ طُرًّا (۳)	اِلَی الْاِسْلَامِ مِنْ عُرْبٍ وَّعُجْمٍ
وَقَاتِلُ کُلِّ صِنْدِیْدٍ رَئِیْسٍ (۴)	وَجَبَّارٍ مِّنَ الْکُفَّارِ ضَخْمٍ
وَفِی الْقُرْاٰنِ اَلْزَمَهُمْ وِلَائِیْ (۵)	وَاَوْجَبَ طَاعَتِیْ فَرْضًا بِعَزْمٍ
کَمَا هَارُوْنُ مِنْ مُّوْسٰی اَخُوْهُ (۶)	کَذَاکَ اَنَا اَخُوْهُ وَذَاکَ اِسْمِیْ
لِذَاکَ اَقَامَنِیْ لَهُمْ اِمَامًا (۷)	وَاَخْبَرَهُمْ بِهٖ بِغَدِیْرِ خُمٍّ
فَمَنْ مِّنْکُمْ یُعَادِلُنِیْ بِسَهْمِیْ (۸)	وَاِسْلَامِیْ وَسَابِقَتِیْ وَرَحْمِیْ
فَوَیْلٌ ثُمَّ وَیْلٌ ثُمَّ وَیْلٌ (۹)	لِمَنْ یَّلْقَی الْاِلٰهَ غَدًا بِظُلْمِیْ
فَوَیْلٌ ثُمَّ وَیْلٌ ثُمَّ وَیْلٌ (۱۰)	لِجَاحِدِ طَاعَتِیْ وَمُرِیْدِ هَضْمِیْ
وَوَیْلٌ لِّلَّذِیْ یَشْقٰی سَفَاهًا (۱۱)	یُرِیْدُ عَدَاوَتِیْ مِنْ غَیْرِ جُرْمِیْ

ترجمہ ۱- بہ تحقیق لوگوں کو معلوم ہے کہ میرا حصہ اسلام میں سب کے حصوں سے زیادہ ہے۔
۲- احمد مرسل میرے چچا زاد بھائی و خسر ہیں جن کے اوپر خدا نے درود بھیجا۔
۳- بہ تحقیق کہ میں عرب و عجم کو اسلام کی طرف کھینچ کر لے جانے والا ہوں۔
۴- اور میں کفار کے بڑے بڑے سرداروں اور رئیسوں کا قتل کرنے والا ہوں۔
۵- خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں میری محبت امت اسلامیہ پر واجب کر دی اور ارادہ کے ساتھ میری اطاعت کرنا ان کا فرض مقرر فرمایا۔
۶- جس طرح موسیٰ سے ان کے بھائی ہارون کو نسبت تھی اسی طرح میں محمد مصطفیٰؐ کا بھائی

ہوں اور ان سے وہی منزلت رکھتا ہوں۔

۷۔ اسی وجہ سے جناب رسول خدا نے مجھے امت کا سردار اور امام مقرر کیا اور اس کی خبر انکو غدیر خم کے دن دی

۸۔ پس کون ہے تم میں سے جس کا حصہ اسلام میں میرے حصے کے برابر ہو جس کی سبقت اسلامی میری سبقت اسلامی کے برابر ہو اور جو میری طرح رسول خدا سے رشتہ رکھتا۔

۹۔ پس وائے ہے اور پھر وائے ہے اور پھر وائے ہے اس پر جو میرے اوپر ظلم کرکے قیامت کے دن خدائے تعالیٰ سے ملاقی ہوگا۔

۱۰۔ پس وائے ہے اور پھر وائے ہے اس پر جو میری اطاعت نہیں کرتا اور میرے حق کو کم کرتا ہے۔

۱۱۔ اور وائے ہے اس پر جو اپنی کمینگی کی وجہ سے بدبخت ہو گیا ہے اور بغیر میرے جرم و کسی سبب کے میری عداوت کا ارادہ رکھتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں:۔

أأقبل العذر من قومي وقد جهلوا (۱) فرض الكتاب ونالوا كل ما حرما

حبل الإمامة لي من بعد أحمدنا (۲) كالدلو علقت التكريب والوذما

لا في نبوته كانوا ذوي ورع (۳) ولا رعوا بعده إلا ولا ذمما

لو كان لي جائزا استحلال أمرهم (۴) خليت قومي وكانوا أمة أمما

ترجمہ ۱۔ کیا میں اپنی قوم کے عذر قبول کر لوں در آنحالیکہ انہوں نے فرائض قرآن کو نہ سمجھا اور انہوں نے لیا اس کو جس کو قرآن نے حرام کیا۔

۲۔ پیشوائی و ہدایت کی رسی احمد کے بعد میرے لئے ہے جس طرح کہ ڈول جو کنوئیں میں لٹکایا گیا ہو اس کی رسی ہوتی ہے۔

۳۔ یہ لوگ نہ پیغمبر خدا کے زمانہ نبوت میں صاحب پرہیزگاری تھے اور نہ ان کی رحلت کے بعد انہوں نے آپ کے پیغام و اپنے اقراروں کو قائم رکھا۔

۴۔ اگر میرے لئے انکے امور کو چھوڑ دینا روا ہوتا تو میں اپنی قوم کو چھوڑ دیتا۔ اور پھر یہ امت کئی گروہوں میں منقسم ہو جاتی۔

پھر فرماتے ہیں:۔

سبقتكم إلى الإسلام طرا (۱) غلاما ما بلغت أوان حلمي

وأوجب لي ولايته عليكم (۲) رسول الله يوم غدير خم

وأوصاني النبي على اختيار (۳) لأمته رضى منكم بحكمي

ألا من شاء فليؤمن بهذا (۴) وإلا فليمت كمدا بغم

أَنَا الْبَطَلُ الَّذِي لَمْ تُنْكِرُوهُ (۵) لِيَوْمِ كَرِيهَةٍ وَلِيَوْمِ سِلْمٍ

ترجمہ ۱۔ اسلام قبول کرنے میں میں نے تم پر سبقت کی درانحالیکہ میں اس وقت بچہ تھا شباب کو نہیں پہنچا تھا۔
۲۔ روز غدیر جناب رسول خدا نے اپنی حکومت جو ان کو تمہارے اوپر حاصل تھی میرے لئے واجب گردانی
۳۔ اور مجھے آنحضرت نے وصیت کی کہ میں ہر حال میں ان کی امت سے راضی ہوں۔
۴۔ خبردار! جو چاہے وہ اس پر ایمان لائے اور یقین کرے ورنہ وہ غم کے اندر ہی فوت ہو جائیگا۔
۵۔ میں وہ دلیر اور جنگ جو جوان ہوں جسکی مدد کا انکار نہ تم روز جنگ کر سکتے ہو اور نہ زمانہ امن میں۔

امام غزالی ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے ابیات مندرجہ ذیل ایک مجلس میں پڑھیں کہ جہاں ابوبکر و عمر و عثمان و طلحہ و زبیر و فضل بن عباس و عمار و عبدالرحمن و ابوذر و مقداد و سلمان و عبداللہ بن مسعود موجود تھے حسین مہدی شارح دیوان جناب امیر نے ان ابیات کے لئے عنوان اس طرح تحریر کیا ہے:

مفاخرہ و مناقب جشت و در مجلس امیرالمومنین عمر

اللهُ أَكْرَمَنَا بِنَصْرِ نَبِيِّهِ (۱) وَبِنَا أَقَامَ دَعَائِمَ الْإِسْلَامِ
وَبِنَا أَعَزَّ نَبِيَّهُ وَكِتَابَهُ (۲) وَأَعَزَّنَا بِالنَّصْرِ وَالْإِقْدَامِ
وَيَزُورُنَا جِبْرِيلُ فِي أَبْيَاتِنَا (۳) لِفَرَائِضِ الْإِسْلَامِ وَالْأَحْكَامِ
نَتْلُونَ أَوَّلَ مُسْتَحِلٍّ حِلَّهُ (۴) وَمُحَرِّمٍ لِلّٰهِ كُلَّ حَرَامٍ
نَحْنُ الْخِيَارُ مِنَ الْبَرِيَّةِ كُلِّهَا (۵) وَنِظَامُهَا وَزِمَامُ كُلِّ زِمَامٍ
الْخَائِضُونَ غَمَرَاتِ كُلِّ كَرِيهَةٍ (۶) وَالضَّامِنُونَ حَوَادِثَ الْأَيَّامِ
وَالْمُبْرِمُونَ قُوَى الْأُمُورِ بِعِزَّةٍ (۷) وَالنَّاقِضُونَ مَرَائِرَ الْإِبْرَامِ
فِي كُلِّ مَعْرَكَةٍ تَطِيرُ سُيُوفُنَا (۸) فِيهَا الْجَمَاجِمُ عَنْ فِرَاخِ الْهَامِ
إِنَّا لَنَمْنَعُ مَنْ أَرَدْنَا مَنْعَهُ (۹) وَنَجُودُ بِالْمَعْرُوفِ لِلْمُعْتَامِ
وَتَرُدُّ عَادِيَةَ الْخَمِيسِ سُيُوفُنَا (۱۰) وَنُقِيمُ رَأْسَ الْأَصْيَدِ الْقَمْقَامِ

ترجمہ ۱۔ خداوند تعالیٰ نے ہمیں اپنے پیغمبر کی نصرت کرنے کی عزت بخشی اور ہماری وجہ سے اسلام کے ستونوں کو قائم کیا
۲۔ اور ہمارے ذریعے سے اپنے نبی اور اپنی کتاب کو معزز کیا یعنی ان کی عزت ہم نے دنیا میں قائم کی اور ہم کو نصرت نبی و سبقت اسلامی کی عزت بخشی۔
۳۔ جبرئیل علیہ السلام ہمارے گھروں میں آن کر ہم سے ملاقات کرتے ہیں اور فرائض اسلام و احکام خداوندی ہمارے گھروں میں لاتے ہیں۔
۴۔ پس ہم سب سے پہلے ہیں جنہوں نے اسکے حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا۔

۵۔ ہم تمام خلائق سے برگزیدہ ہیں۔ ہم وہ تاگاہیں جس کے ساتھ نظام عالم وابستہ ہے اور ہم ہی راہ دکھلانے والے کے ہادی ہیں۔

۶۔ ہم ہر سختی میں ابتدا کرنے والے ہیں اور حوادث روزگار کے لئے ہم ضامن ہیں۔

۷۔ ہم عزت و فتحیابی کے ساتھ ہر امر عظیم کو استوار و محکم کرنے والے ہیں۔

۸۔ ہر ایک معرکہ میں ہماری تلواریں سروں کو گیندوں کی طرح اڑاتی ہیں

۹۔ ہر ایک شخص کو جس کو ہم چاہیں کشادگی سے باز رکھتے ہیں اور ہم برگزیدہ آدمیوں پر بخشش کرنے والے ہیں۔

۱۰۔ ہماری تلواریں ہر ایک مغرور لشکر کو لوٹا دینے والی ہیں۔ ہم ہر ایک ٹیڑھے سر والے مغرور کے سر کو سیدھا کرنے والے ہیں۔

کتاب نہج البلاغہ جناب امیر کے مستند کلام کا مجموعہ ہے جس کو علامہ سید رضی علیہ الرحمۃ نے جمع کیا تھا۔ چونکہ اس میں بعض ایسی جگہ عبارات ہیں جو سواد اعظم کے اعتقادات کے منافی ہیں لہذا اسکے کلام امیر علیہ السلام ہونے پر شبہ پیدا کرنا ان کا فرض اولین ہوا لیکن الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔ خود ہی اس جماعت کے بہت سے وسیع النظر علماء نے نہج البلاغہ کو جناب امیر علیہ السلام کا کلام تسلیم کیا ہے ہمارا ارادہ ہے کہ نہج البلاغہ سے خطبہ شقشقیہ نقل کریں کیونکہ وہ خطبہ ہمارے موضوع پر نہایت صاف و صریح روشنی ڈالتا ہے۔ اگرچہ ساری کتاب ہی میں ایسے خطبے ملتے ہیں کہ جن میں صریحاً اور کنایتہً امت کو بتایا گیا ہے کہ خلیفہ برحق و منصوص من اللہ کون ہے لیکن خطبہ شقشقیہ میں بیان واضح تر ہے پہلا سوال یہ ہے کہ کتاب نہج البلاغہ کلام جناب امیر ہے یا نہیں ہے۔ امور مندرجہ ذیل اس ضمن میں غور طلب ہیں۔

(ا) اکثر علماء اہل سنت نے تصدیق و توثیق کی ہے۔ کہ ساری کتاب نہج البلاغہ کلام جناب امیر ہے

(ب) اکثر علماء اہل سنت و جماعت نے اعتراف کیا ہے کہ خطبہ شقشقیہ کلام علیؑ بن ابیطالب ہے۔

(ج) یہ طرز مرصع و مرصوص خاص جناب امیر علیہ السلام کا لب و لہجہ ہے۔ جس کا کوئی نظیر و عدیل نہیں ہے۔

(د) ایسا فصیح و بلیغ کلام کسی غیر کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

(ہ) سید رضی رحہ کی شان اس سے رفیع و بالاتر ہے کہ جناب امیر پر بہتان باندھیں اور خود اپنے کلام کو امام الانس والجان کی طرف منسوب کریں۔

(و) ایسے الزام و بہتان باندھنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ صدہا کتب شیعہ بزرگوں کی ہیں جن

میں زیادہ صریح تر الفاظ میں اس موضوع پر بحث کر کے فریق مخالف کو ساکت ولاجواب کیا گیا ہے۔

(ترجمہ) اگر یہ دھوکہ کیا بھی جاتا تو کامیاب نہ ہوتا۔

اب ہم ہر ایک وجہ پر ذرا تفصیل کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔

وجہ الف: علامہ ابو حامد عبد الحمید بن ہبۃ اللہ معروف بہ ابن ابی الحدید مدائنی بغدادی نے اس کی ایک مبسوط شرح لکھی ہے۔ یہ شخص اہل سنت و جماعت کے ایک فرقہ کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس کا اعتراف کہ یہ ساری کتاب نہج البلاغہ کلام جناب امیر ہے اور پھر اسکی شرح لکھنا صاف و بین ثبوت اس امر کا ہے کہ یہ کلام علی ابن ابی طالب ہے۔ جناب امیر کی فصاحت کے متعلق شارح مذکور لکھتا ہے:-

اما الفصاحة فهو امام الفصحاء وسيد البلغاء وعن كلامه قيل دون كلام الخالق وفوق كلام المخلوقين ومنه تعلّم الناس الخطابة والكتابة قال عبد الحميد بن يحيى حفظت سبعين خطبة من خطب الاصلع ففاضت ثم فاضت وقال ابن نباته حفظت من الخطابة كنزا لا يزيده الانفاق الا سعة وكثرة حفظت مائة فصل من مواعظ على بن ابى طالب ولما قال محفن ابن ابى محفن لمعاوية جئت من عند اعيى النّاس قال له ويحك كيف يكون اعيى الناس فوالله ما من الفصاحة لقريش غيره ويكفى هذا الكتاب نحن شارحوه دلالة على انه لا يجارى فى الفصاحة ولا يبارى فى البلاغة

ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الاول صفحہ ۸۔

ترجمہ:- فصاحت کی یہ حالت ہے کہ آپ فصیح لوگوں کے امام اور بلیغ گفتگو کرنے والوں کے سردار ہیں۔ آپ ہی کے کلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ خالق کے کلام سے نیچے اور تمام مخلوقین کے کلام سے بالاتر ہے۔ لوگوں نے آپ ہی سے خطابت و کتابت کا فن سیکھا ہے عبد الحمید بن یحیی نے کہا کہ میں نے ستر خطبے حضرت علی کے خطبوں میں سے یاد کئے تو انہوں نے مجھے فیض پہنچایا اور بہت فیض پہنچایا اور ابن نباتہ نے کہا کہ میں نے خطابت کا وہ خزانہ جمع کیا ہے جو خرچ ہونے سے بڑھتا ہی جائے گا۔ میں نے ایک صد فصلیں مواعظ علی ابن ابی طالب میں سے یاد کی ہیں اور جب محفن ابن ابی محفن نے (خوشامدًا) معاویہ سے کہا کہ میں سب سے زیادہ گونگے شخص (یعنی علی) کے پاس سے آیا ہوں۔ تو معاویہ نے کہا۔ خبردار! وہ بولنے میں کیونکر عاجز کہے جا سکتے ہیں۔ حالانکہ خدا کی قسم فصاحت کا راستہ قریش کو نہیں دکھایا۔ مگر انہوں نے اور یہی کتاب جسکی ہم شرح لکھ رہے ہیں کافی دلیل ہے۔ یہ ثابت کرنیکے لئے کہ علیؑ

فجعل یقول فی مرضه انفذوا جیش اسامه انفذوا جیش اسامه حتیٰ بلغ الجرف فارسلت الیه امراءته فاطمه بنت قیس فقالت لا تعجل فان رسول الله ثقیل فلم یبرح حتی قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم فلما قبض رجع الی ابی بکر

مرض میں آپ بار بار کہتے تھے کہ اسامہ کے لشکر کو فوراً لڑائی پر بھیجو۔ اس تاکید پر وہ جرف تک آئے لیکن فاطمہ بنت قیس زوجہ آنحضرتؐ نے اسامہ کے پاس کہلا بھیجا کہ تم ہرگز نہ جانا۔ رسول اللہ بہت بیمار ہیں پس وہ نہ گئے۔ یہاں تک کہ آنحضرت کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت وہ حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

محمد بن سعد :- طبقات الکبریٰ جلد ۴ ق ۱ صفحہ ۴۷ ترجمہ اسامہ بن زید

ابن عساکر :- تاریخ الکبیر حصہ تہذیب الجلد الثانی ترجمہ اسامہ بن زید صفحہ ۳۹۴

دیکھا آپ نے آنحضرتؐ تو اتنی تاکید کر رہے ہیں لیکن آنحضرت کے حرم میں سے ایک فریق آپ کی صریحاً مخالفت کر رہا ہے۔ یہ معظمہ اشعث بن قیس کی بہن تھی جو حضرت ابوبکر کے بہنوئی تھے۔ حضرت عائشہ ہی کے گھر میں آنحضرتؐ کے بعد حضرت علی کے خلاف تجویزیں سوچی جاتی تھیں۔ اور مجلس مشورہ جمع ہوا کرتی تھی۔ حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ مجلس شوریٰ حضرت عائشہ کے گھر میں منعقد ہو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فراست نے بھی اس امر شدنی کو پہلے سے معلوم کر لیا یا بارگاہ رب العزت سے اس کی اطلاع دی گئی۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے۔

عن ابن عمر قال خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم من بیت عائشة فقال ان الکفر من ههنا من حیث یطلع قرن الشیطٰن

ابن عمر کہتے ہیں کہ ایک دن جناب رسول خدا حضرت عائشہ کے گھر سے برآمد ہوئے اور نکلتے وقت فرمایا کہ اس گھر سے کفر کا سر نکلے گا جس طرح کہ شیطان کے سینگ نکلتے ہیں۔

امام احمد حنبل :- مسند الجزء الثانی صفحہ ۲۳ و ۲۶

مسند الجزء الخامس صفحہ ۱۶

صحیح بخاری :- کتاب الخمس باب ما جاء فی بیوت ازواج النبیؐ الجزء الثانی صفحہ ۱۲۷

جناب رسول خدا حضرت عائشہ کی سیاسی تحریکات اور ان کے رجحان سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ ان کو ناپسند فرماتے تھے اور بار بار حضرت عائشہ سے کہتے تھے کہ تم ان حرکات سے باز آؤ۔ اور آئندہ کے لئے بھی ان کو ہدایات فرماتے تھے۔

لما اقبلت عائشة بلغت میاه بنی عامر لیلاً نبحت الکلاب قالت ای

جب حضرت عائشہ حضرت علی سے جنگ کے لئے نکلیں اور بنی عامر کے چشموں تک پہنچیں تو وہاں

فصاحت میں وہ بلند درجہ رکھتے ہیں۔ کہ کوئی شخص آپکے ساتھ نہیں چل سکتا اور نہ بلاغت میں آپ کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

علامہ مذکور ایک دوسرے موقعہ پر لکھتا ہے۔

ان کثیرا من فصوله داخل فی باب المعجزات المحمّدیة لاشتما لها علی الاخبار الغیبیة و خروجها من وسع الطبیعة البشریه۔

اس کتاب کے اکثر فقرات کو جناب رسول خدا کا معجزہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ غیب کی خبر ولپر مشتمل ہیں اور انسانی طاقت کی حدود سے بالاتر ہیں۔

ابو السعادات مبارک مجد الدین ابن الجزری علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور کتاب نہایہ فی غریب الحدیث والاثر میں نہج البلاغہ کے بیشمار الفاظ کو حل کیا ہے اور ان کو کلام علی علیہ السلام تسلیم کرتے ہوئے حل کیا ہے مندرجہ ذیل الفاظ کی لغت کو نہایہ میں ناظرین خود تلاش کر کے ملاحظہ کر لیں۔

جری۔ فهق۔ رقیم۔ لزب۔ لوط۔ بخر۔ دیجر۔ هطل۔ دلج۔ جوجو۔ ذمر۔ زعم۔ بلبل۔ وشم۔ سنخ۔ عنبش۔ ذرو۔ ذمر۔ هیل۔ غضر۔ فلج۔ یسر۔ عیث۔ دیث۔ حمر۔ سنخ۔ صیر۔ ذرف۔ فوق۔ نصل۔ کعم۔ ضمر۔ مغس۔ هضم۔ بجر۔ ذاب۔ ملط۔ لمع۔ مقل۔ دحق۔ ابر۔ اشر۔ لام۔ قلق۔ شزر۔ نفح۔ ظبی۔ ثبج۔ وثب۔ نکص۔ صمد۔ عمد۔ حوص۔ نسر۔ وجر۔ ضرع۔ لدد۔ ملص۔ ایم۔ دیل۔ دحی۔ دمغ۔ جیش۔ ضام۔ نکل۔ قمار۔ قبس۔ دری بعث۔ شهد۔ امر۔ فوق۔ ودم۔ حیق۔ سعی۔ رفع۔ قنص۔ قصد۔ وهق۔ هطع۔ رمل۔ قصر۔ سدف۔ شلو۔ هنو۔ شذب۔ یفض۔ شذر۔ غضض۔ علز۔ جرض۔ نحب۔ طلق۔ وجف۔ خلج۔ بادر۔ کمش۔ شغف۔ دهق۔ سدر۔ عفن۔ کرث۔ فنن۔ عفس۔ ال۔ عمه۔ ازل۔ عرم۔ سجی۔ دقر۔ دکد۔ فلز۔ عدل۔ وشج۔ اید۔ صفح۔ نزح۔ دلج۔ وشج۔ اسل۔ دنا۔ غلو۔ نیف۔ بذخ۔ عرف۔ شغب۔ میر۔ کفف۔ کنهور۔ حفش۔ شاب۔ برک۔ بعع۔ هدل۔ زعر۔ عقبل۔ شطی۔ مدر۔ مشج۔ و بحر۔ عذم۔ سبج۔ زایع۔ خضد۔ شفا۔ موج۔ قبس۔ وری۔ شهد۔ بعث۔ لهم۔ یافخ۔ سکو۔ دبا۔ اجج۔ سمو۔ نسر۔ خلد۔ قلع۔ نجع۔ حطر۔ شفن۔ وذم۔ طوی۔ سمر۔ جنن۔ کنف۔ نصف۔ مهیج۔ شول۔ قلب۔ قلع۔ عنج۔ نوت۔ اسار۔ ضغف۔ دمج۔ همج کیس۔ علج۔ عبد۔ دوا۔ جعجع۔ هیم۔ عقل۔ یفن

دکک ۔ عمد ۔ کاد ۔ قمقم ۔ نون ۔ ھفا ۔ وشل ۔ نتق ۔ عقا ۔ مین ۔ عمن ۔
مصر ۔ خلنج ۔ شکل ۔ قرب ۔ وغم ۔ عوس ۔ مضمض ۔ کفف ۔ قزم ۔ دجی ۔
ونمل ۔ فلل ۔ ضحی ۔ نہلل ۔ کلب ۔ اقن ۔ عمہا ۔ حنی ۔ نطف ۔ ظلع ۔ نقب ۔
شذی ۔ عوس ۔ بلل ۔ محک ۔ غبا ۔ غرث ۔ بطن ۔ دفر ۔ جدث ۔ نوط ۔
باس ۔ ھا ۔ سب ۔ حمل ۔ افق ۔ تیر ۔

ان الفاظ کو ہم نے جناب علامہ مولوی سید علی نقی صاحب لکھنوی کے رسالہ استناد سے لیا ہے ۔ یہ الفاظ ان کے علاوہ ہیں ۔ جو جب کہ تحت ہیں ہم خطبہ شقشقیہ سے لے کر لکھیں گے ۔ اسی طرح جمال الدین ابوالفضل محمد بن مکرم بن علی افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ نے اپنی کتاب لسان العرب میں بھی ان متذکرہ بالا الفاظ کو جناب امیر علیہ السلام کا کلام تسلیم کرتے ہوئے حل کیا ہے ۔

ملا علی قوشجی نے اپنی کتاب شرح تجرید میں بذیل شرح کلام محقق افصحهم لسانا یعنی حضرت علی تمام صحابہ میں فصاحت کے اعتبار بڑھے ہوئے تھے ۔ تحریر کرتے ہیں :-

علیٰ ما یشهد به کتاب نهج البلاغة وقال البلغاء ان کلامه دون کلام خالق وفوق کلام المخلوق ۔ یعنی جیسا کہ اس پر شاہد ہے کتاب نہج البلاغۃ اور فصحاء عرب کا مقولہ ہے کہ آپکا کلام خالق کے کلام سے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے

محمد بن علی بن طباطبا معروف با بن طقطقی اپنی کتاب تاریخ الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ مطبوعہ مصر المطبعۃ الرحمانیہ صفحہ ۱۱ پر دیگر کتب ادبیہ مثلاً مقامات حریری ومقامات بدیع کے چند نقائص بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

وبعض الناس تنبهوا علی هذا من المقامات الحریریه والبدیعته فعدل الناس الی نهج البلاغة من کلام امیر المومنین علی بن ابی طالب فانه الکتاب الذی یتعلم منه الحکم والمواعظ والخطب والتوحید والشجاعة والزهد وعلو الهمة وادنی فوائده الفصاحة والبلاغة ۔

بعض آدمیوں نے مقامات حریری ومقامات بدیع کے ان نقائص کو محسوس کیا تو انہوں نے کتاب نہج البلاغۃ کی طرف توجہ کی جو جناب امیر علیہ السلام کا کلام ہے کیونکہ یہی وہ کتاب ہے جس سے حکمت ومواعظ وتوحید وشجاعت وزہد وعلو ہمت کی تعلیم حاصل ہوتی ہے اور اس کا ایک ادنیٰ فائدہ فصاحت وبلاغت ہے ۔

علامہ مصلح شیخ محمد عبدہ متوفی ۱۳۲۳ ہجری جنہوں نے نہج البلاغۃ کے تفسیری نوٹ اور

حواشی تحریر کرکے اس کو اہتمام بلیغ کے ساتھ مصر میں چھپوایا ہے - اپنے مقدمہ میں جو شروع کتاب میں درج کیا ہے لکھتے ہیں۔

لکان یخیل لی فی کل مقام ان حروبا شبت وغارات شنت وان للبلاغة دولة وللفصاحة صولة وان للاوهام عرامة وللریب دعارة وان جحافل الخطابة وکتائب الذرابة فی عقود النظام وصفوف الانتظام تنافح بالصفیح الابلج والقویم الاملج وتمتلج المهج برواضع الحجج تفل من دعارة الوساوس وتصیب مقاتل الخوانس فما انا الا والحق منتصر والباطل منکسر ومرج الشك فی خمود وهرج الریب فی رکود وان مدبر تلك الدولة وباسل الصولة هو حامل لوائها الغالب امیر المومنین علی ابن ابی طالب بل کنت کلما انتقلت من موضع الی موضع احس بتغیر المشاهد وتحول المعاهد فتارة کنت اجدنی فی عالم یغمره من المعانی ارواح عالیة فی حلل من العبارات الزاهیة تطوف علی النفوس الزاکیة وتدنو من القلوب الصافیة توحی الیها رشادها وتقوم منها مرادها وتنفر بها عن مداحض المزال الی جواد الفضل والکمال وطورًا کانت تتکشف لی الجمل عن وجوه باسرة وانیاب کاشرة وارواح فی اشباح النمور ومخالب النسور قد تحفزت للوثاب ثم انقضت للاختلاب فخلبت القلوب عن هواها واخذت الضمائر دون مرماها واغتالت فاسد الاهواء وباطل الآراء واحیانا کنت اشهد ان عقلا نورانیا لا یشبه خلقًا جسدانیا فصل عن الموکب الالهی واتصل بالروح الانسانی فخلعه عن غاشیات الطبیعة وسما به الی الملکوت الاعلی ونما به الی مشهد النور الاجلی وسکن به الی عمار جانب التقدیس بعد استخلاصه من شوائب التلبیس وآنات کانی اسمع خطیب الحکمة باعلیاء الکلمة واولیاء امر الامة یعرفهم مواقع الصواب ویبصرهم مواضع الارتیاب ویحذرهم مزالق الاضطراب ویرشدهم الی دقائق السیاسة ویهدیهم طرق الکیاسة ویرتفع بهم الی منصات الریاسة ویصعدهم شرف التدبیر ویشرف بهم علی حسن المصیر۔

ترجمہ:- (جو رسالہ استناد سے لیا گیا) اثناء مطالعہ میں مجھے ہر مقام پر معلوم ہوتا تھا کہ لڑائیاں شعلہ زن ہیں اور گیرودار شدت پر ہے اور بلاغت کی فتح ہے اور فصاحت کا حملہ ہے۔ اور توہمات کی شکست ہے اور شکوک کی رسوائی ہے۔ اور یہ کہ خطابت کی افواج اور طاقت لسان کے لشکر نظام کلام کی ترتیب

اور مسلسل کی صفوں میں چمکتی ہوئی تلواروں اور بل کھاتے ہوئے نیزوں کے ساتھ معرکہ پکار رہی
اور نتیجہ خیز دلائل کے ساتھ دلوں کی تسکین کا باعث ہو کر وسوسہ انگیزیوں کو شکست دیتے اور باطل
پرستیوں کی جان لیتے ہیں جیسے کچھ نظر نہیں آتا تھا سوائے اس کے کہ حق کی فتح ہو رہی ہے اور
باطل شکست اٹھا رہا ہے اور شک و شبہ کی آگ خاموش اور توہمات کی چپقلش سکون پذیر
ہو رہی ہے اور اس غلبہ و اقتدار کی مد بر اور اس حملہ شہ ہوا اور وہ غالب قاہر عظیم والی ہستی ہے
جس کا نام امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہے۔ بلکہ میں اس کتاب میں جب ایک جگہ سے دوسری
جگہ منتقل ہوتا تھا تو احساس کرتا تھا کہ کس طرح مناظر میں تبدیلی ہو رہی ہے اور نقشوں میں
انقلاب ہے۔ کبھی تو میں اپنے کو ایک دنیا میں پاتا تھا جس میں معانی کے بلند پایہ ارواح
عبارات کے خوش نما حلقوں میں آباد ہیں جو پاکیزہ نفوس کے اوپر گردش کرتے اور صاف
و نورانی قلوب کے پاس جا کر ان پر ہدایت و ارشاد کی وحی اتارتے ہیں اور ان کو انکے مقصود
سے ملاتے اور ان کو لغزش و خطا کی چوک سے ہٹا کر فضل و کمال کے راستوں پر لگاتے ہیں اور
کبھی میرے سامنے ایسے چلے آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ تیور بال چڑھائے ہوئے ڈراؤنی
صورتوں میں دانت نکالے ہوئے ہیں۔ وہ روحیں ہیں شیروں کے پیکر میں اور شکاری پرندوں
کے پنجوں کے ساتھ جو آمادہ ہیں حملہ کے اوپر اور پھر ٹوٹ پڑتے ہیں شکار پر وہ دلوں کو اپنی
محبت سے تسخیر کر لیتے ہیں اور ضمیر پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اور غلط خواہشات نفسانی اور باطل عقائد
کو اچانک طور سے مار ڈالتے ہیں اور اکثر معلوم ہوتا تھا کہ ایک نورانی عقل جو جسمانی مخلوق
سے کسی طرح مشابہ نہیں ہے وہ جدا ہوئی الٰہی جلوس شاہی سے وہ متصل ہوئی انسانی روح
کے ساتھ اور جدا کر دیا اس کو مادی حجابوں سے اور بلند کر دیا اس کو عالم بالا کے ملکوت
کی طرف اور پہنچایا اس کو دریائے نور میں۔ اور ساکن کر دیا اس کو جوار قدس کا۔ بعد اس
کے خالص کر دیا اس کو شکوک کی آمیزش سے اور بعض اوقات سنتا تھا میں حکمت و
دانش کے خطیب کو کہ وہ آواز دیتا ہے مسموع الکلمہ مقتدر اشخاص اور امت اسلامیہ
کے حکام اور رہنماؤں کو اور انہیں بتلاتا ہے صحیح راستے اور پتہ دیتا ہے خطرناک
مقامات کا اور خوف دلاتا ہے تنزل اور لغزش کی جگہوں سے اور رہنمائی کرتا ہے سیاست
کے رموز اور دانش کے راستوں کی طرف اور بلند کرتا ہے ریاست کے تحت اور اصابت
رائے اور حسن تدبیر کی شرف منزلت کے اوپر اور انہیں انجام بخیر ہونے کا طریقہ بتاتا ہے
اس کتاب نہج البلاغۃ کے متعلق جو اعتقاد علامہ موصوف کو تھا۔ وہ ان کے مندرجہ ذیل کلمات
سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

ليس في اهل هذه اللغة الا قائل بان كلام الامام علي بن ابي طالب هو اشرف الكلام وابلغه بعد كلام الله تعالى وكلام نبيه واغزره مادة وارفعه اسلوبا واجمعه لجلائل المعاني فاجدر بالطالبين لنفائس اللغة والطامعين في التدرج لمراقيها ان يجعلوا هذا الكتاب اهم محفوظهم وافضل مأثورهم مع تفهم معانيه في الاغراض التي جاءت لاجلها وتأمل الفاظه في المعاني التي صيغت لاجلها ليصيبوا بذلك افضل غاية وينتهوا الى خير نهاية۔

ترجمہ: عربی زبان والوں میں ہر شخص اس بات کا قائل ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب کا کلام خدا اور رسول کے کلام کے بعد ہر ایک کلام سے شرف و بلاغت میں زیادہ معنی خیز اور انداز بیان میں عمدہ اور رنگین معانی کے لحاظ سے زیادہ جامع ہے لہٰذا عربی علم ادب کے نفیس ذخیروں کے طلب گاروں اور اس کے بلند ترین مرتبوں میں تدریجی ترقی کے آرزومندوں کے لئے بہترین ذریعہ یہ ہے کہ وہ اس کتاب نہج البلاغہ کو اپنے محفوظات اور منقولات میں اہم اور بہترین درجہ دیں۔ اس کے ساتھ اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش بھی کریں ان مقاصد کے لحاظ سے جن کے لئے وہ معانی لائے گئے ہیں اور الفاظ میں غور کریں ان معانی کے لحاظ سے جن کے ادا کرنے کے لئے وہ الفاظ وضع کئے گئے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے اس کا بہترین مقصد حاصل ہو۔"

جریدہ الہلال مصر کی جلد ۳۵ جزو اول بابت ماہ نومبر ۱۹۲۶ء کے صفحہ ۶۷ پر چار سوالات علمی طبقہ کی توجہ کے لئے شائع کئے گئے تھے۔ ان میں پہلا سوال یہ تھا۔ ما هو الكتاب او الكتب التي طالعتموها في شبابكم فافادتكم وكان لها اثر في حياتكم یعنی وہ کون سی کتاب یا کتابیں ہیں جن کا آپ اپنے شباب میں مطالعہ کیا تو انہوں نے آپ کو فائدہ پہنچایا اور آپ کی زندگی پر ان کا اثر پڑا۔

اس سوال کا جواب جو استاد شیخ مصطفیٰ عبد الرزاق نے دیا ہے وہ شمارہ دوم بابت دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۳۰ پر ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔ طالعت بارشاد الاستاذ المرحوم الشيخ محمد عبده ديوان الحماسة ونهج البلاغة یعنی میں نے استاد مرحوم شیخ محمد عبدہ کی ہدایت سے دیوان حماسہ اور نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا۔

علامہ شیخ محمد عبدہ کا یہ عقیدہ نہج البلاغہ کے متعلق کہ وہ تمام و کمال امیر المومنین علی ابن ابی طالب کا کلام ہے اتنا واضح ہے کہ ان کے تمام شاگرد جو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس وقت مصر کے بلند پایہ اساتذہ ہیں اس حقیقت سے واقف ہیں اور خود ان کا مقدمہ متذکرہ بالا اور نیز ان کے اکثر حواشی اس حقیقت کو بالکل

واضح کر دیتے ہیں چنانچہ استاد محمد محی الدین عبدالحمید مدرس کلیہ لغۃ عربیہ جامع ازہر کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

عسیت ان تسأل عن رأی الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ فی ذلک وھو الذی بعثہ من مرقدہ ولم یکن احد اوسع منہ اطلاعاً ولا ادق تفکیراً والجواب علی ھذا التساؤل انا نعتقد انہ رحمہ اللہ کان مقتنعاً بان الکتاب کلّہ للامام علی رضی اللہ عنہ وان لم یصرح بذلک والدلیل علی ھذہ العقیدۃ انہ یقول فی مقدمتہ یصف الکتاب "وان مدبر تلک الدولۃ وباسل تلک الصولۃ ھو حامل لوائھا الغالب امیر المومنین علی بن ابی طالب" بل ھو یتجاوز ھذا المقدار الی الاعتراف بان جمیع الالفاظ صادرۃ عن الامام علی حتی انہ لیجعل ما فی الکتاب حجۃ علی معاجم اللغۃ اسمع الیہ وھو یقول (جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ من ھذہ المطبوعۃ) "المواساۃ بالشیئ" الاشراک فیہ ... قالوا و الفصیح فی الفعل آسیتہ ولکن نطق الامام حجۃ" واعاد ھذہ الکلمۃ بنفسھا (جلد ۳ صفحہ ۲۷ الحاشیہ ۴ من ھذہ المطبوعۃ)

ترجمہ:- ممکن ہے کہ تم اس مسئلہ میں استاد امام شیخ محمد عبدہ کی رائے دریافت کرو جنہوں نے اس کتاب کو خواب گراں سے بیدار کیا اور وسعت اطلاع اور باریک نگاہی میں کوئی شخص ان سے زیادہ موجود نہ تھا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب کو تمام و کمال حضرت علی کا کلام سمجھتے تھے۔ اگرچہ انہوں نے اس کی تصریح نہ کی ہو اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے مقدمہ میں کتاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس دولت ادب کی سلطنت کی فرمانروا اور اس حملہ کی شاہسوار وہ غالب علمبردار ہے جس کا نام امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ تمام الفاظ کو بھی حضرت علی کی زبان سے نکلا ہوا سمجھتے ہیں یہاں تک کہ وہ کتاب کے مندرجہ الفاظ کو لغت کی تمام کتابوں کے مقابلہ میں سند قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ اس میں لفظین کا ذکر فرماتے ہیں "مواساۃ" کسی چیز میں دوسرے کو شریک کرنا ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ اس فعل میں فصیح آسیہ کا لفظ ہے مگر امام کا تلفظ حجت ہے۔ اسی طرح کا استناد انہوں نے جلد ۳ صفحہ ۲۷ حاشیہ ۴ میں بھی کیا ہے۔"

ملک عرب کے مشہور مصنف و خطیب و انشاپرداز عالم اجل الشیخ مصطفیٰ استاذ التفسیر واللغۃ والآداب العربیۃ فی الکلیۃ الاسلامیۃ (بیروت) اپنی کتاب اریج الزہر میں تحریر فرماتے ہیں نہج البلاغۃ واسانیدہ الکلام

العربی ایک مبسوط مقالہ کے دوران میں تحریر کرتے ہیں :۔

من احسن ما ینبغی مطالعہ لمن یتطلب الاسلوب العالی کتاب نہج البلاغۃ للامام علی رضی اللہ عنہ وھو الکتاب الذی انشأت ھذا المقال لاجلہ فان فیہ من بلیغ الکلام والاسالیب الدھشۃ والمعانی الرائقۃ ومناحی الموضوعات الجلیلۃ مایجعل مطالعہ اذا زاولہ مزاولۃ صحیحۃ بلیغا فی کتابتہ وخطابتہ ومعانیہ وکان ھذا الکتاب درۃ فی صدف بعض المکتبات حتی اتیح لشیخنا المرحوم الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ مفتی الدیار المصریہ رضی اللہ عنہ ان یطلع علیہ ویبرزہ الی عالم المطبوعات لیکون استاذ المنشئین ورائد البلغاء وقد علق علیہ شرحا جزیل الفائدۃ کبیر المغزی وقد طبع الکتاب بضع مرات مشروحا بقلم الاستاذ علیہ الرحمۃ فاستفاد منہ اقوام کثیرون منھم کاتب ھذہ السطور فانی اقتناء ھذا الاثر العظیم باطلاب الاسلوب العالی ورواد الکلام البلیغ فان فیہ ما ترغبون

ترجمہ :۔ بہترین شے جس کا مطالعہ اس شخص کو لازم ہے جو زبان عربی کے بلند معیار کو حاصل کرنا چاہتا ہے کتاب نہج البلاغہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام ہے اور یہ وہ کتاب ہے جس کے لئے خاص طور سے میں نے اس مضمون کی بنیاد ڈالی ہے کیونکہ اس کتاب میں بلیغ کلام اور حیرت انگیز تحریر اور جاذب نظر معانی اور مختلف عظیم الشان موضوعات ومقاصد کے خصوصیات ایسے ہیں جو مطالعہ کرنے والے کو اگر وہ صحیح ذوق رکھتا ہے اور پورے طور سے اسکی مزاولت رکھے تو فصیح و بلیغ انشاپرداز و مقرر بنا سکتی ہیں۔ یہ کتاب بعض کتب خانوں میں مثل اس موتی کے جو صدف کے اندر پوشیدہ رہے مضمر اور پنہاں تھی یہاں تک کہ ہمارے استاد مرحوم امام شیخ محمد عبدہ مفتی ملک مصر کو توفیق شامل حال ہوئی اور انہوں نے اس کتاب پر مطلع ہو کر اس کو عالم مطبوعات میں نمایاں کیا تاکہ یہ ارباب انشاء اور فصحاء اور بلغاء کی استاد قرار پائے۔ اور انہوں نے اس کتاب پر ایک مفید شرح بھی بطور فٹ نوٹ حاشیہ کے تحریر کی ہے۔ اور یہ کتاب استاد مرحوم علیہ الرحمۃ کی شرح کے ساتھ چند مرتبہ طبع ہو چکی ہے اور اس سے بہت لوگوں کو فائدہ پہنچا ہے جن میں کاتب الحروف بھی ہے۔ میں اس عظیم الشان یادگار کی طرف ان لوگوں کو بلاتا ہوں جو عربی کے بلند اسلوب تحریر کے طالب اور کلام بلیغ کے مشتاق ہیں وہ اس کتاب میں اپنے مقصد کو پورے طور سے موجود پائیں گے۔

استاد محمد محی الدین عبد الحمید نے جو جامع ازہر میں کلیۃ اللغۃ العربیہ کے مدرس ہیں، نہج البلاغہ

کے تعلیقی حواشی تحریر کئے ہیں اور علامہ شیخ محمد عبدہ کے حواشی کو برقرار رکھتے ہوئے خود بہت سی تحقیقات و شروح کا اضافہ کیا ہے اور ان حواشی کے ساتھ یہ کتاب مطبع استقامہ مصر میں طبع ہوئی ہے۔ انہوں نے اس اڈیشن کے شروع میں اپنی جانب سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔ جس میں نہج البلاغہ کے استناد پر عمدہ بحث کی ہے ہم اس کے چند اقتباسات یہاں نقل کرتے ہیں:-

وبعد فهذا الكتاب نهج البلاغة وهو ما اختاره الشريف الرضي ابو الحسن محمد بن الحسن الموسوي من كلام امير المومنين على بن ابى طالب وهو الكتاب الذى بين دفتيه عيون البلاغة وفنونها وتهيئات به للناظر فيه اسباب الفصاحة ودنا منه قطافها اذ كان من كلام افصح الخلق بعد الرسول صلى الله عليه وسلم منطقا واشدهم اقتدارا وابرعهم حجة واملكهم للغة يديرها كيف شاء الحكيم الذى تصدر الحكمة عن بيانه والخطيب الذى يملاء القلب سحر لسانه العالم الذى تهيأ له من خلاط الرسول وكتابة الوحى والكفاح عن الدين بسيفه ولسانه منذ حداثة مالم يتهيأ لاحد سواه هذا كتاب نهج البلاغة وانا به حفى منذ طراوة السن وميعة الشباب فلقد كنت اجد والدى كثير القرأة فيه وكنت اجد سمى الاكبر يقضى معه طويل الساعات يردد عباراته ويستخرج معانيها ويتفيل اسلوبه وكان لهما من عظيم التاثير على نفسى ما جعلنى اقفوا اثرهما فاحبه من قلبى المحل الاول واجعله سميرى الذى لا يمل وانيسى الذى اخلوا اليه اذا عز الانيس.....

وليس من شك عند احد من ادباء هذا العصر ولا عند احد ممن تقدمهم فى ان اكثر ما تضمنه نهج البلاغة من كلام امير المومنين عليه السلام نعم ليس من شك عند احد فى ذلك وليس من شك عند احد فى ان ما تضمنه الكتاب جار على نهج المعروف عن امير المومنين موافق للاسلوب الذى يحفظه الادباء والعلماء من كلامه الموثوق بنسبته اليه ولكن بعض المعروفين من ادباء عصرنا يميلون الى ان بعض ما فى الكتاب من خطب ورسائل لم يصدر عن غير الشريف الرضى جامع الكتاب هو منشئه وهو مدعى نسبته الى الامام...

... واهم ما يجده باحثوا الاداب العربية فى هذا العصر من اسباب يدعمون بها القول بان الكتاب من صنع جامعه وتاليفه ذلك الذى نوجزه لك فى الاسباب الاربعة الآتية۔

الاول ان فی الکتاب من التعریض بصحابة رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ما لا یصح ان یصدر عن مثل الامام علی کما تراه فی ثنایا الکتاب من سباب معاویة وطلحة والزبیر وعمرو بن العاص ومن ذهب الی تائیدهم والدفاع عن سیاستهم الثانی - ان فیه السجع و التنمیق اللفظی وآثار الصنعة ما لم یعهده عصر علی ولا عرفه وانما ذلک شیئ طرا علی العربیة بعد العصر الجاهلی وصدر الاسلام وافتتن به ادباء العصر العباسی والشریف الرضی جاء من بعد ذلک علی ما الفوه فصنف الکتاب علی نهجهم وطریقتهم۔

الثالث ان فیه من دقة الوصف واستغراق صفات الموصوف واحکام الذکر وبلوغ النهایة فی التدقیق کما تراه فی وصف (۱) الخفاش (۲) الطاؤس (۳) والنمل (۴) والجرادة وکل ذلک لم یلتفت الیه علماء الصدر الاول والادباء والشعراء وانما عرفه العرب بعد تعریب کتب الیونان والفرس الادبیة والحکمیة ویدخل فی هذا السبب استعمال الالفاظ الاصطلاحیة التی عرفت فی علوم الحکمة من بعد کالاین والکیف ونحوهما وکذلک استعمال الطریقة العددیة فی شرح المسائل وفی تقسیمات الفضائل او الرذائل مثل قوله الاستغفار علی ستة معان - (۵) الایمان علی اربع دعائم (۶) الصبر والیقین والعدل والجهاد والصبر منها علی اربع شعب الخ الرابع ان فی عبارات الکتاب ما یشم منه ریح ادعاء صاحبه علم الغیب وهذا امر یجل من مثله مقام علی ومن کان علی شاکلته من معاصر عهد الرسالة ومراجع نور النبوة۔

ترجمہ: (جو رسالہ الاستاد سے لیا گیا ہے) اما بعد۔ یہ کتاب نہج البلاغہ وہ ہے جس کو علامہ رضی ابو الحسن محمد بن الحسین الموسوی نے جناب امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کے کلام میں سے جمع کر کے مرتب کیا ہے یہ وہ کتاب ہے جسکے دونوں دفتوں کے درمیان بلاغت کے چشمے اور اس کے فنون موجود ہیں اور اس میں دیکھنے والے کے لئے فصاحت کے اسلوب آسانیا سے نزدیک لائے جاتے ہیں کیونکہ یہ اس کا کلام ہے جو جناب رسول خدا کے بعد تمام مخلوق سے زیادہ فصیح تھا کلام میں قوی تھا اقتدار میں اور ساکت کرنے والا دلائل و حجت میں تھا۔ سب کو پھیر دیتا تھا جس طرح چاہتا تھا۔ وہ شخص اور وہ صاحب حکمت بزرگ جس کے بیان سے حکمت جاری ہوتی تھی۔ وہ خطیب جس کے زبان کا جادو دلوں کو مسخر کر لیتا تھا۔ وہ عالم جس کے ساتھ

فراوانی علم میں صحبت رسول و کتابت وحی نے سازگاری کی اور جس کی تلوار و زبان سے اس کے زمانۂ طفولیت ہی سے دین کو تقویت و کثرت حاصل ہوتی گئی، یہ وہ امور ادبیہ و صفات ہیں جو اس کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہوئے۔

اس کتاب نہج البلاغہ سے میں اپنے زمانۂ طفولیت و عنفوان شباب ہی سے فیض حاصل کرتا رہا ہوں۔ میں یہ دیکھتا تھا کہ میرے والد اس کو کثرت سے پڑھا کرتے تھے اور میرے بڑے چچا بار بار دیر تک اس کی عبارت کو تکرار کے ساتھ پڑھتے تھے اور ان دونوں کے لئے اس کتاب سے بہت فائدہ و تاثیرات پیدا کئے اور میرے اوپر ان کا بہت بڑا اثر پڑا، پس میں نے بھی اس کو اپنا دوست و مونس بنا لیا۔۔۔ اس زمانۂ حال اور نیز زمانۂ ماضی کے علماء و ارباب کمال میں ذرا بھی شک نہ تھا کہ یہ ساری کتاب نہج البلاغہ جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب کا کلام ہے۔ ہاں۔ ہاں واقعی کسی کو اس میں شک نہیں کہ یہ کلام امیر المومنین علی ابن طالب ہے بجز ہمارے زمانہ کے معدودے چند علماء اس طرف راغب ہیں کہ اس کتاب نہج البلاغہ کے چند خطبے رسائل شریف الرضی کا کلام ہیں۔

سب سے بڑے وجوہات جو اس خیال کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں وہ صرف چار ہیں جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اوّل۔ یہ کہ اس کتاب میں اصحاب رسول کی نسبت ایسی تعریضات ہیں جن کا کسی طرح حضرت علی سے صادر ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً معاویہ، طلحہ، زبیر، و عمرو بن العاص اور ان کے اتباع کے بارے میں تو سب و شتم تک موجود ہے۔

دوم۔ اس میں لفظی آرائش و عبارت میں صنعت آرائی اس حد تک ہے جو حضرت علی کے زمانہ میں نایاب تھی۔

سوم۔ اس میں تشبیہات و استعارات اور اتفاقات و اوصاف کی صورت گنتی کی انتہا کو ہے جس کا صدر اوّل اسلام میں بالکل پتہ نہ تھا۔ اس کے ساتھ حکمت و فلسفہ کی اصطلاحی لفظیں نیز مسائل کے بیان میں حساب کا طریقہ یہ تمام باتیں اس زمانہ میں رائج نہ تھیں۔

چہارم۔ اس کتاب کی اکثر عبارتوں سے علم غیب کے دعوے کا پتہ چلتا ہے جو حضرت علی جیسے پاکباز انسان کی شان سے بعید ہے۔

ان وجوہات اور خیالات کی تردید کرتے ہوئے علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

لعمرك علم الله من يرى في هذه الاسباب مجتمعة او منفردة دليلا او شبه دليل على ما ذهب اليه انصار هذه الفكرة وقد تعالى اذا نحن اعتبرناها

ما ھذا قالوا ماء الحواب قالت ما اظنی الا انی راجعة فقال بعض من کان معھا بل تقدمین فیراک المسلمون فیصلح اللہ عزوجل ذات بینھم قالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال لھا ذات یوم کیف باحدکن تنبح علیھا الکلاب الحواب

کے کتے بھونکنے لگے انھوں نے پوچھا کہ یہ کونسا چشمہ ہے لوگوں نے کہا کہ چشمہ حواب جناب عائشہ نے کہا کہ میں واپس جاتی ہوں لوگوں نے کہا کہ آپ واپس نہ ہوں شاید آپ کے ذریعہ سے امور مسلمین کامیاب ہوں۔ جناب عائشہ نے فرمایا کہ ایک دن مجھ سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہا تھا کہ تم میں سے اس عورت کا کیا براحشر ہوگا جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔

امام احمد حنبل: مسند الجزء السادس صفحہ ۵۲، ۹۷

تاریخ حبیب السیر اور سیرۃ الحلبیہ میں اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ طلحہ و زبیر نے جھوٹی شہادت دلوائی کہ یہ چشمہ حواب نہیں ہے۔ اسلام میں یہ پہلی جھوٹی اور دغا کی گواہی تھی۔

سیرۃ الحلبیہ: الجزء الثالث۔ صفحہ ۳۲۰، ۳۲۱

تاریخ حبیب السیر: جلد اول جزو چہارم صفحہ ۴۸

نیز ملاحظہ ہوں کتب مندرجہ ذیل جن میں یہ واقعہ اسی طرح درج ہے۔

علامہ حاکم: مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث صفحہ ۱۲۰

علی المتقی: کنز العمال الجزء السادس صفحہ ۸۳ حدیث ۱۲۹۸ و صفحہ ۸۴ حدیث ۱۳۰۱

ابن قتیبہ: کتاب الامامت والسیاست در ذکر واقعہ جمل صفحہ ۵۶

تاریخ طبری: الجزء الخامس واقعہ جمل صفحہ ۱۷۱

تاریخ کامل: ابن الاثیر۔ در ذکر واقعہ جمل

مروج الذہب: مسعودی جلد ثانی صفحہ ۳۴۲، ۳۴۲

معجم البلدان: حموی در ذکر حواب

تاریخ ابی الفداء: الجزء الاول ذکر حوادث سنہ ست و ثلاثین صفحہ ۱۷۳

تاریخ ابن خلدون: اردو ترجمہ جلد چہارم ذکر واقعہ جمل صفحہ ۲۹۹

روضۃ المناظر فی علم الاوائل والاواخر در وقائع سنہ ۳۶ ہجری

تاریخ روضۃ الصفاء در ذکر واقعہ جمل

آخر کار جب آنحضرت نے دیکھا کہ عائشہ کی اصلاح ناممکن ہے اور یہ اپنی عادتوں سے باز نہ آئیں گی۔ تو آپ ناامید ہو کر فرمانے لگے کہ عائشہ کیا اچھا ہوتا جو تم مجھ سے پہلے مرجاتیں۔

شبهها تعرض للبحث ويتكلف الباحث ردها۔ ترجمہ۔ خدا گواہ ہے کہ ہمیں ان اسباب میں مجموعی طور پر یا ایک ایک میں انفرادی حیثیت سے کوئی حقیقی دلیل یا دلیل کا شبہ بھی اس دعوے کے ثبوت میں نظر نہیں آتا جسے ان لوگوں نے ثابت کرنا چاہا ہے۔ بلکہ یہ بھی زیادتی ہوگی کہ ہم انہیں ایسے شبہات کا مجموعہ کہیں جو بحث و تحقیق میں سدِ راہ ہوتے ہیں۔ اور جن کے جواب کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کے بعد انہوں نے ایک ایک کر کے ہر دلیل کو رد بھی کیا ہے۔ پہلی دلیل کے متعلق وہ لکھتے ہیں۔ کہ تاریخ کا ہر طالب علم اس بات سے واقف ہے کہ حضرت علیؑ کو اپنے سرپرست چچا زاد بھائی و خسر کا صدمہ اٹھانا پڑا تھا اس وقت کہ جب آپ کی عمر تیس برس یا اس سے کچھ زائد تھی۔ وہ جوانی کا زمانہ تھا اور جوانی کی امنگیں معلوم ہیں۔ اس کے ساتھ میں اصابتِ رائے بحرِ علمی باریک نظری اور حسنِ عمل کے وہ تمام خصوصیات موجود تھے۔ جو دوسرے سن رسیدہ اور بزرگ صحابہ میں سمجھے جا سکتے تھے اور پھر نصرتِ دین میں آپ کے وہ کارنامے خاص طور سے سرمایہ ناز تھے جو آپ نے حضرت رسالتمآبؐ کی زندگی میں انجام دیئے تھے۔ اس صورت میں کم از کم اتنا ضرور مسلمانوں کو لازم تھا کہ مسلمانوں کی قسمت کے فیصلے میں آپ کو شریک کر لیا جائے۔ لیکن حالات ایسے فراہم ہوئے کہ آپ رسولؐ کی تجہیز تکفین میں مصروف رہے اور وہاں آپ کی عدمِ موجودگی میں فیصلہ کر لیا گیا۔ اس صورت میں باہمی ایک طرح کی رنجش کا پیدا ہو جانا قدرتی حیثیت سے ایک ضروری امر ہے۔

اس کے بعد معاویہ نے آپ سے کھلم کھلا مقابلہ کیا اور جنگ کی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے ادباء جب ان لوگوں کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کی شمشیر کشی کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ تو پھر ان کو اس لفظی سخت کلامی سے جو ان لوگوں کی نسبت نظر آتی ہے تسلیم کرنے میں کیوں عذر ہوتا ہے۔ اسی لئے آپ کے کلام میں جو اشارے پہلی صورت (خلفاء ثلاثہ کے حالات) سے متعلق ہیں۔ وہ نسبتاً نرم و ملائم ہیں اور دوسرے موقعہ پر آپ کی تصریحات بہت سخت ہیں

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ کتاب میں سجع اور قافیہ کی پابندی اس حد تک ہرگز نہیں ہے کہ معنوی محاسن کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ بلکہ جہاں تک دیکھا جاتا ہے اس کے سجع و قافیہ میں آمد کی صورت نظر آتی ہے اور وہ آورد نہیں ہے۔ اس طرح کی صورت اس زمانہ میں بھی موجود تھی۔ اور جو شخص جانتا ہے کہ علی ابن ابی طالب کا فصاحت و بلاغت میں کیا درجہ تھا۔ سے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔

اس سے تیسری دلیل کی کمزوری بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ کون کہتا ہے کہ باریک خیالی اور خوش بیانی اور وصف و تشبیہ کا حسن کسی قوم کا مخصوص حصہ ہے۔ اور اگر ایک عرب وہ بھی قریش کا انسان اور وہ جس نے قرآن کی فصاحت کو دیکھا ہو اور افصح العرب رسولؐ کے ساتھ ابتدائی عمر سے ہو وہ اس کمال کا مظاہرہ کرے تو کیا قابلِ تسلیم نہیں ہے

چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جسے علمِ غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے ہم فراست اور زمانی نبض شناسی کا نتیجہ سمجھتے ہیں جو علی جیسے حکیمِ اسلام سے بعید نہیں۔

نہج البلاغہ کی یہ اڈیشن خدا کے فضل و کرم سے میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔

علامہ احمد بن منصور گازرونی مفتاح الفتوح میں بذیل ذکر جناب امیر لکھتے ہیں:۔

ومن تامل فی کلامه وکتبه وخطبه ورسائله علم ان علمه لا یوازی علم احد وفضائله لا یشاکل فضائل احد بعد محمد صلی الله علیه وسلم ومن جملتها کتاب نهج البلاغة والله لقد وقف دونه فصاحة الفصحاء وبلاغة البلغاء وحکمة الحکماء۔

جس شخص نے حضرت علی کے کلام و خطوط و خطبوں اور پیاموں پر غور کیا ہے تو اس کو معلوم ہو گیا کہ آپ کا علم جناب رسول خدا کے بعد سب کے علم سے زیادہ ہے اور آپ کے فضائل کے مشابہ کسی اور کے فضائل نہیں ہیں اور آپ کے کلام میں سے کتاب نہج البلاغہ ہے خدا کی قسم سب فصیحوں کی فصاحت اس سے پست تر ٹھہر گئی اور سب بلیغوں کی بلاغت اس سے نیچے ہے اور اس کی حکمت سے کمتر سب کی حکمت ہے۔

ملا یعقوب لاہوری شرح تہذیب الکلام میں لکھتے ہیں:۔

وافصح ومن اراد مشاهدة بلاغته ومسامعة فصاحته فلینظر الی نهج البلاغة ولا ینبغی ان ینسب هذا الکلام البلیغ الی رجل شیعی وما ذکر فیه من بعض الالفاظ الموهم بخلاف ما علیه اهل السنة فعلی تقدیر ثبوته منه له محامل وتاویلات وقال البلغاء ان کلامه دون الخالق وفوق کلام المخلوق۔

حضرت علی سب سے زیادہ فصیح تھے اور جو شخص چاہتا ہے کہ آپ کی بلاغت کا مشاہدہ کرے۔ اور ان کی فصاحت کو سنے تو اسے چاہیئے کہ نہج البلاغہ کو دیکھے اور یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ ایسے بلیغ کلام کی نسبت ایک مرد شیعی کی طرف کی جائے۔ رہا یہ امر کہ کتاب نہج البلاغہ میں بعض الفاظ ایسے ہیں کہ ان سے مذہب اہل سنت کی مخالفت کا وہم پیدا ہوتا ہے تو اسکے لئے تاویلات ہیں اور بلیغ علماء کا قول ہے کہ حضرت علی کا یہ کلام خالق کے کلام کے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے۔

شیخ احمد بن مصطفے المعروف بہ طاشکبری زادہ کتاب شقائق نعمانیہ فی علماء الدولة العثمانیة میں لکھتے ہیں:۔

منهم العالم الفاضل الکامل المولی قوام الدین یوسف المشتهر بقاضی بغداد وکان بلاد العجم من مدینة شیراز

ان لوگوں میں سے ایک عالم فاضل کامل قوام الدین یوسف قاضی بغداد ہیں۔ یہ بلاد عجم کے شہر شیراز کے رہنے والے تھے اور ایک عرصہ تک

وکان قاضیاً ببغداد مدة فلما حدثت فتنة ابن اردبیل ارتحل الی ماردین وسکن هنالک مدة ثم ارتحل الی بلاد الروم واعطاه السلطان بایزید خان بروسه ثم اعطاه احدی المدارس العثمان ثم ارتحل الی جوار الرحمٰن فی اوائل سلطنة السلطان سلیم خان ادخله الله تعالی شریفاً عالماً صالحاً متشرعاً زاهداً ذا هیبة ووقار صنف شرحاً جامعاً للفوائد للتجرید وشرح نهج البلاغة للامام الهمام علی بن ابی طالب کرم الله تعالی وجهه وصنف کتاباً جامعاً لمقامات التفسیر وله رسائل وحواشی وغیر ذلک الا انها ضاعت بعد وفاته لصغر اولاده طیب الله تعالی مضجعه وبرد مضجعه۔

بغداد میں قاضی رہے جب فتنہ ابن اردبیل ہوا تو انہوں نے ماردین کی طرف ہجرت کی اور وہاں عرصہ تک رہے پھر بلاد روم کی طرف آ گئے سلطان بایزید نے آپ کو بروسہ دے دیا پھر ایک مدرسہ میں مقرر کر دیا۔ اوائل سلطنت سلطان سلیم خاں میں ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ شریف تھے عالم صالح، متشرع، زاہد، صاحب ہیبت و وقار، انہوں نے تجرید کی شرح لکھی ہے جو جامع فوائد ہے۔ اور کتاب نہج البلاغہ کی شرح لکھی ہے۔ جو کلام امام ہمام علی ابن ابی طالب ہے۔ اور ایک اور کتاب لکھی ہے۔ جو جامع مقدمات تفسیر ہے اور اس کے علاوہ اور بھی رسائل وحواشی وغیرہ ہیں۔ مگر بہ سبب صغر سنی ان کی اولاد کے ان کی کتابیں ضائع ہو گئیں۔

علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں:۔

وایضاً هو افصحهم لساناً علی ما یشهد به کتاب نهج البلاغة۔

یعنی جناب امیر علیہ السلام سب سے زیادہ فصیح تھے جس کی شہادت کتاب نہج البلاغہ دے رہی ہے۔

یہ تصریحات اکابر علماء اہل سنت کی ہیں جنہوں نے نہج البلاغہ کو کلام امیر المومنین تسلیم کیا ہے غیر مسلم مصنفین میں سے بھی دو شخصوں کی تحریر اس وقت ہمارے پیش نظر ہے جنہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور نہج البلاغہ کی صحت اسناد کی گواہی دی ہے۔

(۱) عبد المسیح انطاکی صاحب جریدۃ العمران مصر جس نے امیر المومنین کی سیرت میں اپنی مشہور کتاب شرح قصیدہ علویہ تحریر کی ہے اور وہ مصر میں شائع ہو چکی ہے وہ اپنی اس کتاب کے صفحہ ۵۳۹ پر تحریر کرتے ہیں:۔

لاجدال ان سیدنا علیاً امیر المومنین هو امام الفصحاء واستاذ البلغاء واعظم من خطب وکتب فی عرف اهل هذه الصناعة الانباء وهذا کلام قد قیل فیه بحق

انّہ فوق کلام المخلوق وتحت کلام الخالق قال ھذا کل من عرف فنون الکتابۃ و اشتغل فی صناعۃ التحبیر والتحریر بل ھو استاذ الکتاب العرب ومعلمھم بلا مراء فما من ادیب اللبیب حاول اتقان صناعۃ التحریر الا وبین یدیہ القرآن ونہج البلاغۃ ذاک کلام الخالق ھذا کلام اشرف المخلوقین وعلیھما یعول فی التحبیر والتحبیر اذا اراد ان یکون فی معاشر الکتبۃ المجیدین ولعل افضل من خدم لغۃ قریش الشریف الرضی الذی جمع خطب واقوال وحکم ورسائل سیدنا امیر المومنین من افواہ الناس وامالیھم واصاب کل الاصابۃ باطلاقہ علیہ اسم نہج البلاغۃ وما ھذا الکتاب الاصراطھا المستقیم لمن یحاول الوصول الیھا من معاشر المتادبین ولعل احسن وصف قراتہ نہج البلاغۃ قول الاستاذ الکبیر الفیلسوف الشیخ محمد عبدہ المصری رحمۃ اللہ فقد وصف ما کان یشعر بہ وھو بین یدی تلک الدرر الحسان المزریۃ بعقود الجمان۔

ترجمہ:۔ اس امر میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت امیر المومنین علی فصیح لوگوں کے امام اور بلغاء کے استاد ہیں اور وہ تمام ان لوگوں میں کہ جنہوں نے عربی زبان میں تقریر یا تحریر میں کمال دکھایا سب سے زیادہ جلیل المرتبہ ہیں اور بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کا کلام ہمارے سامنے ہے۔ جس کے متعلق سچی اور حق بات یہ کہی گئی ہے کہ وہ تمام مخلوق خدا کے کلام سے بالاتر اور صرف خالق کے کلام سے نیچے ہے۔ یہ بات ہر وہ شخص کہتا ہے کہ جو انشاپردازی کے فنون سے واقف اور تقریر و تحریر کے فن میں ماہر ہے۔ حضرت علی تمام عرب انشاپردازوں کے استاد اور معلم ہیں۔ کوئی باخبر ادیب جو انشاپردازی کے فن میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہو۔ ایسا نہ ہوگا جس کے سامنے قرآن اور نہج البلاغہ موجود نہ ہوں۔ وہ خالق کا کلام اور یہ اشرف المخلوقین کا کلام ہے اور وہ انہی دونوں کتابوں کا سہارا لینے پر مجبور ہے۔ اگر وہ اچھا انشاپرداز اور ادیب بننا چاہتا ہے۔ ان لوگوں میں کہ جنہوں نے قریش کی زبان (عربی) کی خدمت کی ہے۔ سب سے بڑا درجہ شریف رضی کو حاصل ہے جنہوں نے حضرت علی کے خطبے اقوال اور خطوط کو جمع کیا ہے۔ لوگوں کے محفوظات اور تحریرات سے اور بیشک انہوں نے بہت ٹھیک اس کا نام نہج البلاغہ رکھا ہے۔ یہ کتاب حقیقۃً صحیح راستہ ہے اس شخص کے لئے جو بلاغت کی منزل تک پہنچنا چاہتا ہو۔ اور غالباً بہترین توصیف نہج البلاغہ جو میری نظر سے گذری ہے۔ وہ قول استاد کبیر فیلسوف شیخ محمد عبدہ کا جنہوں نے اپنے احساسات وہ تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ اس موقعہ پر جب وہ ان نایاب بیش بہا موتیوں کے سامنے تھے جو زر و جواہر سے زیادہ قیمت رکھتے ہیں۔"

اس کے بعد عبداللہ عبدالمسیح نے شیخ ابن عبدہ کی وہ عبارت نقل کی ہے جو ہم اوپر ہدیہ ناظرین کر چکے ہیں۔ اس عبارت کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

هذا ما رآه الاستاذ الامام رحمة الله وما شعر به وهو مجد فی درس نهج البلاغة سائر الیها فلا عجب اذا فاز منها بالنصیب الاعلیٰ فکان افصح من کتب فی المتأخرین وقد قال لی رحمه الله مرة اذا رمت ان تکون کاتبا فخذ الامام امیر المومنین علیه الصلوٰة الله استاذا واتخذ اقواله الدرریه فی ظلمات لیالک نبراساء وذکر مرة الی المرحوم الشیخ ابراهیم الیازجی اکتاب کتاب العرب وامام اساتذة اللغة فهبهم فی العهد الاخیر بالاجماع قال ما اتقنت الکتابة الا بدرس القرآن العظیم و نهج البلاغة القویم فهما کنز العربیة الذی لاینفذ خیرتها للمتادب و هیهات ان یظفر ادیب بحاجته من هذه اللغة الشریفة ان لم یجی لیالیه سهرًا فی مطالعتها والتجر فی عالی مطالبها۔

ترجمہ:- یہ رائے جس کا اظہار استاذ امام ابن عبدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے اور جو تاثرات انہیں پیدا ہوئے ہیں اس موقعہ پر جب وہ نہج البلاغۃ کے درس میں منہمک اور بلاغت کی منزل کے سالک تھے۔ اس کے بعد کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اگر خود شیخ ابن عبدہ بلاغت میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہو گئے ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ متاخرین میں فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے موصوف ہی بہترین انشاپرداز تھے اور خود انہوں نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ اگر تم انشاپرداز بننا چاہتے ہو۔ تو امیر المومنین علی کو اپنا استاد بناؤ۔ اور ان کے روشن کلمات کو اپنے لیے چراغ ہدایت قرار دو اور ایک مرتبہ مجھ سے شیخ ابراہیم سازجی نے جو اس دورِ آخر میں متفقہ طور پر کامل انشاپرداز عربی کے اور امام اساتذۂ لغت مانے گئے ہیں فرمایا کہ مجھے اس فن میں جو اتنا کمال حاصل ہوا وہ صرف قرآن مجید اور نہج البلاغۃ کے مطالعہ سے ہوا۔ یہ دونوں عربی زبان کے وہ خزانۂ عامرہ ہیں جو کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ اور طالبان علم ادب کے لئے سرمایہ ہیں اور کیا ممکن ہے کہ بھلا کوئی ادیب اپنے مقصد کو اس زبان کے کمالات میں حاصل کر سکے۔ جب تک وہ ان دونوں کتابوں کے مطالعہ میں رات رات بھر بیدار نہ رہا ہو۔"

(۲) دوسرے عیسائی علامہ فوادافرام بستانی استاد الادب العربیہ فی کلیتہ القدیس یوسف (بیروت) ہیں جنہوں نے نہج البلاغۃ کے متعلق اچھی تحقیق کی ہے۔ یہ بڑے درجہ کے عیسائی ادیب و محقق مورخ ہیں انہوں نے ایک سلسلہ تعلیمی کتابوں کا "الروائع" کے نام سے شائع کیا ہے۔ جس میں مختلف جلیل المرتبہ مصنفین کے آثار قلمی اور تصانیف سے مختصر انتخابات مصنف

کے حالات وکمالات اور کتاب کی تاریخی تحقیقات وغیرہ کے ساتھ چھوٹے چھوٹے مجموعوں کی صورت میں ترتیب دئے ہیں اور وہ کیتھولک عیسائی پریس بیروت میں شائع ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ کا مجموعہ امیر المومنین اور نہج البلاغہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے متعلق تمہیدی مقدمہ میں جو مؤلف کے قلم سے ہے یہ تحریر کیا ہے انا نبدأ الیوم بنشر منتخبات من نہج البلاغۃ للامام علی بن ابی طالب اول مفکر فی الاسلام یعنی سب سے پہلے ہم اس سلسلہ کی ابتدا نہج البلاغہ کے چند انتخابات کے ساتھ کرتے ہیں جو نہج البلاغہ کو اسلام کے سب سے پہلے مفکر علی بن ابی طالب کی کتاب ہے۔

اس کے بعد وہ سلسلہ شروع ہوا ہے جو سلسلہ روائع کی پہلی قسط ہے۔ اس کے ٹائیٹل پیج یعنی سرورق کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

علی بن ابی طالب

نہج البلاغة

درس و منتخبات

بقلم

فواد افرام البستانی

أستاذ الادب العربية في كلية القديس يوسف

جميع الحقوق محفوظة للمطبعة

المطبعة الكاثوليكية بيروت

سنہ ۱۹۲۷ء

اس کے بعد کتاب شروع ہوتی ہے جس کی تمہیدی چند سطریں یہ ہیں:۔

علی بن ابی طالب ۶۰۰ - ۶۶۱

لعلی بن ابی طالب شخصية جذابة حام حولها اقلام الرواة والمؤرخين واجتهدت فی فهمها عقول انتقاد المفكرين واهتدت بهديها ميول الزهاد والسالكين وسار تحت لوائها الجم الغفير من المتادبين ولو تكن الآراء المختلفة والنظريات المتباينة والمجادلات العديدة بين السنيين والشيعيين على كر الايام الا لتزيد الرجل سموا وعقلية بروزا من خلال غشاء المنازعات المتكاثف حينا والشاف احيانا فمن هو هذا الرجل العظيم وما هي قيمة رجل الادب۔

ترجمہ:۔ علی بن ابی طالب کی شخصیت ایک خاص کشش والی شخصیت ہے جس کے گرد واقعات و حوادث اور مورخین کے قلم ہمیشہ گردش کرتے رہے ہیں اور ناقدین و مفکرین کے عقول اس شخصیت کے سمجھنے میں کوشاں رہے ہیں اور زہاد اور ارباب سلوک کی توجہات ان کی سیرت اور طرز زندگی کی طرف متوجہ رہے ہیں اور ان کے علم کے سایہ میں ارباب ادب کی بڑی جماعت چلتی رہی ہے۔ مختلف اور جداگانہ نظریات اور کثیر التعداد منافرات جو با امتداد زمانہ سنی اور شیعی فرقوں میں رہ گئے ہیں وہ اس عظیم الشان انسان کی بلندی اور رفعت میں اضافہ ہی کرتے رہے ہیں اور اس کے کمالات عقلیہ کی نمائش ان منازعات کے پردوں سے جو کبھی کبھی گہرے اور اکثر اوقات ہلکے رہے ہیں زیادہ ہی ہوتی رہی ہے۔ ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ یہ اعلیٰ مرتبہ والا انسان کیسا ہے اور علم ادب کا یہ مخصوص بزرگ کیا قدر و قیمت رکھتا ہے۔

اس کے بعد مختلف عنوانوں کے تحت میں امیر المومنین کی سیرت اور آپ کی خصوصیات زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ ان عنوانوں پر بحث کرنے کے بعد فاضل مولف نہج البلاغۃ اور دوسرے عنوان جمعہ یعنی اس کتاب کی جمع و تالیف کے تحت میں رقمطراز ہیں۔

قال المسعودی عن خطب علی بن ابی طالب انہا فی سائر مقاماتہ اربعمائۃ خطبۃ و نیف وثمانون یوردہا علی البدیہۃ تداول الناس یتداولون ذلک حتی قام الشریف الرضی فجمع کل ما نقل عن الامام من خطب و رسائل و مواعظ فضمنہا کتابا واحدا اسماہ نہج البلاغۃ انتہی من تالیفہ فی رجب سنۃ ۴۰۰ ہجری بعد ان ترک اوراقا بیضا فی آخر کل باب رجاء ان یقف علی شیء بعد الجمع فیدرجہ فی المحل الذی یناسبہ والشریف الرضی من سلالۃ علی اسمہ محمد بن طاہر بن الحسین بن موسیٰ بن ابراہیم المرتضیٰ بن موسیٰ الکاظم ولد سنۃ ۳۵۹ و توفی سنۃ ۴۰۶ ویعرف ایضا بالمرتضیٰ لقب احد اجدادہ الموسوی کان اشہر ادباء عصرہ ولہ دیوان شعر معروف۔

ترجمہ:۔ مسعودی نے حضرت علی کے خطبوں کی نسبت کہا ہے کہ وہ آپ کے تمام مواقع زندگی میں کچھ اوپر چار سو اسی خطبے ہیں جن کو حضرت علی نے فی البدیہہ ارشاد کیا تھا اور لوگوں نے آپ سے سینہ بسینہ ان کو نقل کیا ہے یہ خطبے برابر لوگوں میں شائع رہے یہاں تک کہ شریف رضی کا زمانہ آیا اور انہوں نے جو کچھ امام کے خطبے اور خطوط اور مواعظ راویوں کی زبان سے نقل ہوئے تھے سب کو ایک جگہ جمع کر کے ایک کتاب میں محفوظ کر دیا اور اس کا نام نہج البلاغۃ رکھا جس کی تالیف سے وہ رجب ۴۰۰ھ ہجری میں فارغ ہوئے اور انہوں نے ہر باب کے آخر میں کچھ اوراق سادہ رکھے اس امید میں کہ جمع و تالیف کے بعد شاید کچھ اور دستیاب ہو تو وہ اس کی مناسب جگہ پر درج کیا جا سکے اور شریف رضی مذکور حضرت علی کی اولاد میں سے تھے ان کا نام تھا محمد بن طاہر بن حسین بن موسیٰ بن ابراہیم مرتضیٰ بن امام موسیٰ کاظم،

ولادت ان کی ۹۶۶ء میں اور وفات ۱۰۴۴ء میں واقع ہوئی تھی۔ ان کے دادا ابراہیم مرتضیٰ کے نام پر بھی ان کو مرتضیٰ بھی کہا جاتا تھا اور شریف موسوی سے بھی یاد کئے جاتے تھے۔ یہ اپنے زمانے کے بڑے مشہور ادیب تھے اور ان کا دیوان مشہور و معروف ہے۔"

اس کے بعد ایک عنوان **صحۃ نسبتہ** قائم کیا ہے۔ یعنی اس کتاب کی صحت سند۔ اس عنوان کے تحت یوں لکھتے ہیں:۔

لم یمر زمن علی جمع الکتاب حتی شک قوم من النقاد والمورخین فی صحۃ نسبتہ و کان فی مقدمتھم ابن خلکان فنسبہ الی جامعہ وتبعہ علی ھذا القول الصفدی وغیرہ فتغلغل الشک بین القوم الی الیوم وکان تسمیۃ الشریف الرضی بلقب جدہ المرتضیٰ لبست علی بعض المورخین التمیز بینہ وبین اخیہ علی بن طاھر المعروف بالمرتضیٰ (۹۶۶ - ۱۰۴۴) فنسبوا الی ھذا الاخیر جمع نہج البلاغۃ کما فعل جرجی زیدان وزاد غیرھم کالمستشرق کلیمان ھوار فجعل المرتضیٰ مؤلف الکتاب و نحن اذا تدبرنا اسباب الشک نراھا ترجع الی خمسۃ امور۔

(۱) ان فی نہج البلاغۃ من الافکار السامیۃ والحکم البالغۃ ما لا یصح نسبتہ الی عصر علی۔

(۲) ان فیہ من التعریض بالصحابۃ ما لا یصدر عن رجل فاضل کعلی۔

(۳) ادعاء علم المغیبات وھو لا یکون فعل رجل عاقل۔ (۴) الوصف الدقیق۔

(۵) صناعۃ السجع والتنمیق التی لم یتعودھا اھل ذلک العصر۔

ولیس فی اکثر ھذہ الاسباب ما یقف عثرۃ فی سبیل صحۃ نسبتہ الکتاب فاما سمو الافکار ودقۃ الحکم واصابۃ المعنی فانھا فی کل عصر اذ ھی نا تجۃ عن الاختبار البشری مرافقۃ لھذا فی تجاربیہا وقد رأینا فی حیوۃ المؤلف وخزانۃ الکبیرۃ وخیبۃ آمالہ مواد وافرۃ للتاملات العدیدۃ والنظریات العمیقۃ فضلا عن ان علیا حفظ القرآن بما فیہ من الآیات وکان عالما کاکثر رجال عصرہ بکثیر من الحکم البلیغۃ الموجودۃ فی التوراۃ والانجیل فامکنہ الاستفادۃ منھا واما التعریض بالصحابۃ فانہ اشیئ طبیعی فی ابن آدم ان یتاخفہ ویتالم اذ یری نفسہ ممنوعا من نیل مرادہ مصروفا عن حقہ والانسان مھما تقدم فی الصلاح یظل انسانا ضعیفا عرضۃ لحسو احمل الطبیعۃ البشریہ۔

واما علم المغیبات فلا نتعرض لہ وھو لیس من احسن ما فی نہج البلاغۃ واذا وقفنا فی الوصف وکمالہ واجمل مظھرلہ فی نہج البلاغۃ خطبۃ الخفاش و

والطاؤس تحکم انه سبب فاسد لان من اخص صفات الشعر الجاهلی والمخضرم اتمام الوصف وتتبع هیئات الموصوف الی اخرها۔

نری ذلك فی شعر الشنفری وامرء القیس عنترة و بشیر بن عوانه من الجاهلین و عمر بن ابی ربیعه وامثاله من صدر الاسلام وکلهم یجارون علیا زمانا ومکانا۔

ونکاد نقول القول نفسه عن السجع لولا الخطبة المعروفة بالشقشقیه وهی من اسباب الشك عند الکثیرین علی انه یروی ابن ابی الحدید اشهر شارحی نهج البلاغة عن بعض مشائخه ان الشقشقیه کانت معروفة قبل مولد الرضی۔

هذا وانه لمن الفضول الافاضة بذکر بلاغته هذا التألیف والفائدة الجمة الناتجة عن دراسته فهو کما قال الشیخ محمد عبده حاو جمیع ما یمکن ان یعرض للکاتب والخاطب من اغراض الکلام فقد تعرض للمدح والذم الاولی والترغیب فی الفضائل والتنفیر من الرذائل والمحاورات السیاسیات والمخاصمات الجدلیة وبیان حقوق الراعی والتی علی الکلام فی اصول المدنیة وقواعد العدالة وفی النصائح الشخصیة والمواعظ العمومیة او کما قال تبعیرا وجز وتاثیرا دفره وتحت کلام الخالق وفوق کلام المخلوق۔

ترجمہ:۔ نہج البلاغہ کی جمع و ترتیب کو زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کہ بعض اربابِ نظر و مورخین نے اس کتاب کی صحت سند میں شک کرنا شروع کر دیا۔ ان میں سب کا پیشرو ابن خلکان ہے جس نے اس کتاب کو اس کے جامع کی طرف منسوب کیا اور پھر صفدی وغیرہ نے اس کی پیروی کی۔ شریف رضی کے لیے اور آپ کے مرتضیٰ کہے جانے نے جو ان کے دادا کے لقب کی مناسبت سے تھا۔ بعض لوگوں کو دھوکہ میں مبتلا کر دیا اور وہ ان میں اور ان کے بھائی علی بن طاہر معروف سید مرتضیٰ (متولد ۹۶۶ھ متوفی ۴۳۶ھ) میں فرق نہ کر سکے اور انہوں نے نہج البلاغہ کے جمع کو ثانی الذکر کی طرف منسوب کر دیا جیسا کہ جرجی زیدان نے کیا ہے اور بعض لوگوں نے مثل مستشرق کلیمان کے مزید یہ کیا کہ کتاب کا اصل مؤلف سید مرتضےٰ کو قرار دیا ہم جب اس شک کے وجوہ و اسباب پر غور کرتے ہیں تو وہ ہیر پھیر کے پانچ پائے جاتے ہیں:۔

(۱) یہ کہ نہج البلاغہ میں ایسے بلند مطالب اور دقیق فلسفی رموز ہیں جو حضرت علی کے زمانہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔

(۲) اس میں صحابہ کے متعلق ایسے طعن و تعریضات ہیں جو حضرت علی جیسے بلند مرتبہ انسان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔

(۳) غیب کی باتوں کے علم کا دعویٰ کسی عقلمند کا کام نہیں۔

(۴) کسی بات کے وصف بیان کرنے میں وقت نظر و باریکی ؛
(۵) سجع و قافیہ اور عبارت آرائی جس کی اس زمانہ والوں کو عادت نہ تھی؛
مگر یہ تمام اسباب ایسے ہیں جو اس کتاب کی صحت سند میں سدراہ نہیں ہو سکتے ۔ پہلی بات یعنی خیالات کی بلندی اور فلسفی نکتہ پردازی اور مطالب کی صحت اور مضبوطی یہ باتیں ہر زمانہ میں پیدا ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ انسان کے غور و فکر اور زمانہ کے حالات سے تجربے کے ساتھ سبق آموزی پر ملتی ہیں اور مؤلف (یعنی حضرت علی) کی زندگی اور حضرت کے مختلف مصائب اور رنج و غم کے واقعات میں ایسے کافی اسباب و مواد فراہم ہیں کہ جن کی وجہ سے آپ کے غور و فکر کی قوت زیادہ ہو جائے اور آپ حالات زمانہ میں تامل اور گہرے فکر سے کام لیں ۔ اس کے علاوہ آپ قرآن مجید اور اس کی تمام آیتوں کے حافظ تھے ، اور پھر اپنے زمانے کے بہت سے لوگوں کی طرح آپ ان فلسفی اور حکمت کی باتوں سے بھی مطلع تھے جو توریت و انجیل میں مذکور ہیں اور اس لئے آپ کو ان سے اقتباس کا موقع بھی حاصل تھا ۔ (اس عبارت میں تبصرہ نگار کی عیسائیت جلوہ نما ہے) دوسری بات یعنی صحابہ کے اوپر تعریض ۔ یہ تو انسان کا فطری خاصہ ہے کہ وہ اُف کہے اور رنجیدہ ہو ۔ جب وہ اپنے تئیں مقصد سے علیحدہ اور اپنے حق سے محروم ہوتے دیکھے اور انسان کتنا ہی بلند مرتبہ ہو آخر انسان ہے اور ان خصوصیات سے علیحدہ نہیں ہو سکتا ۔
رہ گیا علم مغیبات ۔ اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے (کیونکہ ایک عیسائی کو یہاں سکوت ہی لازم ہے) اور یہ حصہ یعنی عجیب کی چیزوں کا باب نہج البلاغہ میں کوئی اہم درجہ نہیں رکھتا کہ اس کی نسبت خاص طور سے بحث کی جاوے ؛
اس کے بعد آخری وجہ یعنی وصف میں دقت نظر اور موشگافی اور اس میں آپ کا کمال اور اس کا نمایاں حصہ خطبہ خفاشیہ اور طاؤسیہ ہے اس کے متعلق بھی ہمارا فیصلہ ہے کہ یہ سبب شک کا بالکل غلط ہے ۔ اس لئے کہ زمانہ جاہلیت اور پھر درمیانی دور کے اشعار کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر چیز کا وصف حد کمال پر ہوتا ہے اور موصوف کی ہیئت اور اس کی شکل کی تمام خصوصیات کو پورے طور پر پیش کیا جاتا ہے یہ بات ہم کو شنفری اور امرؤ القیس اور عنترہ اور بشیر بن عوانہ کے اشعار میں نظر آتی ہے جو زمانہ جاہلیت کے شعراء ہیں اور عمر بن ابی ربیعہ کے اشعار میں بھی کہ جو عہد اسلام کا شاعر ہے یہ بات پائی جاتی ہے اور یہ سب زمان و مکان کے اعتبار سے حضرت علی سے قریب رہتے تھے ؛
آخری وجہ یعنی سجع و قافیہ و عبارت آرائی کے متعلق بھی ہمارا یہی فیصلہ ہے ۔ بیشک سب سے بڑا سبب بہت سے لوگوں کے شک کا خطبہ شقشقیہ ہے ۔ حالانکہ ابن ابی الحدید جو نہج البلاغہ کا سب سے مشہور شارح ہے اس کا بیان ہے اپنے بعض اساتذہ کی زبانی کہ خطبہ شقشقیہ سید رضی کی

تاریخ طبری :- الجزء الثالث صفحہ ۱۹۱

تاریخ الکامل :- ابن الاثیر الجزء الثانی صفحہ ۱۲۱

حضرت عائشہ و حضرت حفصہ کو بارگاہِ خداوندی سے بھی ان کے اعمال اور افعال کی وجہ سے تنبیہہ و تہدید کی گئی اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (سورۃ تحریم ع ا پارہ ۲۸) یعنی تم دونوں کو چاہیئے کہ تم خداوند تعالےٰ کی درگاہ میں توبہ کرو۔ کیونکہ تم دونوں کے دل کج ہو گئے ہیں۔ کس درجہ تک نافرمانی رسول کرتی تھیں کہ خداوند تعالیٰ کو بھی تنبیہہ کرنی پڑی محض رسول خدا کی تنبیہہ کافی نہ ہوتی اور واقعات جمل بتا رہے ہیں کہ باوجود اس تہدید و حکم خداوندی کے بھی توبہ نہیں کی تمام مفسرین و محدثین متفق ہیں کہ اس آیت میں صرف حضرت عائشہ و حفصہ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔

ابن سعد :- طبقات الکبریٰ جلد اول قی اصفحہ ۱۳۱ و ۱۳۳

امام احمد حنبل :- مسند الجزء الاول صفحہ ۳۳ و ۳۸

سیرۃ الحلبیہ :- الجزء الثالث صفحہ ۳۵۳

کنز العمال :- علی المتقی الجزء الاول صفحہ ۲۶۹ حدیث ۴۶۷۲ صفحہ ۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲

صحیح بخاری :- کتاب تفسیر القرآن تفسیر سورۃ تحریم

الکشاف :- زمخشری - الجزء الثانی تفسیر سورۃ تحریم صفحہ ۴۶۹، ۴۷۰ و ۴۷۱ -

غرضکہ اس جماعت ازواج رسولؐ نے اپنی پارٹی کے مردوں کے لئے وہ کام کئے جو ان کی کامیابی کے بہت حد تک باعث ہوئے۔ تجہیز جیش اسامہ و امامت نماز کے واقعات و بے شمار احادیث مناقب حضرت عمر و ابی بکر منقول از حضرت عائشہ وہ ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں۔ بہت سے ایسے امور ہوں گے جو احادیث کی کتابوں میں محفوظ نہ رہے۔ یہ قیاس بالکل امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ کے حرکات و سکنات اور ارادوں کی خبریں عین وقت پر حضرت ابو بکر و حضرت عمر کو ملتی ہوں گی اور وہ ان کے مطابق اپنے طرز عمل کی تشکیل کرتے ہوں گے ایک بہت بڑا کام جو حضرت عمر نے حضرت عائشہ اور ان کی جماعت سے اپنے مقصد کے لئے لیا وہ یہ تھا کہ حکام سقیفہ اور ان کے ارکان کے افعال و اعمال کی توثیق و تصدیق ان سے کرا کر لوگوں کی آنکھوں میں جوازیت کا جامہ پہنایا۔ حضرت فاطمہؑ سے فدک چھیننا ایک ایسا فعل تھا کہ ممکن تھا کہ لوگ اپنے نبی کی پیاری بیٹی کی یہ توہین و تحقیر نہ دیکھ سکتے لیکن جس نے اس فعل کی سب سے پہلے تصدیق و توثیق کی وہ حضرت عائشہ تھیں اور انہوں ہی نے لاوارث حدیث کو اپنے دامن عاطفت میں لے کر اس کی پرورش کی۔ ان جاہل عربوں کے لئے یہ ہی کافی تھا کہ زوجہ رسول اس فعل کو مستحسن سمجھتی ہے اسی طرح اور بہت سے واقعات تھے جن کی تفصیل موجب طوالت ہوگی۔ حضرت ابو بکر و حضرت عمر کے لئے تو بڑی خوشی سے پہلوئے رسولؐ میں قبر کے لئے جگہ دے دی لیکن جب نواسۂ رسول کو وہاں

ولادت کے بہت پہلے سے مشہور تھا۔

اس کتاب کی فصاحت و بلاغت اور اس کے درس و تدریس میں جو عظیم فائدہ ہے اس کا تذکرہ کرنا فضول ہے اس لئے کہ حقیقتاً جیسا کہ شیخ محمد بن عبدہ نے کہا ہے یہ کتاب حاوی اور جامع ہے تمام ان اغراض و مقاصد کی جو کسی انشاپرداز یا مقرر کو اپنی تحریر و تقریر میں پیش نظر ہو سکتے ہیں اس لئے کہ اس میں مدح مہذبانہ مذمت فضائل و محاسن کی ترغیب بری باتوں سے اظہار نفرت و سیاسی خیالات و مجادلانہ مکالمات حاکم کے حقوق بذمہ رعیت رعیت کے حقوق بذمہ حاکم سب کچھ موجود ہیں۔ پھر تمدن کے اصول عدالت کے قواعد، انفرادی نصائح اور عمومی مواعظ سب کچھ مندرج پائے جاتے ہیں۔ مختصر اور مؤثر لفظوں میں وہی ہے جو کچھ کہا گیا ہے کہ خالق کے کلام سے نیچے اور مخلوق کے کلام سے بلند ہے۔

(دیکھو رسالہ استناد نہج البلاغۃ)

ناظرین نے سنی و عیسائی مصنفین و محققین کی رائے نہج البلاغۃ کے متعلق ملاحظہ فرمائی۔ اور اس کے کلام امیر المومنین ہونے کی بابت جو شکوک پیدا کئے جاتے ہیں وہ بھی دیکھے اور ان شکوک کا جواب جو عام نقطہ نگاہ سے ہو سکتا ہے وہ بھی ملاحظہ کیا وہ ہی جواب ایسے مسکت و باطل شکن ہیں کہ مزید بحث کی گنجائش نہیں رہتی۔ مگر ان لوگوں کے لئے جو جناب محمد مصطفےٰ کو رسول برحق اور انکے کلام کو سچا جانتے ہیں۔ دیگر دلائل بھی ہیں۔ اس کتاب کے مصنف کے متعلق وہ رسولؐ برحق فرماتا ہے کہ میں علم کا شہر ہوں۔ اور یہ علی اس شہر کا دروازہ ہے جو علم کے شہر میں آنا چاہتا ہے وہ صرف اس دروازہ ہی کے ذریعہ سے داخل ہو سکتا ہے جس قسم کا رسولؐ کا علم تھا ویسا ہی علی کا علم تھا اور رسول کے علم میں علم لدنی بھی شامل ہے۔ ایسے شخص کے لئے وصف اشیاء میں موشگافی اور وقت نظری کون سی بڑی بات ہے جس کی وجہ سے اس کے کلام میں شک کیا جائے اور اس کے آگے چند سال آئندہ کی زبان دانی کے سجع و قافیہ کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ جن کی بناء پر نہج البلاغۃ کو رد کیا جائے۔ رہا علم غیب تو عیسائی مورخ تو اس کے متعلق اتنا ہی کہہ سکتے ہیں جتنا انہوں نے کہا اور اگر مسلمان جناب رسول خدا کے علم میں اتنا علم الغیب سمجھتے ہیں کہ جتنا نہج البلاغۃ میں ہے اور رسولؐ کو اس کا حامل مان سکتے ہیں تو پھر علی میں اتنا علم غیب کون سی بڑی بات ہے بلکہ یہی امور تو حضرت علی کے خلیفہ برحق بلا فصل رسول ہونے کے دلائل ہیں۔ جس طرح قرآن شریف جناب رسول خدا کی صداقت رسالت کی ایک دلیل ہے اسی طرح نہج البلاغۃ حضرت علی کی صداقت امامت و خلافت کے لئے ایک بین ثبوت ہے۔ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خداوند تعالیٰ سے براہ راست رابطہ و واسطہ صداقت رسالت کے لئے ثابت کرنا ضروری تھا۔ لہذا قرآن شریف کو کلام الٰہی ہونا چاہیئے تھا۔ جناب علی مرتضیٰ قوم کی جہالت کی وجہ سے اپنے تئیں ایسے حالات و واقعات کے اندر پاتے تھے کہ وہاں اپنے کمالات و صفات و

فضائل کا اظہار ضروری تھا۔ لہٰذا اس قسم کے خطبوں کی ضرورت ہوئی اور وہ نہج البلاغۃ میں پائے جاتے ہیں۔ ادھر تو صرف نفی رسالت کے طوفان کا مقابلہ کرنا تھا کوئی دوسرا شخص مدعی نبوت نہ تھا۔ ادھر مدعیان خلافت اور بھی پیدا ہو گئے لہٰذا امت کو جتانا ضروری ہوا کہ ہمارے سوا اور سب کے دعاوی باطل ہیں قرآن شریف کا کوئی جواب نہیں اسی طرح قرآن شریف کے بعد نہج البلاغۃ نے مدعیان خلافت کی زبان بند کر دی۔ کھسیانہ ہو کر کافروں کو قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کرنا پڑا۔ اسی طرح مدعیان خلافت کے ہوا خواہوں نے کوئی اور چارہ ہی نہ دیکھا سوائے اس کے کہ نہج البلاغۃ کو کلام علی ہونے سے انکار کریں۔ دونوں حالتوں میں دل قائل ہے۔ زبان سے انکار کرنا پڑتا ہے۔ مگر کفار قرآن مجید کا جواب پیدا نہ کر سکے۔ اور مدعیان خلافت کے وکلاء نہج البلاغۃ کا ثانی نہ دکھا سکے۔ اور یہ دونوں کتابیں بوجہ لاجواب و لاثانی ہونے کے اپنی صداقت کا آپ ہی ثبوت بن گئیں اور ثابت ہو گیا کہ

ع آفتاب آمد دلیل آفتاب

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مختلف کتب تاریخ و سیر میں نہج البلاغۃ کے مندرجہ خطبات و رسائل کے جستہ جستہ اقتباسات دوسری کتابوں میں اتنی کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ ان کے مطالعے کے بعد علامہ سید رضی کی طرف کسی بدگمانی کا وہم بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

وجہ (ب) خطبہ شقشقیہ۔

خطبہ شقشقیہ کے متعلق علامہ ابن ابی الحدید نے اپنے استاد ابوالخیر مصدق بن شبیب کا ایک واقعہ نقل کیا ہے:۔

واما قول ابن عباس ما اسفت علی کلام الی اخرہ فحدثنی شیخی ابو الخیر مصدق بن شبیب الواسطی فی سنۃ ثلاث وستمائۃ قال قرأت علی الشیخ ابی محمد عبد اللہ بن احمد المعروف بابن الخشاب ہذہ الخطبۃ فلما انتہیت الی ہذا الموضع قال لی لو سمعت ابن عباس یقول ہذا لقلت لہ وہل بقی فی نفس ابن عمک امر لم یبلغہ فی ہذہ الخطبۃ لتتاسف ان لایکون بلغ من کلامہ ما اراد واللہ ما رجع عن الاولین ولا عن الاخرین ولا بقی فی نفسہ احد لم یذکرہ الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال مصدق وکان ابن الخشاب صاحب دعابۃ وہزل قال فقلت لہ اتقول انہا منحولۃ فقال لا واللہ وانی لاعلم انہا کلامہ کما اعلم انک مصدق قال فقلت لہ ان کثیرا من الناس یقولون انہا من کلام الرضی رحمہ اللہ تعالی فقال انی للرضی ولغیر الرضی ہذا النفس وہذا الاسلوب قد وقفنا علی رسائل الرضی وعرفنا طریقتہ وفنہ فی الکلام المنثور وما یقع مع ہذا الکلام فی خل ولا خمر ثم قال واللہ لقد وقفت علی ہذا

الخطبة فی کتب صنفت قبل ان یخلق الرضی بمائتی سنة ولقد وجدتها مسطورة بخطوط اعرفها واعرف خطوط من هو من العلماء واهل الادب قبل ان یخلق النقیب ابو احمد والد الرضی قلت وقد وجدت انا کثیرا من هذه الخطبة فی تصانیف شیخنا ابی القاسم البلخی امام البغدادیین من المعتزلة وکان فی دولة المقتدر قبل ان یخلق الرضی بمدة طویلة ووجدت ایضا کثیرا منها فی کتاب ابی جعفر بن قبة احد متکلمی الامامیة وهو الکتاب المشهور المعروف بکتاب الانصاف وکان ابو جعفر هذا من تلامذة الشیخ ابی القاسم البلخی رحمه الله تعالی ومات فی ذلک العصر قبل ان یکون الرضی رحمه الله تعالی موجوداً۔

ابن ابی الحدید ۔ شرح نہج البلاغۃ المجلد الاول صفحہ ۶۹ ۔

ترجمہ :۔ اور ابن عباس کا قول کہ میں نے کسی کلام پر اتنا افسوس نہیں کیا جتنا اس خطبہ کے ناتمام رہ جانے پر مجھ سے میرے استاد ابوالخیر مصدق بن شبیب الواسطی نے ۶۰۳ھ ہجری میں بیان کیا، وہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے استاد شیخ ابو محمد عبداللہ بن احمد المعروف بابن الخشاب کے سامنے خطبہ شقشقیہ پڑھا جب میں اس مقام تک پہنچا تو ابن الخشاب نے کہا کہ اگر میں ابن عباس کو یہ کہتے ہوئے سنتا تو میں ان سے کہتا کہ تمہارے ابن عم یعنی علی ابن ابی طالب نے کون سی بات اس خطبہ میں نہیں کہی جس کی وجہ سے تم کو افسوس ہے کہ انہوں نے اس خطبہ کو وہاں تک کیوں نہ پہنچایا جہاں تک ارادہ کیا تھا۔ قسم بخدا انہوں نے اولین و آخرین میں سے سوائے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی کو نہ چھوڑا۔ جس کا ذکر نہ کیا ہو۔ مصدق کہتے ہیں کہ ابن الخشاب کو ذرا مزاح کی عادت تھی۔ مصدق کہتے ہیں۔ کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ تمہاری رائے میں یہ خطبہ موضوعہ ہے۔ ابن الخشاب نے کہا قسم بخدا ہرگز نہیں بلکہ مجھے اس کے کلام علی ہونے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات کا کہ تم مصدق ہو۔ مصدق نے کہا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ سید رضی کا کلام ہے۔ ابن الخشاب نے کہا کہ رضی یا رضی کے علاوہ کسی اور میں یہ قدرت اور یہ طرز بیان کہاں۔ ہم نے سید رضی کے خطوط دیکھے ہیں اور ان کے طرز نگارش کو پہچانتے ہیں۔ اس کو اس کلام سے کچھ تعلق ہی نہیں۔ خدا کی قسم میں نے اس خطبہ کو ان کتابوں میں دیکھا ہے جو رضی کی پیدائش کے دو سو سال پہلے تصنیف ہوئی تھیں اور میں نے اس کو ایسا علماء و ادباء کے خطوط میں لکھا پایا ہے جن کی تحریر کو میں پہچانتا ہوں اور وہ ابو احمد نقیب والد رضی کی پیدائش سے بہت پہلے کے تھے۔ علامہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں نے اس خطبہ کا بہت بڑا حصہ شیخ ابوالقاسم بلخی بغدادی کی تصانیف میں دیکھا ہے جو سید رضی کی پیدائش سے پہلے مقتدر باللہ عباسی کے زمانہ میں تھے۔ نیز اکثر اجزاء اس کے ابو جعفر بن قبہ کی کتاب الانصاف

میں دیکھے ہیں۔ یہ فرقہ امامیہ کے متکلم تھے اور شیخ ابو القاسم بلخی کے تلامذہ میں سے تھے اور اس بیچ ز مانہ میں ان کا انتقال ہو گیا قبل اس کے کہ سید رضی عالم وجود میں آئے۔

ابو السعادات مبارک مجد الدین ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ نے اپنی کتاب نہایہ فی غریب الحدیث والاثر میں اس خطبہ شقشقیہ کے پندرہ الفاظ کو اس خطبہ سے لے کر ان کی تفسیر کی ہے۔ دونوں کی عبارتیں ایک دوسرے کے سامنے رکھنے سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے۔

خطبہ شقشقیہ۔ طفقت ارتأی بین ان اصول بید جذاء او اصبر علی طخیۃ عمیاء۔

نہایۃ۔ لغت۔ (جذ) منہ حدیث علی اصول بید جذاء یروی بالحاء المھملہ (حذذ) وحدیث علی اصول بید جذاء یروی بالجیم وکانھا بالجیم اشبہ

خطبہ شقشقیہ۔ فصاحبھا کراکب الصعبۃ ان اشنق لھا خرم وان اسلس لھا تقحم

نہایۃ۔ لغت۔ (اشنق) فی حدیث علی ان اشنق لھا خرم

خطبہ شقشقیہ۔ لکنی اسففت اذ اسفوا وطرت اذ طاروا۔

نہایۃ۔ لغت۔ (سفف) فی حدیث علی لکنی اسففت اذ اسفوا۔

خطبہ شقشقیہ۔ الی ان قام ثالث القوم نافجا حضنیہ بین نثیلہ ومعتلفہ۔

نہایت۔ لغت۔ (نفج) منہ حدیث علی نافجا (حضنیہ) ایضا لغت (نثل) فی حدیث علی بین نثیلہ ومعتلفہ

خطبہ شقشقیہ۔ قام معہ بنو ابیہ یخضمون مال اللہ خضمۃ الابل نبتۃ الربیع۔

نہایۃ۔ لغت۔ (خضم) فی حدیث علی فقام الیہ بنو ابیہ یخضمون مال اللہ خضمۃ الابل نبتۃ الربیع

خطبہ شقشقیہ۔ مجتمعین حولی کربیضۃ الغنم۔

نہایۃ۔ لغت۔ (ربض) منہ حدیث علی والناس حولی کربیضۃ الغنم۔

خطبہ شقشقیہ۔ ولکنھم حلیت الدنیا فی اعینھم وراقھم زبرجھا

نہایۃ۔ لغت۔ (حلا) فی حدیث علی لکنھم حلیت الدنیا فی اعینھم (زبرج) فی حدیث علی حلیت الدنیا فی اعینھم وراقھم زبرجھا

خطبہ شقشقیہ۔ اما والذی فلق الحبۃ وبرء النسمۃ۔

نہایۃ۔ لغت۔ (فلق) منہ حدیث علی والذی فلق الحبۃ وبرا النسمۃ (نسم) منہ حدیث والذی فلق الحبۃ وبرا النسمۃ۔

خطبہ شقشقیہ۔ ولالفیتم دنیاکم ھذہ ازھد عندی من عفطۃ عنز۔

نہایۃ۔ لغت۔ (عفط) فی حدیث علی ولکانت دنیاکم ھذہ اھون علی من عفطۃ عنز۔

خطبہ شقشقیہ۔ تلک شقشقۃ ھدرت ثم قرت۔

نہایۃ۔ لغت۔ (شقشقہ) منہ حدیث علی فی خطبۃ لہ تلک شقشقۃ ھدرت ثم قرت۔

مجدالدین فیروزآبادی نے کتاب "قاموس" میں لغت شقشقیہ میں اعتراف کیا ہے کہ خطبہ علویہ میں حضرت علی علیہ السلام نے ابن عباس کے جواب میں فرمایا:-

ھیھات ھیھات یا بن عباس تلک شقشقیہ ھدرت ثم قرت۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

لشقشقیہ بالکسر شیئ کالریہ یخرجہ البعیر من فیہ اذا ھاج والخطبۃ الشقشقیہ العلویہ لقولہ لابن عباس رضی اللہ عنہ لما قال لہ لو اطردت مقالتک من حیث افضیت یا ابن عباس ھیھات شقشقہ ھدرت ثم قرت۔

ترجمہ:- شقشقہ بکسر شین ایک چیز ہے جو اونٹ کے منہ سے غصہ اور ہیجان کے وقت باہر آتی ہے اور حضرت علی کا خطبہ شقشقیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب ابن عباس نے آپ سے خواہش کی کہ آپ اپنے کلام کو جاری کیجیے اس مقام سے کہ جہاں تک پہنچا تھا تو آپ نے فرمایا اب کہاں اے ابن عباس وہ ایک شقشقیہ یعنی جوش کا نتیجہ تھا جو بلند ہوا اور ختم ہوگیا۔

ابوالفضل احمد بن محمد ابراہیم نیشاپوری نے کتاب مجمع الامثال میں اعتراف کیا ہے کہ خطبہ شقشقیہ جناب امیر کا کلام ہے اور ملا محمد طاہر فتنی گجراتی نے اپنی کتاب مجمع بحار الانوار میں جو مطبع نولکشور لکھنؤ سے شائع ہوچکی ہے خطبہ شقشقیہ کے الفاظ نقل کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ یہ کلام جناب امیر کا ہے۔ حسن بن عبداللہ ابن مسعود عسکری عالم اہل سنت صاحب کتاب مواعظ و زواجر نے اس خطبہ کی شرح لکھی ہے۔

(منقول از التوضیحات التحقیقہ فی شرح خطبہ شقشقیہ تالیف مولوی سید علی اکبر ابن علامہ سلطان العلماء رضوان مآب جناب سید محمد صاحب صفحہ ۱۷)

شیخ الموحد ابن میثم نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ میں نے خطبہ شقشقیہ کو ایسے نسخہ میں دیکھا جس پر خط ابن الفراط وزیر مقتدر باللہ تھا جو کچھ اوپر ساٹھ برس قبل سید رضی کے تھا سبط ابن الجوزی نے یہ خطبہ شقشقیہ اپنی کتاب تذکرۃ خواص الامہ میں ابوالقاسم انباری سے اور اس نے باسناد خود عکرمہ سے نقل کیا ہے علاؤالدولہ سمنانی نے کتاب عروۃ الوثقیٰ میں اعتراف کیا ہے کہ خطبہ شقشقیہ کلام جناب امیر علیہ السلام ہے۔

وجہ (ج دی) ضمناً ان وجوہ پر اوپر بھی گفتگو ہوچکی ہے کسی اور عالم یا مصنف کی طرز گفتگو اور اسلوب تحریر نہج البلاغہ کی عبارت سے نہیں ملتا۔ اس کتاب کو چند لوگوں نے سید رضی کی طرف منسوب کیا ہے انکی اور بھی تو کتابیں ہیں مثلاً مجازات النبی و خصائص الائمہ، حقائق التنزیل وغیرہ موجود ہیں۔ انکی طرز تحریر و اسلوب زبان کا مقابلہ نہج البلاغہ سے کرلو۔ زمین و آسمان کا فرق پاؤ گے۔

وجہ (کا) علامہ سید رضی کی جلالت و رفعت و امانت و دیانت و صداقت و حقانیت کے دوست و دشمن قائل ہیں اور ان کے زمانہ کے بعد کے علماء اہلسنت ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں ان کا

دار السلام بغداد میں جو اس زمانہ میں سنیت کے فقہ و حدیث کا مرکز تھا۔ اس عزت کے ساتھ رہنا اور خلیفہ کیطرف سے نقابت اشراف کا جلیل القدر منصب ملنا ان کی مسلمہ رفعت شان کی کافی دلیل ہے انکی نسبت یہ خیال کس قدر حقیقت سے دور اور تنگ نظری کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے ایک پوری کتاب تصنیف کر کے ایک تاریخی و مذہبی اعلی ہستی یعنی حضرت علی کی طرف کذباً منسوب کر دی گویا حضرت علی پر بہتان و افترا باندھا کسی شیعہ عالم سے یہ بعید ہے کہ حضرت علی پر کسی قسم کا بہتان باندھے، کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضرت علی تو حضرات شیخین کی خلافت کو خلافت حقہ سمجھیں اور اپنی موجودگی میں ان کو اپنے سے بہتر خلافت کا حقدار قرار دیں اور ایک جید شیعہ عالم یہی نہیں کہ اس کے خلاف اعتقاد رکھے بلکہ ایسے کلمات خود تصنیف کر کے حضرت علی کی طرف منسوب کر دے۔ جو ان کا کلام نہ ہو اور ان کے اعتقاد کے خلاف ہو حضرت علی تو طلحہ و زبیر کو اچھا سمجھیں اور شیعہ علی ان کی طرف سوءظن رکھے یہ کیونکر ہو سکتا ہے شیعوں کو ان حضرات سے کوئی ذاتی بغض و عناد وجہ تنازعہ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے ان کی محبت و نفرت تو حضرت علی کی محبت و نفرت کے تابع ہے سید رضی جیسا عالم ایسی جعل سازی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ابو منصور عبد الملک بن محمد الثعالبی جو سید رضی کا معاصر تھا (ولادت سنہ ۳۵۰ ہجری وفات سنہ ۴۲۹ ہجری) اپنی کتاب یتیمۃ الدہر فی محاسن اہل العصر میں لکھتا ہے

الباب العاشر فی ذکر الشریف ابی الحسن الموسوی النقیب وعنه رمن شعره هو محمد بن الحسین بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراهیم بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کرم الله وجوههم و مولده ببغداد سنة تسع و خمسین ثلثمائة وابتداء بقول الشعر بعد ان جاوز العشر سنین بقلیل و هو ابوع انشا الزمان وانجب سادة العراق یتحلی مع محتده الشریف ومفخرة المنیف بادب ظاهر و فضل باهر وحظ ومن جمیع المحاسن وافر ثم هو اشعر الطالبین من مضی منهم و موغیر علی کثرة شعرائهم لنغلقین کالحمانی وابن طباطبا وابن الناصر وغیرهم ولو قلت انه اشعر قریش لما بعد عن الصدق وشیشهد بما اجریه من ذکره شاهد عدل من شعره العالی القدح الممتنع عن القدح الذی یجمع الی السلاسة متانة والی السهولة رصانة ویشتمل علی معان یقرب جناها ویبعد مداها۔

ترجمہ۔ دسواں باب در ذکر شریف ابو الحسن الموسوی نقیب اشراف و در ذکر اشعار آنجناب۔ ان کا نسب یہ ہے محمد ابن حسین بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب۔ خداوند تعالی ان کے چہروں کو مکرم کرے۔ یہ بغداد میں سنہ ۳۵۹ ہجری میں پیدا ہوئے تھے، ابھی آپکا سن دس برس سے کچھ ہی متجاوز ہوا ہو گا کہ آپ نے شعر کہنے شروع کر دئے، علم و فضل میں اپنے تمام اہل زمانہ سے بڑھے ہوئے اور عراق کے سادات میں سب سے زیادہ شریف و نجیب تھے، آپ ادب کامل اور ظاہر

آراستہ تھے، اور بغیر فضائل و رشد سے تمام نیکیوں میں سے آپ کو بڑا حصہ ملا ہوا تھا۔ علویین میں سے سب سے زیادہ
شاعر تھے مثل حمانی و ابن طباطبا و ابن الناصر وغیرہم کے اور اگر میں یہ کہوں کہ تمام قریش سے بہتر شعر کہنے والے تھے تو
یہ سچائی سے بعید نہ ہوگا۔ اور جو میں کہتا ہوں اس پر گواہی دیتے ہیں ان کے تر و تازہ اشعار جن پر کوئی نکتہ چینی نہیں
ہو سکتی جو اپنے میں سلاست و متانت لئے ہوتے ہیں۔ اور جو اپنے میں معانی کثیرہ پنہاں رکھتے ہیں۔"

ایسا شخص کذب و بہتان و افترا اور وہ بھی جناب امیر پر کس طرح کر سکتا ہے۔ ہمعصر لوگ اکثر ایک
دوسرے سے حسد کرتے ہیں اور جب ہمعصر عالم دوسرے عالم کی اس قدر تعریف کرے تو پھر قیاس کیا جا
سکتا ہے کہ ممدوح کا درجہ کتنا بلند ہوگا۔ ہمعصر سے زیادہ کون سید رضی کو جان سکتا تھا۔ علامہ شمس الدین
ابو العباس احمد بن محمد المعروف ابن خلکان اپنی کتاب وفیات الاعیان فی انباء ابناء الزمان میں
اس سے بھی زیادہ سید رضی کی تعریف لکھتا ہے۔ دیکھو وفیات الاعیان الجزء الرابع صفحہ ۴۴ ترجمہ ۶۲۹ اور نیز
علامہ ابو محمد عبد اللہ بن اسعد الیافعی الیمنی نے اپنی کتاب مرآۃ الجنان و عبرۃ الیقظان میں در ذکر ۴۰۶
ہجری آپ کو مدح بلیغ سے یاد کیا ہے ان سب میں فقرہ حظ من جمیع المحاسن موجود ہے ابو الحسن الباخرزی
متوفی ۴۶۷ھ کی کتاب دمیۃ القصر و عصرۃ اہل العصر میں سید رضی کی بہت تعریف لکھی ہوئی ہے۔ جس
شخص کی تعریف اس کے زمانہ کے لوگ اس طرح کریں اس پر تین سو برس کے بعد افترا و کذب بہتان کا
شبہ پیدا کرنا ابن خلکان کے لئے جائز نہ تھا۔ خصوصاً جب کہ وہ خود ان کے محاسن و فضائل کا معترف ہے۔

وجہ (د) نہج البلاغۃ میں تو صرف اشارے و کنایہ ہی ہیں۔ اگرچہ وہ اشارے و کنایہ بہت فصیح و
بلیغ ہیں۔ کتب شیعہ اور بہت سی ہیں جن میں ان امور کو نہایت صراحت کے ساتھ عمدہ دلائل و منطق کی بنا پر
بیان کیا ہے ان کی موجودگی میں ان اشاروں کی ضرورت نہ تھی۔ اور حضرت علی پر الزام و بہتان باندھنا بالکل غیر ضروری تھا

وجہ (ھ) سید رضی علیہ الرحمۃ کا سال پیدائش سنہ ۳۵۹ ہجری وفات سنہ ۴۰۶ ہجری تھا۔ ان کے
زمانہ میں بے شمار علماء و فقہا محققین اہل سنت کے بغداد میں موجود تھے۔ مورخین و محققین نے بہت سی
کتابیں صرف اس کے زمانہ کے لوگوں کے حالات میں لکھی ہیں اگر نہج البلاغۃ جعلی و بناوٹی ہوتی تو اسی
وقت فوراً اہل علم میں شور پڑ جاتا اور پھر سید رضی کو علماء میں منہ دکھانا دشوار ہو جاتا۔ ان کے معاصر ان کی وہ
تعریف نہ کرتے جو انہوں نے کی ہے۔ بلکہ سب سے پہلے یہ لکھتے کہ انہوں نے ایک جعلی و بناوٹی کتاب بنائی
ہے برعکس اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے ہمعصر محققین ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور
ایک فقرہ ان کے خلاف نہیں کہا جاتا۔ یہاں تک کہ ان کا تشیع بھی ان کے زہد و ورع و صداقت و
محاسن کے منافی نہیں سمجھا گیا۔ سب سے پہلے ابن خلکان کہ سن پیدائش ۶۰۸ ہجری سن وفات ۶۸۱ ہجری
نے اس اعتراض کے امکان کو بیان کیا ہے۔ اس کی تحریرات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود تو نہج البلاغۃ
کو کلام جناب امیر علیہ السلام مانتا ہے صرف بعض لوگوں کا امکانی اعتراض نقل کر دیتا ہے اور وہ بھی محض اس

بنا پر کہ اس میں حضرات ثلاثہ وطلحہ وزبیر وغیرہ پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔

اب جبکہ اچھی طرح ثابت ہو گیا۔ کہ کتاب نہج البلاغۃ ساری کی ساری کلام جناب امیر المومنینؑ ہے۔ اور نیز یہ کہ خطبہ شقشقیہ بھی جو اس میں درج ہے۔ وہ بھی کلام جناب امیرؑ ہے۔ تو اب ہم اس خطبہ کو یہاں نقل کرتے ہیں۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ جناب امیر علیہ السلام اپنے تئیں خلیفہ بلافصل رسول اللہ منصوص من اللہ و رسولہ سمجھتے تھے اور جن لوگوں نے خلافت پر آپ کی موجودگی میں قبضہ کر لیا تھا۔ اُن کو خاطی و ظالم جانتے تھے۔

خُطْبَۂ شِقْشِقِیَّہ

اَمَا وَاللّٰہِ لَقَدْ تَقَمَّصَہَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ وَاِنَّہٗ لَیَعْلَمُ اَنَّ مَحَلِّیْ مِنْہَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحٰی یَنْحَدِرُ عَنِّی السَّیْلُ وَلَا یَرْقٰی اِلَیَّ الطَّیْرُ فَسَدَلْتُ دُوْنَہَا ثَوْبًا وَطَوَیْتُ عَنْہَا کَشْحًا وَطَفِقْتُ اَرْتَئِیْ بَیْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّاءَ اَوْ اَصْبِرَ عَلٰی طَخْیَۃٍ عَمْیَاءَ یَہْرَمُ فِیْہَا الْکَبِیْرُ وَیَشِیْبُ فِیْہَا الصَّغِیْرُ وَ یَکْدَحُ فِیْہَا مُؤْمِنٌ حَتّٰی یَلْقٰی رَبَّہٗ۔ فَرَاَیْتُ اَنَّ الصَّبْرَ عَلٰی ہَاتَا اَحْجٰی فَصَبَرْتُ وَفِی الْعَیْنِ قَذًی وَفِی الْحَلْقِ شَجًا اَرٰی تُرَاثِیْ نَہْبًا حَتّٰی مَضَی الْاَوَّلُ لِسَبِیْلِہٖ فَاَدْلٰی بِہَا اِلَی ابْنِ الْخَطَّابِ بَعْدَہٗ ثُمَّ تَمَثَّلَ بِقَوْلِ الْاَعْشٰی ؎

شَتَّانَ مَا یَوْمِیْ عَلٰی کُوْرِہَا وَیَوْمُ حَیَّانَ اَخِیْ جَابِرٍ

فَیَا عَجَبًا بَیْنَا ہُوَ یَسْتَقِیْلُہَا فِیْ حَیَاتِہٖ اِذْ عَقَدَہَا لِاٰخَرَ بَعْدَ وَفَاتِہٖ لَشَدَّ مَا تَشَطَّرَا ضَرْعَیْہَا فَصَیَّرَہَا فِیْ حَوْزَۃٍ خَشْنَاءَ یَغْلُظُ کَلْمُہَا وَیَخْشُنُ مَسُّہَا وَیَکْثُرُ الْعِثَارُ فِیْہَا وَالْاِعْتِذَارُ مِنْہَا فَصَاحِبُہَا کَرَاکِبِ الصَّعْبَۃِ۔ اِنْ اَشْنَقَ لَہَا خَرَمَ وَاِنْ اَسْلَسَ لَہَا تَقَحَّمَ فَمُنِیَ النَّاسُ لَعَمْرُ اللّٰہِ بِخَبْطٍ وَشِمَاسٍ وَتَلَوُّنٍ وَاعْتِرَاضٍ فَصَبَرْتُ عَلٰی طُوْلِ الْمُدَّۃِ وَشِدَّۃِ الْمِحْنَۃِ حَتّٰی اِذَا مَضٰی لِسَبِیْلِہٖ جَعَلَہَا فِیْ جَمَاعَۃٍ زَعَمَ اَنِّیْ اَحَدُہُمْ فَیَا لَلّٰہِ وَلِلشُّوْرٰی مَتَی اعْتَرَضَ الرَّیْبُ فِیَّ مَعَ الْاَوَّلِ مِنْہُمْ حَتّٰی صِرْتُ اُقْرَنُ اِلٰی ہٰذِہِ النَّظَائِرِ لٰکِنِّیْ اَسْفَفْتُ اِذْ اَسَفُّوْا وَطِرْتُ اِذْ طَارُوْا فَصَغٰی رَجُلٌ مِّنْہُمْ لِضِغْنِہٖ وَمَالَ الْاٰخَرُ لِصِہْرِہٖ مَعَ ہَنٍ وَہَنٍ اِلٰی اَنْ قَامَ ثَالِثُ الْقَوْمِ نَافِجًا حِضْنَیْہِ بَیْنَ نَثِیْلِہٖ وَمُعْتَلَفِہٖ وَقَامَ مَعَہٗ بَنُوْ اَبِیْہِ یَخْضَمُوْنَ مَالَ اللّٰہِ خَضْمَۃَ الْاِبِلِ نِبْتَۃَ الرَّبِیْعِ اِلٰی اَنِ انْتَکَثَ فَتْلُہٗ وَاَجْہَزَ عَلَیْہِ عَمَلُہٗ وَکَبَتْ بِہٖ بِطْنَتُہٗ فَمَا رَاعَنِیْ اِلَّا وَالنَّاسُ کَعُرْفِ الضَّبُعِ اِلَیَّ یَنْثَالُوْنَ عَلَیَّ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ۔ حَتّٰی لَقَدْ وُطِئَ الْحَسَنَانِ وَ شُقَّ عِطْفَایَ مُجْتَمِعِیْنَ حَوْلِیْ کَرَبِیْضَۃِ الْغَنَمِ۔ فَلَمَّا نَہَضْتُ بِالْاَمْرِ نَکَثَتْ طَائِفَۃٌ وَمَرَقَتْ اُخْرٰی وَقَسَطَ اٰخَرُوْنَ کَاَنَّہُمْ لَمْ یَسْمَعُوْا کَلَامَ اللّٰہِ حَیْثُ یَقُوْلُ (تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُہَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ) بَلٰی وَاللّٰہِ

لَقَدْ سَمِعُوْهَا وَوَعَوْهَا وَلٰكِنَّهُمْ حَلِيَتِ الدُّنْيَا فِيْ أَعْيُنِهِمْ وَرَاقَهُمْ زِبْرِجُهَا أَمَا
وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ لَوْلَا حُضُوْرُ الْحَاضِرِ وَقِيَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ
وَمَا أَخَذَ اللّٰهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ أَنْ لَا يُقَارُّوْا عَلٰى كِظَّةِ ظَالِمٍ وَلَا سَغَبِ مَظْلُوْمٍ لَأَلْقَيْتُ
حَبْلَهَا عَلٰى غَارِبِهَا وَلَسَقَيْتُ آخِرَهَا بِكَأْسِ أَوَّلِهَا وَلَأَلْفَيْتُمْ دُنْيَاكُمْ هٰذِهٖ أَزْهَدَ عِنْدِيْ
مِنْ عَفْطَةِ عَنْزٍ (قَالُوْا) وَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ السَّوَادِ عِنْدَ بُلُوْغِهٖ إِلٰى هٰذَا
الْمَوْضِعِ مِنْ خُطْبَتِهٖ فَنَاوَلَهٗ كِتَابًا فَأَقْبَلَ يَنْظُرُ فِيْهِ قَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ
اللّٰهُ عَنْهُمَا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَوِ اطَّرَدْتَ خُطْبَتَكَ مِنْ حَيْثُ أَفْضَيْتَ فَقَالَ
هَيْهَاتَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ تِلْكَ شِقْشِقَةٌ هَدَرَتْ ثُمَّ قَرَّتْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَوَاللّٰهِ
مَا أَسِفْتُ عَلٰى كَلَامٍ قَطُّ كَأَسَفِيْ عَلٰى هٰذَا الْكَلَامِ أَنْ لَا يَكُوْنَ أَمِيْرُ
الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَلَغَ مِنْهُ حَيْثُ أَرَادَ۔

ترجمہ۔خدا کی قسم خلافت کو ابوبکر نے (تنگ) کرتہ کی طرح (کھینچ تان کر) پہن لیا۔حالانکہ وہ جانتے
تھے کہ میرا مرتبہ اس میں ایسا ہے۔ جیسا کیلی کا چکی میں (کہ بغیر اسکے چکی چل نہیں سکتی) سیل
(حکمت و علم وہدایت) مجھ ہی سے گر گر نیچے آتا ہے اور میرے مرتبہ کی بلندی تک پرندہ بھی پر نہیں
مار سکتا۔ (باوجود ان سب باتوں کے) میں نے پردہ صبر گرا لیا اس سے پہلو تہی کر لی اور سوچنے
لگا کہ آیا (اپنے) دست بریدہ سے حملہ کر بیٹھوں یا اس اندھیر پر صبر کر لوں جس کے صدمہ میں بڑے
تو ضعیف اور چھوٹے بوڑھے ہو جائیں۔ اور مومن رنج و صدمہ اٹھاتا رہے یہاں تک کہ اپنے رب
سے ملاقات کرے تو مجھے اس (مصیبت) پر صبر ہی مناسب معلوم ہوا۔ لہذا میں نے صبر کیا (مگر) اس
طرح کہ اس صدمہ سے گویا میری آنکھ میں خس و خاشاک پڑا تھا اور حلق میں ہڈی پھنسی تھی۔ میں اپنی میراث
(خلافت) کو لٹتی ہوئی دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ پہلے صاحب نے تو اپنی راہ لی اور اپنے بعد اس
خلافت کو عمر بن خطاب کی طرف جھونک گئے (پھر مثال الاعشیٰ کا یہ شعر پڑھا) کہاں میرا یہ دن کہ اپنے ناقہ
کی پشت پر مارا مارا پھرتا ہوں اور کہاں وہ دن کہ حیان برادر جابر کے ساتھ بسر ہوا۔ پس عجب یا تو وہ (ابوبکر)
اپنی زندگی ہی میں اس سے استعفیٰ دیتے تھے یا مرنے کے بعد بھی نہ چھوڑا دوسرے صاحب سے جکڑتے گئے۔ اف
(ناقہ خلافت کی دونوں پستانوں کا ہر دو نے کس شدت سے دودھ دوہ لیا) غرض (ابوبکر نے) اس (خلافت) کو ایک
درشت مزاج کے حوالے کر دیا جس کا زخم گہرا اور جس کا چھونا تک ناگوار ہوتا تھا جس میں لغزشیں بہت تھیں
اور پھر عذر گناہ بھی بکثرت تھا۔ پس ایسا آدمی اس شخص کی مثل ہے جو سرکش ناقہ پر سوار ہو کہ اگر مہار کھینچتا ہے تو نکیل نکل
آتی ہے اور اگر مہار ڈھیلی کرتا ہے تو منہ کے بل گر پڑتا ہے (پس بخدا) یہاں بھی لوگ (اونٹ کے) بھٹکنے سرکشی کرنے رنگ بدلنے
اور ٹیڑھا چلنے کی طرح برے (اوصاف) میں مبتلا ہو گئے تھے۔ لہذا میں نے بھی اس طویل مدت اور شدید محنت پر صبر کیا یہاں تک کہ جب

دوسرے صاحب بھی دنیا سے سدھارے تو اس (خلافت) کو ایک ایسی جماعت کے حوالہ کر دیا جس
میں اس کے خیال کے بموجب میں بھی شامل تھا (حالانکہ) اصلی اثر و اقتدار دوسروں کو دے دیا تھا
بار الٰہا شوریٰ کو کیا ربط۔ میری حق خلافت میں خلیفۂ اول کے مقابلہ میں بھی کب شک ہوا تھا جو اب
میں ان میں شامل کیا جانے لگا۔ مگر خیر (میں ان کے ساتھ رہا) یہ نیچے ہوئے تو میں بھی نیچے ہو گیا۔ یہ
اوپر اڑے تو میں بھی اوپر اڑا۔ پس جب شوریٰ ہوا تو ان کا ایک شخص (سعد) تو اپنے قدیم کینہ کے
سبب سے (مجھ سے) منحرف ہو گیا اور دوسرا (عبدالرحمٰن) اپنے سسرالی رشتہ دار عثمان اور چند دوسرے
لغو اور بیہودہ وجوہ کے سبب سے پھر گیا۔ تا اینکہ تیسرے صاحب دونوں پہلوؤں کو آنتوں اور معدہ کے
درمیان پھیلائے ہوئے قائم ہوئے۔ اور انکے ساتھ انکے خاندانی رشتہ دار اٹھ کھڑے ہوئے۔ جو مال خدا
کو اس طرح کھائے جاتے تھے جس طرح اونٹ فصل بہار کی ہری دوب کو کھاتا ہے تا اینکہ انکی
ان کا بھی تار و پود ٹوٹ گیا۔ انکے عمل (ناشائستہ) نے انکا کام تمام کر دیا۔ اور انکی بے جا شکم پری نے
انکو لے ڈالا تو مجھے اس سے نہایت حیرت ہوئی کہ لوگ مجھ پر بجو کے بال کی طرح ازدحام کرنے لگے
اور ہر طرف سے مجھ پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ یہانتک کہ اسی ہجوم میں حسن و حسین کچلے گئے اور میرے دونوں
پہلو شکستہ ہو گئے۔ گلہ گوسفند کی طرح سب میرے گرد جمع ہوئے تھے۔ پس جب (مجبور ہو کر) میں حکومت
پر قائم ہوا۔ تو ایک جماعت نے عہد شکنی کر لی اور دوسری دین سے خارج ہو گئی۔ اور جو کچھ اور لوگ نافرمان ہو
بیٹھے گویا ان لوگوں نے کلام خدا سنا ہی نہ تھا۔ جو فرماتا ہے کہ اس آخرت کے گھر کو ہم نے ان کے لئے مہیا کیا
ہے جو زمین میں نہ سرکشی کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد کیونکہ عاقبت (کی بھلائی) صرف پرہیزگاروں ہی کیلئے ہے
مگر نہیں اس آیت کو انہوں نے بخدا سنا ہے اور انہیں یاد بھی ہے مگر دنیا انکی آنکھوں میں بھلی معلوم ہوئی
اور اسکی زینت نے انہیں لبھایا۔ رہا میرے متعلق تو آگاہ ہو قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ اور روح کو پیدا
کیا۔ اگر حاضرین مجھے نہ گھیر لیتے اور مددگاروں کے ظاہر ہو جانے سے حجت خدا (مجھ پر) نہ قائم ہو جاتی اور خدا نے
علماء سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ ظالم کی سیری اور مظلوم کی بھوک پر (کسی طرح) قرار نہ لیں تو میں اس ناقہ خلافت کی
مہار اسکے کوہان پر چھوڑ دیتا۔ اور اس خلافت کے آخری حصہ کو بھی اسکے اول کے حصہ ہی کی طرح کاسۂ نفرت
علیحدگی سے سیراب کرتا۔ اور تم لوگ اپنی اس دنیا کو میری نظروں میں بکرے کی ناک کے پانی سے بھی زیادہ بے حقیقت
پاتے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت خطبہ میں اس مقام تک پہنچے تو اہل عراق میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور آپ کی
خدمت میں ایک خط پیش کیا جسکے دیکھنے میں آپ مشغول ہو گئے (جب فارغ ہو گئے تو عبداللہ ابن عباس
نے آپ سے کہا کہ اے امیر المومنین آپ نے جہاں سے اپنا خطبہ چھوڑا تھا۔ کاش وہاں سے پھر بیان فرماتے تو ارشاد فرمایا
افسوس ابن عباس۔ یہ اونٹ کا ہیجان تھا جو جوش میں اٹھا اور پھر فرو ہو گیا ابن عباس کہتے ہیں کہ خدا کی قسم مجھ کو

دفن کرنا چاہا تو مانع ہوئیں یہ اسی ہی مقرر و طے شدہ اصول کے مطابق تھا کہ جہاں تک ہو سکے۔ اہل بیت
رسول کو لوگوں کی نظروں سے گرایا جائے اور انکے مقابل میں کارکنان حکومت سقیفہ کی شان کو دوبالا
کیا جائے۔ اگر دنیا کی ساری تاریخ کی کتابیں دریا برد ہو جائیں۔ اگر تمام کتب اخبار و روایات کو جھوٹا
سمجھا جائے تب بھی جو باقی رہے گا اس سے اہل بیت ختم المرسلین کی مظلومیت اور حکام وقت کے ظلم
وجور کی داستان بہت اچھی طرح مرتب ہو سکتی ہے کچھ نہیں تو خاموش عمارتیں، ویران قبرستان ہی اپنی
زبان میں اس قصہ کو دہرائیں گے۔ اہل بصیرت کے لئے یہ کتنا عبرت آموز سبق ہے کہ قبر رسول کے پاس
اسکے کسی خاندان والے کی قبر نہیں ہے اس کی پیاری بیٹی چھ مہینے کے اندر یہ دہائی دیتی ہوئی دنیا سے
جاتی ہے کہ میں تم دونوں کی شکایت اپنے باپ سے کروں گی۔ ایک خاموش تنہا جنازہ رات کو علی کے گھر سے
نکلتا ہے اور مسلمانوں کے عام قبرستان میں رسول کی پیاری بیٹی دفن کی جاتی ہے جس کی جدائی رسولؐ کو
گوارا نہ تھی۔ کسی مہم پر باہر جانا ہوتا تھا تو سب سے آخر خانۂ فاطمہؑ پر اپنی بیٹی سے رخصت ہونے آتے
تھے۔ اور جب واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی سے ملتے تھے۔ اس بیٹی کو اجازت
نہیں ملتی کہ اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہو۔ کہا جائے گا کہ انکی وصیت ہی یہ تھی کہ رات کو جنازہ نکلے
اور عام مسلمانوں کے گورستان میں دفن ہو لیکن یہ وصیت ہی اپنے میں ایک طویل داستان غم
مضمر رکھتی ہے کون پیاری بیٹی نہیں چاہتی کہ اپنے پیارے باپ کے پہلو میں دفن ہو مگر جب دختر
رسول نے دیکھا کہ میرے باپ کی قبر دشمنوں کے قبضہ میں ہے اور اگر میرے شوہر نے کوشش کی تو
جنگ وجدال کی نوبت آ جائے گی تو مظلوموں کے خاندان کی اس پہلی شہیدہ نے صبر کی تلقین اس
وصیت کی صورت میں کی۔ وصیت یہ بھی تھی کہ میرے دشمن میرے جنازہ پر نہ آئیں مگر جانتی تھیں
کہ اگر دن کو جنازہ اٹھا اور ان کو معلوم ہو گیا۔ تو وہ اپنی عادت ظلم وجور نہ چھوڑیں گے اور جبراً آ جائیں گے
لہذا رات کو دفن کرنے کی وصیت کی۔ واقعات آئندہ نے بتا دیا کہ ان کا خیال صحیح تھا ایک اور شہید نے
یہ اتمام حجت بھی کر کے دیکھ لیا۔ پیارے نواسے کا جنازہ اس کی وصیت کے مطابق اپنے نانا کی قبر کی
طرف روانہ ہوتا ہے۔ لیکن نانا کی زوجہ محترمہ اور جماعت حکومت کے زعم کے مطابق آیۂ تطہیر کی وارثہ مانع
ہوتی ہیں اور نواسے کو نانا کے پہلو میں دفن نہیں ہونے دیتیں اور جنازہ پر تیر برسائے جاتے ہیں واقعات
نے بتا دیا کہ دونوں حسنؑ اور عائشہ ایک چادر تطہیر کے اندر آنے کے قابل نہیں، یا حسنؑ باہر رہیں گے
یا حضرت عائشہ۔ اس کا فیصلہ مسلمان خود اپنے دل ہی کر لیں کہ کون باہر رہے گا۔ ہم صرف اتنا اشارہ
کئے دیتے ہیں کہ آیۂ مباہلہ اور حدیث رسول سید اشباب اہل الجنۃ کو بھی یاد رکھیں اور آیۂ صغت قلوبکما
حدیث کلاب حواب دواقعات جمل کو بھی نظر سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ ہاں ہم
کہہ رہے تھے کہ خاموش قبرستان ہی اپنی کہانی بتا رہے ہیں۔ قبر رسول کے اردگرد نہ تو ان کی اولاد اور

کبھی کسی کلام پر اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا اس کلام پر ہوا کہ امیرالمومنین نے اپنے کلام کو وہاں تک کیوں نہ پہنچایا جہاں تک مقصود تھا"

اس خطبے میں بہت سے اہم امور مضمر ہیں جتنا انسان اس خطبہ پر غور کرتا ہے اس سے راز ہائے سربستہ کھلتے جاتے ہیں جناب امیر نے بہت سے حالات کے نقشے اس میں کھینچے ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ آپ نے کن حالات کے اندر بیعت لینی منظور کی اور لوگوں کو آپ سے بیعت کرنے کا کتنا شوق تھا۔ آپ نے کسی مبالغہ سے کام نہیں لیا ہے یہ تاریخی واقعہ ہے اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہے

علامہ ابن اثیر جزری اپنی تاریخ الکامل میں لکھتے ہیں:-

فغشی الناس علیا فقالوا نبایعك فقد تری ما نزل بالاسلام وما ابتلینا به من بین القری فقال علی دعونی والتمسوا غیری فانا مستقبلون امرا له وجوه وله الوان لاتقوم به القلوب و لاتثبت علیه العقول فقالوا ننشدك الله الاتری ما نحن فیه الاتری الاسلام الاتری الفتنة الاتخاف الله فقال قد اجبتکم و اعلموا انی ان اجبتکم رکبت بکم ما اعلم وان ترکتمونی فانما انا کاحدکم الا انی من اسمعکم و اطوعکم لمن ولیتموہ۔

پس سب نے جناب امیر کو گھیر لیا اور کہا کہ ہم آپ ہی کی بیعت کرینگے آپ دیکھ رہے ہیں جو مصیبت ہم پر اور اسلام پر پڑی ہے آپ نے فرمایا ہم کو چھوڑ دو دوسرے کو تلاش کرو کیونکہ مجھ کو ایسے آگے آنے والے امور نظر آتے ہیں جن کے بہت سے رُخ اور بہت سے رنگ ہیں کہ نہ کوئی دل ان کا متحمل ہو سکتا ہے۔ اور نہ عقلیں اس میں سلیم رہ سکتی ہیں سب نے کہا کہ ہم آپکو خدا کی قسم دیتے ہیں کیا آپ اس فتنہ کو نہیں دیکھتے۔ جس میں ہم مبتلا ہیں کیا آپ کو اسلام پر رحم نہیں آتا کیا آپ اس فتنہ عظیم کا خیال نہیں کرتے کیا خدا سے نہیں ڈرتے۔ تب جناب امیر نے فرمایا اچھا میں قبول کر لیتا ہوں۔ لیکن یہ سمجھ رکھو کہ میں اس کو قبول کر کے اپنے علم کے مطابق کام کروں گا۔ اور اگر مجھ کو چھوڑ دو گے تو میں مثل تمہارے ہوں گا۔ جس کو تم خلیفہ بناؤ گے میں اس کی تم سے زیادہ اطاعت کروں گا۔

ابن الاثیر جزری:- تاریخ الکامل الجزء الثالث صفحہ ۷۵، حسین دیار بکری:- تاریخ الخمیس الجزء الثانی صفحہ ۳۰۸۔ مورخ طبری لکھتا ہے۔

فاختلفوا الیه بعد ما قتل عثمان رضی الله عنه مرارا ثم اتوہ فی اخر ذلك فقالوا له انه لایصلح الناس الا بامرة وقد طال الامر فقال لهم قد اختلفتم الی واتیتم وانی قائل لکم قولا ان قبلتموہ قبلت امرکم والا

لوگ برابر قتل عثمان کے بعد حضرت علی کو آن کو گھیرا کرتے تھے۔ پھر سب اکٹھے ہو کر آخری مرتبہ آئے تو کہا کہ بغیر خلافت کے لوگوں کی حالت درست نہیں رہ سکتی اور اب بہت دیر ہو گئی ہے پس حضرت علی نے فرمایا کہ تم لوگ بار بار میرے پاس آتے رہے اب میں ایک

فلا حاجة لی فیه قالوا وما تلت من شیئ فقبلناه انشاء الله فجاء فصعد المنبر فاجتمع الناس الیه فقال انی قد کنت کارها لامرکم فابیتم الا ان اکون علیکم الا وانه لیس لی امر دونکم الا ان مفاتیح مالکم معی الا وانه لیس لی ان اخذ منه درهما دونکم رضیتم قالوا نعم قال اللهم اشهد علیهم ثم بایعهم علی ذالک۔

بات کہتا ہوں اگر تم نے مانا تو میں خلافت قبول کر دوں گا ورنہ مجھے ضرورت نہیں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ جو بھی فرمائیں گے ہم مان لیں گے۔ پس حضرت منبر پہ تشریف لے گئے۔ اور لوگوں نے آپکو گھیر لیا پھر حضرت نے فرمایا کہ لوگو! میں تمہاری خلافت و حکومت سے متنفر تھا مگر تم لوگ نہ مانے پس میں حاکم ہو کر تم سے زیادہ کوئی حق نہیں حاصل کروں گا سوائے اس کے کہ بیت المال کی کنجیاں تو میرے پاس رہیں گی اور اس میں سے ایک درہم بھی تم لوگوں کے حصہ سے زیادہ نہ لوں گا۔ نہ تم میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دوں گا۔ پس کیا تم لوگ اس کو پسند کرتے ہو سب نے کہا۔ ہاں تب علی نے فرمایا۔ خداوندا۔ گواہ رہنا۔ پھر لوگوں سے انہی شرائط پر بیعت لی

محمد بن جریر الطبری: ۔ تاریخ الامم والملوک۔ الجزء الخامس۔ صفحہ ۱۵۲۔

حضرت علی نے بہت پس و پیش کے بعد خلافت کو قبول کرنا اس شرط پر منظور کیا کہ لوگ آپ کی شرائط کو مان لیں اس سے ان شرائط کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ جو آپ منوانا چاہتے تھے۔ وہ کیا شرائط تھیں۔ صرف یہ کہ میں تم سب کے ساتھ یکساں سلوک کروں گا۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دوں گا اور خود بھی اپنے لئے کوئی ترجیح پسند نہ کروں گا۔ اس سے دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو گیا کہ آپ سے پہلے کے خلفاء کی حکومت میں کیا حالت تھی۔ اور لوگ کس قسم کے ترجیحی سلوک کے عادی ہو چکے تھے۔ مساوات نہیں رہی تھی۔ جو لوگ خلیفہ کے منہ چڑھے ہوئے تھے۔ اور صاحب رسوخ تھے۔ ان کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جاتا تھا جب ہی تو حضرت علی کو یہ شرط لینے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ تم کو اپنی پرانی عادت چھوڑنی ہوگی۔ جب انہوں نے اس پر خدا کو گواہ کیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ اپنے اس وعدہ پر قائم نہیں رہیں گے۔ بعد کے آنے والے واقعات نے بتا دیا کہ واقعی لوگ اپنے وعدہ پر قائم نہ رہے۔

علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں۔

واخرج الحاکم وصححه عن قیس بن عبادہ قال سمعت علیاً یوم الجمل یقول اللهم انی ابرأ الیك من دم عثمان ..... وجاء نی للبیعت فقلت والله انی لاستحی ان ابائع قوما قتلوا عثمان وانی لاستحی من الله ان ابائع وعثمان لم یدفن بعد فانصرفوا

روایت کرد حاکم و صحیح نمود آنرا از قیس ابن عبادہ کہ گفت در روز جمل از علی شنیدم کہ گفت بار خدایا من بری ام و پاک ام از خون عثمان ..... و چوں جہت بیعت نزد من آمدند گفتم بانہا بخدا من شرم دارم ازاں کہ بیعت اخذ کنم از قومے کہ عثمان را کشتہ اند و شرم میدارم از خدا کہ با من بیعت کنند

فلما رجع الناس فسألونی البیعة قلت اللّٰهم انی مشفق مما اقدم علیه ثم جاءت عزیمة فبایعت۔

حال آنکہ ہنوز عثمان مدفون نشدہ و چوں عثمان را دفن کردند و مراجعت نمودند باز آمدند طلب بیعت کردند۔

ابن حجر مکی، صواعق محرقہ باب السابع فصل الثالث صفحہ ۶۷، کمال الدین فخر الدین، براہین قاطعہ

دیکھا آپ نے۔ جناب امیر علیہ السلام نے بیعت لینے میں کتنی تاخیر کی اور لوگوں کو سوچنے اور غور کرنے کا کتنا وقت دیا۔ تاکہ نکث بیعت کے لئے کوئی حجت نہ باقی رہے اور وہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم نے تو جلدی میں بغیر سوچے سمجھے بیعت کر لی۔ آپ کے اخذ بیعت میں وقار، متانت، علو ہمت و رفعت خیالات پائی جاتی ہے۔ لوگ بیعت کرنے کے لئے آپ پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ اور آپ ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ نہیں مجھے تمہاری بیعت کی ضرورت نہیں۔ بہت اصرار کے بعد بیعت لی پہلے عثمان کو دفن کرالیا تب بیعت لی۔ ایک وہ لوگ تھے جو بیعت لینے کے لئے جسد اطہر رسول کو بے غسل و کفن چھوڑ کر چلے گئے۔

غرض کہ اس ساری بحث سے امور مندرجہ ذیل بہت اچھی طرح ثابت ہو گئے۔

۱۔ حضرت علیؑ کے حق میں جو احادیث فضائل منقول از رسول خدا ہیں وہ سب درست ہیں۔ کیونکہ شروع ہی سے ان کی بناء پر استدلال ہونے لگا۔ اور حضرت علیؑ نے انکو مقام احتجاج پر پیش کیا۔

۲۔ حکام سقیفہ بنی ساعدہ کے حق میں جو اب احادیث بیان کی جاتی ہیں وہ بعد کی پیدائش ہیں۔ اگر اس زمانہ میں ان کا وجود ہوتا تو ضرور معرض بحث میں آتیں اور پھر حضرت علی کے منہ سے کیونکر نکلتا کہ بقول رسول در دروازہ شہر علم نبی ہوں۔ جب کہ وہ دیکھتے۔ کہ اس ہی رسولؐ کے قول کے بموجب جب اس شہر کی دیواریں و چھت بھی موجود ہیں وہ کیونکر کہہ سکتے تھے۔ کہ ہدایت تم کو صرف اہل بیت رسول ہی کے گھرانے سے مل سکتی ہے۔ جبکہ ان کو یہ بھی علم ہوتا کہ جناب رسول خدا نے فرمایا ہے کہ جس صحابی سے چاہو ہدایت حاصل کر سکتے ہو۔ اور ہم تو کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا ہی ایسی متضاد باتیں کیوں کہتے

۳۔ جناب علی مرتضیٰ کا دعویٰ تھا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو اپنا خلیفہ بلا فصل مقرر فرما دیا تھا۔

۴۔ اپنے سے پہلے خلفاؑ کو وہ ناحق پر سمجھتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ انہوں نے آپ کا حق لے لیا ہے۔ اور ایسی اہم ذمہ داری اٹھائی ہے کہ جس کے وہ اہل نہ تھے۔

۵۔ حضرت علیؑ اپنے سے پہلے خلفاء کی خلافت پر راضی نہ تھے۔

لہٰذا

سوادِ اعظم کا یہ ادعا کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے سے پہلے حکام کو برحق و جائز خلیفہ رسول سمجھتے تھے اور ان کی خلافت سے راضی تھے۔ غلط ثابت ہوا۔

باب ہفتدہم ۱۷

کاروائی سقیفہ بنی ساعدہ کے مُضر نتائج و عواقب

اور حکّام سقیفہ کے ترمیم شدہ

اسلام کی پریشان حالی

ہمارا دعویٰ ہے کہ اصل دین الٰہیہ اسلام کا بالکل مسخ ہو جانا کاروائی سقیفہ بنی ساعدہ کا براہِ راست نتیجہ تھا۔ اور یہ ہی سبب ہے مسلمانوں کی موجودہ ذلت و نکبت و پراگندگی کا۔ جس طرح مسلمانوں کی دنیاوی دولت کی فراوانی کی پیشین گوئی آنحضرتؐ کی تصدیق نبوت کیلئے معجزہ تھی۔ اسی طرح انکا صراط مستقیم کو چھوڑ کر قعر مذلت و نکبت میں گرنا آنحضرتؐ کی تصدیق نبوت کے لئے ایک دلیل ہے۔ کیونکہ آپ نے پہلے ہی فرما دیا تھا۔ کہ دیکھو میری عترت کو نہ چھوڑنا اور نہ ان پر سبقت کرنا، ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ مگر سقیفہ بنی ساعدہ میں امت نے عترت رسولؐ کو چھوڑ دیا اور ان پر سبقت کی۔ اس کا جو نتیجہ ہونا تھا سو ہوا اور جناب رسولِ خدا کی پیشین گوئی سچی ہوئی۔ ان مسلمانوں کے لیے جو جناب رسولِ خدا کو سچا رسول مانتے ہیں اتنی ہی بحث کافی ہے۔ مگر آج کل تو لوگوں کی تسلی بغیر دلیل اور منطق کے نہیں ہوتی۔ علاوہ اس کے مورخ کا بھی فرض ہے کہ واقعات کے اسباب و عواقب بیان کرے اور ان کو دلائل صحیحہ سے ثابت کرے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع ایک نہایت اہم تاریخی واقعہ تھا۔ اس کے اسباب و علل پر ہم غور کر چکے ہیں۔ اب اس کے نتائج پر نظر ڈالتے ہیں۔ کچھ پہلی کہی ہوئی باتوں کا اختصار کے ساتھ دوہرایا جانا ضروری ہے۔ ناظرین معاف کریں۔

جب کارکن سقیفہ بنی ساعدہ کو ایک فوری کامیابی حاصل ہو گئی۔ تو قدرتاً ان کی توجہ اس کے استقلال و استحکام کی طرف گئی۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے انہوں نے بہت سی ترکیبیں اور تجویزیں کیں۔ جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ مذہب کے دو ارکان ہوتے ہیں۔ اعتقاد اور عمل، اور ان ترکیبوں و تجویزوں نے دونوں پر اپنا اثر ڈال کر اسلام کو متغیر کر دیا۔ وہ تغیر ایسا تھا جو تنسیخ کے ہی مرادف ہو گیا۔ ہم بتاتے ہیں کہ یہ کس طرح ہوا۔ اور اعتقاد و عمل پر کاروائی سقیفہ نے کس طرح اثر ڈالا۔

سقیفہ سازی کا اثر اعتقاد پر

کارکنان سقیفہ سازی اپنے فعل کو لوگوں کے سامنے حق بجانب ظاہر کرنے کے لئے مجبور رکھتے۔ کر

مندرجہ ذیل دو اصول موضوعہ قائم کریں۔ چنانچہ وہ دونوں انہوں نے قائم کر لئے۔

(۱) جناب رسول خدا نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔

(۲) اور اگر جناب رسول خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا تو آنحضرتؐ کا وہ حکم امور دین کے متعلق نہ تھا امور حکومت کے متعلق تھا حکومت آنحضرت کی دائرہ نبوت میں شامل نہیں تھی۔ لہذا اس حکم کی اطاعت نہ کرنے سے ہم دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتے۔

دو اصول موضوعہ

باب اوّل البلاغ المبین حصہ اول میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ جماعت حامیان سقیفہ نے اصول موضوعہ ۱ قائم کر کے امت اسلامیہ میں پھیلا دیا۔ اب ہم ثابت کرتے ہیں کہ اصول موضوعہ ۲ بھی کارکنان سقیفہ ہی کی ایجاد ہے۔ اور اس کی بھی غرض و غایت یہی ہے۔ ہم یہ بھی ثابت کریں گے کہ انہوں نے محض حکومت ہی کو دائرۂ نبوت سے نہیں نکالا۔ بلکہ رفتہ رفتہ نماز حج کو بھی دائرۂ نبوت سے نکال کر اس کو بہت کوتاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مدعا یہ تھا کہ ہمارے ہی سرداری دین پر بھی ایسی مکمل ہو جائے جیسی کہ وہ حکومت پر ہو گئی ہے۔ اس اصول موضوعہ پر ہم اس کتاب کے صفحات ۷۰ لغایت صفحہ ۸۲ پر بحث کر چکے ہیں۔ اس جگہ ہم ظاہر کریں گے کہ دائرہ نبوت کو کس طرح تدریج کوتاہ کیا گیا ہے۔ اور اس کا اثر اسلام پر کیسا پڑا۔

اس کتاب کے صفحہ ۷۲ پر ہم نے مولوی شبلی کی عبارت نقل کی ہے۔ ناظرین اس کو دوبارہ پڑھ لیں۔

آنحضرت کے افعال اور اقوال کی دو قسمیں

آگے چل کر اسی بحث پر مولوی شبلی فرماتے ہیں۔

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیتہً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجۃ اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت سے جو افعال اور اقوال مروی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں انکی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ یعنی پیغمبر جو چیز تم کو دے وہ لے لو اور جس چیز سے روکے اسکے باز رہو۔ دوسرے وہ جن کو رسالت سے تعلق نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا۔ اس تفریق کے موجد دراصل حضرت عمر ہیں۔۰۰۰ اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رایوں پر عمل کیا۔ مثلاً حضرت ابوبکر کے زمانہ تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں حضرت عمر نے اسکو بالکل روک دیا۔ آنحضرت نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد

فی کس ایک دینار مقرر تھی۔ حضرت عمر نے مختلف ملکوں میں مختلف شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرتؐ کے عہد میں شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی حضرت عمر نے اسّی کوڑے مقرر کیے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ ان معاملات میں آنحضرتؐ کے اقوال و افعال اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمر کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے؛ (الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۳۶ لغایت ۲۳۸)

الفاروق حصہ دوم کے صفحہ ۲۳۷ پر عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ، قیدیان بدر اور صلح حدیبیہ کے معاموں میں حضرت عمر کی مداخلت اور نکتہ چینی کا ذکر مولوی شبلی اس طرح گوہر فشاں ہیں۔

ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے۔ ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ مانند در کنار ہم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔

خدا کا شکر ہے ایک گرہ تو قائم گیا خدا کرے کہ اس پر قائم رہیں۔ اقتباسات مندرجہ بالا سے قطعی طور پر ثابت ہوا۔ کہ نبوت کا تجربہ اور آنحضرت کے احکام کی تفریق یا تقسیم حضرت عمر کی ایجاد ہے۔ بحث کا راستہ بہت صاف ہو جاتا۔ اگر حضرت عمر یا مولوی شبلی یہ بھی تصریح فرما دیتے کہ جناب ختم المرسلین کی نبوت میں کیا کیا امور شامل ہیں۔ ہاں ایسے امور تو بہت بتا دیئے ہیں۔ جو آنحضرت کے عہدۂ نبوت میں نہیں آتے یہ آسان تھا۔ جن جن امور میں حضرت عمر مداخلت کرتے گئے۔ وہ امور دائرہ نبوت سے باہر آتے گئے۔ حضرت عمر کا وہ مکالمہ جو ہم نے اس کتاب کے صفحات ۲۸، ۲۹ پر نقل کیا ہے۔ اس میں حضرت عمر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ مرض الموت میں جناب رسول خدا علی کے حق میں جانشینی کی وصیت لکھنا چاہتے تھے۔ مگر میں نے اسلام کی ہمدردی کی وجہ سے نہ لکھنے دی۔ وہ مکالمہ بھی ملاحظہ ہو۔ جو اس کتاب کے صفحہ ۲۹، ۳۰ پر نقل ہے۔ جناب رسول خدا نے چاہا۔ کہ علی ان کے جانشین ہوں۔ خدا نے چاہا کہ علی جانشین رسول نہ ہوں۔ وہ ہوا جو خدا نے چاہا تھا۔ اگر۔۔۔ یا جانشین رسول نبوّت کے دائرہ کے اندر منصوص من اللہ ہوتا تو نہ حضرت عمر مداخلت کرتے اور نہ خدا اور رسولِ خدا کے درمیان یہ اختلاف رائے یا اختلاف خواہش ہوتا۔ ان عبارات سے معلوم ہوا۔ کہ امور معاشرت، خراج، جزیہ، ام ولد کی خرید و فروخت، جانشینی رسول، نماز جنازہ، قیدیان جنگ کے متعلق احکام صادر کرنا۔ گناہوں کی حد مقرر کرنا، صلح و جنگ کا فیصلہ کرنا، یہ سب امور آنحضرتؐ کی دائرہ نبوت سے باہر نکلے اب ذرا ہم اور آگے چلتے ہیں۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں

اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرتؐ کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے۔ ان میں اس بات کا موقعہ باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کیے جائیں، چنانچہ معاملات میں حضرت عمر نے زمانہ اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کیے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود

ہیں۔ (الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۳۸)

نبوت کے تجزیئے کے بعد فقہ اسلامی کی بھی تفریق ہوتی ہے۔ فقہ اسلام کو دو اقسام پر منقسم کیا ایک وہ جو منصب نبوت والے احکام سے مرتب ہوا ہے اور دوسرا وہ جو آنحضرت کے ان احکام سے مرتب ہوا ہے جو منصب نبوت میں داخل نہ تھے۔ اس موخر الذکر قسم کے فقہ میں حضرت عمر کی دستبرد جائز تھی۔ مگر آگے چلیئے یہ تفریق بھی قائم نہیں رہے گی۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں۔

حضرت عمر مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا۔ تو رسول اللہ سے دریافت کرتے تھے (مولوی شبلی نے فقرہ نرم کر دیا صرف دریافت نہیں کرتے تھے بلکہ اعتراض کرتے تھے) سفر میں جو قصر نمازہ کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ اس بناء پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے۔ اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اس کا اشارہ ہے۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لیکن جب راستے مامون ہو گئے۔ تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمر کو اس پر استعجاب ہوا۔ اور آنحضرت سے دریافت کیا کہ اب سفر میں کیوں قصر کیا جاتا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے۔

(الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۱۰)

مگر رفتہ رفتہ یہ تفریق بھی مٹ جاتی ہے اور ساری شریعت اسلامی پر حضرت عمر کا تسلط ہو جاتا ہے حج کے ارکان میں سے رمل ایک رکن اہم ہے۔ حضرت عمر نے اس کو غیر ضروری سمجھ کر بالکل بند کرا دیا۔ ملاحظہ ہوں صفحہ ۹۷ کتاب ہذا۔ اب مولوی شبلی فرماتے ہیں۔

شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر نے قائم کیا یہ تھا۔ کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں عقل کو دخل نہیں دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقل پر مبنی ہیں یہی دوسرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے۔۔۔ مگر حضرت عمر اسی دوسرے اصول کے قائل تھے۔ اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں۔ جس نے علم اسرار الدین کی گویا بنیاد ڈالی۔

(الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۰۹-۲۱۰)

لیجئے سارا قصہ تمام ہوا۔ مکمل مذہب اسلام پر حضرت عمر کا قبضہ ہو گیا اب شریعت کا جو حکم حضرت عمر کی عقل کے مطابق ہو گا۔ وہ تو قائم رہے گا۔ باقی سب بدل دیا جائے گا۔ جناب رسول خدا کی جگہ تو خلیفہ نے لے لی۔ جس شریعت کو وہ چاہیں گے قائم رکھیں گے۔ جس کو چاہیں گے بدل دیں گے۔ مگر معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا۔ جناب رسول خدا سے بھی ایک درجہ آگے نکلتے ہیں۔ جناب رسول خدا

حضرت عمر کا امور منصب رسالت میں دخل دینا

علم اسرار الدین کی ابتدا

کی شریعت کو چھوڑ کر ایک اور شریعت قائم کی جاتی ہے۔ اس کا نام اسرار الدین ہے۔ مولوی شبلی کی شہادت ملاحظہ ہو۔ حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم اسرار الدین ایجاد کیا۔ اس میں صرف وہی اصول و قواعد ہوں گے جو مطابق عقل کے ہوں گے۔ جناب رسول خدا کی شریعت میں تو بہت سے ایسے احکام تھے۔ جو مطابق عقل نہ تھے۔ زمانہ کی رفتار کے ساتھ مذہب کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ شریعت اسرار الدین ایسی ہوگی کہ اس کے تمام اصول و قواعد مطابق عقل کے ہوں گے کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمر نے محض زبان ہی سے کہہ دیا ہوگا۔ بھلا وہ شریعت محمدی کو کیوں بدلنے لگے تھے۔ پھر ہم مولوی شبلی کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔

"حضرت عمر نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کیے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ طیار ہو سکتا ہے ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے۔ کہ وہ مصالح العقل کے موافق ہیں"

(الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۱۱)

حضرت عمر کے اسرار الدین کی ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ شریعت محمدی کے مطابق ہوں گے۔ نہیں ان میں ایک خصوصیت ہے اور یہ کہ وہ مصالح عقل کے موافق ہیں۔ اگر شریعت رسول بھی موافق عقل کے ہوتی تو پھر یہ خصوصیت کہاں رہتی اور حضرت عمر کو فقہ کی ایسی خصوصیت رکھنے والے مسائل اس کثرت سے بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہوتی۔ معلوم ہو کہ یہ ایک مخصوص اور علیحدہ شے ہے۔ یہ ایک فوقیت ہے۔ حضرت عمر کو جناب رسول خدا کے اوپر اور یہ حضرت عمر کا خاص احسان ہے اسلام کے اوپر کہ انہوں نے اسلام کے محدود وقتی فقہ کو اپنی خداداد عقل و ذہانت و ہمہ گیر قیاس کی وجہ سے ایک عالم گیر مستقل اور دائمی فقہ میں تبدیل کر دیا۔ ہم ابھی اس پر بحث کرتے ہیں۔ ذرا مولوی شبلی کی گواہی ختم کر لیں۔ حضرت عمر کی مداخلت امور فقہ میں کس حد تک تھی۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں۔

"فقہ کا فن تمام تر حضرت عمر کا ساختہ پرداختہ ہے۔۔۔۔ فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں اس لئے ضرور ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے اسی ضرورت سے آئمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی امام احمد حنبل سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور انکے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے مگر قیاس کی بنیاد اول جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق ہیں۔۔۔۔ حضرت ابو بکر کے زمانہ تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا"

(الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۲۰)

فقہ اسلام حضرت عمر کا ساختہ پرداختہ ہے۔

جناب رسولخدا کے مقرر کردہ فقہ پر قبضہ کرنے کیلئے حضرت عمر نے دو ہتھیار اختیار کئے تھے۔ یعنی عقل و قیاس، ان دونوں کی جولانی اتنی وسیع ہے کہ تمام فقہ کو بآسانی اپنے زیر نگین کر سکتے ہیں۔ اصول فقہ مقرر کردہ رسول خدا تمام ضروریات کیلئے ناکافی تھے۔ اُن کی وسعت اور ہمہ گیری اور ان کا تمام ضروریات کے لئے کافی ہونا محض قیاس پر مبنی ہے۔ آنحضرت کے زمانہ میں قیاس کا وجود نہ تھا۔ قیاس کی بنیاد ڈالنے والے حضرت عمر ہیں۔ لہذا صریح نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خدا کا مقرر کردہ فقہ بالکل ناکافی تھا۔ اور ناکامیاب ہو جاتا اگر حضرت عمر اپنے قیاس سے اس کو وسیع وہمہ گیر نہ بنا دیتے۔ حضرت شبلی کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں تمام جزئیات موجود نہیں ہیں اس وجہ سے قیاسات کی ضرورت ہوئی اس موقعہ پر احادیث کا ذکر بھی کرتے ہیں لیکن وہ محض دکھاوے کی خاطر ابھی تو کہہ چکے ہیں کہ آنحضرت کے وہ ارشادات جو منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے۔ ان میں حالات موجودہ کیلئے نئے قوانین بنانے کا موقعہ باقی رہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت کے ارشادات (احادیث) ان امور پر موجود تو تھے مگر چونکہ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے۔ لہذا اس تفریق کی وجہ سے موقعہ باقی رہا کہ حضرت عمر اپنے قیاس سے اس نقص کو دور کر دیں۔ ہاں قرآن مجید میں جزئیات موجود نہیں ہیں مثلاً ارکان نماز، نصاب زکوٰۃ دیگر جزئیات، سو ان کیلئے حضرت عمر کی عقل و قیاس کافی ہیں۔ دیکھئے۔ کس خوبصورتی کے ساتھ قرآن مجید و حضرت عمر کے درمیان میں سے جناب رسول خدا کو نکال دیا۔ ہو نہ ہو یہ تو وہی حسبنا کتاب اللہ والا فلسفہ ہے۔ حضرت عمر کی زندگی کا یہی اصول تھا۔ اس پر عمل بھی کر کے دکھا دیا۔ قرآن مجید اور حضرت عمر کا قیاس اُمت اسلامیہ کیلئے یہی دونوں چیزیں کافی ہیں۔ رسول یا آل رسولؐ کی ضرورت نہیں۔ مولوی شبلی صاحب کی رائے ہے کہ امور فقہ میں سب سے پہلے قیاس کرنے والے حضرت عمر ہیں۔ لیکن علمائے اسلام کہتے ہیں کہ اول من قاس ابلیسؑ۔ اگر خداوند تعالےٰ کا فرشتوں کو سجدہ آدم کے لئے حکم دینا منصب الٰہیت میں داخل نہ تھا۔ بلکہ حکومت سے تعلق رکھتا تھا تو ابلیس کا قیاس تو امور حکومت میں ہوا اور امور شریعت میں قیاس کی اولیت کا سہرا جناب عمر ہی کے سر پر رہا۔ حضرت عمر کی امور شریعت میں مداخلت کی دو چار مثالیں ہم اور دے لیں تو پھر غور کریں گے کہ دائرۂ نبوت کے اندر کیا باقی رہا اور باہر کتنا آ گیا۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں:

> کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہو گا کہ بہت سے ایسے موقعے پیش آئے کہ جناب رسول خدا نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً بخاری میں ہے۔ کہ جب آنحضرت نے عبداللہ ابن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر نے کہا کہ آپ منافق کے جنازہ پر نماز پڑھتے ہیں۔ قیدیان بدر کے معاملہ میں ان کی رائے بالکل آں حضرت کی تجویز سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ

حضرت عمر آنحضرت کے متعدد احکام میں دخل دیتے تھے۔

اس طرح دب کر صلح کیوں کی جائے . . . . . .
حضرت عمر کو اس انتہا ء مراتب کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرت کے متعدد کام
ہیں جب انہوں نے دخل دیا تو آنحضرت نے اس پر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی بلکہ متعدد
معاملات ہیں حضرت عمر کی رائے کو اختیار فرمایا۔ اور بعض موقعوں پر خود وحی الہیٰ نے
حضرت عمر کی رائے کی تائید کی۔ قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز جنازہ
منافق ان تمام معاملات میں وحی جو آئی تو وہ حضرت عمر کی رائے کے موافق آئی۔

(الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۳۷، ۲۳۸)

غور سے اس عبارت کو پڑھیں۔ اول تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کے متعدد احکام میں دخل دیتے تھے۔ بہت سے ایسے مواقع پیش آئے کہ جناب رسول خدا نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اسکے خلاف رائے ظاہر کی۔ دوسری بات جو اس سے ظاہر جو اس سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کبھی آنحضرت و حضرت عمر میں اختلاف ہوتا تھا تو غلطی پر ہمیشہ جناب رسول خدا ہی ہوا کرتے تھے۔ کبھی تو وہ خود ہی اپنی غلطی معلوم کر کے حضرت عمر کی رائے اختیار کر لیتے ہیں اور اگر کبھی آنحضرت اپنی رائے پر اصرار کرتے تھے۔ اور حضرت عمر کی رائے نامنظور کرتے تھے۔ تو بذریعہ وحی آپ کو تہدید ہو جاتی تھی اور اپنی غلطی اور حضرت عمرؓ کی اصابت رائے سے متنبہ کئے جانتے تھے۔ اگر یہ جناب رسول خدا کی توہین نہیں ہے تو کیا ہے اور کیا یہ حضرت عمرؓ کو جناب رسول خدا پر ناجائز فوقیت دینا نہیں ہے ایک اور بات بھی ملاحظہ کیجیے اب رفتہ رفتہ وہ سارا امتیاز جاتا رہا۔ منصب نبوت کے اندر و باہر کا کچھ فرق نہیں رہا۔ یا یہ کہو کہ یہ سارے امور منصب نبوت سے باہر ہیں۔ اس پر ہم ابھی غور کریں گے۔ ذرا مولوی شبلی صاحب کا مزید بیان لے لیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہو گی کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا۔ کسی نے تُرہی کی رائے دی۔ حضرت عمر نے کہا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کرے۔ آنحضرت نے اسی وقت بلال کو حکم دیا۔ کہ اذان دیں۔ چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا"

(الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۷۶)

اس سے ہمیں غرض نہیں کہ اذان کے جاری ہونے کے سبب یہی تھا جو بیان ہوا یا کوئی اور بہر صورت مولوی شبلی تو اس کو صحیح مانتے ہیں۔ اذان تو امر شریعت ہے۔ بلکہ شریعت کا جزو ہے۔ اسی طرح صلح حدیبیہ میں حضرت عمر نے اعتراض کیا تھا۔ فقرہ ملاحظہ ہو۔ "ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں" مذہبی امور میں دخل دیا ہو گا جب ہی تو مذہبی احکام

حضرت عمر کی رائیں مذہبی احکام بن گئے

کو اللہ اذان اور حضرت عمر

نہ ان کے پیارے ابن عم وداماد کی قبریں ہیں۔ قبریں ہیں تو کس کی ہیں۔ حکام وقت کی اور وہ حضرت عائشہ کے حکم واجازت سے بنائی گئی ہیں یہ وہ ظلم تھا جو مرنے کے بعد بھی جاری رہا اور اب تک جاری ہے کیا یہ واقعات قطعی ثبوت اس امر کا نہیں ہیں کہ حضرت عائشہ اس جماعت حکومت کی ایک فرد تھیں جو حضرت علی کے خلاف تھے اور یہ جماعت حکومت بھی ان کو ہر وقت اور ہر طرح سے اُنکے احسان کا بدلہ دینے کی کوشش کرتی تھی۔ جب وظیفے مقرر ہوئے تو سب سے زیادہ وظیفہ ان کا مقرر ہوا۔ اچھی سے اچھی چیز جو مال غنیمت سے آتی تھی وہ ان کے پاس تحفۃً بھیجی جاتی تھی دیکھو صفحہ ۶۰ کتاب ہذا۔

یہ تھے وہ واقعات جنہوں نے حضرت عمر کے حصولِ مقصد سیاست میں اعانت کی۔ مگر یاد رکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ یہ سب امور حضرت علی کو حکومت سے دور رکھنے میں فقط معاون کی حیثیت رکھتے تھے۔ انتزاع خلافت کے خود باعث نہ تھے۔ اس کا باعث محض حضرت عمر کی سیاست تھی۔ ہم نے یہ آٹھ واقعاتِ اعانت گنوائے ہیں۔ اگر عرب مفہوم نبوت کو کما حقہ نہ سمجھ سکے تو یہ ایک ان کے دین کا نقص تھا۔ اس جہالت سے وہ کام لینا جو لیا گیا۔ محض حضرت عمر کی ذہانت ورسائی فہم کا نتیجہ تھا۔ عربوں میں کینہ ضرور تھا۔ قبیلانہ رشک وحسد بھی تھا۔ بنو امیہ کی رقابت بھی تھی۔ لیکن یہ سب امور خلافت پر قبضہ کرنے کے لیے ناکافی تھے بنو امیہ کی رقابت کی آخری جدوجہد ختم ہو چکی تھی اور اب مجبوراً ابو سفیان نے ہاشم کی قیادت پر صبر کر لیا تھا۔ قبیلوں کا رشک وحسد بھی اپنا زور لگا چکا تھا۔ حضرت علیؑ نے اپنے جنگ وجدال سے بہت سے دشمن پیدا کر لئے تھے لیکن ان میں سے بہت سے تو نا امید ہو چکے تھے۔ اور ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو حکومت پر قبضہ کر سکنے کی طاقت رکھتا ہو۔ یہ سب امور بے جان قصّہ پارینہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے۔ ان سب میں ایک نئی روح پھونک کر ان کی مدد سے حضرت علی کے خلاف ایک جماعت کی توسیع وتنظیم کرنا حضرت عمر کا کام تھا اور بغیر اس تنظیم وجوش کے یہ سب باتیں ایک معمولی بددلی ورنج کے درجے سے آگے نہ بڑھتیں۔ حرمِ رسول میں ایک جماعت پیدا کر کے اپنی ہدایات کے اندر اس سے کام لینا حضرت عمر کا کام تھا۔ ورنہ بوقت رحلت رسولؐ حضرت عائشہ ایک ناتجربہ کار نوجوان عورت تھیں دل میں کڑھ کر چپ ہو رہتیں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ انصار کی اکثریت حضرت علی کے خلاف نہ تھی اور اگر حضرت عمر کی جماعت ان کو اپنا علیحدہ خلیفہ مقرر کرنے پر مجبور نہ کرتی تو وہ کبھی سقیفہ بنی ساعدہ کا قضیہ نہ اٹھاتے۔ یہ قطعی امر ہے کہ حضرت علی کے خلاف کتنی ہی بددلی کیوں نہ ہوتی جناب رسول خداؐ کی خواہش کے مطابق آنحضرت کی رحلت پر وہ خلیفہ تو ضرور ہو جاتے اُسکے بعد چونکہ حضرت علی کی کامیاب مخالفت کی پہلے سے تنظیم نہ ہوتی اور وہ حضرت علی کا مساوی اور عادلانہ رویہ دیکھتے تو ضرور خوشی سے انکی حکومت پر راضی ہو جاتے۔ غور کرنے کی بات ہے۔ نہ شام میں معاویہ ہوتے نہ خون عثمان کا بہانہ ہوتا۔ نہ لوگوں کے

بن گئے۔ صحیح مسلم سے ایک اور واقعہ اس ہی قسم کا نقل کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے اپنی دونوں جوتیاں دے کر ارشاد فرمایا کہ میری ان دونوں جوتیوں کو لے کر جاؤ اور اس باغ کے پیچھے جس شخص کو بھی دیکھو کہ لاالہ الااللہ کی گواہی زبان سے دیتا ہے اور اس کا دل بھی اس بات کا یقین رکھتا ہے تو اس کو بہشت کی خوشخبری دیدو۔ پس وہ جوتیاں لئے ہوئے وہاں سے نکلا تو سب سے پہلے حضرت عمر کو دیکھا انہوں نے وہیں مجھ سے پوچھا کہ اے ابوہریرہ یہ دونوں جوتیاں کیسی ہیں میں نے کہا کہ یہ دونوں جوتیاں جناب رسول خدا کی ہیں اور انہوں نے مجھے یہ دے کر اس غرض سے بھیجا ہے۔ کہ جس شخص سے ملوں اور دیکھوں کہ وہ لاالہ الااللہ کی گواہی زبان اور دلی یقین کے ساتھ دیتا ہے تو اس کو بہشت کی خوشخبری دیدوں۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عمر نے میری چھاتی پر اس زور سے گھونسا مارا کہ میں گرتے گرتے بچا اور کہا کہ اے ابوہریرہ واپس ان ہی کے پاس چلے جاؤ جنہوں نے تم کو بھیجا ہے۔ میں واپس آیا اور چیخ چیخ کر رونے لگا۔ حضرت عمر بھی میرے پیچھے لپکے ہوئے آئے۔ آنحضرت نے مجھ سے پوچھا کہ کیا واقعہ ہے میں نے عرض کیا کہ میں آپ کا پیغام لے کر چلا تو راستہ میں عمر ملے اور میں نے آپ کا پیغام انکو پہنچایا انہوں نے تو یہ سنتے ہی میرے سینے میں زور سے گھونسا مارا کہ میں گرتے گرتے بچا۔ اور مجھے واپس کر دیا۔ آنحضرت نے فرمایا اے عمر تم نے ایسا کیوں کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے رسول خدا بابی انت وامی کیا آپ نے واقعی ابوہریرہ کو اپنی جوتیوں کے ساتھ یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ جو شخص ایک خدا کی گواہی دے اور اس کا دل بھی یقین رکھتا ہو تو اس کو بہشت کی خوشخبری دیدیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ہاں اس پر حضرت عمر نے آنحضرت سے کہا کہ آپ ایسا نہ کیجئے۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس بات پر بھروسہ کر لیں گے انکو چھوڑ دیجئے کہ کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد اچھے عمل بھی کریں پس آنحضرت نے فرمایا کہ اچھا انکو چھوڑ دو"

صحیح مسلم مطبوعہ مصر الجزء الاول۔ کتاب الایمان صفحہ ۴۴-۴۵۔

اس روایت کی صحت کے تو ہم ذمہ دار نہیں۔ لیکن ہم اپنی بحث کو اس کی بناء پر قائم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جماعت اہل حکومت کی صحاح ستہ میں پائی جاتی ہے۔ بہرصورت کسی رسول کی توہین اسکے امتی کے ہاتھ سے اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ نعلین مبارک کے ساتھ کرنے کا یہ ہی مقصد تھا کہ قاصد و پیغام کی تصدیق ہو جائے۔ حضرت عمر نے یہ ہی نہیں کہ اس کو نرمی کے ساتھ اپنے ہمراہ واپس لے آتے بلکہ اس کے سینہ پر گھونسا مار کر عدل فاروقی کی نظیر قائم کی۔ بھلا اس بیچارے کا اس سے زیادہ کیا قصور تھا کہ اس نے جناب رسول خدا کے حکم کی تعمیل کی تھی یہ حکم تو براہ راست عہدہ نبوت سے تعلق رکھتا تھا اور دائرہ رسالت کے اندر تھا۔ کیا ایسے احکام جناب رسول خدا بغیر وحی کے صادر فرمایا کرتے تھے اور اللہ میاں کی جنت کو بغیر اس کی

مرضی ہی کے لوگوں میں بانٹ دیتے تھے۔ ضرور خداوند تعالےٰ نے فرمایا ہو گا کہ کلمہ طیبہ کی یہ عظمت میرے نزدیک ہے۔ کہ میں اسکے کہنے اور یقین و عمل کرنے والوں کو جنت دوں گا مگر جو اس میں خرابی تھی وہاں تک خدا اور رسول دونوں میں سے کسی کا خیال نہ گیا۔ حضرت عمر کا کیا کہنا ہے۔ فوراً انہوں نے اصلی خرابی کو دیکھ کر منع فرمایا اور رسول خدا کو ہدایت کی کہ اپنا حکم واپس لے لیں۔ رسول خدا کی مجبوری بھی ملاحظہ ہو۔ کس مجبوری سے فرماتے ہیں۔ کہ اچھا جانے دو۔ پھر بھی خیر ہو گئی کہ سب سے پہلے حضرت عمر ہی مل گئے۔ اگر دس بارہ آدمیوں کے پاس یہ پیغام پہنچنے کے بعد حضرت عمر ملتے تو بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوتیں۔ لیکن حضرت عمر نے اس میں خرابی کیا دیکھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے امور کے علاوہ باقی امور پر حضرت عمر سطحی نظر ہی ڈالا کرتے ہیں۔ اس میں ایک شرط تھی کہ لا الہ الا اللہ کا علین الیقین ہو گا۔ اس شرط کے پورا ہونے سے جنت کے حصول کی ساری شرطیں پوری ہو جاتی ہیں۔ صرف خدا ہی کو اپنا مالک و آقا و خدا سمجھنے کا یہ مطلب ہے کہ سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کریں گے۔ صرف اس سے ہی دنیا و آخرت کی مدد چاہیں گے۔ اپنی امیدوں اور خواہشوں کے پورا کرنے کیلئے صرف خداوند تعالےٰ ہی سے مدد کے طالب ہوں گے۔ خرابی تو یہی ہے کہ آج کل لوگ زبان سے خداوند تعالےٰ کو ایک ہی کہتے ہیں۔ لیکن در اصل دل سے مال و دولت و اولاد و خواہشات و حکام کو اپنا خدا سمجھتے ہیں ان چیزوں کی تلاش میں خدا کی عبادت کو بھول گئے، اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیا۔ جہاں ان کا اور خدا کا تصادم ہوا۔ وہیں خدا کی اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اپنی خواہشات و امیدوں کی حصول کیلئے حکام کی خوشامد کرتے ہیں حکام کی خوشی کو خدا کی خوشی پر ترجیح دیتے ہیں۔ غرضکہ مسلمانوں نے اپنے اتنے خدا بنا لئے ہیں کہ کلمۂ توحید تو زبان کی نوک سے آگے نہیں بڑھتا۔ اگر ان باتوں کو چھوڑ دیں اور خداوند تعالےٰ کو خدا اور ایک خدا سمجھ کر عمل کریں تو جنت کے حصول کی کوئی شرط ہی نہیں ہے جو پوری نہ ہو خدا کو خدا سمجھنے کا مطلب ہے کہ اس کی ہر صفت کا علین الیقین ہو۔ اس کو اسی طرح حاضر و ناظر سمجھیں جتنا اپنے حاکم کو موجود سمجھتے ہیں۔ تو پھر ایک گناہ بھی نہ ہو۔ بات کی تہ کو تو خود نہ پہنچے۔ گھونسا مار دیا میاں ابوہریرہ کو رسول خدا نے دیکھا کہ ان لوگوں کی عقل کا معیار باوجود میری صحبت میں رہنے کے اتنا ہی ہے فرمایا کہ اچھا جانے دو۔ اس سے تو تم بجائے راہ راست پانے کے گمراہی پھیلا دو گے یہ ہماری بحث تو اس روایت کے صحیح ہونے کی بنا پر ہے۔ ورنہ شیعہ حضرات تو اس روایت کی صحت کے شروع سے قائل ہی نہیں۔ کیونکہ اس سے توہین رسالت مآب بہت ہوتی ہے۔ دیکھو سوانحعمری حضرت عمر مطبوعہ مطبع اصلاح حصہ اول صفحہ ۱۱۸۔ اور ہمارا خیال ہے کہ اب تو ہماری بحث سن کر ہر فرقہ کے مسلمان اس روایت کی صحت سے انکار کرنے لگیں گے۔ ایک اور ایسا ہی واقعہ ہم آپ کو سناتے ہیں:۔

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا　　(اسماء راویان عربی میں ملاحظہ ہوں)

ایک اور اسی کی نظیر۔

یونس و عفان ثنا حماد یعنی بن سلمہ
عن علی بن زید قال عفان انا
علی بن زید عن یوسف بن مہران
عن ابن عباس ان رجلا اتی عمر
فقال امرأۃ جاءت تبایعہ فادخلتھا
الدولج فاصبت منھا ما دون الجماع
فقال ویحک لعلھا مغیب فی سبیل
اللہ قال اجل قال فائت ابا بکر فاسئلہ
قال فاتاہ فسألہ فقال لعلھا مغیب
فی سبیل اللہ قال فقال مثل قول عمر
ثم اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فقال لہ مثل ذلک قال فلعلھا مغیب
فی سبیل اللہ ونزل القرآن واقم
الصلوٰۃ طرفی النھار وزلفا من اللیل
ان الحسنات یذھبن السیات الی
اٰخر الایۃ فقال یا رسول اللہ الی
خاصۃ ام للناس عامۃ فضرب عمر
صدرہ بیدہ فقال لا ولا نعمۃ عین
بل للناس عامۃ فقال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم صدق عمر۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضرت
عمر کے پاس آیا اور کہا کہ ایک عورت میرے پاس
آئی جو میرے پیچھے لگ گئی۔ میں اس کو ایک
وحشی جانور کے بھٹ میں لے گیا اور وہاں اس
سے سوائے جماع کے اور سب حظ حاصل کر لیا
عمر نے کہا تیرا برا ہو۔ شاید اس عورت کا مرد خدا
کی راہ میں چلا گیا ہے اس شخص نے کہا جی ہاں!
ایسا ہی ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ ابوبکر کے پاس
جاؤ اور ان سے پوچھو۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ
وہ شخص ابوبکر کے پاس آیا اور ان سے پوچھا۔
حضرت ابوبکر نے بھی وہی کہا کہ جو عمر نے کہا تھا۔ پس
وہ شخص جناب رسول خدا کی خدمت میں آیا۔ اور
وہی بات آنحضرت سے کہی آنحضرت نے بھی یہی
جواب میں کہا۔ کہ شاید اس عورت کا خاوند راہ خدا
میں چلا گیا ہے اور آیت قرآن نازل ہوئی اقم الصلوٰۃ
طرفی النھار الآیۃ یعنی نماز قائم کرو آفتاب کے
ڈھلنے کے وقت اور اول شب بتحقیق نیکیاں برائیوں
کو دور کر دیتی ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ
یہ آیت خاص میرے لئے نازل ہوئی ہے یا عام مسلمانوں
کیلئے آنحضرت نے تو ابھی جواب بھی نہ دیا تھا کہ حضرت
عمر نے اس شخص کے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ نہیں نہیں کوئی نعمت خاص آدمی کیلئے مخصوص نہیں ہے بلکہ عام
ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عمر سچ کہتے ہیں۔

آنحضرتؐ کی تردید

مسند امام احمد حنبل الجزء الاول صفحہ ۲۴۵۔

یہ ایک اور مثال ہے حضرت عمر کے احسانات کی جو انہوں نے اسلام پر وقتاً فوقتاً کئے حضرت عمر
ڈرے کہ کہیں آنحضرتؐ کچھ ایسی ویسی بات نہ بول اٹھیں جو اسلام کے مفاد کے خلاف ہو۔ لہذا خود
پیش دستی کر کے اس بیچارے کے سینے پر گھونسا مار کر کہا کہ ہر ایک نعمت جو ہے وہ سب کے لئے عام ہے
کوئی کہتا ہے کہ یہ حضرت عمر کے احسانات کی مثالیں ہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ رسول خدا کی توہین کی مثالیں

ہیں اور ان روایات کو حضرت عمر کا درجہ بڑھانے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ بہرصورت چونکہ آٹھ امام ایسے
میں سے ایک امام کے مسند میں یہ ہے۔ ہم تو اس کو سچا ہی سمجھ کر بحث کرتے ہیں۔ اور حضرت شبلی کو ان
کے بنا کردہ دائرہ نبوت کے محیط کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اتنا سکڑا کہ فقط نقطہ رہ گیا اور وہ بھی
امید ہے کہ نقطہ کو جس کی موجودگی محض فرض کرنی پڑتی ہے۔

اب موقع ہے کہ ہم غور کریں کہ دائرہ نبوت کے اندر کیا رہا۔ اور اس کے باہر کیا آ گیا۔ ظاہر ہے
ہوگا کہ جن امور میں اپنی ہی عقل و قیاس سے حضرت عمر نے دخل دیا ہوگا وہ امور تو دائرہ نبوت کے باہر
ہوں گے اور جن میں انہوں نے دخل نہ دیا ہوگا۔ وہ دائرہ نبوت کے اندر ہوں گے۔ عبارات سابقہ جو
جو مولوی شبلی کے الفاروق اور شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ سے لی گئی ہیں۔ ان پر نظر ڈالنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے مندرجہ ذیل امور میں دخل دیا ہے۔

(۱) رمل جو رکن حج ہے۔ (۲) اذان کی ایجاد (۳) نماز جنازہ منافق (۴) قصر نماز۔
(۵) لا الہ الا اللہ کی برکت اور اس کا اثر (۶) تراویح۔ یہ اگرچہ عبارات سابقہ میں نہیں ہے۔ مگر
مسلمہ طور سے حضرت عمر کی ایجاد ہے۔ (۷) قید یا بدلہ (۸) صلح حدیبیہ (۹) حضرت عمر
کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئی ہیں۔ (۱۰) فقہ اسلام تمام تر حضرت عمر کا ساختہ و پرداختہ ہے۔
(۱۱) امور معاشرت (۱۲) خراج کی تشخیص (۱۳) جزیہ کی تعیین (۱۴) ام ولد کی حرمت فروخت (۱۵) امور
متعلق جانشینی رسول (۱۶) تیمم جنابت (۱۷) منع تمتع حج (۱۸) طلاقات ثلثہ۔

ذرا غور تو کیجئے۔ اب کون سا امر باقی رہا جو دائرہ نبوت کے اندر ہو سکتا ہے۔ حج۔ نماز۔
یہاں تک کہ کلمہ شہادت جو بنائے اسلام ہے۔ سب تو حضرت عمر کی عقل کے دستبرد کے اندر آ گئے
دائرہ نبوت کی کوتاہی ملاحظہ کیجئے۔ اس کے اندر کچھ بھی باقی نہ رہا۔ اور حضرت عمر کا قبضہ مذہب اسلام
اور سلطنت اسلام پر مکمل ہو گیا۔ حضرت عمر کی رائیں مذہبی احکام بن گئے ہیں سارا فقہ حضرت عمر کا
بنایا ہوا ہے۔ یا تو دائرہ نبوت کو کوتاہ کرو۔ لیکن کہاں تک وہ کوتاہ ہوگا۔ اس کے اندر تو کچھ باقی نہ
رہا۔ یا یہ سمجھو جو امر واقعہ ہے کہ حضرت عمر نے ان امور میں بھی دخل دیا جو منصب نبوت کے اندر تھے
اس موقعہ پر مولوی شبلی کا کلمہ حق قابل غور ہے کہ اگر حضرت عمر امور دین میں دخل دیں تو خارج از
اسلام سمجھے جائیں گے ان کا امور دین میں دخل دینا تو ثابت ہو گیا۔ آپ اپنے قاعدہ پر عمل کریں یا نہ
کریں یہ آپ کو اختیار ہے۔

حضرت عمر و مولوی شبلی و ولی اللہ شاہ نے جو جناب رسول خدا کے اوامر و نواہی میں تقسیم کی
ہے۔ اس میں ایک اور مشکل پڑتی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن شریف آنحضرت پر ان کے عہدہ
نبوت و رسالت کی وجہ سے نازل ہوا۔ اور مسلمہ طور سے وہ مذہبی کتاب ہے۔ امور حکومت و معاشرت

تو بقول آپ کے دائرہ نبوت سے باہر ہیں۔ نکاح، طلاق، کھانا، پینا، تہذیب اخلاق یہ سب معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں، جزیہ، اخراج، جہاد وغیرہ یہ سب حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ قرآن شریف میں کس کی غلطی سے ان امور کا تذکرہ آگیا۔ اور ان کے احکام بیان کئے گئے۔ بعض دفعہ تیزی فہم بھی حافظہ کو باطل کر دیتی ہے۔ ابھی الفاروق کے صفحہ ۲۰۸ پر تو حضرت شبلی فرما چکے ہیں کہ امور معاشرت دائرہ نبوت سے باہر ہیں۔ لیکن صفحہ ۲۱۲ پر لکھتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ امور اخلاقیہ معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں جب آنحضرت کی بعثت کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ اخلاق انسانی کو درست کیا جائے تو پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ امور معاشرت آنحضرت کی نبوت سے باہر تھے۔ حکومت حاصل ہی جہاد کے ذریعہ سے ہوئی جہاد کے متعلق کیسے صریح احکام قرآن شریف میں ہیں پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حکومت آنحضرت کی نبوت سے باہر تھی حصہ اول کے صفحات ۵۹ تا ۹۹ قابل ملاحظہ ہیں۔ ہم اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں کہ حکومت آنحضرت کی نبوت کا ایک جزو تھی۔ عہدہ نبوت کا تجزیہ اور آنحضرت کے احکام کی تفریق محض مصنوعی چیزیں ہیں جن کو سیاسی ضرورت کی وجہ سے حضرت عمر قائم کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ کہنے کو تو کہہ دیا کہ آنحضرت کی نبوت میں حکومت شامل نہیں مگر کوئی معیار قائم کر سکے کہ جس کی وجہ سے نبوت کے اندر کے امور کو اس کے باہر کے امور سے تمیز کر سکیں۔ اس کا کیا جواب ہے کہ جہاد جو بنا اور موجب ہے حکومت کا اس کے متعلق نبوت کی کتاب یعنی قرآن شریف میں اتنے صریح احکام کیوں ہیں اگر حکومت دائرہ نبوت میں شامل نہیں اگر امور معاشرت و حکومت آپ کی نبوت سے باہر ہو گئے تو اسلام کا کمال کہاں رہا اور آیہ اکمال بے معنی ہو گئی۔ اسلام کی اکملیت تو یہی ہے۔ کہ انسان کی زندگی کے ہر ایک شعبہ کو اپنے ظل عاطفت میں لے کر اس کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے

ان اعتقادات کے ایجاد کی اصلی غرض و غایت

ان اعتقادات کے ایجاد کی اصلی غرض و غایت تو یہی تھی کہ کسی طرح جناب رسول خدا کی حاصل کردہ حکومت پر قبضہ کیا جائے۔ ایک خیال و اعتقاد سے بذریعہ استقراء و استنباط بہت سے ضمنی خیالات و اعتقادات مرتب ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اوپر دیکھا کہ شروع تو فقط حکومت سے کیا تھا کہ یہ نبوت میں شامل نہیں۔ رفتہ رفتہ تمام فقہ اسلام پر قبضہ ہو گیا اس سے جو توہین و تحقیر نبوت اور نبی کی ہوئی وہ دردمند آنکھوں سے پوشیدہ نہیں۔ نبوت کے دائرہ کو تباہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ نبوت کے اختیارات میں کمی ہوتی جائے اور اس کی ہمہ گیری باقی نہ رہے۔ یہ اس عہدہ کی بڑی توہین ہے۔ جناب رسالت مآب کی توہین تو جناب عمر کی ہر ایک مداخلت سے ٹپکتی ہے۔ سب سے پہلی اور سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ اس مذہب کو عقل انسانی کا تختہ مشق بنایا جائے۔ جس کا دعوی یہ ہے کہ میں خداوند تعالے کا کامل کیا ہوا مذہب ہوں جو بذریعہ

منصب رسالت کو کوتاہ کرنے کی ضرورت

سی وا الہام پیغمبر اسلام پر نازل کیا گیا۔ مولوی شبلی کے تخیل پر غالباً یورپ کے مصنفین اور عیسائی معترضین کی تحریروں نے اثر کیا ہوا ہے جو اعتراض کرتے ہیں کہ فقہ اسلامی ایسا محدود اور ناقابل ترمیم مجموعہ قوانین ہے جو زمانہ کی ترقیوں اور معاملات کی پیچیدگیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مولوی شبلی کی طرز تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ اس اعتراض کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس عیب کی ذمہ داری صرف پیغمبر اسلام تک محدود رکھ کر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حضرت عمر نے پہلے ہی سے اس عیب کو اپنی عقل کی مداخلت و قیاس کی مدد سے دور کر دیا۔ مندرجہ ذیل عبارت اس مطلب پر ایسی براہ راست حاوی ہے کہ ہم اسکو دوہرانے کی ذمہ داری لیتے ہیں

”اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرت کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے۔ ان میں اس بات کا موقعہ باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں چنانچہ معاملات میں حضرت عمر نے زمانہ اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے قاعدے وضع کیے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں“

(الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۳۸)

دیکھا آپ نے منصب رسالت کو کوتاہ کرنے کی یہ مصلحت تھی کہ حضرت عمر کی قیاس آرائیوں کی جولانگاہ کشادہ ہو۔ اس عبارت سے صاف ٹپکتا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کے ارشادات واقعی زمانہ کی رفتار ترقی کے مطابق نہ تھے۔ لیکن چونکہ خوش قسمتی سے اسلام میں حضرت عمر موجود تھے۔ جنہوں نے اپنی ذہانت طبع و فرکاوت فہم سے سمجھ لیا۔ کہ آنحضرتؐ کے احکام منصب نبوت سے علیحدہ ہیں اس وجہ سے انکو موقع مل گیا۔ کہ ضرورت زمانہ اور حالات کے لحاظ سے نئے نئے قاعدے وضع کریں۔ جناب رسول خدا و حضرت عمر کے زمانہ میں صرف دو تین ہی سال کا توقفہ تھا۔ اتنے سے قلیل عرصہ میں حالات معاشرت امور تمدن اور عبادات شریعت میں اتنا تغیر و تبدل ہو گیا کہ جناب عمر کو اپنی عقل و قیاس سے مدد لے کر امور شرع کو ترمیم و تنسیخ کرنے کی ضرورت پڑی کیونکہ جناب رسالت مآب کے قائم کردہ اصول و قواعد ایسے محدود اور کم نظم تھے۔ کہ وہ ان بدلتے ہوئے واقعات پر حاوی نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ اس شریعت کے نقائص نکالے جا رہے ہیں جس کی نسبت اعتقاد ہے کہ خداوند تعالےٰ کی مرتب کردہ ہے اور ختم المرسلین کی پیش کردہ ہے آئندہ کوئی اور نبی آن کر اس شریعت کو منسوخ ہی نہیں کرے گا اسکو قیامت تک باقی رہنا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ وہ تو پورے تین سال بھی نہ چلی کہ ناموزوں ہو گئی اور حضرت عمر نے اپنی عقل و قیاس سے پیوند لگا کر بنی نوع انسان کے بڑھتے ہوئے جسم کیلئے اسے درست کیا لیکن یہ معاملہ یہیں نہیں ختم ہوتا۔ جناب محمد مصطفےٰ کی مقرر کردہ شریعت تو ایسی تھی کہ دو ہی سال میں پرانی ہو گئی مگر حضرت عمر کے لئے نئے قائم کردہ اصول و قواعد اب تک پرانے نہیں ہوئے اور حنفی فقہ میں اب بھی موجود ہیں کیونکہ انکو ایک ایسی عقل کامل نے مرتب کیا تھا کہ ان میں قیامت تک کے واقعات پر مطابق آنے کی

اہلبیت موجود رہے۔ سلطنتیں گزر گئیں۔ تمدن بدل گئے۔ تمدن انسانی کی پیچیدگیاں کہاں سے کہاں پہنچ گئیں لیکن وہ اسی طرح قابل پابندی رہے۔ رفتہ رفتہ منصب نبوت کے اندر و باہر کا بھی سوال باقی نہ رہا فقہ کا فن تمامتر حضرت عمر کا ساختہ پرداختہ ہے۔ حضرت عمر کی رائیں مذہبی اصول بن گئے۔ حضرت عمر نے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آجتک حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔ تمام مسائل شرعیہ دقیقہ میں حضرت عمر اپنی عقل کو دخل دیتے تھے۔ کیونکہ ان کی رائے تھی کہ وہ سب عقل پہ مبنی ہیں لہذا قابل وسعت اندازی عقل ہیں۔ حضرت عمر نے اپنی عقل کو ان میں خوب دخل دیا۔ نماز، حج، روزہ، تیمم جنابت۔ تمتع حج و طلاقات ثلثہ کو بدل دیا۔ یہ تو اب کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ سب امور منصب رسالت سے باہر ہیں۔ یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر کو مذہب اسلام میں دخل دینے اور شریعت کے تبدیل کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔ اور انہوں نے اپنا حق استعمال کیا۔ یہ مورخ اعظم جناب شبلی کی تحقیقات کا نتیجہ ہے اور بالکل صحیح ہے۔ ناظرین ہماری سی نہ کہنا خدا لگتی کہو۔ اب تو ہمارا دعوی ثابت ہو گیا کہ سواد اعظم میں وہ اسلام نہیں پھیلا جو جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش کیا تھا بلکہ وہ اسلام پھیلا۔ اور ان میں آج وہی اسلام پایا جاتا ہے۔ جو کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ نے مرتب کیا تھا۔ یہی نہیں کہ حضرت عمر نے خود بہت سی ترمیمات و تنسیخات کیں بلکہ آئندہ کیلئے بھی عقل و قیاس کو دخل دینے کا راستہ صاف کر گئے۔ نماز تک کو مسخ کر دیا۔ جب حضرت علی نے اپنے زمانہ میں نماز پڑھائی تو لوگ کہتے تھے کہ حضرت علی نے ہمکو رسول خدا کی سی نماز پڑھا دی یا راوی نے کہا کہ علی نے رسول خدا کی نماز یاد دلا دی۔ دیکھو صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب تکبیر۔ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت عمر کے فتاوے کی نسبت تحریر فرماتے ہیں و صار غالب قضایاہ و فتاواہ متبعۃ فی مشارق الارض و مغاربہا یعنی حضرت عمر کے فتوے مملکت اسلامی کے مشرق و مغرب میں پھیل گئے اور ان کی پیروی کی گئی۔ اس سے قطعاً ثابت ہو گیا۔ کہ دنیا میں وہ اسلام رائج ہوا۔ جس کو حضرت عمر نے اپنی عقل کا پیوند لگا کر مسخ کر دیا تھا۔

شریعت کی تو یہ گت بنی اب شارع علیہ السلام کو لیجئے۔ ان بزرگوں کے اعتقادات اور خیالات ملاحظہ ہوں۔ حضرت ابوبکر کو مرتے وقت اپنی تکلیف کا اتنا خیال نہیں تھا جتنا کہ اسلام کا۔ وہ جانتے تھے کہ خدا کے یہاں باز پرس ہوگی۔ کہ تم نے اپنے بعد امت محمد کی ہدایت کا کیا انتظام کیا۔ اور اس کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں دی لہذا انہوں نے اسلام کے بہترین شخص حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت عمر تو ہمیشہ اسی فکر میں غلطاں و پیچاں ہی رہا کرتے تھے اور آہیں بھرا کرتے تھے۔ کہ ان کے بعد اس امت کو راہ راست پر چلانے والا کوئی نہیں۔ حضرت عائشہ نے بھی تاکیدی پیغام بھیجا کہ دیکھو امت محمد کو بغیر مربی و قائد کے نہ چھوڑ کر جانا کسی کو اپنا جانشین مقرر کر جانا۔ چنانچہ بہت سوچ سمجھ کر انہوں نے شوریٰ کی ترکیب نکالی۔ اگر اس بات کا خیال نہیں تھا۔ تو فقط باقی اسلام ہی کو نہیں

تھا۔ انہوں نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہ کیا۔ اس وقت بھی اگر حضرت عمر ہی وقت پر پہنچ کر اس طوفان
کو سنبھال لیتے تو معلوم نہیں اسلام کا کیا حشر ہوتا۔ یہ اسلام کی ہمدردی ہی تو تھی کہ جس نے حضرت عمر کو
جسدِ اطہر رسول خدا کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ میں جانے پر مجبور کیا۔ اسلام کی طرف سے جو رسول خدا
کی غفلت و لاپرواہی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس کو آپ نے ملاحظہ کیا۔ اب اپنی ہمدردی کا قصہ خود
حضرت عمر کی زبانی سنئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "رسول خدا نے چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت
علیؑ کے نام کر دیں۔ لیکن میں نے فتنہ و امر اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔ صفحہ ۲۹۔ کتاب ہذا۔
دیکھا آپ نے یا تو جناب رسول خدا کی معاذ اللہ عقل کی کمی تھی کہ اس فتنہ و پراگندگی امر اسلام کو نہ سمجھ
سکے جو حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے سے ہوتی یا حضرت علیؑ و خاندان کی محبت آپ پر اتنی غالب ہو گئی تھی
کہ اسلام کا کچھ خیال نہ رہا۔ یہاں بھی آن کر بچایا تو حضرت عمر نے۔ آنحضرت کے احکام ایسے ہوا کرتے تھے
کہ حضرت عمر کو اکثر مداخلت کرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اور وہ مداخلت کرتے تھے اکثر عقل سلیم کے مطابق
کرتے تھے۔ جو اصول اور قواعد آنحضرت نے شروع میں مقرر کئے وہ رفتار زمانہ و ترقی تمدن کے مطابق
نہ تھے لہذا حضرت عمر نے ان میں ترمیم کی یا تنسیخ کی۔ حضرت عمر آنحضرت کے بہت سے احکام میں مداخلت
فرمایا کرتے تھے۔ اکثر تو جناب رسول خدا اپنی غلطی کو محسوس کر کے حضرت عمر کی رائے اختیار کر لیتے تھے۔
اگر کبھی اپنی رائے پر آنحضرت اصرار فرماتے تھے۔ تو وحی کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ آپ کو تنبیہ کر دیتا
کہ تمہاری رائے غلط ہے۔ حضرت عمر کی رائے درست ہے۔ یہاں تک کہ قرآن شریف میں بھی
فقط اجمال ہی ہے۔ جزئیات مفقود ہیں لہذا اس کمی کو پورا کرنا بھی حضرت عمر کے ذمہ ہوا۔ اور وہ
انہوں نے پوری کی ہے۔ غور تو کیجئے یہ وہ رسول ہے۔ جس کی نسبت حدیث قدسی ہے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ
الْاَفْلَاکَ جس رسول کی بے چون و چرا اطاعت جزو اسلام اور احکام قرآنی کا خلاصہ تھی۔ اس کی نافرمانی
کرنے کی عادت مسلمانوں میں پیدا کی گئی۔ رسول خدا کی گفتگو کو ہذیان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس سے
پہلے بھی نبیوں اور رسولوں کی توہین و تذلیل ہوئی ہے مگر کافروں اور مخالفوں کے ہاتھ سے اپنی
امت کے ہاتھ سے نبی کی توہین اسی اسلام میں نظر آتی ہے جو سقیفہ بنی ساعدہ کی فیکٹری میں
تیار ہوا تھا جس رسول کی اتنی توہین و تذلیل خود اس کے اصحاب کریں اگر آئندہ آنیوالی نسلوں کے دلوں میں
اس کے اوامر و نواہی کی طاقت اتنی کمزور ہو کہ وہ ان کے عمل پر اثر پذیر نہ ہو سکے تو کونسی بڑی بات ہے
ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آج کل جو اوامر و نواہی اسلام کی طرف سے بے توجہی نظر آتی ہے۔ وہ اسی
سقیفہ سازی کا براہ راست نتیجہ ہے دوسرا نتیجہ اس کا یہ ہے کہ جناب رسول خدا کو ان کے عہدہ سے معطل کر کے
حضرت عمر کو ان کی جگہ بٹھا دیا گیا۔ رہ رہ کے باتیں یاد آتی ہیں۔ جمع قرآن کی نسبت ان بزرگواروں کا خیال ہے کہ جناب
رسول خدا نے کچھ انتظام ہی نہ کیا۔ یہاں بھی جب جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن قتل ہوئے تو حضرت عمر ہی نے ادھر بھی توجہ کی دیکھو

صفحہ ۴۸۴ تا ۴۹۰ کتاب ہذا۔ غرضکہ کوئی شعبۂ نبوت نہیں ہے جس میں آنحضرتؐ نے کوتاہی نہ کی ہو۔ اور جناب عمر نے اس کو پورا نہ کیا ہو۔ ایک اور قصہ ہم سناتے ہیں جس میں حضرت عمر کی خاطر جناب رسول خدا کی توہین کی گئی ہے۔ حضرت عمر اکثر نبیذ پی لیا کرتے تھے۔ اور جب آپ کو زخم کاری لگا اس وقت بھی نبیذ ہی پلائی گئی تھی۔ لہذا ضروری ہوا کہ حضرت عمر کی اس کمزوری کو ڈھانکا جائے۔ اس غرض کے لیے روایت مندرجہ ذیل بنائی گئی۔

قصہ شراب نبیذ

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا محمد بن بکر انا ابن جریج قال حدثنی حسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس و داؤد بن علی ان رجلا نادی ابن عباس والناس حولہ فقال سنۃ تبتغون بھذا النبیذ او ھو اھون علیکم من العسل واللبن فقال ابن عباس جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم عباسا فقال اسقونا فقال ان ھذا النبیذ شراب قد مغث و مرث افلا نسقیک لبنا و عسلا فقال اسقونی مما تسقون منہ الناس قال فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ اصحابہ من المھاجرین والانصار بعساس فیھا النبیذ فلما شرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عجل قبل ان یروی فرفع راسہ فقال احسنتم ھکذا فاصنعوا قال ابن عباس فرضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک اعجب الی من ان تسیل شعابھا علینا لبنا و عسلا۔
مسند امام احمد حنبل الجزء الاول صفحہ ۳۳۶۔

(اسمائے راویان عربی میں دیکھو) حسین بن عبد اللہ اور داؤد ابن علی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص نے عبد اللہ ابن عباس کو آواز دی درآں حالیکہ لوگ ان کو گھیرے ہوئے تھے اور اس نے کہا کہ تم اس نبیذ سے خوشنودی چاہتے ہو یا یہ تمہارے لئے شہد و دودھ سے بھی (اس اثر) میں کمزور ہے۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ ایک دفعہ جناب رسول خدا عباس کے پاس آئے اور کہا کہ ہم کو بھی پلاؤ عباس نے کہا کہ نبیذ تو شراب ہے کیا ہم آپ کو دودھ اور شہد نہ پلائیں۔ آنحضرتؐ نے کہا۔ کہ نہیں مجھ کو وہی پلاؤ جو لوگوں کو پلا رہے ہو پس ایک بڑا کاسہ نبیذ سے بھرا ہوا آنحضرت کو دیا گیا۔ آنحضرتؐ کے اصحاب و مہاجر و انصار ہمراہ تھے۔ آنحضرتؐ نے بہت جلدی جلدی کر کے پی لیا۔ قبل اس کے کہ اور لوگ آپکو دیکھیں یا قبل اس کے کہ آپ سیراب ہوں پس آپنے سر اٹھایا اور کہا کہ تم نے اچھا بنایا ہے پس بناتے رہو ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا اس سے خوش ہوگئے اور یہ میرے لئے زیادہ تعجب کی چیز ہے اس بات سے کہ ہمارے اوپر دودھ اور شہد کے چشمے (بہادیئے جاتے

ایسی ہی باتوں سے ان بزرگوں کی احادیث کی کتابیں بھری ہوئی ہیں جناب رسول خداؐ کی توہین و تذلیل کا اس سے بدتر نمونہ قیاس میں نہیں آسکتا۔ صرف لفظی ترجمہ ہی کافی ہے ہم کیا اس کی تفصیل و تشریح کریں اور یہ تحریم خمر کے بعد کا واقعہ ہے۔ جب ہی تو ابن عباس نے آنحضرت کو اول مرتبہ پینے سے انکار کیا اور کہا یہ تو خمر ہے ہم آپ کو دودھ اور شہد کیوں نہ دیدیں مگر آنحضرت نے اصرار کیا کہ نہیں نبیذ ہی دیدو اور پھر جلدی جلدی دوسروں کی نگاہ سے چھپا کر پینا بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ حرمت شراب کے بعد کا واقعہ ہے۔ یہ کوئی نہ سمجھے کہ نبیذ حرام نہیں اول تو خود ابن عباس نے کہہ دیا تھا کہ یہ شراب ہے۔ علاوہ اس کے جناب رسولخدا نے خود صاف تصریح کردی ہے۔ کہ نبیذ بہ حکم شراب ہے۔ اور وہ حرام ہے دیکھو مسند امام احمد حنبل الجزء الثانی صفحہ ۲۷، ۴۷، ۴۸، ۱۰۴۔ الجزء الرابع صفحہ ۳۰۴، ۳۵۶۔ الجزء السادس صفحہ ۹۶۔ ۹۹ و ۱۱۲۔

یہاں ایک اعتراض کا امکان ہے۔ مان لیا کہ غلط یا صحیح حضرت عمر نے ایک رائے قائم کرلی۔ کہ آنحضرت کے احکام دو قسم کے تھے۔ یہ بھی مان لیا کہ حضرت عمر نے اپنی عقل و قیاس کے دامن میں لے کر مکمل مذہب اسلام پر قبضہ کر لیا۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ رائے حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنے کے لیئے قائم و مشتہر کی گئی تھی اور یہ طرز عمل حکومت پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے تھا اس کا جواب آسان ہے جس موقعہ پر سب سے پہلے اس رائے پر عمل ہوا۔ اس موقعہ ہی کے لیے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ رائے قائم کی گئی تھی خوش قسمتی سے حسب اقبال حضرت عمر سب سے پہلے آپ نے اس رائے کو جناب رسول خداؐ کو حضرت علی کے حق میں وصیت خلافت لکھنے سے منع کرنے میں استعمال کیا۔ جیش اسامہ میں شامل ہونے کے حکم سے اس کی ہی بناء پر سرتابی کی گئی۔ غدیر خم کے اعلان کو نظر انداز کرنا بھی اس ہی خیال پر مبنی تھا۔ فدک کے قضیئے میں بھی عہدہ نبوت ہی ان کے زیر مشق رہا۔ ذوی القربیٰ کے حقوق کو نظر انداز کرنا بھی اس ہی خیال کی بناء پر تھا۔ بنو ہاشم اور اہل بیت رسالت سے ان کے حصّہ کے خمس کو روکنے میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔ بنو امیہ کو شام کی جاگیر دائمی عطا کرنے میں بھی اس خیال سے مدد لی گئی کیونکہ جناب رسول خداؐ کی ذاتی و ملکی دشمنیاں اور دوستیاں عہدہ نبوت میں تھوڑی داخل سمجھی جاسکتی ہیں یہ تو معاملات ملکی ہیں ان کو نبوت سے کیا سروکار دیکھا آپ نے ہر وہ تدبیر جو حضرت علی کو خلافت سے دور رکھ سکتی تھی اس خیال کے سرچشمہ سے سیراب ہو رہی ہے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نہ تو حضرت عمر اور نہ ان کے وکلا مولوی شبلی و شاہ ولی اللہ ایک اصول قائم کر سکے جس سے یہ معلوم کیا جاسکے کہ کون کون سے امور عہدہ نبوت میں شامل ہیں جن میں دست اندازی نہیں ہو سکتی اصول مقرر کرنا تو درکنار ایک بات بھی نہ بتائی جو عہدہ نبوت میں شامل ہو۔ نماز و حج و قرآن تک کو تو ہم اس مداخلت سے محفوظ نہیں دیکھتے۔ پھر کیا رہ گیا۔ کلمہ شہادت تک تو اس دستبرد سے بچا نہیں

دوں میں آسانی سے خلافت حاصل کر لینے کی جرأت و ہمّت پیدا ہوئی ہوتی۔ نہ طلحہ و زبیر سابقہ کامیاب نظام کی وجہ سے دلیر ہوئے ہوئے ہوتے تو پھر کونسی چیز حضرت علی کو مسند خلافت سے نیچے اتار دیتی۔ شروع ہی سے خلافت کا حضرت علی تک نہ پہنچنا ظاہر کر رہا ہے کہ ایک منظم سازش انکے خلاف ایسی تھی جس نے موقعہ و محل کو پہلے سوچ رکھا تھا۔ ادھر جناب رسول خدا کا آخری سانس ختم ہوا ادھر انھوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ یہ تنظیم کس نے کی اگر حضرت عمر نے نہیں کی۔ حضرت عمر کیوں جیش اسامہ کے ساتھ نہ چلے گئے۔ باوجود آنحضرتؐ کی اتنی تاکید کے نہ گئے، حرم رسول کے ذریعہ سے اسے رکے رکھا اور آخر میں بلوا لیا۔ آنحضرتؐ آخری وصیت لکھوانا چاہتے ہیں حضرت عمر تسلیم کرتے ہیں کہ یہ آخری وصیت حضرت علی کی خلافت کی تحریر تھی اور یہ کہ انہوں نے آنحضرتؐ کو روک دیا۔ ایسے ایسے اہم موقعوں پر اگر حضرت عمر نہ ہوتے تو یہ بیل منڈھے نہ چڑھتی۔ حضرت عمر نے بڑی کوشش کی اور ان مساعد واقعات سے انکی آخری حد تک فائدہ اٹھایا پھر بھی حضرت ابو بکر کی خلافت کے لئے اجماع پیدا نہ کر سکے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں فقط تین مہاجر تھے اور چند انصار جنہوں نے ابو بکر کی بیعت کی جب وہاں سے آئے اور مسجد نبوی میں بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تو اگرچہ حضرت عمر کی جماعت نے ان کی کارگزاری کی حمایت کی اور حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی لیکن بنو ہاشم و بنو امیہ جو قریش کے نہایت مشہور و معزز ترین قبیلے تھے بیعت سے منحرف تھے بنو زہرہ نے بھی زیر سرکردگی سعد ابن وقاص بیعت سے انکار کیا۔ انکے علاوہ بہت سے معزز و مقرب صحابۂ رسول مثلاً عمار ابن یاسر، ابو ذر، مقداد، ابو سعید الخدری، ابو ایوب انصاری و زبیر بن العوام و طلحہ وغیرہم نے حضرت ابو بکر کی بیعت سے تخلف کیا ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر کی بیعت پر اجماع نہ ہوا۔ ہاں بیعت کے بعد حکومت مل گئی تو پھر حضرت عمر نے حکومت کے سارے ذرائع استعمال کر کے مخالفین و متخلفین کو دوست و موافق بنانا شروع کیا مگر اجماع و غیر اجماع بیعت کے وقت دیکھا جاتا ہے۔ حکومت پر قبضہ کر کے تو دشمنوں کو دوست بنانا ان لوگوں کے لئے بہت آسان ہے جو بیت المال کے روپے کو بے دریغ اپنی حکومت کے استحکام کے لئے خرچ کرنے کی جرأت رکھتے ہیں۔

ہم نے جو اوپر ذکر کیا یہ سب تفصیل و تشریح ہے حضرت علی کے اس جملہ کی جو انہوں نے عبداللہ ابن عمر سے کہا تھا کہ اگر تیرا باپ نہ ہوتا تو کوئی میری مخالفت نہ کرتا۔ یہ معلوم کرنے کے بعد کہ حضرت عمر کے مقصد سیاست کو کن کن امور سے مدد مل سکتی تھی۔ اب ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمر نے ان امور سے کس طرح فائدہ اٹھایا اور کن تدابیر و تجاویز سے اپنے مقصد زندگی کو حاصل کیا، مگر قبل اس کے کہ ہم وہ تدابیر بیان کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کی سیاست کے چند بنیادی اصول کا تذکرہ کر دیں تاکہ اس سیاست کے سمجھنے میں آسانی ہو اور حضرت عمر کا طرزِ عمل جو بظاہر مختلف مواقع پر مختلف بلکہ متضاد جذبات کا نتیجہ نظر آتا ہے ایک ہی مقصدِ حیات اور ایک ہی سیاست

صاف ظاہر ہے کہ یہ خیال کسی صحیح اعتقاد یا اصول پر مبنی نہ تھا۔ اس سے تو فقط ایک ہی کام نکالنا مقصود تھا اور وہ یہ کہ جناب رسول خدا کے تقرر جانشین کے احکام کی پابندی سے بچ نکلیں۔ اور اپنا قبضہ حکومت و دین پر مکمل ہو جائے۔ انگریزی میں مثل ہے کہ۔

یعنی بڑے آدمیوں کے دماغ ایک ہی راستے پر چلتے ہیں پاپائے روم نے بھی حکومت پر اپنے قبضہ کو مستحکم کرنے کے لئے دین عیسوی کی ترمیم و تنسیخ کر کے اسی طرح اس پر اپنا قبضہ کر لیا تھا۔

جتنا زیادہ ہم مولوی شبلی اور حضرت عمر کے اس تقسیم احکام نبوی پر غور کرتے ہیں اتنا ہی ہم کو اس کا نقصان روز بروز زیادہ نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ جو احکام شریعت بہ منصب نبوت سے باہر ہیں ان کی خلاف ورزی کرنے سے عصیان خدا اور رسول عائد نہیں ہوتا اور نہ ہم کسی مذہبی سزا کے مستوجب ہوتے ہیں۔ ہاں اگر وہ تعزیرات ملکی میں آتے ہیں تو ہم کو حکومت کی مقرر کردہ سزا مل جائے گی لیکن ہمارے ایمان اور اسلام پر ذرہ برابر اس کا اثر نہیں پڑے گا۔ امور معاشرت و حکومت دائرہ نبوت و احاطہ شریعت سے باہر ہیں۔ لہذا نتیجہ نکلا کہ ہم کوئی مذہبی گناہ نہیں کر رہے ہیں اور نہ خداوند تعالے ہمارے ان افعال سے ناراض ہوگا۔ اگر ہم خوب زنا کریں۔ چوری کریں۔ ڈاکہ ڈالیں۔ قتل کریں۔ بغاوت کریں۔ جہاد سے بھاگیں۔ امانتوں کو واپس نہ کریں۔ جھوٹ بولیں۔ ہاں اگر پکڑے جائیں گے تو اس دنیا میں سزا مل جائیگی نہ پکڑے گئے کسی نے نہ دیکھا یا جرم ثابت نہ ہوا تو بچ گئے۔ خدا کا حاضر و ناظر ہونا بیکار ہے۔ ان امور کے لئے آخرت میں تو ہم کو کوئی سزا ملے ہی گی نہیں کیونکہ یہ مذہب کے اندر تو داخل ہی نہیں۔ غالباً اسی عقیدے پر جناب یزید نے عمل کیا تھا۔ واقعہ کربلا اس اور ایسے ہی چند دیگر عقاید کا براہ راست نتیجہ ہے۔ جس پر ہم ابھی غور کریں گے۔

حضرت عمر نے اپنے افعال کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے مذہب میں ایسے ایسے اصول مقرر کر دیئے۔ جو صریحاً ضرر رساں اور خلاف فقہ اسلامی ہیں ایک ایسے اصول کا ذکر ہم نے اس کتاب کے صفحہ ۲۶۷ پر کیا ہے۔ جہاں حضرت عمر اپنے فعل کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور عبداللہ ابن عباس کو قائل کرنا چاہتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ رسولخدا نے چاہا کہ خلافت علی کو ملے۔ خدا نے اسکے خلاف چاہا۔ خدا کی مراد جاری ہو گئی اور رسول خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ جس طرح رسول خدا نے چاہا کہ ان کا چچا ایمان لائے لیکن وہ ایمان نہ لایا اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہ ہوا۔ ایک اور مکالمہ ہے جو اس سے پہلے صفحہ ۲۶۵ کے شروع میں لکھا جا چکا ہے۔ حضرت عمر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جناب رسولخدا حضرت علی کے حق میں خلافت کی وصیت لکھنی چاہتے تھے۔ لیکن میں نے روک دیا۔ ان دونوں مکالموں کو ملا کر پڑھنے سے نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خدا نے چاہا کہ خلافت علی کو ملے۔ خدا نے چاہا کہ خلافت علی کو نہ ملے۔ خدا کی

مراد حضرت عمر کے ذریعہ سے جاری ہو گئی لہذا حضرت عمر اس امر میں قابل مواخذہ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو مقدر کیا تھا وہ ہوا۔ دیکھا آپ نے کیسا گمراہ کن عقیدہ ہے اور محض اپنی حکومت کی جوازیت قائم رکھنے کے لئے اس کو پھیلایا جا رہا ہے اس کے تو کہنے کی ضرورت نہیں کہ جو حضرت عمر کے عقائد تھے وہی حضرت ابوبکر کے تھے۔ تاریخ الخلفاء سیوطی میں ہے۔

عن ابن عمر قال جاء رجل الی ابی بکر فقال ارایت الزنا بقدر قال نعم قال فان اللہ قدرہ علی ثم یعذبنی قال نعم یا ابن اللخناء اما واللہ لو کان عندی انسان امرت ان یجاء انفک۔

ابن عمر کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کے پاس ایک آدمی آیا اور پوچھا کہ کیا زنا بھی خدا کے حکم سے ہوتا ہے ابوبکر نے فرمایا کہ ہاں اس نے کہا کہ کیا وہ مجھے عذاب بھی کریگا حالانکہ زنا اس کے ہی حکم سے ہوا۔ ابوبکر نے کہا ہاں واللہ اگر اس وقت کوئی آدمی میرے پاس ہوتا تو حکم دیتا تیری ناک ڈالے۔

تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی۔

علم دین سکھانے کا کیسا اچھا طریقہ معلوم ہوا۔ بجائے سمجھانے کے ناک کاٹ ڈالنی چاہیئے۔ یہ وہ ایسے عقیدے سے سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کے براہ راست نتیجے ہیں۔ اس عقیدہ کا منشاء ہے کہ جو سانحہ یا فعل واقع ہو جاتا ہے وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے جس کا نتیجہ نکلا کہ کرنے والا ملزم نہیں بلکہ وہ خداوند تعالیٰ کی مشیت کی اجراء کے لئے ایجنٹ ہے مثلاً زید اپنے دوست خالد کی بیوی پر عاشق ہو گیا۔ ایک رات کو چھپ کر جاتا ہے۔ خالد اور اس کے بچوں کو سوتا ہوا قتل کر دیتا ہے اور اس کی بیوی کو لے آتا ہے اس عقیدہ کے مطابق زید مجرم نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا خدا نے کیا۔ زید کو تو ثواب ملنا چاہیئے کہ اس نے مشیت ایزدی کو پورا کیا۔ اب تو کوئی رکاوٹ ہی نہیں رہی۔ خوب عیش کرو۔ ڈاکہ، لوٹ مار کرو سب جائز ہے۔ صرف اتنی کوشش کرو۔ کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اگر زنا کرنے میں ناکامیاب رہے تو گنہگار کیونکہ ناکامیابی سے ظاہر ہوا کہ وہ خدا کی طرف سے مقدر نہ تھا۔ اور اگر واقعی زنا کر لیا تو بیگناہ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے مقدر تھا۔ ؎

مسجد نشیناں رخصتے خواہد بدیرم بعتے ۔۔۔ در دست رنگین شیشہ در شیشہ موج کوثرے

اگر اس فعل میں کچھ برائی ہے تو الزام خدا کی طرف عائد ہوگا۔ سزا و جزا ہی نہ رہی جنت و دوزخ کی کیا ضرورت ہے۔ میزان عدل کیوں قائم ہو۔ اور میدان حشر کا ہی ہنگامہ کیوں ہو اس سے زیادہ غلط عقیدہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ حضرت عمر کے عاشق صادق جناب مولوی شبلی کو خود اس عقیدہ کی حمایت کرنی لازم تھی۔ آپ فرماتے ہیں۔

"دوسرے اختلاف قدر و جبر کا منشاء یہ تھا کہ انسان کے افعال کو اگر زیادہ غور

سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک چیز بھی ہمارے بس کی نہیں یہانتک کہ ہمارا ارادہ اور خواہش بھی ہمارا اختیاری نہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر ہم اپنے افعال میں مجبور ہیں تو ثواب و عقاب جو مذہب کی جان ہے اس کی بنیاد اکھڑ جاتی ہے۔ قرآن مجید میں دونوں قسم کی آیتیں ہیں بعض میں صاف صاف تصریح ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کراتا ہے۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ۔ بعض کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے افعال کا آپ ذمہ دار ہے مَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ اس بنا پر اسلام میں دو رائیں قائم ہو گئیں۔ جو لوگ زیادہ آزاد تھے۔ انہوں نے صاف صاف جبر کو مانا اور جبریہ کہلائے جو اس لفظ سے جھجکتے تھے انہوں نے کسب اور ارادہ کا پردہ رکھا یہ پردہ بھی ابوالحسن اشعری نے ایجاد کیا۔ ورنہ قدما اس کا بھی نام نہیں لیتے۔"

مولوی شبلی۔ علم الکلام حصہ اوّل صفحہ ۲۱

مولوی شبلی کی رائے میں یہ عقیدہ زیادہ غور کا نتیجہ ہے اس کے مخالف عقیدہ اگر کوئی ہو تو وہ سطحی خیالی پر مبنی ہے لیکن اس میں کچھ قرآن شریف نے رکاوٹ پیدا کر دی ہے مجبور ہیں دل سے تو ایمان اس عقیدہ پر ہے لیکن زبان سے قرآن شریف کو غلط نہیں کہہ سکتے عجیب مخمصہ میں پھنس گئے ہیں آخر کار قرآن شریف کی غلطی اور اس کے متضاد ہونے کی متضاد ہونے کی طرف اشارہ کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔ تصوف کی زبان میں شبلی صاحب کہہ سکتے ہیں ؎

دیدہ محروم بھی منزل جاناں میں آئے تھے پر شکر ہے کہ بڑھ گئے دامن بچا کے ہم

ان کے الفاظ پر غور فرمائیے "قرآن شریف میں دونوں قسم کی آیتیں موجود ہیں......" جو لوگ زیادہ آزاد تھے انہوں نے ایک کمزور سا پردہ ڈال لیا اور پھر وہ بھی چاک چاک ہو گیا۔ آزاد تھے یعنی حق بات کہنے سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور مذہب کی بے جا قیود کو نظر انداز کر سکتے تھے لیکن خود مولوی شبلی مجبور ہیں جو دل چاہتا ہے وہ زبان صاف صاف ادا نہیں کر سکتی۔ صرف اشارہ کر رہی ہے۔ لیکن دراصل یہ قرآن شریف کا تضاد نہیں ہے بلکہ اپنی سمجھ کا پھیر ہے۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ ہم اس مضمون پر تفصیل سے بحث کر سکیں۔ قرآن شریف کی ہر ایک آیت کے معنی اسکے سیاق و سباق سے نکالنے چاہئیں۔ جب اظہار قدرت مطلوب ہوتا ہے تو کل من عند اللہ کہا جاتا ہے۔ اور یہ بھی درست خدا چاہے تو تم میں برائی کرنے کا ارادہ ہی نہ پیدا ہو۔ خدا چاہے تو کوئی کافر ہی نہ ہو۔ لیکن قدرت و علم اور ہے، سبب اور ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ چونکہ دنیا میں کفر باقی ہے اور خدا میں قدرت تھی کہ کفر باقی نہ رہے۔ لہذا کفر کا سبب خدا ہوا۔ ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ ایک سونے کے پیالے کے نیچے کالا زہریلا سانپ بند ہے۔ مجھے اس کا علم ہے ایک شخص آتا ہے وہ پیالے کو لینا چاہتا ہے میں بتا دیتا ہوں کہ اس میں سانپ ہے لیکن پھر بھی

وہ پیالہ اٹھاتا ہے۔ سانپ کاٹتا ہے۔ وہ آدمی مرجاتا ہے۔ یہ کون کہے گا کہ اس آدمی کی موت سبب میں ہوں۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا یعنی قوانین قدرت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اُن قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ ہر ایک فعل ایک اثر پیدا کرتا ہے اور اثر کی نوعیت فعل کی نوعیت پر مبنی ہوتی ہے۔ لہٰذا برے افعال کا نتیجہ مصائب و آلام کی صورت میں ظاہر ہونا لازمی ہوا۔ مصیبتیں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں ایک امتحان کی صورت میں نازل ہوتی ہیں۔ دوسری عذاب کی صورت میں۔ دونوں حالتوں میں صبر کرنا باعث اجر ہوتا ہے پہلی صورت میں صبر باعث حصولِ درجات عالیہ ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں وہ کفارۂ گناہاں ہوجاتا ہے۔ پہلی صورت میں بلا یا امتحان ارادۂ خداوندی سے آتا ہے۔ دوسری صورت میں وہ مصائب انسان کے اپنے ہی افعال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ قرآن شریف میں دونوں حالتوں کا ذکر ہے جو لوگ کم فہم ہوتے ہیں وہ اس نکتہ چینی کو سمجھتے ہیں جن کو سقیفہ سازی کی حمایت مطلوب ہوتی ہے وہ قرآن شریف پر تضاد کا اعتراض عائد کرتے ہیں۔ مولوی شبلی اگر تمام متعلقہ آیات نقل کر کے ان پر غور کرتے تو متضاد بیانی کا الزام قرآن شریف پر لگانے کی جرات نہ کرتے۔ کل آیات اس طرح ہیں۔

وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۝ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط ۴ ع ۷ - ۷۹ -

غور کیجئے۔ خداوند تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہارا فعل خدا کی طرف سے ہے فعل کے تو تم مختار ہو۔ اچھا کرو یا برا۔ ہاں اس فعل کا نتیجہ خدا کی طرف ہے۔ اگر اچھا فعل کیا ہے تو خدا تم کو حسنہ یعنی اچھا دے گا اور برا کام کیا ہے تو تم کو برائی ملے گی۔ خدا برائی دینے والا نہیں۔ بلکہ تمہارے فعل کا نتیجہ وہ برائی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر خدا چاہتا تو تمہارے برے فعل کے برے اثر کو نہ پیدا ہونے دیتا اور اچھے فعل سے اچھا نتیجہ نہ نکلتا۔ خدا میں سب قدرت ہے۔ لہٰذا فرمایا گیا کہ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ جو لوگ قرآن شریف پر متضاد بیانی کا الزام لگاتے ہیں وہ فعل و نتیجہ فعل کو مخلوط کر دیتے ہیں۔ اور یہی غلطی شبلی نعمانی نے کی ہے۔ ان آیات سے جو انہوں نے جبر کی مثال میں پیش کی ہیں۔ کہیں ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ تم اپنے فعل میں مجبور ہو۔ بلکہ اُن سے تو آزادی فعل ثابت ہوتی ہے۔ تم برا فعل کرنے میں آزاد تھے۔ تم نے برا فعل کیا۔ لہٰذا تم پر مصیبت آئی۔

مولوی شبلی کو تردد کیا ہے اُن کے ایمان کی کمزوری ہے۔ خود مانتے ہیں کہ اس عقیدہ جبر سے ثواب وعقاب کی جو مذہب کی جان ہے جڑ اکھڑ جاتی ہے۔ اس کا نام انہوں نے مشکل رکھا ہے۔

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اور ایسے ہی دیگر عقائد محض ملکی ضرورت (سیاست) کی وجہ سے قائم کئے گئے تھے۔ پھر ہم مولوی شبلی کی گواہی پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

اختلاف عقائد کے اگرچہ یہ سب اسباب فراہم تھے لیکن ابتدا پالیٹکس یعنی ملکی ضرورت سے ہوئی بنوامیہ کے زمانے میں چونکہ سفاکی کا بازار گرم رہتا تھا طبیعتوں میں شورش پیدا ہوئی لیکن جب کبھی شکایت کا لفظ کسی کی زبان پر آتا تھا۔ تو طرفداران حکومت یہ کہہ کر اسکو چپ کرا دیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے ہم کو دم نہیں مارنا چاہیئے۔ "آمنا باللہ خیرہ شرہ" مولوی شبلی: علم الکلام حصہ اول صفحہ ۱۱

اس عبارت کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے۔ "اختلاف عقائد کی بنیاد پالیٹکس سے ہوئی"۔ دیکھئے حق کس طرح سے سر چڑھ کر بولتا ہے۔ مولوی شبلی کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ محض غلط ہے محض ملکی ضرورت کے لئے اختراع کیا گیا تھا اور وہ ضرورت یہ تھی کہ حکومت کے ظلم وجور پر پردہ پڑ جائے لیکن اولاً بابرکت علماء سمجھے کہ بنوامیہ ظلم وجور میں بدنام ہیں ان کے سر چلیگا دوسب کھپ جائے گا۔ مگر ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ عقیدہ حضرت عمر نے ایجاد کیا تھا اور جو اہل بیت رسول پر ظلم ہوا تھا اس کی پردہ پوشی کے لئے ایجاد کیا تھا اس سے ہمارا وہ بڑا دعویٰ بھی ثابت ہو گیا کہ بنوامیہ تو محض شاگرد تھے پالیسی وسیاست تو وہی حضرت عمر کی تھی جو بنوامیہ کے زمانہ میں بھی کارفرما تھی اور بنوعباس کے زمانہ میں بھی زیر عمل رہی۔ ایک اور دعویٰ ثابت ہوا کہ اسلام میں اختلاف کی باعث ان بزرگواروں کی سیاست تھی جس نے ایسے عقائد کی بنا ڈال کر اسلام کا ستیاناس کر دیا۔

ان بزرگواروں نے اپنی کتابوں میں جو روایات دیکھیں ان سے یہ صحیح نتیجہ نکالا کہ دراصل نبوت کا کام آنحضرتؐ کی زندگی میں بھی حضرت عمرؓ ہی کرتے تھے اور جو جو عقائد انہوں نے قائم کئے ان کی ہی اکثر بالکثرت امت کے اسلام کی بنا پڑی بسا اوقات حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی غلطیوں کو درست کیا ہے بسا اوقات اسلام کی ہمدردی میں انہوں نے آنحضرتؐ کے حق میں ان الرجل لیہجر فرمایا ہے اور ساتھ ہی ان کے ان بزرگوں نے کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کے افعال واعمال پر بھی نظر ڈالی۔ کہہ کچھ رہے ہیں۔ کر کچھ رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حسبنا کتاب اللہ۔ لیکن جب عمل کا موقعہ آتا ہے تو کتاب اللہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ جناب فاطمہؑ سے نصاب شہادت طلب کرنے میں سختی کرتے ہیں ہم نفس رسول پیش ہوتا ہے۔ اس کی گواہی رد کرتے ہیں۔ کبھی ایک صحابی کے بیان پر جو اس کے اپنے حق میں ہوتا ہے لپیں بھر بھر کر زر وجواہرات کی دیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہم یک سر مو سنت رسول سے تجاوز نہیں کریں گے کبھی اس سنت کی مخالفت ایسی کرتے ہیں کہ خمس تک ذوی القربیٰ کو نہیں دیتے کہتے ہیں کہ رسول خدا نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں کیا۔ کیونکہ امت کا حق تھا کہ خلیفہ وحاکم مقرر کرے

اختلاف عقائد کی بنیاد پالیٹکس پر ہے

اصول دین سیاست تھے

کبھی اس سنّت کو ترک کرکے خود اپنا جانشین مقرر کرنے لگتے ہیں۔ اپنی حکومت استوار کرنے کے لئے عورتوں تک کو رشوت دیتے ہیں۔ حضرت عباس تک کو رشوت کی تجویز سے اپنی طرف کرنا چاہتے ہیں بنت رسول کا گھر تک جلانے تشریف لے جاتے ہیں۔ رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے لئے نبوت تک کی تقسیم کر ڈالی۔ لیکن اپنے احکام کی اُمّت سے یہ کہہ کر اطاعت کراتے ہیں کہ ہر ایک صحابی رسول ہدایت کا ستارہ ہے۔ جس کی چاہے اس کی اطاعت کرو۔ اور اگر اس سے اختلاف ہو تو بھی رحمت ہے رسُول کی اطاعت سے بچنے کے لیے تو نبوت تک کے ٹکڑے کر ڈالے لیکن صحابی کی اطاعت ایسی لازمی ہوگئی کہ اگر اسلام میں تفرقہ بھی پڑ جائے تو وہ رحمت ہے اور اگر کتاب اللہ ولا تفرقوا کہتی ہے تو کیا کرے وہ ہماری عقل کے تابع ہے نہ کہ ہم اس کے۔ ہم اپنے قیاس سے اس کی تاویل کرینگے وہ اپنے صریح الفاظ سے ہم پر حکومت نہیں کر سکتی غرضکہ اور ایسے ہی ہزاروں اعمال اور افعال ہیں جب تا اعلت اہل حکومت نے یہ دیکھا تو اپنے تئیں بہت مشکل میں پایا۔ اور ان کارکنان سقیفہ کو جتنی ثابت کرنا بھی ضروری تھا۔ مشکل تو بڑی بھی لیکن اس سے بڑی بڑی مشکلیں صاحبان حل وعقد پہلے حل کر چکے تھے اور طریقے بھی بتا گئے تھے لہٰذا وہ ہی طریقہ استعمال ہوتا ہے اور ایک عقیدہ قائم کیا جاتا ہے۔ ہم پھر مولوی شبلی کو شہادت میں پیش کرتے ہیں :-

"تیسرا اختلاف اس بنا پر تھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں یا نہیں۔ چونکہ اکثر حدیثوں میں حیا وغیرہ کی نسبت یہ الفاظ ہیں کہ الحیاء من الایمان۔ اس لیے محدثین نے سمجھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں۔ لیکن اہل نظر نے جن میں امام ابوحنیفہ سب سے پیش رو تھے اس سے اختلاف کیا اور اعتقاد وعمل میں تفریق کی۔ محدثین نے ان لوگوں کا نام مرجیہ رکھا چنانچہ امام ابوحنیفہ کو بھی بہت سے محدثین مرجیہ ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں"

مولوی شبلی:- علم الکلام حصہ اول صفحہ ۲۲

دیکھئے کیسا مفید عقیدہ ہے۔ عمر بھر کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ مومن کامل بھی کہلاؤ جنت بھی مل جائے کیونکہ جنت ہے ہی مومنوں کیلئے اور خوب عیش و عشرت بھی کرلو۔ غرضکہ حصول دنیا ہی کو مقصد زندگی سمجھ کر اس کیلئے ہر طرح سے راستہ صاف ہو رہا ہے۔ پہلے تو ایک عقیدہ قائم ہوا کہ جو ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے ہم بری الذمہ ہیں، خوب آزادی ملی۔ اب یہ نسخہ پر دوہلا آیا۔ اعمالوں کی ضرورت ہی نہیں ایمان کیلئے اور ان سب کا مخرج ہے وہ ہی سقیفہ بنی ساعدہ اور یہ سب حضرت عمر کے ایجاد کردہ قیاس کی نیرنگیاں ہیں۔ جیسی جیسی ضرورت در پیش آتی ہے۔ عقاید مرتب ہوتے جاتے ہیں قیاس کئے جاؤ اور مذہب کو اپنے خواہشات کے سانچے میں ڈھالتے جاؤ۔ حسبنا کتاب اللہ کہنے والوں نے پھر کتاب اللہ کو نظر انداز کر دیا۔ قرآن شریف میں جہاں جہاں جنّت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وہاں یہ بھی

ہے کہ یا ایہا الذین امنوا وعملوا الصلحت یعنی یہ ہیں کہ اے مسلمانو! عمل نیک کرنے والو۔ تمہارے لئے جنت ہے۔ ایک جگہ بھی ایمان کو عمل سے جدا کر کے جنت کے حصول کیلئے کافی نہیں قرار دیا۔ لیکن کارکنان سقیفہ کی حجت نے مجبور کر دیا کہ ایمان کو عمل سے جدا کر کے صرف اسلام کو مسخ کریں۔ زبانی اعتقاد ہی کو جنت کے حصول کیلئے کافی سمجھا گیا۔ حالانکہ قرآن شریف کا ارشاد ہے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما۔ (پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۹) یعنی قسم ہے تیرے پروردگار کی جب تک اپنے تنازعات میں حاکم نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے تسلیم کر لیں تب تک یہ مومن نہ ہوں گے۔

دیکھیے کتنی عظیم الشان قسم کے ساتھ کہ جس کے آگے کوئی اور قسم ہی نہیں ہے ارشاد ہوتا ہے۔ کہ جب تک یہ لوگ اپنے تنازعات میں تم کو حاکم نہ بنائیں یہ مومن ہی نہیں۔ حکومت نبوت میں شامل ہوتی۔ ایمان کی شرط اطاعت ہے۔ اور اطاعت عمل ہے اور ثابت ہوا کہ عمل جزو ایمان ہے۔ نتیجہ نکلا کہ یہ عقیدہ قطعاً غلط ہے اور حسبنا کتاب اللہ کہنے والے کتاب اللہ سے روگردانی کر رہے ہیں جناب امام جعفر صادق نے بہت عمدہ بحث سے ثابت کیا ہے کہ عمل ایمان میں داخل ہے اور اس کا جزو ہے۔ دیکھو ہماری کتاب نور المشرقین من حیاۃ الصادقین صفحہ ۴۹۲ تا ۵۰۵

اکثریت امت کا اسلام حضرت عمر کی ایجاد ہمارا یہ دعویٰ کہ امت اسلامیہ کی اکثریت میں جو اسلام رائج ہوا وہ حضرت عمر کا ایجاد کردہ تھا اور یہی وہ اسلام ہے جو آجکل اس ذلت و نکبت کی حالت میں دیکھا جاتا ہے۔ بہت سے کانوں کو عجیب معلوم ہوگا اور بہت سے دلوں کو بعید از عقل نظر آئے گا لہذا ہر ایک پہلو سے اس کی تشریح و تفصیل کرنی ہمارا فرض ہوا اس میں اگر کوئی مضمون دہرایا جائے گا۔ تو وہ بھی بغیر فائدہ کے نہ ہوگا۔ کیونکہ جس طرح پرانے زنگ کو دور کرنے کے لئے بار بار کے صیقل کی ضرورت ہے۔ اسی طرح پیدائشی تعصب کو مٹانے کے لئے آوازِ حق کو تیز و مکرر کرنا ہوگا۔ شاعر نے خوب کہا ہے ؎

نوا را تلخ تر میزن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر میخواں چو محمل را گراں بینی

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں ہم نے بہت کچھ کہہ دیا ہے اب تو اس پھیلی ہوئی گفتگو کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل امور پر ناظرین غور کریں۔

(۱) شروع تو اس طرح کیا کہ نبوت کے باہر کے احکام ہر وقت قابل پابندی نہیں ان کے بدلنے یا نہ ماننے سے اسلام یا ایمان میں فرق نہیں آتا۔ ان کی ترمیم و تنسیخ ہم کر سکتے ہیں۔

(۲) حکومت دائرہ نبوت میں شامل نہیں۔ لہٰذا اس کے متعلق جتنے احکام ہوں گے ہم اُن کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔

(۳) ہمیں رسول خدا کی ہدایت کی ضرورت نہیں۔ حسبنا کتاب اللہ

(۴) جناب رسول خدا کے قائم کردہ شرائع اسلام بہت محدود ہیں۔ زمانہ کی ترقی و تمدن کی پیچیدگیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

(۵) لہٰذا ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم ان امور میں اپنی عقل و قیاس سے مداخلت کر کے ان کی ترمیم و تنسیخ کریں۔

(۶) اوّل اوّل تو قاعدہ قائم کیا کہ عقل و قیاس کی مداخلت اس جگہ ہونی چاہیئے۔ جہاں کتاب اللہ و سنت رسول خاموش ہیں۔ لیکن یہ ہدایت اوروں کے لئے ہی تھی۔ خود اپنے لئے تو حضرت عمر نے اس حد کو کبھی قابل پابندی نہ پایا۔

(۷) لیکن بہت جلد اندرون و بیرون نبوت کا امتیاز جاتا رہا۔ حضرت عمر کے عقل و قیاس کی مداخلت آنحضرت کے ہر ایک حکم میں ہو گئی اور نبوت کا دائرہ اتنا سکڑا کہ بالکل معدوم ہو گیا نماز میں حج میں جہاد میں غرض ہر جگہ حضرت عمر کی ترمیم و تنسیخ نظر آتی ہے۔

(۸) مولوی شبلی کہتے ہیں کہ فقہ کا فن تمام تر حضرت عمر کا ساختہ پرداختہ ہے۔ اور انہوں نے بہت کثرت سے فقہ میں نئے نئے قواعد جاری کئے جو آج تک حنفی فقہ میں موجود ہیں۔ مولوی شاہ ولی اللہ دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں ایک رسالہ ہی حضرت عمر کے مذہب کے متعلق لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"یہ رسالہ جس کے مدوّن و جمع کرنے کی اللہ عزوجل نے مجھے توفیق دی حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے مذہب کے متعلق ہے۔ مذاہب ائمہ اربعہ اس کی بمنزلہ شرح کے ہیں اور مجتہدین مذاہب اربعہ بمنزلہ مجتہدین منتسبین کے جو مجتہد مستقل کے تابع ہوتے ہیں"۔

اردو ترجمہ ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۴۳۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سواد اعظم یعنی اہلسنت و جماعت کا مذہب وہی ہے جو حضرت عمر کا مذہب تھا اور حضرت عمر کا مذہب وہ تھا جو انہوں نے اپنی عقل و قیاس کی مداخلت سے اسلام کی ترمیم و تنسیخ کر کے قائم کیا تھا اور اس میں ایسے ایسے خطرناک اصول داخل کر دئے تھے۔ جنہوں نے اسلام میں ہزاروں خرابیاں پیدا کر دیں۔ یہ امر واقعہ کہ حضرت عمر کی وفات تک ان کا ایک مستقل مذہب قائم ہو چکا تھا۔ جو آنحضرت کے مذہب کے بالکل مخالف ایک علیحدہ شے تھی۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ عبدالرحمٰن بن عوف کو حصول خلافت کے لئے آنحضرت کی سنّت کے مقابلہ میں علیحدہ شیخین کی سنّت کی پیروی کرنے کی شرط قائم کرنی پڑی اگر یہ دونوں مذہب ایک ہوتے تو حضرت علی کا اقرار کر لینا کافی تھا

رسول کی پیروی کر دیں گا۔ کافی سمجھا جاتا۔ لیکن وہ کافی نہ سمجھا گیا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ سنّت رسول ایک علیحدہ شے تھی اور اس کے مقابلہ میں سنّت شیخین ایک علیحدہ شے تھی اور ایک کی پیروی دوسرے کی پیروی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ ممکن ہے کہ کوئی اعتراض کرے کہ دین اور شے ہے اور فقہ اور۔ اگر حضرت عمر نے فقہ میں اختلاف پیدا کیا تو دین کو نہیں چھیڑا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ انہوں نے اسلام کے علاوہ دوسرا مذہب یا دین پیدا کیا درست نہ ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو آپ دین کہتے ہیں وہ تو فقط اعتقادی اصول سے مرکب ہے۔ فروریات قوم کے عمل کا انحصار تو ان تمام جزئیات پہ ہے جس کو آپ فقہ کہتے ہیں۔ علاوہ اس کے اصول دین آپ کے یہاں یہ ہیں (۱) وحدانیت (۲) رسالت (۳) ایمان بالملائکہ (۴) قرآن شریف (۵) ایمان بانبیائے سابقہ (۶) قیامت۔ دیکھو عقائد الاسلام تالیف مولوی عبدالحق محدث دہلوی صفحہ ۹، خداوند تعالیٰ کی ایک ہی صفت وحدانیت تو نہیں ہے۔ اگر متعدد صفات میں سے ایک میں بھی آپ نے رد و بدل کیا تو گویا دین میں تبدیلی کی اسی طرح نبوّت کا جب آپ نے دائرہ اتنا تنگ کیا کہ جتنا حضرت عمر نے کر دیا تو گویا انہوں نے اصلی دین میں تغیر پیدا کیا۔ قرآن شریف کی غلط تاویل و تفسیر محض اپنی عقل و قیاس کی بنا پر کرتی جس کی بنیاد حضرت عمر نے ڈالی وہ بھی تو دین کو خنثیٰ کرنا ہوگا۔ جناب محمد مصطفیٰ کو آپ نے رسول تو مانا لیکن ایسا معطل و بیکار رسول مانا کہ ان کے ہر ایک کام کو حضرت عمر ترمیم و منسوخ کر سکتے تھے اور ان کی نبوّت و رسالت کے دائرہ کو ایسا تنگ کیا کہ ان کے اختیارات اعظم گڑھ کی چھوٹی سی مسجد کے ملا کے برابر رہ گئے تو آپ نے کیا مانا۔ غرضکہ اس بحث کو بھی آپ لیں تو کچھ کام نہیں بنتا۔

اس ترمیم و تنسیخ مذہب و ایجاد عقاید کا مقصد | حضرت عمر کی ترمیم و تنسیخ مذہب و ایجاد و عقاید کا مقصد اس کتاب کے شروع سے ہم ظاہر کرتے آئے ہیں۔ اب صرف سلسلہ کلام قائم رکھنے کیلئے اختصار کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک ایسی حکومت پر قبضہ کرنا مقصود تھا۔ جس کی پیدائش ہی مذہب سے ہوئی تھی اور جس کی طاقت اور آئندہ کی ہستی مذہب اور محض مذہب پہ مبنی تھی لہٰذا ضروری ہوا کہ اس سرچشمہ ہی پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ اقتدار مکمل ہو جائے اس اعتقاد کی ایجاد و اشاعت کہ حکومت جزو نبوّت نہیں ہے صرف اس قدر ہی مفید ہو سکتی تھی کہ آں حضرت کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے باوجود وہ لوگ اپنے تئیں مسلمان کہہ سکتے تھے بہت کوشش کی کہ بطور امر واقعہ حکومت نبوّت و مذہب سے علیحدہ ہو جائے لیکن ایسا نہ ہوا۔ باوجود اس اعتقاد کے حکومت اسی طرح مذہب سے وابستہ و پیوستہ رہی اس حکومت کا خمیر ہی مذہب سے بنا تھا۔ لہٰذا مذہب کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا یہ بھی بیّن ثبوت ہے۔ اس امر کا کہ حکومت نبوّت کا جزو اعظم تھی۔ اس جماعت

نے اچھی طرح معلوم کر لیا کہ ان کی سیاست مکمل طور سے اس وقت ہی کامیاب ہو سکتی ہے۔ کہ جب یہ مذہب پر بھی قبضہ کریں۔ اس وجہ سے ان کے سردار حضرت عمر نے اس کی ابتدا ز زمانہ رسول ہی سے کر دی اور مذہب کے امور میں مداخلت شروع کر دی تاکہ لوگوں کی آنکھوں میں اسلام کی تشکیل کرنے والوں میں یہ بھی ایک سمجھے جائیں ورنہ غور کیجئے کہ جناب رسول خدا کی حیات میں ان کو قیاس واستعمال عقل کی امور مذہبی میں کیا ضرورت تھی۔ ان کی عقل، ان کا قیاس جناب رسول خدا کے عقل و قیاس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتا تھا۔ آنحضرت خود ہی امور اسلام کا بہترین طریقے سے اہتمام کر سکتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جناب رسولخدا کی حیات ہی میں تجویز زیر عمل آ چکی تھی اور امور مذہب میں مداخلت شروع ہو چکی تھی۔

سقیفہ کے مضر نتائج

کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کے طرز عمل کے برے نتائج

وا کنم زخم دل ار طاقت دیدن داری
سر کنم نالہ اگر تاب شنیدن داری

اپنے اور غیر سب کو تعجب ہے کہ وہ دین جو دعوی اکملیت لے کر دنیا میں آیا تھا۔ وہ دین جس نے اتمام نعمت کا وعدہ کیا تھا اس حالت میں ہو جائے جس حالت میں ہم اس کو آج دیکھتے ہیں اگر نقص کی طرف چلے جانے کی قابلیت باقی رہ جائے تو وہ اکملیت کیا اور جس اتمام نعمت کا وعدہ کیا تھا وہ تو مطلقاً اس حکومت میں نظر نہیں آتی جو آنحضرت کے انتقال کے بعد قائم ہوئی۔ اس نعمت سے مطلب عیش و عشرت و توسیع مملکت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ تو عیسائیت کو بہ نسبت اسلام کے بہت زیادہ حاصل رہی ہے اور اب تک ہے آخر السبب کیوں ہوا؟ مسلمانوں اور اسلام ایسے کیوں پست و ذلیل ہو گئے، ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ان اسباب پر غور کرے جو اس کے تنزل کے باعث ہوئے تاکہ ان کو دور کیا جائے۔ ہم نے بھی غور کیا اور جس نتیجہ پر ہم پہنچے وہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔ مسلمان کے ملکی زوال و مذہبی تنزل کی داستان اتنی طویل ہے کہ بڑے بڑے حکماء و دانشوران اس کو عرصے سے کہتے آئے ہیں اور اب تک ختم نہیں ہوئی لیکن افسوس ہے کہ معاملہ داستان گوئی سے آگے نہ بڑھا۔ کبھی داستان سننے والے سنتے سنتے سو گئے۔ کبھی کہنے والے کہتے کہتے اونگھنے لگے۔ اس کے اصلی اسباب کی طرف غور کرنے میں پیدائشی مذہب مانع رہا۔ لہذا علاج نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ اب تنزل و انحطاط اپنی آخری حد کو پہنچ گیا۔ شاید یہی باعث بحالی صحت ہو جائے۔ مرض کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا۔ اب تو اصلی اسباب کے سوچنے پر لوگ مجبور ہو جائیں گے۔ غرضکہ داستان کہنے والے یکے بعد دیگرے کہتے گئے۔ جب رات اخیر ہونے کو آئی۔ تو شمع اس حقیر تک پہنچی۔ اس دانائے راز کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ جو دلوں کے بھید دل سے قبل ان کے دل میں آنے کے واقف ہو جاتا ہے۔ کہ میرا مدعا کسی کا دل دکھانا نہیں ہے۔ لیکن کیا کروں کہ جب

سلطنت کا نتیجہ ثابت ہو۔

حضرت عمرؓ اور دُنیا کے دیگر عظیم الشان مدبرین سلطنت کی سیاست کے دو مشترکہ اصُول اسلمی تھے اور وہ ہی ان سب کی کامیابی کا راز تھے۔

دو ہی اصول

(۱) اوّل:۔ تو اپنے مقصد کے حصُول کی خاطر ہر ایک امر ماسوا کی طرف سے مطلقاً بے توجہی اختیار کر کے اس کو قطعاً نظر انداز کر دینا۔ مذہب اور محبّت دُنیا کی دو بڑی طاقتیں ہیں لیکن ان عظیم الشان ہستیوں کو وہ بھی اس راہ سے جو انہوں نے اپنے لئے اختیار کر لی تھی ایک جو بھر ادھر سے اُدھر نہ کر سکیں۔

(۲) دوم:۔ اپنے مقصد اور دلی راز کو اس طرح پوشیدہ رکھنا کہ عوام الناس کو مطلقاً نہ معلوم ہو سکے۔ میرے خیال میں جو کمال حضرت عمرؓ اس ہنر میں دکھایا ہے۔ اس کے درجہ تک یورپ کے سیاست دان بھی نہیں پہنچتے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی ساری عمر اس مقصد کے حاصل کرنے میں گزار دی جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔ لیکن مرتے مرگئے مگر سوائے چند خاص اور مقرب لوگوں کے جن کی مدد اس حصول مقصد کے لئے ضروری تھی انہوں نے اپنا یہ مقصد عوام الناس پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ کامیابی کے بعد جب اخفائے راز کی بہت زیادہ ضرورت نہ رہتی انہوں نے عبداللہ ابن عباس کے مکالمے میں دوسرے لوگوں ہی پر رکھ کر کہا کہ انہوں نے چاہا کہ نبوت و خلافت ایک خاندان میں جائیں۔ اس اصلی اور دلی خواہش کو اس عمدگی کے ساتھ چھپایا کہ اب تک لوگ مغالطے میں ہیں۔ اور یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ تو حضرت علیؓ کے دلی دوست تھے۔ حضرت علیؓ سے حکومت چھین لی۔ اور ان کی زوجۂ محترمہ سے فدک چھین لیا۔ ان کے گھر کو آگ لگانے چلے۔ اقطاع و جاگیرات ہر ایک کے لئے تھیں سوائے حضرت علیؓ کے۔ حضرت علیؓ کے خاندانی دشمنوں کو حضرت علیؓ کی آنکھوں کے سامنے عزت بخشی۔ لوگوں کی نظروں میں بہت سے صحابیوں کا درجہ حضرت علیؓ سے بڑھا دیا۔ قرآن جمع کرایا۔ تو کل کے بچوں سے مگر حضرت علیؓ کو نہ پوچھا۔ فوجوں کا سپہ سالار بنایا تو یزید اور معاویہ کو مگر علیؓ کو اس قابل نہ سمجھا۔ حضرت فاطمہ کے قبضہ میں تو فدک بھی آنکھوں میں کھٹکتا تھا۔ مگر پورے صوبہ شام کو معاویہ کی جاگیر استمراری میں دے دیا اور مرتے وقت ایسی ترکیب کر گئے کہ حضرت علیؓ کو چوتھے درجہ پر بھی خلافت نہ ملتی۔ اگر حضرت عثمان غلطیوں پر غلطیاں نہ کرتے۔ یہ سب کچھ کر لیا لیکن اس طرح کہ لوگ دلی مقصد کو نہ سمجھے۔ اب تک عوام الناس یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے تو بادلِ ناخواستہ حکومت حاصل کی کہ کہیں انصار میں نہ چلی جائے ورنہ وہ تو حضرت علیؓ کے دلی خیر خواہ و مداح تھے گویا انصار مسلمان ہی نہ تھے۔ بنی تیم و بنی عدی میں خلافت چلی جائے تو کچھ ہرج نہیں لیکن اگر انصار میں چلی جاتی تو قیامت آجاتی۔ یہ دنیاوی سیاست کا آخری درجۂ کمال ہے یا نہیں؟ بوجوہات

تاریخی واقعات بھی مذہبی لباس پہن لیں اور پھر جائز تنقید کو نہ برداشت کر سکیں۔ بہر صورت مضمون تلخ ضرور ہے جب سارے ہی جسم میں سمیت اثر کر جاتی ہے تو تلخ دواؤں کے بغیر چارہ نہیں۔ چراستہ اور شاہترہ میں عناب ڈالے جاؤ۔ پھر تو کڑوا ہی رہے گا

ہماری تحقیقات کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے اس اسلام کو نہ سمجھا اور نہ قبول کیا جو رسول خدا لے کر آئے تھے اور یہ تو قطعی ہے کہ اگر آنحضرتؐ کی حیات میں قبول بھی کر لیا تھا۔ تو آنحضرتؐ کی وفات پر جب اس کا تعلق دنیاوی حکومت و وجاہت سے ہوا تو دنیا کے مقابلہ میں اس دین کو چھوڑ دیا اور اپنے دل کی تسلی کیلئے اسکی بجائے وہ اسلام قبول کر لیا جو انکے رہنماؤں نے مرتب کیا تھا یہی وہ اسلام ہے جو آجکل نکبت و ذلت کی حالت میں پایا جاتا ہے اس اسلام نے کبھی دعوائے اکملیت کیا ہی نہیں لہذا اسکا نقص پذیر ہونا باعث تعجب نہیں۔ اس اسلام کے پاس کوئی نعمت ہی نہ تھی۔ یہ مسلمانوں کو کیا دیتا اور جو کچھ اس نے مسلمانوں کو دیا۔ یعنی دنیاوی عیش و عشرت وہی رسی بن کر اس کے گلے میں ایسی پڑی کہ نہ جان ہی نکلے اور نہ رسی ہی ٹوٹے۔ لایحیٰی ولا یمیت کا منظر ہے۔ آنکھیں نکلی ہوئی، زبان باہر، نیم مردہ حالت میں یہ اسلام پڑا ابھرتا ہے اور منتظر ہے اس وقت کا جس کا وعدہ جناب رسول خدا نے کیا تھا۔ تاکہ اس ہی آل کا جس آل کو انہوں نے اس دنیا کے مقابلہ میں چھوڑ دیا تھا۔ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند۔

مندرجہ ذیل امور بہت اچھی طرح ثابت ہو چکے ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر کی خلافت دراصل حضرت عمر کی خلافت تھی۔

(۲) حضرت عمر نے عمداً کشمش بلیغ کے ساتھ حضرت عثمان کو خلافت دلائی اور وہ چاہتے تھے کہ خلافت بنو امیہ میں جائے۔ صفحہ ۶۸ - ۶۹ - ۲۰۰ - ۲۱۴ کتاب ہذا۔

(۳) بنو امیہ نے امور سلطنت و اصول سیاست میں قدم بقدم حضرت عمر کی تقلید کی۔ اور ان دونوں حکومتوں کی سیاست و سیاسی مقاصد ایک ہی تھے۔ صفحہ ۲۵۷ تا ۲۶۴ کتاب ہذا۔

(۴) "عباسی سلطنت اموی سلطنت کی پوری جانشین تھی۔ حکومت کی روح اور دستور میں اس سے متفق، تمدن کے مظاہر میں اس سے ترقی یافتہ صرف عربیت کی جگہ عجمیت تھی قومی زندگی کے شعبے (سیاست کے علاوہ) حکومت سے کلیتاً آزاد تھے۔ اخلاقی ابتری پہلے سے بڑھ گئی۔ بغداد اور اسلامی سلطنت کے اہم مرکز عیش و عشرت کا گہوارہ بن گئے تفصیلات کیلئے آغانی اور کتاب الحیوان کا مطالعہ کیجئے"

(سیرۃ سید احمد شہید مولفہ ابوالحسن علی ندوی صفحہ ۱۰)

لہذا ظاہر ہوا کہ جو سیاسی اصول و مذہبی عقائد کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ نے مرتب کئے اور جس طرح اسلام کو ترمیم و تنسیخ کیا وہ ہی اصول و عقائد و ترمیم شدہ اسلام ساری دنیا میں پھیلا اور اب تک اکثریت میں وہ ہی اسلام رائج ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ان اصول و عقاید پر عمل کرنے سے جو نتائج سلطنت بنی امیہ و حکومت

مسلمانوں کے زوال کا سبب

تنزل و زوال

بنی عباس میں برآمد ہوتے رہے ان سب کے سبب اوّل یہی حضرات تھے اور ان سب امور کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔

کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کے طرز عمل اور ان کے اعتقادات نے جو وہ اس کشمکش حکومت میں کامیابی حاصل کرنے اور اس کو قائم رکھنے کیلئے ایجاد کرنے پر مجبور ہوئے اسلام پر ہمیشہ کے لئے نہایت خراب اثر ڈالا اور اسی سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوئے۔

(۱) توہین رسالت
(۲) توہین رسول
(۳) توہین وتحقیر آل رسول
(۴) تغیر وترمیم اور تنسیخ اسلام

ان کے نمونے اور مثالیں ہم دے چکے ہیں۔

(۵) حکومت الٰہیہ کا انکار۔ خداوند تعالےٰ نے مسلمانوں کو ایک الٰہی حکومت الٰہیہ مبنی بر عدل کامل عطا فرمائی تھی کہ اگر اس کو قبول کر لیتے تو بقول رسول قیامت تک گمراہ نہ ہوتے (صفحات ۱۰۳ تا ۱۲۱ حصہ اول طبع سوم) لیکن سقیفہ سازی نے مسلمانوں کو اس حکومت کے قبول کرنے سے باز رکھا۔

(۶) نعمت عدل۔ کامل انسانوں کے سلسلہ کی نعمت جو اس حکومت الٰہیہ کے لئے مقرر ہوئی تھی اور جو دنیا میں وہ نعمت پھیلاتے جو اب تک بنی نوع انسان کو نہیں ملی تھی یعنی عدل کامل۔ اس نعمت سے اعراض کیا اور یہ ناشکر گذاری کا آخری درجہ ہے (صفحات ۱۰۹ لغایت ۱۴۱ حصہ اول)

(۷) کفران نعمت۔ اس کفران نعمت کا نتیجہ نقصان نعمت ہے۔ إِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَ إِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ط

(۸) حکومت یونانیہ کا رواج۔ لہذا حکومت الٰہیہ نہ رہی اور اسلام میں بھی وہی یونانیہ حکومت کا رواج ہوا جو دیگر مذاہب میں تھا۔

(۹) اسلام میں تفرقہ۔ اسلام میں افتراق اور فرقہ بندی سقیفہ سازی کا براہ راست نتیجہ ہے۔ ہر ایک فرقہ یہی کہتا ہے کہ ہم نے اسلام میں تفرقہ پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ہمارے مخالفین نے کیا ہے۔ اکثریت نے ایک نہایت عیارانہ بحث پیدا کی ہے وہ کہتے ہیں۔ کہ چونکہ ہم اکثریت میں اصلی جماعت ہماری تصور ہونی چاہیئے۔ اور جو جماعت سے علیحدہ ہوا وہ بفحوائے فلاں فلاں حدیث رسول دوزخی ہے کیا ان لوگوں میں صحیح غور وفکر کی قابلیت ہی نہیں یا عمداً دوسروں کی آنکھ میں خاک ڈالنا کچھ ہنر سمجھتے ہیں۔ جماعت تو طاغوتی جماعت بھی ہوتی ہے۔ رحمانی جماعت بھی ہوتی ہے۔ اور افراد کی تعداد کبھی احقیت کا فیصلہ نہیں کیا کرتی۔ خود اپنی ہی جماعت کو لو اس میں اقلیت علماء کی ہے۔ اکثریت جہلاء کی ہے۔ جو توہمات، رسومات، روحانات گنڈہ پرستی جاد و پرستی، پیر پرستی اور قبر پرستی کو صحیح اجزائے

مذہب سمجھے ہوئے ہیں۔ اب اسی اصول کو تو اس پر آزمایئے۔ اکثریت کو جماعت کہتے ہیں۔ اس جماعت سے انحراف باعث عذاب ہے۔ اکثریت جہلاء کی ہے۔ اس کے مذہب سے علماء نے انحراف کیا ہے۔ لہذا علماء مستوجب عذاب ہوئے۔

اصلی جماعت کون ہے اور تفرقہ کس نے ڈالا۔ اس مضمون پر ہم نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے وہ کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام" اس کو دیکھو۔ یہاں ہم بہت اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس معمہ کے حل کرنے کیلئے سب سے پہلے یہ بات دیکھنی چاہیئے کہ اختلاف کس سے ہے ایک مذہب یا فرقہ کی دو جماعتوں کا آپس میں اختلاف ہے یا ان میں ایک گروہ خود بانی مذہب سے اختلاف کر رہا ہے۔ اگر دو جماعتوں میں آپس میں اختلاف ہے تب تو اس تحقیقات میں آگے جانے کی ضرورت ہوگی لیکن اگر بانی مذہب اور اس کے مقلدین میں اختلاف ہے تو اس کو اختلاف نہیں بلکہ ارتداد کہیں گے۔ اصلی جماعت جس کو واقعی جماعت کہتے ہیں کہ جس سے انحراف کرنا موجب عذاب الہٰی ہوتا ہے بانی مذہب اور اس کے ہم خیال مقلدوں کی جماعت ہوتی ہے خواہ وہ تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہو۔ جماعت اہل حکومت نے جناب رسول خدا کی حدیث کو اس طرح بیان کیا ہے

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ عنقریب میری اُمت میں بہتر فرقے ہو جائیں گے اور وہ سب کے سب دوزخی ہوں گے مگر ایک فرقہ نہ ہوگا۔ اصحاب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون سا فرقہ ہے فرمایا۔ جو میرے طریقے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوگا"

عقائد الاسلام مصنفہ مولوی عبدالحق محدث دہلوی صفحہ ۱۲۸

جو ہم کہہ رہے تھے وہی بات نکلی۔ اصلی جماعت وہ ہی ہے۔ جس میں جناب رسولخدا اور ان کے ہم خیال اصحاب تھے اور جو ان سے اختلاف کرے وہ ناری ہے۔ قلت وکثرت معیار نہیں ہے اس ہی اصول پر عمل کر کے اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں اختلاف

(۱) کب سے ہوا۔
(۲) کس نے کیا۔ اور
(۳) کس سے کیا۔

آغاز تفریق۔ اس تحقیقات کے لیئے ہم سواد اعظم ہی کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں ملل ونحل شہرستانی اور شرح مواقف میں جہاں امت اسلامیہ کے افتراق واختلاف کا ذکر ہے۔ لکھتے ہیں۔ کہ امت اسلامیہ میں پہلے دو اختلافات تجہیز جیش اسامہ اور قضیہ قرطاس کے ہیں۔ دیکھو صفحات ۲۰۶ تا ۲۰۹۔ حصہ اوّل۔ یہ دونوں اختلافات آنحضرت کے زمانہ میں ہوئے تھے۔ لہذا پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ امت اسلامیہ کا وہ افتراق عظیم جو مابعد کے تمام اختلاف وافتراق کا موجب ہے آنحضرت کی حیات ہی میں واقع ہوگیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ افتراق واختلاف عظیم خود آنحضرت سے تھا

اسلام میں تفرقہ کس نے ڈالا

آغاز تفریق

دیکھو صفحات ۱۹۹ لغایت ۲۵۰ حصہ اول طبع سوم اور مذاہب اسلام مولفہ مولوی عبدالغنی صفحہ ۲۔
اور یہ اختلاف مسئلہ امامت کے متعلق تھا جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں اور جیسا خود حضرت عمر تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمانا چاہتے تھے اور ان کے حق میں خلافت کی وصیت تحریر کرنا چاہتے تھے لیکن میں نے اسلام کی محبت و شفقت کی وجہ سے آنحضرت کو اس سے باز رکھا اور وہ وصیت نہ لکھ سکے دیکھو صفحات ۲۸۰،۹ کتاب ہذا۔ آنحضرت اس قدر ناراض ہوئے کہ فرمایا۔ قُوْمُوْا عَنِّیْ مجھ سے دور ہو۔ جس حالت میں میں ہوں وہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے جس کی طرف تم مجھ کو بلاتے ہو۔ مسلمان خود فیصلہ کر لیں کہ ان دونوں میں سے کون راستی پر تھا۔ حضرت عمر یا جناب رسول خدا۔ ہمارا مدعا بہر صورت ثابت ہے کہ یہ اختلاف آنحضرت سے تھا۔ اب اس کو توڑ مروڑ کر یہ کہنا کہ وہاں اصحاب کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ یہ اختلاف ان دونوں جماعتوں کا آپس کا اختلاف تھا۔ اجتہادی اختلاف تھا۔ اسلام کے فائدے کیلئے تھا محض لیپا پوتی ہے اور اس سے اصلیت کو چھپانا مقصود ہے۔ دراصل اختلاف تو براہ راست آنحضرت سے تھا۔ کچھ لوگ آنحضرت کے ہمخیال ہو گئے کچھ حضرت عمر کے۔

لہٰذا نتیجہ نکلا کہ

اسلام کا پہلا اور دائمی اختلاف و افتراق جو آئندہ کی ساری فرقہ بندی کی جڑ تھا۔ آنحضرت کیخلاف تھا۔ قضیہ امامت و خلافت کے متعلق تھا۔ آنحضرت اور آپ کے ساتھی چاہتے تھے کہ آپ کے بعد حضرت علی خلیفہ بلا فصل ہوں۔ آپکے مخالفین اصحاب چاہتے تھے کہ علی خلیفہ نہ ہوں۔ یہ اختلاف مخزن و منبع تھا۔ آئندہ کے تمام افتراق و اختلافات کا۔ اس افتراق کے بانی خود حضرت عمر تھے۔ آنحضرت نے قوموا عنی کہہ کر اعلان کر دیا کہ یہ جماعت میری جماعت نہیں رہی۔ میں نے ان کو اپنی حضوری سے نکال دیا۔

شیعہ و سُنّی تنازعہ کی ابتدا۔ آپ فرمایئے اصلی جماعت کون سی تھی اور کون اس جماعت سے علیحدہ ہو کر بفحوائے حدیث رسول مستوجب عذاب ہوا۔ یہ بالکل غیر متعلق ہے کہ کس نے آگے چل کر متعدد ترکیبوں سے اپنی جماعت کو بڑھا لیا اور اپنا مقصد حاصل کر لیا یہ ہے شیعہ و سنی کی ابتدا اہل سنت و جماعت کے فرقے کے اندر بہت سے فرقے بن گئے۔ لیکن وہ سب ایک اعتقاد پر متفق ہیں۔ یعنی یہ کہ آنحضرت کے جائز خلیفہ بلا فصل حضرت ابوبکر ہیں اسی طرح شیعوں میں بھی چند فرقے ہو گئے لیکن لیکن وہ سب اس امر پر متفق ہیں کہ جناب رسول خدا کے خلیفہ بلا فصل حضرت علی تھے اگر ابھی یقین نہیں آیا۔ تو اور غور کرو۔ قادیانی دیکھو اہل سنت و جماعت سے کس قدر بعید ہیں اہل قرآن و اہل حدیث کو وہ سب مسئلہ خلافت میں متفق ہیں یہانتک کہ خارجیوں کو تو اہل سنت و جماعت بالکل ہی گمراہ سمجھتے ہیں وہ بھی حضرت ابوبکر کو جائز خلیفہ رسول برخلاف حضرت علی کے سمجھتے ہیں۔ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب عقائد الاسلام میں کہتے ہیں کہ ابو منصور ماتریدی اور

ابو حسن اشعری اہل سنت وجماعت کے علم عقائد میں امام ہیں۔ اہل سنّت شافعی، حنبلی، مالکی، حنفی ہیں اور اہلحدیث بھی ان میں ہی داخل ہیں۔ عقائد الاسلام صفحہ ۳ اور محمد نجم الغنی اپنی کتاب مذاہب الاسلام میں صفحہ ۳۲ پر تحریر کرتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین مولفہ شیخ جیلانی میں مذکور ہے کہ تہتر فرقوں کی اصل یہ دس فرقے ہیں۔ اہلسنت[۱] وجماعت۔ خوارج[۲]۔ شیعہ[۳]۔ معتزلہ[۴]۔ مرجیہ[۵]۔ مشبہ[۶]۔ جہمیہ[۷]۔ ضراریہ[۸]۔ نجاریہ[۹]۔ کلابیہ[۱۰]۔ اسی ہی کتاب کے صفحہ ۲۱ پر درج ہے کہ ابن حزم نے ملل ونحل میں کہا ہے کہ اہل اسلام کے پانچ فرقے اصلی ہیں۔ ایک اہل سنّت، دوسرے معتزلہ۔ اور ان ہی میں قدریہ داخل ہیں تیسرے مرجیہ اور ان ہی میں جہمیہ وکرامیہ کا شمار ہے۔ چوتھے شیعہ۔ پانچویں خوارج جن میں ازارقہ واباضیہ ہیں۔

ہم مولوی شبلی کی شہادت سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ امام ابو حنیفہ مرجیہ تھے۔ اور معتزلہ کا مسئلہ خلافت میں اہل سنت وجماعت کے متفق ہونا ابن ابی الحدید معتزلی کی شرح نہج البلاغۃ سے ثابت ہے۔ جابجا اس نے حضرات ثلاثہ کی خلافت کی جوازیت کے ثابت کرنے میں اپنا زور لگا دیا ہے۔ دیکھو ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ الجزء الاول صفحہ ۱۳۵۔ الجزء الرابع صفحہ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۸۲۔ ۱۸۵۔ اسی وجہ سے دونوں میں عصمت شرط امامت وخلافت نہیں رکھی گئی۔ دیکھو شرح نہج البلاغۃ الجزء الرابع صفحہ ۱۶۰ اور اربعین امام رازی چنانچہ نجم الغنی اپنی کتاب مذاہب الاسلام کے صفحہ ۱۰۴ پر کہتے ہیں کہ اربعین میں تو امام صاحب نے صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ اہلسنت اور معتزلہ اور زیدیہ اور خوارج کے نزدیک امام کا معصوم ہونا واجب نہیں اب ہمارا قول ثابت ہو گیا کہ اسلام میں اصل تفریق ایک ہی ہے اور وہ مسئلہ خلافت پر ہے جیا ور فرقے بنے خواہ سُنیوں میں سے بنے یا شیعوں میں سے نکلے وہ بھی حضرت عمر کے غیر محدود اور غیر مشروط عقل وقیاس کو آزادی دینے کی وجہ سے ہوئے۔ اس کا یہ جواب درست نہ ہوگا کہ شیعہ کیوں حضرت عمر کے اصول کو ماننے دنیاوی وجاہت وثروت کی چمک اور جاذبیت فقط سنیوں ہی کے لئے نہیں ہے جو اس کے پیچھے جائے گا اُسے ایسے اصول ہی پر چلنا پڑے گا۔ خواہ شیعہ ہو خواہ سنّی۔ جب تک غیر محدود عقل وغیر مشروط قیاس کو آزادی نہ دیتے وا اپنی اصل جماعت سے علیحدہ کس بنا پر ہوتے۔

خوارج کی نسبت نجم الغنی صاحب مذاہب الاسلام کے صفحہ ۴۸۹ پر لکھتے ہیں کہ یہ سب کے سب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی محبت اور حضرت علی ابن ابی طالب کے بغض میں غالی ہیں اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمان وہ ہے جو نبی علیہ السلام وحضرت ابوبکر وحضرت عمر کے مذہب پر ہے۔ (صفحہ ۵۰۰) گویا اسلام کی تفریق اصلی یہ امامت ہی کا قضیہ ہے اور اس اعتقاد کا ظہور قطعی طور سے بستر مرگ رسول پر ہوا جب آنحضرت نے خلافت کی وصیت حضرت علی کے حق میں لکھنی چاہی اور حضرت عمر مانع ہوئے لہذا دو اور دو چار کی طرح سے ثابت ہوا کہ شیعہ وسنّی کی ابتدا اگر اس سے پہلے نہیں تو تجہیز جیش وقضیۂ قرطاس کے وقت تو ضرور ہو گئی۔ شیعہ وہ اصحاب تھے جو آنحضرت کے حکم کے موافق

تھے۔ اور چاہتے تھے کہ حضرت علی خلیفہ بلا فصل ہوں۔ سُنی وہ تھے جو آنحضرت کے مخالف تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت علی آنحضرت کے خلیفۂ بلا فصل نہ ہوں۔ لیکن چونکہ یہ صاف گوئی اصلی صورت کو عریاں کرکے پیدائشی اعتقاد کے ساتھ تصادم پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا اس کو مکدر کرنے کی کوشش کی گئی اور کہا گیا کہ شیعہ وسنّی کی ابتدا امیر معاویہ کے وقت میں ہوئی۔ جب امام حسنؑ نے خلع خلافت کرکے حکومت معاویہ کے سپرد کی اس سال کو سنۃ الجماعت کہنے لگے جو عرف عام میں سنت وجماعت ہوگیا جو اُن کے مخالف رہے وہ شیعہ کہلائے۔ لیکن یہ صریحاً غلط ہے۔ شیعہ وسنّی کے اختلاف کی بناء حسنؑ ومعاویہ کی خلافت نہیں ہے بلکہ اُن کے اختلاف کی بنا حضرت ابوبکر وعلیؑ کی خلافت ہے۔ ایک لفظ کو درمیان میں لاکر مغالطہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ شیعیان علی وشیعیان معاویہ تو اس زمانہ میں اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوتے تھے۔ یعنی حضرت علی کا لشکر یا اُن کی جماعت اور معاویہ کا لشکر یا ان کی جماعت شیعیان علی میں اس زمانہ میں بہت سے لوگ تھے جو خلافت کی ترتیب ظاہری کو جائز سمجھتے تھے۔ علی کے مقابلہ میں محض معاویہ کو رد کرتے تھے۔ یہ وہ فرقہ نہیں ہے جو اصطلاحی معنی میں شیعہ کہلاتا ہے۔ اس ہی نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یا جان بوجھ کر مغالطہ پیدا کرنے کی غرض سے کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کو شیعیان کوفہ نے قتل کیا۔

کارروائی سقیفہ کی بنیاد تفرقہ پر: سقیفہ سازی کی بنیاد ہی افتراق واختلاف پر تھی۔ اور جس طریقے سے انتخاب خلیفہ کی بحث شروع ہوئی وہ آئندہ کے فتنہ وفساد کا تخم اپنے میں مضمر رکھتی تھی جو لوگ وہاں موجود تھے ان سب نے اس بات کو متفقہ طور سے بغیر بحث وحجت کے تسلیم کر لیا کہ امت اسلامیہ دو فرقوں میں منقسم ہے مہاجر وانصار ایک فریق نے کہا کہ مہاجرین میں سے خلیفہ ہو۔ دوسرے فریق نے کہا کہ انصار میں سے ہو۔ یہ ہی بنیادی غلطی تھی اگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اسلام کی محبت کی وجہ سے اور اس کو تفرقہ سے بچانے کیلئے وہاں گئے تھے تو انکی کیا اچھی معقول مدلّل اور مفید بحث ہوتی اگر وہ کہتے کہ اُمت اسلامیہ ملت واحدہ ہے اس میں تفریق نہ پیدا کرو اسکو ایک واحد جماعت تصور کرکے اس میں کا ایک بہترین شخص خلافت کیلئے مقرر کرلو۔ بات تو معقول تھی۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے انکے دل کا مقصد پورا نہ ہوتا۔ اور فضیلت کی بحث خلافت کا رُخ اُدھر کردیتی جدھر لے جانا ان کا منشاء نہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے بھی قبیلہ کی تفریق ہی پر زور دیا اور جس فتنہ قبیلہ بندی کو اسلام نے دور کیا تھا۔ سقیفہ سازی نے از سر نو اس کو تازہ کر دیا۔

(۱۰) عقل عام وقیاس غیر مشروط۔ کارکنانِ سقیفہ نے اصلی اسلام کو اس طرح متغیر اور مسخ کرنے کی کوشش کی کہ وہ ان کے اصول حکومت اور سیاست ملکی کے مطابق ہوجائے اور دین کے محکوم رہنے کی بجائے وہ دین کے بھی حاکم ہوجائیں۔

یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا۔ بلکہ جو حکومت سقیفہ میں حاصل ہو گئی اسکو مستحکم اور محفوظ بنانے کے لئے وہ وہ عقیدے قائم کئے گئے اور طریقے استعمال کئے گئے کہ جو اس تفرقہ کو بڑھاتے ہی گئے۔ ایسا کیوں کیا گیا۔ دیکھو صفحات ۴۷،۴۸ کتاب ہذا۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ غیر محدود عقل انسانی اور غیر مشروط قیاس کو امور مذہبی میں دخل دے دیا۔ ہمارا یہ دعوی ہے کہ جس آزاد، غیر مشروط اور غیر محدود طریقہ سے حضرت عمر نے امور دین میں خود بھی اپنی عقل و قیاس کے ذریعہ سے مداخلت کی اور اپنے عالموں اور عام لوگوں کو اپنے عقل و قیاس کے ذریعہ سے مداخلت کرنے کی اجازت دی اس نے اسلام میں بہت سے گمراہ فرقے پیدا کر دیئے جن کا پیدا ہونا اب تک بند نہیں ہوا اور جب تک یہ اسلام قائم ہے بند نہ ہوگا۔ اور اسلام کو بالکل متغیر کر دیا۔

حضرت عمر کی مداخلت فی امور الدین کی بہت سی مثالیں پہلے گذریں امر واقعہ یہ ہے کہ خود اپنے علم پر اعتماد و بھروسہ نہ کر کے ہر ایک صحابی رسول کو جو امور فقہ میں مداخلت کی اجازت حضرت عمر نے دی اس نے اسلام میں بہت سی خرابیاں پیدا کر دیں۔ حکومت کی جمہوریت تو ہم سنتے آئے تھے۔ مگر دین الہامی کی جمہوریت نئی ہے۔ ہر ایک صحابی اپنی علیحدہ رائے رکھتا ہے اور کوئی نہیں کہتا کہ جانشین رسول پھر کس مرض کی دوا ہے۔ اس کو کیوں نہ ایسا عالم و عاقل ہونا چاہیئے کہ تمام مشکل مسائل پر اپنا قطعی فیصلہ دے۔ اور دیگر صحابہ کو اس خطرناک کھیل سے باز رکھے۔ اس اختلاف صحابہ کی بہت سی مثالیں ہیں۔ بہت سی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ان میں سے چند مولوی عبدالسلام کی کتاب تاریخ فقہ اسلامی کے صفحات ۱۶۷ لغایت ۱۸۰ پر درج ہیں ان میں سے ایک دو ہم اپنے مطلب کی تشریح میں یہاں بھی نقل کرتے ہیں۔

جس حاملہ عورت کا شوہر مر جائے اس کی عدت حضرت عمر نے زمانہ وضع حمل مقرر کی ہے مگر حضرت علی کی رائے اسکے برخلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینہ دس دن کی مدت میں جو زمانہ زیادہ طویل ہو گا وہی اس کی عدت کا زمانہ ہوگا۔ حضرت علیؑ کی رائے نص قرانی پر مبنی ہے۔ اگر کسی حاملہ عورت کو طلاق دی جائے تو خداوند تعالے نے زمانہ وضع حمل کو اس کی عدت قرار دیا ہے اور جس عورت کا شوہر قضا کر جائے تو اس کی عدت کا زمانہ چار مہینے دس دن قرار دیا ہے۔ اور اس میں حاملہ اور غیر حاملہ کی تفصیل نہیں ہے حضرت علی کی رائے دونوں آیتوں کی پیروی کرتی ہے۔ لیکن حضرت عمر نے نص قرآنی ہوتے ہوئے اپنی رائے کی مداخلت کی صفحہ ۱۷۶۔

امام مسلم اور امام حنبل نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے زمانہ میں اور حضرت عمر کی خلافت کے دو سال تک اگر ایک ساتھ تین طلاقیں دی جاتی تھیں۔ تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھیں۔ لیکن حضرت عمر نے حکم جاری کیا کہ ان کو تین طلاقیں سمجھ کر قطعی طلاق

تصور کرنا چاہیئے۔ یہ ایک اور مخالفت ہے۔ سنّت وعمل رسول کی۔ صفحہ ۱۷۶۔

اگر ایک عورت کو حیض کو معمولاً حیض آتا ہے۔ طلاق دی جائے اور طلاق دینے کے بعد اس کا حیض بند ہو جائے تو اس کی نسبت قرآن شریف کا تو یہ حکم ہے کہ اس کی عدّت کا زمانہ تین حیض ہے۔ کیونکہ طلاق کے وقت تک وہ آئسہ نہ تھی۔ کہ اس کو مہینوں کے حساب سے عدت شمار کرنی پڑے۔ لیکن حضرت عمر نے اس حکم قرآنی کو بدل کر حکم دیا کہ اسے نو مہینہ تک انتظار کرنا چاہیئے۔ اور اگر اس زمانہ انتظار میں اس کو معلوم ہو گیا کہ وہ حاملہ ہے تو یہی اس کی عدت کا زمانہ ہوگا۔ ورنہ نو مہینے کے بعد اس کو تین مہینہ تک عدت میں رہنا ہوگا۔ دیکھئے حضرت عمر نے اپنی عقل سے عدت کی مدت کتنی طویل کر دی کیونکہ قرآن شریف کی حکمت وہاں تک نہیں پہنچی تھی۔ جہاں تک حضرت عمر کی عقل پہنچی۔

دادا کی موجودگی میں حضرت ابوبکر بھائیوں کو وراثت نہیں دلواتے تھے۔ لیکن حضرت عمر نے دادا کی موجودگی میں بھی بھائیوں کو وراثت دلوائی حضرت ابوبکر نے دادا کو باپ تسلیم کیا ہے اور باپ کی موجودگی میں بنص قرآن بھائیوں کو وراثت نہیں ملتی لیکن حضرت عمر نے اس کو باپ تسلیم نہیں کیا اور حضرت زید بن ثابت بھی ان کے ساتھ متفق الرائے ہیں۔

ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہاں تک ہم بیان کریں۔ صرف ایک اور مثال ہم بیان کرتے ہیں جس نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا۔ جناب رسول خدا نے بحکم خدا متعہ نساء کو جاری کیا۔ حضرت عمر کی عقل نے بتایا کہ وہ زنا کے مرادف ہے۔ لہٰذا منسوخ کر دیا۔ اس کے متعلق ہم کچھ ذکر کرتے ہیں۔

متعۃ النّساء

پہلے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ جناب رسولخدا نے بحکم خداوندی متعہ نساء کا حکم دیا اور آنحضرت کے زمانہ تک بلکہ حضرت عمر کے آخیر زمانہ تک برابر جاری رہا۔ لیکن حضرت عمر نے اس کو منع کر دیا۔

حلت متعۃ النساء قرآن شریف کی آیت سے ثابت ہے۔ چنانچہ امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں در ذیل قول تعالےٰ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً (پارہ ۵ سورۃ النساء ع ۴) لکھتے ہیں:-

واتفقوا علی انها کانت مباحة فی ابتداء الاسلام روی ان النبی صلی الله علیه وآله وسلم لما قدم مکة فی عمرته فشکیٰ اصحاب الرسول طول العزوبة فقال استمتعوا من هذه النّساء۔

جمیع اُمّت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ابتدائے اسلام میں متعۃ النساء جائز و مباح تھا۔ روایت ہے کہ جناب رسول خدا مکہ معظمہ تشریف لائے۔ تو اصحاب رسول نے آپ سے عورت کی جدائی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ یہاں کی عورتوں سے متعہ کر لو۔

متعۃ النساء

اس ہی آیت کی تفسیر میں علامہ جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں۔

نزلت فی المتعة التی کانت ثلاثة ایام حین فتح اللہ مکة علی رسوله علیه الصلوٰة والسلام ثم نسخت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وعن ابن عباس هی محکمة یعنی لم تنسخ وکان لقراء فما ستمتعتم به منهن الی اجل مسمی۔

یہ آیت متعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی جو تین دن تک جاری رہا جب خداوند تعالے نے اپنے رسول کو فتح نصیب کی۔ پھر منسوخ ہو گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ آیت محکمات میں سے ہے۔ یعنی منسوخ نہیں ہوئی اور وہ اس آیت کو الفاظ الی اجل مسمی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے یعنی آیت میں الفاظ الی اجل مسمی موجود تھے جس کے معنی ہیں کہ مدت مقررہ تک کے لئے متعہ کرلو۔

تفسیر کشاف۔ الجزء الاول صفحہ ۳۶۰۔ تفسیر بیضاوی در ذیل فما استمتعتم تفسیر معالم التنزیل۔ تفسیر ثعلبی۔

ابن جریر اس آیت کے متعلق اپنی تفسیر میں سدی سے یہ روایت بیان کرتے ہیں:

قال هذه المتعة الرجل ینکح المرءة بشرط الی اجل مسمی فاذا انقضت المدة فلیس له علیها سبیل وهی منه بریئة وعلیها ان تستبرأ ما فی رحمها ولیس بینهما میراث ولیس یرث واحد منهما صاحبه۔

کہا کہ یہ آیت متعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے متعہ یہ ہے کہ مرد عورت کے ساتھ وقت معین کے لئے مقرر شدہ اجرت پر نکاح کرے۔ پس جب وہ مدت تمام ہو جائے تو اس مرد کو اس عورت سے کچھ سروکار نہیں رہتا۔ اور وہ عورت اس سے آزاد ہے اور عورت پر لازم ہے بطریق مروجہ دیکھے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں اس مرد و زن کے درمیان میراث نہیں ہے اور ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا۔

ثعلبی نے اپنی تفسیر میں حبیب ابن ثابت سے روایت کی ہے۔

قال اعطانی عبد اللہ بن عباس مصحفاً فقال هذا علی قراءة ابی بن کعب فرایت فی المصحف فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی۔

راوی کہتا ہے کہ عبد اللہ بن عباس نے مجھے ایک نسخہ قرآن دیا اور کہا کہ ابی بن کعب کی قرأت کے مطابق ہے۔ پس میں نے اس قرآن میں آیہ فما استمتعتم الآیہ کے الفاظ الی اجل مسمی کے ساتھ دیکھے یعنی وقت مقررہ کے لئے متعہ کرلو۔

نیز ثعلبی نے ابو نضرہ سے روایت کی ہے۔

قال سألت ابن عباس عن المتعة قال اما تقرء سورة النساء قلت بلی قال افما تقرء فما استمتعتم به منهن الی اجلٍ مسمی قلت لا اقرءها هكذا قال ابن عباس والله هكذا انزلها الله ثلاث مرات۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے ابن عباس سے متعہ کی نسبت دریافت کیا انہوں نے جواب دیا کہ کیا تم نے سورۃ النساء نہیں پڑھی میں نے کہا کہ پڑھی ہے اس پر ابن عباس نے کہا کہ کیا تم اس میں یہ نہیں پڑھتے کہ عورتوں سے مقررہ وقت کے لیے متعہ کر لیا کرو۔ میں نے کہا کہ اس آیت میں الفاظ الی اجل مسمی وقت مقررتک) نہیں ہیں ابن عباس نے تین دفعہ کہا واللہ یہ آیت ان الفاظ کے ساتھ نازل ہوئی۔

جلال الدین سیوطی تفسیر درالمنثور میں در ذیل آیہ فما استمتعتم به منهن الآیه لکھتے ہیں۔

اخرج عبدالرزاق وابو داؤد فی ناسخه وابن جریر عن الحكم انه سئل عن هذه الآية امنسوخة قال لا وقال علی لولا ان عمر نهی عن المتعة ما زنی الا شقی واخرج عبدالرزاق وابن المنذر من طریق عطاء عن ابن عباس قال یرحم الله عمر ما كانت المتعة الا رحمة من الله رحم الله بها امة محمد ولولا نهيه عنها ما احتاج الی الزنا الا شقی قال وهی التی فی سورة النساء فما استمتعتم به منهن الی كذا وكذا من الاجل علی كذا وكذا قال وليس بينهما وراثة۔

عبدالرزاق نے اور ابوداؤد نے اپنی ناسخ میں اور ابن جریر نے حکم سے روایت کی ہے۔ حکم سے پوچھا گیا کہ کیا آیہ متعہ منسوخ شدہ ہے۔ اس نے کہا کہ ہرگز نہیں اور حضرت علی کہا کرتے تھے کہ اگر عمر نے متعہ سے منع نہ کیا ہوتا تو پھر کوئی شقی ہی ہوتا جو زنا کرتا۔ عبدالرزاق و ابن المنذر نے عطا کے سلسلہ سے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ ابن عباس کہا کرتے تھے کہ خدا عمر پر رحمت کرے متعہ تو ایک رحمت تھی خدا کی طرف سے امت محمدیہ کیلئے اور اگر عمر اس سے منع نہ کرتے تو پھر کوئی شقی ہی ہوتا جو زنا کرتا۔ ابن عباس کہتے ہیں وہ حکم خداوندی سورۃ النساء میں ہے کہ عورتوں سے وقت مقررہ کے لئے رقم مقررہ پر کے لئے متعہ کر لو فریقین ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ حکم خداوندی سے متعۃ النساء جاری ہوا تھا تو اب ہم بتاتے ہیں کہ جناب رسولخدا نے اس کو جاری کیا۔ اصحاب نے اس پر عمل کیا اور زمانہ حضرت عمر تک برابر عمل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر نے منع کر دیا۔

چند در چند جو کہ ظاہر ہیں حضرت عمر نے ضروری سمجھا کہ ظاہری طور سے علی کی خیر خواہی کا دم بھریں اور لوگوں میں ظاہر کریں کہ وہ علی کی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔

ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے حضرت عمر کی عاقلانہ سیاست کا پتہ چلتا ہے اس ظاہری تعظیم و تکریم کو دیکھ کر ایک دفعہ لوگوں نے کہا کہ جتنی آپ علی کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اتنی کسی اور کی نہیں کرتے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ کیوں نہ کروں کیونکہ وہ تو میرا بھی مولا ہے، اور تمام مومنین و مومنات کا مولا ہے حضرت عمر نے کس خوبی سے ظاہر کر دیا کہ غدیر خم والی روایت جو لوگوں میں چل رہی ہے وہ تو کچھ نہیں فقط اتنی ہے کہ علی مولا ہے۔ مولا کے معنی حاکم کے نہیں ہیں مولا کے تو ایسے معنی ہیں کہ میں حاکم ہوں اور علی مولا ہے۔ ہزاروں بحثیں کر لو۔ لاکھوں کتابیں لکھ ڈالو وہ اثر نہ ہوگا جو اس ایک بات سے ہو گیا۔ اگر یوں بحث کرتے تو لوگ سمجھتے کہ چونکہ حکومت پر قبضہ کر لیا ہے اس لئے اب الٹی سیدھی تاویلوں پر اتر آئے ہیں مگر انکے اس طرز عمل اور اس کی تشریح سے لوگوں کے دلوں پر بہت اثر ہوا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ ایک آدمی مولا و آقا بھی ہو سکتا ہے اور جس کا مولا و آقا ہے اس کا محکوم بھی ہو سکتا ہے ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو عمر جو علی کی اتنی عزت کرتے ہیں ایک لمحے کے لئے علی کی موجودگی میں مسندِ حکومت پر نہ بیٹھتے۔

اس ظاہری تعظیم و تکریم کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ ابھی تک وہ وقت نہیں آیا تھا کہ ہر وقت اور ہر طرح حضرت علی کی توہین و تحقیر ہو سکے۔ حضرت فاطمہؑ کے دربار عام میں آن کر فدک طلب کرنے پر ہی ایک ہیجان لوگوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ لہٰذا ان جیسے عظیم الشان مدبروں کا طرز عمل یہی ہوتا ہے کہ یا تو اگر موقعہ ہے تو اپنے مخالف کو مروا ڈالا۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو اسکے ساتھ ظاہرا نہایت عمدہ سلوک کرتے رہنا کہ اگر زیادہ ستایا تو کہیں تنگ آمد بجنگ آمد کے مسئلہ پر عمل کر بیٹھے۔ اگر مخالف صاحب رسوخ ہے تو یہ طرز عمل بہت ضروری ہوتا ہے۔ ابھی علی کی عزت و وقعت لوگوں کے دلوں میں اتنی موجود تھی کہ حضرت عمر زیادہ بدسلوکی نہیں کر سکتے تھے کس خوبصورتی و عمدگی سے آگے چل کر حضرت عمر نے حضرت علی کے قتل کی تجویز کی۔ ہم ابھی بیان کریں گے۔ جب شوریٰ کا تذکرہ کریں گے۔

حضرت عمر اور حضرت ابو بکر کی سیاست ایک ہی ہے۔ ایک کی کمی دوسرا پوری کیا کرتا تھا اس کا مفصل تذکرہ تو ہم سقیفہ بنی ساعدہ کے حالات میں کریں گے۔ لیکن یہاں اگر ہم ایک واقعہ کی طرف توجہ نہ دلائیں تو ہمارا بیان ناقص رہ جائے گا۔ حضرت ابو بکر بھی نازک موقعوں کو اچھی طرح سنبھال لیا کرتے تھے۔ ابھی ابھی جناب رسول خداؐ کا انتقال ہو چکا ہے جسدِ اطہر امت کے سامنے پڑا ہے۔ ابھی تک اُمت کی ذہنیت کا امتحان صریح طور سے نہیں ہوا تھا۔ فطرت انسانی ہے

حضرت عمر نے متعہ کو حرام کیا

حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا محمد بن جعفر قال ثنا شعبه عن عمرو بن دینار قال سمعت الحسن بن محمد یحدث عن جابر بن عبد الله و سلمه بن الاکوع قالا خرج علینا منادی رسول الله صلی الله علیه و سلم فنادی ان رسول الله صلی الله علیه و سلم قد اذن لکم فاستمتعوا یعنی متعة لنساء۔

(اسمائے رواۃ عربی میں دیکھو)

جابر بن عبداللہ اور سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ ایک دن ہماری طرف جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا منادی آیا اور ندا کی کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تم کو متعہ زنان کی اجازت دی ہے۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الرابع صفحہ ۵۱

حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا عفان ثنا حماد انا حمید عن الحسن عن عمران بن حصین قال تمتعنا علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم فلم ینهنا عنها ولم ینزل فیها نهی۔

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ہم زمانہ رسول خدا میں متعہ کیا کرتے تھے۔ جناب رسول خدا نے کبھی منع نہیں کیا اور نہ اس کی منع کرنے والی کوئی آیت نازل ہوئی۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الرابع صفحہ ۴۲۹

حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا مؤمل ثنا حماد انا حمید عن الحسن عن عمران بن حصین انه قال تمتعنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فلم ینهنا رسول الله صلی الله علیه وسلم بعد ذلک عنها ولم ینزل من الله عز وجل فیها نهی۔

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ہم جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اور ان کے زمانہ میں متعہ کیا کرتے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی منع نہیں کیا۔ اور نہ اس کے بعد خداوند تعالے نے کوئی آیت اس کی ناسخ اتاری۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الرابع صفحہ ۴۳۸۔

حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبه عن زید ابی الحواری قال سمعت ابا الصدیق یحدث عن ابی سعید الخدری قال کنا نتمتع علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم بالثوب۔

ابو سعید خدری سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم زمانہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم میں متعہ کیا کرتے تھے۔ لباس کے عوض میں۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الثالث صفحہ ۲۲

حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا اسحٰق ثنا عبد الملك عن جابر بن عبد الله قال كنا نتمتع على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابی بكر و عمر رضی الله عنهم حتّٰی نهانا عمر رضی الله عنه اخيرا يعنی النساء۔

جابر ابن عبداللہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں متعہ کیا کرتے تھے۔ اور زمانہ ابوبکر و عمر میں بھی متعہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے آخر زمانہ خلافت میں حضرت عمر نے اس سے منع کر دیا۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الثالث صفحہ ۳۰۱ و ۳۲۵ و ۳۵۶۔

حدثنا عبد الله حدثنی ابی حدثنا یونس ثنا حماد یعنی ابن سلمه عن علی بن زيد و عاصم الاحول عن ابی نضرة عن جابر ابن عبد الله قال تمتعنا متعتين على عهد النبی صلى الله عليه وسلم الحج و النساء فنهانا عمر عنهما فانتهينا۔

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم دونوں متعہ کرتے تھے۔ متعۃ النساء اور متعۃ الحج۔ پس عمر نے دونوں سے منع کر دیا۔ اور ہم نے پھر ان کو چھوڑ دیا۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الثالث صفحہ ۳۵۶، ۳۶۳

حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا عبد الرزاق انا ابن جريج قال عطاء حين قدم جابر بن عبد الله معتمرا فجئناه فی منزله فسأله القوم عن اشياء ثم ذكروا له المتعة فقال نعم استمتعنا على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم و ابی بكر و عمر حتّٰی اذا كان فی آخر خلافة عمر رضی الله عنه۔

عطا سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ جب جابر ابن عبداللہ عمرہ میں آئے تو ہم ان کے مکان پر آئے لوگوں نے بہت سی باتیں ان سے دریافت کیں پھر متعۃ النساء کا ذکر کیا تو جابر ابن عبداللہ نے کہا۔ کہ ہاں ہم زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور زمانہ ابوبکر و عمر میں متعہ کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی خلافت کے آخر زمانہ میں عمر نے ہم کو اُس سے روکا۔

مسند احمد حنبل الجزء الثالث صفحہ ۳۸۰۔

حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا حجاج ثنا شريك عن الاعمش عن الفضيل بن عمرو قال اراه عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال تمتع النبی صلى الله

ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے متعہ کیا تھا۔ پس عروہ بن زبیر نے کہا۔ ابوبکر و عمر نے متعہ سے لوگوں کو روکا۔ اس پر ابن عباس نے کہا کہ عروہ کیا کہتا ہے۔ کہا گیا کہ وہ کہتا ہے۔ کہ ابوبکر و عمر نے

علیہ وسلم فقال عروۃ بن الزبیر نہی ابوبکر وعمر عن المتعۃ فقال ابن عباس ما یقول عریۃ قال یقول نہی ابوبکر وعمر عن المتعۃ فقال ابن عباس اراھم سیھلکون اقول قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویقول نہی ابوبکر وعمر۔

متعہ سے منع کیا۔ اس پر ابن عباس نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ عنقریب یہ لوگ ہلاک ہوں گے۔ میں تو کہتا ہوں۔ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے متعہ کا حکم دیا اور یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ ابوبکر وعمر نے منع کیا۔

مسند احمد حنبل الجزء الاول صفحہ ۳۳۷۔

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا بھز قال وثنا عفان قالا ثنا ھمام ثنا قتادۃ عن ابی نضرۃ قال قلت لجابر بن عبد اللہ ان ابن الزبیر رضی اللہ عنہ ینھی عن المتعۃ وان ابن عباس یامر بھا قال فقال لی علی یدی جری الحدیث تمتعنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عفان ومع ابی بکر فلما ولی عمر رضی اللہ عنہ خطب الناس فقال ان القرآن ھو القرآن وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو الرسول وانھما کانتا متعتان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احداھما متعۃ الحج والاخری متعۃ النساء۔

ابی نضرہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر ابن عبد اللہ سے کہا کہ ابن زبیر لوگوں کو متعہ سے روکتا ہے۔ اور ابن عباس اس کی اجازت دیتے ہیں۔ پس جابر ابن عبد اللہ نے مجھ سے کہا کہ زمانہ رسول خدا میں اور نیز زمانہ ابی بکر میں ہم متعہ کیا کرتے تھے۔ پس جب عمر حاکم ہوئے تو انہوں نے خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا کہ قرآن ہے تو ہوا کرے اور رسول ہے تو ہوا کرے (اگرچہ) دونوں متعہ جناب رسول خدا کے زمانہ میں جاری تھے۔ یعنی متعہ حج اور متعہ النساء (لیکن میں تم کو ان دونوں سے منع کرتا ہوں)

مسند احمد حنبل الجزء الاول صفحہ ۵۲

اس جرأت کو ملاحظہ کیجئے۔ قرآن ہے تو ہوا کرے۔ رسول ہے تو ہوا کرے۔ ہم ان کے احکام کو نہیں مانتے۔ انہوں نے دونوں متعہ یعنی متعہ حج ومتعہ النساء جاری کئے۔ لیکن ہم ان سے اختلاف کرتے ہیں اور دونوں سے اپنی رعایا کو روکتے ہیں۔ یہ ہے وہ ذہنیت جس نے اسلام پر اثر پذیر ہو کر اس کو مسخ کر دیا۔ علامہ ثعلبی اپنی تفسیر میں در ذیل آیہ متعہ فما استمتعتم بہ منھن فآتوھن اجورھن فریضۃ میں لکھتے ہیں۔

اخبرنا الحسین بن محمد بن الحسین بن عبد اللہ انا موسی بن محمد بن

(اسمائے راویاں عربی میں ملاحظہ فرمائیے) عمران بن حصین کہتے ہیں کہ آیہ متعہ کتاب اللہ

علی بن عبد اللہ انا موسیٰ بن هارون بن عبد اللہ الحمال انا محمد بن الصباح انا عبد اللہ بن رجا عن عمران بن سلیمان عن ابی رجاء العطاردی عن عمران بن حصین قال نزلت آیة المتعة فی کتاب اللہ تعالیٰ ولم ینزل آیة بعدھا تنسخھا فامرنا بھا رسول اللہ وتمتعنا مع رسول اللہ ومات ولم ینھنا عنه قال رجل برائه ماشاء قلت فلم یرخص فی نکاح المتعة الا عمران بن حصین و عبد اللہ بن عباس و بعض اصحابه وطائفة من اهل البیت۔

میں نازل ہوئی اور اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ جو اس کو منسوخ کرتی۔ پس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو متعہ کا حکم دیا۔ اور ہم عہد رسول خدا میں متعہ کرتے تھے۔ اور جناب رسول خدا کے علم میں بھی متعہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آنحضرت نے انتقال کیا اور ہم کو متعہ سے نہ روکا۔ اس کے بعد ایک آدمی نے (حضرت عمر نے) اپنی رائے سے وہ کیا جو اس نے چاہا۔ میں کہتا ہوں کہ نکاح المتعہ کو جائز سمجھا۔ عمران بن حصین، عبد اللہ ابن عباس اور بعض اصحاب رسول نے، اور اہل بیت کی ایک جماعت نے۔

حضرت عمر کی اولیات میں شمار ہوتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے یعنی برخلاف سنت آنحضرت متعہ کو بند کر دیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی حضرت عمر کی اولیات میں لکھتے ہیں:

اول من حرم المتعة و اول من نهی عن بیع الامهات و اول من جمع الناس فی صلاة الجنائز علی اربع تکبیرات.......... و اول من اخذ زکوٰة الخیل۔

حضرت عمر سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے متعہ کو حرام کیا۔ امہات اولاد کی بیع سے منع کیا۔ جنازہ پر چار تکبیریں مقرر کیں اور وہ سب سے پہلے ہیں۔ جنہوں نے گھوڑوں پر زکوٰۃ لی۔

جلال الدین سیوطی:۔ تاریخ الخلفا مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۹۷۔

یہ ثبوت جو ہم نے پیش کیا ہے۔ اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

(۱) متعۃ النساء کا اجراء احکام قرآنی کی رُو سے ہوا۔

(۲) جناب رسول خدا نے بذریعہ عام منادی متعۃ النساء کی حلت کا اعلان کرا دیا۔

(۳) جناب رسول خدا کے علم میں آپ کے اصحاب نے متعہ کیا۔

(۴) کوئی آیت اس کی ناسخ نہیں ہے۔

(۵) جناب رسول خدا و حضرت ابو بکر کے پورے زمانہ تک اور حضرت عمر کے خلافت کے آخری زمانہ

تک متعۃ النساء متعۃ الحج جاری تھے۔

(۶) حضرت عمر نے یہ کہہ کر کہ قرآن ہے تو ہوا کرے رسول ہے تو ہوا کرے۔ میں ان دونوں متعہ کو رد کرتا ہوں ان کو بند کرا دیا۔

(۷) آیت متعۃ النساء میں الفاظ الی اجل مسمی (ایک میعاد مقررہ کیلئے) بھی موجود تھے۔ جو اب نہیں پائے جاتے۔

(۸) حضرت عمر امور دین میں مداخلت کرتے ہیں اور نہایت دلیری کے ساتھ کتاب اللہ اور رسول خدا کی نافرمانی فرماتے ہیں۔ اگر حج بھی رکن دین نہیں ہے تو پھر ارکان مذہب اور کیا ہوں گے۔ اور حضرت عمر اس میں بھی مداخلت فرماتے ہیں۔

امر واقعہ تو اتنا ہی ہے مگر وکلائے اہل حکومت یعنی علماء اہل سنت وجماعت کا فرض تھا کہ وہ حضرت عمر کی مدد کو آئیں۔ لہذا ان کی کج بحثی بھی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ متعۃ النساء صرف جنگ اوطاس میں تین دن کے لئے مباح ہوا تھا۔ پھر ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار پایا۔ چنانچہ آیت متعہ کی ناسخہ آیت یہ بتاتے ہیں۔ اس ذیل میں کہ مومنوں کون کون ہیں ارشاد باری تعالٰے ہے:۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ (پارہ ۱۸ سورۃ مومنون)

دافعی محبت و تعصب انسان کو اندھا کر دیتے ہیں۔ سورۃ مومنون مکیہ ہے۔ جس میں یہ آیت ناسخہ ہے اور سورۃ النساء جس میں یہ آیہ متعہ منسوخہ ہے۔ وہ مدینہ ہے۔ گویا متعہ جاری تو بعد میں ہوا منسوخ پہلے ہی ہو گیا اگر ناسخ و منسوخ کا عمل جاری کرتے ہو تو ہم کہیں گے کہ آیت جو سورۂ مومنون میں ہے وہ اثر پذیر ہوتی ہے۔ آیہ متعہ سے جو اس کی تفصیل کرتی ہے۔ علاوہ اسکے یہ کہاں سے نتیجہ نکالا کہ یہ آیت متعہ کو منسوخ کرتی ہے۔ متعۃ النساء میں بھی تو عورت بمنزلہ زوجہ کے ہوتی ہے۔ یہاں تو مومنین کی نشانیاں بتائی جا رہی ہیں۔ لہذا مجمل ذکر ازواج کا کر دیا۔ اگر یہ آیت ناسخہ تھی تو حضرت عمر کی آخر خلافت تک کیوں متعہ جاری رہا۔ کیا جناب رسول خدا اور حضرت ابوبکر کو معلوم ہی نہ ہوا۔ کہ یہ آیت ناسخہ متعہ ہے۔

حلت متعہ کے لئے جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو خدا اور رسول خدا نے جاری فرمایا اور اس کو کبھی منع نہیں کیا۔ یہ ایک مثال ہے اس امر کی کہ حضرت عمر بسا اوقات اپنی عقل کو غلط طریقے سے استعمال فرمایا کرتے تھے۔ صحیح عقلی بحث اب درج کی جاتی ہے۔

فقہ اسلامی میں نکاح محض ایک معاہدہ ہے۔ اس میں اور عام معاہدوں میں صرف اتنا

فرق ہے کہ عام معاہدے تو فسخ نہیں ہو سکتے جب تک کہ فریقین کی مرضی نہ ہو۔ یا اس میں شرائط ہی ایسی ہوں کہ ان کے واقع ہونے پر وہ معاہدے خود بخود فسخ ہو جائیں۔ لیکن نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے کہ جس کو ایک فریق محض اپنی مرضی سے جب جی چاہے فسخ کر سکتا ہے۔ لفظ طلقتُ کہا۔ اور معاہدہ فسخ۔ جس کو آپ نکاح دائمی کہتے ہیں وہ دراصل دائمی تو کیا۔ اس میں تو ایک لمحہ کی بھی مدت یقینی نہیں ہے۔ بغیر وجہ بتائے ہوئے اور بغیر کسی وجہ کی موجودگی کے خاوند طلاق دے سکتا ہے۔ متعہ میں عورت کو اتنا تو یقین ہو سکتا ہے کہ زمانہ متعہ تک وہ امن میں ہے۔ متعہ تو دراصل مرد کی اس آزادی طلاق پر ایک قید ہے۔ وہ ہی مہر، وہ ہی عدت، وہ ہی فرائض وحقوق پرورش اولاد، صرف تعیّن مدت وعدم میراث کا فرق ہے۔ سو اتنی آزادی رحمت خداوندی ہے جو فریقین کے لئے مفید ہے۔ اس میں اتنی خوبیاں ہیں جو شمار میں نہیں آ سکتیں تھوڑی سی ہم بیان کرتے ہیں۔

افعال ذمیمہ کی برائی دو وجہ سے ہوتی ہے ایک بالذات جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے۔ جیسے ظلم، کفر، ناشکر گزاری، منافقت، ظلم اور دوسرے بالنسبت یعنی ان کی برائی ان کے باہر کے صورت حالات کی وجہ سے ہے مثلاً زنا، کذب، عریانی وغیرہ۔ کذب کو لو۔ انسان تنہا بیٹھا ہوا اپنے دل سے باتیں کیا کرے اور اس میں سچ وغلط، سب کچھ بیان کردے کوئی مواخذہ نہیں لیکن ہاں اگر اور لوگوں کے سامنے باوجود علم کے عمداً جھوٹ بولے تو برا ہے کیونکہ سننے والے اسکے بیانات پر عمل کر کے نقصان اٹھائیں گے۔ کذب سے دوسرے لوگوں کو نقصان ہونا ہی کذب کی برائی کا سبب ہے جس کذب سے دوسروں کو نقصان نہیں ہوتا۔ اگر وہ بغیر کسی سبب کے بولا گیا ہے تو فعل، عبث کہا جا سکتا ہے فعل مضر نہ ہوگا۔ پھر کذب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو واقعات کے متعلق ہوتا ہے دوسرا وہ جو اپنی دلی حالت وکیفیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ واقعات کے متعلق جو کذب ہوتا ہے۔ وہ مذموم ہے۔ دلی حالت کے متعلق جو ہے اس کے متعلق یہ خیال ہو سکتا ہے۔ کہ ممکن ہے کہنے والا خود اپنی دلی کیفیت سے اچھی طرح آگاہ نہیں۔ مثلاً میں دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں اور وہ مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تم ہم کو کیسا سمجھتے ہو۔ اگر میں کہہ دوں کہ میں تم کو اچھا سمجھتا ہوں تو فعل مذموم نہیں کیونکہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا اور کسی نہ کسی صفت میں تو دشمن بھی اچھا ہوگا۔ اگر میں اچھی صفت کا خیال رکھوں اور زبان سے کہہ دوں کہ میں تم کو اچھا سمجھتا ہوں تو صدق محض ہوگا۔ اسی طرح فرض کرو کہ میں شیعہ ہوں اور کسی آفریدی ریاست کے خارجیوں میں گرفتار ہو جاتا ہوں جو تلوار میں نکال کر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم شیعہ ہو یا نہیں اور میں کہہ دوں کہ میں شیعہ نہیں ہوں تو کس کا میں نے نقصان کیا اور اگر میں خیال کروں کہ شیعہ علی ہونا بڑی مشکل بات ہے۔ مجھ میں اتنی صفات کہاں کہ میں شیعہ علی کہلایا جا سکوں۔ یہ

خیال کرتا ہوا ہیں کہہ دوں کہ میں شیعہ نہیں ہوں تو یہ خلاف واقعہ بھی نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ پوچھیں۔ کہ شیخین کو تم کیسا سمجھتے ہو اور میں یہ خیال کرکے کہ خلافت کے جھگڑے سے پہلے انھوں نے فلاں کام اچھا کیا تھا کہہ دوں کہ وہ اچھے تھے یعنی اُس وقت اچھے تھے تو کیا حرج ہے۔ بہر صورت یہ فعل مضر نہیں اور کذب کے اجزائے ضروری میں سے ضرر جو ایک نہایت ضروری جزو ہے موجود نہیں ہے۔ لہٰذا وہ کذب نہ ہوا۔ اس نکتہ چینی کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے نادان لوگ تقیہ کو کذب کہتے ہیں اور حضرت ابراہیم پر جھوٹ بولنے کا الزام لگاتے ہیں ممکن ہے۔ کہ اعتراض کیا جاوے کہ شروع اسلام میں اصحاب نے اور آنحضرت نے کیوں نہ تقیہ کیا۔ یہ اعتراض ہمارے اصول موضوعہ کو نظر انداز کرتا ہے ہم کہتے ہیں کہ اگر اس قول سے جو امر واقعہ کے خلاف ہے نقصان ہو تو وہ قول کذب ہے۔ اس وقت اصحاب رسول کے انکار رسول سے اسلام کو نقصان وضعف عظیم پہنچتا لہٰذا ناجائز ہوا۔ اب زنا کو لو۔ خداوند تعالےٰ نے عورت کی پیدائش کی غرض وغایت ہی یہ رکھی ہے۔ کہ وہ مرد کیلئے باعث تسکین ہو اس کو تسکین دے کر اس کے خیالات پریشان کو رفع کرکے اس کی صحت وخوشی کے اسباب بہم پہنچا کر اسے اس قابل کرے کہ وہ دنیا کی مکروہات ومصائب ومشکلوں کا مقابلہ کرسکے۔ اور بنی نوع انسان کی آگے کی ترقی کا باعث بنے۔ بنی نوع انسان کی ترقی منوط ومربوط ہے۔ محض مرد سے اور اس کے اوپر ہی منحصر ہے۔ لیکن عورت بیکار نہیں۔ وہ مرد کیلئے پیدا کی گئی ہے تاکہ اس کو اس کشمکش عظیم کے لئے تیار کرے ملاحظہ ہو۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (پارہ ۹ سورۃ الاعراف ۲۴ع) یعنی خداوند تعالےٰ نے تم کو ایک جان واحد میں سے پیدا کیا اور اس جان واحد ہی میں سے اس کی زوجہ پیدا کی تاکہ وہ (آدم) اس سے تسکین پاوے۔ اس آیت میں ہم ناظرین کی توجہ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، مِنْهَا، لِيَسْكُنَ کی طرف دلاتے ہیں یعنی تمام بنی نوع انسان کی ترقی مرد پر منحصر ہوئی۔ مِنْهَا یعنی عورت اس ہی نفس واحدۃ میں سے پیدا کی گئی۔ آدم کی مٹی نہ ہوتی تو عورت پیدا ہی نہ ہوتی۔ عورت کی ہستی مرد کے اوپر منحصر ہوئی۔ مرد کا حق ہوا۔ کہ عورت پر حکومت کرے اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ اور چونکہ عورت کی ہستی والوجود ہی مرد کی وجہ سے ہے لہٰذا عورت کی زندگی محض مرد کے لئے ہونی چاہیئے۔ مرد اس سے کیا فائدہ اٹھاتا ہے۔ لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا یعنی مرد کو عورت سے تسکین حاصل ہوتی ہے وہ آدمی جس کو تسکین ہی حاصل نہ ہو ہر وقت خیالات پراگندہ وپریشان رہیں وہ دنیا میں کیا کام کرسکتا ہے کیا ترقی کرسکتا ہے۔ صحیح تندرستی اور جوانی کی حالت میں مرد کی خواہشات کا جذبہ عورت کی طرف اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کا کوئی کام اچھی طرح نہیں کرسکتا جب تک اسے اس کی طرف سے تسکین حاصل نہ ہو۔ چونکہ اسلام مذہب فطرت ہے اسی وجہ سے اس نے اس جذبہ کا خاص لحاظ رکھا ہے

خیال رکھا ہے ۔ زوجگان کی تعداد میں ایک حد مقرر کرنی ضروری تھی ۔ وہ بھی چار تک مقرر کی ہے
ایک پر انحصار نہیں کیا۔ اس کے علاوہ لونڈیوں کے طریق کو جاری رکھا گیا ہے ۔ جس کے بعد پھر انسان
کو اس کی طرف سے بالکل اطمینان و تسلی ہو جاتی ہے ۔ ازمنہ سالفہ میں جب مسلمانوں کی حکومت تھی
مسافروں کی خاطر و مدارات کرنے میں لونڈی کا پیش کرنا بھی تھا ۔ تا اگر مسافر کو یہ تسکین حاصل
کئے ہوئے عرصہ ہو گیا ہے اور اس کے خیالات پراگندہ رہنے لگے ہیں ۔ تو وہ یہ راحت بھی اپنے
میزبان کے گھر میں حاصل کرلے ۔ تعجب ہے حضرت عمر سے کہ متعہ کو تو زنا سمجھ گئے اور اس لونڈیوں
کے استعمال کو کچھ نہ سمجھا ، خیر عورت کی پیدائش کی غرض و غایت ہی جب یہ ہوئی تو
اب مرد و عورت کا تعلق تو عین حسب منشاء خداوندی ہو گیا ۔ اس میں برائی کا عنصر یہ ہو سکتا ہے
کہ فساد ہو یا رشتہ البتہ قریب ہو کہ ان کا بہ تعلق کردہ معلوم ہو ۔ لہذا اسلام نے چند حدود قائم کیں
لیکن بہت کم ۔ فقط اتنی ہی کہ جتنی مناسب ہو سکتی ہیں ۔ محرمات کی تعداد بہت کم ہے ۔ ہندووں
میں دیکھو وہاں تو ذرا سا بھی خون کے رشتہ کا شائبہ ہو گا ۔ تو عورت حرام ہو جائے گی ۔ اسلام
نے اس کو روا نہیں رکھا ۔ زنا اس وقت زنا ہے کہ جب محرمات کے اندر ہو یا اس سے
فساد کا اندیشہ ہو ۔ نکاح کی غرض و غایت یہی ہے کہ ان دو امور سے پرہیز کیا جائے اور یہی
غرض و غایت متعہ میں بھی مدنظر ہے ۔ نکاح کے علاوہ اس میں خوبیاں بہت ہیں اور کوئی برائی
متعہ میں نہیں جو نکاح میں نہ ہو ۔ سفر میں گئے یا تو زنا کرو ۔ یا خیالات پریشان سے اپنے تئیں خراب
کرو ۔ یا نکاح کر کے طلاق کی ناخوشگواری پیدا کرو ۔ متعہ وہ ہی عورت کرے گی جس کے حالات
اسکے متقضی ہوں گے ۔ مدت پہلے ہی سے معلوم ہے لہذا جدائی بُری نہ معلوم ہو گی ۔ عورت کو اتنے
ایام کے لئے فائدہ حاصل ہو گیا ۔ بڑھاپے میں مرد کو عورت کی خواہش زیادہ ہوتی ہے ۔ اور
خصوصاً کم عمر عورت کی ۔ لوگ اس بات کا مذاق اڑاتے ہیں احباب تو اس کو اتنا معیوب سمجھا
گیا ہے ۔ کہ اگر کوئی بڈھا کم سن عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کرے تو چند تیس مار خاں دروازے پر آن کر
کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ کہ ہم نکاح نہ کرنے دیں گے ۔ یہ ضعیف العمر آدمیوں پر ظلم ہوا
کیونکہ ان کی یہ خواہش حرص پر محمول نہیں کی جا سکتی بلکہ طبعی اور فطرتی ہوتی ہے اندر سے
ان کا سارا جسم جوان اور طاقت ور خون و حرارت غریزی سے مل کر اپنی کمزوری کو
دور کرنا چاہتا ہے ۔ اور از سر نو طاقت حاصل کرنا چاہتا ہے ۔ یہ طبعی اصول ہے
اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ۔ آج کل بہت سی کوششیں کی جا رہی ہیں ۔
کہ کس طرح جوانی از سر نو حاصل کی جائے ۔ بہت سی دوائیاں ایک طرف اور یہ فطری و
سہل نسخہ ایک طرف ، اگر مرد میں عقل سلیم باقی ہے اور کم سن عورت کا استعمال دوا کے طریقے پر

عیش و عشرت کے لئے نہیں کرنا چاہتا ہے تو یہ نسخہ کبھی خطا نہیں کرے گا۔ پہلے زمانہ میں یہ دوا عام تھی۔ چنانچہ عرب سوسائٹی میں بلکہ دنیا کی کسی سوسائٹی میں اس کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ خدائی فوجدار بھی کچھ غلط نہیں کہتے تھے تم اپنے بڑھاپے کو تو دور کرنا چاہتے ہو لیکن وہ ہی بڑھاپا ایک کم سن لڑکی کے حوالے کرنا چاہتے ہو تمہارے لئے تو یہ مفید ہے۔ لیکن عورت کے لئے اگر ہمیشہ جاری رہا تو یہ رشتہ مضر ہوگا۔ گویا وہ تو کبھی جوان مرد کی صحبت سے آشنا ہی نہ ہوگی تم نے اس کو دوا کی طرح استعمال کیا اور اس نے جوانی کا لطف ہی نہ اٹھایا۔ یہ اس پر ظلم ہے فرمائیے کیا کیا جائے کہ نہ مرد پر ظلم ہو اور نہ عورت پر مرد کی بھی خواہش پوری ہو جائے اور عورت کی بھی کس خوبصورتی سے اور کس عقلمندی کے ساتھ اسلام نے اس مشکل مسئلہ کا حل کیا ہے۔ متعہ کر لو۔ تھوڑے عرصہ کے لئے تم اس دوا کو استعمال کرو۔ پھر اس کو چھوڑ دو۔ عورت کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ متعہ کی قیمت اتنی رکھے گی کہ اس کے لئے عرصہ تک کافی ہو۔ پھر جوان مرد سے شادی بھی کر سکتی ہے۔ ظلم کسی پر نہ ہوا۔ دونوں کا مطلب حاصل ہو گیا اور طرفین ہنسی خوشی اپنے گھر واپس ہو گئے۔ افسوس ہے۔ کہ حضرت عمر نے کیسی غلط جگہ اپنی محدود عقل کا استعمال کیا ہے اس سے اسلام میں بھی اتنا ہی زنا ہو گیا کہ جتنا دیگر ممالک اور مذاہب میں ہے اور اب سینما نکل آئے ہیں۔ جذبات کا ہیجان تو پیدا کر دیتے ہیں۔ اس ہیجان کی تسکین کے لئے عورت نہیں ملتی۔ یا تو پیشہ ور سے تعلق پیدا کر کے امراض مول لو یا خفیہ زنا کرو۔ اصول طب کے ماہر ہمارے اس قول کی تصدیق کریں گے۔ کہ اس طرح ہیجان کا پیدا ہو جانا اور پھر اس کا تسکین نہ پانا جسم انسانی پر ہمیشہ کے لئے نہایت مضر اثر چھوڑ جاتا ہے۔ اور اگر بار بار اعادہ ہوتا رہے تو لاعلاج امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

عورتیں بھی اب سینما کی بہت شائق نظر آتی ہیں شاید جب ہی اس ہیجان دائمی کی وجہ سے ہسٹیریا کا مرض عورتوں میں عام ہو گیا ہے۔ یورپ کے ممالک کا تو ذکر نہیں۔ وہاں زنا۔ زنا ہی نہ رہا۔ وہاں تو نہ نکاح کی ضرورت ہے اور نہ متعہ کی۔ عورتیں عام مل جاتی ہیں۔ خرابی ہندوستان جیسے ملکوں کی ہے۔ سینما کا پیدا کیا ہوا ہیجان سکول اور کالج کے لڑکوں کو خراب کر رہا ہے۔ عورتیں ملتی نہیں۔ لونڈیاں کا رواج نہ رہا۔ کچھ بازاری عورتوں کے شائق ہو جاتے ہیں۔ جو شرمیلے ہیں۔ وہ غیر طبعی طریقے سے اخراج مادہ کی کوشش کرتے ہیں۔ اس غیر تسکین شدہ ہیجان کا اثر دماغ کو مختل کر دیتا ہے۔ آج کل لوگ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ اب لڑکوں میں جنون کا مرض زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کی اصلی وجہ پر غور نہیں کرتے۔ ساری نسل خراب ہو رہی ہے۔ قوم مٹ رہی ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ اس صورت حالات کی ذمہ داری حضرت عمر

تک اس شخص پر ہے کہ جس نے متعہ کو روک دیا۔
ایک اور نکتہ بھی ہے۔ مسئلہ متعہ صاف طور سے ثابت کرتا ہے کہ اسلام ایک وقتی اور ملکی مذہب نہیں ہے۔ بلکہ یہ عالمگیر مذہب ہے اور ہر زمانہ کے لئے ہے اس میں ہر ممکن انسانی تخئیل اور تدبیر پر حاوی ہونے کی اہلیت ہے متعہ اس زمانے کے تخئیل سے کچھ آگے تھا۔ لہذا حضرت عمر اس کے فلسفہ کو مطلقاً نہ سمجھ سکے۔ آج کل کے زمانہ میں عورت و مرد کے تعلقات کا حل اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ زمانہ حال میں آزادی و مساوات کی ہوا کچھ اس طرح چلی ہے کہ سوسائٹی کا کوئی طبقہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا۔ بہت سے مرد اور عورتیں جو نکاح کی دائمی قیود کو پسند نہیں کرتے چاہتے ہیں کہ اپنی وقتی خواہش پوری کر لیں اور بس آزاد رہیں۔ عورتیں خود روزی کمانے لگی ہیں۔ مرد کے زیر حکومت نہیں رہنا چاہتیں۔ بہت سے مرد بھی ایسے ہیں۔ جو اس جنجال سے گھبراتے ہیں۔ اول تو اپنی فطرت و طبیعت کے خلاف وہ نکاح دائمی کریں گے۔ نہیں اور اگر انہیں نکاح دائمی کے لئے مجبور کر بھی لیا۔ تو ان کی ساری عمر تلخی سے گزرے گی۔ اسلام میں جو فطرت کا مذہب ہے نکاح کے لئے جبر کو روا نہیں رکھا۔ وہ مجبور ہیں کہ زنا کریں۔ اور حمل کے خلاف تدابیر اختیار کر کے مرد کے بہترین جوہر کو ضائع کریں۔

ملا ہوا اس سے ایک دوسرا تخئیل ہے اور وہ روس کے سوشلزم کا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ سب بچے سٹیٹ یعنی ملک کی ملکیت ہونے چاہئیں۔ اگرچہ ملکیت کا لفظ یہاں بالکل موزوں نہیں ہے۔ بہر صورت ان کا فلسفہ ہے کہ فرد ملک کے لئے ہے۔ اور تمام ملک کے باشندگان کو اپنے خیال کے مطابق پرورش کرنا اور ان کو اپنے لئے مفید بنانا ملک کا فرض ہے۔ لہذا وہ چاہتے ہیں کہ سب بچوں کو شروع ہی سے ملکی سلطنت پرورش کیا کرے۔ یہ تخئیل ہمارے لئے ناقابل قبول اس وجہ سے ہے، کہ بچوں کے پالنے اور تربیت دینے میں یہی نہیں کہ بچوں کی پرورش ہوتی ہے بلکہ یہ نہایت عمدہ طریقہ تعلیم والدین کے لئے بھی ہے۔ جس سے اُن کے اخلاقیات پر اثر پڑتا ہے۔ اور ان کے اعلیٰ جذبات مثلاً محبت، ہمدردی، ایثار، نفس کشی کی تہذیب ہوتی ہے۔ اور ان میں اپنے اوپر اور دوسروں کے اوپر قابو پا لینے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ نے نہایت بیّن فرق دیکھا ہو گا ان لوگوں میں جن کے کبھی کوئی اولاد پیدا ہی نہیں ہوئی۔ اور ان میں جن کے یہاں اولاد پیدا ہوئی۔ کچھ پروان چڑھی۔ کچھ ضائع ہو گئی۔ خدا کسی کی اولاد کو ضائع نہ کرے۔ لیکن مقدر میں کس کو چارہ ہے۔ اس اولاد کے ضائع ہونے میں بھی ایک طویل اور دنیا کی درس گاہ کی اعلیٰ جماعتوں کا ایک مفید سبق مضمر ہے میرا خیال ہے کہ آدمی انسان بن ہی نہیں سکتا۔ جب تک غم کی تلخی نہ چکھے۔ غم انسان کی طبیعت و

کو مرنے والے کے ساتھ محبت و ہمدردی ہو جاتی ہے اور وہ محبت و ہمدردی اس کی اولاد و قریب ترین رشتہ داروں کی طرف عود کر جاتی ہے۔ اُمّت میں رحلتِ رسولؐ نے کہرام پیدا کر دیا ہے لوگ اپنے محسن کے احسانات یاد کر کے رو رہے ہیں۔ بڑا نازک وقت ہے ایسا نہ ہو کہ یہ محبت و ہمدردی کے جذبات مرنے والے کی اولاد و اہل بیت کی طرف منتقل ہو جائیں فوراً جناب ابوبکر نے کھڑے ہو کر ایک فصیح و بلیغ خُطبہ ادا فرمایا۔ جس کی لوگ اب تک تعریف کرتے ہیں اور وہ واقعی تعریف کے قابل تھا۔ کیونکہ اس نے حصول مدعا میں بڑی مدد دی آپ فرماتے ہیں:۔

الا من کان یعبد محمداً فان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیّ لا یموت۔	جو محمدؐ کی پرستش کرتا تھا اسکو معلوم ہو کہ محمد تو مر گئے اور جو خدا کی پرستش کرتا ہے وہ معلوم کرے کہ خُدا زندہ ہے جو کبھی نہیں مریگا۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبیؐ)

دیکھا آپ نے فوراً محبت رسول کو عبادت سے تعبیر کر کے اِسے مکروہ بنانے کی کوشش کی۔ اور اس کی کراہیت میں اضافہ اس طرح کیا کہ اس کو عبادت الٰہی کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ مرنے والے حبیب کو سب رویا کرتے ہیں ابھی ابھی وہ حبیب جُدا ہوا ہے کئی دن یا مہینے نہیں گزرے۔ اس محبت میں پہلیوں سے تو انہماک نہیں ہے۔ کیا اپنے پیارے رسولؐ کو چند گھنٹے رونا بھی ناگوار ہے۔ بھلا اس رونے کو پرستش و عبادت سے کیا علاقہ۔ اب جو لوگ اپنے مرنے والوں کو روتے ہیں تو وہ انکی پرستش کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کی خواہش کے مطابق مدینہ حضرت حمزہ پر آن کر روئیں۔ تو گویا انھوں نے حمزہ کی پرستش کی اور آنحضرتؐ نے معاذ اللہ ان سے حمزہ کی پرستش کرائی۔ یہ کہہ کر کہ جو خُدا کی پرستش کرتا ہے۔ معلوم کرے کہ خُدا نہیں مرا۔ حضرت ابوبکر نے ان لوگوں کو دو جماعتوں میں منقسم کر دیا۔ ایک تو وہ جو رسُول خُدا کی محبت میں رو رہے تھے وہ تو محمدؐ کی عبادت کرنے والے کافر ہوئے۔ دوسرے وہ سخت دل لوگ جن پر آنحضرت کی وفات نے کچھ غم کا اثر پیدا نہیں کیا تھا بلکہ وہ آئندہ کے منصوبوں میں غلطاں و پیچاں تھے۔ یہ لوگ خدا کے اصلی بندے خُدا کی عبادت کرنے والے ہوئے یہ ہیں ان بزرگواروں کی سیاسی ذہانت کے نمونے۔ ایسی بہت سی نظائر پیش کی جا سکتی ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بزرگوار اپنے دلی مقصد کو کسی خوبصورتی سے پوشیدہ رکھتے تھے اور یہی ان کی کامیابی کا بہت بڑا راز تھا۔

اب ہم ان سیاسی تدابیر کا ذکر کرتے ہیں جو حصول مدعا کے لیئے استعمال کی گئیں۔ یہ تدابیر ان اصولوں پر مبنی تھیں (۱) اپنی ہم خیال جماعت کی توسیع و تنظیم (۲) نبوت کے متعلق ایسا عقیدہ قائم

فطرت پر وہ ہی اثر رکھتا ہے جو بھٹی کی آگ لوہے یا سونے پر رکھتی ہے۔ بغیر اس کے انسانی فطرت کا جوہر عیاں ہی نہیں ہو سکتا اور یہ آنچ سب سے تیز و تند اولاد کے غم میں پائی جاتی ہے۔ غالب کہتے ہیں ؎

ترے تیر نیمکش کو کوئی میرے دل سے پوچھے　یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

اگر جگر کے پار ہو گیا تو اندمال شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ غم پار ہوتا ہی نہیں۔ اندر ہی رہتا ہے۔ اور امتداد زمانہ جس سے بہتر کوئی مرہم نہیں ہے اس زخم تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ انسانی حالتیں بہت مختلف ہوتی ہیں جو اصول ایک جماعت پر حاوی ہے وہ دوسری جماعت کے لئے ناموزوں ہوتا ہے اور بہترین قانون وہ ہے۔ جو تمام رعایا کے مطابق حال ہو سکے۔ بہت ایسے غریب و نادار بھی ہوتے ہیں جو باوجود اپنی تمام طاقتوں کے اولاد کی پرورش نہیں کر سکتے اور والدین کی ساری عمر ایک مصیبت کا دائمی سلسلہ بن جاتا ہے۔ غالباً ایسے ہی مناظر دیکھ کر اُستاد ذوق نے کہا ہے ؎

توڑا اگر شاخ کو کثرت نے ثمر کی　دنیا میں گرانباری اولاد غضب ہے

اگر کسی طرح مر گر کر پرورش کر بھی لیا تو اولاد جانوروں سے زیادہ درجہ کی نہیں ہوتی تعلیم کچھ ہوتی نہیں۔ صحبت نہایت بری ملتی ہے۔ یہ قوم اور ملک کے افراد جو بنتے ہیں وہ کسی کے لئے مفید نہیں ہوتے۔ اور سب کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی اصلی چور ڈاکو ہوتے ہیں۔ کوئی سفید پوش ڈاکو ہوتے ہیں۔ بدمعاشی ان کا پیشہ ہوتا ہے۔ فریب و دغا بازی سے روزی پیدا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ماں باپ کو مارتے ہیں۔ اُن سے لڑتے ہیں۔ خود گھر سے نکل جاتے ہیں۔ یا اُن کو نکال دیتے ہیں۔ ایسی اولاد کس کام کی ہوئی۔ معاشریات کا یہ نہایت مشکل مسئلہ ہے اس کو آسانی سے حل نہیں کر سکتے اگر اس کو حل کیا ہے اور کامیابی سے حل کیا ہے تو ایک نبی اُمّیؐ عربی نے متعہ کو جاری کر کے کیا ہے۔ والدین بوجھ سے بچ گئے۔ ہنسی خوشی سے اپنی اولاد سٹیٹ یعنی ملک کو دے دیں گے۔ وہاں پرورش بھی اچھی ہوگی۔ اور بوجھ کسی پر نہیں پڑے گا۔ کیسا عمدہ حل ہے۔ اولاد کے متعلق متعہ کے وقت ہر ایک قسم کا معاہدہ فریقین میں ہو سکتا ہے۔ باپ رکھے ماں رکھے یا ملک کے پرورش گاہ میں داخل کریں ممکن ہے یہ اعتراض کیا جاوے کہ آنحضرت نے کوئی بچوں کی ملکی پرورش گاہ نہیں بنائی تھی۔ اور نہ یہ حکم دیا کہ متعہ کے بچے ایک ملکی پرورش گاہ میں داخل کئے جاویں۔ یہی تو میری ساری بحث ہے کہ اسلام دنیا کا مذہب ہمیشہ کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ جو جدید خیالات اس کے بنیادی اصول کے خلاف نہ ہوں گے ان سب پر حاوی ہو سکتا ہے۔ اس وقت سوسائٹی کی یہ حالت نہ تھی کہ ایسا حکم دیا جاتا۔ اب دنیا اس روش پر چل رہی ہے

کی پرورش گاہ میں بچوں کا پرورش پانا اسلام کے کسی دائمی و بنیادی اصول کے خلاف نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ ہم یہ بحث اسلامی سلطنت کو مد نظر رکھ کر کر رہے ہیں اور اگر غیر اسلامی ملک میں بھی کوئی ایسی پرورش گاہ ہوگی تو اس کا پہلا اصول یہ ہوگا اور ہونا چاہیئے کہ بچہ والدین کے مذہب پر اٹھایا جائے گا۔ اور اگر کوئی ملک یہ خیال نہیں رکھتا تو وہ ظلم صریح کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور ظلم صریح کے لئے تو کوئی قانون ہی نہیں مقرر ہو سکتا۔ دیکھئے متعہ نے کیسا عمدہ حل پیدا کیا۔ وہ مرد و عورت جو آزاد رہنا چاہتے ہیں اپنی فطرت کے مطابق زندگی بسر کریں اور اپنی خواہش نفسانی پوری کریں اور اگر اس تھوڑے عرصے کے تجربے سے انہیں ازدواجی زندگی پسند آئے اور اس کے عادی ہو جائیں تو یہ بھی کر سکتے ہیں اور یہ عمدہ نتیجہ ہوا متعہ کا۔ اگر ماں باپ میں سے کوئی اولاد کی پرورش کر سکتا ہے تو وہ کرے اور اگر دونوں غریب ہیں تو اولاد ملک و سلطنت کے حوالہ کر دیں۔ بالشوزم پر جو جبر کا اعتراض عائد ہوتا ہے۔ وہ بھی رفع ہو جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ حضرت عمر شکر کرتے وہ اس کی کنہ کو نہ پہنچے اور اسے بند ہی کر دیا۔ جس کی وجہ سے زنا عام ہو گیا ان بزرگواروں نے اسلام کو اس طرح مسخ کیا ہے۔

وہ مسلمان جو اسلام کی صداقت کو یورپ کے معیار سے پرکھتے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے بہت اچھا کیا کہ متعہ کو روک کر اسلام کو یورپ کے اعتراض سے بچا لیا۔ ان بزرگوں کی رائے میں اسلام ایک محدود وقتی مذہب تھا خاص زمانہ اور خاص ملک کے لئے نازل ہوا تھا۔ اس کے اصول معاشرت و قواعد سیاست زمانہ کی ترقی کے دوش بدوش چلنے سے قاصر ہیں ہر ایک صدی کے سر پر ایک مجدد کے آنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اسلام کے پرانے و زائد المیعاد اصول و قواعد چھٹتے رہیں اور انکی جگہ زمانے کی فیشن کے مطابق رسم و رواج ایجاد ہوتے رہیں۔ لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ اسلام نے ایک ایسا مستقل و دائمی طرز معاشرت قائم کر دیا ہے کہ جس کو زمانہ کی تبدیلیاں اور تہذیب کی قلابازیاں موثر کرنے سے قاصر ہیں بلکہ جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے اور لوگوں کی آنکھوں سے پردے اٹھتے جاتے ہیں سائنس ترقی کرتا جاتا ہے وہی اسلام کے پرانے اصول و قواعد نئے جوبن دکھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اب اس جنگ عظیم کے بعد لوگوں کے سامنے مشکل مسائل اٹھیں گے اس وقت آنکھیں کھلیں گی۔ یورپ کی آبادی میں عورت کا تناسب مرد سے اس قدر زیادہ ہو جائے گا کہ محض یہی ایک امر سارے نظام کو منقلب کرنے کے لئے کافی ہوگا۔ یا تو عورتوں کو غیر ممالک میں تقسیم کر دیں گے یا ان سے مردوں کے کام لے کر ان کو روزی بہم پہنچائیں گے۔ روٹی تو ممکن ہے کہ ان کو مل جائے مگر مرد نہ ملنے پر جو خرابیاں پیدا ہوں گی وہ ناگفتہ بہ ہوں گی۔ اس وقت کہیں گے کہ اسلام کا تعدد ازدواج و متعہ خدا کی طرف سے رحمت ہے

لہ۔ اس ذہنی غلامی، کورانہ تقلید کے قربان جایئے کہ تہذیب فرنگ کی خرابیاں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود بھی یہ لوگ اس ہی کو قابلِ تقلید سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی رائے میں یہ تہذیب انسانی تہذیب کی ارتقائی منازل میں سے آخری منزل ہے۔ اس آخری منزل کے انتہائی عروج کا نمونہ موجودہ جنگ عظیم ہے جس تہذیب میں ایک ہی دین رکھنے والے انسان آپس میں ایک دوسرے کا گلا اس بے رحمی سے کاٹیں کہ بندر اور کتوں کو بھی شرم آئے۔ کروڑہا جوان جانیں جو اصلی ترقی دنیا کا باعث ہوتیں اس طرح ضائع ہو رہی ہیں اور اس اندھے پن کو دیکھیے کہ ان قوموں کے رہنماؤں اور کارفرماؤں کو یہ نہ معلوم ہو کہ ہم برا کر رہے ہیں۔ کروڑوں بچے اور عورتیں، بے گناہ بڈھے اندھے بموں کا شکار ہو رہے ہیں۔ جس تہذیب کے بچے اور عورتیں اور بڈھے اپنی جانیں بچانے کے لئے جانوروں کے بھٹ میں گھس رہے ہیں اور وہاں بھی پناہ نہیں ملتی۔ جس تہذیب نے ایسی دنیا پیدا کی ہے کہ اس میں آسمان سے آگ برس رہی ہے۔ زمین سے شعلے اٹھ رہے ہیں پانی میں آگ لگ رہی ہے عقل سلیم کہتی ہے کہ ایسی تہذیب کے وہ اصول و قواعدِ معاشرت جن کی بناء پر یہ معاشرت قائم ہے سب غلط ہیں کیونکہ نتیجہ غلط ہے احمق محض ہیں وہ لوگ جو رفتارِ زمانہ ہی میں ترقی کو مضمر جانتے ہیں۔ زمانہ کوئی چال چلے وہ ہی ان کے لئے بہترین نمونہ ہوگا۔ وہ ابھی یہی کہے جاتے ہیں کہ باوجود اس تہذیب کے ان ہیبت ناک مناظر کے یہی تہذیب قابلِ تقلید ہے اب تو اٹھو اور اپنے صحیح اسلام کی معاشرت کی طرف آؤ جو باوجود بگاڑنے کے بھی ایسی نہ بگڑی۔ خداوند تعالیٰ نے اسلام پر نکتہ چینی کرنے سے ان فرنگیوں کا منہ کس طرح بند کیا ہے۔ اب کس منہ سے کہیں گے کہ اسلامی معاشرت غیر مہذب معاشرت ہے یا اس کے اصول و قواعد تہذیب و ترقی کے منافی ہے۔ اس جنگ عظیم نے فرنگی تہذیب کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اب موقع ہے مسلمانوں کے لئے کہ اپنے صحیح اسلام کی تہذیب سے دنیا کو آشنا کریں۔

عقل و قیاس جائز کی حدود و شرائط:- ہم امورِ دین میں عقل و قیاس کے استعمال کے خلاف نہیں ہیں بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اپنے دین و مذہب اور اس کے اصول کی پرکھ عقل و قیاس کی کسوٹی پر کرو۔ اور غور کرو کہ حق کدھر ہے۔ اور سقیفہ سازی ہمیں کدھر لے آئی ہے اور جب ہم آئندہ باب میں عقل کو اپنی بحث کا معیار مقرر کریں گے تو وہاں بھی آپ نہیں ٹھہر سکیں گے اور عقل سے پناہ مانگیں گے۔ عقل انسان کی ہمیشہ سے رہنما رہی ہے اور رہے گی ہمارا مدعا یہ ہے کہ عقل کو ان حدود کے اندر استعمال کرو۔ جو حدود قرآن شریف نے مقرر کر دی ہیں۔ چنانچہ سب سے

عقل و قیاس کی حدود و شرائط

ملہ یہ گویا پیشین گوئی ہے جو پوری ہوئی۔ یہ اس وقت لکھا گیا تھا کہ جب جنگ عظیم جاری تھی۔

ہادی کی جانچ پڑتال کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے لہذا کافروں سے ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ اَفَلَا تَعْقِلُوْن۔ لیکن جب سچا مذہب معلوم ہوگیا۔ سچا ہادی مل گیا تو پھر حکم ہوتا ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ بس اب اطاعت لازم ہے اور یہ اطاعت و تسلیم معیار ایمان ان الفاظ میں قرار پائی ہے فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ ترجمہ:۔ تمہارے پروردگار کی قسم جب تک یہ لوگ اپنے تنازعات میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔ اور جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے تسلیم کر لیں تب تک یہ مومن نہ ہوں گے اطاعت کامل شرط ایمان ہے۔ عقل و قیاس کے استعمال میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے

(۱) ہمارا ایمان و یقین ہے کہ اسلام خداوند تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا دین ہے۔ اس کے اصول و قواعد و حدود فقہ خداوند تعالےٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ جو جناب رسول خدا کے ذریعے سے ہم تک پہنچائے گئے ہیں۔ لہٰذا بسا اوقات ممکن ہے کہ ہماری عقل ان امور کے مصالح و وجوہ تک نہ پہنچے۔

(۲) عقل انسانی محدود ہے۔

(۳) عقل انسانی بدلتی رہتی ہے۔ ایک صدی کے مسلمات دوسری صدی کے متروکات ہو جاتے ہیں۔

(۴) عقل انسانی کا معیار قطعی معلوم نہیں ہو سکا ہے۔

(۵) عقل و قیاس انسان کی خواہشات سے بہت جلد اثر پذیر ہو جاتے ہیں۔

(۶) یہی وجہ ہے کہ ایک ہی امر پر مختلف نقطۂ نگاہ سے بحث ہو کر مختلف اور بسا اوقات متضاد نتیجے اخذ ہوتے ہیں۔

ان اصول کو مدنظر رکھ کر امور دین میں عقل و قیاس کے عمل کے لئے مندرجۂ ذیل حدود قائم ہوئیں۔

ا۔ جہاں صریح نص خدا اور رسول کی طرف سے موجود ہے وہاں عقل و قیاس کی گنجائش نہیں ہے۔ خواہ اس نص اور حکم و ارشاد کے مصالح و وجوہ ہماری سمجھ میں آئیں اور خواہ نہ آئیں۔

(ب) جو امور دینی یا معاملات دنیوی، سہل یا پیچیدہ پیش آتے رہیں ان کے حل کرنے کے لئے عقل کامل کا فرض اولین یہ ہے کہ معلوم نصوص، اصول و قواعد و احکام خدا اور رسول کو ان پر حاوی کرے۔ اگر عقل کامل ہے اور علم وسیع تو پھر اپنے عقل و قیاس کی ضرورت ہی نہ پڑے گی معلوم نصوص ہی میں سے ضروری قواعد مستنبط ہوتے رہیں گے۔ یہ آسان بات نہیں۔ اس کے لئے

بڑی خداداد قابلیت کی ضرورت ہے اور جن کے پاس عقل کامل و علم وسیع نہیں ہوتا وہ ہی اپنے ناموزوں عقل کا پیوند لگاتے رہتے ہیں۔ ہم ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے اخذ مسائل کا طریقہ معلوم ہوگا۔

اتی عمر بامراۃ وضعت لستۃ اشھر فامر برجمھا فقال علی علیہ السلام لیس علیھا رجم لان اللہ تعالیٰ یقول والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ وقال حملہ وفصالہ ثلاثون شھرا فستۃ للحمل وسنتان لمن اراد ان یتم الرضاعۃ فخلی عنھا وقال اللھم لا یبقنی لمعضلۃ لیس لھا ابوالحسن۔

سبط ابن الجوزی تذکرہ خواص الامۃ صفحہ ۸۷

حضرت عمر کے پاس ایک عورت لائی گئی۔ جس نے چھ مہینے میں بچہ جنا تھا۔ پس حضرت عمر نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی نے فرمایا کہ نہیں یہ غلط حکم ہے اس پر حکم رجم نہیں عائد ہوتا وہ بیگناہ ہے خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر والد چاہتا ہے کہ رضاعت مکمل ہو تو ماں کو چاہیئے کہ بچہ کو پورے دو سال دودھ پلائے اور پھر فرماتا ہے کہ حمل و رضاعت کی مدت تیس مہینے ہے پس چھ مہینہ تو حمل کی مدت ہوئی اور دو سال رضاعت کی مدت ہوئی جو اس کو پورا کرانا چاہتا ہے یہ سن کر حضرت عمر نے اپنا حکم واپس لے لیا۔ عورت کو چھوڑ دیا اور فرمایا کہ خداوندا مجھے اس مشکل کے لئے زندہ نہ چھوڑنا۔ جس کے حل کرنے کے لئے علی نہ ہوں۔

دیکھیے اس غلط حکم سے ایک بے گناہ کی جان جاتی۔ اس ہی سلسلہ میں ہم ایک اور زنا کا ذکر کرتے چلیں۔ جب مغیرہ ابن شعبہ پر تینی گواہوں نے زنا کا الزام لگایا اور نصاب شہادت بھی پورا ہو گیا لیکن چونکہ وہ حکومت کے لئے مفید آدمی تھا حضرت عمر نے اُسے بچانا چاہا تو گواہوں کو دھمکا کر یہ پوچھا کہ کیا تم نے مغیرہ کے ۔ ۔ ۔ ۔ کو اُم جمیل کی ۔ ۔ ۔ ۔ میں اسی طرح دیکھا جیسے کہ سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے وہاں تو یہ جرح۔ اور یہاں محض چھ مہینہ کا وضع حمل ہی موجب جرم ہو گیا۔ دیکھیے منصوص من اللہ حاکم اس طرح مقدمات فیصلہ کرتے ہیں۔ دو عورتیں حضرت علی کے پاس لائی گئیں جنہوں نے ایک دن بچے جنے تھے ایک لڑکا تھا اور ایک لڑکی۔ وہ دونوں عورتیں لڑکا اپنا بتاتی تھیں۔ حضرت علی نے حکم دیا کہ پیمانے میں دونوں کا دودھ الگ الگ لیا جائے پھر اس دودھ کو تولا گیا۔ جس کا دودھ بھاری تھا۔ اس کو لڑکا دیا گیا۔ اور جس کا دودھ ہلکا تھا اس کو لڑکی دی گئی۔ پھر لڑکی والی نے تسلیم کر لیا کہ میری غلطی تھی۔ حضرت علی سے پوچھا کہ اس فیصلہ کی کیا وجہ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے دوگنا

ہوتا ہے۔ لہذا لڑکے کی ماں کا دودھ بھاری ہونا چاہیے۔

اگرچہ حضرت عمر نے تو اس ضروری شرط کو قائم نہ رکھا۔ لیکن فقہ حنفی میں ہم یہ پاتے ہیں کہ قیاس محض ان امور شرعی میں جائز ہے جن کے لئے کوئی نص خدا اور رسول سے ثابت نہ ہو۔ اس ضمن میں دو سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) یہ کون فیصلہ کرے گا کہ نص موجود نہیں ہے اب قیاس کی ضرورت ہے۔

(۲) اگر قیاس کی ضرورت ہے تو کون شخص قیاس کرنے کا مجاز ہے یعنی کون شخص ایسا ہے کہ جس کا قیاس غلط نہیں ہو سکتا۔ فرمائیے آپ کی عقل سلیم کیا کہتی ہے ظاہر ہے کہ یہ اس کو فیصلہ کرنا چاہیے۔ جس نے رسول خدا کی جگہ لی ہے یا جو رسول خدا کی جگہ لینے کا مستحق ہے۔ اور یہ وہی فیصلہ کر سکتا ہے جس کو خداوند تعالیٰ نے اپنی طرف سے ہمہ گیر علم عطا فرمایا ہے۔ لہذا نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خدا کی جگہ کا وہی مستحق ہے جس کو خداوند تعالیٰ نے اپنی طرف سے ہمہ گیر علم عطا فرمایا ہے سقیفہ بنی ساعدہ کے کارخانے کے بنے ہوئے حکام میں یہ علم نہ تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ وہ جائز خلیفہ رسول نہ تھے۔ حق کی یہی صفت ہے کہ کسی طرف سے بحث کرو۔ حق ثابت ہو جائے گا۔ مولوی شبلی نے عقل کا پلہ پکڑا۔ ہم نے کہا۔ اسی طرف چلو۔ چلتے چلتے وہی حق کے مرکز پر آ گئے

حکام سقیفہ کا مبلغ علم و عقل: اس بات کا ثبوت ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ والے حکام کے پاس یہ علم نہ تھا۔ بہت آسانی سے ملتا ہے۔ حضرت ابوبکر کے پہلے خطبے میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ میں تم سے افضل نہیں ہوں مجھ پر شیطان غالب آ جاتا ہے۔ ابھی ابھی جو ہم نے تذکرۃ خواص الامۃ سے واقعہ نقل کیا ہے وہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمر غلط فیصلہ دے دیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے جو مقدمات کے فیصلہ کرنے کا طریقہ اختیار کیا تھا وہ ان کی مجبوری و علم کی کمی ظاہر کرتا ہے۔ جب کوئی مشکل مقدمہ پیش ہوتا تو حضرت ابوبکر و حضرت عمر اپنی عقل کے مطابق قرآن شریف میں اس کے لئے حکم تلاش کرتے۔ اگر اس میں نہ ملتا تو جناب رسول خدا کا فیصلہ تلاش کرتے۔ اگر خود نہ پاتے تو صحابہ کو جمع کر کے دریافت کرتے کہ آیا تمہیں کوئی رسول خدا کی حدیث ایسی معلوم ہے کہ جس سے یہ مقدمہ فیصلہ ہو سکے۔ اگر صحابہ بتا دیتے کہ ہاں ہم نے سنی ہے تو پھر وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتے حضرت عمر، حضرت ابوبکر کے فتوے کی بھی تلاش کرتے تھے۔ دیکھو طبقات ابن سعد جلد ۲ ق ۲ صفحہ ۱۰۹۔ تاریخ فقہ اسلامی عبدالسلام ندوی صفحہ ۱۶۹۔ خود مولوی شبلی ان کے اس عجز کو تسلیم کرتے ہیں۔

"جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے۔ ان کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ ان پر غور کیا کرتے۔ وقتاً فوقتاً ان کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اس کو قلمبند اور زیادہ غور و فکر

سے اسمیں بھی محو و اثبات کیا کرتے۔ پھوپھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اس کو محو کر دیا۔ اس کا حال امام محمد نے موطا میں لکھا ہے۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں معتمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر نے سو مختلف رائیں قائم کیں۔ بعض بعض مسائل کے متعلق اُن کو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے۔ مسند دارمی میں ہے۔ کہ دادا کی میراث کے متعلق انہوں نے ایک تحریر لکھی تھی۔ لیکن مرنے کے قریب اس کو منگوا کر مٹا دیا اور کہا کہ آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجئے گا۔ اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو صحابہ کو بُلا کر کہا کہ میں دادا کی میراث کی نسبت رائے قائم کی تھی۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو اس کو قبول کریں۔ حضرت عثمان نے کہا۔ آپ کی رائے ہم لوگ قبول کریں تب بھی بہتر ہے۔ لیکن ابوبکر کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب رائے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ کاش رسول اللہ تین مسئلوں کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے۔ کلالہ، دادا کی میراث، ربا کے بعض اقسام، مسائل فقہیہ کے متعلق ان کو جو کد و کاوش رہتی تھی اس کا انداز کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔ ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ قرآن مجید میں اس کی تعریف مفصل مذکور نہیں (مولوی شبلی نے قرآن شریف کو مورد الزام ٹھہرایا۔ حضرت عمر کی جہالت کو نہیں) اس لئے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلالہ میں کون کون ورثہ داخل ہیں۔ حضرت عمر نے خود آنحضرتؐ سے چند بار دریافت کیا۔ اس پر تسلی نہیں ہوئی تو حضرت حفصہ کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا۔ پھر اپنی خلافت کے زمانہ میں تمام صحابہ کو جمع کرکے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم اگر ان تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت، کلالہ، ربا۔ چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین بن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں لکھا ہے" الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۳۲، ۲۳۳۔

حکومت الٰہیہ کے حاکم کے ذہن رسا اور علم لدنی کی کیسی واضح تصویر کھینچی گئی ہے۔ یہ اس شخص کی تصویر ہے جو جماعت اہل حکومت کی رائے میں مدینہ علم نبوی کی شمالی دیوار ہے۔ اور یہ اس شخص کی حالت ہے جو اپنے اس مجبور عقل اور اس ناقص قیاس پر بھروسہ کرکے دین الٰہیہ کے فقہ میں مداخلت کیا کرتا تھا اور اکثر آنحضرت پر اعتراض کیا کرتا تھا۔ پروفیسر مولوی شبلی نے تو اس کو حضرت عمر کی تعریف کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت پروفیسر صاحب کی عقل

سلیم رخصت اتفاقیہ پر گئی ہوئی تھی اور اس کے صلاح و مشورے کے بغیر اس کو تعریف سمجھ کر نقل کیا گیا ہے۔ اگر چنگیز خاں یا رائے پتھورا کی ایسی باتیں کرتے تو ہم سمجھتے کہ بچارے سپاہی تھے انکی عقل موٹی ہوتی ہے۔ ان کو سمجھنے کی کوشش ہی کے نمبر دے دو۔ مولوی شبلی نے یہ امر واقعہ نظر انداز کر دیا کہ حضرت عمر تو جناب رسولِ خدا کی جگہ سنبھالے ہوئے تھے۔ اُن کے ذمہ تو امت اسلامیہ کی رہنمائی بھی فرض کردی۔ کہ اگر جناب رسولِ خدا سے دادا یا پھوپھی کی میراث یا کلالہ کی تشریح پوچھی جاتی اور وہ نہ بتا سکتے تو کیا گمان ہوتا۔ اب یہی گمان جناب عمر کی نسبت ہونا چاہیئے۔ رائے قائم کرنی اور پھر اس کو ہٹا دینا۔ دادا کی میراث کی نسبت سو رائیں قائم کیں اور ایک نہ درست ہوئی اور امت کو مرنے کے وقت بُلا کر کہہ دیا کہ میری سمجھ میں تو نہیں آتا تم جیسا جی چاہے کرنا۔ یہ جانشینِ رسولؐ کی مجبوری مُلاحظہ ہو۔ حضرت عثمان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر نے جو دادا کی میراث کے متعلق رائے قائم کی، ان سب سے مختلف تھی گویا ایک سو ایک ویں رائے تھی۔ ع۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است مولوی شبلی نے تو یہ تحریر حضرت عمر کی مدح میں لکھی ہے۔ ذم نہیں ہے۔ طرز تحریر سے صاف عیاں ہے کہ اتنی رائیں قائم کرنی، اتنے پہلوؤں سے ایک سوال پر غور کرنا، حضرت عمر کے ذہن کی رسائی اور تخیل کے پرواز کی تعریف ہے۔ لیکن کسی کی ذم بھی اس میں پنہاں ہے۔ فقہ اسلامی ایسا ناقص تھا کہ اس پر محض دادا کی میراث کے متعلق سو اعتراض ہو سکتے تھے۔ سو رائیں قائم ہو سکتی تھیں۔ وہ قانون ہی کیا جو ایک قطعی حکم نہ دے۔ جس میں ایک مسئلہ کے سو جواب ہو سکیں قاضی بچارا کیا حکم دے۔ سو دفعہ مختلف حکم ایک ہی مسئلہ پر دے۔ تم یہ بھی کر سکتے ہو وہ بھی کر سکتے ہو۔ اس کے مخالف بھی کر سکتے ہو۔ آخر میں کہہ دے کہ میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ جو تمہارا جی چاہے کرو۔ خدا کی بھی ایک غلطی پکڑی گئی۔ کلالہ کا لفظ تو استعمال کر دیا۔ اس کی تشریح نہ کی۔ بار بار جناب رسولِ خدا سے پوچھا اور بار بار انہوں نے بتایا لیکن حضرت عمر کی سمجھ میں نہ آیا۔ یا تو سمجھانے والے کے علم کی کوتاہی تھی یا سمجھنے والے کی عقل کا پھیر تھا کہ مضمون نہ سمجھا گیا۔ چونکہ یہ حضرت عمر کی تعریف کے ضمن میں تحریر ہو رہا ہے۔ لہذا اس کی تشریح یہ ہوئی کہ جناب عمر کا ذہن ایسا رسا اور تخیل ایسا عالی تھا کہ ایک بات میں سو پہلو دیکھتا تھا۔ اور حضرت عمر آنحضرت سے ان مختلف اعتراضات کے جواب چاہتے تھے جو اُن کے دماغ میں پیدا ہوتے تھے لیکن آنحضرت جواب دینے سے قاصر رہتے تھے لہذا اُن کی تسلی نہ ہوتی تھی۔ حضرت حفصہ کی معرفت فرصت میں جواب منگوایا لیکن وہ بھی ایسا ویسا ہی ہوگا۔ حضرت عمر کی تسلی نہ ہو سکی۔ جب آنحضرتؐ سے تسلی نہ ہوئی۔ تو خیال آیا۔ کہ شاید صحابہ میں کوئی شخص آنحضرتؐ سے زیادہ فہم رکھنے والا ہو۔ تو وہ ہی بتادے لیکن ایسا آدمی کہاں پیدا ہوا تھا جو حضرت عمر کی تسلی کر سکتا۔ مقطع کا بند اب آتا ہے۔ جناب رسولِ خدا

نے اتنے اہم مسائل اپنی اُمت کو نہ بتائے اور خلافت و کلالہ و ربا کی حقیقت و ماہیت سے انہیں آگاہ نہ کیا۔ قرآن شریف میں حکم ہے کہ ربا نہ کھاؤ۔ کلالہ کو میراث دو۔ اب اگر ان مسائل پر اُمت غلطی کرے اور ربا کھانے لگے۔ کلالہ کو میراث سے محروم رکھے۔ خلافت کے لئے کشت و خون ہو، تفرقہ پڑے تو الزام جناب رسول خدؐا پر عائد ہوگا، نہ کہ اُمت پر، اور محشر میں جناب رسولؐ خدا بھی اپنے تئیں یہ کہہ کر بری الذمہ کر لیں گے کہ بارِالٰہا! کیا تو نے ان کے معنی زبانی یا قرآن شریف میں بتائے تھے جو میں اُمت کو بتاتا۔ اس وقت خدا بھی معاذاللہ اپنی غلطی محسوس کریگا اور سوچے گا کہ میں نے تو یہ نبی اور یہ قرآن عرب جیسی موٹی سمجھ رکھنے والے آدمیوں کے لئے تیار کیا تھا مجھے کیا معلوم تھا کہ ان میں ایک شخص عمر جیسا ذہن رکھنے والا بھی ہے۔ مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں اسی کو نہ پیغمبر بنا کر بھیجتا۔ چلو اب تو یہی ہو سکتا ہے کہ خلافت و کلالہ و ربا کے متعلق جتنے گناہان اُمت نے کئے ہیں وہ WRITE OFF ہے یعنی محو کر دئے جائیں وہاں بھی لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں گے کہ کیا بازی ماری ہے۔ خاندان نبوت میں سے حکومت کو بھی نکالا خود سنبھالا، دوستوں کو دی اور سب گناہاں محو۔

مولوی شبلی صاحب کی تحریر کے ایک تو وہ معنی نکلتے ہیں جو اُوپر لکھے گئے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ حضرت عمر بہت ہی موٹی سمجھ کے آدمی تھے۔ ایسے ایسے اہم مسائل نہ سمجھ سکے لہٰذا خلافت کے مستحق نہ تھے۔ جو نسے معنی آپ چاہیں اختیار کریں۔ خدا کی شان تو دیکھو آپس میں کتنی مخالفت تھی اگر جناب رسولِ خداؐ کی تعریف کرو۔ تو حضرت عمر کی ذم نکلتی ہے اور اگر حضرت عمر کی تعریف کرو۔ تو جناب رسولِ خدؐا کی ذم نکلتی ہے۔

اسلام ایک مستقل اور دائمی مذہب: یہ کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔ کہ اسلام ایک مستقل اور دائمی مذہب ہے۔ خداوند تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا اور بھیجا ہوا آخری مذہب ہے اور صحیح اور قطعی اصول معاشرت کی تعلیم کرتا ہے۔ اسلام نے انسان کے لئے وہ قطعی و آخری طرز تمدن و معاشرت اور طریقہ حکومت تجویز کر دیا ہے۔ جس میں تبدیلی ممکن نہیں۔ یہ ایک معلم ہے۔ تمام دُنیا کے لئے اور تمام زمانے کے لئے، یہ ایک حاکم ہے ہمیشہ کے لئے تمام جہاں کے لئے۔ یہ مذہب ہر ایک انسانی شعبہ میں، ہر ایک انسانی معاملہ میں، ہر ایک مختلف فیہ مسئلہ میں اپنا آخری حکم دیتا ہے۔ اور وہ قطعی حکم ہوتا ہے۔ ایسے الہامی دین کے اصول و قواعد و فقہ کو معمولی انسان کے عقل کے تابع کرنا اور جس طرح اور جس طرف وہ عقل پھرتی جائے اور متغیر ہوتی جائے۔ اسی طرح اور اسی طرف دین الٰہیہ کے رُخ کو بدلنا اور ہر ایک جدید فیشن و تہذیب کے مطابق قرآن شریف کی آیات کی تاویل کرنا حاکم اول کو محکوم بنانا ہے۔ لیکن جو طرز عمل

اسلام ایک مستقل اور دائمی مذہب

حضرت عمر نے اختیار کیا اُس کا یہی نتیجہ ہوا اور ہونا چاہیئے تھا۔ اگرچہ پہلے انہوں نے عمّال کو یہی حکم بھیجا کہ اگر تمہیں سند قرآنی اور احکام نبوی کسی خاص واقعات یا مقدمے کے فیصلہ کرنے کے لئے نہ پہنچے ہوں تو اپنی عقل و قیاس کے مطابق فیصلہ کر دیا کرو۔ لیکن اپنے طرز عمل سے حضرت عمر نے صاف ظاہر کر دیا۔ کہ نصّ قرآنی و حکم نبوی کے ہوتے ہوئے بھی اور ان کی مخالفت میں احکام صادر ہو سکتے ہیں اور انہوں نے صادر کئے۔ متعۃ الحج والنساء کو موقوف کیا۔ رمل کو موقوف کیا۔ اور یہ کہہ کر کہا کہ قرآن ہے تو ہوا کرے، رسول ہے تو ہوا کرے۔ حکم میرا ہی چلے گا۔ جب عاملوں نے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے عقل و قیاس کو خوب استعمال کیا۔ پھر یہ مرض مفتیوں میں بھی عام ہو گیا۔ قاضیوں میں بھی چلا گیا۔ اسلام، دین الٰہیہ اسلام سینکڑوں مذہبوں میں تقسیم ہو گیا۔ جس کا ہر ایک فرقہ اپنے ہوے کی بنیاد کتاب اللہ پر رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ میری ہی تاویل حق اور صحیح تاویل ہے باقی سب کی غلط۔ مرکزیت قائم رہ جاتی اور ہر ایک پیچیدہ مسئلہ حل ہو جاتا اگر عقل و قیاس کا استعمال خود بھی ان کے حدود کے ساتھ کرتے جو ہم نے اوپر لکھی ہیں۔ اور دیگر عاملوں کو بھی ان شرائط کو مدنظر رکھنے کا حکم دیتے۔ اور پھر آخری شرط یہ قائم کر دیتے کہ جو فیصلہ اپنی عقل و قیاس کی بناء پر کوئی عامل کرے۔ وہ اول دربار خلافت میں بغرض منظوری بھیج دے اور یہاں سے منظوری جانے کے بعد اس کا اجراء کرے۔ ہمیشہ کے لئے مرکزیت قائم رہ جاتی۔ لیکن دربار خلافت کا سردار علم رکھنے والا ہوتا تو یہ بات ممکن تھی یہاں تو یہ صورت تھی کہ خود دیگر صحابہ سے صحیح تاویل قرآن اور سنتِ رسول پوچھنے کے محتاج تھے۔

حضرت عمر کے طرز عمل کے نقائص۔ عقلِ سلیم کہتی ہے کہ اس دینِ الٰہیہ کا والی اور حاکم ایسا علم کامل رکھنے والا انسان ہوتا جو اس دین کے اصول و قواعد کو ہر ایک زمانے کے آنیوالے پیچیدہ سے پیچیدہ مقدمہ پر تطبیق کر سکتا۔ اور اپنے دین کو ہر ایک چلتی ہوا کی طرف نہ کرتا بلکہ ہواؤں کے رُخ کو تبدیل کر کے اپنے دین کے مطابق ان کو چلاتا۔ اصلی دانائی، بزرگی، عظمت اس میں ہے تاکہ دنیا کی تہذیب و تمدن کا رُخ اپنے اسلام کی طرف رہے اور اسلام دُنیا کی تہذیب و تمدن پر حکمرانی کرے یہی بانیٔ دین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا تھا اور یہی خداوند تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ اعلیٰ، اوپر، غالب رہنے کے یہی معنی ہیں کہ دنیا پر تمہارے دین، تمہارے تمدن تمہاری تہذیب کی حکمرانی ہو سکتی ہے، اگر تم واقعی مومن ہو دل سے ایمان لائے ہو کہ یہ دین اور اس کا فعہ خدا کی طرف سے ہے۔ اس آیت کا منشا ایسی حکومتِ دنیاویہ سے نہیں ہے جس میں تمہارا دین ہی نہ رہے۔ اور اگر رہے تو مسخ ہو کر رہے کسی جماعت یا قوم کے غلبہ سے مطلب اس قوم کے دین و تہذیب و تمدن کا غلبہ ہے۔ دنیاوی حکومت و ثروت تو پھرتی چھاؤں ہے۔ کبھی قارون کے پاس کبھی فرعون کے پاس۔ بھلا یہ کوئی فخر کی بات ہے کہ اس عجوزہ ہزار داماد پر ہم نے تھوڑے عرصہ کے لئے قبضہ کر لیا۔ لیکن حضرت عمر کا

حضرت عمر کے طرز عمل کے نقائص

کرنا اور فقہ اسلامی میں ایسی ترمیم کرنی کہ ہم مسلمان بھی ظاہر ہوں اور رسول خداؐ کے ان احکام کی خلاف ورزی بھی کر سکیں جو اُنھوں نے اپنے جانشین کے متعلق صادر فرمائے تھے۔ (۳) حضرت علی و بنو ہاشم کے مقابلہ میں بنو امیہؔ کو اُبھارنا۔

ہم ان کجملہ تجاویز و تدابیر کو ایک شجرہ کی صورت میں دکھانا چاہتے ہیں اور پھر ان پر علی الترتیب علیحدہ علیحدہ بحث کریں گے۔ و ہی ہذا:-

(۱) ہم خیال جماعت کی تجویز و توسیع و تنظیم

- (۲) نبوت کے متعلق خاص عقیدے
  - (۳) رسول اللہ کے طرز عمل پر اعتراض
  - (۴) حسبنا کتاب اللہ
  - (۵) قضیۂ قرطاس
  - (۶) تخلف از جیش اسامہ
- (۷) ایجاد و نشر عقیدۂ عدم استخلاف
  - (۸) سقیفہ بنی ساعدہ
  - (۹) امامت اسلامیہ کو حکومت یزمانیہ میں تبدیل کرنا
  - (۱۰) استخلاف عمر
  - (۱۱) تجویز شوری
- (۱۲) تنقیص شان اہلبیت
  - (۱۳) فدک
  - (۱۴) اخفاء فضائل علی
  - (۱۵) غصب القاب خصوصی
  - (۱۶) احادیث رسول کی روک تھام
  - (۱۷) وضع احادیث
  - (۱۸) جمع قرآن
  - (۱۹) انحراف از علی
  - (۲۰) ترجیح بر علی
  - (۲۱) علی کو فوج و حکومت سے دور رکھنا
- (۲۲) بنو امیہ کو ابھارنا و عزت دینا
- (۲۳) تقسیم انعامات و اکرامات

اصول جس کا ملمع آنے والی نسلوں نے یہ کیا تھا کہ اپنے دین کو زمانہ کی عقل کے مطابق کرتے جاؤ اور زمانہ کے خیالات وفیشن کے مطابق اس کو ترمیم کرتے جاؤ۔ آج کل جو مسلمان پر مصیبت آئی ہوئی ہے وہ اسی ہی تخیل کا نتیجہ ہے جو حضرت عمر نے ایجاد کیا تھا وہ موجودہ زمانہ کے یورپ کے تخیل کو حق کا آخری لفظ سمجھتے ہیں۔ اول تو ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے اسلام کو جہاں تک ہو سکے یورپ کے تخیل کے مطابق ثابت کرکے اس کے لئے سارٹیفکیٹ صداقت حاصل کریں اور جن امور میں وہ ایسا نہیں کرسکتے تو اسلام پر ہنستے ہیں۔ ہر ایک شخص کے عقل وقیاس کو امور دین اور اصول وقواعد فقہ میں مداخلت کرنے کا اجازہ صریحاً یا عملاً دے کر سقیفہ سازان اولین نے اسلام کو مسخ کردیا۔ جو کچھ رہا سہا تھا وہ اب ان کے یہ ہونہار سپوت بدل بدلا کر یورپ کے تخیل کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جڑ اسی وقت کی لگی ہوئی ہے درخت رہ رہ کر بار آور ہوتا ہے۔ آج رمل کی ضرورت نہیں۔ قصر نماز بے معنی سمجھا جاتا ہے متعۃ النساء ومتعۃ الحج مضر خیال کئے جاتے ہیں کل اتنی دور دراز مسافت کے حج اور پانچ وقت کی نماز کی ضرورت نہ رہے گی۔ کفر کے خیالات اس وقت لوگوں کے دلوں میں تازہ تازہ تھے۔ پانچ وقت کی نماز مقرر کردی۔ اب ایک ہی شے کو دن میں اتنی دفعہ دہرانے سے سوائے تضیع اوقات کے اور کیا حاصل ہوتا ہے۔ حسبنا کتاب اللہ اور اس کتاب میں اٹھک بیٹھک اور اوندھے ہونے کے لئے کہیں حکم نہیں دیا گیا۔ اگر بدن صاف ہو اور غسل کیا ہو تو پھر اس وضو کی کیا ضرورت ہے یہ بھلا ناک میں پانی ڈالنے کے کیا معنی۔ منہ سے کلی کرنا تو سمجھ میں آسکتا ہے یہ ناک سے کلی کرنا کیسا۔ کتاب اللہ میں تو کہیں اس کو ضروری نہیں قرار دیا۔ ماڈرن تہذیب کا اقتضا ہے کہ بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لیا کریں۔ قرآن کا حکم بھی پورا ہو گیا۔ اپنے تئیں تکلیف بھی نہ ہوئی اور اگر اسی طرح زمانہ وعقل کی ترقی کا اقتدار قائم رہا تو ایک دن کتاب اللہ بھی ایک OBSOLETE BOOK (دقیانوسی متروک کتاب) سمجھی جائے گی۔ عقل انسانی کو ذرا آزاد تو چھوڑ دو۔ دیکھو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ اگر غالب مرحوم کے شعر میں ذراسی تبدیلی کی اجازت ہو تو عرض کروں ؎

رو میں رخش عقل کہاں دیکھئے تھمے — نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

ان بزرگواروں کا دستور العمل ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ اپنا مطلب نکالنے کے لئے ایک اصول قائم کرتے ہیں بظاہر الفاظ میں وہ اصول خوش نما معلوم ہوتا ہے اور اس سے اپنا کام نکال لیتے ہیں لیکن اس کے بعد جب اس اصول کی خرابی معلوم ہوتی ہے تو چپکے سے اسے چھوڑ دیتے ہیں لیکن جو کچھ اس کے ماتحت کر چکتے ہیں اس کو جائز بھی سمجھتے ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ سلیم عقل اور صحیح قیاس صحیح مذہب کی شناخت کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ اور ہم ان پر اپنی بحث کا دارو مدار

رکھیں گے۔ دیکھو باب بستم۔ لیکن جماعت اہل حکومت کے وکلاء نے دیکھا کہ جیسا طرز عقل و قیاس حضرت عمر نے قائم کیا ہے وہ تو نہایت ہی مضر ہے اور عقل سلیم کے خلاف ہے۔ تو انہوں نے پھر عقل کو چھوڑ دیا اور اس طرح اصول فقہ قائم کیا۔

عقلی اور حسّی تحقیقات کسی حد تک کیوں نہ ہو شکوک و شبہات کی آلائش سے پاک نہیں ہوتی اور جس قدر چھانا جاتا ہے اسی قدر کو کرا ہوتا ہے نیا فلسفہ کیا اطمینان دلا سکتا ہے کہ آئندہ چل کر اس کے موجودہ مسائل میں غلطی ثابت ہوگی۔ کیا آج سے بیس برس پیشتر جن تحقیقات پر ناز تھا۔ ان میں سے بعض کے اغلاط کا اشتہار نہیں دیا گیا۔ کمزور اور متاثر اذہان ان ظنّی تحقیقات کو یقینی سمجھ کر ان کے ایسے دلدادہ ہو جاتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں الہامی امور کو (کہ جہاں وہم و خیال کی لغزشوں اور حواس کے اختلال اور عقل و استدلال کے تنزل کو دخل نہیں) مگر دو جان کو ترک مذہب یا ترک اسلام کا عار تو نہیں اٹھاتے۔ پر الہامی مسائل کو کھینچ تان کر تاویلات رکیکہ کے ذریعے سے ان ظنی تحقیقات کے مطابق کرنے میں کوشش کرتے ہیں تاکہ الہامی مسائل فلسفی مسائل کی ٹکر سے چکنا چور نہ ہو جائیں۔ ایسا کرنے کو وہ اسلام کی حمایت اور جہاد اکبر جان کر مسلمانوں بلکہ ان کے پیغمبر علیہ السلام بلکہ اُن کے خدائے پاک پر احسان سمجھتے ہیں کس لئے کہ انہوں نے خدا و رسول کی بگڑی ہوئی بات بنادی اور اس کی غلطی کی اصلاح کر دی (معاذ اللہ)......... کہ دارو مدار تکلیف شرعی عقل پر ہے اور اسی لئے جہاں رسول نہیں آئے۔ وہاں لوگوں پر صرف توحید ہی فرض ہوئی کیونکہ توحید کا حق ہونا عقل سے دریافت ہو سکتا تھا لیکن ہر شخص کی عقل بھی تو صواب پر نہیں ہوتی اور کیونکر ہو سکتی ہے۔ کس لئے کہ عقل نامعلوم چیز کا ادراک چند معلومات سے ترتیب دے کر کرتی ہے اور وہم جو باعث غلطی ہے بسا اوقات عقل کا مزاحم ہو جاتا ہے۔ پس کبھی اُن معلومات کو کہ جو اس مطلوب کے واسطے مبادی نہیں تھے۔ ان کو مبادی بنا لیا اور کبھی خود اس ترتیب میں غلطی ہو جاتی ہے کہ جس کو مقدم کرنا تھا مؤخر کر دیا یا کسی مقدمہ کی کوئی شرط فوت ہو گئی۔ علیٰ ہذا القیاس اور یہی وجہ ہے کہ کبھی ایک عاقل کی رائے اس کی دوسری رائے کے مخالف ہو جاتی ہے پھر کبھی وہ ایک نتیجہ صحیح قرار دیتا ہے پھر کبھی اسی کو غلط بتاتا ہے...... لہٰذا رائے اس قابل نہیں کہ اسکے اعتماد پر انبیاء علیہم السلام کے اقوال یا قرآن وغیرہ کتب الٰہیہ میں شک کیا جائے یا اُنکے ظاہر معنی کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ وحی میں کسی طرح کی غلطی واقع نہیں ہوتی جب نبی علیہ السلام کا قول بسند صحیح ثابت ہو جائے اس پر یقین لانا چاہیئے اور ہر امر میں قول نبوی علیہ السلام

کو کسوٹی تصور کرنا چاہیے جس کی رائے اس کے مطابق ہو وہ صحیح ورنہ غلط۔
عبدالحق محدث دہلوی۔ عقائد الاسلام صفحہ ۴۵

اس جماعت کے علماء کا طرز عمل آپ نے دیکھا۔ ایک کچھ کہتا ہے۔ دوسرا کچھ کہتا ہے۔ حضرت عمر اور مولوی شبلی عقل غیر محدود اور قیاس غیر مشروط پر اپنے مذہب کی بنا رکھتے ہیں۔ عبدالحق ایسی عقل اور ایسے قیاس کو شیطان کے ایجنٹ خیال کرتے ہیں اور موقعہ پر دونوں کام نکال لیتے ہیں۔ لیکن یہ حق کی شان نہیں ہے۔ حضرت عمر کے طرز عمل کو عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے کیسی اچھی طرح غلط ثابت کر دیا لیکن وہ غلط طرز عمل اپنا کام کر گیا۔ لوگوں میں یہ غلط عقیدہ پھیلا ہی دیا اور چونکہ وہ عقیدہ لوگوں کی خواہشات کے مطابق تھا جو خود امام و رہنما بننا چاہتے تھے اور اپنا علیحدہ فقہ جاری کرنا چاہتے تھے۔ لہذا خوب پھیلا۔ اب تک دیکھو مولوی شبلی اس کے طرفدار نکل ہی آئے۔ حکام سقیفہ کے اس طرز عمل سے جو اسلام میں خرابی پھیلی وہ ظاہر ہے۔ بہت سے فرقے بن کر خرقہ اسلام کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا اس خرابی کا محض ایک جزو ہے دوسرا جزو اعظم اس برائی کا یہ ہے کہ ہر کس و ناکس کی عقل و قیاس آزمائی کی وجہ سے اسلام مسخ و متغیر ہو گیا۔ مولوی شبلی اور ان کے ہم خیال لوگ کہتے ہیں کہ یہ اچھا ہوا کیونکہ اسلام کے بہت سے اصول و قواعد ترقی زمانہ کے دوش بدوش رہنے کے قابل نہ تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ برا ہوا۔ بہر صورت یہ ظاہر ہے کہ وہ اصلی اسلام نہ رہا جو جناب رسول خدا نے تعلیم کیا تھا اور اکثریت امت میں اور دیگر ممالک مفتوحہ میں وہ اسلام پھیلا جو لوگوں کی عقل آزمائی سے مرتب ہوا تھا۔ وہ کیسا اسلام تھا اس کے لئے قوت متخیلہ پر زیادہ زور ڈالنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہے وہ اسلام ایسا تھا جیسا کہ تم کو اب دنیا میں نظر آ رہا ہے۔ فطرت انسانی کو سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ اس بے لگام عقل و قیاس کا کیا نتیجہ ہو گا۔ اگر ذرا سا علم انسان کو آ جاتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میں اسرار الہی کی کنہ کو پہنچ گیا ہوں اتنا کہ مجھ سے پہلے اور میرے بعد کوئی نہ پہنچا اور نہ پہنچے گا۔ ہر ایک دانا سے راز بن جاتا ہے اور کہتا ہے:۔

سر آمد روزگار ایں فقیرے   دگر دانائی راز آید نہ آید

اسرار الہی اگر جام ساقی کے اندر تہہ میں بیٹھے ہوئے نظر آیا کرتے ہیں اور سجادہ تقوی کی یہ قیمت رہ جاتی ہے۔

بگو یئے مے فروشانش بجامی برنمی گیرند   زہے سجادۂ تقوی کہ یک ساغر نمے ارزد

پھر اس کی عقل اس طرح اعتراض کرتی ہے۔

آنکہ مے کرد مرا منع پرستیدن بت   در حرم رفتہ طواف در و دیوار چہ کرد

اور جب دنیا کی وجاہت اور ریاست کا عیش و عشرت اپنے پورے جوبن میں اس کو نظر آتے ہیں۔ تو عالم سرور میں اسلام کے مردہ جسم کو چھوڑ کر اپنی دلی تمناؤں کے سقیفہ کی طرف یہ کہتا ہوا چلا جاتا ہے۔ ؎

مسجد ثقیلاں رفتنے خواہد بہ بزم لیجئے ۔۔۔ در دست رنگیں شیشہ در شیشہ ہوس کو رنج گرگئے

(۱۱) مسئلہ جبر و قدر۔ احکام سقیفہ نے مسئلہ جبر و قدر کو ایسے واضح و غیر محدود الفاظ میں قائم کر کے پھر ایک علم جرح و کذب محض کے لئے ایک مضبوط پردہ پیدا کر دیا (صفحات ۵۲۰ تا ۵۲۲ کتاب ہذا) جس کے پیچھے بقول مولوی شبلی (صفحہ ۱۸۵ کتاب ہذا) ہر امیہ و بنو عباس کا ہر ایک ظالم بادشاہ اپنے ظلموں کو چھپاتا تھا اور چھپا سکتا تھا۔

(۱۲) **علی کی مخالفت بغیر رسول خدا کی مخالفت کے نہیں ہو سکتی تھی۔** جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو مطلع کر دیا تھا کہ علی ہم نفس رسول ہے جس نے علی کو چھوڑا اس نے مجھے چھوڑا جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی یہ ایک ایسا امر واقعہ ہے کہ جس میں کوئی ناصبی و خارجی ہی شک کر سکتا ہے اور واقعات سقیفہ نے اس کو اظہر من الشمس اور ابین من الامس کر دیا ہے۔ اول سے مطالعے سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مدعا تو در اصل علی سے خلافت کے متعلق تنازعہ کرنے کا تھا اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح علی کی طرف خلافت نہ جانے پائے۔ لیکن یہ کوشش کارگر نہیں ہو سکتی تھیں اور تجویزیں مکمل ہو کر بار آور نہیں ہو سکتی تھیں جب تک رسول کی بھی معصیت نہ کی جاتی۔ چنانچہ ان اصولوں سے جو حکومت لینے کے لیے اور حکومت کو مستقل و مستحکم بنانے کے لیے مقرر کرنے ضروری سمجھے گئے۔ جناب رسول خدا کی بہت کچھ توہین ہوئی نبوت کے دائرہ کو چھوٹا کیا گیا۔ گویا جناب رسول خدا کے اختیارات و طاقت کو کم کیا۔ نبوت کا تجزیہ کیا۔ آنحضرت کے احکام میں نکتہ چینی کی۔ حکومت کو علیحدہ نکال لیا وغیرہ وغیرہ اور اسی کوشش میں خداوند تعالیٰ کی بھی نافرمانی ہوئی۔ قرآن شریف کی آیات کو اتنا توڑا مروڑا کہ اصلی معنی خبط ہو گئے اور جناب رسول خدا کے بتائے ہوئے معانی کو قطعاً چھوڑ دیا۔ آیہ مودۃ۔ آیہ تطہیر۔ آیہ مباہلہ۔ آیہ اکمال دین و اتمام نعمت۔ آیہ اولی الامر ان سب کے اصلی و صحیح معانی کو چھوڑنا پڑا۔ جناب رسول خدا کی بتائی ہوئی تفسیر کو نظر انداز کرنا پڑا۔ گویا قرآن شریف کی معنوی تحریف کرنی پڑی تب کہیں جا کر علی کی مخالفت مکمل ہوئی۔ آیہ اولی الامر کے اوپر تفصیل سے بحث ہم کریں گے۔ جب واقعات کربلا کے اسباب و علل کو بیان کریں گے۔

احکام سقیفہ کے ہر ایک فعل و سیاسی تجویز سے اسلام کی مرکزیت پر ضرب کاری لگتی رہی

ہے۔ در اصل مرکزیت تو اس وقت ہی جاتی رہی جب انہوں نے جناب رسولِ خداؐ کے احکام کی مخالفت میں اپنی علیحدہ جماعت بنانی شروع کی۔ دوسرا گیشہ کاری مرکزیت کی جڑ پر اسوقت لگا کہ جب انہوں نے اسلام میں پہنچا اور نہایت مضر عقیدہ جاری کیا کہ حکومت دائرہ نبوت سے باہر ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام میں دو حاکم پیدا ہو گئے۔ ایک حاکم ملک دوسرا حاکم شرع۔ ان دونوں حاکموں میں تصادم ہونا لازمی تھا۔ جیسا کہ یورپ میں پوپ اور شہنشاہیت کے درمیان ہوا جس کا تذکرہ ہم نے کتاب اول کے طبع سوم کے صفحات ۸۶۷ ۸۸ پر کیا ہے۔ یورپ میں مذہب اور حکومت کی جنگ ذرا دیر تک رہی کیونکہ پوپ کو سیاسی اقتدار اور ملکی اختیار بہت زیادہ حاصل تھا۔ لیکن آخر کار وہ بھی مغلوب ہو گئے اور اس کے بعد پوپ کے احکام طاقتور بادشاہوں کی مرضی کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ یورپ کی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ PAPAL DISPENSATION کیا تھے اور ان کا مقصد کیا تھا۔ مختصر الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ پوپ کے وہ مذہبی فتوے تھے جو بادشاہوں اور بارسوخ امراء کے ناجائز افعال و ناجائز نکاح کو جوازیت کا جامہ پہنانے کے لئے جاری ہوتے تھے اور مذہب کے منشاء کو ان افعال کے مطابق کیا جاتا تھا۔ حکام سقیفہ نے اسلام میں بھی یہی حالت جاری کر دی۔ حالانکہ جناب رسولِ خداؐ نے جو اسلامی سلطنت قائم کی تھی وہ اس کے بالکل برخلاف تھی۔ آنحضرتؐ نے حکومت و مذہب کی سرداری ایک ہی شخص میں رکھی تھی۔ اگر آنحضرتؐ کے جانشین ظاہری بھی آنحضرتؐ کی طرح علم والے ہوتے تو حکومت و مذہب کا سردار ایک ہی شخص ہوتا۔ لیکن سقیفہ سازی کی وجہ سے حکومت ان لوگوں میں چلی گئی جو دین کی سرداری کے اہل نہ تھے۔ لہٰذا وہ خود تو مذہب کی سرداری کر نہ سکتے تھے اگر خود مختارانہ فتوے دینے شروع کر دیتے تو اپنے تئیں معتکہ عالم بنا لیتے۔ ان سے زیادہ علم رکھنے والے اصحاب رسولؐ میں تھے۔ ذرا سی غلطی میں نکتہ چینی ہو جاتی اپنے اس عیب کے ڈھانکنے کے لئے سب سے صلاح و مشورہ کرنے کے بعد کوئی ایک رائے قائم کر سکتے تھے۔ حکومت میں سقیفہ سازی تھی۔ امورِ دین میں بھی اس کی ابتدا کرنے لگے۔ جناب رسولِ خداؐ نے کبھی فیصلہ دینے سے پہلے صلاح و مشورہ نہیں کیا۔ جج کا مقدمات میں لوگوں کی صلاح لینا اس کے کمیٔ علم کی نشانی ہے۔ اگر یونانی عدالتوں کا تتبع مدِ نظر تھا تو سرکاری وکیل مقرر کر لیتے۔ بہر صورت جو شخص جانشینیٔ رسولؐ کا دعویٰ کرے اس میں یہ نقص عظیم ہے۔ اس مضمون میں بھی مولوی شبلی حسب دستور خود جناب رسولِ خداؐ کی اہانت اور حضرت عمرؓ کی مدح کئے بغیر آگے نہ چل سکے۔ وہ بیچارے بھی کیا کریں واقعات ہی ایسے تھے کہ حضرت عمرؓ کی مدح نہیں ہو سکتی تھی جب تک حضرت رسولِ خداؐ کی ذم نہ ہو جاتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"صیغہ عدالت بھی اسلام میں حضرت عمر کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے دُنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی۔ لیکن حضرت عمر نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغہ کو الگ کر دیا حضرت ابو بکر کے زمانہ تک خلیفہ وقت اور افسران ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے حضرت عمر نے بھی ابتدا میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضرور تھا۔ حکومت کا نظام نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا۔ ہر صیغہ کا اجرا رعب وداب کا محتاج رہتا ہے اسلئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب عظمت نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے۔ بلکہ اسی بنا پر عبداللہ ابن مسعود کو فصل قضایا سے روک دیا۔ لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمر نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا۔

الفاروق حصہ دوم صفحہ ۵۹، ۶۰

پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابت تھے .... قاضی اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کے ماتحت ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا تاہم حضرت عمر زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے۔

الفاروق حصہ دوم صفحہ ۶۵، ۶۶

(قاضیوں کی) تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں .... قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولتمند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔

الفاروق حصہ دوم صفحہ ۶۷

حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا۔ جس سے صاف طور پر ہجو ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ زبرقان نے حضرت عمر کے ہاں مقدمہ رجوع کیا۔ چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں۔ حضرت عمر نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے، بُلا کر پوچھا اور اُن کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔"

الفاروق حصہ دوم صفحہ ۶۹

اب ہم ان اقتباسات پر غور کرتے ہیں۔ بعض عربی دان مولوی صاحبان اگرچہ بظاہر انگریزی تعلیم کو بُرا، اور انگریزی خوانوں کو بے دین کہتے ہیں۔ لیکن دراصل انگریزی تخیل و انگریزی طرز تحریر کی پیروی کرنے میں اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ مولوی شبلی نے کسی انگریزی دان پروفیسر کو کہتے ہوئے سُن لیا ہو گا

کہ یورپ میں اگزیکٹو (انتظامی) اور جوڈیشل (عدالتی) محکمے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اور یہ اچھی بات ہے کیونکہ اس میں انتظامی حکام انصاف و عدل کے راستہ میں روکاوٹیں نہیں ڈال سکتے لہٰذا اب آپ اس کو ترقی تمدن کی شرط اولین سمجھنے لگے۔ ہم ابھی ظاہر کرتے ہیں کہ اس تحریر سے ہمارا یہ دعویٰ قطعی طور سے ثابت ہو گیا کہ نہ تو حکام سقیفہ اور نہ ان کے مقلدین جن کو بہتری خود مولوی شبلی بھی یہ سمجھے کہ جناب رسول خدا کا اسلام کا منشا کس قسم کی حکومت الٰہیہ جاری کرنے کا تھا اور اس حکومت الٰہیہ کے لئے کس انتظام اور کیسے حکام کی ضرورت تھی۔ جو تو قبول کئے کہ ہم اس پر بحث کریں۔ خدا ناظرین کی توجہ اپنی حکومت عدالت کی تحریک بالا کی طرف دلاتے ہیں جن میں تو بہت اصول مضمر ہیں۔

(۱) صیغہ عدالت بھی مثل دیگر نظامات و اکرامات کے جو حضرت عمر نے اسلام کو بخشے حضرت عمر کی بدولت وجود میں آیا۔ لفظ بھی دیگر نظامات و اکرامات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۲) جناب رسول خدا چونکہ حاکم بھی تھے اور خود ہی قضا کا کام کرتے تھے۔ انکے عامل جو یمن وغیرہ میں گئے وہ بھی باوجود حاکم ہونے کے خود ہی قضا کا کام کرتے تھے۔

(۳) مولوی شبلی سمجھ گئے کہ اس بات کو بین نکتہ چینی ہے لیکن توہین رسول کی انہیں پرواہ نہیں اپنی خلافت کے ابتدا میں جو حضرت عمر نے یہی ناقص رواج جاری رکھا اس کا عذر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ جب تک حکومت کا نظم و نسق کامل نہیں ہو لیتا ہر صیغہ کا اجرا رعب و داب کا محتاج رہتا ہے اس لئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔

(۴) نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خدا کی حکومت کا نظم و نسق کامل نہ تھا جب ہی تو انہیں خود قضایا کا کام کرنا پڑا اور نظم و نسق کو حضرت عمر نے کامل کیا اور پھر وہ محکمہ قضا کو علیحدہ کر سکے۔

(۵) یہ رعب داب کی خوب کہی۔ کیا محکمہ قضا میں کچھ رعب داب ہوتا ہی نہیں جو شخص ہزاروں بلکہ کروڑوں روپے کی جائداد کا فیصلہ کرے۔ چوروں کے ہاتھ کٹوائے۔ زانی کو سنگسار کرائے اور دیگر جرائم کے لئے حدود جاری کرائے اس میں کچھ رعب ہی نہیں ہوتا۔ اسلامی محکمہ قضا کی تو مولوی شبلی نے بہت ہی بے رعبی کی۔ یہ تو پنجاب کے پرانے زمانہ کی منصفی درجہ دوم ہو گئی کہ جس میں اختیارات پانصد روپیہ تک محدود تھے۔ اور لوگ کہا کرتے تھے کہ منصف تو ٹکے کا کام کرتے ہیں۔ ہر وقت بہیات سے سروکار ہے تحصیلدار کو دیکھو کیسا رعب دار عہدہ ہے یہی فقرہ شاید مولوی شبلی نے سن لیا ہوگا۔ یہ بہت عامیانہ تخیل ہے۔ جو کسی صاحب علم کے لئے شایان نہیں۔ غالباً مولوی صاحب موصوف کو یہ تو معلوم ہوگا کہ فوجداری عدالت

بھی علائق کلام کی تعریف میں آتے ہیں۔ جو شخص غیر محدود والیت کی جائداد کا وارا نیارا کر دے۔ کسی کو حبس دوام کی سزا دے۔ کسی کو پھانسی کا حکم دے دے تو صاحب عالم آدمی نہ ہوا۔ غالباً جو خطابات دیئے گئے اور جاگیریں عطا کرسکے وہ صاحب رعب ہوگا۔

(۲) حکام سقیفہ کے عہد میں فضیلت و علم کی کس طرح بے قدری ہوئی ہے۔ مولوی شبلی کی تحریرات سے ہمارا یہ دعویٰ بھی ثابت ہوگیا کہ قوم میں جاہ و ثروت پرستی کا پھیلانا کارروائی سقیفہ کا براہِ راست نتیجہ تھا۔ سنئے۔ مولوی شبلی کیا کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حکم جاری کر دیا کہ محکمہ قضا میں امیر اور صاحب ثروت آدمی رکھے جائیں۔ غریب صاحب علم والے لوگ نہ رکھے جائیں عبداللہ ابن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی جن کی ایمانداری مسلم تھی ان کو اس عہدہ سے محض غربت کی وجہ سے دور رکھا گیا۔ مولوی شبلی نے تو اس کو حضرت عمرؓ کی عقلمندی کے ثبوت میں پیش کیا۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ امیر آدمی رشوت نہ لیں گے اس کی انہیں ضرورت نہ ہوگی۔ غریب آدمی رشوت کی طرف مائل ہو جائے گا۔ دولت مندوں کے لئے ایسے اصول مقرر کرنا ہی ثابت کرتا ہے کہ حکام سقیفہ کی نظروں میں دولت کی کتنی بڑی قدر تھی۔ خیال پیدا ہوا کہ کہیں اپنی غربت کی وجہ سے عبداللہ ابن مسعود رشوت نہ لینے لگیں۔ رشوت کی برائی و مذمت قرآن شریف میں کتنے صریح الفاظ میں کی گئی ہے۔ لیکن یہ قرآنی احکام عبداللہ ابن مسعود کو رشوت لینے سے نہیں روک سکتے تھے۔ رشوت سے جو چیز روک سکتی تھی وہ محض دولتمندی تھی۔ یہ کس کے لئے کہا جا رہا ہے؟ اصحاب رسولؐ کے لئے۔ دولت پرستی تو ایک طرف یہ وقت پرستی خوب تھی جس بات سے وقت پر کوئی کام نکل گیا وہ بات بنا دی۔ خواہ صحیح ہو خواہ غلط۔ جب حضرت علیؑ سے مقابلہ پڑا تو اس حدیث کی ضرورت ہوئی اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ اور جب حضرت عمرؓ کی تعریف کی ضرورت ہوئی تو صحابی ایسے ہو گئے کہ عبداللہ ابن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی رشوت لینے کے قابل ہو گئے۔

اب ہم یورپ کے اس نظریہ پر بحث کرتے ہیں جس کی تعریف میں مولوی شبلی رطب اللسان ہیں۔ ماحصل واقعہ یہ ہے کہ حکام سقیفہ اور ان کی جماعت جناب رسول خداؐ کی حکومت الٰہیہ کے سمجھنے سے قاصر رہی۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کس طرح حکومت کو نبوت یعنی مذہب سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی اور اس طرح جناب رسول خدا اور اسلام کے تخیل و نظریہ کو چھوڑ کر یورپ کے اس عقیدہ کی پیروی کی کہ حکومت و مذہب کا اجتماع ایک شخص میں مضر اور ناموزوں ہے۔ اس عقیدہ کی خرابیاں اور اس کے خلاف اسلام ہونے پر کتاب اوّل طبع سوم کے صفحات ۸۲ لغایت ۸۵ و ۹۳ پر ہم نے کافی بحث کی ہے۔ اسی عقیدہ ہی کی یہ بھی

ایک شاخ ہے کہ انتظامی اور عدالتی محکموں کے افسران بالکل علیحدہ ہونے چاہئیں تاکہ انتظامی ضرورتیں عدل کے راستہ میں رکاوٹ نہ پیدا کریں۔ یہ دونوں عقیدے یا اصول دنیاوی حکومت میں معیوب نہیں معلوم ہوتے۔ بلکہ مؤخرالذکر عقیدہ تو انسان کے ناجائز میلان اور ناانصافی کرنے کی ترغیبات کے روکنے میں بہت ممد اور معاون ہے لیکن ان دونوں عقیدوں کی گنجائش حکومتِ الٰہیہ کے اندر نہیں ہے اور جن اصول و مبانی کے اُوپر جنابِ رسولِ خدا نے اپنی حکومتِ الٰہیہ اور سلطنت اسلامیہ کو قائم کرنا چاہا تھا اور قائم کیا تھا۔ یہ دونوں عقیدے اُن کے بالکل مخالف ہیں۔ یہ دونوں عقیدے تو ایسی سوسائٹی کے لئے موزوں ہیں جہاں حکومت کا مدار و مدار محض حیوانی طاقت پر بنیا ہے اور جہاں عدل و انصاف حاصل کرنے کے لئے مصنوعی ذرائع استعمال کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جہاں لوگوں کے اخلاق و کیریکٹر اتنے گرے ہوئے ہیں کہ اُن کے انتظامی افسر خود ظلم کرنا اور دوسرے سے ظلم کرانا ناجائز سمجھتے ہیں۔ اُن کو خدا سے ڈرا کر نہیں، نیکی کی خوبیوں کی معرفت پہنچا کر نہیں بلکہ اُن کے پاس سے بدی کرنے کے ذرائع ہٹا کر بدی نہ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

یہ کس ترقی کی علامت ہے جس پر حضرت قبل ایسے نازاں ہیں اگر وہ ایسے ہی اخلاق کے آدمی ہیں تو کہاں تک ایسے ذرائع سے انہیں روکو گے۔ ایک ذریعہ بند کر دو گے۔ کیا خود انتظامی محکمہ میں ظلم کم ہو سکتا ہے اور کیا وہاں کا ظلم اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اگر سوسائٹی ہی ایسی ہے۔ تو اس کی عدالت کے افسر بھی ایسے ہی ہوں گے۔ جو شخص دوسرے کے کہنے سے اور اس کے زور کے اندر ظلم کر سکتا ہے تو وہ اپنے نفع کے لئے کیوں نہ ظلم کرے گا۔ لہٰذا ان دونوں محکموں کو جدا کرنے سے یہ ہوا کہ پہلے تو دونوں مل کر ظلم کرتے اب ایک دوسرے سے آزاد ہو کر ظلم کریں گے۔ دونوں محکموں کو جدا کرنا تو ایک ذریعہ ہے انصاف حاصل کرنے کا۔ کیا یہ ذریعہ ہمیشہ کامیاب ہوا ہے۔ کیا عدالتی حکام پر انتظامی حکام کسی طرح اور کسی حالت میں زور نہیں ڈال سکتے۔ دونوں محکمے ایک ہی حکومت کے ملازمین ہیں اور اگر عدالت کے فیصلوں سے انتظام میں کمزوری آنے لگی تو کیا ججوں کو بغیر اثر ڈالے ہوئے چھوڑ دیں گے۔ ہندوستان میں جو صورتِ حال ہے اس پر غور کرو۔ اور ہمارے کچھ کہے بغیر قائل ہو جاؤ۔ یہاں دیوانی عدالتیں علیحدہ ہیں اور انتظامی محکمہ علیحدہ ہے اور دونوں کے افسر اعلیٰ جدا جدا ہیں۔ ایک کو دوسرے سے کچھ تعلق نہیں۔ لیکن کیا کوئی صحیح واقعات جاننے والا کہہ سکتا ہے کہ یہاں کی عدالتیں آزاد ہیں بات وہی ہے جو ہم بار بار دہراتے رہتے ہیں، طرزِ حکومت یا روشِ انتظام زیادہ فرق نہیں پیدا کرتا۔ اصلی بات تو یہ ہے کہ قانون کے عامل اور کارکن کیسے ہیں۔ اگر وہ کامل انسان ہیں تو ظلم

نہ ہوگا اور اگر وہ گرے ہوئے لوگ ہیں تو ہزاروں جاتی کرو گُتّے کی دُم تو جب نکلے گی ٹیڑھی ہی نکلے گی۔ کتابی صورت میں تو ہر ایک ملک کا لکھا ہوا قانون خوش نما نظر آئے گا۔ کون کہے گا کہ ہمارے قانون میں ظلم روا ہے۔ قانون کی آنکھ میں تو سب برابر ہوتے ہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ قانون کے اجراء کرنے والوں کی آنکھ میں بھی سب برابر ہیں۔ جُوں جُوں زمانہ گذرتا جاتا ہے سائنس ترقی کرتا جاتا ہے اور ظلم کرنے کے بھی سائنٹفک طریقے ایجاد ہوتے رہتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں حکومت کی صورتیں تھیں بادشاہت، آمریت، جمہوریت۔ ہر جگہ ظلم بھی ہوتا تھا تو ان ہی پرانے طریقوں پر۔ زمانہ حال میں ایک حکومت کی شکل کو زیادہ رواج ہو گیا ہے اس کو کہتے ہیں۔ پارٹی گورنمنٹ۔ اگر اس کو اردو میں ترجمہ کروگے تو کہوگے کہ حکمرانوں کا خاندان مشترکہ اس خاندان کا ہر ایک ممبر سلطنت کا ایک ایک شعبہ لے لیتا ہے ہر ایک شعبہ میں مقصد حاصل کرنے کے لئے سائنٹفک طریقے نکل آئے ہیں ان سب میں ایک بہت بڑا سائنٹفک طریقہ ہے جس کا نام ہے پبلک سروس کمیشن۔ دیکھئے محکموں کے علیحدہ کرنے کی وبا نے کیا صورت اختیار کی ملازمت میں داخل کرنے کے لئے بھی ایک محکمہ علیحدہ ہو گیا۔ ہر ایک محکمہ کے اعلیٰ اور ادنیٰ افسروں اور ملازمین کو یہ جماعت منتخب کرتی ہے۔ کاغذ پر کیسا خوش نما معلوم ہوتا ہے۔ جس نے اس جماعت کے ممبروں کو نہ دیکھا ہو وہ سمجھے گا کہ ہر ایک ممبر ہر مضمون میں اعلیٰ قابلیت رکھتا ہوگا تاکہ اس علم والوں میں سے ایک کو منتخب کرلے۔ ہمیں ان بزرگواروں کے دیکھنے کا فخر حاصل ہوتا رہتا تھا۔ کسی صوبہ کا کسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک ممبر آٹھویں جماعت پاس تھے۔ دوسرے ممبر صاحب کچھ بھی پاس نہ تھے۔ تیسرے ممبر صاحب نے بہت دفعہ فیل ہو ہو کر بی۔ اے پاس کیا تھا۔ ان کے اپنے جسم میں ایک چیز بائیں طرف پھڑکتی ہوئی معلوم ہوتی تھی تو انہوں نے قیاس کر لیا ہوگا کہ انسان کا دل بائیں طرف ہوتا ہے اس سے زیادہ انہیں جسم انسانی کی ترکیب و ساخت کا علم نہ تھا اور یہ منتخب کرتے تھے کن کن امیدواروں میں سے۔ ایم۔ ایس۔ سی، ایم۔ بی۔ بی۔ ایس، ایل ایل ڈی، ایل ایل ایم، پی ایچ ڈی، وغیرہ وغیرہ میں سے۔ اگر یہ افسانہ ہم کسی مہذب ملک میں بیان کریں تو کسی کو بھی یقین نہ آئے لیکن یہ افسانہ امر واقعہ ہے اور بیسویں صدی کا امر واقعہ ہے۔ کیا نتیجہ نکلا؟ یہ نتیجہ نکلا کہ انتظام کرنے کے جتنے جی چاہے اعلیٰ طریقے ایجاد کرلو کہ جب تک تم کو انسان کامل نہیں ملے گا۔ تمہارا انتظام درست نہ ہوگا۔ جناب رسولِ خدا کے نظام میں حکومت اور حکومت کے شعبے کامل انسان کے ماتحت رکھے گئے تھے۔ ان دونوں نظاموں میں یہی فرق ہے غرضکہ اس طرح مصنوعی طریقے سے عدل و انصاف حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا

باب دوم

تدبیر اوّل۔ ہم خیال جماعت کی تجویز، توسیع، تنظیم

ہماری تحقیقات کے سلسلہ میں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کے دل میں کب یہ خیال پیدا ہوا۔ اور اس کا یقین ہو گیا کہ آنحضرتؐ ایک اسلامی حکومت کا قیام کر رہے ہیں یا یوں کہو کہ دُنیا میں حکومت الٰہیہ کا قیام بھی آپ کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔ بہت سے مؤرخین و محققین کی رائے ہے۔ کہ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال قبل بعثت ہی کاہنوں کی پیشین گوئیوں سے خصوصاً آنحضرتؐ کے سفر شام میں عیسائی راہب بحیرا کی اس پیشین گوئی سے پیدا ہو گیا تھا کہ یہ ساری دُنیا کا سیاسی سردار ہے؎۱ بہر صورت اس امر واقعہ سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جب آنحضرتؐ نے مدینہ میں تشریف لاتے ہی تنظیم جماعتِ مسلمین کی طرف توجہ مبذول کی اور مدینہ کی غیر اسلامی جماعتوں سے ایک سردار قوم کی حیثیت سے معاہدے کرنے بھی شروع کر دیئے تو اس خیال نے یقین کی صورت اختیار کر لی۔ کفارانِ مکہ نے بھی جو یورشیں کیں ان میں مدینہ کو ایک اسلامی حکومت تصوّر کر کے اس کے محاصرہ کی کوشش کی۔ آنحضرتؐ کا باہر جنگ پر جاتے وقت مدینہ پر اپنی طرف سے حاکم مقرر کرنا صاف بتا رہا تھا۔ کہ واقعات کی رو کدھر جا رہی ہے۔ اندریں صورت اسی وقت سے ہر ایک متنفس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ آنحضرتؐ کے بعد اس حکومت کا کون والی و وارث ہو گا بالکل فطری اور یقینی امر تھا، یہ خیال پیدا ہوا، اور بہت جلد قوت پکڑتا گیا یہاں تک کہ آخر اس نے صحابہ رسول کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا جناب رسولِ خُدا کے وقتاً فوقتاً ارشادات اور اظہار فضائل جو حضرت علی کے متعلق آپ ابتدائے نبوّت سے کرتے آئے تھے۔ انہوں نے مطلقاً شک کے لیئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ خصوصاً غدیر خم کے اعلان نے تو کھلبلی ڈال دی۔ سب لوگوں کا خیال ان ارشادات کی وجہ سے اس طرف گیا کہ اب نبوّت و خلافت کا اجتماع ایک خاندان میں ہو کر بنو ہاشم میں حکومت مستقل ہو جائے گی۔ وہ لوگ جو نبوّت کی شان کو سمجھے ہوئے تھے اور اعتقاد رکھتے تھے کہ نبی کے اقوال خود غرضی و خاندان پروری پر مبنی نہیں ہو سکتے، اس امکان کو بہت خوشی اور اطمینان کے ساتھ دیکھتے تھے۔ لیکن اکثریت ان لوگوں کی تھی جو نبی کو اپنی جیسی کمزوریوں والا انسان سمجھتے تھے۔ انہوں نے ان ارشادات کی بنا و خاندانی افتخار و محبت پر رکھی۔ انکے دل میں قبیلانہ

؎۱ حامد الانصاری :- اسلام کا نظام حکومت مطبوعہ ندوۃ المصنفین صفحہ ۱۹۱

نظریہ فرنگی مفکرین اور ان کے غلاموں کا ہے۔ برخلاف اسکے اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ قوم کے ہر
فرد کا اخلاق اعلیٰ درجہ کا ہو اور پھر وہ خواہ کسی عہدہ پر مقرر کر دئے جائیں اپنے فرائض اسلام کے
احکام کے مطابق ادا کریں گے۔ حکومت کو اور حکومت کے ہر ایک شعبہ کو مذہب کے ماتحت رہنا
چاہیئے اور اس کے اصول و قواعد احکام کی پیروی کرنا ہر ایک کا فرض اولین ہے۔ حکومتیں کیوں
انتظامی اور عدالتی محکموں کو علیحدہ کرتی ہے۔ اس وجہ سے کہ اسے نہ اپنے انتظامی افسروں پر بھروسہ
ہے۔ اور نہ عدالتی افسران پر۔ دونوں مل کر ایک دوسرے کو خراب کریں گے لہذا حکم دیا کہ تم دونوں
علیحدہ ہو جاؤ۔ اسلام کیوں ان دونوں محکموں کو ملاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس کو بھروسہ ہے کہ میں
دونوں کا افسر اعلیٰ ہوں۔ اور کسی کو بگڑنے نہ دوں گا۔ دراصل اسلام میں تقسیم فرائض نہیں ہے۔ ہر
مسلمان کا فرض ہے کہ پورے قرآن شریف پر عمل کرے اور پورے قرآن شریف پر عمل کرنے سے
سب کچھ بن جاتا ہے۔ صاحب اخلاق فلاسفر بھی ہے۔ کیونکہ قرآن شریف اخلاق حمیدہ کی تعلیم
کرتا ہے اور کارخانہ قدرت پر غور و فکر کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ وہ بہت اچھا منتظم ہے کیونکہ قرآن
شریف کا حکم ہے کہ بزرگوں کی اطاعت کرو اور چھوٹوں پر رحم و شفقت و مہربانی کرو یہی بہترین
انتظام ہے وہ نہایت عمدہ عادل جج بھی ہے کیونکہ قرآن شریف کی ہدایت ہے۔ کہ اِعۡدِلُوۡا هُوَ
اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وہ نہایت عالم فقیہ ہے کیونکہ علم فرائض و فقہ سب قرآن شریف میں ہے۔ وہ نہایت
عمدہ۔ دلیر شجاع، اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر لڑنے والا سپاہی بھی ہے کیونکہ قرآن شریف میں جہاد
کا حکم نہایت سختی کے ساتھ دیا گیا ہے۔ وہ نہایت ریاضت کرنے والا عابد زاہد عبد خدا ہے۔
اپنے ہمسایہ اور شہریوں سے محبت کرنے والا باشندہ ہے قرآن شریف میں بہت سے علوم کی تعلیم
ہے اور وہ ان سب علوم کو جاننے والا ہے۔ ...... اسلام انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا معلم
ہے اور غیروں نے بھی اس صفت کا اعتراف کیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۴۸ کتاب اول طبع سوم
غرض ایک مسلمان اگر ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ نہیں۔ ایسے مسلمان سے کہنا کہ تم منتظم ہو
سکتے ہو لیکن جج نہیں ہو سکتے۔ تم سپاہی ہو سکتے ہو لیکن فلاسفر و مفکر نہیں ہو سکتے ہو۔ فقیہ
ہو سکتے ہو۔ لیکن بڑھئی نہیں۔ تم باغبان ہو سکتے ہو لیکن حاکم نہیں۔ صرف اس مسلمان ہی کی
توہین نہیں ہے۔ اگر وہ کامل مسلمان ہے بلکہ اسلام کی بھی توہین ہے۔ اس حکومت الٰہیہ کا جس کو
جناب رسول خدا نے شروع کیا تھا یہی منشا تھا۔ کہ ایسے کامل مسلمان پیدا کرے لیکن حکومت
سقیفہ کو ان واقعات نے جن کو حکام سقیفہ نے خود پیدا کیا تھا، مجبور کر دیا کہ وہ جناب رسول خدا
کے اس مقصد کو، اسلام کے اس نظریہ کو، حکومت الٰہیہ کے اس نظام کو بالکل متغیر اور منقلب کر
دیں اور اسلام میں بھی وہی نظریئے اور عقائد رائج کر دیں جو عیسائیت و کفر والحاد کے اتباع نے یورپ میں پیدا کر لئے تھے

ہم تینوں کا اجتماع اس وجہ سے کہتے ہیں کہ عیسائیت نے تقریباً اپنی ساری تہذیب اور طرز تخیل رومن تہذیب سے لیا اور یہ رومن تہذیب مرکب بنی قدیم یونانی و قدیم رومن تہذیب سے، اور جہاں کہیں مذہب عیسوی کی تعلیم اور یونانی تہذیب میں اختلاف ہوا۔ وہیں اپنی مذہبی تعلیم کو چھوڑ کر یونانی و رومن تہذیب کو اختیار کر لیا۔ اس کی کئی مثالیں ہیں۔ ایک تو تصویر پرستی ہے۔ حضرت مریم و حضرت عیسیٰ کی تصویروں کی پرستش جب حد سے گذر گئی تب ہی ریفارمیشن آئی، دوسری مثال عیسائیت کا وہ اصول ہے کہ اگر کوئی تمہارے گال پر طمانچہ مارے تو تم دوسرا گال اس کے آگے کر دو، یہ حلم و ایثار کی تعلیم رومن و یونانی جنگجو تہذیب کے بالکل خلاف تھی اور ہمارا یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ یہ تعلیم محض اس ہی متکبرانہ تخیل کو مٹانے کے لیے آئی تھی جس نے یونانی و رومانوی دنیا کو جانوروں کا وحشی خانہ بنا دیا تھا۔ لیکن اس عیسائیت نے جو حضرت عیسیٰ کے دعویداروں نے دنیا میں پھیلائی اپنے مذہب کی اس تعلیم کو نہ مانا اور یونانی و رومانوی بہیمیت کو اختیار رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس تعلیم کے عیسوی یورپ میں بھی اس طرح لڑائیاں اور کینہ و حسد کے مظاہرے ہوتے رہے جو اس سے پہلے تھے اور تصویر پرستی نے بت پرستی کی جگہ لے لی۔ بعینہٖ یہی حالت اس اسلام کی ہوئی جو سقیفہ بنی ساعدہ کے ظلمت کدہ سے نکلا تھا۔ حکام سقیفہ نے بھی اپنے اصلی مذہب کے صحیح اصولوں اور جناب رسول خدا کے طرز عمل کو چھوڑ کر غیر مسلموں کے اصولوں اور تہذیب کو اختیار کر لیا ہے۔ اگر اس کو تفصیل سے لکھا جائے تو بذاتِ خود ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ کیسی خوبی سے جناب رسول خدا کی وہ مشہور حدیث ثابت ہو گئی کہ تم لوگ میرے بعد امم سالفہ کی تقلید ہر ایک جزئی عمل میں کرو گے۔ ایسی تقلید کی کہ جناب رسول خدا کے بنیادی اصول کو چھوڑ دیا اور کہہ دیا کہ نبوت میں حکومت شامل نہیں ہے اور رہنمائے اسلام یعنی جانشین رسول کے لیے کسی خاص علم و فضل کی ضرورت نہیں ہے جس کو ہم سب رومن ری پبلک کی طرح مان لیں وہ ہی ہمارا بادشاہ۔

خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ اگرچہ ضروری تھا۔ ہم کہہ رہے تھے کہ حکام سقیفہ اپنے خود پیدا کردہ واقعات کی وجہ سے مجبور ہو گئے کہ جناب رسول خدا کے نظام کو چھوڑ کر ضخم و صلیب کی پیروی کریں۔ ان میں وہ عصمت اور وہ علم نہ تھا جو جانشین رسول کے لئے ضروری تھا۔ اور حکومت حاصل کرنے کے لئے ان کو جناب رسول خدا کے وہ احکام بھی نظر انداز کرنے لازمی تھے جن میں جانشین منتخب و مقرر کرایا گیا تھا۔ لہٰذا وہ مجبور ہو گئے یہ کہنے پر کہ (۱) جناب رسول خدا کی نبوت میں حکومت شامل نہیں ہے (۲) حکومت کو مذہب سے کچھ تعلق نہیں ہے اور (۳) چونکہ ہم میں وہ علم اہل بیت و قابلیت نہیں ہے کہ جو قضا و فتویٰ کے لئے ضروری ہے۔

لہٰذا انتظامی حکموں کو عدالتی حکموں سے علیحدہ ہونا چاہیئے۔ یہ نہایت عظیم الشان تغیر تھا۔ جس نے اسلام کا رُخ دین کی طرف سے ہٹا کر دُنیا کی طرف کر دیا۔ اس کے بعد جتنے معائب دائرۂ اسلام پر آتے رہے اُن کا ذمہ دار حکام سقیفہ کا یہی طرزِ عمل ہے ان میں وہ خصائل و فضائل نہ تھے جو وہ جانشین رسول ہونے کا دعوےٰ کر سکتے۔ وہ خود اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے چنانچہ اس جماعت کے سردار اعلیٰ حضرت عمر نے فوراً اس کو محسوس کیا اور اپنے تئیں خلیفۂ رسول نہیں بلکہ امیر المومنین کہلوایا۔ دیکھیئے کس طرح اصلی واقعات کا انکشاف خود انکے طرزِ عمل سے ہوگیا ان کی حکومت خلافت نہ تھی بلکہ امارت تھی۔ ان کے مقلدین جو کہتے ہیں کہ وہ خلیفۂ رسول تھے اور یہ کہ خلافت راشدہ تیس سال تک جاری رہی۔ اس کے بعد امارت ہوگئی، واقعات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور خود اپنے آقاؤں کی تکذیب کرتے ہیں حضرت عمر صاف طور سے کہتے ہیں کہ یہ خلافت نہیں ہے امارت ہے۔ ان کا بعد کا طرزِ عمل بھی یہی بتا رہا ہے کہ وہ اس کو محض دنیاوی حکومت سمجھتے تھے۔ اپنی دلی کیفیت کو چھپانا اور اس پر کسی ظاہرداری کا پردہ ڈالنا۔ یہ حضرت عمر کی طبیعت ثانیہ تھی۔ وہ نہایت عمدہ سیاست داں مدبر تھے۔ اور سیاست دنیاوی کا یہ پہلا گر ہے۔ لہٰذا انہوں نے لقب امیر المومنین اختیار کرنے کی یہ وجہ بتائی کہ خلیفۂ رسول کہاں تک چلتا۔ خلیفۂ رسول، خلیفہ خلیفۂ رسول، خلیفہ خلیفہ خلیفۂ رسول، علیٰ ہذا القیاس، دیکھی آپ نے حضرت عمر کی ذہانت، کس طرح ان بیچاروں کی آنکھوں میں خاک ڈالی ہے۔ اگر یہ سب خلیفۂ رسول ہونے کی قابلیت رکھتے تھے اور خلیفۂ رسول وہ ہی ہو سکتا ہے جو یہ قابلیت رکھے تو پھر اُن میں سے ہر ایک خلیفۂ رسول تھا، خواہ نمبر ایک ہو یا پانچواں ہو۔ انبیاء کو بھی تو خلیفۃ اللہ کہتے ہیں۔ ہر ایک ہی نبی خلیفۃ اللہ ہوتا ہے۔ خلیفہ خلیفۃ اللہ تو نہیں ہوتا۔ حضرت یوشع اگرچہ جانشین حضرت موسیٰ تھے لیکن بذات خود خلیفۃ اللہ تھے جس طرح حضرت موسیٰ تھے۔ اقلیدس کا اصول موضوعہ جو معمولی عقل کا گر ہے یہ ہے کہ اشیاء جو ایک ہی شے کی مساوی ہیں، آپس میں ایک دوسرے کی بھی مساوی ہوتی ہیں۔ یہ تو اُن کا اقرار تھا۔ اگر یہ نہ بھی ہوتا تو واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ جانشین رسول ہونے کے اہل نہ تھے نقص علم کی یہ حالت تھی کہ اُن کے غلط فیصلوں کی کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ فہم ایسا تھا کہ رسول خدا کے بار بار سمجھانے سے نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی لاعلمی کی نظائر ہم نے ابھی کچھ پیش بھی کی ہیں۔ دیکھو صفحہ ۵۵۵ تا ۵۵۷ کتاب ہذا۔ لہٰذا مجبور ہو گئے کہ محکمہ قضا کسی کے سپرد کر دیں، محکمہ افتاء کسی کو دیں، قرآن شریف کو خود جمع نہ کریں ایک نوجوان کو اس پر مقرر کریں، قرآن شریف کی تعلیم و جمع تاویل معلوم کرنے کے لئے رعایا کو ہدایات دیں کہ فلاں

شخص کے پاس جاؤ، فرائض کی تعلیم کسی اور کو تفویض کریں۔ جہاد پر افواج کے افسر بنا کر کسی اور کو باہر بھیجیں اور اپنے لئے محض اُوپر کی جمعداری رکھ لیں۔ خلیفۂ رسول کے لئے اُمّت کی رہنمائی کا کون سا شعبہ باقی رہا۔ کچھ نہیں، خود کچھ کام نہ کرنا، اور دوسروں کے کام میں نقص نکالنا یہ جمعداری حضرت عمر نے اپنے پاس رکھی تھی۔ ملاحظہ کیجئے۔ اسلام کے حاکم کو کس طرح محض دنیا کا حاکم بنا دیا۔ سارے مذہبی شعبے دوسروں کو دیدئے۔ برخلاف اس کے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی شان ملاحظہ ہو۔ جناب رسول خداؐ کے قدم بقدم چلنے کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ صلائے سلونی دیکر قوم کی ہدایت اپنے ذمے لیتے ہیں۔ محکمۂ قضاء فرائض خود انجام دیتے ہیں خود فتوے دیتے ہیں۔ عدالت کرتے ہیں تو خود کرتے ہیں۔ جہاد میں خود سب سے آگے ہیں۔ انتظام ملکی کریں تو خود کریں۔ قرآن خود جمع کرتے ہیں۔ تاویل و تفسیر قرآن خود کرتے ہیں۔ وہ جو اوّل دن اپنے نفس کو خدا کی راہ میں فروخت کر دیا ہے وہی طرز عمل اب تک جاری ہے۔

یہ تھی اصلی وجہ کہ کیوں حضرت عمر نے محکمۂ قضاء کو محکمۂ عدالت سے علیحدہ کر دیا بلکہ ہر ایک محکمہ کو اپنے سے علیحدہ کر دیا۔ دُنیاوی حکومت کے لحاظ سے معمولی بات تھی۔ بادشاہ ایسا کرتے ہی آئے ہیں۔ لیکن اس طرز عمل نے اسلام کو صحیح راستہ سے بالکل علیحدہ کر دیا۔

اگرچہ محکمۂ قضاء و عدالت حضرت عمر نے خود نہ رکھے لیکن جانتے تھے کہ ان کا اثر اسلام اور مسلمین پر کتنا ہے اور اس کے ہی ذریعہ سے مسلمانوں کے دل پر حکومت ہو سکتی ہے۔ لہٰذا صوبوں کے قاضی بھی حضرت عمر خود مقرر کرتے تھے۔ قاضی عامل کا ماتحت ہوتا تھا اور عامل ہی دیگر ملازمین مقرر کرتا تھا۔ لیکن ان کو حضرت عمر خود مقرر کرتے تھے۔

(الفاروق حصّہ دوم صفحہ ۶۶)

بعد میں آئے والے حکام یہ نکتہ سمجھ گئے اور بچارے مفتیوں اور قاضیوں کے کندھے پر رکھ کر خوب بندوقیں چلائیں، تاریخ اسلام کا یہ نہایت سیاہ ورق ہے کہ بادشاہوں نے قاضیوں اور مفتیوں سے اپنی مرضی کے مطابق فتوے لے کر لوگوں کو قتل کرایا۔ ان کا مال و اسباب ضبط کیا اور ان کی عورتوں سے زنا کیا۔ ہر ایک فعل کے لئے، ہر ایک زنا کے لئے، ہر ایک ظلم کے لئے فتویٰ پہلے سے موجود ہوتا تھا۔ پھر وہ فعل کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ یزید نے بایں ہمہ بے دینی مفتیوں اور قاضیوں سے امام حسین علیہ السلام کے قتل کے لئے فتوے لے لئے تھے۔ دیکھئے پوپ کے (PAPAL DISPENSATION) اور ان مفتیوں کے یہ احکام ایک ہی قسم کے تھے اور ایک ہی علت کے معلول تھے۔ مفتیوں کا اس طرح فتوے لے

صادر کرنا تاریخی واقعہ ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ ہم امثال ونظائر دے کر طوالت نہیں کرنا چاہتے۔ ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام ابو حنیفہ و امام احمد حنبل و بخاری وغیرہ نے اپنے عقائد کے خلاف فتویٰ نہ دیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ وقت نے ان کو قتل کر دیا یا قید کر دیا۔ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مفتیان وقت بادشاہ کی خواہش کے مطابق فتویٰ دیتے تھے لیکن یہ بحث تو ہمارے نظریہ کی موید ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ شاہان اسلام نے اپنے جبر و استبداد کی وجہ سے ایسی فضا پیدا کر دی تھی کہ جس میں ایماندار و دیانتدار مفتی و قاضی زندہ ہی نہیں رہ سکتے تھے جو زندہ رہے وہ وہ تھے جنہوں نے بادشاہ کی خواہش کے مطابق فتوے دئے تھے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ سواد اعظم نے اپنے طرز عمل اور اپنے اعتقادات کی تشکیل اُن واقعات کے مطابق کر لی جو ان کے حاکموں نے جناب رسول خدا کی رحلت کے بعد پیدا کئے تھے۔ اور اس طرح ایک نیا اسلام بنا کر اس میں نئے اصول داخل کر لئے۔ ایسے کئی اصول و عقائد کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ان میں سے ایک اجماع اُمت بھی ہے کہ اُس کو انہوں نے اصُول دین میں شامل کر لیا ہے۔ دیکھو عقائد الاسلام شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۱۔ جس طرح ان کے بادشاہوں نے قاضیوں اور مفتیوں کو آلہ کار بنایا۔ اسی طرح انہوں نے جناب رسولِ خدا سے منسوب کر کے احادیث کو آلہ کار بنایا ہے۔ اس اجماع کے لئے یہ حدیث پیش کی جاتی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لن تجتمع اُمّتی علی ضلالۃ یعنی فرمایا جناب رسول خدا نے کہ میری امت کبھی ضلالت پر جمع نہ ہو گی۔ ہم اس حدیث کو صحیح مان کر بحث کرتے ہیں اور اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ میری ساری امت بغیر استثناء کے کبھی گمراہ نہ ہو گی یعنی کوئی نہ کوئی فرقہ اس کا ضرور صراط مستقیم پر رہے گا۔ اگر یہ معنی لیتے ہو۔ تو پھر اس حدیث کی مطابقت آنحضرت کی اس مشہور حدیث سے ہو جاتی ہے کہ ان امتی ستفترق علی اثنتین وسبعین فرقۃ فتھلک احدیٰ و سبعین و تخلص فرقۃ۔ مسند امام احمد حنبل الجزء الثالث۔ صفحہ ۱۴۵۔ الجزء الخامس صفحہ ۲۷۹۔ لیکن اس معنی سے آپ کی تسلی نہ ہو گی۔ آپ تو اس اجماع سے خلافت شیخین ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ ساری اُمت کا اجماع خلافت شیخین پر نہ تھا۔ لہذا یہ معنی جماعت اہل حکومت کے لیے مفید نہ ہوئے وہ یہ معنی لیتے ہیں کہ فرمایا جناب رسولِ خدا نے کہ میری امت کی اکثریت ضلالت پر جمع نہ ہو گی۔ اول تو یہ معنی اس حدیث سے نکلتے نہیں۔ اس میں کُل امت کا مفہوم ہے۔ اکثریت کا ذکر نہیں ہے۔ دوئم اگر اس کے یہ معنی لو گے۔ تو اس سے بہتّر فرقوں والی حدیث جھوٹی ہوتی ہے۔ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ عنقریب میری امت ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ان میں ۷۱ فرقے ضلالت پر ہوں گے اور صرف ایک فرقہ نجات پائے گا۔ اس حدیث سے صاف پایا جاتا ہے کہ اکثریت امت ضلالت پر ہو گی کیونکہ

۷۱ زیادہ ہے ایک سے۔ یہ کہیں ثابت نہیں اور نہ عقل میں آتا ہے کہ ۷۱ فرقوں کے افراد مل کر ایک فرقے کے افراد سے کم ہوں گے۔ اب اگرچہ بہت سے فرقے نیست و نابود ہو گئے۔ یا کم ہو گئے۔ لیکن پہلے زمانہ میں وہ سب مل کر کسی ایک کیا بلکہ کئی فرقوں سے زیادہ تھے۔ ایک فرقہ تو اب بھی تعداد میں باقی فرقوں سے زیادہ نہ ہو گا۔ حنفی کو لو۔ ہندوستان میں ان کی تعداد زیادہ ہے لیکن دنیا کے مسلمانوں میں سے تناسب لگاتا ہے۔ اس صورت میں یہ بہت ہی کم رہ جاتے ہیں ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ جماعت کے معنی اس جماعت کے ہیں جو جناب رسولِ خدا کے ساتھ تھی نہ کہ وہ جماعت جو آنحضرت کے مخالف ہو گئی تھی۔

جس اجماع کو انہوں نے اصولِ دین قرار دیا ہے وہ بھی عجیب شے ہے۔ اب تک ان میں اس امر پر اتفاق نہیں ہو سکا کہ اجماع کی صحیح تعریف کیا ہے۔ کتنے اور کس قسم کے آدمیوں کا اتفاق ایک مسئلہ پر اجماع کی تعریف میں آئے گا۔ اگر پھر اتنے اور اسی ہی قسم کے آدمی اختلاف کریں تو کیا صورت ہو گی۔ جبکہ ہر ایک شخص کو اجتہاد اور قیاس کی اجازت ہے تو پھر اس اجماع کی کیا صورت رہے گی۔ ان باتوں پر غور کرنے سے صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ محض خلافت شیخین کے جواز کے لئے یہ معمہ تیار کیا گیا تھا۔ ورنہ دراصل کوئی شے نہیں ہے اگر اس اجماع کی نیرنگیاں معلوم کرنا چاہتے ہو تو کچھ تو تاریخ فقہ اسلامی مؤلفہ عبدالسلام ندوی کے صفحہ ۲۸۸ لغایت ۲۹۲ پر درج ہے۔ تفریح طبع کے لئے اگر کچھ وقت نکل سکتا ہے تو وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ میرے پاس تو اتنا وقت نہیں ہے کہ اسے یہاں درج کروں۔

اس کے علاوہ اور بہت سے عقائد ہیں جو محض سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کی وجہ سے اسلام میں پھیلے۔ یہ ایسی سنت تھی کہ جو رسولِ خدا کی سنت سے بھی زیادہ اثر رکھتی تھی ان میں سے چند ہم نیچے درج کرتے ہیں۔

۱۔ چونکہ حکام سقیفہ منصوص من اللہ نہ تھے۔ لہٰذا ان لوگوں نے قرار دیا کہ امامت جزوِ دین نہیں ہے۔

۲۔ چونکہ حکام سقیفہ سے افضل لوگ امت میں موجود تھے۔ لہٰذا جمہور امت نے قرار دیا کہ افضل یعنی اعلیٰ کی موجودگی میں مفضول یعنی ادنیٰ امام ہو سکتا ہے۔

۳۔ چونکہ خلیفہ کے تقرر کے لئے ان بزرگواروں نے ایک مستقل اصول قرار نہیں دیا بلکہ جو تدبیر کارگر ہو گئی وہ ہی جائز سمجھی گئی لہٰذا جمہور امت نے قرار دیا کہ جائز یا ناجائز طریقہ سے کسی طرح کوئی شخص حکومت حاصل کر لے وہ بھی جائز خلیفہ ہے۔

۴۔ چونکہ حصولِ حکومت حکام سقیفہ کا مقصد اوّل و آخر تھا جس کی وجہ سے جسدِ اطہر

رسول کو بے غسل و کفن چھوڑ کر چلے گئے لہٰذا جمہور امت نے قرار دیا کہ جو کچھ ہے دنیا کی حکومت و ثروت ہے اور اس کے خاطر اصولِ دین و اخلاق کو چھوڑ دیا۔

مندرجہ بالا امر بہت زیادہ اہم ہے اس پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے

سقیفہ سازی کا اثر عمل پر

اعتقاد اور عمل آپس میں بہت کچھ وابستہ ہیں اور ایک کا اثر دوسرے پر ہوتا رہتا ہے لہٰذا جہاں تک سقیفہ سازی کے اثر کا تعلق ہے ان دونوں کی تقسیم کوئی اصلی تقسیم نہیں ہے بہت سی باتیں جو اب ہم بیان کریں گے عقیدہ کے تحت میں آسکتی ہیں اور بہت سی باتیں جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں عمل سے بھی تعلق رکھتی ہیں۔

فتوحات ملکی

فتوحاتِ ملکی۔ حکامِ سقیفہ کے اعمال میں سب سے زیادہ جس عمل و کارکردگی کی تعریف کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو فتوحات کے رستہ پر ڈال دیا۔ جو فتوحات حضرات شیخین کے زمانہ میں حاصل ہوئیں وہ ان کی عظمت و احسان کی کافی دلیل ہیں۔ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ مومن تھے جب ہی تو سب پر غالب ہو گئے ظاہر بین آنکھوں کے لئے یہ ایک ایسا خیرہ کن منظر ہے کہ جنہیں غور کرنے کی عادت نہیں وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ جو یاد رہتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرات شیخین آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ تھے۔ اس موضوع پر ہم نے البلاغ المبین حصہ اوّل طبع سوم کے صفحات ۸۰۲ تا نہایت ۸۰۶ پر اختصار کے ساتھ اظہارِ خیالات کیا ہے۔ سلسلہ کلام کے لئے ناظرین کو چاہیئے کہ وہ صفحات دوبارہ پڑھ لیں۔

تاریخ عالم میں فتوحات ملکی کا درجہ

سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ فتوحات ملکی اور یلغار بیرونی کے متعلق تاریخ عالم سے ہم کو کیا سبق ملتا ہے۔ صاحبانِ عقل و فکر جنہوں نے تاریخ عالم اور اس کے فلسفہ پر غور کیا ہے جانتے ہیں کہ کسی ملک و قوم کے لئے بیرونی فتوحات کبھی باعث ترقی نہیں ہوتیں بلکہ یہ قوم اور ملک کے انحطاط اور تنزل کی پہلی منزل ہوتی ہے اور یہ نشانی ہے اس امر کی کہ اس قوم و ملک میں انحطاط شروع ہو گیا۔ بظاہر بیرونی فتوحات طاقت کی نشانی اور عروج کی دلیل معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن دراصل یہ اس گھن کی ابتدا ہے جو قوم کی جڑ میں لگنا شروع ہو گیا ہے اس کی مثال بعینہٖ اس سل کے مریض کی ہے جس کے چہرہ کی رونق، چمک و دمک اس مرض کے ساتھ بڑھتی رہتی ہے۔ بظاہر وہ توانا دکھائی دیتا ہے لیکن وہ موت کی طرف جا رہا ہے۔ یہ علامہ اقبال کا محض شاعرانہ تخیل تھا۔ جب انہوں نے کہا کہ قوم کی زندگی کی ابتدا تیغ و

سنان سے اور انتہا چنگ و رباب سے ہوتی ہے۔ اگر فلسفہ کی شان میں غور کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ تیغ و سنان قوم کی اسی آخری منزل کی ابتدا رہیں جس کی انتہا چنگ و رباب پر ہوتی ہے سپاہی فرد ہو یا قوم، جلدی سے تھک جاتا ہے اور پھر چنگ و رباب کی طرف دوڑتا ہے تاکہ سختی کی زندگی اور اسکی صعوبات کا معاوضہ راحت کی زندگی اور عیش و عشرت سے ہو جائے۔ یہ قدرتی ردعمل ہے یہ فتوحات ہی ہیں جو دولت و ثروت کے ساتھ قوم کے لئے چنگ و رباب مہیا کرتے ہیں۔ ورنہ وہ قوم جس کی دائمی کشمکش محض زندگی اور قوت لایموت کے لئے اپنے ماحول سے رہتی ہے۔ کبھی چنگ و رباب کی طرف رُخ بھی نہ کرے گی۔ اس کے پاس کام کے لئے نہ وقت ہوگا اور نہ سامان۔ شاید تیمور کی تیغ و سنان اور محمد شاہ رنگیلے کے چنگ و رباب نے علامہ اقبال کے دِل میں یہ خیال پیدا کیا ہوگا۔ لیکن یہ انہوں نے نہ سوچا کہ اگر تیمور کی اولاد اور اس کی قوم اپنے پہاڑی ملک ہی میں رہتے تو پھر اُن میں محمد شاہ رنگیلے نہ پیدا ہوتے۔ محمد شاہ اور اُن کا رنگیلا پن تو ان ہی فتوحات کا نتیجہ تھے جو تیمور کی تیغ و سنان نے کی تھیں۔ محمد شاہ تو دور تھے بابر ہی کے دِل میں چنگ و رباب کے خیالات پیدا ہونے لگے تھے۔ فرغانہ سے پانی پت تک کی صعوبات برداشت کرنے کے بعد یہ ہی خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ

ع

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

ہمارے دیکھتے دیکھتے دو جنگ ہائے عظیم ہوئیں۔ فاتح و مفتوح دونوں مصائب کے جال میں پھنس گئے۔ قحط، وبا، بے چلنی، زنا، دغابازی، لوٹ مار، قتل و غارت بڑھ گئے۔ ہر ایک چیز کی قیمت چوگنی ہو گئی۔ خاندان برباد ہو گئے۔ کہیں عورتوں کے لئے خاوند نہیں ملتے۔ کہیں ایک عورت کے کئی خاوند اور دعویدار ہو گئے۔ پہلے خاوند کی خبر نہ آئی۔ اسے مُردہ سمجھ کر دوسری شادی کر لی۔ جنگ سے واپسی پر پہلا خاوند آگیا اور اپنی عورت طلب کی ملکوں میں اب ایسی صورت حالت پیدا ہو گئی ہے کہ جنگ کے بغیر چارہ نہیں۔ ہر ایک قوم کے دل میں جنگ کے خیالات موجزن ہو گئے۔ مفتوح قومیں اپنا بدلہ لینا چاہتی ہیں۔ فاتح قوموں کے بدن میں سکت نہیں رہی۔ ترقی کے خیالات و تجاویز چھوڑ کر مدبران مملک جنگی امکانات و اتفاقات پر اپنی ساری توجہ مبذول کرنے لگے۔ ایک دوسرے سے نفرت بڑھ گئی۔ بنی نوع انسان میں سے اخوت و ہمدردی کے جذبات مفقود ہو گئے۔ ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں لڑائیوں کے یہ ہی نتائج ہوتے رہے ہیں۔ بُعد زمانی و مکانی کی وجہ سے ہم اُن کو اس تیزی سے محسوس نہیں کرتے حالات کتنے خراب ہو گئے ہونگے کہ حضرت عمر کو اپنی بیٹی حضرت حفصہ سے یہ دریافت کرنیکی ضرورت محسوس ہوئی کہ عورت زیادہ سے زیادہ کتنی مدت کے لئے مرد سے دُوری کو برداشت کر سکتی ہے انہوں نے فرمایا کہ

تین مہینہ اور زیادہ سے زیادہ چار مہینہ۔ اس پر آپ نے حکم صادر کیا کہ ہر سپاہی کو چوتھے مہینے رخصت دے دی جایا کرے۔ (دیکھو تاریخ الخلفاء سیوطی مطبوعہ مجتبائی دہلی صفحہ ۱۰۱) لیکن نہیں معلوم کہ اس حکم کی کس حد تک تعمیل ہو سکی۔ کیونکہ ہر چوتھے مہینے سارے لشکر کو رخصت پر بھیج دینے کے لئے لاانتہا لشکر کی ضرورت تھی اور بسا اوقات بڑی مہم میں ہر چوتھے مہینے آدمیوں کا تبدیل کرنا اور رخصت پر بھیجنا ناممکن ہوتا ہے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فاتح اقوام کو ان مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ان کی مشکلات اور قسم کی ہوتی ہیں اور اپنے نتائج میں بہت مضر۔ تلوار سے فقط جسم پر حکمرانی ہو سکتی ہے دل پر حکومت نہیں ہو سکتی۔ محکوم رعایا اپنا بدلہ لینے کے لئے موقعہ کی منتظر رہتی ہے۔ حکمرانوں کی آنکھوں کی نیند بغاوت کے خیال سے اڑ جاتی ہے۔ ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا ہے یہ دائمی کشمکش فاتح و مفتوح دونوں کے لئے وبال جان ہو جاتی ہے اور ملک ایک لڑائی کا کیمپ بن جاتا ہے ایسی حالت میں ملک کی اندرونی ترقی کا خیال کسی کو نہیں رہتا۔ اور ملک بالکل برباد ہو جاتا ہے تلوار کی تیزی زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہتی۔ اور جن کی فتوحات تلوار پر مبنی ہوتی ہیں وہ بہت جلد تلوار ہی سے مغلوب ہو جاتے ہیں خواہ وہ تلوار ان کی ہی رعایا کی ہو۔ یا بیرونی دشمن کی دولت کی فراوانی سے دولت کے عیوب پیدا ہو جاتے ہیں اور عیش و عشرت کی عادت پڑ جاتی ہے اور اب وہ دفاعی جنگ کے بھی ناقابل ہو جاتے ہیں۔

جب ایک قوم دوسری قوم کو تلوار سے مغلوب کر لیتی ہے تو ان تین نتیجوں میں سے کوئی نتیجہ ضرور برآمد ہوتا ہے۔ (۱) مفتوح قوم فاتحان کے ساتھ مل کر کام کرتی ہے یا (۲) انقلاب رونما ہوتا ہے۔ یا (۳) جرائم کی کثرت حکومت کے قابو سے باہر ہو کر انتشار پیدا کرتی ہے ان میں سے آخری دو نتیجے اکثر برآمد ہوتے رہتے ہیں۔ پہلا نتیجہ اس وقت پیدا ہوتا ہے کہ جب مفتوح قوم اپنے علم و ذہن و ذکاوت کی وجہ سے فاتح قوم پر حاوی ہو کر ملک کے نظم و نسق کو اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے۔ یونان و ایران کی مثالوں سے ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں مفتوح قوم اکثر موقعہ کی منتظر رہتی ہے۔ کہ جب موقعہ ملے تو فاتحان پر تلوار کے زور سے بھی غالب آجائیں۔ ایرانیوں نے بہت جلد عرب کی حکومت کا جوا اپنی گردن سے اتار دیا۔ بنو امیہ حکمرانوں کو مغلوب کر کے اپنی تلوار کے زور سے بنو عباس کو تخت پر بٹھلایا۔ حکومت عباسیہ کو عربوں کی حکومت کہنا جائز نہ ہوگا۔ مامون رشید اور اس کے بعد جتنے سلاطین اس خاندان کے ہوئے۔ ان کے زمانے میں ایران و خراسان وغیرہ پر دراصل خلیفہ کی آڑ میں ایرانیوں کی حکومت تھی۔ اسی طرح یونانیوں نے دراصل رومیوں کو بھی یونانی ہی بنا لیا۔ اور

بہت جلد اُن کا اثر اپنے ملک سے نکال دیا۔ غرضکہ فاتح قوم کو کسی حالت میں فائدہ نہیں ہوتا۔

ہم جو کہہ رہے ہیں اس کی تائید تاریخ عالم سے اچھی طرح ہوتی ہے۔ زمانہ عتیق اور عہد جدید دونوں کی تاریخ سے ایک ہی سبق ملتا ہے۔ زمانہ عتیق میں اشوریوں (ASSYRIA) اور اہل مقدونیہ (MACEDONIA) کی مثالیں ہمارے نظریہ کی تائید کرتی ہیں۔ اور عہد جدید میں یورپ اور تیمور کی تاریخ سے یہی سبق ملتا ہے یورپ کی تاریخ میں پنولین، ہٹلر، ہنیبال اور شارلمین کے واقعات قابلِ غور ہیں۔ اُن کا ذکر تفصیل سے یہاں موجب طوالت ہوگا۔ ہم فقط اُن واقعات کی طرف اشارہ ہی کر سکتے ہیں۔

حکومت اسیریا اور بابل۔ اسیریا اور بابل کے ملک ایک دوسرے سے ملحق تھے، اور ان کی تاریخ آپس میں وابستہ ہے۔ ان کی تہذیب و تمدن، رسم و رواج، مذہب، طرز حکومت ایک سے ہی تھے۔ ازمنۂ ماضیہ بعیدہ میں دنیا کی یہی مہذب حکومتیں تھیں۔ بلکہ دنیا کی تہذیب کا گہوارہ تھیں۔ ان کی تاریخ زیادہ تر انجیل میں ملتی ہے۔ ان کے زمانہ کے کتبوں سے بھی کچھ تاریخ کو مدد ملتی ہے اور زمانہ حال کے انکشافات بھی مورخین کے لئے مفید ہیں۔ ان کی تاریخ کے یہی تین ماخذ ہیں۔ قرآن شریف میں ان کا ذکر اتنا ہی ہے کہ جتنا ایک آسمانی کتاب میں ہونا چاہیئے۔ مثلاً یہ کہ تم سے زیادہ طاقت ور قومیں پہلے گزری ہیں۔ لیکن اپنی سرکشی کی وجہ سے وہ بھی برباد ہو گئے۔ تم کو ان سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ یا صابئین کے مذہب کا ذکر ہے۔ اہل بابل و اسیریا نے ستاروں کے علم میں بہت ترقی کی تھی۔ وہ سورج و چاند اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے اور صابئین کہلاتے تھے۔ ان کی طاقت کا اندازہ اُن کے عظیم الشان قلعوں اور تعمیرات سے ہوتا ہے۔ جو یونانی مورخ (XENOPHEN) نے اسیریا کے دار السلطنت نینوا میں اس کے اجڑنے کے صدیوں بعد وہاں دیکھے تھے۔ اور جن کا ذکر اس نے نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ اس کی عظمت و شان و مضبوطی سے ان کے بنانے والوں کی طاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اہل بابل کا اصلی وطن دجلہ و فرات کا درمیانی قطعۂ زمین تھا۔ خصوصاً اس کا جنوبی حصہ جہاں دجلہ و فرات ایک دوسرے کے نزدیک ترین ہو کر دور ہونے لگتے ہیں۔ اب ان دونوں حصوں کو عراق کہتے ہیں۔ اہل بابل نے رفتہ رفتہ سیریا (شام) کو بھی فتح کر لیا۔ دجلہ کے مشرق کا حصہ سیریا کہلاتا تھا۔ اسیریا کو بھی بابل نے مغلوب کر لیا تھا۔ اہل بابل کی زبان سمیاطی۔۔۔ (SAMITIC) تھی۔ جس کی شاخیں عربی، عبرانی اور شامی زبانیں ہیں۔

عربوں کی تہذیب، ان کا تمدن، رسم و رواج و مذہب ان ہی پرانی قوموں سے لئے

رشک وحسد کے خیالات پیدا ہوئے۔ اندریں صورت فوراً ہمت وجرات والے لوگوں کے دلوں میں حکومت پر قبضہ کرنے کے خیالات موجزن ہونے لگے اور انہوں نے ان لوگوں کو ایک جماعت میں منظم کرنے کی کوشش شروع کر دی اور اس طرح حضرت علی کے خلاف ایک نہایت مضبوط و مستقل جماعت پیدا ہو گئی۔ حضرت علی کی روزافزوں شہرت وخدمت اسلامی اور تقرب رسول نے لوگوں کے دلوں میں حسد پیدا کرنا شروع کر دیا تھا۔ کارکنان قضا وقدر نے حسد کا خالص لگاؤ طبیعت انسانی کے ساتھ رکھا ہے ہابیل وقابیل کا قصہ تو پرانا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی کہانی لوگوں کے سامنے ہے۔ جب اس سے اولاد نبی نہ بچ سکی تو اصحاب رسول کس گنتی میں ہیں۔ تقرب رسول تو ایک وجہ حسد تھی ہی۔ جانشینی رسول ایک ایسا مسئلہ تھا جو ہر وقت لوگوں کے پیش نظر رہنے لگا۔ تھا جناب رسول خدا کے ارشادات سے انکو یقین ہو گیا تھا کہ آنحضرتؐ نے حضرت علی کو اپنی جانشینی وخلافت کے لئے منتخب و مقرر کر لیا ہے یہ لوگ دل سے اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ جناب رسول خدا کے صحابہ میں ایک جماعت حضرت علی کے خلاف پیدا ہو گئی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ حضرت علی خلیفہ نہ ہوں۔ اس جماعت کی موجودگی کا اعتراف حضرت عمرؓ نے ان مکالموں میں صریحاً کیا ہے جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ اگر اس اقبال کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو واقعات یہی بتا رہے ہیں۔ ترقی اسلام اور توسیع حکومت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی طبیعتیں متغیر ہوتی گئیں اور چونکہ دن بدن تقرری جانشین کا سوال اہمیت پکڑتا جاتا تھا اور وہ زمانہ نزدیک آتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ ان لوگوں نے اپنی جماعت کی تشکیل وتنظیم مضبوط کرنے کی کوشش کی۔

ان لوگوں کو بڑی تقویت اس جماعت سے ملی جس کو عرف عام میں منافقین کہتے تھے۔ اور جس کی موجودگی پر قول الٰہی شاہد ہے ہماری رائے میں تو ان لوگوں کو بھی جو جناب رسول خدا کے اس حکم کو خود غرضی پر محمول کر کے اس سے اعراض کر رہے تھے اسی دائرہ منافقین میں سمجھنا چاہیئے۔ اگر آپ یہ نہیں چاہتے تو ان کو الگ سمجھئے۔ ان منافقین کا شیوہ تھا کہ آنحضرت کے اقوال وافعال پر طرح طرح کی نکتہ چینی کرتے رہتے تھے۔ جب تک یہ نکتہ چینیاں توحید ونبوت تک محدود رہیں تو عام مسلمان ان منافقین سے علیحدہ رہے اور ان کو برا سمجھتے رہے لیکن حکومت کے مسئلے نے یا یوں کہو کہ سیاسی ضرورت نے صحابہ کی اکثریت کو مجبور کیا کہ منافقین کو اپنے ساتھ ملا کر تقویت حاصل کریں اور منافقین نے سمجھا کہ انکے ساتھ مل کر ہم اسلام کو زیادہ نقصان پہنچا سکیں گے۔ وہ تو ایسے موقعہ کے منتظر ہی تھے جناب رسول خدا کے ہر قول وفعل پر نکتہ چینی کرنی تو ان کی طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی جناب رسول خدا کا اپنے ابن عم وداماد کو اپنی حکومت

گئے تھے ۔ لہذا اُن کا ذکر ہمارے لئے دلچسپی رکھتا ہے ۔ اہل بابل کھجوروں کی کاشت کرتے تھے اور یہ ہی اُن کی خاص خوراک تھی ۔ یہ پہلی قوم تھی جس نے خرما کے درخت میں نرو مادہ کی شناخت کی ۔ خرما سے وہ شراب ، شکر ، شیرہ نکالتے تھے ۔

بادشاہ اُن کا بالکل مطلق العنان ہوتا تھا ۔ اور حکومت و مذہب دونوں کا سردار ہوتا تھا جو وہ حکم دیتا تھا وہ ہی سیاسی و مذہبی قانون ہوتا تھا اور رعایا سے اپنی عبادت کراتا تھا ۔ یہ ہی طریقہ فراعنہ مصر کا تھا ۔ مصر کے ایک فرعون کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے ۔ جو اپنی عبادت اپنی رعایا سے کراتا تھا ۔ بابل کا ایک بادشاہ نمرود تھا جس نے اسیریا میں جا کر نینوآباد کیا تھا ۔ (۲۲۰۴ ق ۔ م) اُس نے سونے کا ایک بُت بنا رکھا تھا ۔ اور لوگوں سے اس کی پرستش کراتا تھا جو انکار کرتا تھا اُس کو آگ کی بھٹی میں جلا دیا کرتا تھا ۔ یہ نمرود حضرت ابراہیم کا ہمعصر تھا ۔ قرآن میں اس کا ذکر ہے ۔ بادشاہ کی لاتعداد بیویاں اور کنیزیں ہوا کرتی تھیں اور ان کی نگرانی خواجہ سراؤں کے سپرد تھی ۔ دُنیا کی قوموں میں اہل بابل پہلے تھے جنہوں نے خواجہ سراؤں کا استعمال ایجاد کیا ۔ خواجہ سراؤں کا سردار بادشاہ کے دربار کا ایک رکن ہوا کرتا تھا ۔ یہ ہی حالت بنوامیہ و بنوعباس کے بادشاہوں کی تھی ۔ ان کے یہاں بھی خواجہ سراؤں کا سردار بادشاہ کے دربار کا ایک رکن ہوتا تھا ۔ اہل بابل و اسیریا نجومیوں اور کاہنوں کے بہت معتقد تھے ۔ اور اُن کا سردار بھی بابل کے بادشاہ کے دربار کا ایک رکن ہوا کرتا تھا ۔ غالباً عربوں نے یہ اعتقاد بھی اہل بابل سے لیا تھا ۔ اہل بابل کی حکومت کو کلدانی حکومت بھی کہتے ہیں ۔ کیونکہ بابل کے جنوبی حصہ میں مذہب کے پجاری رہتے تھے ۔ وہ ستاروں کے اثر اور غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے ۔ اس جماعت کو (CHALDEANS) یا کلدانی کہا کرتے تھے ۔ رفتہ رفتہ ساری قوم کو کلدانی کہنے لگے ۔

یہ سلطنت بہت پرانی تھی ۔ اس کا مذہب و تمدن مصر کے مذہب و تمدن سے بھی پرانا ہے بابل کے جن بادشاہوں کا حال ہم کو معلوم ہوا ہے وہ ۴۰۰۰ ق ۔ م میں گزرے ہیں ۔ یہ لوگ مصر کے پہلے سلسلہ کے بادشاہوں کے ہمعصر تھے ۔

بعض مورخین کہتے ہیں اور یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ پرانی دُنیا کی ساری قوموں نے اہل بابل کے مذہب کے نمونہ پر اپنا مذہب قائم کیا تھا ۔ ہندوستان ، یونان ، ایران ، عرب و مصر کے مذاہب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب میں ہم آہنگی ہے اور ان سب کا مخرج اہل بابل کا مذہب تھا ۔ اہل بابل چاند سورج اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے اور صابئین کہلاتے تھے ۔ علم نجوم کے یہ ہی مُوجد تھے ۔ خُداؤں کی ایک محفل بنائی ہوئی تھی جس میں خُدانیاں یعنی مونث خدا بھی ہوا کرتی تھیں ۔ وہاں ان کے بچے بھی ہوا کرتے تھے ۔ ان خداؤں میں زنا

زراعتی تمدن کا آغاز

بادشاہ کے اختیارات

کلدانی

اہل بابل کا مذہب

اور عورت کا ورغلا کر بھگا لے جانا عام تھا۔ جو بڑا آدمی مرجاتا تھا اس کو یہ لوگ خداؤں کے مجمع میں داخل کرکے اس کی پرستش کرنی شروع کر دیتے تھے۔ جن مذاہب کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ان میں یہ سب امور عام طور سے تھے۔ یہاں تک کہ مذہب مسیح بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ پہلے مورخین کا خیال تھا کہ ہند و مصر کے بتوں کی مشترکہ خصوصیات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایک نے دوسرے کا مذہب لیا۔ لیکن ان کی راہ میں یہ مشکل حائل تھی کہ وہ ازمنہ ماضیہ لعبیدہ میں ان دونوں ممالک کا اختلاط نہ ثابت کر سکے۔ اب اس مجبوری سے یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے کہ دونوں نے اپنے اپنے مذہب بابل سے لیئے۔ ہند و بابل و مصر کا اختلاط ازمنہ ماضیہ بعیدہ میں ثابت ہے۔ ان لوگوں کے تناسلی اخلاق بہت گرے ہوئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اُن کے خدا ہی ایسے تھے اور انہوں نے اپنے اخلاق کو اپنے خداؤں کے اخلاق پر ڈھالا تھا۔ اہل بابل کا سب سے بڑا خدا بعل تھا۔ جس کے نام پر بعلبک ہے۔ اس کی بیوی بھی ایک خدائنی تھی اور وہ بہت بدچلن، شہوت سے پُر، زنا کی خواہشمند تھی اور خوب زنا کراتی تھی۔ اس کی عبادت ہی یہ تھی کہ مرد و عورت آپس میں زنا کریں۔ وہ لوگ زنا عبادت سمجھ کر کرتے تھے۔ اس کے مندر کے ساتھ نوجوان عورتوں کا قحبہ خانہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں ہر ایک شخص جا کر اس خدائنی کی عبادت اس طرح کرتا تھا کہ ان لڑکیوں کے ساتھ زنا کرتا تھا۔ ان مقدس رنڈیوں کی بہت عزت ہوا کرتی تھی۔ انجیل میں بھی ان رنڈیوں کا ذکر ہے اور اُن کی بہت مذمت کی گئی ہے۔ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایسی قوم کے اخلاق کتنے گرے ہوئے ہوں گے ان ہی مذاہب کا اثر ہندوستان، ایران، مصر، یونان، یورپ میں پھیلا۔ ان کے خدا بھی اسی طرح آپس میں زنا کرتے تھے۔ اور ایک دوسرے کی لڑکیوں اور عورتوں کو بھگا لے جاتے تھے ہندوستان میں جس طرح وید شاستر ہوا کرتی تھی اسی طرح کام شاستر ایک مقدس کتاب سمجھی جاتی تھی۔ اب بھی وہ مدراس میں انگریزی ترجمے کے ساتھ چھپی ہوئی ملتی ہے اس میں طریقے درج ہیں کہ کس طرح عورت کو ورغلایا جا سکتا ہے۔ اور کس طرح اس کو بھگا کر لے جا سکتے ہیں اور کتنے طریقوں یا آسنوں سے اس کے ساتھ جماع کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے کی عورت یا لڑکی کو بھگا لے جانا کچھ گناہ نہ تھا۔ عیسائیت نے بھی اس سے اثر لیا۔ اُن کے یہاں بھی کوئی مقدس آدمی مرجاتا ہے تو وہ سینٹ یا چھوٹے خدا کی فہرست میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کو اپنی زبان میں CANONISE کہتے ہیں۔ ان کے یہاں بھی ہر سال عبادت گاہوں میں ایک مقدس میلہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں رات کے بارہ بجے تمام چراغ گل کر دئے جاتے تھے اور پھر مرد و عورت مل کر ایک دوسرے سے زنا کرتے تھے اور ماں بہن کی تمیز نہیں رہتی تھی۔ اس کا ہی

اثر ہے۔ کہ یورپ میں تناسلی بداخلاقی کو کچھ اہمیت نہیں دی جاتی۔ بلکہ افراد کی آزادی کا یہ نمونہ ہے عورت کو تو سزا ملتی ہی نہیں۔ مرد نے اگر کسی دوسرے کی زوجہ سے زنا کیا تو یہ دیوانی ذمہ داری ہوتی ہے اور کچھ ہرجانہ ادا کرنا پڑتا ہے وہ بھی اس صورت میں کہ اگر مرد اس عورت کو بھگا کر لے جائے اور ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھے ان سب کا مخرج و منبع بابل ہے۔

اسیریا کا مذہب و تمدن

یہ ہی مذہب و تمدن اسیریا کا تھا۔ ان کے یہاں بھی عورت کی بہت بے قدری تھی۔ مویشیوں کی طرح فروخت ہوا کرتی تھیں۔ کوئی شخص اپنی پسند سے اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ ہر ایک لڑکی سن بلوغ پر پہنچنے کے بعد بازار میں برائے نیلام بھیجی جاتی تھی۔ اور جس کی بولی سب سے زیادہ ہوتی تھی اس کے حوالہ کر دی جاتی تھی۔

اسیریا کی حکومت اور اس کی فتوحات

بابل کا بادشاہ نمرود اسیریا گیا اور وہاں ۲۲۰۴ء ق۔م نینوا آباد کیا۔ یونانی تاریخوں میں اس کا نام (NINUS) تھا۔ اسیریا کی اپنی آزادی ایپائر کی ابتداء ۲۲۳۷ء ق۔م میں ہوئی۔ یہ بہت جنگجو قوم تھی۔ اپنے ہمسایوں سے لڑتے ہی رہتے تھے۔ اہل بابل و اہل اسیریا کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ بہت ہی بے رحم تھے۔ اپنے دشمنوں کو بہت بری طرح عذاب کے ساتھ قتل کرتے تھے۔ ان کی ہی بے رحمی رعب کے بدولت میں آئی۔ ۱۱۰۰ء ق۔م سے اسیریا نے بیرونی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور سلطنت اسرائیل کی حدوں تک پہنچ گئے۔ ان کی فوج بہت منظم اور باقاعدہ ہوتی تھی پہلے ان کا دارالسلطنت شہر آشور تھا۔ جس کا نام ان کے خدا کے نام پر تھا۔ پھر انہوں نے نینوا کو اپنا دارالسلطنت بنا لیا۔ آخر کار انہوں نے بابل کو بھی فتح کر لیا اور دونوں سلطنتیں مل کر ایک ہو گئیں۔ سناخرب (SENNACHERIB) جس کا ذکر انجیل میں ہے۔ ان کا ہی ایک بادشاہ تھا۔ سلطنت بنی اسرائیل کو فتح کرنے کے بعد انہوں نے ساری قوم کو برباد کر دیا اور ان کی آبادی کو قیدی بنا کر لے گئے۔ انہوں نے دمشق ۷۳۲ء ق۔م میں سمریا (SAMARIA) ۷۲۳ء ق م میں مسامسر ۷۱۲ء ق م میں، بابل ۶۸۹ء ق م میں (SIDON) ۶۷۷ء ق م، ممفس ۶۷۱ء ق م میں (طبہ) THEBES ۶۶۳ء ق م میں اور (SUSA) ۶۳۹ء ق م میں فتح کیے۔ جو لوگ دوسروں کو تلوار سے مغلوب کرتے ہیں وہ خود بھی آخرکار تلوار ہی سے معدوم ہو جاتے ہیں۔ اپنی فتوحات سے یہ لوگ بہت مغرور ہو گئے اور اپنی رعایا پر بہت سختیاں کرنے لگے تھے۔ اور ان کے ساتھ تکبر و غرور سے پیش آتے تھے۔

جس طرح حکومت امویہ کے عربوں نے اپنی رعایا پر ظلم کیا اور ان کے ساتھ مغرورانہ سلوک روا رکھا۔ نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہوا۔ ابو مسلم خراسانی کی یورش نے عربوں کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور بنو عباس کی ایسی حکومت قائم کی جو عربی حکومت نہیں کہی جا سکتی تھی اسی طرح اسیریا کے خلاف اس

کے مفتوح باشندگانِ بابل اور میڈیا نے بغاوت کی اور آخر کار ۶۱۲ھ قبل مسیح میں نینوا کی لڑائی پر اسیریا کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

دیگر فاتحانِ عالم کا بھی یہی حشر ہوا۔ مقدونیہ، ہینی بال، شارلمین، تیمور، نپولین، ولیم جرمنی ہٹلر جرمنی۔ ان سب کی فتوحات ان کے ساتھ ہی دفن ہو گئیں۔ مقدونیہ کے سکندر اعظم کی فتوحات اب تک زبان زدِ خلائق ہیں۔ یہاں تک کہ مولوی شبلی نے اپنے ہیرو حضرت عمر کی عظمت شان پر سکندر اعظم سے مقابلہ کر کے فخر کیا ہے۔ یہ شخص بہت ظالم تھا۔ اپنی فتوحات سے بڑی لمبی چوڑی سلطنت قائم کر لی۔ لیکن اس کی فتوحات کا کیا نتیجہ ہوا۔ یونان اور یونانیوں کی بربادی اتنی وسیع اور بے ڈول سلطنت پیدا کر لی۔ کہ اس کا سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اور اس کے مرتے ہی وہ مختلف جنرلوں میں تقسیم ہو گئی جن کی آپس کی لڑائیوں نے یونانی تہذیب کو برباد کر دیا۔ ہنی بال۔ نپولین، ولیم جرمنی اور ہٹلر ان سب کی فتوحات کا بھی یہی حشر ہوا۔

شارلمین (CHARLEMAGNE) اور اس کے باپ (PEPIN) کے واقعات پر غور کرو۔ پوپ (STEPHEN) نے ان کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ اور اٹلی کے (LOMBARDS) سے لڑوا دیا PEPIN نے یہ لڑائی ۷۵۵ء میں کی جس سے اس کے ملک کا بہت نقصان ہوا۔ پھر اس کے بعد اس کے لڑکے شارلمین (CHARLEMAGNE) نے دوسری اطالوی جنگ ۷۷۳ء میں کی۔ اگرچہ بظاہر اس کی فتوحات کوتاہ نظر والوں کو خیرہ کرتی ہیں۔ لیکن دراصل یہی فتوحات اس کی سلطنت کی بربادی کا باعث ہوئیں۔ ان فتوحات سے اس کے دل میں غرور و کبر حد سے زیادہ پیدا ہو گیا۔ اور ہٹلر کی طرح وہ یہ سمجھنے لگا۔ کہ اس کی تلوار کے آگے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔ پوپ کی باتوں سے دل میں تعصب بے جا بھی پیدا ہو گیا تھا لہٰذا اس نے وہ پُرامن طریقہ مذہب پھیلانے کا جو آئرلینڈ اور انگلستان کے مشنریوں نے اختیار کیا ہوا تھا اور جس کے ذریعہ سے انہوں نے بہت سی قوموں کو پُرامن طریقہ سے عیسائی بنا لیا تھا، بالکل چھوڑ دیا۔ اس (PEACEFULL PENETRATION) کی بجائے اس نے (SAXONY) کو تلوار کے زور سے عیسائی بنانا چاہا اور اس کو فتح کر لیا اور یہی اس ملک کی خرابی کا باعث ہوا۔ جب اہل سویڈن وناروے نے دیکھا کہ یہ خطرہ ان کی حدود کے نزدیک آ گیا ہے تو وہ بھی تلوار لے کر اٹھے اور اس کے ملک میں قتل و غارت شروع کر دیا اور اس کے ورثاء کو چین سے نہ بیٹھنے[۱] دیا۔ شارلمین تو جنوری ۸۱۴ء میں مر گیا۔ لیکن یہ فتنہ و فساد اپنے ورثاء کے لئے چھوڑ گیا۔ آخر کار اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

اب ذرا تیمور بلکہ تاتاریوں کی فتوحات پر نظر ڈالو۔ تیرھویں صدی عیسوی تھی کہ خداوند

[۱] آرام سے دل میں گھر کرنا۔

تعالیٰ نے اپنا عذاب الیم بنی نوع انسان پر ان تاتاریوں کی شکل میں بھیجا۔ یہ ٹڈی دل منگولیا، ترکستان اور ماوراء النہر سے اٹھا اور نہایت قلیل عرصہ میں تمام مہذب دنیا پر چھا گیا۔ ان خونخواروں نے دیکھتے دیکھتے ایشیا اور یورپ کو خون سے رنگ دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ جس تیزی سے یہ طوفان اٹھا تھا اسی تیزی سے اتر گیا۔ خداوند تعالیٰ کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ فاتح قوم کی فتوحات ہی اس کی بربادی کا باعث ہوتی ہیں۔ تاتاریوں کے یہ تین حملے ہوئے۔ (۱) پہلا حملہ چنگیز خاں کا جس کا رخ خوارزم و ایران کی طرف تھا۔ یہ آٹھ سال کا عرصہ تھا۔ ۱۲۱۹-۲۷ء (۲) دوسرا حملہ منگو خاں کے زمانہ ہلاکو خاں کا جس حملہ کی مدت ۱۲۵۵ء سے ۱۲۶۵ء تک تھی۔ ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خاں نے بغداد کو تاراج کر کے خلافت عباسیہ کو ختم کیا۔ اس سلسلہ میں ہم اس اعتراض کا بھی جواب دے چکے ہیں کہ ابن العلقمی وزیر نے تاتاریوں سے سازش کر کے خلافت ختم کرائی (۳) تیسرا حملہ تیمور کا تھا جس کا زمانہ ۱۳۸۰-۱۴۰۵ء ہے۔ پہلے دو حملہ آور ان کافر تھے لیکن تیمور مسلمان تھا۔ مگر بیرحمی اور سنگدلی میں سب برابر تھے۔ ۱۲۲۷ء میں چنگیز خاں کے مرتے ہی اس کی سلطنت کے ٹکڑے بکھرے ہو گئے اور آخرکار نومبر ۱۳۳۵ء میں ابوسعید کے مرتے پر ایران میں ان ترکوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

تیمور اور اس کی فتوحات اور بیرحمی

تیمور ۲۵ شعبان ۷۳۶ ہجری مطابق ۸ اپریل ۱۳۳۶ء میں پیدا ہوا۔ ۱۳۸۰ء سے اس نے اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور ۱۴۰۵ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس عرصہ میں اس نے پچاس یلغاریں کیں۔ اتنے آدمیوں کو قتل کیا کہ جن کا شمار ممکن نہیں۔ سینکڑوں شہروں کو برباد کیا۔ اسکے کارہائے نمایاں کی چند مثالیں یہ ہیں۔ ۱۳۸۳-۸۴ء میں سیستان کے لوگوں کا قتل عام کیا اور تقریباً دو ہزار سے زائد زندہ آدمیوں کو ایک کے اوپر ایک رکھ کر لمبا مینار بنایا۔ اور اینٹوں اور چونے سے چن دیا۔ نومبر ۱۳۸۷ء میں اصفہان کے ستر ہزار باشندوں کو لائنوں میں کھڑا کر کے قتل کرا دیا۔ ۱۳۹۸ء میں دہلی اور اس کے نواح میں ایک لاکھ قیدیوں کو لائنوں میں کھڑا کر کے جلاد کو حکم دیا کہ ان کو قتل کرتے جاؤ وہ سب اس بیکسی کی حالت میں قتل ہو گئے۔ ۱۴۰۰ء میں چار ہزار آرمینیوں کو زندہ زمین میں دفن کر دیا۔ اور اسی سال حلب اور دمشق میں بنی نوع انسان کی کھوپڑیوں کے کئی اونچے اونچے مینار بنائے۔ بایزید یلدرم کے ساتھ جو کیا وہ علیحدہ ہے۔ اس مسلمان فاتح کی فتوحات کی صرف یہ چند مثالیں ہیں۔ اس کا یہ جواب درست نہ ہوگا۔ کہ ترکوں کی قوم ہی اپنی خصلت و کردار سے ایسی ظالم و خونخوار ہوتی ہے۔ حجاج ابن یوسف تو خالص عرب تھا۔ اس کے ظلم و قتل کے نمونہ اس سے کم نہیں۔ کربلا کے میدان میں جو مسلمانوں نے خونخواری و بے رحمی کی مثال قائم کی ہے وہ بھی کچھ کم نہیں۔ وہ بھی خالص عرب تھے۔ اور زندہ آدمیوں کو ستونوں کے اندر چننے کی سنت تیمور اور چنگیز خاں سے پہلے خلیفہ منصور

عباسی قائم کر چکے تھے۔ دراصل بات یہ ہے کہ بے جا فتوحات کے ایسے ہی نتیجے ہوا کرتے ہیں۔ فتوحات کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ فاتح کے دماغ میں کبر و غرور پیدا ہو جاتا ہے اور جب دماغ انسانی کبر و پندار سے مملو ہو جاتا ہے۔ تو سب سے پہلے جس سے وہ بغاوت کرتا ہے وہ خداوند تعالیٰ ہوتا ہے اور یہ قتل و غارت و ظلم و غصب حقوق بندگانِ خدا، اللہ تعالےٰ سے بغاوت کا براہ راست نتیجہ ہوتے ہیں

چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلام ساری دنیا پر مسلط ہو جائے گا اور کم سے کم ایشیا میں تو اس کا مکمل قبضہ ہو جائے گا۔ لیکن تیمور کی فتوحات و یلغار نے اسلام کو بالکل کمزور کر دیا۔ یورپ میں ترکوں کی طاقت کو سخت صدمہ پہنچا اور ایران اور اس کے ارد گرد کے ممالک میں خانہ جنگیوں نے یہ حالت کر دی کہ اسلام بدنام بھی ہو گیا۔ اور کمزور بھی ہو گیا اور اس کے دشمن بہت پیدا ہو گئے۔ حالت یہاں تک بگڑ گئی کہ تیمور کے بعد دو ہی صدیوں کے اندر تمام منگول اور دیگر قبائل نے بدھ مذہب اختیار کر لیا۔ بدھ مذہب جیسے بیجان مذہب کی اسلام کے خلاف یہ کامیابی اچھی طرح بتا رہی ہے کہ اسلام کی شہرت ان خانہ بدوش اقوام میں ان دو صدیوں کے اندر کتنی کم ہو گئی تھی۔

غور کرو۔ اگر ۱۳۸۱ئہ میں تیمور ایران پر حملہ نہ کرتا اور محض اپنے ملک کی اخلاقی و اقتصادی ترقی و مضبوطی کی طرف اپنی ساری توجہ مبذول کرتا تو آج کو حالات کیسے ہوتے۔ روس اور علاقہ ماوراء النہر کی حالت بالکل برعکس ہوتی۔ روس نہ عیسائی ہوتا اور نہ فاتح۔ بلکہ مسلمان ہوتا اور مفتوح۔ اور سمرقند ماسکو پر حکومت کرتا ہوتا۔ گویا دنیا کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہوتا۔

تاتاریوں کے واقعات کے سلسلہ میں خلافت بغداد کی تباہی کا ذکر ناگزیر تھا۔ اور اس ذکر کے سلسلہ میں وزیر خلافت موید الدین محمد ابن العلقمی کا نام بھی آنا لازمی ہے۔ کیونکہ سواد اعظم کی لکھی ہوئی تاریخوں میں یہ کہا گیا ہے کہ چونکہ یہ شیعہ تھے۔ لہذا انہوں نے مذہبی تعصب کی وجہ سے ہلاکو خاں سے سازش کر کے اس کو خلافت کی تباہی پر آمادہ کیا۔ اس کو وہ غداری کی بدترین مثال کہتے ہیں۔ (دیکھو تاریخ ابن خلدون۔ ابوالفداء۔ مقریزی۔ تاریخ الخلفاء سیوطی وصاف وغیرہ) انہوں نے اپنے اس خیال کی تائید اس امر سے کی ہے کہ اس واقعہ سے ذرا ہی پہلے خلیفہ کے بیٹے ابوبکر نے شیعوں کے محلہ کرخ کی آبادی کو نیست و نابود کر دیا۔ اور ان کی عورتوں کی عصمت دری کی۔ جس کا بدلہ ابن العلقمی نے اس طرح لیا۔ لیکن ابن العلقمی کی غداری کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یوں تو مسلمانوں کی تاریخ ابتداء سے آج تک غداریوں سے بھری پڑی ہے۔ اور دنیا کی وجاہت اور حکومت کے عشق کا سبق جو سقیفہ بنی ساعدہ میں پڑھایا گیا تھا۔ اب تک لوگوں کو ازبر ہے۔ ایک مثال ہو۔ تو اس کا ذکر کیا جائے۔ ع

سینہ بھی داغ داغ پنبہ کجا کجا نہم۔ بہر صورت مورخ کا فرض ہے کہ واقعات کی جانچ پڑتال کر کے حق معلوم کرے۔ اس زمانہ میں اور اس کے نزدیک جو تاریخیں لکھی گئیں وہ یہ ہیں:-

ا۔ سب سے بہتر اور صحیح تاریخ "جہاں کشا" ہے۔ جو علاؤ الدین عطا ملک جوینی نے ۱۲۶۰ء میں یعنی واقعہ کے دو سال بعد ہی لکھی۔ عینی گواہان موجود تھے اور خود بھی اس کو واقعات معلوم تھے اس میں ابن العلقمی کی غداری کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

۲۔ کتاب الفخری مؤلفہ محمد بن طباطبا المعروف بابن الطقطقی۔ یہ کتاب بھی مستند تواریخ میں سے ہے۔ فروری تا جون ۱۳۰۲ء میں لکھی گئی۔ اس کا مؤلف ۱۲۶۲ء میں پیدا ہوا تھا۔ ایڈورڈ جی براؤن نے اس کتاب کی بہت تعریف کی ہے۔ اور اپنی کتاب تاریخ ادبیات ایران میں اس سے بہت انتخابات لئے ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں ان لوگوں کے بیان درج کئے ہیں۔ جو خلیفہ کی افواج میں جرنیل تھے۔ اس نے صاف طور سے لکھا ہے کہ ابن العلقمی بہت وفادار وزیر تھا اور اس نے بہت نیک صلاحیں خلیفہ کو دیں۔ مولف کتاب الفخری کہتا ہے کہ چونکہ خلیفہ اس وزیر کی عزت کرتا تھا۔ اور اس کا کہنا مانتا تھا۔ لہذا خلیفہ کے خواص و امراء اس سے حسد کرتے تھے اور نفرت کرتے تھے۔ اور اس وجہ سے الزام لگایا تھا کہ وہ ہلاکو خاں سے مل گیا تھا اور یہ بالکل غلط ہے جب سلطان ہلاکو خاں نزدیک بغداد کے پہنچا تو اس نے خلیفہ کو لکھا کہ اپنے وزیر خلافت کو میرے پاس بھیج دو۔ وزیر ابن العلقمی نے جانے سے انکار کیا۔ آخر خلیفہ کے اصرار پر ہلاکو خاں کے پاس گیا (الفخری مطبوعہ مصر صفحہ ۲۴۶، ۲۴۷)

محمد بن علی بن طباطبا شیعہ نہ تھا۔ بلکہ خالص سُنی تھا۔ چنانچہ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰ پر لکھتا ہے کہ خلافت راشدہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی کی بالکل حق پر تھی۔ اور ان خلفاء کی خلافت کے احکام دین کے مطابق تھے۔ یہی تو سُنی و شیعہ میں فرق ہے۔ سُنی خلفاء ثلاثہ کو جائز خلیفہ مانتے ہیں اور شیعہ ان کو خلیفہ برحق نہیں سمجھتے۔ مولف کتاب الفخری اُن کو خلیفۂ برحق کہتا ہے۔ لہذا وہ سُنی ہوا۔

۳۔ جامع التواریخ مولفہ رشید الدین فضل اللہ جو ۱۳۱۰ء میں لکھی گئی۔ اس میں صاف طور سے صریحاً درج ہے کہ وزیر ابن العلقمی خلیفہ کا وفادار خادم تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ بغداد اور خلافت بچ جائے۔ اس مورخ نے غداری کی بالکل تردید کی ہے۔

۴۔ تجزیۃ الامصار و تجزیۃ الاعصار یعنی تاریخ وصاف جو عبد اللہ ابن فضل اللہ نے ۱۳۲۸ء میں لکھی۔ اس میں ابن العلقمی کی غداری کا قیاس اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔

۵۔ تاریخ گزیدہ جو حمد اللہ بن ابی بکر بن احمد بن نصر المستوفی قزوینی نے ۷۳۰ھ ۱۳۲۹-۳۰ء میں لکھی یہ زیادہ تر جامع التواریخ سے منتخب کی گئی اس میں بھی ابن العلقمی کی وفاداری کا ذکر ہے اور اس کی غداری کی تردید کی ہے

۶۔ ظفر نامہ مؤلفہ حمد اللہ بن ابی بکر مؤلف تاریخ گزیدہ۔ اس میں بھی ابن العلقمی کی غداری کا ذکر نہیں ہے۔

۷۔ شیخ سعدی نے زوال خلافت پر ایک مرثیہ لکھا جو بہت مشہور ہے اور جس کا مطلع ہے:۔

آسماں را حق بود گر خون بگرید بر زمین بر زوالِ ملک مستعصم امیر المومنین

اس میں کہیں ابن العلقمی کی غداری کا ذکر نہیں ہے۔ شیخ سعدی نے وہ حالات بچشم خود دیکھے تھے۔

۸۔ نظام التواریخ مؤلفہ علامہ بیضاوی جو ۶۷۴ھ ۱۲۷۵-۶ء میں لکھی گئی۔

لیکن ہاں سازش ضرور تھی۔ ابن العلقمی نے بہت کوشش کی۔ ہلاکو خاں سے مصالحت کرانے کی۔ لیکن اس سازش کے زیر اثر اس نے ابن العلقمی کی نہ سُنی۔ سازش کرنے والے یورپ کے عیسائی اور پوپ تھے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو زک دینے کے لئے یہ ترکیب سوچی کہ تاتاریوں کو اُن کے پیچھے لگا دیا۔ یورپ والوں کے دلوں میں ہسپانیہ کی فتح کے دن سے مسلمانوں کی طرف سے ڈر پیدا ہو گیا تھا۔ جنگ ہائے صلیبی (۱۰۹۶-۱۲۳۵ء) میں جو عیسائیوں کو بار بار شکست ہوئی اور ان کی اپنی ہی حماقت ظاہر ہوئی۔ اس نے اس نفرت و تعصب میں بہت زیادتی کر دی اسی ہی زمانہ میں تاتاریوں نے یلغاریں شروع کر دیں۔ یورپ کے عیسائیوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے مغلوب کرنے کا یہ اچھا ذریعہ ہاتھ آیا۔ چنانچہ انہوں نے ان تاتاریوں سے نامہ و پیام شروع کر دیا اور اسلام کے خلاف سازش کر کے انہیں مسلمانوں کی یلغار پر آمادہ کیا۔ ان کے قاصدوں کے بیانات اور اُن کے وہ خطوط موجود ہیں جو انہوں نے تاتاری دربار میں اپنے سفیروں کے ہاتھ بھیجے۔ خلافت بغداد کی تباہی میں جو ان کی کامیابی ہوئی۔ اس سے یورپ کے عیسائیوں کی ہمت و جرأت بڑھ گئی اور خلافت کی بربادی کے بعد بھی یورپ والے اسی ہی کوشش میں لگے رہے۔ کیونکہ اگرچہ خلافت برباد ہو چکی تھی۔ لیکن یورپ میں عثمانی ترک آفت مچا رہے تھے۔ اب انہوں نے تیمور سے ساز باز کر کے اس کو یورپ کے ترکوں سے لڑوا دیا۔ جنگ انقرہ میں بایزید کو شکست فاش ہوئی اور وہ گرفتار ہو گیا۔ یہ ۱۴۰۲ء کا واقعہ ہے اگرچہ ترکوں نے پچاس برس بعد قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا اور یورپ میں کافی بڑی سلطنت پیدا کر لی۔ لیکن وہ جو فتوحات

کی رَو آ رہی تھی اس میں بایزید کی شکست سے بہت کمی ہو گئی اور یہ ظاہر ہے کہ ان دونوں سازشوں سے یورپ والوں نے اپنا یورپ بچا لیا۔ جب مسلمان مورخ یہ دیکھتا ہے کہ یورپ کو فتح کرنے کے کتنے موقعے مسلمانوں نے کھو دئے۔ یا اُن کے ہاتھ سے نکل گئے۔ تو مسلمانوں کی حماقت پر ضرور اس کو رنج ہوتا ہے۔

اب ہم ان دونوں سازشوں کا ثبوت یورپین مورخین ہی کی کتابوں سے دیتے ہیں۔ ہم یہاں ان کتابوں کے تین انتخابات نقل کرتے ہیں جن سے یہ دونوں سازشیں قطعی طور پر ثابت ہیں۔

EXTRACT No.—I.

SO FAR FROM SUCH ALLIANCE (BETWEEN MUSLIMS AND TARTARS) TAKING PLACE, HOWEVER, IT WAS NOT LONG BEFORE THE ECCLESIASTICAL AND TEMPORAL RULERS OF CHRISTENDOM CONCEIVED THE IDEA OF MAKING USE OF THE TARTARS TO CRUSH ISLAM, AND SO END IN THEIR FAVOUR ONCE AND FOR ALL THE SECULAR STRUGGLE OF WHICH THE CRUSADES WERE THE CHIEF MANIFESTATION. COMMUNICATIONS WERE OPENED UP BETWEEN WESTERN EUROPE AND THE REMOTE AND INHOSPITABLE TARTAR CAPITAL OF QARAQORUM; LETTERS AND ENVOYS BEGAN TO PASS TO AND FRO; AND DEVOTED FRIARS LIKE JOHN OF PIAN DE CARPINE AND WILLIAM OF RUBRUCK DID NOT SHRINK FROM BRAVING THE DANGERS AND HARDSHIPS OF THAT LONG AND DREARY ROAD, OR THE ARROGANCE AND EXACTIONS OF THE MONGOLS IN THE DISCHARGE OF THE MISSIONS CONFIDED TO THEM. THE FORMER, BEARING A LETTER FROM THE POPE DATED MARCH 9, "1245", RETURNED TO LYONS IN THE AUTUMN OF 1247 AFTER AN ABSENCE OF TWO YEARS AND A HALF, AND DELIVERED TO THE POPE THE WRITTEN ANSWER OF THE MONGOL EMPEROR KUYUK KHAN.

THE LATTER ACCOMPLISHED HIS JOURNEY IN THE YEARS 1253-5 AND SPENT ABOUT EIGHT MONTHS (JANUARY-

AUGUST, 1954) AT THE CAMP AND CAPITAL OF MANGU KHAN, BY WHOM HE WAS SEVERAL TIMES RECEIVED IN AUDIENCE. (A HISTORY OF PERSIAN LITERATURE UNDER TARTAR DOMINION BY EDWARD G. BROWN, P. 8. SEE ALSO A HISTORY OF PERSIA BY L.T. COL. P.M. SYKES. VOL: II CHAPT: LVI. P.P. 168 TO 173)

EXTRACT No:-2

HENRY III OF CASTILE, WAS NOTED FOR THE EMBASSIES WHICH HE DESPATCHED TO REMOTE PARTS OF THE WORLD, CHIEFLY IT IS TO BE SUPPOSED, WITH A VIEW TO FORMING ALLIANCES WHICH SHOULD ACT AS A CHECK ON THE OSMANLIS AND NEIGHBOURING MUSLIMS, BUT ALSO WITH THE PURPOSE OF EXTENDING THE FAME OF SPAIN AND OF GAINING KNOWLEDGE OF OTHER COUNTRIES.

WE LEARN THAT TWO OF HIS ENVOYS WERE PRESENT AT THE BATTLE OF ANQORA, AND THAT TAMERLANE DISMISSED THEM AFTER HIS VICTORY WITH AN AMBASSADOR OF HIS OWN, WHO CARRIED RICH PRESENTS OF JEWELS AND FAIR WOMEN TO THE KING OF CASTILE. IN CONTINUANCE OF THIS DIPLOMATIC INTERCOURSE RUY GONZLEZ. DI CLAVIJO WAS DESPATCHED TO THE COURT OF TAMERLANE ON A SECOND EMBASSY IN 1403. (SEE A HISTORY OF PERSIA BY LT. COL: P.M. SYKES, VOL. II CHAPT: LIX, P:210)

EXTRACT No:-3

MURAD I WAS FOLLOWED BY BAYEZID, OR BAJAZET, I (1389--1403), THE RAPID ADVANCE OF WHOSE CONQUESTS SPREAD THE GREATEST ALARM THROUGHOUT CENTRAL AND WESTERN EUROPE. THE OLD CRUSADING SPIRIT WAS AGAIN AWAKENED. THE WARRIORS OF HUNG RY, POLAND AND

سپرد کرنے کا ایسا مضمون ان کو ہاتھ لگا کہ اس پر انہوں نے نکتہ چینی کا ایک عظیم الشان قصر تیار کر لیا اور حضرت علی کی مخالفت کو اپنے دن کی گفتگو اور رات کی راز گوئیوں کا نشانہ بنا لیا۔ چونکہ جماعت منافقین اور جماعت منتظرین حکومت میں مخالفت علی جزو مشترک تھا۔ اور ایک کو دوسرے کی ضرورت بھی تھی لہٰذا یہ دونوں جماعتیں مل کر ایک ہو گئیں اور دونوں میں اتحاد عمل ہو گیا ایک جماعت کو تو کثرت سے قوت ملی اور دوسری جماعت نے خیال کیا کہ جناب رسول خدا کے سارے کام کو بگاڑنے کا اس سے بہتر اور موثر اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔ کہ ان کے قائم کردہ نظام کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں نہ جانے پائے جو اس کو جناب رسول خدا ہی کی سی قابلیت، اہلیت اور ملّیت کے ساتھ چلا کر اس کو مستقل و مستحکم کر دے۔ بلکہ اس کے حکمران وہ ہوں جو اس نظام ہی کو نہ سمجھیں اور ہر جگہ اپنی رائے کا پیوند لگاتے جائیں اور اس طرح اسلام مسخ ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی ساری کوشش اس سازش کو منظم کرنے میں کر دی جس کا اظہار سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا۔

غزوہ تبوک پر جاتے وقت جناب رسول خدا نے حضرت علی کو مدینہ میں چھوڑا۔ تو تمام مورخین جماعت اہل حکومت لکھتے ہیں کہ منافقین خوش ہو کر علی پر چشمک زنی کرنے لگے تو بات حدیث منزلت ہوئی۔ اس کا تذکرہ ہم باب ہشتم حصہ اول میں کر چکے ہیں۔ منافقین تو عرف عام میں ان کو کہتے تھے جو در اصل نبوت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ بظاہر منہ سے کہہ دیا تھا کہ ہم مسلمان ہیں ورنہ ان کو خدا کی وحدانیت کا بھی یقین نہ تھا۔ ان منافقین کو حضرت علی سے دشمنی کیوں ہو۔ معلوم ہوا کہ خدا کی وحدانیت، جناب رسول خدا کی رسالت اور علی کی خلافت میں ایک جزو مشترک تھا۔ اگر یہ اشتراک نہ تھا تو پھر منافقین علی کے عروج سے ناراض اور ان کے تنزل سے خوش نہ ہوتے واحدانیت کی تسلیم وابستہ تھی محمد مصطفٰے کی رسالت اور علی مرتضٰی کی خلافت سے اور یہ وابستگی اسی خدا کی قائم کی ہوئی تھی جس نے محمد کو اپنا رسول مقرر کر کے بھیجا تھا۔ لہٰذا وہ لوگ جو نہیں چاہتے تھے کہ علی خلیفہ ہوں منافق تھے منافقین اور جماعت امیدواران حکومت نہیں چاہتے تھے کہ علی خلیفہ ہوں لہٰذا دونوں میں اتحاد عمل ہونا ضروری تھا اور ہوا۔ واقعہ عقبہ بھی جس کا ذکر ہم حصہ اول میں کر چکے ہیں ظاہر کرتا ہے کہ منافقین و جماعت امیدواران حکومت دونوں مل کر شیر و شکر ہو گئے تھے جب ہی تو جناب رسول خدا نے حذیفہ کو ان کے نام ظاہر کرنے سے منع کر دیا تا کہ انکے اصحاب کی فضیحت نہ ہو اور آپ کے اوپر ان کو سزا دینی لازم نہ آ جائے۔ اگر عرف عام ہی کے منافقین ہوتے تو اس اخفا کی کیا ضرورت تھی۔ ان کو تو سب جانتے تھے۔ حضرت عمر کا اقبال بھی کہ میں منافقین میں سے ہوں اس بحث میں قابل غور ہے دیکھو صفحات ۲۲، لغایت ۲۹، البلاغ المبین حصہ اول طبع سوم

FRANCE COLLECTED TO ARREST THE MENACING PROGRESS OF THE BARBARIANS; BUT THE ALLIED ARMY, NUMBERING A HUNDRED THOUSAND MEN, WAS CUT TO PIECES BY THE SABERS OF THE TURKS ON THE FATAL FIELD OF NICOPOLIS, IN BULGARIA (1396) THOUSANDS OF THE KNIGHTS AND COMMON SOLDIERS WHO WERE MADE PRISONERS WERE BARBAROUSLY AND DELIB RATELY MASSACRED BY THEIR CAPTORS.

THE UNFORTUNATE ISSUE OF THIS TERRIBLE BATTLE THREW ALL THE WEST INTO A PANIC OF TERROR. BAYEZID VOWED THAT HIS HORSE "SHOULD EAT OATS ON THE HIGH ALTER OF SAINT PETER'S IN ROME." AND THERE SEEMED NO POWER IN CHRISTENDOM TO PREVENT THE SACRILEGE.

BEFORE PROCEEDING TO FULFILL HIS THREAT BAYEZID TURNED BACK TO CAPTURE CONSTANTINOPLE, WHICH HE BELIEVED IN THE PRESENT DESPONDENT STATE OF ITS INHABITANTS WOULD MAKE LITTLE OR NO RESISTANCE. THE CITY WAS INVESTED BY THE TURKISH HOSTS, AND THE FATE OF THE CAPITAL APPEARED TO BE "SEALED. IN VAIN DID THE GREEKS CALL UPON THE LATIN WARRIORS FOR AID. CHRISTENDOM WAS WEAK FROM LOSSES AT NICOPOLIS, AND BESIDES WAS PARALYZED WITH FEAR. BUT THOUGH NO SUCCOR CAME FROM THE CHRISTIAN WEST AID DID COME STRANGELY ENOUGH FROM THE MOHAMMADAN EAST.

(THE MIDDLE AGES BY PHILIP VAN NESS MYERS P.P. 278, 279)

انگریزی مورخ (MATTHEW PARIS) کے اس بیان کا ذکر کرتے ہوئے کہ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ تاتاری حملہ آور عیسائی مملکت کی حدوں تک آگئے ہیں تو انہوں نے عیسائیوں کو قطعی شکست دینے کے لئے تاتاریوں سے ملنا چاہا مسٹر براؤن لکھتے ہیں:-

ترجمہ اقتباس اوّل۔ مسلمان تو تاتاریوں کے ساتھ اتحاد نہ قائم کر سکے لیکن بہت جلد ہی دنیائے مسیحیت کے مذہبی اور ملکی حکمرانوں نے تدبیر سوچی کہ اسلام کو نیست و نابود کرنے اور اس طرح ہمیشہ کے لیے اس طویل کشمکش کو اپنے حق میں طے کرانے کے لئے کہ جس کا مظاہرہ جنگہائے صلیبی میں ہوا تھا۔ تاتاریوں کے ساتھ اتحاد پیدا کیا جاوے۔ لہذا مغربی یورپ اور تاتاریوں کے دور افتادہ ملک اور دارالسلطنت قراقرم میں خط وکتابت جاری ہو گئی اور خطوط اور سفیر آپس میں آنے جانے لگے۔ اور پرجوش مذہب کے نام پر اپنی جان پر کھیل جانے والے پادری مثل جان اور ولیم کے اس دور و دراز راستے کے خطرات اور سختیاں خوشی سے جھیلتے تھے۔ اور مغرور تاتاری بادشاہ کے متکبرانہ طرز عمل اور اس کی تندرائیوں کی فرمائشوں کو برداشت کرتے تھے اور ان کے پاس جا کر اپنے ان مقاصد کو پورا کرتے تھے جو ان کے سپرد ہوئے تھے۔ مقدم الذکر یعنی پادری جان پوپ کے پاس سے خطوط مورخہ $\frac{2}{1245}$ء شاہ تاتار کے پاس لایا تھا اور تاتاری دربار سے ڈھائی سال کے بعد ۱۲۴۷ء کے موسم خزاں میں شہر Lyons میں پہنچا اور ان خطوط کے تحریری جوابات تاتاری بادشاہ کیوک کی طرف سے پوپ کے پاس لایا۔ موخر الذکر یعنی ولیم نے ۱۲۵۳ء میں اپنا سفر ختم کیا۔ اور منگو خان کے دربار میں ۸ ماہ جنوری سے اگست ۱۲۵۴ء تک گزارے۔ منگو خان نے کئی دفعہ اسے اپنے دربار میں بلا کر معروضات کا موقع دیا۔

اب یہاں چند امور قابل غور ہیں۔ ہلاکو خان جس نے ۱۲۵۸ء میں خلافت بغداد کو ملیامیٹ کیا تھا۔ تاتاری بادشاہ منگو خان کا بھائی تھا۔ اور اس کا ہی بھیجا ہوا تھا۔ منگو خان کے دربار میں یورپ کے عیسائی بادشاہوں اور پوپ کا بھیجا ہوا پادری سفیر ولیم جنوری سے اگست ۱۲۵۴ء تک رہا۔ ۱۲۵۶ء میں ہلاکو خان حدود بغداد میں داخل ہوا۔ تاتاریوں کے تعلقات خط وکتابت عیسائی یورپ سے ۱۲۴۵ء سے جاری تھے۔ پادری سفیر جان خاص پوپ کا خط شاہ تاتار کے پاس لایا تھا اور اس کے دربار میں ۱۲۴۵ء سے ۱۲۴۷ء تک رہا۔ پوپ اور عیسائی یورپ کا منشاء اس خط وکتابت سے فقط یہ تھا کہ خلافت اسلامیہ کو برباد کر کے اور مسلمانوں کے مرکز کو ختم کر کے انہیں زک دی جائے اور اس طرح جنگ ہائے صلیبی کا بدلہ لیا جاوے عیسائیوں کا یہ مقصد اس ہی خط وکتابت پر ختم نہیں ہوا۔ بلکہ ڈیڑھ صد برس بعد تیمور کو کو بایزید سے بھی انہوں نے لڑا دیا۔ عثمانی ترکوں نے یورپ پر تاخت و تاراج شروع کر دی تھی اور مراد (۱۳۶۰-۸۵ء) اور بایزید (۱۳۸۹-۱۴۰۳ء) نے یورپ کا بہت بڑا مشرقی حصہ فتح کر لیا تھا۔ بایزید کی سرعت فتوحات نے عیسائیوں کو لرزہ براندام کر دیا۔ اس وقت

عیسائیوں کی کیا حالت تھی۔ اور بایزید سے کس طرح ڈرے ہوئے تھے۔ ترجمہ اقتباس نمبر ۲ سے ظاہر ہوگا۔

سپین میں castile کا بادشاہ مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا۔ اس کے خاندان نے سپین کا بہت بڑا حصہ فتح کرلیا۔ اور اس کے ایک جانشین نے ملکہ اراگون سے مل کر ۱۴۹۸ء میں مسلمانوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ نکال دیا۔ ہنری شاہ کیسٹیل نے جب بایزید کی فتوحات اور ترکوں کے جارحانہ اقدام کو ملاحظہ کیا۔ تو اس نے ترکیب سوچی کہ تیمور کو بایزید سے لڑا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے قاصد بھیجے اور کامیاب ہوگیا۔ اس کے قاصد برابر تیمور کے لشکر میں رہے۔ جب تک کہ بایزید کو شکست نہ ہوگئی۔ یہ اقتباس نمبر ۳ سے ظاہر ہے۔

ترجمہ اقتباس دوم۔ مراد اول کے بعد بایزید (۱۳۸۹-۱۴۰۲ء) تخت نشین ہوا۔ اس کی سرعت فتوحات نے تمام وسطی اور مغربی یورپ میں بہت خوف پھیلا دیا۔ اب یورپ میں پرانی جنگ صلیبی کی روح تازہ ہوگئی۔ ہنگری۔ پولینڈ اور فرانس کے جنگجو اور نبرد آزما سپاہی اکٹھے ہوئے تاکہ ترکوں کی خوفناک رفتار کو روکا جائے لیکن یہ اتحادی فوج جو دس لاکھ سے زائد تھی ایک ایک کر کے نکوپولس (Nicopolis) کے میدان میں ترکوں کے خنجر دل نے ٹکڑے ٹکڑے کر دی (۱۳۹۶ء) ہزاروں افسران اور معمولی سپاہی قید ہوگئے۔ جن کو ترکوں نے عمداً قتل کر ڈالا۔

اس خوفناک جنگ کے اس دردانگیز نتیجہ نے تمام مغرب کو خوف سے لرزہ براندام کر دیا بایزید نے قسم کھائی کہ اس کا گھوڑا سینٹ پیٹر گرجا میں روم میں دوب کھائے گا اور اب دنیائے مسیحیت میں کوئی طاقت نہ تھی۔ جو اس قسم کو پورا ہونے سے روک سکتی۔ اپنی دھمکی کو عمل میں لانے سے پہلے بایزید قسطنطنیہ کی فتح کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کو یقین تھا کہ موجودہ ہراس و ناامیدی کی حالت میں اس کے باشندگان کچھ مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ شہر کے ترکوں نے محاصرہ کر لیا۔ اور اس کا فتح ہو جانا یقینی ہوگیا۔ قسطنطنیہ کے یونانیوں نے اپنے لاطینی عیسائی بھائیوں سے مدد چاہی۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ جنگ نکوپولس کی شکست سے دنیائے مسیحیت کمزور ہو چکی تھی۔ اور اس کے علاوہ دلوں میں خوف و ہراس بھی بھر گیا تھا۔ اگرچہ عیسائی مغرب سے کوئی کمک نہ آئی۔ لیکن یہ بوالعجبی دیکھو کہ وہ کمک مسلم مشرق سے آئی۔

ترجمہ اقتباس سوم ہنری شاہ کسٹیل اپنے سفیروں کو دنیا کے دور و دراز ممالک میں بھیجتے ہیں

مشہور ہے۔ ان سفیروں کے بھیجنے کا خاص مقصد تو یہ تھا کہ عثمانی ترکوں اور دیگر ہمسایہ مسلمانی سلطنتوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم ہو جاتے۔ جس سے ان مسلمانوں کی طاقت ٹوٹ جائے۔ ایک ضمنی منشاء یہ بھی تھا۔ کہ سپین کی شہرت بڑھے اور دیگر ملکوں کا علم حاصل ہو۔

ہنری کے سفیروں میں سے دو سفیر تیمور کی فوج میں جنگ انقرہ کے وقت موجود تھے تیمور نے ان کو اپنی فتح کے بعد اپنے ایک سفیر کے ہمراہ واپس بھیجا اور اس سفیر کے ہاتھ زر و جواہرات کے تحائف اور خوبصورت عورتیں بطور نذرانہ شاہ کیسٹیل کے پاس بھیجے اس ہی سیاسی سفارت کے سلسلہ میں گونزدے کلاویجو تیمور کے دربار میں سفارت ثانی کے موقعہ پر ۱۴۰۳ء میں بھیجا گیا تھا۔

مسلمانوں کی حماقت اور یورپ والوں کی عیاری ملاحظہ کی۔ مسلمانوں کا یورپ کے جال میں پھنس جانا کوئی آج کی بات نہیں ہے۔ یہ بہت پرانا قصہ ہے۔ جس طرح مسلمانوں نے اپنی بہادری سے دنیا کو حیران و ششدر کر دیا۔ اسی طرح اپنی حماقت اور زر و جاہت پرستی سے دُنیا کو اپنے اوپر ہنسایا ہے۔ تیمور بھی مسلمان۔ بایزید بھی مسلمان۔ ایک ہی فرقہ کے مسلمان اور قوم بھی تقریباً ایک ہی۔ دونوں ہی در اصل تُرک تھے۔ وجہ مخاصمت بھی کوئی نہ تھی۔ پھر بھی فقط عیسائیوں کے کہنے سے کیسے نازک وقت میں تیمور نے بایزید پر پیچھے سے حملہ کیا ہے۔ اگر ان لوگوں میں دُنیا پرستی اور جاہ طلبی نہ ہوتی اور ذرا بھی مذہب کا خیال اور خدا کا ڈر ہوتا تو تیمور اس وقت بایزید پر حملہ نہ کرتا۔ اسلام کو کتنا نقصان پہنچا ہے۔ بایزید ایسی جرأت و ہمت والا شخص تھا کہ قسطنطنیہ کو فتح کر کے فوراً روم پر حملہ کر دیتا۔ اور پھر یورپ سے عیسائیت یک قلم حرفِ غلط کی طرح محو ہو جاتی اور دُنیا کی تاریخ کا رُخ بدل جاتا۔ در اصل قسطنطنیہ پر حملہ کرنا روم ہی پر حملہ کی ابتدا تھی۔ بایزید نے اپنے پیچھے یہ عیسائی محفوظ قلعہ نہ چھوڑنا چاہا۔ اس کو فتح کر کے آگے بڑھتا۔ لیکن تیمور کی آمد کی خبر سے مجبور ہو کر اس نے محاصرہ اٹھا لیا اور ۱۴۰۲ء میں انقرہ کے میدان پر پھر مسلمانوں نے اسلام کے دامن پر ایک نہایت بدنما دھبہ لگایا۔ تیمور نے عیسائیوں کے سفیروں کو اپنے ساتھ رکھا اور جب عیسائیوں کے جانی دشمن بایزید کو شکست ہو گئی تو تیمور نے ان سفیروں کو اس خوشخبری اور نذر و تحائف کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ اقتباس سوم سے اس سازش کا حال اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔

تیمور کا ذکر تو یورپ کی عیاری اور پشتینی سازش و چال بازیوں کے سلسلہ میں آگیا۔ ورنہ

ہمارا مقصد تو پہلے ہی اقتباس سے پورا ہو گیا۔ غرض کہ ہم نے اچھی طرح ثابت کر دیا۔ کہ ابن العلقمی کی کوئی سازش نہ تھی۔ وہ تو ایک وفادار کارکن تھا۔ لوگوں نے حسد کی وجہ سے اس کا نام لگا دیا۔

بات کہاں سے کہاں چلی گئی۔ ہم کہہ رہے تھے کہ فتوحات IMPERIALISM سے فاتح قوم کا فائدہ نہیں ہوتا۔ تیمور بلکہ تاتاریوں کی مثال اس امر کی وضاحت و ثبوت کے لئے ایک مزید دلیل ہے تیمور کے بعد ہی اس کی سلطنت برباد ہو گئی۔ اس کی فتوحات سے اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا۔ اتنی بڑی سلطنت جو اس نے فتح کر لی تھی اس کو قائم رکھنا ناممکن تھا۔ لوگوں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے نفرت جاگزیں ہو گئی اور مسلمانوں کی بربریت اور حماقت نے اسلام کے دامن پر بدنما دھبہ لگا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ خود منگولیا وغیرہ میں بجائے اسلام کے ایک دور افتادہ اور کمزور دقیانوسی مذہب پھیل گیا یعنی بدھ مذہب۔

عیسائیوں کا اتفاق تو دیکھا۔ اب مسلمانوں کی خود غرضی پر بھی غور کرو۔ صلاح الدین ایوبی تن تنہا یورپ کے عیسائیوں سے لڑتا رہا۔ خلافتِ بغداد نے باوجود اس کی درخواست کے اس کی مدد نہ کی۔ اس خود غرضی کا نتیجہ وہ ہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔

یہ ثابت کرنے کے بعد کہ اپنے ملک کی ترقی و بہبودی کی طرف سے توجہ ہٹا کر بیرونی فتوحات شروع کر دینا تنزل ملکی کا پہلا درجہ ہے۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خلافتِ اسلامیہ کی فتوحات نے کیا خرابیاں پیدا کیں۔ اس بحث کے لئے مندرجہ ذیل امور غور طلب ہیں:۔

۱۔ حکام سقیفہ کی اس لشکر کشی کی غرض و غایت کیا تھی۔

۲۔ کیا یہ لشکر کشی بانئے مذہب کے منشاء کے مطابق تھی یا اس کے خلاف۔

۳۔ کیا صحیح اسلام اعتقاداً اور عملاً لوگوں کے اندر راسخ ہو گیا تھا اور صحیح تاویل قرآن کو اس طرح انہوں نے ذہن نشین کر لیا تھا۔ کہ فتوحات ملکی کے جو دو نہایت خطرناک نتائج تھے یعنی (۱) دولت اور ثروت اور (ب) غیر مذاہب و ملحدانہ تخیل سے تصادم ان کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ ہو سکتا تھا۔

۴۔ کیا فتوحات ملکی عروج مذہب کی علامت ہیں۔

۵۔ کیا بطور امر واقعہ اسلامی سلطنت کی وسعت و عروج کے زمانہ میں مذہب اسلام کو بھی عروج حاصل تھا۔

۶۔ مفتوحہ ممالک میں عرب کس قسم کا اسلام لے کر گئے۔

خلافتِ اسلامیہ کی فتوحات کے بُرے نتائج

۷۔ مفتوحہ ممالک میں کون سا عنصر غالب ہو کر رہا۔ فاتح قوم کا مذہب و تمدن یا مفتوحہ قوم کا تخیل و تہذیب۔

۸۔ کیا ان فتوحات سے دنیاوی وجاہت ظاہری و ثروت کے علاوہ کوئی دائمی فائدہ مذہب و تمدن کو ہوا۔

۹۔ ان فتوحات کا اثر فاتح قوم کے مذہب و تہذیب پر کیسا ہوا۔

اسباب لشکر کشی

اسباب لشکر کشی:۔ صاحبانِ غور و فکر جن کے زیر نظر تاریخ عالم کا مطالعہ رہا ہے واقعاتِ سقیفہ کو معلوم کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہو جائیں گے۔ کہ حکومت حاصل کرنے کے بعد کارپردازانِ حکومتِ سقیفہ کے لئے اور کوئی چارہ کار ہی باقی نہ رہا تھا۔ سوائے اس کے کہ عربوں کو باہر بھیج کر انہیں واقعاتِ سقیفہ پر غور کرنے کا موقع ہی نہ دیں اور اس طرح اپنے تئیں ان کی نکتہ چینی سے بچائیں۔ جس سرعتِ رفتار کے ساتھ سقیفہ کے واقعات نے حرکت کی تھی اس نے کسی کے لئے یہ موقعہ نہ چھوڑا کہ رحلتِ رسول کے بعد وہ غور کرے کہ اب کیا کریں اور کیونکر کریں۔ حضرت عمر نے نہایت تیزی کے ساتھ کر کے دکھا دیا کہ یہ کریں اور لوگ مجبور ہو گئے۔ حضرت عمر نے اس تیزی کے ساتھ واقعات کو حرکت دی کہ اس وقت کے لئے سب مبہوت ہو گئے۔ جب وہ حالت گزر گئی تو پھر لوگوں کی آنکھیں کھلنے لگیں کوئی کہنے لگا کہ بنی تیم و بنی عدی کس طرح خلافت کے وارث ہو سکتے ہیں۔ کسی نے کہا۔ کہ بنو امیہ و بنو ہاشم کہاں چلے گئے تھے۔ اور سب کے لئے یہ سوچنا کہ دراصل یہ خلافت کس کا حق ہو سکتا ہے بالکل فطری امر تھا۔ ابو سفیان بھی کچھ ایسی باتیں ہی کہتا پھرتا تھا جو حکام کے لئے خوش گوار نہ تھیں۔ حکومت کے لئے سب سے زیادہ مشکل یہ پیدا ہو گئی کہ انصار نے فوراً ہی معلوم کر لیا کہ ہمیں دھوکہ دیا گیا اور ہمارے چند غداروں نے ہم سے فعل ناحق کرا دیا۔ اب مہاجر و انصار کے دو کیمپ نہایت ہی خطرناک بن گئے۔ اس موقعہ پر ہمیں واقعات کو مڑ کر دیکھنا ہوگا۔ وہ مخبر جس نے حضرت عمر کو انصار کی خبر لا کر دی تھی۔ معن بن عدی انصار قبیلہ اوس سے تھا۔ (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید الجزء الثانی صفحہ ۳) راستہ میں سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف جاتے ہوئے جو دو اشخاص حضرت عمر و ابو بکر و ابو عبیدہ بن الجراح کو ملے وہ عویم بن ساعدہ اور عاصم بن عدی برادر معن بن عدی تھے اور یہ دونو قبیلہ اوس سے تھے۔ علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ عویم بن ساعدہ اور معن بن عدی نے حضرات شیخین کو ان کے کام میں بہت مدد دی۔ اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ان دونوں کو زمانہ آنحضرت ہی سے حضرت ابو بکر سے بہت محبت تھی اور اس کے ساتھ ہی سعد بن عبادہ

سقیفہ کے بعد انصار کی ندامت اور حکومت کی مشکلات

کا حسد اُن کے دل میں بھرا ہوا تھا۔ جب انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں سعد کو لائے کہ ان کی بیعت کریں تو عویم بن ساعدہ کھڑے ہوئے اور انصار کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ یہ حق قریش کا ہے۔ اور قریش میں حضرت ابوبکر اس کے مستحق ہیں۔ کیونکہ ان کو آنحضرت نے نماز کے لئے کھڑا کیا تھا۔ یہ سُن کر انصار نے اس کو نکال دیا۔ اور وہ دوڑتا ہوا آیا۔ اور راستہ میں ابوبکر و عمر سے ملا۔ دیکھو شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید الجزء الثانی صفحہ ۷۸۔ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت ہو گئی تو لوگ مسجد رسول کی طرف آئے اور شام کو انصار و مہاجرین جمع ہوئے اور آپس میں لڑنے لگے۔ اس وقت عبدالرحمٰن ابن عوف نے انصار کو مخاطب کر کے کہا کہ اے معشر انصار اگرچہ تم صاحب فضیلت ہو۔ لیکن تم میں کوئی ابوبکر، عمر، علی، ابو عبیدہ بن الجراح کے برابر فضیلت میں نہیں ہے (ناظرین غور کریں۔ یہاں عثمان کا نام نہیں۔ لیکن شوریٰ میں ان ہی عبدالرحمٰن ابن عوف نے عثمان کو علی پر ترجیح دی) زید بن ارقم نے جواب میں اپنے بہت سے اشخاص صاحبان فضیلت کا ذکر کیا اور کہا کہ انا لنعلم ان ممن سمیت من قریش من لو طلب ھذا الامر لم ینازعہ فیہ احد علی ابن ابی طالب یعنی قریش میں سے جن کا نام تم نے لیا ہے اگر علی ابن ابی طالب حکومت کو طلب کرتے۔ تو کوئی علی کی تردید نہ کرتا۔ دیکھو شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی صفحہ ۷۸ دیکھئے حق کس طرح آشکارا ہو جاتا ہے۔ یہ وہی بات ہے جو ہم ابھی کہہ رہے تھے۔ کہ اگر حضرات شیخین کی جماعت حضرت علی کی مخالفت نہ کرتی تو انصار علی کی خلافت سے راضی تھے اور سعد ابن عبادہ کو اپنی طرف سے کھڑا نہ کرتے۔ آگے چل کر ابن ابی الحدید کہتے ہیں جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

"محمد بن اسحاق سے زبیر بن بکار نے روایت کی ہے کہ جب ابوبکر کی بیعت ہوئی تو بنو تیم فخر کرنے لگے اور بڑے بڑے انصار کو مطلقاً اس بات میں شک نہ تھا کہ جناب رسول خدا کے بعد علی والئے حکومت ہیں" شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی صفحہ ۸۔

آگے چلئے۔ علامہ ابن ابی الحدید نے چہرۂ سقیفہ سے اچھی طرح نقاب اٹھائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

"ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہو گئی اور ان کا کام قرار پکڑ گیا۔ تو انصار میں سے ایک اکثریت ابوبکر کی بیعت کرنے پر نادم ہوئی اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور علی ابن ابی طالب کا خیال آیا کہ یہ تو ان کا حق تھا اور اُن کے فضائل کا ذکر کرنے لگے۔ اور اس کا افسوس کیا کہ علی اس وقت وہاں کیوں نہ موجود ہوئے۔ مہاجرین کو انصار کے اس طرز عمل سے غصّہ آیا اور بات بڑھ

گئی۔ سب سے زیادہ قریش میں سے چند آدمی انصار کے خلاف تھے مثلاً سہیل بن عمرو۔ حرث بن ہشام۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے جناب رسول خدا کے خلاف جنگ کی تھی اور پھر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اور یہ سب وہ تھے جن کو انصار سے اذیت پہنچی تھی۔ سہیل بن عمرو کو جنگ بدر میں مالک بن دخشم نے قیدی بنایا تھا۔ حرث بن ہشام کو جنگ بدر میں عروۃ بن عمرو نے مجروح کیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل کے باپ کو عفرہ کے دونوں بیٹوں نے قتل کیا تھا۔ زیاد بن لبید نے اس کی زرہ اتاری تھی۔ ان لوگوں کے دلوں میں ان باتوں کا کینہ و بغض تھا۔ پس جب انصار علیحدہ ہو گئے۔ تو قریش جمع ہوئے۔ پس سہیل بن عمرو کھڑا ہوا اور کہا کہ اے قریش بتحقیق خدا نے ان لوگوں کا نام انصار رکھا ہے اور قرآن میں ان کی تعریف ہے۔ اس وجہ سے ان کو بہت فضیلت حاصل ہے اور ان کی قدر و منزلت ہم پر غالب ہے۔ اس بزرگی سے فائدہ اٹھا کر یہ لوگوں کو اپنی طرف اور علی ابن ابی طالب کی مدد پر ابھارتے ہیں۔ لہٰذا اب تم ان کو ابوبکر کی تجدید بیعت کی دعوت دو۔ اگر وہ مان لیں تو خیر ورنہ ان سے جنگ کرو۔ پھر حرث بن ہشام کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔ ہمارے اور انصار کے درمیان میں صرف تلوار ہی سے فیصلہ ہوگا۔۔۔۔۔۔ پھر عکرمہ بن ابی جہل کھڑا ہوا اور اس نے بھی یہی کہا کہ انصار سے عذر کرو۔ اور اگر نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو۔

شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید الجزء الثانی۔ صفحہ ۹، ۱۰۔

یہ عبارت بہت غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ اب تو ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ کیوں حضرت عمر نے بوقت تجویز شوریٰ کہا تھا کہ خلافت میں انصار کا حق نہیں ہے۔ دراصل یہ جماعت مہاجرین ہی تفرقۂ اسلام کی باعث ہوئی

آگے چل کر علامہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں۔ کہ جب انصار نے مہاجرین کی یہ باتیں سنیں۔ تو انہیں بہت برا لگا۔ اور انصار کے شعراء نے مہاجرین کی ہجو کی۔ اور مہاجرین کے شعراء نے اس ہجو کا جواب ہجو میں دیا اور عداوت بڑھتی گئی۔ پھر علامہ مذکور لکھتے ہیں کہ زبیر سے مروی ہے کہ جب لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی تو قریش نے معن بن عدی اور عویم بن ساعدہ پر بہت مہربانیاں کیں اور ان کو بزرگی دی۔ پس انصار نے ان دونوں کے لئے ایک مجلس قائم کی اور ان دونوں کو بھی بلایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو انصار نے ان پر بہت لعن طعن کی۔ مہاجرین کی طرف ٹوٹ کر چلے جانے پر بہت ملامت کی اور ان کے اس فعل کو بہت ہی معیوب سمجھا۔ دیکھو شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی۔ صفحہ ۱۰۔

اب باقاعدہ فرقہ بندی شروع ہو گئی۔ مہاجرین میں سے جو حضرت ابوبکر کے دوست تھے وہ جھگڑے دیتے تھے۔ اور انصار کو برا بھلا کہتے تھے۔ انصار اس کا جواب دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر کی طرف سے اُن کے بڑے حامی خالد ابن ولید تھے۔ جو حضرت علی کے دشمن قدیم تھے۔ قال الزبیر کان خالد بن الولید شیعۃ لابی بکر و من المنحرفین عن علی۔ یعنی زبیر کہتے ہیں کہ خالد بن ولید حضرت ابوبکر کے دوست تھے اور حضرت علی کے دشمنوں میں سے تھے۔ یہ انصار کی حب علی کی وجہ سے بہت مذمت کرتے تھے۔

شرح نہج البلاغۃ۔ الجزء الثانی صفحہ ۹۔

عمرو بن العاص کو اچھا موقعہ مل گیا۔ اس نے انصار و مہاجرین میں بہت تفریق کرائی۔ ایک دن مہاجرین کے کہنے سے عمرو بن العاص لوگوں میں لکچر دینے لگا۔ جس میں اس نے انصار کو بہت برا بھلا کہا۔ پھر اتفاقاً اس کی نظر فضل بن العباس پر پڑ گئی تو نادم ہوا۔ کیونکہ انصار اور اولاد عبد المطلب کے درمیان بڑی دوستی تھی۔ اور انصار علی کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اور اُن کی فضیلت کے مقر تھے۔ فضل بن العباس نے یہ واقعہ حضرت علی سے بیان کیا تو آپ بہت غضبناک ہوئے۔ اور عمرو بن العاص کو برا کہا اور فرمایا کہ اس نے خدا اور رسول کو ایذا دی۔ پھر آپ مسجد میں آئے اور وہاں غصّہ کی حالت میں خطبہ ادا کیا۔

(شرح نہج البلاغۃ الجزء الثانی صفحہ ۱۴)

حکومت کے لئے یہ بڑی خطرناک صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ اب یہ بحث شروع ہو گئی تھی۔ کہ خلافت کس کا حق تھا اور کس طرف وہ چلی گئی۔ اس کو فرو کرنا ضروری تھا۔ کارپردازانِ حکومت عربوں کی فطرت سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کو دو چیزیں نہایت مرغوب ہیں۔ لڑائی کرنا اور مالِ غنیمت لوٹنا۔ لہٰذا اس مشکل کا حل اس طرح کیا گیا۔ کہ ان کو مدینہ سے باہر لڑائی پر بھیج دیا۔ جہاں ان کو ان کی یہ دونوں مرغوب چیزیں مل گئیں۔ پہلے مانعین زکوٰۃ سے لڑائی کا بہانہ ڈھونڈا۔ وہ جنگ تو جلدی سے ختم ہونی ہی تھی۔ ابھی فاتح لشکر کو مدینے آنے بھی نہ دیا۔ اُدھر سے حکم بھیج دیا کہ روم و ایران کی لڑائیوں پر جاؤ۔ اب وہ مشغول بھی رہیں گے اور مالِ غنیمت ان کا مُنہ بھی بند کر دے گی۔ یہ فوج کشی نہ اسلام کی محبت کی وجہ سے ہوئی نہ اسلام کو اس سے فائدہ ہوا۔ ان لوگوں کے دلوں میں مالِ غنیمت کی کتنی محبت تھی ہم مولوی شبلی کی زبانی بتاتے ہیں۔

سب سے بڑی مشکل یہ تھی۔ کہ مالِ غنیمت کے ساتھ لوگوں کو اس قدر شغف تھا۔ کہ لڑائیوں کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا۔ اس کی اصلاح میں نہایت تدریج سے کام

مالِ غنیمت سے عشق

لینا پڑا۔ جاہلیت میں تو غنیمت محبوب ترین چیز سمجھتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا۔

رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ و ھو یبتغی عرضا من اعراض الدنیا فقال النبی لا اجرلہ فاعظم ذالک الناس وقالوا للرجل عدلہ سول اللہ فلعلک لم تفہمہ
(ابوداؤد جلد ا صفحہ ۳۴۸)

ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے آپ نے فرمایا اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ یہ امر لوگوں کو عجیب معلوم ہوا اور لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ پھر جا کر پوچھو غالباً تم نے آنحضرت صلعم کا مطلب نہیں سمجھا۔

بار بار لوگ دریافت کرنے کے لئے بھیجتے تھے اور ان کو یقین نہیں آتا تھا۔ کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسا فرمایا ہو گا۔ بالآخر جب آپ نے تیسری دفعہ یہی فرمایا کہ لا اجرلہ یعنی اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ تب لوگوں کو یقین آیا۔

ایک دفعہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ان میں سے ایک صاحب صف سے آگے نکلے۔ قبیلہ والے روتے ہوئے آئے۔ انہوں نے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو تو بچ جاؤ گے۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور حملے سے بچ گئے۔ اس پر ساتھیوں نے ان کو ملامت کی کہ تم نے ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کر دیا۔ ابوداؤد میں صحابی کا قول ان الفاظ میں مذکور ہے:۔

فلامنی اصحابی وقالوا احرمتنا الغنیمۃ۔ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۴۵ یعنی مجھ کو میرے ساتھیوں نے ملامت کی کہ تم نے ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کر دیا۔ جب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر ان کی شکایت کی تو آپ نے ان کی تحسین کی اور فرمایا کہ تم کو ایک ایک آدمی (جو چھوڑ دیئے گئے) کے بدلہ اتنا اتنا ثواب ملے گا۔ (ابوداؤد) ....

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوہ حنین میں جو ۸ھ میں واقع ہوا تھا۔ اس وجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے صحیح بخاری غزوہ حنین کے ذکر میں ہے۔

فاقبل المسلمون علی الغنا ئم و استقبلونا بالسہام: یعنی بس مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافروں نے ہم کو تیروں پر رکھ لیا.........

ابوداؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پر

اس امر واقعہ کا صریح ذکر کہ جماعت امیدواران حکومت نے جماعت منافقین کو حضرت علی کی مخالفت کے لئے اپنے ساتھ ملا لیا آپ کسی بڑی اسلامی تاریخ کی کتاب میں نہیں پائیں گے۔ کیونکہ بقول مولوی شبلی :۔" وہ تمام بڑی بڑی تصنیفیں جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے سُنیوں ہی کی تصنیفیں ہیں" المامون حصہ اوّل صفحہ ۶۱۔ لیکن حق چھپانے سے نہیں چھپتا۔ خود واقعات وحالات اس کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ غور تو کیجئے کیا وجہ تھی کہ جناب رسول خدا کی حیات میں جماعت منافقین کا نام بار بار سُننے میں آتا ہے اور بہت شد و مد کے ساتھ انکے افعال واقوال پر سے پردہ اٹھایا جاتا ہے وہ اتنی کثرت وقوت والے تھے کہ ان کا ذکر قرآن شریف میں بھی آ گیا۔ آخری آیت جو قرآن شریف کی ہے اس تک میں ان کی طرف اشارہ ہے وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ" من الناس" کا لفظ آیا ہے۔ یا تو اس کے معنی یہ لو کہ صحابہ کی اکثریت ہی اس رنگ میں رنگی گئی تھی۔ اکثریت کی وجہ سے لفظ " ناس" کہا گیا۔ یا یہ کہو کہ یہ منافقین ہی کی طرف اشارہ ہے۔ بہر صورت اس بحث میں ہمارا مقصد دونوں تاویلوں سے پورا ہوتا ہے یہ کیا ہوا کہ جناب رسول خدا کی آنکھ بند ہوتے ہی جماعت منافقین یک لخت صفحہ ہستی سے اُٹھ گئے ان کا ذکر ہی نہیں آتا بلکہ ان کی موجودگی پر مفروضہ حدیث نجوم سے پردہ ڈالا جاتا ہے سارے صحابی ہدایت کے ستارے ہیں جس سے جی چاہے ہدایت حاصل کر لو۔ یہ ظاہر کہ وہ جماعت غائب یا مفقود نہیں ہوئی بلکہ یہ بزرگوار بتاتے ہیں کہ جناب رسول خدا کے زمانہ سے بھی زیادہ منافقین کی شرارت ان کے بعد بڑھ گئی۔ کیونکہ جناب رسول خدا کی حیات میں وہ اپنے منافقانہ جذبات کو چھپاتے تھے اور اب علانیہ ظاہر کرتے ہیں۔

عن حذیفہ بن الیمان قال ان المنافقین الیوم شر منھم علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا یومئذٍ یسرون والیوم یجھرون۔	یعنی حذیفہ بن الیمان جن کو منافقین کا علم کہتے ہیں کہ آج کے دن کے منافقین بہت زیادہ خطرناک اور بدی والے ہیں بہ نسبت زمانہ رسول اللہ کے منافقین کے کیونکہ اس وقت تو وہ اپنی باتوں اور اپنی کرتوت کو چھپاتے تھے اور آج علانیہ وہ باتیں اور افعال کرتے ہیں۔

صحیح بخاری :۔ الجزء الرابع باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافہ صفحہ ۱۵۳
ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری الجزء الثالث عشر صفحہ ۶۲

سارا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اتنی جرأت و دلیری منافقین میں کیوں آگئی کہ وہ کُھلم کُھلا اپنے منافقانہ جذبات و افعال و اقوال ظاہر کر رہے ہیں اور کوئی کچھ نہیں کہتا۔ آزادی کے ساتھ سر بازار اپنی عداوت کا اظہار کرتے پھرتے ہیں اور محفوظ ہیں۔ ڈر کا ہے کا جب سیّاں بھئے کوتوال۔ ان منافقین کی اپنی

گئے اور غایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی۔ اتفاق سے بکریوں کا ریوڑ نظر آیا۔ سب ٹوٹ پڑے اور بکریاں لوٹ لیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہوئی آپ موقعہ پر تشریف لائے تو گوشت پک رہا تھا۔ اور ہانڈیاں اُبالی جا رہی تھیں۔ آپ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ آپ نے اس سے ہانڈیاں الٹ دیں اور سارا گوشت خاک میں مل گیا۔ پھر فرمایا۔ لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے۔

(سیرۃ النبی جلد اول حصہ اول تقطیع کلاں صفحہ ۴۴۴ و ۴۴۵ و ۴۴۶ و ۴۴۷)۔

وہ لوگ جو ادعا کرتے ہیں کہ اسلام نے یک لخت عرب کی ساری فطرت ہی بدل کر انسان کو ایسا بنا دیا کہ ان میں سے ہر ایک آسمانِ ہدایت کا ستارہ بن گیا۔ اس عبارت کو غور سے پڑھیں، غزوہ حنین آنحضرتؐ کا آخری غزوہ تھا۔ جنگ احد میں سبق بھی مل گیا۔ تب بھی غنیمت کی محبت نہ ان لوگوں کے دل سے گئی۔ خواہ مخواہ غیروں کا مال ہی لوٹ لیتے ہیں۔ آنحضرتؐ کو سب ہانڈیاں الٹنی پڑیں۔ اسلام کی محبت کا حال تو معلوم ہو گیا۔ عرصہ تک پچھتاوا رہا کہ غنیمت ہاتھ سے نکل گئی اور اس صحابی کو جس نے دشمن کو مسلمان بنا دیا تھا ملامت ہی کرتے رہے۔ خالد ابن ولید کا قصہ آپ سُن ہی چکے ہیں۔ جناب رسولِ خدا نے ان کو بنو جذیمہ کی طرف محض تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا اور خاص طور سے ہدایت کر دی کہ لڑنا نہیں بنو جذیمہ مسلمان ہو گئے۔ ایمان لے آئے۔ کلمہ پڑھنے لگے۔ لیکن مالِ غنیمت کے لالچ میں حضرت خالد نے ان کو قتل کرا دیا۔ اور مال غنیمت لوٹ لیا۔ جب وہ واپس آئے تو جناب رسولِ خدا ان پر بہت ناراض ہوئے۔ تین دفعہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ اے خدا خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بری ہوں دیکھو تاریخ طبری الجزء الثالث صفحہ ۱۲۴، سیرۃ النبی مولوی شبلی حصہ اول جلد اول تقطیع کلاں صفحہ ۳۸۴۔ اور کتاب ہذا صفحہ ۳۰۹-۳۱۰ ان ہی خالد بن ولید کا تذکرہ ہم ابھی کر چکے ہیں کہ کس طرح باوجود مسلمان ہونے کے انہوں نے مالک بن نویرہ کو محض اس کی عورت کی خاطر قتل کیا اور اس کے مسلمان ہونے کا خیال نہ کیا۔ دیکھو صفحات ۳۶۶ لغایت ۳۷۶ کتاب ہذا۔ اور یہ ہی خالد بن ولید حضرت ابو بکر کے حکم سے ملک عراق و شام کو فتح کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ جیسی اسلام کی محبت یہ اپنے دل میں لے کر گئے ہوں گے وہ ان دونوں واقعات سے اچھی طرح عیاں ہے۔ اور جو ان کی غرض و غایت تھی۔ وہ بھی ظاہر ہے۔

اسلام کا کلیہ ہے۔ الاعمال بالنیات۔ حکومتِ صدرِ اول کے جہاد کی غرض و غایت یہ تھی کہ:

(۱) حکام سقیفہ لوگوں کی نکتہ چینی سے محفوظ رہیں۔

(۲) وہ لوگ بنو ہاشم سے نہ ملنے پائیں۔

(۳) حکام سقیفہ لوگوں کی نظروں میں ہر دلعزیز ہو جائیں۔

(۴) مالِ غنیمت سے لوگوں کا منہ بند کر دیں اور دلوں پر مہر لگا دیں تاکہ ان کی سلطنت محفوظ و مستحکم ہو جائے۔

جناب رسولِ خداؐ اور حکام سقیفہ کے جہادوں میں فرق

حکام سقیفہ کے اس طرزِ عمل نے دشمنوں کو موقعہ دیا کہ وہ اسلام و بانئے اسلام پر نکتہ چینی کریں اور کہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور ملک غنیمت کے لالچ سے فتح ہوا۔ اور پھر اسلام پر IMPERIALISM کا وہ بدنما داغ لگ سکے۔ جو ظلم و ستم کی بدترین شکل ہے۔ یہ لفظ آج کل فرنگی سیاست میں بہت مشہور ہے۔ اور اس کے معنی ہیں۔ کمزور ہمسایہ کے ملکوں پر طاقتور ملک کا محض ہوس ملک گیری کی وجہ سے قبضہ کرنا۔ ہمارا یہ ادعا یہ ہے کہ یہاں مذہب یا اسلام کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب فاتح یعنی حضرت عمرؓ نے خود کہہ دیا کہ نبوت اور حکومت علیحدہ علیحدہ شے ہیں اور نبوت میں حکومت شامل نہیں ہے۔ یعنی مذہب اور حکومت جداگانہ شے ہیں۔ تو پھر اب کسی کو حق حاصل نہیں کہ حکومت کی غلطیوں کو مذہب کے سر تھوپے جو فتوحات ہوئیں وہ مذہب کی خاطر نہیں ہوئی تھیں اور اسلام کا پھیلانا ان فتوحات کا مدعا نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے اس اقبال کے بعد کہ حکومت و مذہب جداگانہ شے ہیں۔ ایک کو دوسرے سے تعلق نہیں اور ان واقعات کی شہادت کے بعد جو ہم نے اُوپر بیان کئے ہیں۔ اب بارِ ثبوت مدعی کے اُوپر ہوگا۔ کہ وہ بتائے کہ ان فتوحات میں کون سا کام انہوں نے مذہب کے لئے کیا۔ یا کون سا فعل تھا جس سے یہ ظاہر ہو وے کہ اس لشکر کشی کا باعث اسلام کا پھیلانا تھا۔ یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ محض فتوحات ہی نے اسلام پھیلا دیا۔ اگر محض فتوحات سے اسلام پھیلا تو یہ ان فتوحات کا نتیجہ ہوا۔ کسی فعل کے نتیجہ کو اس فعل کا باعث تو نہیں کہہ سکتے۔ خصوصاً جب کہ فعل کے ارتکاب کے وقت وہ نتیجہ مدنظر نہ تھا۔ یہ بھی اس کا جواب نہ ہوگا۔ کہ لڑائی سے پہلے حکام سقیفہ کے لشکر کا جنرل یہ بھی شرطیں پیش کرتا تھا کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو ہم تم سے صلح کر سکتے ہیں۔ ایسے حالات کے اندر یہ شرط پیش ہوتی تھی کہ وہ جنرل جانتا تھا کہ یہ منظور نہ ہوگی۔ جب تم نے لشکر جرار کے ساتھ ایک ایسی سلطنت پر حملہ کر دیا جو عرصہ سے قائم ہے اور اس نے تمہیں روکنے کے لئے ایک لشکر بھی تیار کر لیا۔ تو اب اس سے کہنا کہ مسلمان ہو جاؤ بے معنی ہے اس کے جذباتِ حمیت و غیرت

وشجاعت کو تو پہلے بگاڑ کا دیا اور اس کو تم جنگ کے درجہ حرارت تک پہلے ہی سے لے آئے۔ تو اب یہ شرط تو محض بے معنی ہو گئی۔ تمہارا دل گواہی دیتا ہے کہ ان حالات میں کوئی انسان ایسی شرط منظور نہیں کر سکتا۔ وہ تمہارے مذہب سے ناواقف ہے اور تم نے اپنے مذہب کا وہ رُخ بنا کر اس کی طرف پیش کیا ہے۔ کہ تمہارے مذہب کے حق ہونے کا امکان اس کے دل سے پہلے ہی سے نکل گیا۔ وہ دل میں کہے گا کہ ایسی قوم کا مذہب گو کہ حق ہو سکتا ہے کہ جس نے بغیر کسی وجہ کے، بغیر کسی حق کے، بغیر میرے کسی قصور کے میرے ملک کو مجھ سے چھیننے کا تہیہ کر لیا ہے۔ تبلیغ کا تو قاعدہ ہے کہ اپنے مذہب کو بہترین لباس میں دکھایا جائے۔ تم نے اپنے مذہب کو بدترین لباس طمع و آز میں آراستہ کیا ہوا ہے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا کے جہادوں کا باعث کیا تھا۔ اور آنحضرتؐ نے کس طرح اسلام کو پھیلانے کی تجویز قائم کی۔ ہم نے آنحضرتؐ کی بڑی بڑی لڑائیوں کا ذکر کتاب اوّل میں کیا ہے دیکھو صفحات ۵۰۶ لغایت ۵۱۱ طبع سوم۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہو گا۔ کہ آنحضرتؐ کے تمام غزوات سراپا دفاعی تھے۔ یعنی مجبوراً محض اس وجہ سے ان کو اختیار کیا گیا تھا کہ اگر دشمن کو دفع نہ کیا تو وہ ہم کو نیست و نابود کر دے گا۔ مولوی شبلی آنحضرتؐ کے غزوات کے متعلق لکھتے ہیں:-

حقیقت یہ ہے کہ جن واقعات کو مورخین سریہ کہتے ہیں وہ چند قسموں پر منقسم ہیں۔

(۱) محکمہ تفتیش یعنی دشمنوں کی نقل و حرکت کی خبر رسانی۔

(۲) دشمنوں کے حملہ کی خبر سن کر مدافعت کے لئے پیش قدمی کرنا۔

(۳) قریش کی تجارت کی روک ٹوک تاکہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو حج وغیرہ کی اجازت دیں۔

(۴) امن و امان قائم کرنے کے لئے تعزیری فوجیں بھیجنا۔

(۵) اشاعت اسلام کے لئے لوگ بھیجے گئے اور حفاظت کے خیال سے کچھ فوج ساتھ کر دی گئی۔ اس صورت میں تاکید کر دی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیا جائے۔

غزوہ کی صرف دو صورتیں تھیں۔

(۱) دشمنوں نے دارالاسلام پر حملہ کیا اور ان کا مقابلہ کیا گیا۔

(۲) یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں اور پیش قدمی کی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں جو لڑائیاں واقع ہوئیں یا اس قسم کے جو واقعات پیش آئے ان ہی مختلف الاغراض سے تھے۔

(سیرۃ النبی حصہ اوّل جلد اوّل صفحہ ۲۲۶ و ۲۲۷ تقطیع کلاں)

لہذا نتیجہ نکلا کہ آنحضرتؐ کے سب جہاد و سریہ حفاظت خود اختیاری میں واقع ہوئے۔ بدر کی لڑائی پر کچھ عیسائی مورخین نے اعتراض کیا ہے۔ لیکن مولوی شبلی نے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی دفاعی تھی اور کاروان تجارت پر حملہ کرنا مقصود نہ تھا۔ دیکھو سیرۃ النبی حصہ اول جلد اول صفحہ ۲۵۰ لغایت ۲۶۵۔ علاوہ اس کے ایک بات یہ بھی تھی جو مولوی شبلی نے بھی نظر انداز کر دی ہے۔ تب ہی تو سریہ کی وجہ (۳) میں لکھتے ہیں کہ قریش کی تجارت سے روک ٹوک اس وجہ سے کی جاتی تھی کہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو حج وغیرہ کی اجازت دے دیں۔ دراصل بات یہ تھی کہ کفار ان مکہ سے تو حالت جنگ اسی وقت ہی سے شروع ہو گئی تھی کہ جب سے انہوں نے مل کر آنحضرتؐ کو قتل کرنا چاہا اور آنحضرتؐ نے چھپ کر مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔ لہذا اگر آنحضرتؐ تجارت والے کاروان پر بھی حملہ کرتے تو وہ بھی درست ہوتا۔ باوجود اس کے کہ آنحضرتؐ کی ساری کوششیں اور لڑائیاں دفاعی ہوتی تھیں۔ پھر بھی آپ اپنے دشمن کو یہ موقعہ دیتے تھے کہ اگر وہ اسلام قبول کرے تو اس کی سابقہ زیادتی نظر انداز کر دی جائے گی۔ ان حالات میں اس شرط کا پیش ہونا کچھ معنی رکھتا ہے۔ تم نے تو ہمارے آدمیوں کو بے وجہ قتل کر دیا ہے۔ حق ہماری طرف ہے۔ اور اگر ہم ان کے قصاص میں تم کو قتل کر دیں تو عین انصاف ہو گا۔ لیکن اس پر بھی ہم موقعہ دیتے ہیں کہ اگر تم ہمارے مذہب کو اختیار کر لو ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔ اس کو نہیں کہہ سکتے۔ کہ اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلایا۔

جہادوں کا اسلام سے اتنا ہی تعلق تھا کہ وہ مذہب کی حفاظت کے لئے تھے۔ یہ تو ان کی غرض و غایت تھی۔ اگر ضمناً مسلمانوں کے ساتھ معاملات میں اور معاشرت میں آنے سے غیر مسلموں پر ان کا اثر پڑے اور وہ مسلمان بھی ہو جائیں۔ تو یہ جہادوں کا نتیجہ ہوا۔ آنحضرتؐ کے اسلام پھیلانے کا طریقہ دوسرا تھا۔ اس میں جبر و اکراہ نہ تھا۔ وہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کے بنیادی اصول پر تجویز کیا گیا تھا۔ آپ نے اسلام کی دعوت کے لئے ان بادشاہوں اور روساء کے پاس وفود بھیجے۔ جن کی دنیاوی طاقت آپ سے بدرجہا اس وقت زیادہ تھی اور اس پیغام میں یہ نہیں لکھا ہوا تھا کہ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو میں یا میرے جانشین تم پر حملہ کریں گے اگر اسلام کو تلوار سے پھیلانا مقصود ہوتا تو یہ صلح و آشتی کے وفود بے معنی تھے۔ مورخ طبری لکھتے ہیں۔

(منقول از سیرۃ النبی شبلی جلد اول حصہ اول صفحہ ۲۳۸ تقطیع کلاں)

قد کان رسول اللہ صلعم بعث   آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے

فیما حول مکۃ السرایا تدعو الی اللہ عزّ و جل ولم یامرھم بقتال۔ اطراف میں سرایا بھیجے۔ دعوت اسلام کے لئے اور ان کو لڑائی کا حکم نہیں دیا۔

اسی طرح سنہ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو جب ۳۰۰ سواروں کے ساتھ یمن بھیجا تو آپ نے فرمایا۔ فاذا نزلت بساحتھم فلا تقاتلھم حتی یقاتلوک (ابن سعد مغازی صفحہ ۱۲۲) یعنی جب تم ان کے ملک میں پہنچو تو تم ان سے جنگ نہ کرنا جب تک وہ ہی نہ تم پر حملہ آور ہوں۔ اسی سلسلہ میں وہ سرایا بھی داخل ہیں جو فتح مکہ کے بعد بت شکنی کے لئے اطراف ملک میں روانہ کئے گئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام عرب میں مختلف قبیلوں کے الگ الگ بت خانے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جب عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کرلیا۔ تو بتوں کی عظمت وعیاری کا جاہلانہ اور وہم پرستانہ تخییل ابھی تک ان کے دماغ پر مستولی تھا۔ اگرچہ اب وہ ان کو قابلِ پرستش نہیں سمجھتے تھے۔ تاہم یہ وہم تو باقی تھا کہ اگر ان کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہلا تو یہ شیطان ہم پر مصیبتوں کا طوفان برپا کردیں گے۔ لہٰذا ان کی یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ ان کو خود اپنے ہاتھ سے توڑیں۔ چنانچہ اہل طائف نے بیعت کرتے ہوتے یہ شرط پیش کی تھی کہ ان کا بت خانہ ایک سال تک نہ ڈھایا جاتے اور جب یہ شرط منظور نہ ہوئی تو پھر دوسری شرط پیش کی کہ ہم ان کو اپنے ہاتھ سے نہیں توڑیں گے۔ بعض اور نومسلم قبائل بھی اس ادائے فرض سے جھجکتے تھے۔ اس بناء پر آنحضرت نے اُن کے معاہدہ کے مطابق اور ان کی خوشی سے چند جماعتیں مسلمانوں کی بھیجیں جنہوں نے ان کی طرف سے یہ کام انجام دیا۔ (سیرۃ النبی حصہ اول جلد اوّل صفحہ ۴۳۸، ۴۳۹)

جناب رسول خدا نے اپنے اس طرز عمل سے قرآن شریف کی ان دو آیتوں کی تفسیر کردی جن کے اصلی مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ایک دوسرے کی ناسخ ہیں۔ ان میں سے ایک آیت تو یہ ہے۔

وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (پارہ ۲۔ سورہ البقرع ۲۴)

یعنی قتل کرو تم اُن کو جہاں پاؤ اور ان کو اُن کے گھروں سے نکال دو جس طرح انہوں نے تم کو نکالا تھا۔ اور فتنہ قتل سے زیادہ بُرا ہے۔

دوسری آیت یہ ہے۔

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (پارہ ۳۔ سورہ البقرع ۳۳)

یعنی دین کے معاملہ میں جبر واکراہ نہیں ہے ہدایت ظاہر ہوگئی گمراہی سے (گمراہی کمیز ہوگئی)

ایہ جہاد اور آیت لا اکراہ کی مطابقت

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک آیت دوسرے کی ناسخ ہے جب دین کے معاملہ میں جبر واکراہ نہیں تو جہاد کیسا یہ ہے ان بزرگواروں کی بحث۔ یہ نہیں جانتے کہ پہلی آیت یعنی آیتِ جہاد میں یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ تم ان کو اسلام میں مجبوراً لانے کے لئے ان سے مقاتلہ کرو۔ آیت صاف بتا رہی ہے کہ یہ مقاتلہ بطور قصاص ہے اور کفارانِ قریش کی طرف اشارہ ہے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو اور آنحضرت کو مدینہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ جس طرح انہوں نے تمہیں نکالا۔ اب تم بھی ان کو نکال دو۔ اس میں اگر خوں ریزی ہو تو کچھ حرج نہیں۔ کیوں کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو وہ فتنہ پیدا کرتے رہیں گے۔ اور فتنہ قتل سے زیادہ برا ہوتا ہے۔ در اصل ان سے تو اس وقت ہی سے حالتِ جنگ تھی۔ جب سے انہوں نے آنحضرت کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ ہمارے اس خیال کی موید ہے وہ روایت جو جناب عبداللہ ابن عمر سے صحیح بخاری میں منقول ہے۔ کہ کسی نے اس آیت کے معنے اُن سے پوچھے وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (ان کافروں سے جہاد کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور مذہب تمام تر خدا کے لئے ہو جائے) عبداللہ ابن عمر نے فرمایا کہ یہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں تھا۔ جب اسلام کم تھا۔ آدمی اپنے مذہب کی بنا پر فتنہ میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ لوگ اس کو قتل کر دیتے تھے۔ اب جب اسلام ترقی کر گیا تو کوئی فتنہ نہیں رہا۔ سیرۃ النبی شبلی حصہ اول جلد دوم صفحہ ۸۷ تقطیع کلاں۔ تمام قرآن شریف کو پڑھ جاؤ کہیں یہ حکم نہیں ہے کہ غیر ممالک کے عیسائیوں اور کافروں پر تم چڑھائی کرو۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر چڑھائی نہیں کی تھی۔ ان کو قتل نہیں کیا، جلا وطن نہیں کیا تھا۔ رئیس موتہ نے جتنا کیا تھا۔ اس کی اتنی ہی اس کو سزا دے دی گئی تھی۔ نظیر کے طور پر بتا دیا گیا کہ اگر کوئی بلا وجہ تمہارے ملک پر چڑھائی کرے تو پھر تم بھی اس سے جنگ کرنا۔ یہ دفاعی جنگ ہو گی۔ جس طرح کفارانِ قریش کی نسبت ہم نے تم کو حکم دے دیا ہے کہ چونکہ انہوں نے تم کو تمہارے وطن سے نکال کر تم سے جنگ شروع کر دی ہے۔ تم بھی ان کو قتل کرو۔ یہی جناب رسولِ خدا کا طرزِ عمل تھا اور ان ہی معانی کو مدِّ نظر رکھ کر ان دونوں آیتوں میں کوئی تضاد واقع نہیں ہوتا۔ ایک آیت کفارانِ قریش سے جہاد کرنے کا حکم دیتی ہے۔ دوسری تبلیغ اسلام کے لئے ہے جو تبلیغ اسلام کے لئے ہے وہ تمام دُنیا کے لوگوں کے لئے نفاذ پذیر ہے۔ جو جہاد کے لئے ہے وہ فقط کفارانِ قریش و عرب کے لئے ہے۔ نہ خدا نے نہ رسول نے اور نہ قرآن شریف نے غیر ملکوں پر بغیر وجہ کے چڑھائی کرنے کا حکم دیا اور نہ اس کا نام جہاد فی سبیل اللہ رکھا۔ فقط کفارانِ قریش کے لئے ہے وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ جہاں

وہ ملیں ان کو قتل کر ڈالو۔ وجہ ظاہر ہے۔ کفارانِ قریش نے آنحضرتؐ سے اس جنگ کا اعلان
کر رکھا تھا اور یہ اعلان اس وقت سے تھا کہ جب سے آنحضرتؐ کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا۔
ان کا مارنا اس اعلان جنگ کی وجہ سے بھی جائز تھا اور نیز بطور قصاص کے بھی جائز تھا۔
انہوں نے مسلمانوں اور ان کے رسُول کو نکال دیا تھا۔ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر کے
فتنے بپا کرتے رہتے تھے۔ فتنہ قتل سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ دُنیا کے ہر ایک کافر کو نہ تو قرآن
نے اور نہ رسُول نے حربی کافر قرار دیا۔ ان سے معاملہ کرنا جائز تھا۔ اس معاملہ کو قائم رکھنا
ضروری تھا۔ جو معاہدے کفار سے ہوتے تھے وہ پورے کئے جاتے تھے۔ بغیر وجہ کے انہیں
ستایا نہیں جاتا تھا۔ بغیر جائز معاہدہ کے ان کا مال نہیں لیا جاتا تھا۔ اگر مسلمان افرادِ کفار
کا مال بغیر حق کے نہیں لے سکتے تھے۔ تو اُن کی جماعت کا مال بغیر حق کے کیوں کر لے سکتے تھے
اور اگر جماعتوں کا مال نہیں لے سکتے تھے تو پوری قوم کا مال کیونکر لے سکتے تھے۔ اب فرمایئے
کہ آپ نے ایرانیوں اور رومیوں کے مُلکوں پر چڑھائی کر کے ان کا مال کس حق سے لیا۔ قرآن
شریف تو اس کی اجازت نہیں دیتا۔ جناب رسولِ خُداؐ نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ یہ حکام سقیفہ
کی ایجاد ہے اور وہ ہی اس کے ذمہ دار ہیں اور حکام سقیفہ خود بھی اس کو جانتے تھے کہ ان کے
اس طرزِ عمل کی وجہ سے کئی دفعہ ایسے نتائج برآمد ہوئے جن کی نظیر پہلے نہیں ملی مال غنیمت کے
متعلق قرآن شریف کا حکم ہے کہ اس کو فوراً تقسیم کرو اس طرح کہ پانچواں حصہ رسول کا اور
چار حصہ ان لشکریوں کا جنہوں نے وہ مال غنیمت حاصل کیا ہے۔ غنیمت فقط اس طرح تقسیم
ہو گی۔ کسی اور طرح اس کو تقسیم نہیں کر سکتے امام یا والی کو بھی اختیار نہیں ہے کہ اس کا کوئی
اور مصرف پیدا کرے۔ کولمبیا کے ایک پروفیسر جو شرع محمدی کے اس حصہ میں ماہر مانے
جاتے ہیں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

ترجمہ:۔ متذکرہ بالا آمدنی کی تین قسموں میں سے جو مسلم قوم یا مسلم حکومت کو حاصل ہو سکتی
ہیں یعنی صدقہ، غنیمت اور فے۔ فے کا ⅕ حصہ تو بیت المال کا حق ہے۔ کیونکہ اس کی
تقسیم امام کی ذاتی رائے سے ہوتی ہے۔ لیکن برخلاف اس کے غنیمت کا ⅘ حصہ
بیت المال کا حصہ نہیں ہے۔ اور اس پر مالکیوں اور حنفیوں کا اجماع ہے کیونکہ جو لوگ
اس کے مستحق ہیں وہ وحی الٰہی (نص قرآن) کے ذریعہ سے مقرر ہو چکے ہیں۔ یعنی وہ فوج
جس نے یہ لڑائی سے غنیمت حاصل کی۔ اور امام کو بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ غنیمت کو کسی
اور طرح سے خرچ کرے۔

دیکھو MOHAMMADAN THEORIES OF FINANANCE BY NICOLAS P. AGHNIDES. P. 426.

یہ بات بالکل مسلم ہے۔ مولوی حامد الانصاری غازی رفیق ندوۃ المصنفین نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام حکومت" میں بیت المال کے مالی وسائل کے عنوان کے نیچے صفحہ ۵۲۸ پر وہ سب ذرائع آمدنی لکھے ہیں جن سے بیت المال میں روپیہ آسکتا ہے ان میں غنیمت کا پانچواں حصہ نہیں لکھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ غنیمت میں کیا شامل ہو سکتا ہے۔ غنیمت میں ہر قسم کا مال منقولہ وغیر منقولہ شامل ہے ہمارا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اراضیات بھی شامل ہیں۔ جناب رسولِ خدا کے سوانح حیات سے ہم کو نظیر ملتی ہے کہ ان اراضیات کو کیا کرنا چاہیئے۔ جنگ خیبر میں بروئے معاہدات کچھ اراضیات بھی حاصل ہوئیں۔ آنحضرت نے اپنے پانچویں حصہ کی اپنے اور اپنے ذوی القربیٰ کے لئے رکھ لیں اور ۴/۵ حصہ ان اراضیات کا تمام لشکروں میں تقسیم کر دیا۔ قلعہ شق و نطاۃ کی اراضیات ان لشکریوں کے حصہ میں آئیں اور کتیبہ کی اراضیات آنحضرت اور ذوی القربیٰ کا خمس تھا۔ دیکھو ابن ہشام کی سیرۃ النبی الجزء الثالث صفحہ ۴۴ وہ ہی امریکن مؤرخ لکھتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

ترجمہ:۔ اگر امام کسی جگہ یا شہر کو فوج کشی سے فتح کرتا ہے تو اسے غنیمت کو خواہ منقولہ ہو خواہ اراضیات بعد اپنا پانچواں حصہ لینے کے فتح کرنے والے لشکریوں میں تقسیم کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ جناب رسولِ خدا صلعم نے خیبر میں کیا تھا یا امام ان اراضیات کو ان کے پہلے مالکان کے قبضہ میں چھوڑ سکتا ہے اور ان لوگوں پر جزیہ اور اُن کی اراضیات پر خراج لگا سکتا ہے۔"

یہ ظاہر ہے کہ اگر ایسی غنیمت کی اراضیات رقبہ میں کم ہیں تو آسانی سے لشکریوں میں تقسیم ہو سکتی ہیں کچھ ہرج نہیں لیکن ممالک اور بڑا عظم تو اس طرح لشکریوں میں تقسیم نہیں ہو سکتے۔ اس سے کیا نتیجہ نکلا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اسلام میں ایک قوم کا دوسری قوم پر بغیر حق کے حملہ کر کے ان کا ملک چھیننا جائز نہیں۔ اسلام نے یہ ہر ایک قوم یا جماعت کا حق قرار دیا ہے کہ اگر وہ آپس میں زبان و طرز معاشرت و تمدن و تہذیب کی یگانگت کی وجہ سے مل کر ایک جگہ یا ایک ملک میں رہنا چاہیں تو وہ رہ سکتے ہیں۔ دوسری قوم کا حق نہیں ہے کہ اپنے طاقت یا دولت کے زعم میں اپنے ہمسایہ پر حملہ کر کے اس کا ملک چھینے۔ کسی قانون میں جب کسی خاص مضمون پر احکام و قواعد نہیں ہیں۔ تو یہ نتیجہ نکلے گا۔ کہ اس قانون میں وہ مضمون جائز ہی نہیں رکھا گیا۔ لہٰذا اس کے لئے کوئی قاعدہ ہی نہیں بنایا جب اسلامی شریعت میں دوسری قوموں پر بغیر وجہ اور بغیر حق کے حملہ کرنے کا ذکر ہی نہیں ہے۔ تو ہم یہ نتیجہ نکالنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ اس شریعت میں اس چیز کو جائز نہیں رکھا۔ ایک

مثال سُنیئے۔ عرب میں سُور اور مُردار کھایا کرتے تھے اور خُون بھی پی جاتے تھے۔ لہٰذا اسلام کو ضرورت پڑی یہ لکھنے کے لیئے کہ تمہارے اُوپر سوئر و مردار و خُون حرام کر دیئے گئے لیکن کتّے و بلّی کے گوشت کھانے کا رواج عرب میں نہ تھا۔ اس لئے ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ اب اس سے اگر کوئی عقل کا دعویٰ یہ نتیجہ نکالے کہ چونکہ کتّے و بلّی کا گوشت صراحتاً حرام قرار نہیں دیا گیا۔ لہٰذا وہ حلال ہے تو ہم سوائے خاموشی کے اس کو کیا جواب دیں۔ اس ساری بحث سے اتنا ثابت ہوا کہ قرآن شریف اور جناب رسولخداؐ اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ دوسری اقوام کے مُلک پر لشکر کشی کی جائے خواہ اس کی غرض اسلام کا پھیلانا ہی کیوں نہ ہو۔ اسلام کے پھیلانے اور اس کے وُسعت دینے کا طریقہ دوسرا ہے۔ وہ لشکر کشی نہیں ہے

اس وقت ناظرین کے دل میں یہ خیال آیا ہوگا کہ آنحضرت نے جلدی انتقال کیا ابھی توسیع ملک کا وقت نہیں آیا تھا، قرآن شریف نے ساری باتیں تو نہیں بتائیں۔ جن پر خاموشی اختیار کی وہ آئندہ کے مجتہدین کے لئے چھوڑ دیا۔ انھوں نے اپنے اجتہاد سے فتوحات شروع کر دیں۔ ہرج کیا ہوا۔ آنحضرتؐ زندہ رہتے تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔

اس کے جواب میں ہم دو تین سوال آپ سے کرتے ہیں (۱) قرآن شریف تمام آنے والے زمانوں کے لیئے تھا۔ یا نہیں۔ (۲) آنحضرت کے وقت میں اسلام مکمل ہوا تھا یا نہیں (۳) آنحضرتؐ کا انتقال ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری میں ہوا۔ اور حضرت ابو بکر نے خالد کو عراق پر حملہ کرنے کا حکم محرم سنہ ۱۲ ہجری میں دیا۔ چند مہینوں میں زمانہ اتنا بدل گیا کہ آنحضرت کے وقت میں توسیع ملک کا وقت نہیں آیا۔ اور چند مہینوں بعد وہ وقت آ گیا۔ (۴) درمیان میں توسیع ملک کو ضروری بنانے کے لئے کیا واقعات ہو گئے (۵) خداوند تعالےٰ کو اتنی قدرت تھی یا نہیں کہ آنحضرتؐ کی رحلت کو چند مہینے کے لیے اور ملتوی کر دیتا تاکہ اگر اسلام کے مکمل ہونے میں کوئی کور باقی رہ گیا تھا۔ تو وہ بھی پورا ہو جاتا۔ اگر غلطی سے اکملت کا لفظ پہلے کہہ دیا تھا تو اسی کی شرم رکھنی چاہیئے تھی۔ اور اس کمال کو بھی پورا ہو لینے دینا چاہیئے تھا۔ یہ معمولی بات نہ تھی کہ آنے والے مجتہدین کے لیے چھوڑی جاتی مجتہدین کے لئے تو وہ باتیں ہوتی ہیں جو مقررہ اصُولوں میں مستنبط ہو سکیں۔ یہ بات تو ایک اہم اصول کی بات تھی وہ یہ کہ حکومت الٰہیہ میں (IMPERIALISM) جبری و استبدادی شہنشاہیت ہونا چاہیئے یا نہیں یہ (IMPERIALISM) یعنی خواہش و ہوس توسیع سلطنت ہی تو دُنیا میں عظیم الشان جنگوں کی باعث ہو کر بنی نوع انسان کے لئے مصیبت کا سرچشمہ

ثابت ہوتی ہے۔ یہ شیطانی ابتدائے عالم سے اب تک بنی نوع انسان کی دشمن بنی ہوئی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو دنیا میں لڑائیاں بالکل ہی نہ ہوتیں یا اگر ہوتیں تو بہت کم ہوتیں اپنی شہرت و نمود و وجاہت کے خاطر کمزور ہمسایہ قوموں پر حملہ کرنا نا انصافی کی آخری دلیل ہے۔ اور اگر وہ کسی مذہب کے نام پر کیا جاتا ہے تو وہ اس مذہب کے لئے نہایت بدنما داغ ہے۔ جناب رسول خدا نے اس بنیاد ہی کو اکھیڑ ڈالا۔ جس کے اوپر امپیریلزم کی دیواریں کھڑی ہوا کرتی ہیں اور جس کے بغیر فوج جمع ہی نہیں ہو سکتی۔ کیا آپ جناب رسول خدا کو ایسا غور و فکر سے عاری سمجھتے ہیں کہ وہ یہ سوچ ہی نہ سکے کہ سلطنت کی توسیع کے لئے ایک خزانہ عامرہ کی ضرورت ہے۔ آنحضرتؐ کا اس خزانہ کو قائم نہ کرنا صاف بتا رہا ہے کہ غیر ممالک کی جبری فتوحات آپ کا منشاء نہ تھا۔ حضرت عمر نے فتوحات میں قدم رکھا۔ اور ان کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لہذا انہوں نے بیت المال قائم کیا جو ان کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ IMPERIALISM کے تخیل کو اسلام میں داخل کرنا ان کی اولیات میں سے تھا۔ بیت المال تو ایک ضمنی شے تھی۔

اسلام میں سب سے پہلی نا انصافی جو اس IMPERIALISM کے شوق نے پیدا کی وہ فدک کے مقدمہ میں جناب سیدہؑ پر ہوئی۔ حضرت ابوبکر فدک واپس کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے کہ حضرت عمر نے ان کو یہ کہہ کر روکا کہ اگر اس طرح فیاضیاں کرو گے تو پھر فوج کس طرح قائم کر سکو گے۔ گویا فوج کا قیام جو امپیریلزم کا اول زینہ ہے اس نا انصافی کا باعث ہوا۔ تعجب ہے ہمیں اس زمانہ کے لوگوں سے کہ کس طرح طفل تسلیوں کو بنیادی اصول سمجھ لیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر نے جناب سیدہؑ کو یہ جواب دیا کہ میں اس طرز عمل سے جو آنحضرت کیا کرتے تھے ایک سر مو تجاوز نہ کروں گا اور نہ سننے والوں نے سن کر ان کے حب سنت رسول کی داد دی۔ یہ نہ کسی نے کہا کہ قبلۂ عالم اس طرح فوج مہیا کرنا اور اس کے لئے روپیہ جمع کرنا سنت رسول نہ تھی۔ یہ حضور والا کیوں جاری کر رہے ہیں۔

بیت المال کا ذکر آ گیا اب اس کو ہی ختم کئے دیتے ہیں بیت المال محض ان فتوحات کی وجہ سے قائم ہوئی چنانچہ ایک انگریز مورخ لکھتا ہے (یہ اس کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے

ترجمہ:۔ غنیمت کی بے حد خواہش نے عربوں کو جنگ پر آمادہ کیا۔ اور جناب رسول خدا کا پانچواں حصہ نکالنے کے بعد سارا مال غنیمت ان کا ہی ہو جاتا تھا۔ لیکن مشکل یہ آپڑی تھی کہ حد سے زیادہ رقبہ اراضیات کا کیا کیا جائے۔ جو ان فاتحان نے کہ جو تعداد میں کم تھے فتح کیا تھا۔ اور اس کے علاوہ سالانہ خراج جو مفتوحہ قومیں ادا کرتی تھیں۔ کون لائل

ہی جماعت تو برسر حکومت تھی ان کو کس کا ڈر ہو سکتا تھا۔ ہم جماعتِ اہلِ حکومت کی کتابوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ جناب رسولِ خدا فرمایا کرتے تھے حبِّ علی علامت ایمان اور بغضِ علیؑ علامتِ منافقت ہے جو جماعت کہ حضرت علی کا حق پامال کر کے خود حکومت پر قبضہ کر لے۔ وہ علی کی دوست کہلائے گی یا دشمن ۔ اس قولِ رسول سے کیا نتیجہ نکلا۔ حکومت کی ساری پارٹی منافق ہوئی کہ مومن۔ جناب رسولِ خدا بھی منافقین کی اس چال سے آگاہ تھے۔ آپ جانتے تھے کہ اسلام کو نقصان پہنچانے کا جو طریقہ یہ اختیار کر رہے ہیں بہت خطرناک ہے لہذا آپ نے عداوتِ علی کو نشانِ منافقت قرار دیا۔ یعنی مخالفت علی باعثِ تخریبِ اسلام تھی۔ لہذا علامتِ نفاق ہوئی۔ [۱]

جناب رسولِ خدا کے صحابہ کی یہ سیاسی حالت و تفریق اتنی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ کوئی مورخ اس سے انکار نہیں کر سکتا اس کو ذہانت و دوربینی کہو یا پیغمبرانہ پیشین گوئی کہ آنحضرت صلعم جانتے تھے کہ میرے بعد منافقین اور امیدوارانِ حکومت کی جماعت مل کر ایسے شیر و شکر ہو جائیں گے کہ پہچانے نہ جائیں گے۔ اس وقت محض حضرت علی ہی کی ذات سے ان کی شناخت ہو سکے گی۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی بن ابی طالب لولاک یا علی ما عرف المومنون من بعدی۔

یعنی جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا علی اگر تم نہ ہوتے تو میرے بعد مومن کی شناخت نہ ہو سکتی۔

محب الدین الطبری: ریاض النفرہ الجزء الثانی باب الرابع فصل السادس صفحہ ۲۴۲

علی المتقی: کنز العمال الجزء السادس صفحہ ۴۰۲ حدیث ۱۱۶۱

اب اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امیدوارانِ حکومت کی یہ مخالفانہ کوششیں کب سے جاری تھیں۔ یہ کوششیں اس وقت ہی سے شروع ہو گئی تھیں جب سے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ آنحضرت ایک سلطنت الٰہیہ کی بنیاد ڈال رہے ہیں اور اس بات کا انکشاف یقینی طور سے آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لاتے ہی ہو گیا تھا۔ ازمنہ سابقہ میں جب کی یہ باتیں ہیں کہ کہانت کا بہت دور تھا۔ اور لوگوں کو اس پر بہت یقین تھا۔ جب کوئی نئی بات ہونی تھی تو لوگ کاہنوں سے اس کے اثر و نتائج دریافت کیا کرتے تھے اور جس طرح خداوند تعالےٰ نے اپنی حجت پوری کرنے کے لئے کتب سماویہ کے ذریعے سے پیغمبر آخر الزمان کی صفات و شناخت سے لوگوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ اسی طرح کہانت کو بھی اتنی طاقت و قدرت بخش دی تھی کہ وہ بھی لوگوں کو اس عظیم الشان ہستی

---

[۱] صفحات ۳۱۹ تا ۳۲۶ کتاب اوّل حصہ اوّل طبع سوم۔

بغضِ علی علامتِ نفاق

مومن کی پہچان صرف علی

غنیمت کے اصول کے مطابق مفتوحہ اراضیات کا خراج ان کے فتح کرنیوالوں کو ملنا چاہیئے تھا لیکن عرب آبادی کے غیر معین ہونے کی وجہ سے اس تجویز میں بہت زیادہ مشکلیں تھیں اور علاوہ اس کے حکام کے نقطہ نگاہ سے بھی یہ تجویز عاقلانہ نہ تھی۔ لہٰذا حضرت عمر نے حکومت کے خزانہ کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے جدید فوجی کیمپوں کے رہنے والوں کی تنخواہ مقرر کر دی۔ اور اس کے علاوہ سارا مال مدینہ بھیج دیا جاتا تھا جہاں اسے تجارت میں تو نہیں لگایا جاتا تھا بلکہ سیاسی پنشن ادا کرنے میں صرف کیا جاتا تھا۔ یہ سیاسی پنشنیں خلیفہ خود اپنی مختارانہ مرضی سے اراکین سلطنت کے لئے مقرر کیا کرتا تھا جس کی مقدار ان کے درجہ و وجاہت کے مطابق ہوا کرتی تھی

دیکھو THE CAMBRIDGE MEDIEVAL HISTORY. VOL. II P. 356

سیاسی پنشن

مولوی شبلی امر واقعہ بیان کرتے ہیں کہ بیت المال کا مقرر کرنا جناب رسول خدا کے طرز عمل کے خلاف تھا اور حضرت علی نے اس وجہ سے اس کی مخالفت کی تھی لیکن اس گروہ فخر کے ساتھ حضرت عمر کی اولیات میں بیان کرتے ہیں۔ ان کا بھی یہی خیال ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر کا تھا۔ کہ جناب رسول خدا کا اسلام زمانہ کی ترقی کے ساتھ دوش بدوش چلنے کی اہلیت نہیں رکھتا حضرت عمر اس کی اگر ترمیم نہ کرتے تو بس یہ تو آنحضرت کے ساتھ ہی دنیا سے رحلت کر جاتا۔ یہ نہیں سمجھ کر کہ چونکہ دور رس اصولوں کی بناء پر آنحضرت نے روپیہ جمع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آپ نے دیکھ لیا نا روپیہ جمع کر کے، خوب عیش و عشرت ہوئی۔ چھرّے یاروں نے اڑائے۔ لیکن اسلام کا کیا حشر ہوا۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں:۔

بیت المال یا خزانہ، یہ صیغہ بھی حضرت عمر کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرت کے زمانہ میں جو سب سے اخیر رقم وصول ہوئی۔ وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرت نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابو بکر نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ قائم نہیں کیا۔ بلکہ جو کچھ مال غنیمت آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا۔ چنانچہ پہلے سال ۱۰-۱۰ درہم اور دوسرے سال ۲۰-۲۰ درہم ایک ایک شخص کے حصہ میں آئے یہ کتاب الاوائل اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابو بکر نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا۔ کیونکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی۔ کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا۔ تو صرف ایک درہم نکلا۔ تقریباً ۱۵ھ ہجری میں حضرت ابو ہریرہ کو حضرت عمر نے بحرین کا عامل مقرر کیا۔ وہ

سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کرکے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے۔ آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے۔ حضرت علیؑ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کر دی جائے اور خزانہ میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمان نے اس کے خلاف رائے دی۔ ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔ آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ (الفاروق حصہ دوم صفحہ ۷۴، ۷۵)

دیکھا آپ نے حضرت شبلی کو کتنا فخر ہے۔ کہ بیت المال کے ایجاد کرنے والے حضرت عمر ہیں۔ حضرت علیؑ کا ذکر ان کی ذہن و ذکاوت کو کم کرکے دکھانے کی بنا پر ہے۔ وہ اس نکتہ تک نہ پہنچ سکے۔ جہاں تک حضرت عمر کا دماغ عالی پہنچا تھا۔ رسول خدا کا طرز عمل ملاحظہ فرمایا۔ ان کے زمانہ میں بھی خراج آیا۔ لیکن انہوں نے فوراً ایک ہی جلسہ میں سارا مال ختم کر دیا۔ حضرت علیؑ کا یہ جرم ہے کہ انہوں نے جناب رسول خدا کے طرز عمل کی پیروی کی۔ صلاح حکم قرآنی کے مطابق دی تھی جو کہتا ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پارہ ۲۱۔ سورہ احزاب ع ۳) مقطع کا بند آخر میں آتا ہے۔ غیر مذہب والوں کی تتبع کرنے میں اور جناب رسول خدا کی سنت کی مخالفت کرنے میں بھی فخر ہے۔ غور کیجئے۔ پیروی کس کی کی؟ کفار کی، چھوڑا کس کی سنت کو؟ جناب رسول خدا کی سنت کو، معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا۔ اس پر فخر بھی ہے جناب رسول خدا کے لائے ہوئے اسلام کو مطلقاً نہ سمجھنے کی نظیر اس سے زیادہ واضح و مکمل ملنی دشوار ہے۔

ہم حیران ہیں کتاب اللہ کے عاشق، لوگوں کو حسبنا کتاب اللہ سنانے والے جب خود کسی مشکل مسئلہ میں پھنس جاتے ہیں تو کیوں کتاب اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس بازپرس   توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

مال غنیمت کی فراوانی میں کتاب اللہ کو یوں پس پشت ڈال دیا۔ غنیمت کا تذکرہ بھی اس میں ہے۔ اگر قرآن شریف غیر ملکی فتوحات کو جائز رکھتا ہے تو ضرور اس حالت کا تذکرہ اس میں ہوگا۔ کہ اگر غیر ملکوں کی فتوحات ہوں تو وہاں کی اراضیات کو کیا کرنا چاہیئے۔ رسولؐ کا حصہ جو اب بقول تمہارے حکومت کا حصہ ہوا۔ اس میں پانچواں ہی لکھا ہے۔ باقی کو فاتح لشکر میں تقسیم کرنے کا حکم ہے۔ سوچنا چاہیئے تھا کہ اس قسم کی اراضیات کے متعلق اس میں کیا حکم ہے۔ اگر نہیں ہے تو ہم کیا کریں۔ فتوحات ناجائز ہیں۔ ان کو ہی کیوں نہ چھوڑ دیں۔ لیکن کتاب

اللہ کے تمسک کرنے سے اپنی خواہش پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا۔ لہٰذا اُسے طاقِ نسیاں پر رکھ دیا۔ اور کافروں کے احکام کی اطاعت کرنے لگے۔ امپیریلزم کا تخیل بھی ان سے ہی لیا تھا۔ اب بیت المال کا قیام بھی ان کی ہی پیروی میں ہو رہا ہے۔ منطق کی دو شکلیں آن کر پڑتی ہیں۔

(ا) بیرونی فتوحات کا ارادہ رکھنے والے کے لیئے خزانہ کا ہونا ضروری ہے۔

(ب) جناب رسولِ خدُا نے خزانہ نہیں رکھا۔

(ج) جناب رسولِ خدُا نے بیرونی فتوحات کا ارادہ نہیں کیا۔

یا

(ا) جو بیرونی فتوحات کا ارادہ رکھے اور خزانہ نہ رکھے وہ عقلمند اور سیاست دان نہیں۔

(ب) جناب رسولِ خدُا نے بیرونی فتوحات کا ارادہ رکھا لیکن خزانہ نہ رکھا۔

(ج) لہٰذا جناب رسالتمآب ......

ہم حسبنا کتاب اللہ کہنے والوں سے کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے جونسی شکل کتاب اللہ کیمطابق ہو اس کو اختیار کرلیں۔

جن امور نے حکام سلطنت کو بیرونی لشکر کشی پر آمادہ کیا وہ ہم مجملاً بیان کر چکے ہیں تخت پر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے تو عربوں کو مشغول رکھنے کے لیئے مانعین زکوٰۃ کا بہانہ ہاتھ لگا۔

جناب رسولِ خدُا کی رحلت کے بعد اہل مدینہ نے تو طوعاً وکرہاً حضرت ابوبکر کی خلافت کو مان لیا۔ لیکن باہر مواضعات کے قبائل میں سے اکثر نے حضرت ابوبکر کی حکومت کو ماننے سے انکار کیا۔ تاہم انہوں نے مدینہ پر چڑھائی کا نہ ارادہ کیا اور نہ کر سکتے تھے کیونکہ ایک حکومت پر حملہ کرنے کے لئے پہلے سے سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ اور یہ حملہ تنظیم کامل ہی کے بعد ہو سکتا ہے۔ یہ تنظیم ان قبائل میں سے مفقود تھی۔ ان لوگوں کے پاس طاقت تو تھی نہیں۔ اپنی مخالفت کا اظہار فقط اس وقت ہی کر سکتے تھے کہ جب اُن سے شاہی ٹیکس یعنی زکوٰۃ طلب کی جاتی۔ اس وقت انہوں نے کیا یہ کہہ کر کہ ہم ابوبکر کو زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ اخیر میں دو جھوٹے نبی طلیحہ اور مسیلمہ بھی کھڑے ہو گئے تھے اور انہوں نے کچھ اپنے مقلدین بھی جمع کر لئے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کی سرکوبی کا کافی انتظام فرما دیا تھا۔ آنحضرتؐ کا انتقال ہو گیا اس وقت اسلام کے مخالفین تو فقط یہ مرتدین ہی تھے۔ اور حضرت ابوبکر کے مخالف مانعین زکوٰۃ تھے حضرت ابوبکر نے سیاسی ترکیب یہ کی کہ مرتدین و مانعین زکوٰۃ کو ایک ہی درجہ میں رکھ کر ملا دیا اور ان سے لڑائی لڑنے کو مذہبی جہاد قرار دیا۔ یہ نہایت چالاک تحریک تھی جو اپنا کام کر گئی۔

ورنہ ممکن ہے کہ وہ لوگ مانعین زکوٰۃ سے لڑنے سے انکار کر دیتے اور کہتے کہ یہ تو مسلمان ہیں۔ صرف تمہاری حکومت کو نہیں مانتے۔ اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے ہیں۔ تمہارے اوپر حملہ بھی نہیں کرتے کوئی اور فتنہ بھی نہیں اٹھاتے۔ مسلمانوں کو قتل کر کے ہم جہنم کے مستوجب کیوں بنیں اور پہلے تو صحابۂ رسولؐ نے ان کے خلاف لڑنے سے انکار ہی کر دیا تھا۔ حضرت عمر نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ ان کو نہ چھیڑو۔ لیکن حضرت ابو بکر نہ مانے۔ اتنے میں حضرت عمر کا بھی شرح صدر ہو گیا۔ پس اب کیا تھا۔ دونوں نے مل کر ان کے خلاف جہاد بول دیا۔ مالک ابن نویرہ کا قصہ بیان ہو چکا ہے۔ اس کو زیادہ طوالت دینے کی ضرورت نہیں۔ یورپین مورخین جو اس واقعہ کو بغیر کسی طرف داری کے دیکھ سکتے ہیں اس پر صحیح رائے رکھنے کے قابل ہیں۔ ایک انگریز مورخ لکھتا ہے (یہ اس کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے)

ترجمہ:۔ اہل ردۃ کی جو جنگ مشہور ہے وہ دراصل مرتدین کے خلاف نہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے اسلام نہیں چھوڑا تھا۔ بلکہ وہ ابو بکر کو زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے تھے۔ . . . . . . صرف ان چند قبائل نے جو کسی نہ کسی طرح مدینہ سے تعلق رکھتے تھے ابو بکر کی خلافت کو مانا تھا۔ باقی سب اس کے خلاف تھے۔

دیکھو THE CAMBRIDGE MEDIEVAL HISTORY :- P-335

حضرت ابو بکر نے اُن کو مغلوب تو کر لیا۔ لیکن ان کا نچلا بیٹھنا ناممکن تھا۔ یہ وہ قبائل اندرونِ عرب کے تھے جو کبھی کسی دنیاوی حکومت سے مغلوب ہو کر نہیں رہے تھے۔ ان کی شرارت سے محفوظ رہنے کا ایک ہی طریقہ تھا اور وہ یہ کہ ان کو عرب کے باہر دوسرے ملکوں کی مہم پر لگایا جائے تاکہ ان کا شوقِ غنائم ان کو خوشی کے ساتھ مشغول رکھے۔ اور غنائم کی فراوانی ان کو رفتہ رفتہ حکومت کا دلی طرف دار بنا دے۔ وہ ہی مورخ آگے چل کر کہتا ہے۔

ترجمہ:۔ عرب کی حدود کے باہر اسلامی سلطنت کی توسیع کی باعث دو ضرورتیں تھیں۔ ایک تو اپنی فاتح فوجوں کو مشغول رکھنا۔ دوسرے مفتوحہ قبائل کو حکومت جدیدہ سے مانوس کرنا۔

دیکھو THE CAMBRIDGE MEDIEVAL HISTORY :- P. 337

قصہ مختصر یہ کہ مذہب کی محبت کی وجہ سے یہ لشکر کشی نہ تھی۔ ادھر حضرت خالد اہل یمامہ سے جنگ کر کے واپس ہوئے، ابھی راستہ ہی میں تھے کہ حضرت ابو بکر نے ان کو حکم دیا کہ عراق پر فوج کشی کریں اور اس کے بعد بہت جلد یہ حکم دے دیا کہ ایران سے ہوتے ہوئے شام پر بھی فوج کشی کر دو۔ یہ فوج کشی کا حکم بغیر کسی حق کے تھا۔ ان دونوں قوموں نے سلطنتِ اسلامی کو کوئی موقعہ اس فوج کشی کا نہیں دیا تھا۔ دیکھو کتب تواریخ مثلاً ابن خلدون، طبری،

الو الفدا وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایک ایسی مسلمہ بات ہے کہ اس کے لئے کسی خاص حوالے کی ضرورت نہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مولوی شبلی کے خیالات کا اظہار بھی کر دیں۔ جنگ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:۔

"اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ دعوت ہے۔ اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سد راہ نہ ہو۔ تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے۔ نہ اس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے۔ صرف معاہدہ صلح کافی ہے۔ جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں۔ لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو۔ اور اس کو مٹا دینا چاہے۔ تو اسلام کو مدافعت کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے۔ اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے۔ خیبر اس قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا۔

سیرۃ النبی حصہ اوّل جلد اوّل تقطیع کلاں صفحہ ۳۵۲

اس معیار بھی عراق و شام کی لشکر کشی پوری نہیں اُترتی۔ اُدھر سے ادھر ہی خالد بن ولید کو حکم مل گیا تھا کہ شام پر بھی حملہ کر دو۔ ابھی مانعین زکوٰۃ کی مہم سے فوج واپس ہوئی بھی نہیں تھی کہ عراق جانے کا حکم مل گیا۔ وہ ابھی مہم بیچ میں ہی تھی کہ شام پر حملہ کرنے کا حکم پہنچ گیا۔ یہ فوری احکام صاف بتا رہے ہیں کہ کسی فوری ضرورت کی وجہ سے تھے۔ ورنہ زیادہ مناسب تو یہ تھا۔ کہ ان ممالک میں صلح و آشتی سے تبلیغی جماعتیں بھیجتے۔ اگر ان میں کوئی ناجائز رکاوٹ ہوتی تو پھر تلوار سے فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اس جلدی کی وجوہات ضرور تھیں۔ اور وہ وہی تھیں جو ہم نے اُوپر بیان کیں۔

اب یہاں ایک اعتراض پیدا ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے۔ اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کو ممالک فتح نہ کرنے چاہیئے تھے۔ وہ اسلام جو تمام دنیا کے لئے اترا تھا فقط عرب کی بوتل میں بند ہو کر رہ جاتا۔ پھر اتنی وسیع سلطنت اسلامی جو اب تک مایۂ ناز ہے کہاں سے آتی۔ محض فتوحات کا ہونا ہی توسیع مذہب کا باعث ہوتا ہے۔ اور فاتح قوم کی تہذیب و تمدن بغیر خاص کوشش کے مفتوحہ ممالک میں پھیل جاتے ہیں۔ تم نے شیخ سعدی کا قول ثابت کر دیا کہ ؎ گل است سعدی و در چشم دشمنان خار است۔

حضرت عمر کی فتوحات کی نافعیت اتنی عیاں ہے کہ اب تک شیعہ مورخین و محققین نے بھی اس سے تو انکار نہیں کیا تھا۔ وہ بیچارے اتنا ہی کہتے تھے کہ چونکہ (معاذ اللہ خاکم بدہن) حضرت عمر کی حکومت غاصبہ تھی۔ بغیر حق کے تھی، ناحق تھی۔ اس لئے وہ کتنی ہی نیکیاں کر لیتی ان نیکیوں کا نفع حضرت عمر کو عائد نہیں ہوتا۔ یہ ان کو بھی نہیں سوجھی تھی۔ کہ فتوحات

ہی بُری ہیں۔ یہ آپ ہی کے دماغ کی اختراع ہے۔ اور آپ ہی کو مبارک ہو۔ جناب رسولِ خدؐا پیشین گوئی کر گئے تھے کہ تم ایران و روم پر فتح پاؤ گے گویا انھوں نے اجازت دے دی

اب ہم اس بحث پر غور کرتے ہیں۔ یہ غیر متعلق ہے کہ اب تک شیعہ مورخین و محققین نے حضرت عمر کی حکومت پر جو اعتراضات کئے ہیں وہ بھی سو فیصدی صحیح ہیں اور جو میں عرض کر رہا ہوں وہ بھی مطابق واقعہ کے ہے۔ دراصل اعتراض ہی اتنے وارد ہوتے ہیں۔ کہ اعتراض کرنے والے کا قلم تھک جاتا ہے۔ اعتراضات کا سلسلہ دماغ میں آنے سے نہیں رُکتا۔ پھر دل یہ کہتا ہے کہ جانے دو اتنے ہی اعتراض کیا کم ہیں۔ ان کا ہی جواب مشکل ہے۔ خُدا کے لئے آپ یہ نہ سمجھے گا۔ کہ جتنے میں نے اعتراض کئے ہیں۔ بس اتنے ہی اعتراض اس حکومت پر اور اس کے طرز و طریقہ حصول پر عاید ہوتے ہیں۔ میں نے تو بہت چھوڑ دئے ہیں۔ اعتراض کے نئے پڑ لے ہونے پر نہ جائیے۔ اس کی اصلیت و واقعیت پر غور کیجئے۔ رسول خُدا کی پیشین گوئی کے متعلق عرض ہے کہ آنحضرتؐ نے تو یہ بھی پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد اس قدر فتنے پیدا ہوں گے کہ کسی کو اپنے ایمان و کفر کا یقین نہ رہے گا۔ کہ کب وہ مومن تھا اور کب کافر ہو جائے گا۔ یہ بھی پیشین گوئی فرمائی تھی۔ کہ اسلام میں ۷۳ فرقے ہوں گے۔ جن میں سے صرف ایک صراطِ مستقیم پر ہوگا۔ باقی ضلالت پر۔ آپ کی بحث کے مطابق جناب رسول خُدا نے فتنوں کے پیدا کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی اور امت کو ضلالت کی طرف جانے کی بھی اجازت دے دی تھی۔ کسی امر واقعہ کی پیشین گوئی کرنا اس امر کے وقوع کی اجازت دینے کے مساوی نہیں ہوتا۔ آنحضرتؐ نے تو بار بار فرمایا ہے کہ میں تمہارے اُوپر دولت کی فراوانی سے ڈرتا ہوں اور یہ دولت ان فتوحات ہی کے ذریعے سے حاصل ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ کی اس پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی سعید الخدری قال جلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی المنابر و جلسنا حولہ فقال ان مما اخاف علیکم بعدی ما یفتح علیکم من زھرۃ الدنیا و زینتھا

مسند احمد حنبل الجزء الثالث صفحہ ۹۱۔ الجزء الخامس صفحہ ۱۷۸

ابوسعید الخدری کہتے ہیں کہ ایک دن جناب رسول خُدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تھے۔ اور ہم ان کے گرد بیٹھے ہوئے تھے جناب رسول خُدا نے فرمایا جس چیز سے میں اپنے بعد تمہارے لئے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تمہارے اُوپر دُنیا کی دولت و وجاہت کے دروازے کُھل جائیں گے۔

صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید الجزء الاول صفحہ ۱۶۲

صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں:۔

وانی واللہ ما اخاف علیکم ان یشرکوا بعدی ولکن اخاف علیکم ان تنافسوا فیہا۔

ترجمہ: تمہارا میرے بعد مشرک ہونا مجھے اتنا نہیں ڈراتا۔ جتنا کہ یہ امر کہ تم دنیا پر ٹوٹ پڑو گے یعنی مجھے تمہارے متعلق یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے البتہ اس بات کا ڈر رہتا ہے کہ میرے بعد تم دُنیا پر ٹوٹ پڑو گے۔

دیکھا۔ آنحضرت اس قسم کی دولت سمیٹنے والی فتوحات کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اسلام کی توسیع آپ کا مقصد ضرور تھا۔ جناب رسُولِ خُدا کا پروگرام واقعی دُنیا میں حکومت الٰہیہ قائم کرنے کا تھا۔ لیکن یہ مدعا نہ تھا۔ کہ عرب قوم ہی ساری دنیا پر حکومت کرنے۔ اسلام کا حکومت کرنا مقصد تھا کسی خاص قوم کی حکومت سے غرض نہ تھی اسکا بھی طریقہ جناب رسول خدا نے بتا دیا تھا۔ غیر ملکوں میں اسلامی وفد صلح و آشتی کے ساتھ بغرض تبلیغ اسلام بھیجے جاتے جیسا کہ جناب رسول خُدا نے کیا تھا۔ اس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اس کے ممبران ایسے عمدہ اسلام کے نمونہ ہوتے کہ الفاظ سے زیادہ ان کے اعمال لوگوں کے دلوں پر اثر کرتے۔ قرآن شریف نے بھی تبلیغ اسلام کا یہی طریقہ بتایا ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (پارہ ۴۔ سورہ آل عمران ع ۱۰) یعنی تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے۔ جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے معروف کا حکم دے۔ منکر سے روکے۔ جناب رسولِ خدا ایسی تبلیغی جماعتیں باہر بھیجتے تھے۔ اور ان کو خاص حکم ہوتا تھا کہ تم لڑنا نہیں۔ اس طرح اطراف وجوانب میں اسلام پھیلتا اور چونکہ وہ لوگ اپنی خوشی سے سوچ سمجھ کر اس کو قبول کرتے ان کے دلوں میں ایسا راسخ ہوتا۔ کہ پھر پرانی جاہلیت کبھی عود نہ کرتی۔ یہ اسلام کی حکومت مستقل اور دیرپا ہوتی۔ قوموں کی حکومت بدل جاتی۔ ملکوں کی حکومت متغیر ہو جاتی۔ یہ حکومت نہ بدلتی۔ وکلاء اہل حکومت یعنی علماء اہل سنت وجماعت فرماتے ہیں کہ بستر مرگ پر آنحضرتؐ نے وصیت کی کہ جزیرۂ عرب سے یہود ونصاریٰ کو نکال دو۔ اوّل تو ہم کو اس روایت کی صحت پر اعتراض ہے۔ یہ اس روایت کا ٹکڑا ہے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ میرے جانشین اصلی بارہ ہوں گے اور وہ سب میری عترت میں سے ہوں گے۔ پہلے تو اس روایت پر اس طرح ہاتھ صاف کیا کہ کلھم من عترتی کی بجائے کلھم من قریش کر دیا۔ دوسری تحریف اس میں یہ کی گئی۔ کہ عرب سے اخراج

یہود کی وصیت بڑھا دی۔ اس کی ایزادی کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ حضرت عمر نے جناب رسول خداؐ کے عہد نامہ کی حرمت نہ کرتے ہوئے یہودیوں کو اراضیات خیبر سے نکال کر جلاوطن کر دیا۔ اس کے لئے جوازیت کی ضرورت تھی لہٰذا یہ وصیت ایزاد کی گئی ہے۔ بغرض بحث ہم اس روایت کو صحیح مان کر بحث کرتے ہیں ایک ملک میں دو دین ہونے سے فتنہ کا احتمال ہوتا ہے خصوصاً یہودیوں اور مسلمانوں کی اس زمانہ کی دلی کیفیت کی موجودگی میں یہ احتمال زیادہ تھا جہاں تک جسمانی اور دنیاوی حکومت کا تعلق تھا۔ اس کے لئے آنحضرت نے عربوں کے واسطے فقط عرب ہی کا ملک منتخب کیا تھا۔ یہ نہیں فرمایا۔ کہ ساری دنیا سے یہود و نصاریٰ کو نکال دو۔ جناب رسول خداؐ نے اس فطری اصول کو مان لیا تھا۔ کہ ہر ایک قوم اپنے ملک میں علیحدہ رہ کر خوش رہتی ہے اور کسی دوسری قوم کا حق نہیں ہے کہ بغیر وجہ کے اس سے لڑائی کرے۔ لڑائی کرنے تو وطنی و قومی جذبات بھڑک کر مخالفت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور تبلیغ کا مدعا جاتا رہتا ہے۔ ہاں اگر دوران تبلیغ میں بلاوجہ کوئی قوم ناانصافی کرتی اور تبلیغ کی راہ میں مزاحم ہوتی تو اس سے لڑائی جائز ہو جاتی۔ اس وقت تک اسلام اندرون و بیرون میں مضبوط ہو جاتا اور اس طرح امیر ہم کی برائیوں اور اس کے الزام سے بچ جاتا۔ تلوار سے اسلام کو پھیلانے کا اعتراض بھی نہ رہتا اور باوجود اس کے اسلام ایسا پھیلتا اور مضبوطی کے ساتھ پھیلتا کہ دلوں پر نقش کالحجر ہو جاتا۔ سخت فتوحات نے اسلام کو مسلمانوں کے دلوں میں راسخ ہونے کا موقع ہی نہ دیا اور وہ نقش برآب ہی رہا

ممکن ہے کہ اس پر کوئی صاحب اعتراض کریں اور جنہوں نے سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کی حقیقت جہاد پڑھی ہے ضرور اعتراض کریں گے۔ کہ دراصل مقصد حکومت حاصل کرنا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ دنیا میں آپ جتنی خرابیاں دیکھتے ہیں۔ ان سب کی جڑ دراصل حکومت کی خرابی ہے۔ طاقت اور دولت حکومت کے ہاتھ میں ہوتی ہے قانون حکومت بناتی ہے انتظام کے سارے اختیارات حکومت کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ پولیس اور فوج کا زور حکومت کے پاس ہوتا ہے لہٰذا جو خرابی بھی لوگوں کی زندگی میں پھیلتی ہے وہ یا تو خود حکومت کی پھیلائی ہوئی ہوتی ہے۔ یا اس کی مدد سے پھیلتی ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو پھیلنے کے لئے جس طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ تو حکومت کے ہی پاس ہے" **حقیقت جہاد صفحہ ۱۱**۔ آگے چل کر یہ نہایت زبردست مفکر اسلام کہتا ہے" اگر آپ چاہیں کہ ظلم مٹے اور انصاف ہو۔ اگر آپ چاہیں کہ زمین میں فساد نہ ہو۔ انسان انسان کا خون نہ چوسے نہ بہائے دبے اور گرے ہوئے انسان اٹھائے جائیں۔ اور تمام انسانوں کو یکساں عزت، امن، خوشحالی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں تو محض تبلیغ و تلقین کے زور سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ البتہ حکومت کا زور آپ

کے پاس ہو تو یہ سب کچھ ہونا ممکن ہے " حقیقت جہاد صفحہ ۱۲۔

جو آپ کہتے ہیں وہی میں بھی کہہ رہا ہوں تھوڑا سا فرق ہے۔ وہ ابھی صاف ہوئے جاتا ہے۔ حکومت تو ضروری ہے لیکن مذہب کی نہ کہ کسی خاص قوم کی۔ میں تو شروع ہی سے یہ کہہ رہا ہوں کہ اسلام کا مقصد دنیا میں حکومت قائم کرنا ہے اور اسی وجہ سے جناب رسول خدا کی نبوت کا جزو اعظم حکومت ہے۔ اب رہی یہ بات کہ دنیا میں عدل و انصاف کا قیام محض تبلیغ و تلقین کے زور سے نہیں ہوتا۔ میں بھی مانتا ہوں کہ اس کے لئے حکومت چاہیئے۔ عدل و انصاف کرنا حکومت کا کام ہے مگر اسلام میں خود نمو و نفوذ اتنا زبردست مادہ ہے کہ یہ تبلیغ بہت جلد ملکوں کی آبادی میں پھیل کر بادشاہت تک پہنچ جاتی۔ اور وہ تبلیغی جماعت جو مدینہ سے آنحضرتؐ کے زمانہ میں چلتی تھی۔ ایسی تو نہیں ہوتی تھی جیسی کہ وہ تبلیغی جماعت جو آج کل نکلا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ زبردست مسلح دستے ہوتے تھے۔ ان کو حکم ہوتا تھا کہ تم ہرگز نہ لڑنا۔ حکام سقیفہ کو چاہیئے تھا۔ کہ اس امر میں آنحضرتؐ کی پیروی کرتے۔ اگر وہ ملک جہاں یہ جاتے رکاوٹ نہ پیدا کرتے تو یہ اپنا کام کرتے۔ اور اس کا اثر ہوتا۔ اور جہاں کوئی قوم ظلم و تعدی ان پر کرتی جواب ترکی بہ ترکی دیا جاتا۔ یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ نتیجہ وہی لڑائی ہوتا۔ بہت ممکن ہے کہ ہوتا۔ لیکن اس صورت میں فریق ثانی ظلم پر ہوتا۔ اور مسلمان حق و انصاف پر، اور یہ بہت بڑی بات ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ لڑائی نہ ہوتی۔ دین مسیح کی اشاعت کی نظیر ہمارے سامنے ہے جب حضرت عیسٰی اس زمین سے اُٹھے تھے اس وقت اس مذہب کی یہ حالت تھی کہ گنتی کے چند دنیاوی لحاظ سے بے حیثیت و گمنام آدمیوں میں منحصر تھا اور وہ بھی ایسے ڈرتے ہوئے تھے کہ اپنے تئیں حضرت عیسٰی کا مقلد نہیں کہتے تھے۔ ان کے حواریوں میں سے ایک نے تو غداری کر کے حضرت عیسٰی کو پکڑوا دیا تھا۔ اور باقی سب ڈر کر بھاگ گئے۔ یہاں تک کہ ان کی صلیب کے وقت ایک عیسائی بھی موجود نہ تھا۔ اصلی صلیب کو تو اس طرح چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اب نقلی صلیب گلے میں لٹکاتے پھرتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد جب ان حواریین و دیگر مقلدین کو پچھتاوا آیا۔ کہ ہم نے یہ کیا کیا۔ تو اپنے مذہب کی نہایت جانفشانی سے لوگوں میں تبلیغ کرنے لگے۔ بادشاہان اور مجسٹریٹ تو سب اپنے سابقہ مذہب پر رہے۔ اور یہودیوں کے زیر اثر تھے۔ وہ سب ان کے مخالف تھے۔ تعلیم یافتہ طبقہ یہودیوں کا تھا وہ بھی ان کے خلاف تھے۔ حضرت عیسٰی کے بعد دین مسیح اپنی ترقی کے لئے صرف دو آدمیوں کا رہین منت ہے۔ ایک پیٹر (پطرس) اور دوسرے پال ان دونوں نے تنہا ملک ملک کا سفر کر کے اس دین کی اشاعت کی ہے۔ اور اشاعت

بغیر حکومت اشاعت

کے لئے انہوں نے حکومت سے سروکار نہیں رکھا بلکہ عوام الناس میں اپنے دین کو پھیلایا۔ اس دوران میں عیسائیوں پر ظلم بھی ہوتے رہے۔ قتل عام بھی ہوا۔ ان کی آبادیاں جلائی گئیں۔ لوٹی گئیں سب کچھ ہوا۔ لیکن ان کے استقلال میں کمی نہیں آئی۔ ان کی کوششیں جاری رہیں اور جب رعایا میں یہ دین پھیل گیا۔ تب ان کا بادشاہ بذریعہ تبلیغ عیسائی ہوا۔

یہی حالت بدھ مذہب اور جین مت کی ہے۔ اشوک اور کنشک پیدائشی بدھ نہ تھے بذریعہ تبلیغ ان کو بدھ مذہب میں داخل کیا گیا۔ اشوک کا زمانہ ۲۷۴ سنہ ق م لغایت ۲۳۲ سنہ ق م ہے۔ اور کنشک کا زمانہ ۱۲۰ء لغایت ۱۶۰ سنہ ہے۔

اسی طرح جین مت بھی محض تبلیغ سے پھیلا ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ مذہب صرف ایک ملک ہی میں رہے اور فتوحات نے اسلام کو دور دراز کے ممالک میں پہنچا دیا۔ بدھ مذہب تبت چین۔ منگولیا۔ برما۔ سیلون۔ افغانستان۔ ایران تک پہنچ گیا۔ عیسائیت نے تو تقریباً ساری دنیا پر قبضہ کر لیا۔ عیسائیت فتوحات سے نہیں پھیلی۔ لوگوں میں پھیلتی پھیلتی ملکوں میں پہنچی۔ اور جہاں تلوار استعمال کی گئی وہاں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ دیکھو (SAXONY) کو تلوار سے عیسائی بنایا گیا تو پھر کتنی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ کیا اسلام ان سب مذاہب سے گیا گزرا تھا۔ کہ بغیر فتوحات کے اس کی توسیع ہی نہ ہوتی بلکہ جو طریقہ جناب رسول خدا نے اختیار کیا تھا۔ وہ ہی اس کی توسیع کے لئے موزوں تھا۔ لیکن جو حکومت آنحضرت کے بعد قائم ہوئی۔ اس نے اس طریقہ کی طرف توجہ ہی نہ کی اور بہرصورت اگر تبلیغی وفود کی رکاوٹ کی وجہ سے لڑائی بھی ہوتی۔ تو مسلمانوں کو دو فائدے نکلتے۔ ایک تو یہ کہ اس وقت تک خود ان میں اسلام کا تخیل راسخ ہو گیا ہوتا اور دوسرے یہ کہ خدا کے سامنے اور انسان کے سامنے یہ حق پر ہوتے اور فریق مخالف ناحق پر۔ لیکن اس کے لئے کچھ وقت چاہئے تھا اور حکام سقیفہ کی سیاسی ضرورت اس بات کی مقتضی تھی کہ ان لوگوں کو فوراً مشغول کیا جائے۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اسلام کا مقصد حکومت پر قبضہ کر کے دنیا میں عدل و انصاف رائج کرنا تھا ہم یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ اگر صحیح اسلام صحیح طریقہ سے دنیا میں پھیلتا تو عدل و انصاف ہی کی حکومت ہوتی۔ اور اس کا ہی غلبہ ہوتا۔ اب ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ جو حکومت حکام سقیفہ نے دنیا میں اپنی فتوحات کے ذریعہ سے رائج کی اس میں عدل و انصاف کا غلبہ تھا یا جور و ظلم کا۔ اگر عدل و انصاف کا تھا۔ تو ہم نتیجہ نکالیں گے۔ کہ انہوں نے صحیح اسلام صحیح طریقہ سے پھیلایا اور ہم نے جو کچھ اب تک کہا ہے۔ سب واپس لے لیں گے اور اگر عدل و انصاف اسی طرح مفقود رہا۔ جس طرح کہ اسلام کے دنیا میں پھیلنے سے پہلے

کی روحانی طاقت و دنیاوی سطوت سے آگاہ کر دے تاکہ ان لوگوں پر بھی حجت پوری ہو جائے جن کا اعتقاد کتب سماویہ پر نہیں تھا۔ آنحضرتؐ کی پیدائش سے پہلے ہی کاہنوں نے بتا دیا تھا کہ عرب میں ایک نبی آخرالزمان پیدا ہونے والا ہے جس کا نام محمدؐ ہوگا۔ اس سے پہلے عرب میں کسی کا نام محمدؐ نہ تھا۔ مگر جب کاہنوں سے یہ بات سُنی تو لوگوں نے اپنے لڑکوں کا نام محمد رکھنا شروع کر دیا۔ آنحضرتؐ اپنی اور اپنے واقعات کی مشابہت حضرت موسیٰ سے بہت دیا کرتے تھے۔ اس بات میں بھی وہ مشابہت قائم رہی حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے ہی کاہنوں نے ان کی آمد کی اطلاع دے دی تھی جس کی وجہ سے فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکے پیدا ہوتے ہی مروانے شروع کر دئے تھے۔ سیرۃ الحلبیہ الجزء الاوّل صفحہ ۹۷-۹۸۔

مسلمان ہونے کے بعد بھی یہ لوگ کاہنوں کے معتقد ہی رہے اور جب جناب رسولِ خداؐ نے منع کیا تو یہ بحث شروع کر دی کہ اگر کاہنان لاشئے ہیں تو ان کی پیشین گوئیاں کیوں صحیح ہوتی ہیں جس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جنات یعنی شیاطین ان کو آگاہ کر دیتے ہیں۔ مسند احمد حنبل الجزء السادس صفحہ ۸۷۔

ابھی آنحضرتؐ مبعوث بھی نہیں ہوئے تھے کہ کاہنوں نے حضرت ابوبکر کو بتا دیا تھا کہ عنقریب تمہارے شہر میں ایک عظیم المرتبت نبی مبعوث ہونے والا ہے اور تم اسے ابوبکر اس کے جانشین ہو گے ملاحظہ ہو:۔

حسین دیار بکری :۔ تاریخ الخمیس الجزء الاول صفحہ ۲۳۴

محب طبری :۔ ریاض النضرہ الجزء الاوّل القسم الثانی الباب الاول الفصل السابع صفحہ ۵۲

سیرۃ الحلبیہ :۔ الجزء الاوّل صفحہ ۲۷۴

شاہ ولی اللہ :۔ ازالۃ الخفاء مقصد اص ۴۴

ریاض النضرہ میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے دعویٰ نبوت کیا تو حضرت ابوبکر محض تعبیر خواب کی بناء پر جو کاہن نے ان سے بیان کی تھی آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور مشرف باسلام ہوئے صفحہ ۵۲

حضرت عمر کو بھی ایسے واقعات سے سامنا پڑا۔ ایک دفعہ آپ ایک قافلہ کے ساتھ مزدوری کرتے کرتے شام میں پہنچے اور وہاں قافلے والوں سے بچھڑ گئے۔ ایک راہب کے دَیر پر آئے۔ اس نے کھانا وغیرہ کھلوایا اور پھر شناخت کر لی کہ یہ ہی شخص ہم کو ہماری عبادت گاہوں سے نکالے گا چنانچہ اس نے اصرار کر کے اپنے دَیر کا ہبہ نامہ اپنے حق میں لکھا لیا اور پیشین گوئی کہ تم بادشاہ ہو جاؤ گے اور عیسائیوں کو نکال دو گے۔ اس دَیر کا ہبہ نامہ ابھی سے میرے حق میں لکھ دو۔ چنانچہ عمر نے لکھ دیا۔ یہ بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے۔ تو وہ ہی ہبہ نامہ آپ

تھا تو ہم نتیجہ نکالیں گے کہ جو اسلام پھیلا وہ غلط اسلام تھا۔ اور غلط طریقوں سے پھیلایا گیا تھا۔ جو فتنہ و فساد و جور و ظلم کی حالت تھی ۔ وہ ہم تو کیا بتائیں۔ خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے قیدخانوں اور ان کے وارداتوں سے پوچھو۔ حجاج و متوکل کے قصے پڑھو۔ مکہ و مدینہ کے گلی کوچوں سے پوچھو جہاں ہفتوں قتل عام و زنا کا بازار گرم رہا۔ جہاں خانہ کعبہ پر منجنیقیں چڑھائی گئیں۔ بغداد و کوفہ سے پوچھو جہاں زندہ آدمی دیواروں میں چنے جاتے تھے۔ اور حاملہ عورتوں کے رحموں میں گرم کرکے سیخیں ڈالی جاتی تھیں۔ کیا رحمۃ للعالمین اسی اسلام کو پھیلانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ کربلا و فدک کا تو ہم نام نہیں لیتے ۔کیونکہ ان بزرگواروں کو یہ نام اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ بغداد و کوفہ و مکہ و مدینہ و دمشق و بصرہ ان کی ہی در و دیواریں تمہیں بتا دیں گی۔ کہ تمہارے اسلامی راج میں انہوں نے کیا دیکھا۔ محض فتوحات کی وسعت و سرعت کو دیکھ کر عش عش کرنے والو! جو سلطنت تم نے پھیلائی ویسی سلطنتیں تو تم سے پہلے اور تمہارے بعد بہت سے فاتح حملہ آوروں نے پھیلائی ہیں اور اس کا بار اپنی گردن پر لے کر دنیا سے گئے ہیں۔ لیکن جس سلطنت کو تم نے پھیلنے نہ دیا۔ اگر اس کی جڑ سقیفہ بنی ساعدہ میں نہ کٹ جاتی تو ہم دیکھتے کہ آج اسلام کے سوا دنیا میں دوسرا مذہب نہ ہوتا اور حکومت الٰہیہ کے علاوہ دوسری سلطنت نہ ہوتی۔ جو خرابیاں اسلام اور مسلمانوں میں تم اب دیکھتے ہو۔ ان سب کے بیج سقیفہ بنی ساعدہ ہی کی زمین میں بوئے گئے تھے۔ وہاں کے بوئے ہوئے درخت خوب بارآور ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

جہاں تک ہم نے اس امر پر غور کیا ہے۔ ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ محض فتوحات کی وسعت و سرعت ان بزرگواروں کی آنکھوں کو خیرہ اور دماغ کو معطل کر دیتی ہے۔ اور ان کی ایک بحث ہوتی ہے کہ جس خلیفہ کے زمانہ میں اتنی فتوحات ہوئی ہوں وہ اسلام کا محسن سمجھا جانا چاہیے لیکن سوچئے تو۔ مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام نے بھی اسی طرح ملکی عروج حاصل کیا ہے۔ حضرات شیخین تو مدینہ ہی میں بیٹھے رہتے اور اس محفوظ مقام سے یا ساریۃ الجبل کی کرامت دکھاتے رہے۔ کوئی نہ کوئی کرامت ہونی ضروری تھی۔ ورنہ لشکر سے دور مقام میں محفوظ رہنے کا الزام رہ جاتا۔ ایسے موقعوں پر حضرت علیؑ کو خوب بیچ میں لے آتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ صلاح حضرت علی نے دی تھی کہ تم لشکر کے ساتھ نہ جاؤ۔ ممکن ہے۔ اس خیال سے دی ہو کہ وہاں بھی اگر احد و حنین کی عادت عود کر آئی تو بہت مشکل ہوگی۔ ورنہ خود خلیفہ ہو کر حضرت علی لڑنے والے لشکر کے آگے رہتے تھے۔ اپنی حفاظت کا انہیں کبھی خیال نہ آیا۔ حضرت عمر کی حفاظت کی انہیں بہت ضرورت تھی۔ خیر یہ جملہ معترضہ ہے ہم کہہ رہے

تھے کہ دنیا میں ایسے بھی جری و شجاع و دلیر فاتحین ملک گذرے ہیں۔ جو خود اپنے لشکروں کے آگے رہے ہیں اور جن کی تلواروں نے دنیا کا مرقع بدل دیا اور جن کے حقیقی کارنامے اب بھی ہم داستان کی طرح سنتے ہیں۔ قیصر اعظم، سکندر اعظم، جولیس اعظم، ہینی بال، شارلمین، چنگیز خاں تاتاری اور تیمور ان سب کی فتوحات اتنی عظیم الشان تھیں کہ جب تک دنیا میں دوسروں کو مٹانے کا ہنر خراج تحسین حاصل کیا کرے گا۔ اس وقت تک زمانہ ان کی فتوحات پہ انگشت حیرت و دہاں رہے گا۔ قومیں بھی اسی طرح جب اٹھی ہیں۔ تو اپنے اپنے زمانہ میں طوفان برپا کر دیے ہیں۔ رومن ایمپائر، برٹش ایمپائر، جرمن ایمپائر، ہسپانوی ایمپائر وغیرہ وغیرہ اپنے عروج میں حضرت عمر کی سلطنت سے بدرجہا زیادہ تھے۔ اور دنیا میں انہوں نے اپنی ہستی کے نہ مٹنے والے نشانات چھوڑے ہیں۔ اگر فتوحات ملکی اور وسعت مذہب ایک ہی شے ہیں۔ تو ہندوستان و عراق و فلسطین کو بوجہ برٹش ایمپائر کے ماتحت ہونے کے عیسائی سمجھ لو۔ تو پھر ساری دنیا ہی عیسائیت کی وسعت کے اندر سما گئی اور اگر مذہب کو علیحدہ لینا ہے تب بھی حضرت عمر کا اسلام عیسائیت سے بہت نیچا رہے گا۔ عیسائیت نے جب سے دنیا پر قبضہ کیا ہے اب تک تو اس قبضہ کو چھوڑا نہیں اور روز افزوں ترقی ہی ہو رہی ہے اور نہ آئندہ کوئی علامت ہے۔ کہ یہ قبضہ چھٹ جائے گا۔ مسلمان کی سلطنت تو بادھر بھی جس تیزی سے آئی وہ واقعی حیرت انگیز تھی لیکن جس سرعت سے وہ ختم ہوئی وہ بھی کم عبرت آموز نہیں۔ اب اگر فتوحات ملکی ہی کو مذہب کی صداقت کا معیار تصور کیا جاتا ہے۔ تو پھر عیسائیت تو بہترین اور صحیح ترین مذہب ہوا۔ کفر بھی بہرصورت اسلام سے تو زیادہ ہی رہا لیکن آپ اس کو نہیں مانیں گے۔ جب کفر و عیسائیت کے لئے اس اصول کو جائز نہیں سمجھتے۔ تو پھر اسلام کے لئے یہ کون سا طرہ امتیاز ہوا۔ دنیاوی حکومت تھی۔ آئی اور چلی گئی۔ اور اپنے برے اور اچھے اثر چھوڑ گئی۔ جن میں برے اثر زیادہ ہیں اور اچھے کم۔ امر واقعہ یہ ہے۔ کہ ملکی و سیاسی نظریہ سے یہ طریقہ فتوحات نہایت غلط تھا اور مذہبی نقطہ نگاہ سے شدید مضر۔ اس کا ذکر ہم نے حصہ اول طبع سوم کے صفحات ۸۰۲ و ۸۰۳ پر کیا ہے۔ اصلی فتوحات وہ ہیں جو دل و دماغ پر ہوتی ہیں اور وہ ہی دیرپا اور مستقل ہوتی ہیں۔ امن اور محبت پھیلاتی ہیں۔ جو فتوحات جسم و ملک پر ہوتی ہیں۔ ان کی بنیاد تلوار کی دھار پر ہوتی ہے اور اپنے پیچھے نفرت و حقارت و غصے کے جذبات چھوڑ جاتی ہیں۔ اگر مسلمانوں کی حکومت ہندوستان کے دل و دماغ پر ہوتی تو آج کو اس کا یہ ردعمل نہ دیکھنے میں آتا جو ہوا۔

کہتے ہیں کہ بعض دفعہ محض فتوحات ہی فاتح اقوام کے مذہب و تہذیب و تمدن کی توسیع کا باعث ہوتی ہیں۔ مولوی سید مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" کے صفحہ ۲ پر لکھا ہے کہ "تاریخ کی مسلسل شہادتوں کے مطابق جب کوئی قوم کسی ملک کو فتح کرتی اور اس ملک کے باشندوں پر سیاسی غلبہ و استیلا پالیتی ہے۔ تو فاتح قوم کا اثر و نفوذ صرف مفتوح اقوام کے جسموں تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ ان کے دلوں اور دماغوں کو بھی تسخیر کر لیتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مفتوحہ اقوام اپنے قومی خصائص و روایات اور ملی شعائر و علامات کو نہ صرف یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتی ہیں۔ بلکہ ایک مدت تک عملی تجاذب کے مسلسل جاری رہنے کے باعث آخر کار وہ ان سے نفرت کرنے لگتی ہیں۔ اور اب، ان کے لئے فاتح قوم کی نقالی اور کورانہ تقلید ہی سرمایۂ افتخار رہ جاتی ہے" لائق مؤلف نے حوالہ تو تاریخ کی مسلسل شہادتوں کا دیا ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے یہ فقرے ہندوستان کی حالت کو زیر نظر رکھ کر لکھے ہیں۔ عام قاعدہ تو یہی ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب حملہ آور قوم اس وقت اٹھتی ہے کہ جب اس کا مذہب، اس کا تمدن، اس کی تہذیب اس کے ہر فرد میں پختہ ہو چکے تھے۔ اور ان کو اپنے مذہب کی سچائی اور اپنے تمدن کی برتری پر اتنا بھروسہ تھا کہ وہ دوسروں پر اثر ڈال سکے۔ ایسی صورت میں اس عام قاعدہ کا وہی عام نتیجہ ہونا چاہیئے تھا۔ جو فاضل مؤلف نے لکھا ہے۔ ایسا بہت کم ہوا ہے۔ کہ کوئی قوم دنیا کو فتح کرنے کے لئے اٹھی ہو اور اس کا ابھی بچپن ہی ہو۔ عرب ابھی پوری طرح سے ایک قوم تو بنی ہی نہ تھی۔ ملک مختلف قبیلوں میں تقسیم ہوا ہوا تھا۔ ایک قبیلہ کو دوسرے سے ہمدردی نہ تھی۔ چنانچہ جب خلیفہ کا انتخاب ہونے لگا۔ اس میں بھی یہ قبیلہ بازی نمایاں ہے۔ مذہب کی وہ حالت تھی جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ ہر ایک شخص کو خلیفۂ وقت کی طرف سے اپنی عقل و قیاس کی بنا پر مذہب میں مداخلت کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ جناب رسول خدا جو مذہب کے ہر مشکل مسئلہ کا جواب قطعی طور سے خود دے سکتے تھے۔ ابھی ابھی آنکھوں سے اوجھل ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی سرشت میں وہ ہی جاہلیت کا خمیر باقی تھا جیسا کہ علامہ مشرقی نے اپنی کتاب تذکرہ میں لکھا ہے۔ کوئی ہستی ایسی نہ تھی۔ جس کو سب مانیں۔ اور وہ سب مسائل کا صحیح جواب دے سکے حضرت عمر کو لوگ مانتے تھے تو ان میں مسائل شرعیہ کے حل کرنے کی اہلیت نہ تھی۔ حضرت علی

مسلمانوں کا دوسری اقوام کے مذہب و تمدن کا اثر

ہیں یہ اہلیت تھی تو وہ والی امور مسلمین نہ تھے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق تھا۔ یہ ایک بے سری فوج تھی۔ جس طرح بندر کے ہاتھ میں ایک ناریل آجاتا ہے۔ جس طرح سے جی چاہتا ہے اُسے اُچھالتا ہے اور کھاتا ہے۔ اسی طرح ان کے ہاتھ میں ایک کتاب اللہ آگئی تھی۔ جس طرح جی چاہتا تھا اس کی تاویل کر کے اپنا دل خوش کر لیتے تھے۔ حضرت عمر نے دو چار مسئلے ایسے رائج کر دیئے تھے جو ان لوگوں کو اپنی دلی خواہشوں کے مطابق زندگی گذارنے میں ممد و معاون تھے۔ لیکن وہ اسلام کی فقہ کے اتنے خلاف تھے کہ فلسفہ کے امتحان کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ ان کی حالت تو یہ تھی کہ ان کی فتوحات کی روان کو لے گئی۔ ایران و یونان و ہندوستان کی طرف جہاں کے پرانے فلسفوں نے ان کے نئے اسلام کو وہ چکر دیا۔ کہ اب تک یاد کرتے ہیں جب مشرق کی طرف نظر اٹھائی تو ہر ایک چیز میں خدا کو دیکھا۔ بلکہ ہر چیز کو خدا پایا۔ جب مغرب کی طرف نظر گئی تو کہیں خدا نظر نہ آیا۔ عرب کا دماغ جو ان باتوں کا عادی نہ تھا۔ ہر ایک لہر کے ساتھ بہنے لگا۔ حضرت عمر نے بھی ان کے ساتھ اپنا مرتب کیا ہوا اسلامی ضابطہ کر دیا۔ اس ضابطہ کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ یہاں ہم ناظرین کی سہولت کے لئے اس کو ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"صرف کتاب خدا کافی ہے حسبنا کتاب اللہ۔ مذہب میں کسی ہادی کی ضرورت نہیں جہاں جہاں چاہو اپنی عقل و قیاس سے فقہ اسلامی کی کمی پوری کرتے جاؤ۔ یہ موجودہ فقہ بنی نوع انسان کی ترقی کے دوش بدوش چلنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ جہاں دیکھو کہ اس میں نقص ہے۔ اپنی عقل و رائے سے اس کی درستی کر لو۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ خواہ خیر ہو، خواہ شر ہو۔ ایمان کے لئے عمل صالح کی ضرورت نہیں امور معاشرت و حکومت میں مذہب کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ حکومت پر مذہب کا زور ہے۔ حکومت تو ایک علیحدہ شے ہے۔ اس ہی وجہ سے تمہارے نبی کی نبوت میں حکومت و امور معاشرت شامل نہیں ہے۔ جو کچھ ہے۔ حکومت اور دنیاوی وجاہت ہے یہ ہے تو سب کچھ ہے یہ نہیں تو کچھ نہیں۔"

ان مفردات سے جو مرکب تیار ہوا ہوگا۔ وہ کیسا ہوگا۔ صاحبان غور و فکر خود ہی نتیجہ نکال لیں۔ ہر ایک مفکر اسلام نے تسلیم کیا ہے۔ کہ اسلام کا تصادم جو غیر مذاہب اور ملحدانہ تخیل سے غیر ممالک میں ہوا۔ اس نے لوگوں میں الحاد و زندقہ پھیلا دیا۔ دیکھو علم الکلام علامہ شبلی حصہ اوّل صفحہ ۱۳۱۔ ہندوستان اور یونان کے فلسفہ سے جب فقہاء کو مناظرہ کرنا پڑا تو خود ان کے اعتقادات چھوچھرے ہو گئے۔ یہاں تک کہ لوگ ان کو گردن زدنی سمجھنے لگے۔ علامہ آمدی (ابوالحسن سیف الدین آمدی) و امام فخر الدین رازی - اور محی الدین

عربی کی مثالیں اس ضمن میں بیان کرنا کافی ہیں۔ جناب رسول خدا کے زمانہ میں تو ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَیْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا۔ ترجمہ (جب یہ لوگ تجارت یا کھیل کود کو دیکھتے ہیں تو اے پیغمبر تجھے کھڑا کا کھڑا چھوڑ کر اس کی طرف چلے جاتے ہیں) یہ تو جناب رسول خدا کی حیات میں حالت تھی۔ اب کہ وہ موجود نہ تھے۔ اور قوم کے حاکم نے عام صلا دے دی تھی کہ جو تم کروگے وہ سب خدا کی طرف منسوب کر دیا جائے گا۔ اور تم بری الذمہ ہوگے۔ تو جوان کی حالت ہوگئی ہوگی۔ اس کا اچھی طرح سے قیاس ہو سکتا ہے۔ یہ ساری خرابی سرعت فتوحات کی وجہ سے ہوئی۔ ہر ایک مفکر اسلام نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ کہ ظاہرا ملکی عروج اسلام کا عروج نہ تھا۔ بلکہ اس ملکی عروج کے زمانہ میں اسلام کی بری حالت تھی جیسا کہ سید ابوالحسن نے اپنی کتاب سیرۃ احمد شہید کے صفحہ ۲۲۱ و ۲۲۲ پر لکھا ہے جو ہم نے حصہ اول کے صفحہ ۸۰۲ پر نقل کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو۔ اقتباس از تذکرہ منقول بر صفحہ ۸۰۲ حصہ اول طبع سوم۔ غرضکہ اس سرعت فتوحات کی وجہ سے مذہب بھی مسخ ہوگیا اور عربوں کی تہذیب بھی خاک میں مل گئی۔ اور عربی سلطنت بہت جلد ختم ہوگئی۔ اصلی عربوں کی سلطنت بنو امیہ کے ساتھ رخصت ہوئی اس کے بعد سلطنت اسلامی میں غیر عربی عنصر روز بروز بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ حکومت ہر قاتل پر سب جگہ ایران میں ایرانیوں اور ہندوستان میں ہندوستانیوں کا قبضہ ہوگیا۔

فاتح قوم کا مفتوح قوم کے تمدن و تہذیب سے موثر و مغلوب ہو جانا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ رومیوں نے یونان کو تلوار سے تو فتح کر لیا لیکن اس کی تہذیب سے مفتوح ہو گئے۔ تاتاریوں نے بغداد کو فتح کر لیا۔ لیکن اس کی تہذیب سے خود مغلوب ہوگئے۔ اور ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ اول تو وہ اسلام جو اسلامی عساکر اپنے ہمراہ لائے تھے وہ اصلی اسلام نہ تھا۔ جس کی تعلیم جناب رسول خدا نے دی تھی۔ پھر یونانی اور ہندوستانی فلسفہ سے مل کر تو بالکل متغیر ہوگیا۔ ایسا کہ پہچانا نہیں جاتا۔ ہندوؤں سے تردیدانت کا تخیل آیا۔ جس نے اسلام میں تصوف کی صورت اختیار کر لی۔ اور اس تصوف اور صوفی شعراء کی جو برائیاں حضرت حکیم الامت سر محمد اقبال نے کہیں وہی کافی ہیں ہم کیا اضافہ کریں۔ ایرانیوں سے اہرمن و یزداں کا عقیدہ لے کر مسلمانوں نے مسئلہ خیر و شر کی خوب دھجیاں اڑائیں اور یونانی فلسفہ نے مسئلہ ایسا جو اسلام کا مایۂ امتیاز تھا۔ یعنی توحید۔ اس کو تو مسلمانوں کے تخیل میں بالکل ہی متغیر کر دیا۔ خداوند تعالیٰ کی ہستی اور اس کی صفات کے متعلق وہ فلسفیانہ

اور منطقیانہ بحثیں ہوئیں کہ جب ان دھواں دار بحثوں کا دھواں بیٹھ گیا اور دیکھا کہ کیا نتیجہ نکلا تو معلوم ہوا کہ نہ خدا ہی رہا اور نہ اس کی صفات۔ تفصیل کے لئے دیکھو ہماری کتاب:۔
نور المشرقین من حیاۃ الصادقین صفحہ ۱۶۹ لغایت ۲۸۱۔

وکلاء اہل حکومت یعنی علماء سنت وجماعت بھی اس کو تو مانتے ہیں کہ اسلام مسخ ہو گیا۔ لیکن چونکہ ان کا عقیدہ وایمان ہے کہ خلفاء اربعہ جائز خلفاء رسول تھے۔ لہذا وہ اس میں یہ ایک ایزادی کر دیتے ہیں کہ یہ حالت خلافت راشدہ کے بعد ہوئی۔ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ جن درختوں نے آگے چل کر بار آوری کی وہ دور اول ہی میں لگائے گئے تھے۔ یہ لوگ فرماتے ہیں۔ کہ خلافت راشدہ کے بعد اسلام اس وجہ سے بگڑا کہ حکومت نا اہل لوگوں میں چلی گئی۔ کیا عمدہ بحث ہے جو ذرا سے بھی غور وفکر کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اول تو یہ دیکھو کہ نا اہل لوگوں میں وہ حکومت کیوں گئی؟ سنت شیخین کی پیروی میں گئی۔ حضرت معاویہ حضرت علی کو خلیفہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے کیونکہ شیخین نے حضرت علی کو خلافت سے رد کیا تھا۔ حضرت معاویہ نے حضرت یزید کو کیوں اپنا جانشین بنایا۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا۔ وہ ہی اصول کار فرما تھے۔ جو حضرات شیخین کے جاری کردہ تھے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں بنائے ہوئے تھے۔ اب شکایت کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ نا اہل لوگوں میں حکومت اس ہی وقت جاتی ہے۔ کہ جب ساری قوم نا اہل ہوتی ہے۔ قوم ہی میں سے حکام نکلتے ہیں بلکہ وہ قوم کے بہترین نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر قوم سچی مسلمان حکومت الہیہ کی اہل ہوتی تو ایک لمحے کے لئے یہ نا اہل حکمران مسند حکومت پر نہ ٹھہر سکتے۔ جب ساری قوم ہی نا اہل ہو تب ہی نواسہ رسول شہید ہو سکتا ہے۔ محض ایک یزید ہی کربلا نہیں پیدا کر سکتا تھا۔ اتنی تمہید کے بعد اب ذرا اسلام کی تصویر مفکرین اسلام کی نظروں سے تو دیکھئے۔ سید ابو الحسن علی ندوی سیرت سید احمد شہید میں اس طرح رقمطراز ہیں:۔

اسلام کے ابتدائی تیس سال تک وہ لوگ مسلمانوں کی زندگی پر حاوی رہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی۔۔۔۔۔
ان کے بعد مسلمانوں کی رہنمائی ان لوگوں کے حصہ میں آئی جن کی ذہنیت اور زندگی میں جاہلیت واسلام کی یہ غیر فانی کشمکش ختم نہیں ہوئی تھی۔ اور ان میں غیر اسلامی رجحانات واثرات موجود تھے۔ بعد کے لوگوں میں یہ کشمکش جاہلیت کے غلبہ اور اسلام کی مغلوبیت کی صورت میں ختم ہوئی۔ اور قدیم جاہلیت جدید لباسوں میں ظاہر ہوتی تھی

کبھی ملوکیت کے بھیس میں، کبھی عربی قومیت کے روپ میں۔ کبھی دین وسیاست کی تفریق کی شکل میں اور کبھی شاہانہ شان وشوکت اور آزادانہ عیش وعشرت کے رنگ میں"
سیرۃ احمد شہید صفحہ ۱۹، ۲۰۔

شکر وصد شکر اس احکم الحاکمین کا جو ہمارے دعووں کو غیروں کی بحث سے ثابت کراتا ہے۔ دیکھا آپ نے ابھی ان لوگوں میں جاہلیت کا اثر بہت باقی تھا۔ کہ یہ لوگ اپنے اس مخلوط اسلام کو لے کر باہر ملکوں میں بھیج دیئے گئے اور ملاحظہ کیجئے۔ کہا اور سچ کہا کہ دین و سیاست کی تفریق جاہلیت کے تخیل کا نتیجہ تھی۔ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ یہ تفریق حضرت عمر نے پیدا کی، لہٰذا حضرت عمر میں جاہلیت کا تخیل بہت باقی تھا۔ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

"لیکن جب عشق (اسلام) کی یہ آگ بجھی اور حمیت اسلامی کا یہ چڑھا ہوا دریا اترا تو وہ چیزیں نمودار ہوئیں جو دریا کے اتار کے بعد نمودار ہوتی ہیں۔ نفسانیت وانانیت، اختلاف وخانہ جنگی، رقابت اور سازشوں نے ہر جگہ گل کھلائے۔ عفات اور عیش پرستی کی گرم بازاری ہوئی اور مسلمان ایک بے اصول، بے سیرت عام حاکم قوم بن کر رہ گئے"
سیرۃ احمد شہید صفحہ ۲۰

دیکھا۔ وہ عشق اسلام وحمیت اسلامی اوپر اوپر سطح ہی پر تیر رہے تھے جب پانی اتر گیا تو تہ میں جو نفسانیت وانانیت، اختلاف، خانہ جنگی اور سازشیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ پھر نمودار ہو گئیں۔ یہ درست ہے۔ ان سازشوں ہی کا نتیجہ حکام سقیفہ کی حکومت تھی، لہٰذا ان کے زمانہ میں تو وہ سازشیں چھپی رہیں۔ ان ہی کے لئے تو ان سازشوں کی ابتداء ہوئی تھی جب وہ حکام چلے گئے تو یہ عادت جو وہ پیدا کر گئے تھے۔ پھر نمودار ہو گئی۔ آگے چل کر وہ فرماتے ہیں:

"اس عام زوال کا بڑا سبب خلافت راشدہ کا خاتمہ ہے۔ خلافت دین کی پاسبان سرپرست اور اس کے مقاصد ومصالح کی آلہ کار تھی۔ یہ ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو یا تو اس کے مقاصد ومصالح سمجھتے نہ تھے یا ان کے پابند رہنا نہیں چاہتے تھے اور مسلمانوں کے لئے دین میں کوئی بلند نمونہ نہیں تھے۔ جب تک عہد نبوی کا قرب رہا دینی ماحول اور فضا باقی تھی۔ اس انقلاب کا اثر ظاہر نہیں ہونے پایا ...... رفتہ رفتہ جب یہ لوگ اٹھنے لگے۔ اہل حکومت کا تسلط بڑھا علماء واہل دین کا اقتدار کم ہوا۔ تو دین کا رنگ پھیکا پڑنے لگا اہل علم ودین خوف یا امید سے حکومت کے دامن سے وابستہ ہونے لگے۔ احتساب ختم ہو گیا۔ اسی وقت اسلام اپنے گھر میں پردیسی اور اپنے انتہائی (دنیاوی) شوکت وعروج حکومت کے زمانہ میں بے کس ہو گیا، دین دار طبقہ اقلیت میں

ہو گیا۔ اہل حق گوشہ نشین ہو گئے۔ اور اپنے اپنے حلقہ میں اپنا فرض انجام دیتے رہے لیکن ان کی حالت بالکل ذمیوں کی سی ہو گئی تھی"

سیرۃ احمد شہید۔ صفحہ ۱۲

اس تحریر سے ہمارے کئی بڑے بڑے دعوے ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) اول تو یہ کہ مفتی و قاضی سب حکومت کے دامن سے وابستہ تھے۔ یعنی ان کی خواہش کے مطابق فتوے دیتے تھے۔

(۲) اسلام کا دنیاوی انتہائی عروج مذہب کے لحاظ سے قابل فخر نہیں اور نہ اس کی صداقت کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

(۳) اس دنیاوی عروج کے زمانہ میں اہل حق کی حالت ذمیوں کی سی تھی۔ بالکل بیکس ہو گئے تھے۔

ہندو دھرم سے مل کر جو ہندوستان میں اسلام کی حالت ہوئی۔ اس کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں۔

"اگر شرک و بت پرستی دنیا میں کوئی چیز ہے۔ اور لغت و عرف و شرع میں اس کے کچھ معنی ہیں تو وہ صاف صاف مسلمانوں میں کثرت سے موجود تھی۔ قبروں اور مردوں کے متعلق ایک مستقل شریعت بن گئی تھی۔ جس کے واجبات اور مستحبات میں ان کو سجدہ کرنا ان سے دعا مانگنا، بوسہ دینا، نذریں اور چادریں چڑھانا منتیں ماننا قربانیاں کرنا، طواف کرنا، گانا بجانا، میلہ لگانا، تہوار منانا، چراغاں کرنا عورتوں کا جمع ہونا۔ اور مختصر اور صحیح الفاظ میں اس کو قبلہ و کعبہ اور ملجا و ماویٰ سمجھنا تھا۔ اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے متعلق وہ سب عقائد اور خیالات موجود تھے۔ جن کی وجہ سے نصرانی، یہودی اور مشرکین عرب بدنام ہیں۔ ہندوؤں اور شیعوں کی تمام رسوم مسلمانوں کی شریعت کا جزو بن گئی تھیں۔ اور ان سے کوئی گھر خالی نہ تھا۔ ان کی پابندی قرآن و حدیث و اسلامی فرائض سے زیادہ کی جاتی تھی۔ شرک و بدعت اور اسراف و جہالت ان کے اجزائے ترکیبی تھے۔

سنت و شریعت بے معنی الفاظ تھے۔ جو صرف کتابوں میں رہ گئے تھے۔ بدعت کی تعریف ہی کسی پر صادق نہیں آتی تھی۔ اور ہر بدعت بدعت حسنہ تھی۔ بہت سے حرام حلال ہو گئے تھے۔ اور بہت سے حلال حرام، شعائر اٹھ رہے تھے۔ اور ان کی جگہ ہندوانہ شعائر لے رہے تھے اور لے چکے تھے۔ قرآن و حدیث کے بہت سے احکام

منسوخ ہو گئے تھے۔ مثلاً بیوہ کا نکاح، اور تقسیم میراث شعار اسلام کی نئی شریعت میں مستحب فرض سے حرام و متروک ہو گئے تھے۔ ہر مسلمان کو شریعت میں ترمیم اور مستقل تشریح (قانون سازی) کا حق تھا۔ اور جس کو عام مسلمان اچھا سمجھ لیں۔ تو وہ مستند شریعت تھی۔ ما راٰہ المومنون حسناً فھو عند اللّٰہ حسن۔

قرآن ایک چیستان تھی جس کو کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ اور نہ اس میں غور کرنے کی ضرورت تھی۔ اس لئے کہ اس پر عمل کرنے کا سوال ہی نہ تھا۔ اور اس کا بہت حصہ منسوخ ہو کے بے کار ہو چکا تھا۔ اور وقت ضرورت کیلئے ادب و احتیاط کے ساتھ محفوظ رہتا تھا۔ وہ مردوں کے لئے تھا۔ زندوں کے لئے نہیں وہ عوام کی سمجھ سے باہر تھا۔ اور اس کو پڑھ کر ان کی گمراہی کا اندیشہ تھا۔ علماء کو شرعی و ضروری علوم سے اس کی فرصت ہی نہ تھی۔"

سیرۃ سید احمد شہید صفحہ ۸ و ۹ و ۲۹

یہ اسلام کا مرثیہ تو بہت رقت انگیز ہے لیکن یہ بھی تو غور کرنا چاہیئے۔ کہ کیوں ایسا ہوا ہندو مفتوح قوم تھے۔ ان کا مذہب مفتوح تھا۔ صدیوں کی عقل کا نچوڑ ہے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ اسلام تو خود خداوند تعالیٰ کا مکمل کیا ہوا مذہب تھا۔ پھر ایسا کیوں ہوا۔ بجائے اس کے کہ ہندو دھرم خود کھنچ کر اسلام کی طرف جاتا۔ وہ اسلام کو کھینچ کر اپنی طرف لے آیا۔

اس کی وجہ تو کوئی چاہیئے۔ وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ مسلمان عرب سے باہر وہ دین الٰہی وہ خداوند تعالیٰ کا منتخب و مکمل کیا ہوا دین لے کر باہر نہیں آئے جس کی تعلیم جناب رسول خدا نے کی تھی۔ یہ تو وہ مذہب لے کر آئے تھے جو کہ حضرت عمر نے ترتیب دیا تھا۔ جس کی نسبت حضرت عمر نے لوگوں کو اجازت دے دی تھی کہ اپنے عقل و قیاس سے اس کی ترمیم کرتے جاؤ۔ اب تو سید ابوالحسن ندوی کو شکایت ہے کہ جس کو عام مسلمان اچھا سمجھ لیں۔ وہ ہی مستند شریعت بن جاتی ہے لیکن یہ قاعدہ کس کا بنایا ہوا ہے۔ عام مسلمانوں نے رحلت رسولؐ کے بعد یہ مناسب سمجھا کہ ہم رسول خدا کے حکم و خواہش کے خلاف اپنا خود حاکم مقرر کر لیں انہوں نے کر لیا۔ وہ ہی شریعت بن گئی۔ سید ابوالحسن اس کو برا سمجھتے ہیں کہ ہر مسلمان کو شریعت میں ترمیم اور مستقل تشریح کا حق ہے لیکن یہ ہی تو سبق حضرت عمر کا پڑھایا ہوا ہے۔ اب جب اسکے برے نتیجے نظر کے سامنے آئے تو خبر ہوئی کہ وہ ابتدا نہایت خطرناک تھی جس کی انتہا یہ ہے۔ لیکن حکام سقیفہ کا نام لیتے ہوئے۔ اب بھی کتراتے ہیں۔ سید صاحب کی شکایت ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کے احکام میراث کو چھوڑ کر ہندوانہ طریقہ میراث اختیار کر لیا جس میں لڑکیوں کو حصہ نہیں ملتا۔ لیکن یہ گیند جو یہاں تک لڑھکتی ہوئی آئی اس کو پہلی حرکت کس نے دی تھی۔ دربارِ خلافت میں

پہلا مقدمہ جو پیش ہوا۔ اس میں یہ ہی قرار دیا گیا تھا کہ لڑکی کو میراث نہیں پہنچتی اور قرآن کا حکم چھوڑ دیا گیا تھا۔ رسول کی لڑکی کو میراث اپنے باپ کی نہ ملے تو کچھ ہرج نہیں جب اپنی لڑکیوں کی نوبت آئی تو غل مچانے لگے۔ کہ دیکھو قرانی حکم میراث کو چھوڑ دیا۔ یہ تو نظیر اول ہی کی تقلید ہو رہی ہے۔ قرآن چیستان کیوں نہ بنے۔ جب لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے سقیفہ کے ہادیوں نے ہمیشہ قرآن شریف کو نظر انداز کر دیا۔ جب قرآن کا حکم ان کی خواہش کے خلاف تھا تو ہم کیوں نہ اس کو اپنی سہولت کے مطابق چھوڑتے جائیں۔

دولت و ثروت کی فراوانی

دولت و ثروت کی فراوانی۔ فتوحات کے ساتھ دولت و ثروت کا زیادہ ہونا لازمی ہے۔ جو فتوحات تدریج آہستہ آہستہ ہوتی ہیں ان کا ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ فاتح قوم رفتہ رفتہ اپنے تئیں بدلے ہوئے حالات کے مطابق کر لیتی ہے۔ اور دولت کے جائز استعمال کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ برعکس اس کے اگر فتوحات سرعت کے ساتھ ہوئیں تو دولت و ثروت کی افراط اس ہی نسبت سے ہوگی۔ اور بہت جلد ہوگی۔ ابھی وہ لوگ جو بالکل نادار تھے۔ آج لکھ پتی ہیں۔ کل تک روٹیوں کے محتاج تھے۔ آج اتنی دولت آگئی کہ حیران ہیں کہ اسے کیا کریں۔ دولت کے صحیح استعمال کے طریقے اچھے معلوم نہیں ہوتے۔ غریبی و مفلسی کی مصیبتیں دیکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ سخاوت و فیاضی جو امیری کا زیور ہے اس سے وہ بالکل ناآشنا ہوتے ہیں ڈرتے ہیں۔ کہ ہم نے اس دولت کو خرچ کر دیا تو پھر پہلے ہی جیسی مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اب تک تو مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ لاؤ اب تو عیش و عشرت کر لیں۔ اس طرح عیش و عشرت میں منہمک ہوتے ہیں کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی۔ جس طرح مسلمان بادشاہوں اور امراء نے عیش و عشرت و شراب خواری کی بداعتدالیاں کی ہیں۔ اُن سے تاریخ کے صفحے بھرے پڑے ہیں۔ بہت جلد عربوں میں سے محنت و جفاکشی کی عادت جاتی رہی۔ جس عجلت کے ساتھ مسلمانوں میں دولت و ثروت کا رسوخ بڑھا اور غربت و مفلسی کو لوگ گری ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر نے حکم دیا تھا۔ کہ غریب و مفلس آدمی قاضی مقرر نہ کئے جائیں۔ چنانچہ عبداللہ ابن مسعود کو محض ان کی غربت کی وجہ سے عہدہ قضا سے دور رکھا گیا۔ صفحہ ۵۶۷ و ۵۶۸ کتاب ہذا۔ اس کا یہ جواب کافی نہ ہوگا کہ غریب آدمی کو رشوت لینے کی ترغیب زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت شبلی خود لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عمر نے قاضیوں کی تنخواہ بہت زیادہ مقرر کی۔ آپ فرماتے ہیں۔ وہ تنخواہیں (قاضیوں کی) بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو (الفاروق حصہ دوم صفحہ ۶۷) کیا خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ باوجود اس کے عبداللہ بن مسعود جیسے صحابی

کے سامنے پیش کیا اور آپ نے وہ ڈیرہ چھوڑ دیا۔

شاہ ولی اللہ:۔ ازالۃ الخفاء مقصد ا صفحہ ۳۲

پھر اٹھارہ برس کی عمر میں ولید بن مغیرہ کے خدمت گار بن کر قافلہ کے ساتھ شام گئے وہاں ایک راہب نے ان کا سر پیٹ اور رانیں کھلوا کر دیکھیں اور مریم بتول کی قسم کھا کر کہا کہ اے عمر تم عرب کے بادشاہ ہو جاؤ گے۔

ابن ابی الحدید:۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث صفحہ ۱۲۴

ازالۃ الخفاء:۔ مقصد ا۔ صفحہ ۳۲۔

ابو القاسم رفیق دلاوری اپنی کتاب آئمہ تلبیس میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت بشیر و نذیر ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پیشتر عرب میں عام دستور تھا کہ لوگ غیب کی خبریں اور مستقبل کے حالات معلوم کرنے کے لئے کاہنوں کی طرف رجوع کرتے تھے اور خصومات کا معاملہ بھی زیادہ ان ہی کی مرضی اور صواب دید پر موقوف رہتا تھا یہ مدعیان غیب دانی مرجع انام اور قبلہ حاجات بنے ہوئے تھے"

آئمہ تلبیس۔ ص ا۔ باب اوّل۔ صاف ابن صیاد مدنی

سیرۃ النبی:۔ شبلی نعمانی جلد چہارم صفحہ ۲۰۴۔ تقطیع کلاں۔

علامہ جرجی زیدان نے اپنی کتاب تاریخ تمدن اسلامی جلد سوئم میں جس کے اردو ترجمہ کا نام علوم عرب ہے کہانت پر ایک اچھا مضمون لکھا ہے۔ دیکھو علوم عرب صفحہ ۱۲ء ۱۳ وہ لکھتے ہیں:۔

"کہانت وہ علم ہے جس کے ذریعے سے آئندہ کے حالات معلوم کئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اہل عرب اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے تھے کہ کاہنوں کو ہر چیز پر قدرت ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ اپنے معاملات میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔ اپنے جھگڑے طے کراتے تھے۔ بیماری کا علاج کراتے۔ مشکلات میں رائے لیتے اور آئندہ کے حالات پوچھتے تھے۔ غرض کاہن ان کے نزدیک عالم، فلسفی، طبیب اور مذہبی پیشوا ہوتا تھا۔ اور نیز ان میں یہ بھی مشہور تھا کہ کاہنوں کے پاس جنات آسمان سے خبریں لاتے ہیں جس کا نام وہ لوگ ہاتف رکھتے تھے"۔

مورخین نے کہانت کو ایک بہت بڑا علم مانا ہے اور کہتے ہیں کہ بوقت شیوع اسلام و قبل اسلام عرب میں کہانت کا بڑا زور تھا اور اس کی صداقت کا سب کو اعتقاد تھا۔ ابن خلدون نے تو اس پر بہت بحث کی ہے اور اس کو ایک صحیح علم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ہی

پھر بھی رشوت لیتے۔ آگے چلیے۔ جب خلیفہ کے انتخاب کی ضرورت ہوئی تو حضرت عمر نے چھ آدمی چنے۔ جن میں سے پانچ نہایت دولت مند تھے۔ حضرت علی کو تو شرما شرمی لینا پڑا واقعات ایسے تھے کہ انہیں نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ باقی پانچ یعنی حضرت عثمان عبدالرحمن بن عوف۔ زبیر بن العوام۔ طلحہ بن عبید اللہ اور سعد بن ابی وقاص سب صاحب دولت وثروت تھے۔

حضرت عثمان تو مسلم طور سے امیر الامراء تھے۔ وہ عثمان غنی مشہور ہیں۔ ان کے لئے تو کسی حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ عبدالرحمن بن عوف کی دولت مندی کے متعلق حافظ ابن عبد البر الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں صفحہ ۴۰۳ جلد دوم پر لکھتے ہیں :۔

کان تاجراً مجدوداً فی التجارۃ وکسب مالاً کثیراً فخلف الف بعیر وثلاثۃ الاف شاۃ ومأۃ فرس ترعی بالبقیع ....

عبدالرحمن بہت بڑے تاجر تھے اور بہت مال جمع کیا تھا۔ بوقت وفات ایک ہزار اونٹ تین ہزار بکریاں اور ایک صد گھوڑے چھوڑے جو بقیع میں چرتے تھے ....

وروی عنہ انہ اعتق فی یوم واحد ثلاثین عبداً ولما حضرتہ الوفاۃ بکی بکاءً شدیداً فسئل عن بکائہ فقال ان مصعب بن عمیر کان خیراً منی توفی فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن لہ ما یکفن فیہ وان حمزۃ بن عبد المطلب کان خیراً منی ولم نجد لہ کفنا۔

ایک دن میں انہوں نے تیس غلام آزاد کیے اور مرنے لگے تو مرتے وقت بہت روئے لوگوں نے اس رونے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ مصعب بن عمیر مجھ سے بہتر تھے۔ ان کا انتقال زمانہ رسول خدا میں ہوا تھا اور اتنا بھی نہ چھوڑا کہ ایک کفن کے لیے کافی ہوتا حمزہ بن عبد المطلب مجھ سے بہتر تھے اور ہم کو انکے لئے کفن نہیں ملتا تھا۔

مقابلہ کیا آپنے جناب رسول خدا صلعم کے زمانہ کی غربت کا اور حضرت عمر کے زمانہ کی امیری کا۔

سعد بن ابی وقاص :۔ انہوں نے بہت سے اعلیٰ محل مدینہ کے قریب بنالئے تھے چنانچہ ایک عقیق کا محل تھا۔ اور اسی میں ہی ان کی وفات ہوئی۔

(الاستیعاب : صفحہ ۵۰۶ جلد دوم)

طلحہ بن عبید اللہ :۔ ان کی نسبت حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں :۔

مکانت غلۃ طلحۃ بن عبید اللہ الفا　　طلحہ بن عبید اللہ کی روزانہ آمدنی ایک

وانیا کل یوم والوانی وسمانہ وسمان الدینار

ہزار دینار تھی۔

(الاستیعاب جلد اول صفحہ ۲۱۵۔

زبیر العوام:

کان الزبیر تاجراً مجدوداً فی التجارۃ وقیل لہ یوماً بم ادرکت فی التجارۃ ما ادرکت فقال انی لم اشتر عیباً ولم اردد ربحاً واللہ یبارک لمن یشاء... کان للزبیر الف مملوک یؤدون الیہ الخراج۔

زبیر بہت دولت مند تاجر تھا۔ ایک دن ان سے پوچھا کہ تجارت میں اس قدر مال تمہارے پاس کیونکر جمع ہوا۔ جواب دیا کہ میں تو نفع نہیں چاہتا تھا لیکن خدا برکت دیتا ہے۔ جسکو چاہتا ہے۔ زبیر کے ایک ہزار ملوک تھے۔ جو اس کو خراج ادا کرتے تھے۔

الاستیعاب جلد اول صفحہ ۲۰۰۔

کیسی جلدی اسلام میں سرمایہ داری شروع ہو گئی۔ اور یہ سرمایہ دار جماعت ایسی بارسوخ تھی کہ حضرت عمر مجبور ہو گئے کہ ان میں ہی سے خلیفہ لیں۔ یہ عذر کریں ان کو اس لئے مقرر کرتا ہوں کہ جناب رسول خدا بوقت رحلت ان سے راضی تھے۔ ایک سیاسی عذر تھا۔ اس میں واقعیت ذرا نہ تھی۔ کیا تمام امت میں سے آنحضرتؐ صرف ان چھ آدمیوں ہی سے راضی تھے۔ باقی سب سے ناراض تھے۔ عمار یاسر، ابوذر، عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن جابر ان سب سے آنحضرتؐ ناراض تھے۔ ان میں سوائے غریبی کے اور تو کوئی نقص نہ تھا۔ دراصل تو یہ بات تھی کہ یہ دولت مندوں کی جماعت تھی۔ حضرت عمر جانتے تھے کہ دولت مند لوگ اپنے جیسا ہی دولت مند خلیفہ مقرر کریں گے۔ علیؑ جیسے غریب آدمی کا وہاں کیا موقعہ ہے۔ ان ہی لوگوں پہ منحصر نہیں ہے۔ حکومت کے ہر ایک رکن کے پاس اتنی ہی دولت کی فراوانی تھی۔ مغیرہ ابن شعبہ کی نسبت علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں۔

عن ابن نافع قال احصن المغیرۃ بن شعبۃ ثلاث مائۃ امرأۃ فی الاسلام قال ابن وضاح غیرہ ابن نافع یقول الف امرأۃ۔

ابن نافع کہتے ہیں کہ مغیرہ ابن شعبہ نے اسلام میں داخل ہونے کے بعد تین صد عورتوں سے نکاح کیا۔ ابن وضاح کہتا ہے کہ ابن نافع نے کم بیان کیا۔ اس نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا

ابن عبد البر۔ الاستیعاب الجزء الاول صفحہ ۲۵۹۔ ترجمہ مغیرہ ابن شعبہ

اس کی ثروت و دولت مندی عیش و عشرت کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے جو ایک

ہزار عورتوں سے نکاح کرتا ہے۔ طلاق دیتا ہے۔ مہر ادا کرتا ہے۔

فتوحات و دولت و ثروت کے یہ نتیجے تھے۔ اور جب دشمنانِ اسلام بغرض تعریض و نکتہ چینی یہ کہتے ہیں کہ تمہارے اسلام میں امپریلزم ہے۔ بے جا ہوس ملک گیری ہے۔ تو اعتراض کو غلط ثابت کرنے کے لیے جناب رسولِ خدا کے جہادوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ کہ وہ محض دفاعی تھے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ کوئی کہے کہ تو کانا ہے۔ اور وہ جواب دے کر نہیں۔ میرے باپ کی تو دونوں آنکھیں ہیں۔ خلافت صدر اول کے معرکوں اور یورشوں سے سوائے امپیریلزم اور ہوس ملک گیری کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں فتوحات و امپیریلزم کا نتیجہ دولت کی فراوانی ہوتا ہے اور جب دولت بڑھ جاتی ہے تو دولت مندوں کا اثر و رسوخ بھی بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ حکومت کو اپنے زیر اثر کر لیتے ہیں۔ چنانچہ دولت کی فراوانی نے علم و زہد کی بے قدری شروع کر دی اور حضرت عمر پر اس کا اتنا اثر پڑا کہ اصحاب شوریٰ میں سوائے حضرت علیؑ کے سب امیر الامراء ہی تھے اور حضرت عمر یہ حکم دینے پر مجبور ہو گئے کہ کوئی غریب آدمی قاضی مقرر نہ کیا جائے باوجود کوشش کے اسی وجہ سے عبداللہ ابن مسعود کو یہ عہدہ نہ ملا۔ علامہ جرجی زیدان لکھتے ہیں:۔

"کچھ عرصہ کے بعد جب کہ لوگوں کے دلوں سے عہد نبوت کا رعب و جلال گھٹ چلا تو انسانی فطرت نے ان کو مغلوب کر لیا۔ اور وہی مسلمان جو دولت مندی سے نفرت کرتے تھے۔ مال و زر جمع کرنے کے شائق بن گئے اور بعض ان میں بڑے بڑے مالدار تھے۔ .... ایک بار ۲۷ھ ہجری میں اسلامی افواج نے بماتحتی عبداللہ بن سعد کے جو حضرت عثمان کے رضاعی بھائی تھے۔ افریقہ کا ملک فتح کیا تو دو لاکھ پچاس ہزار دینار مالِ غنیمت میں حاصل ہوئے۔ عبداللہ بن سعد نے اس کا خمس بجائے بیت المال میں داخل کرنے کے مروان بن حکم کو بخش دیا۔ اور اپنی لڑکی اس کے عقد میں دے دی۔ اس کے عثمان نے عاملوں سے حساب فہمی کا قاعدہ توڑ دیا۔ اس لئے اکثر عاملوں کو جو ان کے رشتہ دار بھی تھے دل کھول کر زر و مال جمع کرنے کا موقعہ مل گیا۔ خاص کر معاویہ بن ابی سفیان نے جو ملک شام کے عامل اور بڑے بلند نظر اور عالی حوصلہ شخص تھے بے شمار دولت فراہم کر لی اور سب سے پہلے عمر کے اس قاعدہ کو جو مسلمانوں کو اراضیات خریدنے اور زراعت کرنے سے باز رکھنے کے بارہ میں تھا۔ انہی نے توڑا۔ ....

معاویہ کو ملک شام کی حکومت پر استقرار ہوا تو انہوں نے شان حکومت اور نمائش جاہ و جلال میں رومیوں کی پیروی کی۔ اپنے حشم و خدم میں بہت سے لوگ بھرتی کئے اور اس قدر ساز و سامان ریاست درست کیا کہ ان کی آمدنی صرف کے لئے ناکافی ہو گئی، اور مقررہ تنخواہ میں بسر کرنا مشکل پڑ گیا۔ عثمان کو کمزور حکمران پا کر معاویہ نے انکو لکھا کہ میری تنخواہ مصارف کے لئے ناکافی ہے .... اس تمہید سے حسن طلب کا موقع ثابت کرکے ان اراضیوں کی نسبت جو بیت المال پر وقف تھیں یہ لکھا کہ ان کا کوئی خاص مالک نہیں ہے اور نہ وہ ذمی لوگوں کے ملک ہیں۔ نہ ان پر کسی قسم کا خراج مقرر ہے اس قدر تفصیل کے بعد اپنا مدعا یوں لکھا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں انہیں اپنی جاگیر بنا لوں۔ حضرت عمر نے معاویہ کو ملک شام کا عامل مقرر فرمایا تھا اور ان کی تنخواہ سالانہ ہزار دینار قرار دی تھی۔ جو اس وقت کے دوسرے عاملوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ مگر جب حضرت عثمان کے عہد میں انہوں نے موقوفہ اراضیوں کو اپنی جاگیر بنانے کی خواہش کی جسے خلیفہ ممدوح نے منظور کر لیا۔ اس طرح پر معاویہ نے ان زمینوں پر قبضہ کرکے اپنے کنبہ کے لوگوں کو بلا حق انتقال تقسیم کر دیا۔ اس بات سے ان کو یہ جرأت بھی پیدا ہو گئی کہ وہ جائداد اور علاقہ خریدیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور اسکو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ خلافت پر متمکن ہونے کے زمانہ میں مسلمانوں کو عام طور پر اسکی اجازت دے دی کہ وہ آزادی کے ساتھ اراضیاں خریدیں۔

امیر معاویہ کی پیروی میں دوسرے صوبجات کے عاملوں نے بھی علاقے خریدنے شروع کئے اور تمام صحابہ نے املاکیں اور جائدادیں مول لے لیں۔ جن میں حضرات طلحہ، زبیر، سعد اور لیلیٰ وغیرہ جیسے اعلیٰ درجہ کے صحابی بھی شامل تھے اور ان کی دولت مندی روز افزوں ترقی کرتی گئی۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ عثمان بن عفان نے بھی بہت بڑا حصہ زمینوں کا خرید فرمایا اور بے شمار مال و زر جمع کیا۔ چنانچہ ان کی شہادت کے بعد ان کی خزانچی کی تحویل میں ایک لاکھ پچاس ہزار دینار اور دس لاکھ درہم نقد موجود نکلے اور وادی القرائے اور حنین وغیرہ میں ان کی جو اراضیاں تھیں ان زمینوں کی قیمت ایک لاکھ دینار تک تخمینہ کی گئی۔ اثاث البیت اور اونٹ گھوڑے اس کے علاوہ تھے۔ اس بات سے قیاس ہوتا ہے۔ کہ حضرت عثمان چونکہ خود بہت بڑے مالدار شخص تھے۔ لہذا انہوں نے اس بارہ میں مسلمانوں کی کوئی روک تھام نہیں کی اور اس کے سوا ان کے عزیزوں خاص کر امیر معاویہ بن ابی سفیان نے انہیں اور بھی دولت جمع کرنے پر آمادہ کیا اور اس کے

بعد سے مسلمانوں کے یہاں زمینداریاں خریدنا معمولی اور رواجی امر ہو گیا۔
امیر معاویہ کو حصولِ خلافت کی بڑی تمنا تھی۔ مگر وہ اس بات کو جانتے تھے کہ موجودہ حالت میں خلافت کے ایسے دعوے دار موجود ہیں جو قرابتِ نبوی اور سابقت ایمانی کو اپنے دعوے کی تائید میں پیش کریں گے۔ لہذا انہوں نے روپے کی امداد سے اپنے طرفداروں کی ایک قومی جماعت فراہم کرنے کی سعی کی۔ اور اس کیلئے انہوں نے بافراط زرومال خرچ کرنا اور اس کی فراہمی میں کئی قسم کی تدبیروں سے کام لینا پڑا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مال کی قوت کے سامنے تمام قوتیں ہیچ ہو جاتی ہیں۔ ابتدائے آفرینش عالم سے اس وقت تک دنیا کے تمام بڑے بڑے کاموں کی بنیاد یہی مالی قوت رہتی آئی ہے۔ اور اسی محور متمدن دنیا گردش کرتی رہتی ہے۔ کوئی جنگ یا صلح، مخالفہ یا معاہدہ اور فتح یا محاصرہ ایسا نہیں ہوتا جس کی تحریک پیدا کرنے والا "مال" کے علاوہ کوئی دوسرا امر ہو۔ امیر معاویہ نے بھی اسی قاعدہ پر عمل کیا۔ اور بے دریغ روپیہ صرف کر کے عرب کے نامور پولیٹیکل لوگوں کی ایک عمدہ جماعت اپنے قابو میں کر لی۔ اور ان سے اپنے منشار کے مطابق کام لیا۔ ان لوگوں نے اپنی مدبرانہ قوت اور تلواروں سے معاویہ کی پوری مدد کی، اور جنگِ صفین کے بعد ان کو خلیفہ بنا بھی دیا گویا بلا خرخشہ یہ منصب معاویہ کو اس وقت ملا جب کہ امام علی سنہ ۴۰ ہجری میں شہید ہوئے۔ اور ان کے خلف اکبر حضرت امام حسن نے منصب خلافت سے کنارہ کشی کر کے اس بار کو معاویہ کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ یہ سب مرحلے طے ہو گئے۔ لیکن عام مسلمانوں کا خیال یہی رہا کہ معاویہ نے روپے کی طاقت سے خلافت حاصل کی ہے۔ چنانچہ امام زین العابدین جو امام علی کے پوتے تھے۔ انہوں نے ایک بار صریح لفظوں میں اس بات کو کہا تھا کہ امیر معاویہ علی کے ساتھ روپے کے ذریعے سے لڑتے تھے۔ خاندان بنو امیہ کے دوسرے حکمرانوں نے بھی معاویہ کی پیروی کی اور خاندان بنو ہاشم کے ان لوگوں سے مقابلہ کرنے میں جن کو خلافت کا دعویٰ تھا۔ یا خارجی لوگوں سے جنگ کرنے میں مال و دولت ہی کو اپنا آلہ اور سپر بنایا۔ اسی لئے ان کو دولت جمع کرنے بلکہ اس کے ہر ایک مناسب اور نامناسب طریقے سے ہاتھ میں لانے کی فکر پیدا ہوئی۔ اور جیسا کہ آئندہ بیان سے معلوم ہو گا وہ یہی کرتے رہے سرمایہ داری اور اسی کا رسوخ کس حد تک بڑھ گیا تھا اور غریبوں اور نیک لوگوں کے لئے یہ فضا کیسی خراب ہو چکی تھی۔ حضرت ابوذر کے واقعہ سے ثابت ہے۔ یہ بھی ہم علامہ جرجی زیدان کی زبانی سناتے ہیں:۔

ممدوح (ابوذر) ملک شام کے دولت مندوں کو کہا کرتے تھے کہ فقرا کی خدمت اور مسکینوں کی امداد کرو...... ابوذر نے اپنے اس خیال کا اس قدر اعلان کیا تھا کہ فقیروں کو ایک سند ہاتھ آگئی اور انہوں نے امراء اور اہل دولت کو امداد دینے پر مجبور بنالیا.......
یہاں تک کہ دولت مند لوگوں نے تنگ ہو کر امیر معاویہ سے اس بات کی شکایت کی۔ امیر معاویہ خود بھی ابی ذر سے بہت ناراض تھے۔ کیونکہ وہ انکو بھی کئی بار مال و زر جمع کرنے کی نسبت لعنت ملامت کر چکے تھے۔ چنانچہ جس وقت امیر معاویہ نے شہر دمشق میں قصر خضرا کا شاندار محل بنوایا تو اس کی تیاری کے بعد ابوذر سے بطور داد چاہنے کے دریافت کیا کہ آپ کے خیال میں یہ عمارت کیسی بنی ہے۔ جس کے جواب میں ابوذر نے کہا "اگر تم نے اسکو خدا کے مال سے بنوایا ہے تو تم بددیانتی کے مرتکب ہوئے ہو اور اپنی ذاتی دولت اس پر صرف کی ہے تو فضول خرچی کے مرتکب ہوئے" امیر معاویہ ان کی اس ناگوار تقریظ سے دل میں بہت رنجیدہ ہوئے بظاہر تو کچھ نہیں کہا لیکن اندرونی طور پر انکو قانونی شکنجہ میں لانے کے فکر رکھنے لگے۔ اسی لئے انہوں نے ابوذر کے پاس ایک مرتبہ ہزار دینار رات کے وقت اس خیال سے بھیجے کہ وہ اس وقت انکو صرف نہیں کر سکیں گے اور صبح کو میں انہیں الزام دوں گا۔ مگر ابی ذر نے اپنی عادت کے موافق وہ سب روپیہ اسی وقت غریبوں اور مستحق لوگوں کو بانٹ دیا۔ صبح کو امیر معاویہ کے قاصد نے آکر ان سے کہا "جناب میں غلطی سے وہ دینار آپ کے پاس لے آیا تھا۔ اب امیر معاویہ انہیں واپس مانگتے ہیں" ابی ذر نے جواب دیا۔ "میں نے تو وہ سب روپیہ اسی وقت تقسیم بھی کر دیا" قاصد یہ جواب لے کر پلٹ گیا۔ اور امیر معاویہ اپنے ارادے میں ناکام رہنے سے بہت شرمندہ ہوئے۔ اب انہوں نے الزام کا موقع نہیں پایا تو ابی ذر پر نقض امن کا الزام قائم کیا اور خلیفہ عثمان بن عفان کو انکی شکایت میں لکھا کہ "ابی ذر کی وجہ سے تمام ملک شام کے لوگ آپ کے دشمن ہو رہے ہیں" اس شکایت نامہ کو پڑھ کر خلیفہ ممدوح نے فوراً یہ حکم تحریر کیا کہ "ابی ذر کو ننگی کاٹھی پر سوار کرکے مدینہ منورہ میں بھیج دو" غرض کہ جب وہ اس حالت میں مدینہ پہنچے تو خلیفہ نے ان سے جواب طلب کیا مگر ابی ذر نے اپنی سچائی کے زعم میں اُن کے حکمران ہونے کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی۔ اور صاف صاف لفظوں میں بنو امیہ کے ظلم و ستم اور اور دائرہ حق سے خارج ہونے کی حالت بیان کردی۔ عثمان نے ان کی باتوں پر بھی خیال نہ کیا۔ اور انہیں مدینہ سے نکلوا دیا۔ اور حکم دیا کہ وہ "ربذہ" نامی ایک مقام کو جلاوطن کر دئے جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے آخر وقت تک وہاں رہے"

(جرجی زیدان اردو ترجمہ تاریخ تمدن اسلامی حصہ دوم صفحہ ۱۵)

یہ ہے اس حکومت الہیہ کا نقشہ جو حکام سقیفہ نے آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد قائم کی تھی۔ جس میں مکر اور جھوٹ اس طرح رائج تھا جیسا کہ ذکر ہوا۔ اس حکومت الہیہ میں عدل وفقہ فاروقی کا بہت ذکر آتا ہے۔ وہ بھی ملاحظہ کیجئے۔

عدل وفقہ فاروقی

ابوالمختار یزید بن قیس نے ایک قصیدہ کے ذریعے سے حضرت عمر کے عاملوں کی شکایت کی اور کہا کہ آپ ان عاملوں کا نصف نصف مال لے لیں۔ حضرت عمر نے بغیر تحقیقات کئے ہوئے۔ اور عاملوں کا بیان لئے ہوئے۔

"ان عاملوں کے پاس اپنا اپنا نصف مال بیت المال میں داخل کرنے کا حکم بھیجا۔ اور ایک ایک جوتا تک بٹوا لیا۔ انہوں نے صرف عاملوں ہی کی دولت کا حصہ لینے پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ ان کے بھائیوں کی دولت میں سے بھی حصہ لے لیا۔ جس پر ان لوگوں نے اعتراض کیا۔ اور ایک شخص نے صریحاً یہ کہا کہ میں آپ کو کچھ نہیں دوں گا۔ ...... آخر اس سے دس ہزار دینار وصول کر ہی لئے۔

حضرت عمر کا یہ طریقہ معاویہ نے بھی اپنے عاملوں کے ساتھ برتا۔ جب ان کا کوئی عامل مرجاتا۔ تو وہ اس کے وارثوں سے اس کی نصف دولت لے لیا کرتے۔ اور کہتے "یہ عمر کی سنت ہے کچھ میری ایجاد نہیں" پھر تدریجاً وہ رعایا کی دولت پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگے۔

(اردو ترجمہ تاریخ تمدن اسلامی جرجی زیدان حصہ دوم صفحہ ۲۵)

ولم یکن للمسجد الحرام علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر جدار یحیط به فلما استخلف عمر بن الخطاب وکثر الناس وسع المسجد واشتری دورا فهدمها وزادها فیه وهدم علی قوم من جیران المسجد ابوا ان یبیعوا ووضع لهم

زمانہ جناب رسول خدا اور ابی بکر میں مسجد حرام کی چار دیواری نہیں تھی۔ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی کثرت ہوگئی تو انہوں نے مسجد کے نزدیک کے گھر خرید کر ان کو گرا دیا۔ چند لوگ مسجد کے ہمسایہ میں ایسے تھے جنہوں نے اپنے مکانات فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عمر نے جبراً ان کے مکانات پر قبضہ کر کے انہیں گرا دیا اور ان کی قیمت جو حضرت عمر کے اپنے خیال

الاثمان حتی اخذ وھا بعد واتخذ للمسجد جدارا قصیرا دون القامۃ فکانت المصابیح توضع علیہ فلما استخلف عثمان بن عفان ابتاع منازل وسع المسجد بہا واخذ منازل اقوام و وضع لہم الاثمان فضجوا بہ عند البیت فقال انما جراکم علی حلمی عنکم ولیتی لکم لقد فعل بکم عمر مثل ھذا فاقررتم ورضیتم ثُمَّ اَمَرَ بِہِمْ الی الحبس۔

کے مطابق بھی جمع کر دی۔ یہاں تک کہ عرصہ کے بعد ان لوگوں نے مجبوراً وہ روپیہ لے لیا۔ علاوہ اس کے انہوں نے مسجد کے گرد ایک نیچی دیوار قد آدم سے بھی نیچی بنوا دی۔ اس پر چراغ رکھے جاتے تھے۔ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی چند مکانات خرید کر مسجد کی توسیع کی۔ لیکن بہت سے مالکان مکان نے جن کے مکانات ان کی مرضی کے خلاف گرائے گئے تھے۔ بہت اعتراض کیا۔ اور خانہ کعبہ کے نزدیک آن کر فریاد کی۔ حضرت عثمان نے کہا کہ میری نرمی در حمدلی کی وجہ سے تم کو یہ جرأت ہوئی۔ ورنہ عمر نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ لیکن اس وقت تم لوگ خاموش رہے۔ اس کے بعد انہوں نے حکم دیا کہ ان سب کو قید کر دو۔ چنانچہ وہ قید کر دئے گئے۔

امام ابو الحسن البلاذری:۔ فتوح البلدان صفحہ ۵۸۔

یہ ہیں نمونے اس حکومت الٰہیہ کے عدل کے جو آنحضرت صلعم کے بعد قائم ہوئی تھی۔ اور جو حاکم آتا ہے۔ وہ حضرت عمر کے طرز عمل کا حوالہ اپنی بریت کے لئے ضرور دیتا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ ایسی حالت میں اس توسیع شدہ حصہ مسجد کے اندر نماز جائز نہیں۔ حضرت شبلی تو خوشی کے مارے اچھل پڑیں گے۔ کہ دیکھو حضرت عمر کی ذہن رسا اور فکر فلک پیما کی رفعت شان۔ یورپ سے صدیوں پہلے انہوں نے (LAND ACQUISITION ACT) کے اصول معلوم کر لئے۔ ہم تو پہلے ہی قائل ہیں کہ یورپ کی ہوشیاریوں کے حضرت عمر موجد ہیں۔ ہاں حکومت الٰہیہ کے اندر مسجدیں اس طرح نہیں بنا کرتیں۔

خلافت کی امید

واقعات سقیفہ اور شوریٰ کا ایک خطرناک نتیجہ یہ بھی ہوا۔ کہ ہر کس و ناکس کے دل میں خلافت حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو گئی۔ جب افضلیت اور انتخاب رسول معیار خلافت نہ رہے تو باقی ذرائع جن سے اب تک خلافت حاصل کی گئی تھی۔ ہر ایک شخص استعمال کر سکتا تھا۔ جب ہی تو حضرت عمر کو یہ تنبیہہ کرنے کی

ضرورت پڑی۔ کہ دیکھو۔ خلافت ابی بکر ایک جلدی کا کام شیطان کا تھا۔ جس میں بہت سی برائیاں تھیں لیکن خدا نے ہمیں ان برائیوں سے بچا لیا۔ اگر آئندہ کوئی شخص ایسا طریقہ اختیار کرے گا۔ تو اس کو اور اس کے نامزد خلیفہ کو قتل کر دیا جائے گا۔ طلحہ و زبیر و امیر معاویہ کے دل میں ان ہی واقعات نے خلافت کی طمع پیدا کر دی تھی۔ جس کا نتیجہ جنگ ہائے جمل و صفین ہوئے امیر معاویہ کو جب یزید کے نامزد کرنے پر حضرت عائشہ وغیرہ نے اعتراض کیا تو اس نے جو جواب دیا وہ ان کو لاجواب کرنے کیلئے کافی تھا۔ اس نے کہا کہ اگر حضرت ابوبکر اپنا جانشین حضرت عمر کو مقرر کر سکتے ہیں تو میں یزید کو کیوں مقرر نہیں کر سکتا۔ اس کا یہ جواب تو بہت ناقص ہوگا۔ کہ ابوبکر نے تو ایک غیر کو مقرر کیا تھا۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ خلیفہ مقرر کرنے کا کیا طریقہ استعمال کیا۔ کس کو خلیفہ مقرر کیا۔ یہ اور بات ہے۔ موجودہ حکمران سے رشتہ داری ہونی کسی کے لئے باعث سزا تو نہیں ہو سکتی۔ خیر حکام سقیفہ کی تاسی میں یہ سلسلہ اسی طرح آگے چل پڑا۔ یہاں تک کہ سلطان سلیم نے خلافت کو خرید لیا اور مصطفیٰ کمال پاشا نے ختم کر دیا۔

حکومت اور وجاہتِ دنیوی کی لاانتہا طمع اور اس کے لئے سب کچھ قربان کر دینا

کارکنانِ سقیفہ نے اپنے رسول کی آخری خدمت کو ترک کر دیا۔ وہ خدمت جو ادنیٰ ترین مسلمانوں کے لئے تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ اور اس وجہ سے ترک کیا کہ حکومت و وجاہت دنیوی حاصل کریں یہ کہنا کہ نصب خلیفہ دفن و کفن رسول سے زیادہ اہم و ضروری تھا محض لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنا ہے۔ کس حکم قرآنی سے؟ کس حکم رسول سے؟ اور اگر ضروری بھی تھا تو دفن و کفن رسول میں دیر ہی کتنی لگتی۔ اس کو جلدی جلدی کسے کر لیتے اور پھر سقیفہ کی طرف چلے جاتے۔ لیکن خرابی یہ تھی کہ پھر تو علی بھی وہاں جانے کے لئے فارغ ہو جاتے۔ ورنہ اس عجلت کی کیا ضرورت تھی۔ سر پر دشمن کی فوج تو کھڑی ہوئی نہیں تھی کہ ادھر رسول کی آنکھ بند ہوتی اور ادھر وہ حملہ کر دیتی۔ اور اگر ایسی کوئی فوج ہوتی بھی تو اس کے حملے کے لئے تو وہ وقت زیادہ مناسب تھا کہ جب آنحضرتؐ قریب المرگ تھے۔ نہ خود کسی مہم کا انتظام کر سکتے تھے۔ اور نہ کوئی ان کا خلیفہ مقرر ہو سکتا تھا۔ اور مسلمان اس عظیم الشان واقعہ میں مبتلا ہو تے۔ اس طرزِ عمل کا یہ عذر بھی قابل پذیرائی نہ ہوگا۔ کہ اگر یہ اصحاب ثلاثہ سقیفہ میں وقت پر نہ پہنچ جاتے۔ تو انصار اپنا خلیفہ مقرر کر چکتے۔ کیونکہ (۱) اس جگہ ہماری بحث کارکنان سقیفہ کے متعلق ہے۔ اصحاب ثلاثہ ہوں کہ ان کے بھائی انصار اور (۲) اگر فرض کر لیا جائے کہ انصار میں سے کوئی خلیفہ مقرر کر لیا جاتا تو کیا غضب آجاتا جب

اہل بیت رسول سے اعراض کرنا ہی مطلوب تھا۔ تو پھر سعد ابن عبادہ اور ابوبکر ابن ابی قحافہ میں کچھ فرق نہ تھا۔ اب انصار نے صبر کر لیا، تب مہاجرین صبر کر لیتے۔ یہ طرز عمل اور بھی زیادہ ناموزوں نظر آتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی و دیگر بنو ہاشم و اہل بیت کو اپنے رسول و محسن کی موت کا وہی غم ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ اور انہوں نے خلیفہ سازی کی طرف رخ نہ کیا۔ ممکن ہے یہ کہا جائے جو مولوی شبلی نے کہا ہے کہ حضرت علی کو علم تھا کہ یہ لوگ مجھے منتخب نہ کریں گے۔ لہٰذا وہاں نہ گئے۔ لیکن یہ بحث بالکل بیجا ہے۔ حضرت علی کو انصار کے ساتھ صرف چند سالوں سے تعلق تھا۔ اتنے عرصہ میں حضرت علی اور انصار کے مابین دشمنی کے کیا وجوہات پیدا ہو گئے تھے۔ مولوی شبلی صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ قریش کے ساتھ حضرت علی کے تعلقات پیچ در پیچ تھے۔ انصار کا ذکر انہوں نے بھی نہ کیا۔ بلکہ اگر حضرت علی بھی ان کی طرح اپنے فرائض کو نظر انداز کر دیتے تو ان سے پہلے سقیفہ پہنچ کر اپنے تئیں خلیفہ بنوا لیتے۔ کارکنان سقیفہ اور حضرت علی کا طرز عمل ایک دوسرے سے اتنا متضاد ہے کہ اگر ایک صحیح ہے۔ تو دوسرا غلط۔ اور اگر ایک دین کے لئے ہے تو دوسرا دنیا کے لئے۔

کارکنانِ سقیفہ کے طرز عمل سے جو سبق نکلتا ہے۔ وہ صاف ہے حکومت و دنیاوی وجاہت ہی ہے جو کچھ ہے۔ اور اس کے لئے ہر شے قربان کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اس سبق سے متاثر ہو کر جماعت حکومت کے مفکرین اس ہی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ اور جن کو اپنے اعتقاد کے بموجب حق کہنے سے ڈر نہیں لگتا۔ انہوں نے صاف صاف کہہ بھی دیا ہے۔ علامہ عنایت اللہ مشرقی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

"خود نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واحد مطمح نظر روئے زمین پر غلبہ حاصل کرنا اور امت عرب کو اقتدار دوام کے معراج پر پہنچانا تھا۔ یہی انکے مبعوث ہونے کی واحد اور صحیح غرض تھی۔ نہیں بلکہ اسی غالب ہو کر رہنے کے علم کو حاصل کر کے اس پر عامل ہو جانا عین اسلام اور عین دین بلکہ تمام اسلام اور تمام مذہب تھا سرور کائنات اگر کوئی پیغام بشارت اپنی قوم کے لئے لائے تو یہی يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا کا لائے۔

(تذکرہ (دیباچہ) صفحہ ۷۱، ۷۲)

دیکھا! آنحضرتؐ کے مبعوث ہونے کا بس یہی ایک مقصد تھا کہ عرب قوم کو تمام دنیا پر غلبہ دلائیں۔ یہی ان کا اسلام تھا۔ یہی ان کا مذہب، امتِ عرب اور روئے زمین

سے ملا ہوا ایک دوسرا علم تعبیر رویا ہے کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر قبل اسلام تعبیر رویا میں بہت ماہر تھے علم نجوم بھی غیب کے اخبار بتاتا ہے ۔ دیکھو

مقدمہ ابن خلدون عربی معرب صفحہ ۹۵ لغایت ۱۱۹

مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی صفحہ ۸۲ لغایت ۸۸

تاریخ ابی الفداء الجزء الاول صفحہ ۹۹

فلاسفر یونان و ایران بھی کہانت کی صداقت کے معتقد تھے اور رومیوں میں بھی اس کا اعتقاد عام تھا۔ چنانچہ ان میں DELPHI کا ORACLE اپنے الہامات کے لئے بہت مشہور تھا

اندریں صورت بر قیاس بالکل امر واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے طرز عمل پر ان کاہنوں کی پیشین گوئیوں کا بہت بڑا اثر تھا اور انہوں نے اپنا طریق کار ان پیشین گوئیوں کی روشنی میں اختیار کیا تھا۔ کاہنوں کی پیشین گوئیوں اور حالات کے مطالعہ سے ان لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا۔ کہ اس ابتداء کی انتہاء ایک بڑی سلطنت ہے اور بہت جلد جنگ بدر ہی کی فتح کے بعد یہ آئندہ کی امیدیں اور مستقبل کے ارادے حال کے منصوبوں اور تجویزوں میں تبدیل ہو گئے جب آنحضرت نے اپنے اس منشاء کو جس کا دعوت ذی العشیرہ میں اعلان فرمایا تھا۔ مختلف طریقوں سے اپنی امت پر علی الاعلان ظاہر کرنا شروع کر دیا تو آنحضرت کے ارادے کے متعلق کسی کو کچھ شبہ نہیں رہا۔ اب تو ان لوگوں کے لئے جن کی نظریں حکومت کی مسند کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ صرف ایک ہی چارہ کار رہ گیا اور وہ یہ کہ ایک نہایت مضبوط جماعت اپنے ہم خیال لوگوں کو بنالیں اور اپنے خیال کی اشاعت کسی نہ کسی طرح لوگوں میں کرتے رہیں۔ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اور فتوحات اسلامیہ بڑھتی گئیں اس جماعت کے ارادوں اور کوششوں میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ یہ کہنا کہ آنحضرت اس جماعت کی موجودگی اور اس کی کوششوں سے ناواقف تھے خلاف واقعہ ہے اور آنحضرت کی فراست و ذہانت و ذکاوت کی توہین

عن علی بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ بیدی و نحن نمشی فی بعض سکک المدینۃ فمررنا بحدیقۃ فقلت یارسول اللہ ما احسنہا من حدیقۃ قال لک فی الجنۃ احسن منہا حتی مررنا بالسبع حدائق کل ذالک اقول ما احسنہا یقول لک فی الجنۃ احسنہا

حضرت علی سے مروی ہے کہ ایک دن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم مدینہ کی بعض گلیوں میں سے گذر رہے تھے کہ ایک باغ کے پاس پہنچے۔ میں نے کہا کہ یہ کیسا اچھا باغ ہے آنحضرت نے فرمایا کہ جنت میں تیرے لئے اس سے بھی اچھا باغ ہے یہاں تک کہ ہم اسی طرح ساتوں باغوں کے پاس سے گزرے ہر باغ پر میں کہتا تھا کہ کیسا اچھا باغ ہے

پر غلبہ حاصل کرنا۔ یہ دو جملے قابل غور ہیں۔ جسمانی غلبہ و قہر عرب قوم کے لئے حاصل کرنا۔ آنحضرتؐ کا واحد مطمع نظر تھا۔ یہ ہے نہایت خراب درجہ کا IMPERIALISM لیکن یہ ہی طرز عمل تھا حکام سقیفہ کا جس کو آج علامہ موصوف آنحضرتؐ کے سر تھوپ رہے ہیں۔ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

الغرض جہاں کسی قوم میں قوت اور زور ہے امن اور نیام سے موت اور ہلاکت میں بہت کچھ ڈھیل ہے۔ وہیں توحید باقی ہے۔ وہیں صحیح معنوں میں میری عبادت ہو رہی ہے۔ میرے قانون پر سچا عمل ہے۔ میرے آئین کا صحیح علم ہے۔ میرے منشاء کی سچی درک ہے۔ میری صحیح معرفت ہے۔ وہیں صراط مستقیم ہے۔ وہیں اسلام ہے۔ وہیں محمد پر سچا ایمان ہے . . . . اب محمدؐ کی امت کو ہلاک کرنے میں مجھے کیا شرم ہے یا منہ سے تین خدا کہنے والی لیکن توحید پر عمل کرنے والی امت کو زد فرزند کرنے میں کیا عار ہے . . . .

اس کشت زار سعی و عمل کے اندر نہ اعتقادی بت پرستی کوئی بت پرستی ہے نہ قولی خدا پرستی کو عبودیت کہہ سکتے ہیں۔ نہ منہ کی بکواس کر لینے سے اسکی شان کم ہو سکتی ہے۔ نہ زبان سے خدا خدا کرنے سے اسکی عزت بڑھا سکتے ہیں. . . .

اب زمین و آسمان کا محکمہ قضا و قدر اقوال سے حتماً بے نیاز ہے وہ آج اسی قوم کی قوت بڑھا رہا ہے جو متحد ہے اسی کو ملک بخش رہا ہے۔ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا کا حاکمہ عائد ہے۔ انہیں منہ سے خدا پرست اور بے عمل مسلمانوں سے چھین چھین کر دے رہا ہے۔ مسیح کو ابن اللہ کہنے والی باعمل قوم کو دے رہا ہے تینیس کروڑ دیوتاؤں کو ماننے والے کو دے رہا ہے۔ چیخوں اور کراہوں، نوحوں اور مرثیوں کے باوجود دے رہا ہے . . . . . . یہ سب اس لئے کہ قانون پر عمل در اصل ان ہی ابن اللہ والوں کا ہے۔ حکموں کی تعمیل ان ہی مسیح کو خدا کہنے والوں کی ہے . . . . . . پتھر کے بتوں کو توڑنا یا ان سے تعلق منقطع کر لینا کوئی بڑی مردانگی نہیں۔ وہ صرف محمود غزنوی کی توحید ہے احمد مرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توحید قطعاً نہیں. . . . لیکن آج اسی فلسفہ کو اس زمانہ کے خرقہ پوش صوفیا وار اپنے زعم میں اولیاء اللہ خانقاہوں کے اندر کملیاں اوڑھ اوڑھ کر، تسبیحوں کے منکوں کو کھینچا کھینچا کر اور اوندھے منہ غوں غوں کر کے دنیا کی اس نعمت عظمیٰ پر وہ بے دردی سے لات مار رہے ہیں اور اس منعم لم یزل

نے بھی ایک چپہ بھر زمین مسلمانوں کے پاس باقی نہیں رکھی ۔۔۔۔۔ ان (مسلمانوں)
کے گھروں کو اجاڑ رہا ہے۔ ان کے مرکزوں کو تباہ کر رہا ہے ۔۔۔۔۔ ہاں یہ سب
کچھ ان سے چھین چھین کر علی رغم الف ان لوگوں کو دے رہا ہے۔ جنہوں نے ماں
باپ، بیٹیا، روح القدس الغرض خدا کا ایک پورا کنبہ بنا رکھا ہے۔ جنہوں نے آج
تک ایک کلمہ شہادت نہیں پڑھا، ایک مسجد نہیں دیکھی، ایک رکعت بھولے
سے ادا نہیں کی۔ ایک روزہ نہیں رکھا، ایک پیسہ زکوٰۃ میں نہ دیا، بھول کر مکہ اور مدینہ
یا نبی آخر الزمان اور قرآن کا نام تک نہیں سُنا۔ ہاں ۔۔۔۔۔ فاطر زمین و
آسمان کی نگاہ میں وہی قوم ظالم ہے جس نے اپنے افراد میں تفرقہ ڈالا متقی وہی
ہے جو امت واحدہ بن کر رہی، مومن وہی ہے جس نے سب کو پچھاڑ دیا۔ کافر
وہ ہی ہے جو سب سے پچھڑ گئی۔ فاسق وہی ہے۔ جس نے اپنی حفاظت نہ کی۔
عابد وہ ہی ہے جو وارث زمین بنی۔ صالح وہ ہی ہے جو بے خوف وخطر ہو گئی۔
(اقتباسات از تذکرہ (دیباچہ) صفحہ ۱۰۹ لغایت ۱۲۸)

ہم نے بہت ڈرتے ڈرتے یہ عبارتیں نقل کی ہیں۔ لیکن اصلی اور صحیح تعلیم حکام سقیفہ
کی یہی ہے۔ جو علامہ مشرقی نے سمجھی ہے۔ ان بزرگواروں کی اصطلاحات یہ ہیں۔

مذہب اسلام = دنیاوی غلبہ
عبادت الٰہی = زبانی بکواس
عمل صالح = دنیاوی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا
اصلی مسلمان = جس کو دنیا میں غلبہ حاصل ہو۔ اگرچہ اعتقاداً وہ عیسائی و یہودی لامذہب ہی کیوں نہ ہو۔
اصلی کافر = جس کو دنیا میں غلبہ حاصل نہیں اگرچہ موحد خدا کا عبادت کرنے والا ہو۔
عبادت = دنیاوی وجاہت اور غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔
سچا عمل = ایضاً
محمد و خدا پر ایمان = ایضاً
توحید = ایضاً
صراط مستقیم = ایضاً
قولی خدا پرستی = بت پرستی
قولی بت پرستی = خدا پرستی

نعماء الٰہیہ ۔ عالی شان مکانات، خوب صورت عورتیں، اس دنیا کی راحت وآرام کے سامان، دیکھو دیباچہ تذکرہ صفحہ ۱۲۱ ۔

مومن ۔ جس نے سب کو پچھاڑ دیا ۔

کافر ۔ جو سب سے پچھڑ گیا ۔

علامہ مشرقی میں اپنے اعتقادات کو بے خوف وخطر بیان کردینے کی بڑی جرأت ہے جس کی سب کو عزت کرنی چاہیئے ۔ میرے دل میں ان کی عزت اس ہی وجہ سے ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ خیالات ہر اس شخص کے ہیں یا ہونے چاہیئں جو حکام سقیفہ کی پیروی کرنا چاہتا ہے ۔ کیونکہ ان کے طرز عمل سے یہی اور صرف یہی ایک سبق حاصل ہوتا ہے سارا مذہب، کل مقصد اسلام بس یہی ہے کہ دنیاوی غلبہ حاصل ہوجائے ۔ جس جائز و ناجائز طریقے سے ہو سکے ۔ دنیاوی وجاہت مل جائے ۔ سقیفہ سے صفین، دمشق اور بغداد تک کے مکتبوں کو دیکھ لو ۔ یہی سبق ملے گا ۔

یہی سلطنت وحکومت اگر اس طریقہ سے حاصل کی جاتی جو جناب رسول خدا نے بتایا تھا ۔ تو آج کو دنیا کا مرقع ہی بدلا ہوا ہوتا ۔ اصلاح وتبلیغ کے ذریعے سے ساری قوم کو اسلام کی صحیح تعلیم دے کر سچا مسلمان بنانا ۔ اس صورت میں حکومت تو اس قوم ہی کی رہتی ۔ لیکن وہ قوم مسلمان ہوگئی ہوتی ۔ اس طرح اسلام کی حکومت تو دنیا پر قائم ہوجاتی ۔ لیکن یہ ضرور ہے ۔ کہ وہ عرب کی حکومت نہ ہوتی، اگرچہ عرب کی تہذیب ساری قوموں میں سرایت کر گئی ہوتی ۔ لیکن ان فاتحان سقیفہ نے ہر ایک قوم کے قومی وتمدنی ومعاشرتی تعصبات کے جذبات کو بھڑکا کر اپنے خلاف کر لیا ۔ تلوار سے ملکوں پر قبضہ تو ہوگیا ۔ لیکن دلوں پر قبضہ نہ ہوا ۔ آج تک رونا اسی کا تو ہے ۔ کہ غیر ملکوں میں جاکر اسلام مسخ ہوگیا ۔ مغلوب اقوام نے اسلام کا بھیس بدل کر مسلمانوں کے دین وتہذیب کو نقصان عظیم پہنچایا ۔ اور اس طرح اپنی شکست کا بدلہ لیا ۔

اس بے جا اور بے موقعہ اور شدید حرص وتمنائے دنیا کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے دولت وثروت کے عوض اپنا دین وایمان فروخت کردیا ۔ جو لوگ تلوار ولشکر سے دنیاوی وجاہت حاصل نہیں کر سکتے تھے ۔ انہوں نے آسان طریقہ تاویل قرآن وفقہ کا نکال لیا ۔ ان دونوں میں اپنا علیحدہ راستہ نکال کر الگ مصلے بچھا لیا اور امام بن گئے ۔ مقتدیوں کی جماعت ملنی کون سی مشکل تھی ۔ مفت کی امامت وسرداری مل گئی ۔ اسلام میں تفرقہ پھیلا ۔ لیکن ان کا مقصد تو حاصل ہوگیا ۔ اور نوادر ان چاروں بڑے اماموں کو تو دیکھو ۔ ایک کی کتابیں

پڑھو تو باقی سب کافر نظر آئیں گے۔ اُن کے مقلدین نہایت آزادی کے ساتھ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حق کسی کے پاس نہیں۔ سچی فقط ایک ہی تاویل ہو سکتی ہے اگر وہ سچی ہے تو دوسرے کو قائل کر دے گی۔ مگر یہ قائل نہیں ہونا چاہتے۔ کیونکہ امامت میں فرق آتا ہے۔ دُنیا کی عدالتوں کے پاس ایک نہیں سینکڑوں ایکٹ ہیں۔ جن کی تاویلیں کرنی پڑتی ہیں۔ اُن میں اختلاف ہوتا ہے لیکن بہت کم اور جب پریوی کونسل ایک فیصلہ کر دیتی ہے تو سارے اختلافات مٹ جاتے ہیں۔ ہمارے ان اماموں کی کوئی پریوی کونسل ہی نہیں۔ کوئی شخص نہیں جس کی یہ سب اطاعت کریں۔ یہاں تک کہ کہنے کو کہہ دیا کہ حَسْبُنَا کتاب اللہ لیکن اپنے اختلافات کو مٹانے کے لئے اس کی طرف بھی رجوع نہیں کی۔ اختلافات مٹ جاتے تو علیحدہ سرداری و امامت کہاں سے باقی رہتی۔

حدیث نجوم کی خرابیاں

اس حدیث سے لوگوں نے اپنے افعالِ ذمیمہ کو اپنے ضمیر کے آگے خوش نما بنانے میں خوب مدد لی۔ ہر ایک فعل مذموم کے لئے اصحابِ رسول میں سے نمونہ مل جاتا تھا۔ اور پھر لوگ اس کام کو شرم و گناہ کے علم کے ساتھ نہیں بلکہ صحابی رسول کی تاسّی کے فخر سے کرتے تھے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ بات بہت عیاں ہے۔

اب ہم ایک نقشہ پیش کرتے ہیں۔ جس پر ایک نظر ڈالنے سے اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ حکومت سقیفہ کے حاصل کرنے اور اس کو مستحکم کرنے کی کوشش سے اسلام کے لئے کتنے بُرے نتیجے پیدا ہو گئے۔ اور آخر کار اب جو اسلام نظر آتا ہے۔ اُس کی خرابیاں اور بدحالیاں حکومت سقیفہ کا براہِ راست نتیجہ ہیں۔

* * * * * * * * *

حکومت سقیفہ بنی ساعدہ

- کفرانِ نعمت
  - ازالۂ نعمت
    - حکومتِ یونانیہ
      - امامتِ اسلامیہ کی بجائے حکومتِ یونانیہ
- عقیدۂ عدمِ استخلاف
  - صحیح تجویزِ خلافت کی
    - عدمِ معرفت
      - ہر ایک بادشاہ و جابر خلیفۂ اسلام بن گیا
- وضعِ احادیث
  - حدیثِ نجوم
    - ہر ایک ظلم اور غیر اسلامی طرزِ عمل کے لیے نظائر مل گئے
- اہلِ بیتِ رسالت کی تحقیر و توہین اور ان سے اعراض
  - حسبنا کتاب اللہ
  - تجزیہ نبوت
- پالیٹکس بنیادِ عقائد
- ہر نیکی و بدی کا فاعل خدا ہے
  - جوازیتِ ظلم و گناہ
- افتراق و تفریق در امت
- شیعہ و سنی کی ابتداء
- شوریٰ و خلافت کے امیدواروں کی کثرت
  - جمل
  - صفین
  - جنگِ دائمی و طوائف الملوکی
- سرعتِ فتوحات
- حکومت و وجاہت دنیاوی کا لالچ
- تبلیغ متعہ
- ایمان کے لیے عمل کی ضرورت نہیں

- دشمن کے ہاتھ فروخت ہو جانا
- کثرتِ آمدہ کثرتِ اثم
- اسلام میں تفرقہ
- بے اصولی
- نفاق
- افضلیت و مفضول کی تمیز نہیں
- نافرمانی
- خلافت کے امیدواروں کی کثرت
  - فتنہ و جنگ

- سرعتِ فتوحات
  - عام اسلام پر دیگر مذاہب کا اثر
  - دولت و ثروت کی فراوانی
    - پیروی شفقت صلیب و صنم
    - نافرمانی اوامر و نواہی اسلام
    - ظلم کی افراط
    - علم کی بے قدری
  - امپیریلزم
  - جہاد کے طریقہ اور مقصد کا منقلب ہو جانا

- مداخلت در امور دین محمد کی بجائے عمر شارع اسلام سقیفہ
  - ترمیم و تنسیخ فقہ اسلام
  - توہینِ رسول
  - عقلِ عوام و قیاس غیر مشروط
  - غلط تاویل قرآن
  - عدمِ معرفتِ خلیفہ واجب الاطاعت
- خالفتِ رسول

باب ہشتدہم

سانحۂ کربلا

واقعاتِ سقیفہ کا قدرتی نتیجہ تھا

سانحہ کربلا کو واقعاتِ سقیفہ سے وہی نسبت ہے جو لڑکی کو اپنی حقیقی والدہ سے اور رات کو سورج کے غروب ہونے سے ہوتی ہے اور کوئی اس سے انکار کرتا ہے تو دو میں سے ایک بات ہے یا تو وہ واقعاتِ سقیفہ کا حامی ہے اور انہیں بدنام نہیں کرنا چاہتا یا اسے تاریخ کے مطالعہ کا شعور ہی نہیں ہے۔

سانحہ تو عظیم تھا ایسا کہ تاریخ عالم میں نہ اس سے پہلے کبھی ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا اس سے پہلے بھی بہت سے نبیوں کی تحقیر کی گئی، توہین کی گئی، تکذیب کی گئی۔ انہیں قتل کیا گیا۔ اذیتیں طرح طرح کی پہنچائی گئیں۔ لیکن یہ جو کچھ کیا کافروں نے کیا۔ مخالف مذہب والوں نے کیا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خود اس رسول کے ماننے والوں نے اس کے پیرؤوں نے اس کی توہین و تحقیر کی ہو اور اس کی اولاد کو اس کی آنکھ بند ہوتے ہی اتنا ستایا ہو اور آخر کار اس کی نسل ہی قطع کرنے کی کوشش کی۔ ہو جتنا اور جس طرح امت اسلامیہ نے اپنے رسول کی توہین تحقیر کی اور اسکی نسل کو قطع کرنے کی کوشش کی یہ معمولی بات نہیں ہے بہت غور طلب ہے وہ لوگ اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے کہتے ہی نہیں تھے بلکہ دل سے سمجھتے بھی تھے۔ قاری قرآن تھے ایسے کہ حمائلیں گردن میں لٹک رہی تھیں اور ہاتھ اپنے رسول کی اولاد کی طرف تیر چلا رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ جلدی سے حسینؑ کی گردن اتارو۔ تاکہ نماز ظہر اپنے صحیح وقت پر پڑھی جاوے۔ پانچوں وقت کی نمازوں میں اقرار کیا کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ ہے۔ وہ فقط رسول ہی نہ تھا اپنی قوم کا محسن بھی تھا۔ عرب کیا تھے ایک وحشی بدوؤں کی جماعت جن کا گذارہ قتل و غارت پر تھا۔ ان کو ایک منظم قوم بنا دیا۔ ملک گیری کا سلیقہ سکھا دیا۔ یہی نہیں کہ اسی حسینؑ کا نانا جو ان کے سامنے زخمی کھڑا ہوا پانی کا جرعۂ آب اُن سے طلب کر رہا تھا اور وہ نہیں دیتے تھے، ان کا محسن تھا بلکہ وہ حکومت جس پر آج ان کو ناز تھا اور جس کی طاقت حسینؑ کو کچلنا چاہتی تھی اس ہی بے کس حسینؑ کے نانا کی پیدا کردہ تھی، ایسی احسان فراموشی، ناشکر گزاری محسن کشی کی نظیر تاریخ عالم نہیں دکھا سکتی۔ یہ یا تو قصور تھا اس قرآن شریف کا جو اُن کے گلے میں لٹک رہا تھا۔

یا اس سبق کا جو یہ اب تک پڑھتے آئے تھے۔ آلِ رسول پر ظلم و ستم کرنے کی رسم کا یہ پہلا دن نہیں تھا۔ اور حسین پہلے شہید نہ تھے۔ اس خاندان کی پہلی مظلومہ پہلی مقتولہ پہلی شہیدہ یہ فریاد کرتی ہوئی دنیا سے اٹھی کہ تم دونوں نے مجھ پر بہت ظلم و ستم کیا ہے اور جب میں اپنے باپ سے ملوں گی۔ تو تمہاری شکایت کروں گی۔ وہ اس ہی حسین کی والدہ معظمہ تھیں۔ اور اس ہی حسین کے والد قبر رسول پر اس طرح فریاد کرتے ہیں کہ اے میرے بھائی قوم نے میری بہت تحقیر کی اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالتے۔ خاموش واقعات اپنے میں بہت بلیغ شہادت مضمر رکھتے ہیں۔ کیا یہ امر واقعہ کہ مرنے کے بعد ان سب کی قبریں بھی ایک جگہ امت نے بننے نہ دیں۔ کچھ کم بلیغ ہے سوچنے والا دماغ اور بصیرت والا دل چاہیئے۔ جس پیاری دختر کے لئے رسول کہیں کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ وہ رات کو عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہو۔ اور اپنے باپ کے پاس جگہ نہ پائے۔ وہ بھائی وہ داماد جس کو رسول لحمک لحمی و دمک دمی کہیں وہ نجف میں ایسی جگہ دفن ہو کہ قبر کا پتہ بھی بہت عرصہ کے بعد ملے۔ پیارا نواسہ حسنؑ جو باوجود اپنی وصیت کے اپنے نانا کے پہلو میں جگہ نہ پائے۔ دوسرا نواسہ حسین کو رسول کہا کرتے تھے اَلْحُسَیْنُ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ اس طرح دفن ہو کہ اب تک پتہ نہ چلا کہ سر اقدس کہاں دفن ہے۔ رسول کے پہلو میں کون جگہ پائیں وہ جنہوں نے خلافت پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ روح رسول کیا خوش ہوتی ہوگی کہ میرے پہلو میں میرے پیارے کون پیارے، خسر دفن میں جن کی سعادت مند لڑکیوں نے میری زندگی اس طرح تلخ کی تھی کہ قرآن شریف میں خدا کو انہیں تنبیہ کرنے کی ضرورت ہوئی۔ روح رسول اپنے ان سسروں کو اپنے پہلو میں دیکھ کر بہت خوش ہوتی ہوگی خصوصاً جب کہ اسے خیال آتا ہو گا کہ ان کی سیاست کا نتیجہ ہے کہ میرے عزیز نواسے، میری لڑکی۔ میرا بھائی ان میں سے کوئی میرے پاس دفن نہیں ہے۔ کیا یہ سب واقعات ایک دوسرے سے وابستہ نہیں؟

ان عظیم الشان اور عجیب واقعات کے اسباب و علل تلاش کرنا ہر ایک مورخ کا فرض ہے قبل اس کے کہ ہم بتائیں کہ اس صورت حالت کے اسباب و علل کی جڑ سقیفہ بنی ساعدہ میں ملتی ہے۔ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ان کے علاوہ اور کوئی اسباب اس واقعہ فاجعہ کے ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ لوگ جو سقیفہ کے حامی ہیں اور وہ لوگ کہ جن پر فرنگستانی تخیل اور لامذہبیت مستولی ہو گئی ہے واقعہ کربلا کو مندرجہ ذیل اسباب کا نتیجہ بتاتے ہیں یا بتا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے علاوہ ان کی ذہنیت رکھنے والے اشخاص کے لئے کوئی اور

سبب نہیں ہو سکتا۔

(۱) بنو ہاشم و بنو امیہ میں پرانی دشمنی چلی آتی تھی۔ یزید نے اپنے باپ دادا کی شکستوں کا بدلہ لینا چاہا اور لیا۔

(۲) امام حسینؑ نے یزید کے خلاف خروج کیا اور اس کے حسن انتظام کی وجہ سے شکست کھائی۔

وہ لوگ کہتے ہیں کہ بات تو فقط اتنی ہی ہے اس کو مذہبیت کا رنگ دے کر خواہ مخواہ تیرہ صدیوں سے مسلمانوں کو غم و غصہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ہم ان دونوں واقعات پر غور کرتے ہیں اور اگر یہ صحیح ہے تو ہم بھی کہیں گے کہ تیرہ صدیوں کے بعد حق کو معلوم کر لینے کا سہرا ان فرنگی مورخوں ہی کے سر رہا۔ جو ہر ایک نئی چیز اور نئی تھیوری کے عاشق ہوتے ہیں۔

ان دونوں وجوہات پر ہم ابھی بحث کرتے ہیں۔ لیکن ان کو اسباب قرار دینے سے کئی سوال بغیر حل کئے رہ جاتے ہیں۔ اگر یہ دو ہی وجوہات تھیں۔ تو اگرچہ یزید کا امام حسینؑ کے مخالف ہونا تو معقول ہو گیا۔ اور اس کی وجوہات مل گئیں۔ لیکن یہ ذاتی وجوہات تھیں۔ یزید کا ساتھ اس طرح اس وقت کی تقریباً تمام امت اسلامیہ نے کیوں دیا۔ اور اگر اجماع کوئی شے ہے تو ہم کہیں گے کہ قتل حسینؑ پر یہ اجماع کیوں ہوا؟ حسینؑ کوئی غیر معروف شخص نہ تھے۔ اس امت کے حقیقی رسول کے حقیقی نواسے تھے۔ رسولؐ کو جو عشق حسینؑ سے تھا وہ بھی ان کو معلوم تھا۔ حسینؑ نے کوئی بات خلاف اسلام نہ کی تھی۔ ہزارہا مسلمان کیوں نواسہ رسول کے خلاف ہوں اور یزید کے حامی ہوں۔ وہ یزید جس کا بے دین ہونا ظاہر تھا۔ وہ یزید جو دشمنان رسول کے خاندان سے تھا۔ وہ یزید جس کو کسی صورت سے حکومت کا حق نہیں پہنچتا تھا۔ یہ تو حضرات شیخین فیصلہ کر گئے تھے کہ یہ حکومت کسی کا ورثہ نہیں ہے۔ باپ سے بیٹے کو نہیں ملتی۔ اور علاوہ اس کے معاویہ نے جو عہد نامہ امام حسن علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا اور جس شرط کی بنا پر امام حسن علیہ السلام نے حکومت اس کو سپرد کی تھی وہ یہ تھی کہ معاویہ کے بعد خلافت امام حسن علیہ السلام کو ملے گی۔ اور اگر وہ نہ ہوئے۔ تو جناب امام حسین وارث ہوں گے۔

لاخلاف بین العلماء ان الحسن انما سلم الخلافة لمعاویة	تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حسن نے معاویہ کو حکومت اس شرط پر سپرد کی تھی کہ فقط تاحیات

حیاتہ لا غیر ثم یکون لہ من بعدہ — اس کے پاس رہے۔ اور معاویہ کی موت کے بعد خلافت امام حسن کو پہنچے۔

ابن عبدالبر:۔ الاستیعاب الجزء الاول۔ صفحہ ۱۴۴۔ ترجمہ حسن بن علی

حافظ ابن عبدالبر نے اس کو دو جگہ اور دہرایا ہے۔

واشترط علیہ الحسن ان یکون لہ الامر من بعدہ — یعنی امام حسن کی معاویہ کے ساتھ شرط یہ ہوئی تھی کہ معاویہ کے بعد خلافت پھر حسن کی طرف عود کرے گی۔

الاستیعاب صفحہ ۱۴۳

ایک اور جگہ کہتے ہیں:۔

وبایع المعاویہ علی ان یجعل العہد للحسن من بعدہ — یعنی امام حسنؑ نے معاویہ کے ساتھ اس شرط پر صلح کی کہ معاویہ کے بعد خلافت حسنؑ کو ملے گی۔

الاستیعاب صفحہ ۱۴۳

فاصطلح معہ علی ان معاویۃ الامامۃ ما کان حیا فاذا مات فالامر للحسن — امام حسن نے معاویہ سے اس پر صلح کی کہ جب تک معاویہ زندہ رہے تو حکومت اس کے پاس رہے اس کے مرنے کے بعد حسنؑ کو ملے۔

ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ:۔

کتاب الامامۃ والسیاسۃ الجزء الاول صفحہ ۱۳۶

فکتب الی معاویہ یخبرانہ یصیر الامر الیہ علی ان تکون لہ الخلافۃ من بعدہ...... — امام حسنؑ نے معاویہ کو لکھا۔ کہ اس شرط پر خلافت تم کو دے دی جائے گی کہ تمہارے بعد خلافت مجھے ملے............

فاجابہ معاویہ الی ما طلب — معاویہ نے ان شرائط کو مان لیا

ابن حجر مکی:۔ صواعق محرقہ الباب العاشر فی خلافۃ الحسن۔ صفحہ ۸۱

علامہ ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

وقد کان معاویہ لما صالح الحسن عہد للحسن بالامر من بعدہ فلما مات الحسن قوی امر یزید عند معاویہ۔ — یعنی معاویہ نے بوقت صلح امام حسنؑ سے شرط کی تھی کہ اس کے بعد خلافت امام حسن کو ملے گی۔ پس جب امام حسنؑ کا انتقال ہوا۔ تو معاویہ نے سمجھا کہ اب یزید کو اچھا موقعہ مل گیا۔

البدایہ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الثامن صفحہ ۸۰۔

معاویہ با امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ مصالحہ کرد و عہد بست بر آنکہ اگر وے را حادثہ پیش آید خلیفہ امیر المومنین حسن باشد رضی اللہ عنہ	یعنی معاویہ نے امام حسنؓ سے اس شرط پر صلح کی اور عہد پیمان کر لیا کہ اس کے مرنے کے بعد خلیفہ امام حسنؓ ہوں۔

جامی :۔ شواہد النبوۃ رکن سادس صفحہ ۱۷۲ - مطبوعہ مطبع نولکشور۔
علی کی وفات پر اُن کے بڑے بیٹے امام حسنؓ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن انہوں نے اس قرارداد پر عہدۂ خلافت سے استعفیٰ دے دیا کہ بعد وفات معاویہ کے امام حسنؓ پھر اسکے جانشین ہوں۔
مولوی حسن میاں :۔ شہادت حسین ؛ مصباح الدین احمد :۔ الہارون صفحہ ۳۸ ؛ حسن دیار بکری :۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی صفحہ ۳۲۳ ؛ نہ ملاحظہ ہو ۔
WOLLASTON :- MOHAMMED AND HIS WORK P.P. 13-14
حسینؓ حق پر بھی تھے۔ نواسۂ رسول بھی تھے۔ خلاف اسلام کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ قتل عثمان میں عثمان کے مددگار تھے۔ ان کو پانی کی مشکیں خود لے جاکر پہنچائی تھیں۔ مسلمانوں کے خلاف نہیں تھے پھر اتنے مسلمان جن میں صحابۂ رسول بھی تھے۔ قتل حسینؓ پر کیوں اجماع کریں۔ اس کا یہ جواب کافی نہ ہوگا کہ وہ یزید کے تنخواہ دار تھے۔ لہٰذا اس کا ساتھ دیا۔ اس کے تنخواہ دار تو جب ہی بنے کہ جب انہوں نے قتل حسین پر آمادگی ظاہر کی۔ ہر ایک صحابی ستارہ ہدایت ہے۔ قاری قرآن تھے۔ سب مسلمان تھے۔ جانتے تھے۔ کہ وَمَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ۔ جناب امام حسینؓ نے اس عالم بے کسی میں اپنے پیہم استغاثوں سے بتا دیا تھا کہ وہ کون ہیں، یہاں کو ابن نہ قرآن کو حکم بنایا۔ تاریخ عالم ایسی بہت سی مثالیں بتاتی ہے کہ اگر لشکر کی کوئی اپنی خاص مرضی ہو تو بادشاہ کیسا ہی جبار ہو اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ لشکر کو اپنی طاقت کا علم ہوتا ہے۔ جس کو چاہا انہوں نے تخت سے اُتار دیا۔ جس کو چاہا۔ تخت پر بٹھا دیا۔ صفین میں دیکھو۔ لشکر خلاف ہو گیا تو حضرت علی کچھ نہ کر سکے۔ اور یقینی فتح شکست میں بدل گئی۔ اس طرح بچے بچے کو قتل کرنا، بہتر آدمیوں کا تیس ہزار سے مقابلہ ہی کیا۔ اس پر بھی پانی بند کر دینا، خیام اہل بیت کو تاراج کرنا، بچوں اور عورتوں کو اسیر کر کے اس بے رحمی سے تشہیر کرنا، یہ محض حفاظتِ سلطنت کی غرض سے نہ تھا۔ اس زمانہ میں لشکر کے جمع کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک منادی شہروں میں ندا کرتا تھا کہ فلاں مہم پر جانا ہے جو چاہتا ہے حاضر ہو جائے۔ چنانچہ ابن زیاد نے حر ابن یزید ریاحی کے خط سے

منہا فلما خلی لہ الطریق اعتنقنی ثم اجہش باکیا قلت یا رسول اللہ ما یبکیک قال ضغائن فی صدور الاقوام لا یبدونہا لک الا من بعدی قلت یا رسول اللہ فی سلامۃ من دینی قال فی سلامۃ من دینک۔

اور آنحضرت فرماتے تھے کہ تیرے لئے جنت میں اس سے بہتر باغ ہے۔ جب ہم ایسے راستے پر آئے کہ جہاں کوئی اور نہ تھا تو جناب رسول خداؐ مجھے گلے سے لگا کر رونے لگے میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپکے گریہ کا کیا باعث ہے تو فرمایا کہ ان لوگوں کے دلوں میں تیری طرف سے کینے اور عداوتیں بھری ہیں جنکو وہ اب تو چھپائے ہوئے ہیں لیکن میرے بعد ظاہر کرینگے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ سب میری سلامتی دین کے ساتھ ہوگا فرمایا ہاں تیری سلامتی کیساتھ۔

علی المتقی۔ کنز العمال الجزء السادس۔ صفحہ ۴۰۸۔ حدیث ۶۱۵۸

محب الدین طبری۔ ریاض النضرہ۔ الجزء الثانی۔ الباب الرابع۔ فصل الثامن صفحہ ۲۱۰

یا علی ان الامۃ ستغدر بک من بعدی وانت تعیش علی ملتی وتقتل علی سنتی من احبک احبنی ومن ابغضک ابغضنی وان ھذا سیخضب من ھذا یعنی لحیتہ من راسہ۔

فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ اے علی میرے بعد تمہارے ساتھ یہ امت دغا اور بغاوت کریگی تم میری ملت پر رہو گے اور میری سنت پر قتل کئے جاؤ گے جس نے تم سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جس نے تم سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور بہ تحقیق کہ تمہاری ڈاڑھی تمہارے سر کے خون سے رنگی جائے گی۔

علی المتقی:۔ کنز العمال الجزء السادس صفحہ ۱۵۷۔ حدیث ۲۶۱۵

ابو عبد اللہ الحاکم:۔ المستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث صفحہ ۱۴۰ اور ۱۴۲

میرزا محمد بدخشانی:۔ نزل الابرار صفحہ ۳۹

محمد بن اسماعیل، روضۃ الندیہ شرح تحفۃ العلویہ صفحہ ۹۳

ایک جماعت کا موجود ہونا۔ ان کا ایک مقصد رکھنا۔ اس مقصد کا عجیب و غریب طرح سے کامیاب ہونا، یہ سب باتیں اچھی طرح ثابت کرتی ہیں کہ جناب رسول خداؐ اور بنو ہاشم سے پوشیدہ یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے۔ جناب رسول خداؐ کے افعال و اقوال پر آپس میں نکتہ چینیاں کر کے لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلاتے تھے۔ کیونکہ بغیر اس کے جناب رسول خداؐ کا مقرر کردہ نظام درہم برہم نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن ہم اس بات کو بھی استدلال و درایت پر نہیں چھوڑتے اس کا بھی ثبوت پیش کرتے ہیں۔

خبر ور دو امام حسین بکربلا معلوم کر کے کوفہ و بصرہ میں منادی کرادی کہ حسینؑ کے قتل کرنے کا جو ارادہ رکھتا ہے وہ آن کر جمع ہو جائے۔

ضیاء العین فی مقتل الحسین اردو ترجمہ نور العین فی مقتل الحسین تالیف ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد ابراہیم اسفرائینی۔ صفحہ ۷۹۔

اگر یزید مسلمان تھا تو پھر جناب رسول خدا کی مذہبی جنگوں کا بدلہ کیسا۔ بلکہ ان کی فتح کا غم کیوں۔ در اصل جنگ تو ان کے خلاف حضرت یزید کے دادا ہی نے شروع کی تھی۔ اور بنو ہاشم و بنو امیہ کی دشمنی کیسی۔ اصلی مومنین کے لئے تو اسلام کے بعد قبیلوں کی سابقہ دوستیاں و دشمنیاں اخوت اسلامی میں مبدل ہو گئی تھیں اور اگر وہ دل سے کافر تھا تو ایسا کیوں ہوا کہ اسلام کی حکومت ایک کافر کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اور اگر اس کا کفر پنہاں تھا۔ تو اس خاندان کی عداوت رسول تو عیاں تھی دشمن اسلام و مسلمین کے خاندان میں کیوں حکومت دی گئی۔ غرضیکہ ان دو مفروضہ اسباب کو صحیح سمجھ کر اتنے سوالات حل طلب رہ جاتے ہیں۔ اور وہ تھیوری کبھی قابل قبول نہیں ہوتی جس میں ایک بھی امر ایسا ہو جو اس کو صحیح سمجھنے سے حل نہ ہو۔ اور جس کا جواب اس تھیوری سے نہ نکل سکے اب ہم ان دونوں مفروضہ اسباب پر غور کرتے ہیں

بنو امیہ اور بنو ہاشم کی عداوت

بنو امیہ اور بنو ہاشمؑ کی عداوت کو ایک سبب واقعہ کربلا بتانا عمداً اصلی صورت حالات پر ایسا پردہ ڈالنا ہے کہ جس کے آر پار سب کچھ نظر آتا ہے۔ یہ پردہ ایسا ہے کہ یہ کسی شئے کو نہیں چھپا سکتا۔ بلکہ پردہ ڈالنے والے کی دلی حب خاندان معاویہ کو عیاں کر دیتا ہے یہ سبب تو ایک ذراسے غور کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ عداوت اگرچہ پرانی تھی لیکن قطعی اور آخری فتح اسلام نے خاندان بنو امیہ کو بالکل مغلوب کر دیا۔ یہ خاندان آخر تک آنحضرتؐ سے لڑتا گیا اور اس وقت تک ہتھیار نہ رکھے جب تک بالکل ہی مغلوب نہ ہو گیا۔ جب مغلوب ہوا تو اس میں کچھ طاقت نہ تھی۔ اور عداوت رسول کا کلنک کا ٹیکہ ایسا ماتھے پر لگا تھا۔ کہ آئندہ کے لئے بھی کچھ امید نہ تھی۔ جناب رسول خداؐ کی رحلت کے وقت اس خاندان کی کس مپرسی کی یہ حالت تھی کہ خلافت و حکومت گمنام قبیلوں میں چلی گئی اور کسی نے ان کو پوچھا بھی نہیں۔ اور ابوسفیان کو جب یہ معلوم ہوا۔ تو آن کر حضرت علیؑ کو بھڑکانا چاہا۔ خود پھر بھی اتنی جرأت نہ ہوئی کہ اپنے نام پر خلافت کا حق دار بن کر کھڑا

بنو امیہ اور بنو ہاشم کی عداوت

ہو جاتا۔ اگر حکام سقیفہ کی سیاست اس خاندان کو آگے نہ بڑھاتی اور اس مُردہ میں جان نہ ڈالتی تو خلافتِ رسول تک پہنچنا تو بڑی بات ہے۔ اسلام میں اس کا کچھ اثر ہی نہ رہتا۔ بنو امیہ کی عداوت تو تھی۔ لیکن اس عداوت کو طاقت کس نے دی۔ اس عداوت کو ضرر پہنچانے کے ہتھیار کس نے مہیا کئے۔ دراصل یہ ایک سبب نہ تھا۔ یہ تو معلول تھا۔ کسی اور علت کا۔ یہ تو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں کہ جو کام یزید نے کیا وہ دشمن ہی کر سکتا تھا اور پشتینی دشمن اس خوبی سے کر سکتا تھا جس خوبی سے یزید نے کیا۔ لیکن یہ تو سوچو کہ اس کو اپنا کینہ نکالنے کے لئے اسباب کس نے مہیا کئے۔ یہ وہی حکام سقیفہ تھے۔ گویا یہ تو ایک مسبب ہو گیا۔ اس کا سبب وہ ہی حکام سقیفہ کا عمل رہا۔ اس مضمون کا باقی حصّہ آگے چل کر زیر عنوان عقدہ سوم دیکھو۔

امام حسینؑ کا "خروج"

خروج دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک حق کے خلاف اور دوسرا ناحق کے خلاف۔ جو حق کے خلاف ہوتا ہے اسلام میں اس کو ہی بغاوت کہتے ہیں۔ اس کو ہم تفصیل سے باب ششم کتاب ہذا میں بیان کر چکے ہیں۔ جو ناحق کے خلاف ہوتا ہے وہ حق کی مدد ہے۔ رسول کی نصرت ہے۔ خدا کے دین کی امداد ہے۔ حسینؑ کی تحریک اس ہی عنوان کی تحت میں آتی ہے۔ حکومت یونانیہ کے فلسفہ میں بغاوت اس کو کہتے ہیں جو حاکم وقت کے خلاف ہو خواہ اس کی حکومت کا آغاز جور و ستم و ناحق سے ہوا اور وہ مبنی بر ظلم و غصب ہو۔ اہل یورپ جب اس مضمون پر کچھ لکھتے ہیں تو وہ بغاوت کے یہ ہی یونانی و رومانی معنی لیتے ہیں۔ تحریک سقیفہ کے حامی بھی یہ ہی معنی لینے پر مجبور رہیں۔ امام حسینؑ کی تحریک بہر صورت مستحسن تھی اور بالکل ہدایات قرآنی کے مطابق تھی۔ اگر یونانی اور سقیفہ والے معنی لئے جائیں تو بھی اس ضمن میں چند امور پر غور کرنا ہو گا۔ اور وہ یہ ہیں۔

(۱) پہل کس نے کی؟ حسینؑ نے یا یزید نے؟ کیونکہ اگر حسینؑ نے پہل کی تو حسینؑ کا طرزِ عمل خروج کہلائے گا۔ اگر یزید نے پہل کی۔ تو امام حسین علیہ السلام کا طرز عمل دفاعی صورت رکھے گا۔

(۲) امام حسینؑ کا اب تک کا تجربہ۔ کیا وہ ایسا تھا کہ حسین علیہ السلام یزید سے حکومت چھین لینے کی امید کر سکتے تھے

(۳) امام حسینؑ کا رویہ امام حسنؑ کی خلع خلافت کے بعد سے وفات معاویہ تک۔ ایک پرانی سلطنت پر حملہ کا خیال یکایک ہی پیدا ہو کر معرض عمل میں نہیں لایا جا سکتا۔ اُس

کے لیے عرصہ کی تیاری چاہیئے۔
(۴) امام حسینؓ کے حالات تخت نشینئ یزید سے مدینہ سے روانگی تک۔
(۵) مکہ کے حالات، کوفیوں کے خطوط۔
(۶) مسلم کا کوفہ کو بھیجنا۔
(۷) کس ساز و سامان سے امام حسینؓ نے "خروج" کیا۔
(۸) امام حسینؓ کے اقوال بوقت خروج۔
(۹) کوفہ کی طرف آپ نے کیوں رُخ کیا؟
(۱۰) امام حسینؓ کی شہادت کی پیشین گوئیاں۔
(۱۱) امام حسینؓ کا طرز عمل راستہ میں۔
(۱۲) امام حسینؓ کا طرز عمل کربلا میں
(۱۳) امام حسینؓ نے کیوں بیعتِ یزید نہ کی۔

امر اول۔ کس نے پہل کی؟

امر اول کس نے پہل کی

اہل بیت رسالت سے بدظن رہنا حکام سقیفہ کا پہلا اصول تھا۔ اور یہ ان سیاسی اصولوں میں سے ایک تھا جو اُن کے بعد کی آنے والی حکومتوں نے اختیار کیا۔ امیر معاویہ اور یزید دونوں نے اس اصول پر سختی سے عمل کیا۔ ہم "تاریخ کامل" میں سے ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔ عبارت اس کے اردو ترجمہ سے نقل کی گئی ہے

جب اہل عراق اور اہل شام (یزید کی) بیعت کر چکے۔ تو امیر معاویہ ایک ہزار سوار ہمراہ لے کر حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ مدینہ کے قریب پہنچے تو راستہ میں سب سے پہلے امام حسین ابن علی رضی اللہ عنہما ملے۔ معاویہ نے ان کو دیکھتے ہی کہا۔ کہ میں ایسے شتر قربانی کو مرحبا اور خوش آمدید نہ کہوں گا۔ جس کا خون بہنے والا ہو اور خدا ہی اسے بہائے گا انھوں نے کہا کہ سنبھل کر بولو۔ قسم بخدا ایسی باتیں میری شان کے خلاف ہیں۔ امیر معاویہ نے کہا کہ ہاں ضرور ہو بلکہ اس سے بھی بدتر کے لائق ہو۔

اردو ترجمہ تاریخ کامل ابن اثیر۔ خلافت بنوامیہ۔ حصہ اول صفحہ ۱۰۵۔

ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے پہلے ہی سے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ امام حسینؓ کو ضرور قتل کریں گے وقت اور بہانہ کے منتظر تھے۔ اپنے بستر مرگ پر امیر معاویہ نے یزید کو یہ وصیت کی۔

ان معاویہ لما مرض مرضته التی هلك فیها دعا یزید ابنه	معاویہ نے اپنے مرض الموت کے دوران میں یزید کو بلا کر کہا کہ اے بیٹے میں تجھ کو ساری

فقال یا بنی انی قد کفیتك الرحلة والترحال ووطات لك الاشیاء وذالت لك الاعداء واخضعت لك اعناق العرب وجمعت لك من جمع واحد وانی لا اتخوف ان ینازعك هذا الامر الذی استتب لك الا اربعة نفر من قریش الحسین بن علی عبدالله بن عمر وعبدالله بن الزبیر وعبدالرحمٰن بن ابی بکر

تکلیفوں اور تردد سے بچا لیا ہے ہر ایک چیز کو کچل ڈالا ہے اور دشمنوں کو تیرے لئے مغلوب کر دیا ہے اور مغرور عربوں کی گردنیں تیرے سامنے جھکوا دی ہیں۔ اور ہر ایک امر کو تیرے لئے جمع کر دیا ہے۔ مجھے ڈر نہیں ہے کہ اس حکومت میں تجھ سے کوئی تنازعہ کرے صرف چار آدمیوں کے سوا۔ یعنی حسین ابن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔

- تاریخ طبری:۔ الجزء السادس صفحہ ۱۷۹
ابن کثیر شامی:۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الثامن صفحہ ۱۱۵
اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون، جلد پنجم صفحہ ۵۵۔

حسین علیہ السلام ان لوگوں کی آنکھوں میں پہلے ہی سے کھٹکتے تھے۔ کیوں؟ اس وجہ سے کہ وہ نواسۂ رسول تھے اور حکومت کے حق دار تھے۔ حسینؑ نے خود کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا جو کسی قسم کا شبہ پیدا کرتا۔ امیر معاویہ کو بھی ان سے کوئی خاص ڈر نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو اپنی سلطنت کی مضبوطی و استحکام کا ذکر کر رہا تھا۔ ہر ایک مخالف عنصر دب چکا تھا، ہر ایک شخص مغلوب ہو چکا تھا۔ چونکہ بروئے معاہدہ بھی حسینؑ ہی حق دار خلافت تھے۔ اور یزید کو اس معاہدہ کی خلاف ورزی میں ولی عہد مقرر کیا تھا۔ حسینؑ کی طرف سے اسے فکر تھا۔ ذرا سے شبہ کے امکان کو بھی امیر معاویہ دور کرنا چاہتے تھے۔ ورنہ عبداللہ ابن عمر اور عبدالرحمٰن ابن ابی بکر وہ ہی تو ہیں۔ جو صفین میں ان کے ساتھ ہو کر حضرت علی سے لڑے تھے۔ عبداللہ بن زبیر وہ تھے۔ جنہوں نے جنگ جمل کھڑی کر کے ان کی موقعہ پر مدد کی تھی۔ چونکہ یزید بہت ہی نا اہل تھا۔ امیر معاویہ کو ڈر پیدا ہوا کہ شاید کبھی کسی وقت چل کر یہ لوگ تکلیف دیں۔ ان کی طرف سے چوکنا رہنے کو کہا تھا۔ ہاں حسین علیہ السلام کو چھڑنا ان کے استادوں کی سیاست کا جزو اعظم تھا۔

یزید نے تخت حکومت پر متمکن ہوتے ہی سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا کہ حسین سے میری بیعت لو۔ اگر وہ بیعت

نہ کریں۔ تو ان کا سر میرے پاس بھیجدو۔ تاریخ حلیب السیر میں ہے

چوں حاکم شام بعالم آخرت شتافت ویزید در دمشق بر مسند حکومت متمکن گردید نامہ بولید بن عتبہ بن ابی سفیان کہ دراں زمان والئے مدینہ بود۔ نوشت مضمون آں کہ بیعت من از حسین ابن علی وعبداللہ ابن عمر وعبداللہ بن زبیر بستان واگر بعدم قبول پیش نیایند سرہائے ایشاں را بشام فرست۔

ترجمہ:۔ جب حاکم شام مرگیا تو یزید تخت حکومت پر مقام دمشق متمکن ہوا، اور فوراً ایک خط ولید بن عتبہ بن ابی سفیان والئے مدینہ کے نام اس مضمون کا بھیجا کہ میری بیعت حسین ابن علی، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے فوراً لے لے اور اگر کوئی ان میں سے انکار کرے تو اس کا سر قلم کرکے میرے پاس بھیجدے۔

تاریخ حلیب السیر:۔ جزو اول جلد دوم صفحہ ۲۲۔ نیز ملاحظہ ہو

تاریخ طبری:۔ الجزء السادس صفحہ ۱۸۸۔

ابن کثیر شامی:۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ۔ الجزء الثامن صفحہ ۱۴۷۔

اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون:۔ جلد پنجم صفحہ ۶۷۔

اردو ترجمہ الکامل ابن الاثیر:۔ خلافت بنی امیہ حصہ اول صفحہ ۱۳۱۔

ولید ابن عتبہ نے وہ خط پڑھ کر مروان بن الحکم کو بغرض مشورہ بلایا۔ پھر جو کچھ ہوا وہ اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون سے نقل کرتے ہیں اور یہی واقعات تمام کتب تواریخ میں درج ہیں:۔

"مروان بن الحکم نے خط کو کھولا۔ امیر معاویہ کی خبر موت دیکھ کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہا۔ ولید نے ان لوگوں سے بیعت لینے کی بابت اس سے مشورہ طلب کیا۔ مروان نے رائے دی کہ اسی وقت وہ لوگ بلا لئے جائیں۔ اگر یزید کی بیعت کرلیں تو بہتر ہے، ورنہ اس سے پیشتر کہ وہ امیر معاویہ کے انتقال سے واقف ہوں قتل کر ڈالے جائیں۔ . . . . چنانچہ ولید نے اسی وقت عبداللہ بن عمرو بن عثمان ایک نوعمر لونڈے کو ان لوگوں کو بلانے کو بھیجا پس حسین وابن الزبیر کے پاس مسجد میں یہ اس وقت پہنچا جس وقت کہ ولید اجلاس عام نہ کرتا تھا اور ان بزرگواروں سے کہا کہ چلئے آپ کو امیر طلب کر رہے ہیں حسینؑ و عبداللہ بن الزبیر نے کہا کہ تم جاؤ ہم آتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو کے چلے جانے کے بعد دونوں بزرگ بے وقت طلب کرلے پر باتیں کرنے لگے۔ لیکن کوئی عقدہ حل نہ

ہوا۔ بالآخر حسین نے اپنے خادموں اور خاندان کے کل ممبروں کو جمع کیا اور ان کو اپنے ہمراہ لے جاکر ولید کے دروازہ پر بٹھا دیا۔ اور یہ سمجھا دیا کہ اگر میں تم کو بلاؤں یا آواز بلند سے گفتگو کروں تو فوراً سب لوگ اندر چلے آنا۔ بعد ازاں اندر تشریف لے گئے مروان بھی بیٹھا ہوا تھا۔ صاحب سلامت ہوئی۔ آپ نے ولید و مروان کا بعد قطع مراسم دوبارہ راہ و رسم اتحاد پیدا کرنے پر شکریہ کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد کیا۔ صلح فساد سے بہرحال بہتر ہے۔ ولید نے یزید کا خط دیا آپ نے پڑھا۔ امیر معاویہ کی خبر موت دیکھ کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہہ کر فرمایا کہ خدا مغفرت کرے۔ باقی رہی بیعت، اس کی بابت میرے نزدیک یہ مناسب نہیں ہے کہ مجھ جیسا شخص خفیہ طور سے بیعت کر لے اور یہ کچھ موزوں و کافی بھی نہ ہوگا۔ بلکہ جب میں یہاں سے اُٹھ کر لوگوں میں جاؤں اور تم ان سبھوں کو بیعت کے لئے بلاؤ گے اور میں بھی اُن لوگوں میں ہوں گا تو سب سے پہلے میں ہی جواب دینے والا ہوں گا۔ چونکہ ولید کے مزاج میں صلح جوئی تھی اس نے اس کو پسند کر کے کہا بہتر ہے۔ تشریف لے جایئے۔ مروان بولا کہ ان کو بغیر بیعت کئے ہوئے نہ جانے دو۔ ورنہ ان جیسے شخص سے بیعت نہ لے سکو گے۔ جب تک تم میں اور ان میں خون کا دریا نہ رواں ہوگا اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو میں لپک کر ان کی گردن اڑا دوں گا۔ اس فقرہ کے تمام ہوتے ہی حسینؑ ابن علی نے ڈانٹ کر کہا۔ تو یا وہ مجھے قتل کرے گا؟ واللہ تو جھوٹا ہے۔ مروان یہ سن کر دب گیا۔ آپ لوٹ کر اپنے مکان پر تشریف لائے۔ مروان ولید کو ملامت کرنے لگا۔ ولید نے کہا کہ اے مروان واللہ مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ میں حسینؑ کو فقط یہ کہنے پر قتل کرتا کہ میں بیعتِ یزید نہیں کرتا گو مجھے تمام عالم کا مال مل جاتا یا میں اس کا مالک بن بیٹھتا۔"

اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون :- جلد پنجم صفحہ ۶۷، ۶۸

تاریخ ابن کثیر شافعی :- الجزء الثامن صفحہ ۱۴۷۔

تاریخ طبری :- الجزء السادس صفحہ ۱۸۹۔

اردو ترجمہ تاریخ کامل ابن الاثیر :- خلافت بنی امیہ حصہ اوّل صفحہ ۱۳۲، ۱۳۳۔

عبد اللہ ابن زبیر کو بھی ولید نے بلایا تھا۔ لیکن وہ تو اس کے پاس نہ گئے اور مکہ کو روانہ ہو گئے۔ حسین علیہ السلام کے ساتھ جو ہوا۔ وہ پھر ہم ابن خلدون کی زبانی بتاتے ہیں :-

"تمام دن یہ لوگ امام حسینؓ کو تنگ کرتے رہے۔ ولید بار بار آپ کو بلا بھیجتا تھا اور آپ نہ جاتے تھے۔ پھر آپ نے آخر میں یہ کہلا بھیجا۔ کہ رات کا وقت ہے۔ اس وقت تم صبر کرو۔ صبح ہونے دو۔ دیکھا جائے گا۔ ولید خاموش ہو گیا۔ جوں ہی رات ہوئی۔ آپ مع اپنے لڑکوں، بھائیوں، بھتیجوں کے ابن الزبیر کی روانگی کے دوسری شب میں مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ صرف محمد بن الحنفیہ رہ گئے۔ کیونکہ انہوں نے یہ رائے دی تھی کہ تم یزید کی بیعت سے اعراض کر کے کسی دوسرے شہر میں چلے جاؤ۔ اور وہاں سے اپنے دعاۃ کو اطراف وجوانب بلاد اسلامیہ میں روانہ کرو۔ اگر وہ لوگ تمہاری بیعت منظور کر لیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور اگر تمہارے سوا انہوں نے متفق ہو کر کسی دوسرے کو امیر بنا لیا۔ تو تم کو اس سے کوئی نقصان نہ ہو گا۔ نہ تمہارے دین کو مضرت پہنچے گی۔ اور نہ تمہاری عقل کو۔ نہ اس میں تمہاری آبروریزی ہو گی مجھے اندیشہ اس کا ہے کہ کہیں تم ایسے شہر یا ایسی قوم میں نہ چلے جاؤ جس میں سے کچھ لوگ تمہارے ساتھ اور کچھ لوگ تمہارے مخالف ہوں۔ امام حسین نے دریافت کیا۔ اچھا ہم کہاں جائیں؟ جواب دیا۔ مکہ جاؤ۔ اگر تم کو وہاں اطمینان کے ساتھ یہ باتیں حاصل ہو جائیں۔ تو فبہا۔ ورنہ ریگستان اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں چلے جانا اور ایک شہر سے دوسرے شہر کا رخ کرنا یہاں تک کہ کوئی امر لوگوں کے اجتماع واتفاق سے طے ہو جاتے۔ امام حسینؓ نے اس رائے کو پسند کیا۔ بھائی سے رخصت ہو کر نہایت سریع السیری کے ساتھ مکہ میں آپہنچے"

(اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد پنجم صفحہ ۷)۔

عبارت ذیل ہم اردو ترجمہ اعثم کوفی سے نقل کرتے ہیں۔

(مکہ روانہ ہونے سے پہلے، ایک رات کو امام حسینؓ اپنے مکان سے نکل کر اپنے نانا محمد مصطفےٰؐ کے روضۂ اقدس پر تشریف لائے اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ میں آپ کی فاطمہؑ کا بیٹا اور تمہارا فرزند ہوں۔ جس کو دنیا سے رحلت فرماتے وقت آپ نے امت کے حوالے کیا۔ اور ان کو میری عزت وحرمت کرتے رہنے کے لئے وصیت فرمائی تھی۔ واضح ہو کہ انہوں نے آپ کی وصیت کو بھلا دیا مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ آج کی رات آپ سے آپ کی امت کی شکایت کرتا ہوں اور جب آپ کے پاس آکر ملوں گا تو درد دل کا مفصل حال عرض کروں گا۔ ....

دوسری رات بھی اسی طرح حضرت رسول خداؐ کی تربت مقدس پر آئے چند رکعت نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی جناب میں مناجات کی کہ اے خدا یہ تیرے پیغمبر محمدؐ کی

خاک ہے اور میں اس کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ مجھے ایسا کچھ معاملہ درپیش ہے جس سے تو ہی آگاہ ہے۔ اور میرے حالات اور دلی کیفیتوں سے بخوبی واقف ہے۔ کہ میں نیکی کو عزیز رکھتا ہوں اور برائی سے بیزار ہوں۔ اے ذوالجلال والاکرام۔ اس خاک کے طفیل اور اس شخص کے واسطے جو اس تربت میں مدفون ہے مجھے اپنی اور اپنے رسول کی رضامندی کرامت فرما۔ اس کے بعد آپ بہت روئے اور قبر مطہر پر سر رکھ کر سو رہے۔ خواب میں آپ نے اپنے نانا محمد مصطفیٰ کو دیکھا کہ بہت سے فرشتوں کے ساتھ جو آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے موجود ہیں۔ تشریف لائے۔ امام حسینؑ کو اپنے سینہ سے لگا لیا۔ پھر پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا۔ کہ تو عنقریب ایسے شخصوں کے ہاتھ سے جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہوں گے۔ زمین کربلا میں شہید ہو گا۔ اس وقت تو پیاسا ہو گا۔ اور وہ تجھے ایک قطرہ پانی نہ دیں گے۔ ...... اب امام حسینؑ نیند سے بیدار ہو کر بہت پریشان خاطر ہوئے اپنے اہل بیت سے یہ خواب بیان کیا اور اس قدر غمگین تھے کہ اس دن آپ کے اہل بیت میں سے کوئی اور اتنا غمناک نہ تھا۔ پھر آپ نے مکہ جانے کا قصد کیا (اردو ترجمہ تاریخ اعثم کوفی صفحہ ۳۵۰-۳۵۱)

اس طرح غمگین اور ناامید ہونا اور اپنی موت کے یقین کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنا اور اس کا اظہار کرتے رہنا اس شخص کے طرز عمل کے ارکان نہیں ہو سکتے جو ایک مستحکم اور قوی سلطنت کے خلاف اس کو تہ و بالا کرنے کے ارادہ سے اٹھا ہے اس کا دل امید اور ارمانوں سے پر ہوتا ہے اور تمام دنیا کو بھی وہ اپنی کامیابی کا یقین دلا رہا ہے اس طرح امام حسین علیہ السلام اپنے گھر سے نکالے گئے۔ کن کن کو اپنے ساتھ لے گئے؟ صرف اپنے ان رشتہ داروں کو جنہوں نے بوجہ محبت کے آپ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ کیا اس کو کوئی خروج کہے گا۔ یہ تھا وہ لشکر اور یہ تھا وہ خروج جس کو حقیقت کے چھپانے والے بڑے بڑے الفاظ میں بیان کر کے آج کل کے دنیاداروں کی تصدیق حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس سارے معاملہ کی تحریک اور اس کی پہل یزید کی طرف سے ہوئی امام حسینؑ نے مجبوراً مدینہ چھوڑا۔ ابھی تک خط بھی نہیں آئے تھے اور نہ کوفہ کا خیال تھا۔

امر دوم۔ امام حسینؑ کا تجربہ سابقہ

انسان کے مستقبل کے ارادوں کی تشکیل کرنے والے ماضی کے تجربات اور حال کے امکانات ہوتے ہیں۔ کیا امام حسینؑ اس بات سے غافل تھے کہ ان کے والد بزرگوار باوجود ملک و لشکر کے ہونے کے معاویہ سے ملک

شام نہ چھین سکے۔ اور ان کے برادر معظم باوجود سامان کے مجبور ہو گئے کہ حکومت معاویہ کو دے دیں۔ کیا ان دونوں میں سے کسی نے لڑائی میں غلطی کی تھی جو امام حسینؑ سمجھے کہ وہ غلطی اب میں نہیں کروں گا۔ اب تک تو امام حسینؑ حکومت و سیاست و لشکر و امارت سے علیحدہ زندگی گزار رہے تھے۔ ادھر خیال بھی نہیں کرتے تھے۔ کیا یکایک معاویہ کے مرتے ہی ان کے پاس کوئی ایسا طلسم کا بٹن آ گیا تھا کہ اس کو دبا دیتے اور ایک عظیم الشان جماعت کا لشکر مع ساز و سامان کے آن کر مہیا ہو جاتا۔ تاہم مختصر الفاظ میں حضرت علیؑ و امام حسنؑ کے آخری واقعات جنگ کا ذکر کرتے ہیں تاکہ صحیح حالات کا اندازہ ہو سکے مندرجہ ذیل عبارت تاریخ ابی الفداء سے لی گئی ہے:۔

لما رجع علی الی الکوفة حض الناس علی المسیر الی قتال معاویه فتقاعدوا وقالوا نستریح و نصلح عدتنا فاحتاج لذلك علی ان یدخل الکوفة (ثم دخلت سنة ثمان وثلاثین) فیها جهز معاویه عمرو بن العاص بعسکر الی مصر وکتب محمد بن ابی بکر یستنجد علیا فارسل الیه الاشتر فلما وصل الاشتر الی القلزم سقاه رجل عسلا مسموما فمات منه فقال معاویه ان لله جندا من عسل وسار عمرو حتی وصل الی مصر وقاتله اصحاب محمد بن ابی بکر فهزمهم عمرو وتفرق عن محمد اصحابه واقبل محمد یمشی حتی انتهی الی خربة فقبض علیه و اتوا به الی معاویه بن خدیج

جب حضرت علی کوفہ کی طرف (بعد معاملہ تحکیم) واپس ہوئے۔ تو لوگوں کو معاویہ سے جنگ کرنے کے لیے تاکید کی لیکن انہوں نے حکم نہ مانا اور جنگ پر نہ گئے اور عذر کر دیا کہ ہم آرام کر لیں اور اپنے معاملات کو درست کر لیں اس بات نے حضرت علی کو کوفہ میں داخل ہونے پر مجبور کیا۔ پھر ۳۸ھ آ گیا۔ اس سنہ میں معاویہ نے عمرو بن العاص کو لشکر دے کر مصر پر حملہ کرنے کی غرض سے بھیجا۔ محمد بن ابی بکر نے حضرت علی سے مدد مانگی اور انہوں نے مالک اشتر کو ان کی طرف بھیجا۔ جب مالک اشتر سمندر تک پہنچے تو ایک شخص نے شہد میں ان کو زہر کھلا دیا۔ اور وہ مر گئے معاویہ کو خبر ہوئی تو اس نے کہا شہد میں بھی خدا کا لشکر ہے اور عمرو مصر میں پہنچ گیا۔ محمد بن ابی بکر کے لشکر سے لڑائی ہوئی لیکن عمرو بن العاص نے ان کو شکست دی۔ اور محمد بن ابی بکر کا لشکر متفرق ہو گیا اور محمد بن ابی بکر اکیلے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک گرے ہوئے مکان میں پناہ لی اور وہاں ان کو

فقتله والقاه في جيفة حمار و
احرقه بالنار و دخل عمرو مصر
و بايع اهلها لمعاوية و لما
بلغ عائشة قتل اخيها محمد
جزعت عليه و قنتت في دبر كل
صلوات تدعو على معاويه و
عمرو بن العاص و ضمت عيال
اخيها محمد اليها و لما بلغ عليا
مقتله جزع عليه و قال عند الله
نحتسبه وكان ذلك في هذه
السنة اعني سنة ثمان و ثلاثين ثم
بث معاويه سرايا بالغارات
على عمال فبعث النعمان بن بشير
الانصاري الى عين التمر فنهب
و هزم كل من كان بها من
اصحاب علي و بعث سفيان بن
عوف الى هيت والانبار و
المدائن فنهب و حمل كل
ما كان بالانبار من الاموال و
رجع بها الى معاويه و سير
عبد الله بن مسعدة الفزاري
الى الحجاز فجهز اليه علي خيلا
فالتقوا بتيما و انهزم اصحاب
معاويه و لحقوا بالشام و تتابعت
الغارات على بلاد علي رضي الله
عنه و هو في ذلك
يخطب الناس الخطب

گرفتار کر لیا گیا اور ان کو معاویہ بن خدیج کے
پاس لے گئے جس نے ان کو قتل کر ڈالا۔ اور
گدھے کی کھال میں بند کر کے جلا دیا۔ عمرو
مصر میں داخل ہوئے اور مصر کے لوگوں نے
معاویہ کی بیعت کر لی اور جب حضرت عائشہ
کو اپنے بھائی محمد ابن ابی بکر کی شہادت کی خبر ملی
تو وہ قنوت میں ہر نماز کے بعد معاویہ بن ابی
سفیان و عمرو بن العاص کو کوستی تھیں۔ اور
انھوں نے اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کے اہل و
عیال کو اپنے پاس بلا لیا اور جب حضرت علی
کو محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر ملی تو آپ بہت
روتے اور فرمایا کہ اس کا حساب خدا کے یہاں
ہوگا۔ اور یہ سب کچھ ۳۸ھ ہجری میں ہوا۔
پھر معاویہ نے قتل و غارت کے لشکر کے دستے
حضرت علی کے عمال کی طرف بھیجے چنانچہ
نعمان بن بشیر انصاری کو عین التمر بھیجا۔ اس نے
اس کو لوٹ لیا۔ اور حضرت علی کے سب آدمی
وہاں سے بھاگ گئے اور سفیان بن عوف کو
ہیت و انبار و مدائن پر بھیجا پس اس نے وہاں
لوٹ مار کی اور ان مقامات کا سب مال و متاع
لے کر معاویہ کے پاس پہنچا۔ اور معاویہ نے عبداللہ
بن مسعدۃ کو حجاز کی طرف بھیجا۔ اور حضرت
علی نے بھی ادھر ایک دستہ بھیجا۔ مقام تیما پر آپس
میں لڑائی ہوئی اور معاویہ کے لشکر کو شکست ہوئی
اور وہ بھاگ گئے اور شام کو واپس چلے
گئے۔ بس اسی طرح معاویہ لگاتار حضرت علیؑ
کے شہروں کی طرف قتل و غارت کے لئے لشکر

عن العبّاس ابن عبد المطلب ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ما بال اقوام یتحدثون فاذا رأوا الرجل من اهل بیتی قطعوا حدیثهم والذی نفسی بیده لا یدخل قلب امری الایمان حتی یحبهم لله و لقرابتهم منی

حضرت عباس سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جب میرے اہلبیت میں سے کسی کو دیکھ لیتے ہیں تو فوراً جو باتیں وہ کرتے ہوتے ہیں اسکو قطع کر کے خاموش ہو جاتے یا دوسری بات کرنے لگتے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا جب تک وہ میرے اہلبیت سے خدا کیلئے اور میری قرابت کیوجہ سے محبت نہ کریگا۔

شیخ یوسف بن اسمٰعیل:۔ اشرف المؤبد صفحہ ۸۶

شیخ سلیمان:۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۱۱ الباب الخامس والاربعون صفحہ ۱۱۰ - ۱۱۱

میرزا محمد بن معتمد خاں:۔ نزل الابرار صفحہ ۷

تاریخ ابن عساکر:

قیاس ہو سکتا ہے کہ وہ کیا گفتگوئیں ہوتی ہوں گی جو اہل بیت رسول سے مخفی کی جاتی تھیں اور ان میں سے کسی کو دیکھ کر لوگ اپنا سلسلہ بیان بدل ڈالتے تھے۔ حضرت علی کو جو نسبی فضیلت تھی وہ بھی ان لوگوں کی نکتہ چینی سے نہ بچ سکی۔ چنانچہ جناب رسول خدا کو یہ فرمانے کی ضرورت پڑی کہ

الا ما بال اقوام یزعمون ان رحمی لا تنفع والذی نفسی بیده ان رحمی لموصولة فی الدنیا والاخرة [۵]

کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جو گمان کرتے ہیں کہ میری رشتہ داری سے میرے رشتہ داروں کو کچھ فوقیت اور فائدہ حاصل نہیں ہوتا قسم خدا کی لا یزال کی کہ میرا رشتہ دنیا و آخرت میں باعث فضیلت و فوقیت ہے

آپ نے ان لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ تمہاری ان سازشوں اور تمہارے ان منصوبوں کا نتیجہ تمہارے لئے اور اسلام کے لئے بہت بڑا ہے اور باعث فتنہ و فساد ہے اپنے بعد ہی کے پُر آشوب زمانے کی جو تصویر آپ نے کھینچی ہے اور فتنہ و فساد کی کثرت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کا بیان ہم نے پہلے کر دیا ہے اس زمانۂ پر آشوب و فتن کے وقت امت کو کیا کرنا چاہیے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

سیکون بعدی فتنة فاذا کان ذلك فالزموا علی بن ابی طالب فانه الفاروق بین الحق والباطل۔

یعنی میرے بعد ہی فوراً فتنے اٹھیں گے پس جب ایسا ہو تو تم علی بن ابیطالب کا دامن پکڑنا وہ فارق حق و باطل ہے۔

اس جماعت کی سرگرمیوں کے نتیجے کی پیشین گوئی

[۵] صفحہ ۳۲ البلاغ المبین حصّہ اول طبع ثالث

البلیغة ویحثهم ویحضهم علی الخروج الی قتال معاویه فیتقاعدا عنه عسکره (ثم دخلت سنة تسع وثلاثین) والامر علی ذلك . . . .

بھیجتا رہا۔ اور حضرت علی اپنے آدمیوں کو فصیح و بلیغ خطبوں سے معاویہ کی جنگ پر ابھارتے تھے۔ لشکر نے نافرمانی کی اور گھر میں بیٹھ رہے پھر سنہ ۳۹ ہجری داخل ہوا اور حالات اسی طرح تھے . . . .

وفی هذه السنة (سنة ۴۰ ھ) سیر معاویه بسر بن ارطاة فی عسکر الی الحجاز فاتی المدینة وبها ابو ایوب الانصاری عاملا لعلی فهرب ولحق بعلی ودخل بسر المدینة وسفك فیها الدماء واستکره الناس علی البیعة لمعاویه ثم سار الی الیمن وقتل الوفا من الناس فهرب منه عبید الله بن العباس عامل علی بالیمن فوجد لعبید الله ابنین صبیین فذبحهما واتی فی ذلك بعظیمة۔

اور اسی سنہ (سنہ ۴۰ ہجری) میں معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو ایک لشکر کے ساتھ حجاز کی طرف بھیجا وہ مدینہ آیا۔ اور وہاں حضرت علی کی طرف سے ابو ایوب الانصاری عامل تھے۔ لیکن وہ بھاگ کر علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بسر بن ارطاۃ مدینہ میں داخل ہوا۔ وہاں اس نے بہت کشت و خون کیا اور لوگوں کو معاویہ کی بیعت پر مجبور کیا۔ پھر اس کے بعد وہ یمن کی طرف چلا گیا اور وہاں ہزاروں آدمیوں کو قتل کیا۔ یمن پر عبید اللہ ابن عباس حضرت علی کی طرف سے عامل تھے وہ یمن سے بھاگ گئے۔ ان کے دو چھوٹے چھوٹے لڑکے یمن میں رہ گئے۔ بسر بن ارطاۃ نے ان معصوم بچوں کو (اُن کی ماں کی گود میں) ذبح کر ڈالا۔ یہ نہایت سخت مصیبت تھی تاریخ ابو الفداء ۔ الجزء الاول صفحہ ۱۷۹۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا علیہ السلام جو کچھ بھی ہو ایک رکن عظیم تھے۔ ارکان حکومت سقیفہ میں سے یہ تھا اسلام کا نمونہ جو انہوں نے خاص مسلمانوں کے خلاف استعمال کر کے دنیا میں پھیلا دیا۔ کافروں کے بچوں کو بھی اس طرح ذبح نہیں کرتے۔ اس بیرحمی کو ملاحظہ کیجیے۔ عبید اللہ ابن عباس کے دونوں کم سن بچوں کو ان کی ماں کی گود میں ذبح کیا۔ اور وہ روتی رہی، بھڑکتی رہی اور جب تک زندہ رہی بچوں کا نوحہ کرتی رہی۔ دیکھو۔ الاستیعاب ابن عبد البر جلد اول صفحہ ۶۴۔ اس ماں کے دل پر کیا گزرتی ہوگی جس کے بچے اس کی گود میں پناہ لئے ہوئے ذبح ہو رہے تھے۔ اس عورت کا اور ان بچوں کا کیا گناہ تھا۔ اس پر عالم وجد میں کہتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا اسلام پھیلا ہے۔ یہ اسلام تھا۔

اگر معاویہ نے کیا اسلام پھیلایا

جو پھیلا تھا۔ اور مسلمانی شہروں میں قتل و لوٹ کیا اور جبراً تلوار کے زور سے بیعت لینی کیسی۔ مالک اشتر کو زہر بھی امیر معاویہ کے حکم سے دیا گیا تھا۔ حبیب السیر سے ہم ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

چوں ایں خبر (روانگی مالک اشتر جانب مصر) بگوش معاویہ رسید دو دحیرت ابکاخ دماغ او تصاعد نمود چہ بیقین می دانست کہ ہرگاہ شاہ ولایت پناہ از طرف کوفہ و مالک از جانب مصر متوجہ او گردند در دمشق مجال اقامتش نماند لاجرم باز در گرد مکر و تزویر گشتہ بدہقانے کہ بر سر راہ مصر توطن داشت و خود را از جملہ محبان او می شمرد نامہ نوشت مضمون آنکہ مالک اشتر متوجہ ولایت مصر است۔ و بے شبہ گزر او بر منزل او خواہد افتاد باید کہ او را استقبال نمودہ ضیافت نمائی و طعامی مسموم بوے دہی و دہقان ایں سخن را قبول کردہ چوں مالک بدانجا رسید۔ بموجب فرمودہ معاویہ بتقدیم رسانید و مالک سفر آخرت اختیار نمودہ از شیوع ایں خبر معاویہ فرحناک و مستبشر شد۔

حبیب السیر:۔ جزو چہارم جلد اول صفحہ ۶۷۔

ترجمہ:۔ جب معاویہ کو مالک اشتر کی روانگی مصر کی خبر پہنچی تو بہت گھبرایا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ جب حضرت علی کوفہ کی طرف سے اور مالک اشتر مصر کی طرف سے اس کی طرف بڑھیں گے تو اس کا دمشق میں رہنا دشوار ہو جائے گا۔ لہذا پھر مکر و فریب کی طرف توجہ کی اور ایک زمیندار کو لکھا جس کی رہائش مصر کی راہ پر تھی اور جو اپنے تئیں معاویہ کے دوستوں میں شمار کرتا تھا کہ مالک اشتر مصر کی طرف جا رہا ہے لاجرم اس کا گذر تیرے مکان پر سے ہوگا تجھے چاہیئے کہ مالک اشتر کا استقبال کرے۔ اور اس کی مہمانی کرے اور زہر آلود غذا کھلائے۔ زمیندار نے اس بات کو قبول کر لیا۔ جب مالک وہاں پہنچے۔ تو معاویہ کے حکم کے مطابق اس زمیندار نے مالک اشتر کو کھانے میں زہر دے دیا اور انھوں نے انتقال کیا۔

جناب علی مرتضیٰ نے بہت کوشش کی کہ لوگ معاویہ کی جنگ کے لئے تیار ہو ہو جائیں۔ لیکن کسی نے اجابت نہ کی اور اپنے گھر بیٹھے رہے۔ جناب امیر علیہ السلام کے بہت سے خطبے نہج البلاغۃ میں درج ہیں۔ جن میں ان لوگوں کو معاویہ سے جنگ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور لوگوں نے نافرمانی کی۔ مولوی سعید احمد ایم۔ اے اپنی کتاب مسلمانوں کا عروج اور زوال کے صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں۔

وہ عراق کے جو لوگ حضرت علی کی اطاعت کا دم بھرتے تھے حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی سچے دل

سے حضرت علی کے ساتھی اور مددگار نہیں تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے خطبہ میں
اپنی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"میں جب تم سے موسم سرما میں کہتا ہوں کہ شام والوں سے جنگ کرو۔ تو تم کہتے ہو کہ یہ تو
بڑا سخت موسم ہے کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا ہے۔ مگر جب موسم گرما میں کہتا ہوں کہ اچھا
اب ان لوگوں سے لڑو۔ تو تم کہنے لگتے ہو۔ کہ آج کل تو بڑی ہی سخت گرمی ہو رہی ہے
گرم ہواؤں کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ علی کو سیاست ہی نہیں آتی
ہاں۔ ٹھیک ہے۔ جس شخص کی اطاعت نہیں کی جاتی اس کو سیاست بھی نہیں آتی۔"

مولوی سعید احمد صاحب کو تو تیرہ صدیوں کے فاصلہ پر معلوم ہو گیا کہ عراق کے لوگ دل
سے حضرت علی کے دوست نہ تھے۔ لیکن جناب امام حسینؑ کو اس زمانہ میں ہوتے ہوئے
ان لوگوں کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے یہ نہ معلوم ہوا کہ کوفی کیسے ہیں۔ علامہ جرجی زیدان
سچ کہتے ہیں کہ معاویہ نے بے دریغ روپیہ لوگوں میں تقسیم کر کے اپنی حکومت قائم کی۔ اور
روپیہ سے لوگوں کو خریدا۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ خاندان بنوامیہ کے دوسرے حکمرانوں نے معاویہ
کی پیروی کی اور خاندان بنو ہاشم کے ان لوگوں سے مقابلہ کرنے میں جن کو خلافت کا دعویٰ تھا۔
مال و دولت ہی کو اپنا آلہ اور سپر بنایا۔ اردو ترجمہ تاریخ تمدن اسلامی حصہ دوم
صفحہ ۱۶۔ روپیہ کی رشوت دے کر لوگوں کو اپنی طرف کر کے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کی
پالیسی امیر معاویہ نے خلفاء اولین سے سیکھی تھی۔ اور اب جو ہمارے لیڈر و رہنما روپیوں میں
فروخت ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی اسی سبق کی یاد میں ہے۔ معاویہ کی سیاست کو لوگ
نہایت کامیاب بتاتے ہیں۔ اس سیاست کے ارکان رشوت۔ فریب۔ مکر۔ دغا
اور زہر تھے حضرت علیؑ کی سیاست ناکامیاب تھی۔ کیونکہ وہ ان اجزاء سے مرکب
نہیں تھی۔

یہ سب کچھ جناب امام حسین علیہ السلام نے دیکھا۔ یہ بھی دیکھا کہ بنوامیہ اور ان کے
افسران کتنے بے رحم، بے دین ہیں جو کسی ظلم سے دریغ نہیں کرتے۔ اسلام کے ارکان کو
بھلا دیا ہے۔ بے حد دولت مند ہیں۔ اپنی دولت سے سب کو خرید لیا ہے۔ باوجود بے
انتہا کوششوں کے حضرت علی ان کو جنگ کے لئے آمادہ نہ کر سکے۔ یہ بھی امام حسین علیہ السلام
نے دیکھا۔ کہ ان کے برادر معظم نے جب اپنے لشکر کو معاویہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ تو انہوں
نے الٹا اپنے سردار کا خیمہ لوٹ لیا۔ اور مجبور ہو کر امام حسن علیہ السلام نے حکومت ظاہری
معاویہ کے سپرد کر دی۔ باوجود اس تجربہ کے امام حسین علیہ السلام اس سلطنت کو درہم برہم

کرنے کے لیے نکلتے ہیں۔ کس لشکر کے ساتھ صرف اپنی عورتوں بچوں اور قریب ترین رشتہ داروں کے ساتھ۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس بیس برس کے عرصہ میں امام حسینؑ نے اس مضبوط، سلطنت پر یورش کرنے کے خیال سے کیا تیاری کی تھی۔ اور اس دوران میں اس سلطنت کی طاقت بڑھی یا گھٹی۔

امر سوم۔ سنہ ۴۰ھ سے سنہ ۶۰ھ تک کا بیس برس کا وقفہ

موافق و مخالف تاریخ کی کتابوں کو دیکھ ڈالو۔ یہ امر واقعہ ہر ایک پر عیاں ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی اس زمانہ کی زندگی بالکل خاموشی اور گوشہ نشینی کی زندگی ہے۔ کسی ظاہری جماعت سے نہ خط و کتابت اور نہ سیاسی منصوبے۔ جو شخص ایک حکومت کو الٹنا چاہتا ہے وہ عرصہ سے اس کے لیے تیاری کرتا ہے۔ جماعت بناتا ہے۔ ہم خیال لوگ پیدا کرتا ہے اور جب دیکھ لیتا ہے۔ کہ میری طاقت ٹکر لینے کے لیے کافی ہے۔ اس وقت اٹھتا ہے۔ امام حسینؑ کا طرز عمل صاف بتا رہا ہے۔ کہ انہیں ادھر کا خیال ہی نہیں۔ بر خلاف اس کے امیر معاویہ کی خلافت اس بیس برس کے عرصہ میں کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔

امر چہارم۔ امام حسینؑ کے حالات تخت نشینی یزید سے آپ کی روانگی مکہ تک

امیر معاویہ کی فوتیدگی تک آپ کی زندگی ایسی ہی گوشہ نشینی کی تھی۔ اور اس کے مرنے پر جو واقعات درپیش آئے وہ ہم امر اوّل کے نیچے لکھ چکے ہیں۔ آپ کو مدینہ سے نکالا گیا۔ اور حرم میں محض اپنی حفاظت کے لیے تشریف لے گئے۔

امر پنجم۔ مکہ کے حالات۔ کوفیوں کے خطوط

عبداللہ ابن زبیر جناب امام حسین علیہ السلام سے پہلے مکہ پہنچ چکے تھے۔ اور وہاں پہنچتے ہی اپنی حکومت کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ جب جناب امام حسین علیہ السلام وہاں پہنچے تو عبداللہ ابن زبیر کو بہت برا معلوم ہوا۔ کیونکہ لوگ جناب امام حسینؑ کی طرف زیادہ جھکتے تھے۔ اور اگر جناب امام حسین علیہ السلام چاہتے تو اپنی بیعت ان سے لینی شروع کر دیتے۔ لیکن آپ نے ایسا نہ کیا۔ صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں:-

"اما حقیقتؓ ابن زبیر رضی اللہ تعالٰے عنہ بر بودن امام زمن در مکہ راضی نبود زیرا کہ داعیہ خروج و طلب خلافت داشت و می دانست کہ تا آنحضرت در حریم حرم باشد کسے متابعتش نخواہد نمود۔"

جیب السیر جلد دوم جزو اوّل صفحہ ۲۳

مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی اپنی کتاب ذبح عظیم میں تاریخ طبری کی عبارت اس طرح نقل کرتے ہیں۔

اور تاریخ طبری میں ہے۔ وکان الحسین علیہ السلام اثقل خلق اللہ علی ابن الزبیر قد عرف ان اھل الحجاز لا یبایعونہ ولا یبایعونہ ابداً ما دام الحسین بالبلد وان حسیناً اعظم فی اعینھم وانفسھم منہ واطوع فی الناس منہ۔

امام حسین علیہ السلام تمام مخلوق سے زیادہ عبداللہ ابن زبیر پر گراں تھے۔ کیونکہ عبداللہ جانتے تھے کہ جب تک حسین ابن علی علیہ السلام یہاں مکہ میں موجود ہیں۔ اہل حجاز کبھی میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کریں گے۔ اور بے شک حسین علیہ السلام کی عظمت اہل حجاز کی نگاہوں میں اور دلوں میں عبداللہ ابن زبیر سے زیادہ تھی۔ اور یہ لوگ ان کی اطاعت کے لئے زیادہ مستعد تھے۔

ذبح عظیم مطبوعہ مقبول پریس دہلی۔ بار دوم۔ صفحہ ۲۰۲۔

نیز ملاحظہ ہو۔

مروج الذہب مسعودی:۔ الجزء الثالث صفحہ ۵۔

تاریخ ابن کثیر شامی:۔ الجزء الثامن صفحہ ۱۵۱۔

ایک طرف تو عبداللہ ابن زبیر آپ کا رہنا وہاں نہیں چاہتے تھے۔ دوسری طرف یزید کے بھیجے ہوئے آدمیوں نے آپ کی زندگی خوف زدہ بنا دی تھی۔ حاجیوں کے بھیس میں بہت سے یزیدی ایجنٹ اس کام پر مامور ہو کر آئے تھے۔ کہ وہاں حسینؑ کو جس حالت میں بھی ہوں قتل کر دیں۔ اور امام حسینؑ کو ان باتوں کا علم تھا۔ شیخ سلیمان القندوزی البلخی مفتی اعظم قسطنطنیہ نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ کے باب ساٹھ میں ابو مخنف کی کتاب المقتل سے واقعات لے کر لکھے ہیں۔ ان کی عبارت کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

"جس دن مسلم کوفہ میں قتل ہوئے۔ اسی دن امام حسینؑ مکہ سے عراق کی طرف طواف خانہ کعبہ و سعی اور تقصیل تحلیل احرام وغیرہ فرما کر اپنے حج کو عمرہ مفردہ سے تبدیل کرنے کے بعد روانہ ہو گئے۔ کیونکہ اتمام حج تک آپ کا وہاں رہنا ممکن نہ تھا بوجہ اس کے کہ آپ کو خوف لگا ہوا تھا کہ آپ پر اس سے بھی زیادہ سختی کی جائے گی جس کے باعث مکہ معظمہ میں خصوصاً موسم حج کے زمانہ میں فساد واقع ہوگا۔ کیونکہ یہ امر واقعہ

ہے کہ یزید نے شیاطین بنی امیہ میں سے تیس آدمیوں کو قافلہ حجاج کے ساتھ صرف اسی ہی امر کے واسطے روانہ کر دیا تھا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کو جس حال میں پائیں قتل کر دیں۔

جناب امام حسین علیہ السلام کو اس بات کا علم تھا۔ چنانچہ جب لوگوں نے آپ کو عراق جانے سے منع کیا بطور ظاہرداری کے یا دل سے، تو آپ نے فرمایا:۔

ثم قال الحسین واللّٰہ لان اقتل خارجًا منہا بشبر احب الی من ان اقتل داخلًا منہا بشبر واللّٰہ لو کنت فی حجر ھامۃ من ھذہ الھوام لاستخرجونی حتٰی یقضوا فی حاجتھم واللّٰہ لیعتدن علی کما اعتدت الیھود فی السبت۔

پھر امام حسین نے کہا کہ قسم بخدا۔ اگر میں ایک بالشت بھر مکہ سے باہر قتل کیا جاؤں تو وہ میرے نزدیک محبوب تر ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک بالشت بھر اس کے اندر قتل ہوں قسم بخدا اگر میں سوراخ مور میں چلا جاؤں گا تب بھی مجھ کو یہ لوگ وہاں سے نکال کر اپنی خواہش قتل پوری کریں گے۔ قسم بخدا میرے معاملہ میں یہ لوگ اسی طرح حد وو خداوند تعالیٰ سے باہر ہو جائیں گے جس طرح یہودی سبت کے معاملہ میں ہو گئے تھے۔

تاریخ طبری۔ الجزء السادس صفحہ ۲۱۷۔ ۳۳۲

جو خیالات عبداللہ ابن زبیر کے امام کے متعلق تھے ان کا علم سب کو تھا۔ جب عبداللہ ابن عباس حضرت امام حسین کے پاس سے ان کو سفر عراق کو ترک کر دینے کا مشورہ دے کر عبداللہ ابن زبیر کے پاس آئے تو یہ فرمایا (امام حسینؑ نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا تھا)

ثم خرج ابن عباس من عندہ فمر بعبد اللّٰہ بن الزبیر فقال قرت عینیک یا ابن الزبیر ثم قال

یالک من قنبرۃ بمعمر خلالک الجو فبیضی واصفری ونقری ماشئت ان تنقری ھذا حسین یخرج الی العراق وعلیک بالحجاز

پھر ابن عباس جناب امام حسین کے پاس سے آئے اور ان کا گذر عبداللہ ابن زبیر کی طرف ہوا تو ابن عباس نے کہا کہ ابن الزبیر اب تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں پھر یہ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے

چنڈول چڑیا اب تو خوب عیش کر کہ تیرے لئے ساری فضا خالی ہو گئی۔ خوب انڈے دے اور بچے نکال اور خوب راگ گائے جا۔ یہ حسین عراق کو جاتے ہیں اور تم حجاز کو سنبھالو۔

تاریخ طبری۔ الجزء السادس۔ صفحہ ۲۱۷۔

مروج الذہب مسعودی - صفحہ ۵ -

تاریخ ابن کثیر شامی - الجزء الثامن صفحہ ۱۶۰، ۱۶۵ -

جناب امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ عبداللہ بن زبیر کے اس شوقِ حصولِ خلافت کا کیا نتیجہ ہوگا۔ چنانچہ جب عبداللہ ابن زبیر نے ظاہرداری کے لئے ہچکچاتے ہوئے آپ کو صلاح دی کہ عراق نہ جائیں تو جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا :-

فقال له الحسين ان ابى حدثنى ان بها كبشا يستحل حرمتها فما احب ان اكون انا ذلك الكبش۔

ابن زبیر سے حسین نے کہا کہ میرے والد بزرگوار نے فرمایا تھا کہ یہیں ایک مینڈھا ذبح ہوگا جس سے مکہ کی حرمت جائے گی میں نہیں چاہتا کہ وہ مینڈھا میں ہوں

تاریخ طبری :- الجزء السادس صفحہ ۲۱۷

تاریخ ابن کثیر شامی :- الجزء الثامن صفحہ ۱۶۲ -

ایک اور واقعہ علامہ طبری نے لکھا ہے۔ جس سے عبداللہ بن زبیر کی دلی حالت خوب اچھی طرح معلوم ہوتی ہے -

اتاه ابن الزبير فحدثه ساعة ثم قال ما ادرى ما تركنا هؤلاء القوم وكفنا عنهم و نحن ابناء المهاجرين و ولاة هذا الامر دونهم خبرنى ما تريد ان تصنع فقال الحسين والله لقد حدثت نفسى باتيان الكوفة ولقد كتب الى شيعتى بها و اشراف اهلها و استخير الله فقال له ابن الزبير اما لو كان لى بها مثل شيعتك ما عدلت بها قال ثم انه خشى ان يتهمه فقال اما انك لو اقمت بالحجاز-

جناب امام حسینؑ کی خدمت میں ابن زبیر آئے اور کہا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ لوگ ہمارے خلاف کیوں ہیں۔ ہم مہاجرین کی اولاد ہیں اور امرِ خلافت کے حقدار ہیں۔ مجھے آپ بتائیں کہ آپ کا کیا ارادہ ہے۔ امام حسینؑ نے جواب دیا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں کوفہ جاؤں وہاں سے میرے دوستوں نے بلانے کے لئے مجھے بہت سے خطوط بھیجے ہیں اور میں خدا سے اس معاملہ میں نیکی چاہتا ہوں ابن الزبیر نے کہا کہ اگر میرے اتنے دوست وہاں ہوتے تو میں اس کے باہر کبھی نہ رہتا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر ابن الزبیر کو خیال آیا کہ ممکن ہے مجھ پر کوئی تہمت لگائی جائے اس لئے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر آپ حجاز میں ٹھہر جائیں تو بھی اچھا ہے۔

تاریخ طبری :- الجزء السادس صفحہ ۲۱۶ -

نیز ملاحظہ ہو۔

مروج الذہب مسعودی ۔ الجزء الثالث صفحہ ۵۔

اردو ترجمہ تاریخ ابن کامل ۔ خلافت بنو امیہ حصہ اول صفحہ ۱۳۸۔

تاریخ ابن کثیر شامی ۔ الجزء الثامن صفحہ ۱۶۰۔

یہ عبداللہ ابن زبیر وہی بزرگوار ہیں جو جنگ جمل کی روح رواں تھے اور جنہوں نے حضرت عائشہ کے سامنے چشمۂ حوأب کے متعلق حلف دروغی خود کی تھی۔ اور لوگوں سے جھوٹی گواہی دلوائی تھی۔ اس کی نسبت جناب امیر فرمایا کرتے تھے کہ زبیر بن العوام ہم میں سے تھے جب تک کہ ان کا لڑکا عبداللہ جوان نہیں ہوا تھا۔ اور جب وہ جوان ہو گیا تو اس نے زبیر کو ہمارے مخالف کر دیا۔ این خانہ تمام آفتاب است۔ باپ زبیر ایسے تھے کہ جیسا ہمیں معلوم ہے۔ عبداللہ ابن زبیر ایسے تھے کہ جیسا ذکر ہوا۔ ان کے بھائی عمرو بن زبیر دنیا کی ہوا و ہوس میں ایسے گھرے ہوئے تھے کہ یزید کی طرف سے ہو کر خود اپنے بھائی پر فوج کشی کی۔

یہ تھی وہ حالت اور یہ تھے وہ لوگ جن کے درمیان میں امام حسین علیہ السلام نے اپنے تئیں مکہ میں پایا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ کوفیوں کے خطوط اس وقت آپ کے پاس آنے شروع ہوئے کہ جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لے آچکے تھے۔ دیکھو۔

اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون ۔ جلد پنجم ۔ صفحہ ۴۳۷، تاریخ طبری ۔ الجزء السادس صفحہ ۱۹۴۔

اردو ترجمہ تاریخ الکامل ۔ خلافت بنو امیہ حصہ اول صفحہ ۱۳۸

تاریخ ابن کثیر شامی ؛ الجزء الثامن صفحہ ۱۵۱۔

لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کوفیوں کے خطوط اس معاملہ کے محرک ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مکہ میں کوفیوں کے سینکڑوں خطوط آئے اور آنجناب نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ آخری خط کا مضمون ایسا تھا۔ کہ جس نے آپ کو بے قرار کر دیا۔ اور آپ رفع حجت کے لئے ان کو ہدایت کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ در آنحالیکہ آپ جانتے تھے کہ کوئی وفا نہ کریں گے وہ خط علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن ابراہیم اسفرائینی امام محدثین اہل سنت وجماعت نے اپنی کتاب نور العین فی مقتل الحسین میں نقل کیا ہے۔ اس کے اردو ترجمہ ضیاء العین فی مقتل الحسین سے ہم ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ جناب امام حسین علیہ السلام کے مخالفین کے ہاتھ میں یہ کوفیوں کے خطوں کا معاملہ ایسا ہے کہ جس کو وہ ہر طرح سے اچھالتے پھرتے ہیں۔ لہذا اس کی ماہیت معلوم کرنی ضروری ہے۔ علامہ اسفرائنی لکھتے ہیں (عبارت اردو ترجمہ کی ہے)

اس رائے پر سب کا اتفاق ہوا۔ اور ایک خط حضرت کو لکھا گیا۔ اس کا مضمون یہ

تھا۔ یا ابا عبداللہ۔ آپ کو معلوم ہو کہ یزید ہم پر اور تمام ملک پر ظلم و جبر کرتا ہے۔
اور اس کا ظلم و جور ایسا عام ہو گیا ہے کہ کوئی شخص ظلم سے نہیں بچا۔ اس نے
اپنے لشکر میں سے ایک ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو اس سے بھی زیادہ جابر و
حاجی ہے۔ اس کا نام عبید اللہ ابن زیاد ہے۔ اور خلافت یزید اور اس کے باپ
کا حق نہیں ہے بلکہ وہ آپ کا اور آپ کے باپ دادا کا حق ہے ہم چاہتے ہیں۔
کہ جس وقت یہ خط پہنچے آپ یہاں تشریف لائیے۔ اور خلافت کو لیجئے اور ہم پر
حکمرانی کیجئے ہم آپ کے ساتھ رہیں گے اور آپ کی ہر طرح مدد کریں گے۔ آپ اس
کے مستحق ہیں اور یزید سے عادل تر ہیں۔ بے شک آپ عادل ہیں اور آپ پر لازم ہے
کہ یہاں پہنچنے میں صرف بقدر مسافتِ راہ کے دیر ہو۔ زیادہ توقف نہ ہونے پائے
راوی کہتا ہے کہ اس خط کو ملفوف کیا اور اہل کوفہ میں سے ایک کو معین کر کے بھیجا
وہ روانہ ہوا اور بعد قطع منازل کے مکہ مشرفہ میں داخل ہوا۔ اور حضرت کے مکان پر
پہنچا۔ آپ اس وقت گھر میں موجود تھے۔ اس لئے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی
بعد حصول اجازت حاضر خدمت ہوا۔ اور سلام کر کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔
اور خط نکال کر حضرت کو دیا۔ آپ نے اس خط کو لے کر پڑھا اور اس کے مضمون
کو سمجھا۔ جب آپ نے اس مضمون کو ملاحظہ فرمایا تو خط کو ہاتھ سے پھینک دیا۔ اور
قاصد کو گھر سے نکال دیا۔ اور کچھ جواب نہ دیا بلکہ اس سے بالکل بات نہ کی۔ یہ حال
دیکھ کر قاصد ناامید اور مایوس ہو کر چلا آیا اور کوفہ کو روانہ ہوا۔ اور جو کچھ اس نے
دیکھا تھا۔ بیان کیا۔ کہ آپ نے اس کے خط پر التفات نہ کیا اور نہ
کچھ جواب دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہ کچھ باتیں کیں، پھر اہل کوفہ نے دوسرا
خط بھیجا اور تیسرا خط بھیجا، اور چوتھی مرتبہ بھیجا۔ حضرت اس پر کچھ التفات نہ کرتے
تھے۔ بلکہ آپ تمام دن حرم کعبہ کو نہ چھوڑتے تھے دن کو حرم کعبہ میں رہتے تھے
اور روزہ رکھتے تھے۔ اور رات کو تمام شب نماز پڑھتے تھے اور عبادت الٰہی میں
مشغول رہتے تھے۔ اسی طرح ہمیشہ حرم میں نماز پڑھتے رہتے تھے اور خانہ کعبہ
کا طواف کیا کرتے تھے اور اس حال میں اہل کوفہ برابر خط بھیجے جاتے تھے اور یہی
مضمون ان کا ہوتا تھا کہ تشریف لائیے۔ اور خلیفہ بن جائیے۔ اس حال پر ایک
سال گزر گیا۔ کہ اہل کوفہ کے برابر خطوط چلے آتے تھے یہاں تک کہ اہل عراق اور
کوفہ کے ہزار خطوں کے قریب آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ اور ہر ایک کا یہ مضمون تھا

کر یا ابا عبداللہ آپ یہاں تشریف لائیے۔ ہم آپ کی مدد کریں گے۔ اور خلافت آپ کا اور آپ کے دادا کا حق ہے آپ کچھ التفات نہ کرتے تھے بلکہ یہ فرماتے تھے کہ میں مکہ سے ہرگز باہر نہ جاؤں گا۔ اور جب تک کہ موت آئے ہرگز نہ ہٹوں گا اور یہیں مروں گا اور نہ بندگانِ خدا پر ظلم کرنے کی خواہش ہے اور خدا مجھ کو ظلم سے دور رکھے اس واسطے کہ اللہ ظالم نہیں وہ محض عدل اور صلاح ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اسی عرصہ میں ایک روز حسین اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ ایک کوفہ کا سوار آیا۔ اور اس نے دروازہ پر دستک دی۔ آپ نے اندر سے آواز دی کہ دروازہ پر کون ہے۔ اس نے جواب دیا، رسول اللہ! اے حسین۔ آپ نے اس کو اندر آنے کی اجازت دی وہ اندر آ گیا۔ اور آپ کے دونوں ہاتھ چومے۔ اور خط نکال کر دیا۔ آپ نے اس کو پڑھا اور اس کے مضمون کو سمجھا کہ وہ اہل کوفہ کی طرف سے ہے وہ اس میں تحریر کرتے ہیں کہ اے حسین۔ اے فرزند دختر رسول ! تم جانتے ہو۔ کہ یزید بن معاویہ نے ہم پر بہت ظلم کیا ہے۔ مردوں کو قتل کیا اور مال کو لوٹا اور خدا سے سرکشی کی اور تمرد کیا اور ہمارے اوپر ایسے شخص کو حکمران کیا ہے۔ کہ اس کا نام عبیداللہ بن مرجانہ ہے اور وہ ظالم، عیار اور سرکش غدار ہے۔ اور عموماً سب پر ظلم کرتا ہے بُرے کاموں کا حکم دیتا ہے۔ اچھے کاموں کو منع کرتا ہے۔ شراب ہمارے رُوبرو پیتا ہے۔ اور خدا سے نہیں ڈرتا، اس نے بدکاریوں کو پھیلا دیا ہے بندگانِ خدا میں ظلم اور جَور ظاہر کر دیا ہے۔ کسی کام میں خدا کا خوف نہیں رکھتا ہے اور عدل کو رعایا سے پوشیدہ اور ظلم کو علی الاعلان ظاہر کر دیا ہے۔ یا ابا عبداللہ ہم نے قبل ازیں آپ کے پاس قریب ہزار خطوط کے بھیجے۔ اور ہر خط میں یہ مضمون ہے کہ آپ تشریف لائیے اور ہم یزید کے خلاف آپ کی مدد کریں گے اور آپ اپنے باپ دادا کی خلافت کو لیجئے۔ ہمارے اوپر حکومت کیجئے۔ یا اپنے اقربا سے کسی کو ہم پر حاکم مقرر کر دیجئے۔ ہم آپ کے نانا محمد مصطفےٰ کا واسطہ دلاتے ہیں کہ آپ یہاں تشریف لائیے ہم آپ کی مدد بمقابلہ یزید کریں گے اور آپ خلافت لیویں اور اگر آپ تشریف نہ لائیں گے تو کل روز قیامت خدا کے حضور میں ہم آپ کی فریاد کریں گے اور آپ پر دعوے کریں گے اور عرض کریں گے حق تعالےٰ سے کہ اے پروردگار۔ ہم پر حسین نے ظلم کیا اور ہمارے اوپر ظلم ہونے سے وہ راضی ہوئے اور تمام خلائق بھی فریاد کرے گی کہ اے پروردگار ہمارے حق کو حسین سے دلا۔ اس وقت آپ کیا کہیں گے۔

کیا صاف فرماتے ہیں :-

تکون بین الناس فرقۃٌ اختلاف فیکون ھذا واصحابہ علی الحق یعنی علیًا۔

لوگوں میں فتنے ہونگے اور فرقہ بندیاں اور تفرقے ہونگے پس اس وقت علی اور اُسکے اصحاب حق پر ہوں گے ۔

علی المتقی ۔ کنز العمال الجزء السادس صفحہ ۱۵۵ حدیث ۲۵۸۲ صفحہ ۱۵۷ حدیث ۲۶۳۵

آپ نے بہت اچھی طرح واضح کر دیا کہ تم لوگ اپنا دین نہایت قلیل شے یعنی وجاہت دنیا پر فروخت کر رہے ہو۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویل للعرب من شر قد اقترب فتنا کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل مومنا ویمسی کافرا یبیع قوم دینھم بعوض من الدنیا قلیل المتمسک یومئذٍ بدینہ کالقابض علی الجمر او قال علی الشوک قال حسن فی حدیثہ خبط الشوک۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسولِ خدا نے کہ عرب برباد ہوگا اس شر سے جو نزدیک ہے فتنوں کی صورت میں جو اندھیری رات کی طرح ہونگے ایک شخص صبح مومن اٹھیگا اور شام تک کافر ہو جائیگا لوگ اپنا دین دُنیا کی نہایت قلیل شے پر فروخت کرینگے اس دن جو شخص اپنے دین پر قائم رہے گا ایسا ہوگا گویا وہ جلتے انگاروں پر یا کانٹوں پر کھڑا ہے یہ حدیث صحیح ہے راوی کو صرف کانٹے یا جلتے ہوئے انگارے میں شبہ ہے۔

امام احمد حنبل :- الجزء الثانی صفحہ ۳۹۰ - الجزء الاول صفحہ ۳۸۴ و ۴۴۸ - ۱۸۵ - الجزء الرابع صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۷

علی المتقی :- کنز العمال - الجزء السادس کتاب الفتن صفحہ ۴۴۵ لغایت ۴۹۲ حدیث ۵۱۱ و ۵۰۷

جب کچھ اور چارہ نہ دیکھا وکلائے جماعت حکومت یعنی علمائے اہل سُنّت فرمانے لگے کہ یہ حضرت عثمان کے قتل کی پیشین گوئی ہے۔ ہم نے بڑے بڑے مظلوموں کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور سُنا ہے لیکن جس طرح یہ بزرگوار انصاف کو قتل کرتے ہیں اس کی نظیر نہیں ملتی مندرجہ ذیل امور غور طلب ہیں :-

۱- ان احادیث میں الفاظ سیکون اور ستکون کے ہیں جو مستقبل قریب کے لئے ہیں، نہ کہ بعید کے لئے۔

۲- پیشین گوئی ہی تو بیان فرما رہے تھے کہہ دیتے کہ یہ زمانہ میرے بعد کے تیسرے خلیفہ کا ہوگا۔

۳- برخلاف اس کے آپ نے فرما دیا کہ یہ فتنے میرے اہل بیت پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہوں گے۔

ان پیشگوئیوں کا تعلق حضرت عثمان کے قتل سے نہیں ہے۔

اور کیا جواب دیں گے۔ حق تعالیٰ آپ سے کہے گا کہ تم ان کا حق ادا کرو۔ راوی کہتا ہے کہ جب اس خط کو حسین نے پڑھا۔ تو آپ کے رونگٹے خوف الہٰی سے کھڑے ہو گئے اور جسم مبارک تھرّا گیا اور قلب کانپ اٹھا۔ اس واسطے کہ آپ نے معلوم کیا کہ وہ لوگ اس قسم کی فریاد کرتے ہیں کہ ہم پر ظلم ہوتا ہے اور نانا کی قسمیں دلاتے ہیں۔ پس اسی وقت آپ اٹھ بیٹھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ نے کاغذ اور قلم دوات تانبہ کا منگایا اور اہل کوفہ و عراق کو یہ خط لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ نامہ ہے من جانب حسین ابن علی ابن ابی طالب بنام اہل کوفہ و عراق۔ آگاہ ہو کہ تم نے میرے پاس ہزار خط بھیجے۔ میں کچھ التفات نہ کرتا تھا کیونکہ میری مراد اور تمنا محض یہ ہے کہ جوارِ کعبہ میں رہوں یہاں تک کہ مرجاؤں اور اب تمہاری طرف سے شکایت ظلم یزید وغیرہ کی بہت ظاہر ہوئی۔ اس سبب سے میں عنقریب تمہارے پاس پہنچوں گا اور اس خط کے ہمراہ مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔"

اس سے بھی ظاہر ہے کہ امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ کوفی دغا کریں گے۔ اور اس کے بعد آپ کو ہر ایک مخلص دوست نے یہ ہی صلاح دی کہ کوفہ کی طرف نہ جائیے اور جہاں آپ کا جی چاہے چلے جائیں۔ کتب تاریخ میں ان کے نام اور ان کی نصیحتیں درج ہیں۔ چند ان میں سے یہ تھے :-

(۱) عمر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن الہشام مخزومی۔ (۲) عبد اللہ ابن عباس (۳) فرزدق شاعر (۴) عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب (۵) عمرو بن سعید وغیرہ۔

ان میں سے عبد اللہ ابن عباس بار بار جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور کوفہ کی طرف جانے سے منع کرتے تھے۔ فرزدق شاعر مکہ میں بھی آپ سے ملا تھا اور جب آپ باہر نکل چکے تھے پھر بھی ملا۔ عبد اللہ ابن جعفر بن ابی طالب کا خط آیا تھا۔ ان تمام لوگوں کی نصیحت ایک ہی تھی اور وہ یہ کہ کوفہ والوں پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ آپ کے باپ دبھائی کے ساتھ انہوں نے کیا کیا۔ جو آپ کے ساتھ کریں گے۔ ان کی زبانیں آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں اگر آپ جاتے ہیں تو اہل وعیال کو نہ لے جائیں۔ یقین کامل ہے کہ آپ وہاں قتل ہو جائیں گے۔ امام حسین یہی ایک جواب دیتے تھے کہ جہاں میں جاؤں گا وہاں یہ مجھے قتل تو ضرور کریں گے۔ اب تو میں نے کوفہ جانے کا ارادہ مصمم کر لیا ہے۔ یہ بھی آپ کو صلاح دی جاتی تھی کہ موسم حج ہے۔ یہاں رہ کر لوگوں میں اپنے ارادہ کی تبلیغ و اشاعت کریں اور کوفیوں کو لکھ دیں کہ جب تم اپنے امیر کو وہاں سے نکال دو گے تب ہم آئیں گے۔ چونکہ اس صلاح پر عمل

کرنے سے آپ کا مقصد فوت ہوتا تھا، انکار کر دیا ورنہ سیاسی حالت کو مدنظر رکھ کر اگر امام حسینؑ کا ارادہ خروج کا ہوتا تو یہ بہترین صلاح تھی۔ دیکھو:-

تاریخ طبری:- الجزء السادس صفحہ ۲۱۷ لغایت ۲۱۹۔

مروج الذہب مسعودی:- الجزء الثالث صفحہ ۵۔

تاریخ ابن کثیر شامی: الجزء الثامن صفحہ ۱۵۹ لغایت ۱۶۱، ۱۶۲ لغایت ۱۶۴۔

امر ششم۔ سفارت مسلم بن عقیل

کیا لوگ جناب رسول خداؐ کے طرز عمل کو اتنا بھول گئے کہ جناب امام حسینؑ کے ایک فعل کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ کیا آپ نے تاریخ میں یہ نہیں پڑھا کہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کسی قبیلہ نے آنحضرتؐ سے درخواست کی ہے کہ ہماری بستی کی ہدایت و تبلیغ اسلام کے لئے اپنا معتبر آدمی جو علم دین سے واقف ہو بھیج دیں اور آنحضرتؐ بھیج دیا کرتے تھے۔ ان کو لڑائی کا حکم نہیں ہوتا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہو جاتا تھا کہ مکر و فریب کے ساتھ ان معلمین اسلام کو لے جاتے تھے اور قتل کر دیتے تھے۔ اس کا بدلہ لینا آنحضرتؐ پر واجب ہو جاتا تھا۔ مسلم ابن عقیل کو جناب امام حسینؑ نے بھیجا لیکن تنہا بھیجا، لشکر دے کر نہیں بھیجا کیا غنیم کے ملک پر اس طرح حملہ ہوا کرتا ہے۔ کیا معاذ اللہ آپ امام حسینؑ کو عقل و فراست سے ایسا معرا سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ہزار خطوط کو ہزار آدمی سمجھ لیا۔ یہ بھی یقین کر لیا کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ اپنی اس تحریر پر قائم رہیں گے۔ یہ بھی نہ تحقیقات کی۔ کہ ایک ہی آدمی یا ایک ہی جماعت نے تو یہ سب خطوط نہیں لکھے۔ کتب تواریخ سے تو اتنا ہی ظاہر ہوتا ہے وہ ایک ہی جماعت تھی جو بار بار خط لکھ رہی تھی۔ چونکہ مکہ و مدینہ میں جائے امن و قیام نہیں ملتی تھی۔ آپ نے یہ ارادہ کر دیا کہ اگر تم مسلم سے حسن سلوک سے پیش آؤ گے تو ہم بھی آجاویں گے۔ مدینہ سے مکہ کو آپ تشریف لائے تو وہ یزید کے خلاف خروج نہ سمجھا گیا۔ اگر مکہ سے کوفہ کی طرف چلے تو وہ کیوں خروج سمجھا جائے ایک شخص رعایا میں ادھر سے ادھر جا رہا ہے۔ اس کی آمد و رفت پر کیوں روک ٹوک ہو اور اس کو کیوں یورش، خروج یا حملہ سمجھا جائے۔ کبھی امام حسینؑ نے اعلان جنگ یا بغاوت کیا؟ لوگوں کو حکومت کے خلاف اپنی طرف بلایا؟ ان سب باتوں کو جانے دو۔ کس ساز و سامان کے ساتھ آپ مدینہ سے نکلے؟ اگر لشکر کو تیار کر کے نکلے تو خروج تھا، اگر عورتوں و بچوں کے ساتھ نکلے تو تلاش امن و قیام کی ایک کوشش تھی لوگوں کی ہدایت اس کا منشاء تھا۔

امر ہفتم۔ کس ساز و سامان کے ساتھ امام حسینؑ نے خروج کیا

ہر زمانہ کی سیاست [illegible] معمولی عقل

انسانی آپ کو بتا دے گی کہ جو شخص ایک مستقل مستحکم اور مضبوط سلطنت کیخلاف اٹھتا ہے تو وہ کیا تیاریاں کرتا ہے اور کس سامان کے ساتھ اٹھتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام حسین سلطنت بنی امیہ کا تختہ الٹنے کے لئے مکہ سے نکلے۔ کس ساز و سامان کے ساتھ، صرف اپنی عورتوں بچوں اور نہایت قریبی رشتہ داروں کے ساتھ، بہت سے رشتہ داروں کو بھی چھوڑ دیا تھا۔ جنہوں نے خود ہی ہمراہ چلنے کا ارادہ نہیں کیا۔ مثلاً محمد حنیفہ۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن جعفر وغیرہم صرف ان کو اپنے ہمراہ چلنے کی اجازت دی جنہوں نے کسی حال میں حسین کو چھوڑنا نہ چاہا۔ علامہ طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

اقبل الحسین بن علی باھلہ من مکۃ — یعنی امام حسین مکہ سے عراق کی طرف صرف اپنے اہل و عیال کو لے کر نکلے۔

الجزء السادس۔ صفحہ ۲۲۳-۲۲۴ دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

فاقبل الحسین بالصبیان والنساء معہ لا یلوی علی شیئ — یعنی امام حسین مکہ سے بچوں اور عورتوں کو ساتھ لے کر نکلے۔

اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد پنجم میں ہے:۔

”حسین ابن علی دسویں ذوالحجہ ۶۰ھ ہجری کو مع اپنے اہل بیت کے مکہ سے کوفہ کو روانہ ہوئے جس میں بچے، عورتیں، مرد بھی تھے“ صفحہ ۹۲

”بچے، عورتیں مل کر سب نوے انسان تھے“ کتاب الامامت والسیاسۃ ابن قتیبہ الجزء الاول صفحہ ۱۸۶۔

”راستے میں لوگ ملتے رہے، جدا ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ جب کربلا میں پہنچے۔ تو سب مل ملا کر صرف ۴۵ آدمی سوار تھے اور ایک صد پیادے تھے“۔

تاریخ طبری۔ الجزء السادس صفحہ ۲۲۰

ابن کثیر شامی لکھتا ہے:۔

کہ صرف ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے تھے۔ البدایۃ والنہایۃ الجزء الثامن صفحہ ۱۷۸

امر ہشتم۔ اقوال امام حسینؑ بوقت خروج

جناب امام حسینؑ کے اقوال بوقت خروج از مکہ اوپر بیان کئے گئے ہیں

یہ اقوال اس شخص کے ہیں جو جانتا ہے کہ میں مقتل کی طرف جا رہا ہوں یہ نا امیدی سے بھرے ہوئے موت کا یقین لئے ہوئے الفاظ اس کے نہیں ہو سکتے جو ایک مستقل و مستحکم سلطنت پر حملہ کر کے قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

امام حسینؑ کا سفر اول

امر نہم۔ کوفہ کی طرف آپ نے کیوں رُخ کیا

جب ہم ان تمام امور کو مدِ نظر رکھ کر ایک آخری بحث کریں گے تو اس میں اس کا بھی ذکر کریں گے۔

امر دہم۔ امام حسینؑ کی پیشین گوئیاں

امام حسین علیہ السلام اپنے جدِ امجد جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو واقعی مُبیٔ برحق مانتے تھے۔ جانتے تھے اور اس کا یقین رکھتے تھے اور تمام کتب و تاریخ و احادیث فریقین کی اس پر متفق ہیں کہ جناب رسول خدا نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی پیشین گوئی کئی دفعہ کی تھی اور اس پیشین گوئی کو جناب علی مرتضیٰ نے بار بار امام حسین علیہ السلام سے نصیحت کرتے وقت دُہرایا تھا۔ حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھی کہ:-

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یقتل الحسین بارض بابل — یعنی سنا میں نے جناب رسولِ خدا کو یہ کہتے ہوئے کہ حسین ارضِ بابل میں قتل کیا جائے گا۔

تاریخ ابن کثیر شامی الجزء الثامن صفحہ ۱۶۳

شیخ سلیمان القندوزی البلخی مفتیٔ اعظم قسطنطنیہ نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں ساٹھواں باب فقط ان صحیح احادیث کے لئے قائم کیا ہے۔ جو آنحضرت سے شہادت حسین علیہ السلام کے متعلق مروی ہیں۔ اور جن میں آنحضرتؐ نے اس شہادت کی پیشین گوئی کی ہے۔ اس باب میں انہوں نے یہ احادیث بہت سی کتب احادیث مثلاً مشکوٰۃ، سُنن بیہقی، مسند احمد حنبل، الاصابتہ، جمع الفوائد، مسند ابی داؤد، مستدرک حاکم، معجم بغوی، طبقات ابن سعد وغیرہم سے نقل کی ہیں۔ یہ امر ایسا مسلم ہے کہ اس کے لئے زیادہ حوالہ جات کی ضرورت نہیں۔

امر یازدہم۔ امام حسین کا طرزِ عمل راستہ میں و

امر دوازدہم۔ امام حسین کا طرزِ عمل کربلا میں

امام حسینؑ کے جملہ منازل سفر کا بیان ہمارے مضمون سے باہر ہے۔ لیکن مکہ سے عراق تک کا یہ سفر ایسی عظیم الشان تاریخی و مذہبی حیثیت رکھتا ہے کہ مجھے سخت تعجب ہے کہ ہمارے مورخین و علماء نے اس کی طرف وہ توجہ نہیں کی جو کرنی چاہیئے تھی۔ اگر یہ مضمون یورپین مؤرخین کے لئے بھی اتنی دلچسپی رکھتا ہوتا کہ جتنی وہ ہمارے لئے رکھتا ہے تو متعدد نقشے اس سفر کے بن جاتے اور ہر ایک مورخ و سیاح موقع پر جا کر خود پیدل سفر کر کے ان نقشوں کو مرتب کرتا۔ جن میں ہر ایک منزل صحیح طور سے دکھاتی

جاتی۔ اس کے پُرانے حالات اور موجودہ مقامات سب درج ہوتے۔ نہایت صحیح فاصلہ دکھایا جاتا۔ جن جن تاریخوں میں امام علیہ السلام اُن منازل پر اترے ان کی تحقیقات ہوکر نہایت صحت کے ساتھ معہ وقت کے درج ہوتیں۔ کتنے عرصہ ہر ایک منزل پر ٹھہرے۔ کس وقت وہاں سے روانہ ہوئے۔ منزل پر کون کون ملا۔ راستہ میں کون ملا۔ منزل سے کس فاصلہ پر ملا۔ کیا گفتگو ہوئی۔ موسم کیسا تھا۔ ان منازل کی اب موجودہ حالت کیا ہے۔ پہلے کیا حالت تھی۔ پانی کہاں کہاں ملتا تھا، کہاں نہیں ملتا تھا۔ طوفان باد وریگ کی کیا حالت تھی۔ ہر ایک منزل کے پاس کون کون سے مواضعات آباد تھے۔ کتنے کتنے فاصلہ پر کہاں تک آبادی پائی جاتی تھی۔ کتنی دور جاکر انسان آبادی سے باہر ہو جاتا تھا۔ ہمارے ہزاروں علماء علم حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ سینکڑوں زائرین بغرض حصول ثواب زیارت کو جاتے ہیں۔ حج کو جاتے ہیں۔ کاش خدائے تعالےٰ اپنے کسی بندے کو ہدایت دے۔ جو اس طرف توجہ کرے۔ اور ذرا ہمت کرکے مکہ سے کربلا تک پیدل سفر کر جائے، دوران سفر میں تحقیقات کرتا جائے انشاء اللہ کامیاب ہوگا۔ آج کل لوگوں کو جدید انکشافات اور جدید تھیوری کا بڑا شوق ہے۔ جانتے ہیں کہ اگر وہ صحیح ثابت ہوئیں تو علم میں اضافہ ہوا۔ غلط ہوئیں۔ تب بھی شہرت میں تو ضرور اضافہ ہو ہی جائے گا۔ لہذا تھیوریاں ایجاد کرنے کی طرف مشغول ہیں۔ ہم ان کو صلاح دیتے ہیں کہ اس نہایت اہم تاریخی و مذہبی سفر کی تحقیق کی طرف توجہ کریں تاکہ دونوں فوائد حاصل ہوں۔ ہم اس سفر کے حالات نہایت اختصار کے ساتھ تاریخ طبری، تاریخ کامل ابن اثیر، اور تاریخ ابن کثیر شامی سے لے کر بیان کرتے ہیں۔

پہلی منزل

پہلی منزل تنعیم۔ امام حسینؑ مکہ سے آٹھویں ماہ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ ہجری کو روانہ ہوتے۔ یہ پہلی منزل تھی۔

دوسری منزل

دوسری منزل صفاح۔ یہاں فرزدق شاعر ملا جو حج کو جا رہا تھا۔ اس سے کوفہ کے حالات پوچھے۔ اس نے بتایا کہ لوگوں کے دِل آپ کی طرف ہوں تو ہوں۔ لیکن تلواریں بنوامیہ کے ساتھ ہیں۔ آپ اُدھر نہ جائیں ورنہ آپ قتل کر دیئے جائیں گے۔

آپ وہاں سے چلے تو راستہ میں عبداللہ ابن جعفر کا خط لے کر ان کے دونوں پسران عون و محمد حاضر ہوئے خط میں لکھا تھا کہ آپ ہرگز ہرگز کوفہ میں نہ جائیے۔ لوگ غدار ہیں۔ خط کے پیچھے میں بھی آتا ہوں۔ اور وہاں انہوں نے والیٔ مدینہ عمرو بن سعید کے پاس جاکر امام حسین کے لئے امان حاصل کر لی۔ اس نے امان نامہ لکھ کر اپنے بھائی یحییٰ بن سعید اور عبداللہ ابن جعفر کے ہاتھ آپ کے پاس بھجوایا۔ یہ دونوں حضرات امام حسینؑ کو راستہ میں ملے۔ آپ نے

واپس ہونے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں نے خواب میں اپنے نانا کو دیکھا ہے اور انہوں نے مجھے چند ہدایات کی ہیں۔ میں اب واپس نہ جاؤں گا۔

تیسری منزل حاجر من بطن ذی الرمۃ۔ یہاں سے جناب امام حسین علیہ السلام نے قیس بن مسہر الصیداوی کو اپنا قاصد بنا کر کوفیوں کی طرف بھیجا۔ اور انہیں اپنے آنے کی اطلاع دی۔

چوتھی منزل زرود۔ یہاں زہیر ابن القین جناب امام حسین سے ملے۔

پانچویں منزل ثعلبیہ۔ یہاں جناب حسین علیہ السلام کو شہادت مسلم بن عقیل کی خبر ملی۔

چھٹی منزل زبالہ۔ یہاں جناب امام حسین علیہ السلام کو اپنے برادر رضاعی عبد اللہ بن یقطر کے قتل کی خبر ملی۔ جب جناب مسلم کی خبر کچھ عرصہ تک نہ آئی تو آپ نے عبد اللہ بن یقطر کو ان کے تفحص حال کے لئے بھیجا تھا۔ راستہ میں حصین ابن نمیر نے پکڑ کر ان کو عبید اللہ ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ اس نے ان کو حکم دیا کہ تم ممبر پر جا کر امام حسین اور ان کے والد حضرت علی کو سب و شتم کرو۔ یہ ممبر پر گئے اور جا کر عبید اللہ ابن زیاد اور یزید ابن معاویہ پر لعنت کی اس نے ان کو محل پر سے گروا کر شہید کر دیا۔ یہاں امام حسین علیہ السلام نے ایک ایسا فعل کیا جو ہمارے بیان پر بہت اچھی روشنی ڈالتا ہے۔ اس کو ہم تاریخ طبری سے لکھتے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور یہ خطبہ ادا فرمایا۔

فانہ قد اتانا خبر فظیع قتل مسلم بن عقیل وھانی بن عروۃ وعبد اللہ بن یقطر وقد خذلتنا شیعتنا فمن احب منکم الانصراف فلینصرف لیس علیہ منا ذمام قال فتفرق الناس عنہ تفرقا فاخذوا یمینا و شمالا حتی بقی فی اصحابہ الذین جاءوا معہ من المدینۃ وانما فعل ذالک لانہ ظن انما اتبعہ الاعراب لانھم ظنوا انہ یاتی بلدا قد استقامت لہ طاعۃ اھلہ فکرہ ان یسیروا معہ الا وھم یعلمون علی ما یقدمون وقد علم انھم اذا بین لھم لم یصحبہ الا من یرید مواساتہ والموت معہ۔

تاریخ طبری :۔ الجزء السادس صفحہ ۲۲۶۔

ترجمہ :۔ بتحقیق کہ ہم کو شہادت مسلم بن عقیل وہانی بن عروہ اور عبد اللہ بن یقطر کی خبر ملی ہے ہمارے دوستوں نے ہم کو چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا تم میں سے جو چاہتا ہے وہ چلا جائے اس کے اوپر کچھ ذمہ داری نہیں ہے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر لوگ ادھر ادھر ہو

گئے، اور چلے گئے۔ جناب امام حسینؑ نے یہ بات اسلئے کی کہ آپ جانتے تھے کہ بہت سے لوگ صرف اس خیال سے ساتھ ہوگئے ہیں کہ ہم شہر میں جائیں گے اور وہاں ہماری اطاعت ہوگی۔ امام حسینؑ نے ناپسند کیا کہ وہ لوگ آپ کے ساتھ اس خیال کو لے کر چلیں۔ آپ جانتے تھے کہ جب آپ یہ کہہ دیں گے تو صرف وہ ہی آپ کے ساتھ رہ جائے گا۔ جس کو آپ سے محبت ہے اور وہ آپ کے ساتھ مرنا چاہتا ہے۔

یہی عبارت تاریخ الکامل ابن الاثیر کی ہے۔ دیکھو اردو ترجمہ تاریخ الکامل خلافت بنو امیہ صفحہ ۱۶۵۔ یہ واقعہ اسی طرح ابن کثیر دمشقی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ لیکن اس نے اس کو منزل زرود کا واقعہ بیان کیا ہے۔ بہر صورت واقعہ یہ ہی ہے۔ دیکھو البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الثامن صفحہ ۱۶۹۔

ساتویں منزل آٹھویں منزل

ساتویں منزل۔ بطن العقبہ ۶۱ھ ہجری

آٹھویں منزل شراف۔ اس منزل سے آپ چلتے تھے کہ راستہ میں حرؓ ابن یزید کی فوج دور سے دکھائی دی۔

مقام ذوحسم۔ یہاں آپ سے حرؓ بن یزید مل گئے اور انہوں نے آپ کو کوفہ کی طرف نہ جانے دیا۔ اب رخ کربلا کی طرف ہوگیا۔ حر اور اُن کی فوج پیاسی تھی۔ گھوڑے اور اونٹ پیاس کے مارے بے تاب تھے۔ جناب امام حسینؑ نے سب کو پانی پلوایا۔ یہاں بھی لوگوں نے آپ کو دوبارہ مطلع کیا کہ میں موت کی طرف جا رہا ہوں۔ زہیر بن قین اور دیگر ہمراہیوں نے اپنی وفاداری کا اظہار کیا اور عرض کی کہ ہم آپ کے ساتھ مرنے کو اپنی حیات سمجھتے ہیں۔ دیکھو تاریخ طبری الجزء السادس صفحہ ۲۲۹۔ ذوحسم کوئی منزل نہ تھی۔ بلکہ راستہ میں منزل شراف سے آگے جب حرؓ مل گئے۔ تو امام علیہ السلام ٹھہر گئے انہیں اور ان کے لشکر کو پانی پلوایا اور خطبہ دیا۔

نویں منزل

نویں منزل عذیب الہجانات۔ چار سوار کوفہ کی طرف سے آتے ہوئے۔ نظر آئے۔ جن سے امام علیہ السلام نے ملاقات کی۔ انہوں نے آپ کو بتایا کہ کوفہ میں آپ کے قتل کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آپ کے قاصد قیس بن مسہر الصیداوی کو حصین بن نمیر نے راستہ میں ہی سے پکڑ کر ابن زیاد کے پاس بھجوا دیا۔ جس نے انہیں حکم دیا کہ ممبر پر جا کر امام حسین و علی علیہم السلام پر لعنت کرو، وہ ممبر پر گئے اور ابن زیاد و یزید پر لعنت شروع کر دی۔ ابن زیاد نے محل کے اوپر سے نیچے گرا دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہیں طرماح بن عدی

ملے۔ جنہوں نے صلاح دی کہ آپ ہمارے پہاڑوں میں چلے چلیں وہاں ابن زیاد و عمر سعد کی پہنچ نہیں ہوگی۔ حُر ابن یزید نے بھی اس تجویز کی مخالفت نہ کی۔ لیکن امام علیہ السلام نے نہ مانا۔

دسویں منزل قصر بنی مقاتل

نینوئی۔ کربلا۔ دو تاریخ ماہ محرم ۶۱ھ ہجری کو بروز جمعرات جناب امام حسین علیہ السلام کربلا میں وارد ہوئے۔ عمر ابن سعد سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ صلح کی کوشش بھی کی گئی۔ امام حسین علیہ السلام نے صرف دو شرطیں پیش کی تھیں۔ ایک تو یہ کہ میں وہیں واپس چلا جاؤں جہاں سے آیا ہوں یا تم مجھ کو اس وسیع زمین میں کہیں کو چلے جانے دو۔ انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دوں۔ یا ثغور مسلمین کی طرف جانے دو۔ چنانچہ ہم تاریخ الکامل ابن الاثیر کے اردو ترجمہ سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں:۔

"عقبہ ابن سمعان کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک امام حسین کے ہمراہ رہا اور ان کی شہادت کے وقت تک ان سے جُدا نہ ہوا۔ میں نے ان کی وہ تمام تقاریر سنی ہیں جو انہوں نے اپنی شہادت کے دن تک لوگوں کے سامنے کیں۔ خُدا کی قسم۔ انہوں نے کبھی لوگوں سے یہ نہیں کہا کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں گا یا یہ کہ تم مجھے مسلمانوں کی سرحد کی طرف لے چلو۔ بلکہ انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ یا تو مجھے وہیں جانے دو جہاں سے آیا ہوں یا نہیں تو مجھے اس وسیع و عریض زمین میں کہیں چلا جانے دو تا آنکہ ہم دیکھ لیں کہ لوگوں کے اس امر کا آخری انجام کیا ہوتا ہے۔ مگر ان لوگوں نے نہیں مانا۔"

اردو ترجمہ تاریخ الکامل (خلافت بنوامیہ) حصہ اوّل صفحہ ۱۷۰۔

بعینہٖ یہی مفہوم تاریخ طبری اور تاریخ ابن کثیر شامی کا ہے۔ دیکھو۔ تاریخ طبری الجزء السادس صفحہ ۲۳۵۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الثامن صفحہ ۱۷۵۔

لہذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام حسین نے یہ بھی کہا تھا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو۔ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ڈال دوں گا۔ جو وہ میرے لئے حکم مناسب سمجھے گا۔ دے گا۔ محض دروغ کہتے ہیں۔ عقبہ بن سمعان جو اوّل سے آخر تک آپ کے ساتھ رہا ہے۔ اس کی شہادت سے بہتر کسی اور کی روایت نہیں ہو سکتی۔

آخر کار جب ان لوگوں نے کسی اور بات کو نہ مانا اور لڑائی یقینی ہو گئی تو پھر امام حسین

علیہ السلام نے خطبہ دیا اور لوگوں کو اجازت دی کہ رات کے اندھیرے میں جہاں چاہیں چلے
جائیں۔ رات کا وقت یوں مناسب تھا کہ جانے والوں کو شرم نہ آئے لیکن ان میں سے کسی
نے نہ مانا۔ سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ تف ہے اس ہماری زندگی پر جو آپ کے بعد
ہو۔ امام حسینؑ کی یہ اجازت عین قتل کی رات کو ان کے اصحاب کا انکار اور موت کے لئے
اصرار فطرت انسانی کے ارتقاء اور ارتفاع کی انتہائی منزل کا نمونہ ہے۔ جو دیکھنا چاہتے
ہیں کہ اسلام نے کیا سکھایا۔ آئیں اور کربلا کے میدان میں دیکھیں۔ یہ نمونہ سقیفہ بنی ساعدہ
میں نظر نہیں آئے گا۔ لشکروں کو فتح کر لینا آسان ہے۔ دوسروں کے گلوں کے چھیننے کی شعبدہ
بازی بہت سے حریفوں نے کر دکھائی ہے۔ لیکن موت کو فتح کرنا حسین اور ان کے اصحاب کے
لئے باقی رہ گیا تھا۔ اس اجازت اور اس انکار کے لئے دیکھو تاریخ طبری الجزء السادس
صفحہ ۲۳۸-۲۳۹ء البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ لابن کثیر شامی الجزء الثامن صفحہ ۱۷۶؛
اردو ترجمہ تاریخ الکامل خلافت بنو امیہ حصہ اول صفحہ ۱۸۲؛

یزیدیوں نے امام حسین علیہ السلام کو آخر وقت تک موقعہ دیا کہ یزید کی بیعت کر لیں تو
تو اسی وقت ساری تکالیف و مصائب رفع ہو جائیں گے اور وہ آزاد ہوں گے۔ جہاں جی
چاہے رہیں۔ لیکن امام حسین نے نہ مانا۔ تاریخ ابن کثیر شامی۔ الجزء الثامن صفحہ ۱۷۹۔
تاریخ طبری الجزء السادس صفحہ ۲۴۳۔

امر سیزدہم۔ امام حسین نے کیوں بیعت یزید نہ کی

یہ ہم ابھی محاکمہ قطعی میں بتاتے ہیں۔

محاکمۂ قطعی

سوال زیر بحث یہ ہے کہ کیا واقعۂ کربلا ایک معمولی ملکی لڑائی تھی جس کو جناب امام حسین
علیہ السلام نے یزید کے صوبہ کوفہ پر چڑھائی کرنے کے ارادہ سے شروع کیا۔ اس کے بعد
جو کچھ ہوا۔ وہ ملکی لڑائیوں میں ہوا ہی کرتا ہے۔ جماعت اہل حکومت کے مورخین نے اس
معاملہ پر دو متضاد نتیجے اخذ کئے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام حسین نے یزید کی سلطنت پر خروج کرنے
میں غلطی کی۔ لیکن یزید امام حسین کو اس طرح قتل کرنے میں حق بجانب نہ تھا اور اس نے ظلم
کیا۔ دیکھو مقدمہ علامہ ابن خلدون صفحہ ۲۱۶۔ فصل الثالثون البدایۃ والنہایۃ ابن
کثیر دمشقی الجزء الثامن صفحہ ۱۶۳، ۲۲۳،
ہم نے متضاد اس وجہ سے کہا ہے کہ اگر امام حسینؑ نے پہل کر کے یزید کی سلطنت پر حملہ

کیا۔ اور وہ اس حملہ کرنے میں غلطی پر بھی تھے تو اگر یزید سے دفاعی کوششوں کے سلسلہ میں امام حسینؑ قتل ہو گئے تو یزید پر الزام محض مذہبی رہ جاتا ہے۔ غالباً اس منطق کی کمزوریوں کو دیکھ کر ہی اکثر یورپین مورخ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ چونکہ امام حسینؑ نواسۂ رسول تھے۔ اور یہ مورخ مسلمان ہیں لہٰذا وہ حسینؑ کی طرف داری میں بات کو چھپا جاتے ہیں۔ ان یورپین مورخین کے نزدیک اصلی بات یہ ہے کہ امام حسین نے چڑھائی کی۔ اس میں وہ حق بجانب نہ تھے قتل ہو گئے۔ یزید پر الزام عائد نہیں ہوتا۔ دیکھو۔

STUDIES: INDIAN AND ISLAMIC P.P. 72 TO 74

ہم مانتے ہیں کہ واقعی ان مسلمان مورخین کا یہ منطق کمزور ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ بات اُدھوری کہہ رہے ہیں اور اس ہی وجہ سے ان کی بحث میں جان نہیں۔ لیکن جو بات چھپا رہے وہ کچھ اور ہے وہ سانحۂ کربلا کے اصلی اور صحیح اسباب و علل کو چھپا رہے ہیں۔ مصنوعی اور اوپری اسباب و علل جو وہ اپنی بحث سے پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں جان نہیں پڑتی۔ یورپ کے مورخین کسی حد تک معذور ہیں۔ تاریخ اسلام ان کی چیز نہیں۔ اس کے ہر پہلو پہ گہری نظر ڈالنے کے بغیر بسا اوقات وہ مسلمان مورخین ہی کے نتائج کو قبول کر لیتے ہیں۔ اس معاملہ میں چند امور ایسے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ نمایاں نظر آتے ہیں۔ لہٰذا ان پر ہی صحیح غور و فکر کرنے سے یہ معمہ آسانی کے ساتھ حل ہو سکتا ہے۔

(۱) نوعیت و ماہیت بیعت اور اس کا مفہوم

(۲) امام حسینؑ کا ہر ایک مصیبت و رنج و الم برداشت کرنے کے لئے مستعد ہو جانا لیکن بیعت ہی نہ کرنا۔

(۳) یزید کا محض امام حسین علیہ السلام کے پیچھے پڑ جانا۔

(۴) امام حسینؑ کا کوفہ کی طرف رُخ کرنا۔

(۵) تفحص حال کے لئے حضرت مسلم ابن عقیل کو کوفہ بھیجنا۔

(۶) حضرت امام حسین علیہ السلام کا محض عورتوں، بچوں اور قریب ترین رشتہ داروں کو لے کر نکلنا۔

عقدۂ اوّل بیعت کا مفہوم

منتہی الارب میں بیعت کے معنی عہد و پیمان لکھے ہیں۔ دراصل یہ لفظ مصدر ہے۔ لفظ باع کا جس کے معنی ہیں فروخت کر دیا۔ اس کا مادہ ب ی ع ہے۔ چونکہ فروخت کرتے

میرے اہل بیت میرے بعد میری اُمّت سے بہت ظلم دیکھیں گے۔ یا علی۔ تم سے لوگ بغاوت کریں گے تم پر ظلم کریں گے۔

۴۔ فرمایا کہ ان فتنوں میں تم علی کی طرف ہونا کیونکہ وہ ہی فاروق حق و باطل ہے۔ وہ اور اس کے اصحاب حق پر ہوں گے۔

۵۔ انصاف کرو خدا کو بھی جان دینی ہے علی اور اُن کے اصحاب نے اپنے دین کو دُنیا کی قلیل وجاہت کے بدلے فروخت کیا تھا۔ یا ان لوگوں نے جو ایک فرض اہم یعنی تجہیز و تکفین رسول کو چھوڑ کر دُنیا کو لینے کی خاطر سقیفہ چلے گئے تھے اپنے دین پر قائم رہنے کی وجہ سے حضرت علی اور ان کے رفقاء کو تکالیف دی جاتی تھیں یا ان کے مخالفین کو۔ مخالفین تو مسندِ حکومت پر جلوہ آرا تھے اور حضرت علی کے گھر جلانے کو لوگ بھیجے جاتے تھے۔ ان کے اصحاب کو زبردستی بُلا کر بیعت لی جاتی تھی۔ حضرت ابوذر غفاری جو گوناگوں تکالیف کے ساتھ مدینہ سے جلاوطن کر کے ربذہ بھیجے گئے تھے، حضرت علی ہی کے رفیق تھے۔ اور امر حق کہنے کی وجہ سے ان کو یہ سزا دی گئی تھی۔ فریق مخالف کے اصحاب تو اس زمانہ میں مال و دولت جمع کرنے پر تلے ہوئے تھے اور دُنیا کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ رہے تھے۔ اب فرمائیے۔ کس فریق کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اس کی حالت ایسی تھی کہ گویا وہ کانٹوں پر بیٹھا ہوا ہے یا جلتے ہوئے انگاروں پر۔

عبداللہ و عبیداللہ پسران حضرت عمر سے مروی ہے:۔

کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی افضل اُمّۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہٗ ابو بکر ثم عمر ثم عثمان

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ کے بعد سب سے افضل ابو بکر پھر عمر پھر عثمان ہیں۔

ابن حجر عسقلانی:۔ فتح الباری الجزء السابع۔ صفحہ ۱۲۔

یہ روایت بھی غور طلب ہے جناب رسول اللہ کے زمانہ حیات ہی میں یہ ترتیب خلافت کس طرح طے ہو گئی، یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عثمان کو فضیلت سے کیا تعلق ہے اور وہ بھی حضرت علی کے مقابلہ میں جن کی نسبت یہ تسلیم ہے کہ جتنے فضائل حضرت علی کے ہیں۔ اتنے کسی اور صحابی کے نہیں

قال احمد واسمٰعیل القاضی والنسائی وابو علی النیشابوری لم یرد فی حق احد من الصحابۃ بالاسانید العباد اکثر ما جاء فی علی۔

امام احمد حنبل و قاضی اسمٰعیل، نسائی اور ابو علی النیشاپوری کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے کسی کے حق میں ایسے عظیم و صحیح اسناد کے ساتھ اتنے فضائل مروی نہیں ہیں جتنے کہ حضرت علی کے حق میں

میں دو فریقوں میں عہد و پیمان ہوتا ہے لہذا بیعت کے معنی عہد و پیمان کے ہو گئے۔ عہد و پیمان کی روح اور اصلیت یہ ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی طرف سے اقرار کرتے ہیں اور ایک کا اقرار دوسرے کی شرط ہوتا ہے۔ محض ایک فریق کا اقرار کوئی عہد و پیمان کی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ معاہدہ کی اول شرط جوازیت یہ ہے کہ فریقین کی طرف سے اقرار ہو۔ ایک کا اقرار دوسرے کی وجہ اقرار ہو۔ جس کی قانونی زبان میں بدل کہتے ہیں۔ کوئی معاہدہ بغیر بدل کے جائز نہیں اور جس معاہدہ بیع کی بناء پر بیعت کو قائم کیا گیا ہے۔ اس میں بھی یہی شرط ہوتی ہے۔ معاملہ بیع قرآن شریف میں بھی ہے۔ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ اس بیع و شریٰ میں دونوں طرف سے حصولِ بدل ہے۔ ایک فریق نے تو اپنا نفس بیع کیا۔ دوسرے نے اپنی رضامندی اس کے عوض میں عنایت کی۔ یہ تو خدا و بندہ کے درمیان معاملہ ہے۔ اگر بادشاہ اور رعایا کے درمیان بھی ہو تو عین مطابق اصول مذہب و قانون ہو گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ فریقین کے عہد و پیمان کی جوازیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان دونوں کی آزاد رائے ہو۔ اگر جبر و اکراہ آ گیا۔ تو پھر اقرار و عہد و پیمان کی نوعیت و ماہیت بدل جاتی ہے۔ مذہب اسلام میں بیعت کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے بیعتِ عقبہ تھی۔ یوں تو ہر ایک شخص اسلام لاتے وقت آنحضرتؐ سے بیعت کرتا تھا۔ بیعتِ عقبہ اولین انصار نے جناب رسولِ خداؐ سے کی تھی۔ اس بیعت کے الفاظ یہ تھے

ہم نے بیعت کی اس اقرار پر کہ خداؐ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہ کریں گے۔ اپنی اولاد کو (بیٹیوں کو) قتل نہ کریں گے۔ اور کسی پر بہتان نہ باندھیں گے۔ نہ کسی امر معروف میں نافرمانی کریں گے۔ یا رسول اللہ ہم لوگ آپ کو پناہ دہی سے اس وقت تک بے تعلق ہیں جب تک آپ ہمارے گھر کو تشریف نہ لے چلیں۔ لہذا جب آپ ہمارے وطن میں پہنچ جائیں گے تو ہماری پناہ میں آ جائیں گے۔ اس وقت جن باتوں سے ہم خود اپنا اور اپنے بال بچوں کا بچاؤ کرتے ہیں آپ کو بھی ان باتوں سے محفوظ رکھیں گے۔

اردو ترجمہ تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان حصہ اول صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵:

جس زمانہ سے ابو مسلم خراسانی نے بنی عباس کے لئے بیعت طلب کرنی شروع کی۔ تو اس کی عبارت یہ ہوتی تھی۔ میں تم سے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کے لئے ان کی اطاعت کرنے پر بیعت لیتا

ہوں - اور تم پر اس قول کے نباہنے کے لئے خداوند پاک کا عہد اور اس کا میثاق ہے - تم روزینہ کا مطالبہ نہ کرو گے - اور نہ کسی قسم کا لالچ کرو گے - جب تک کہ تمہارے حکام از خود تمہیں روزینہ دینا شروع نہ کریں - اگر تم اس کے خلاف کرو - تو تمہاری عورتوں پر طلاق - غلام کا آزاد کرنا - اور پاپیادہ کعبۃ اللہ کا سفر کرنا لازم ہوگا -

(ایضاً - صفحہ ۱۲۵)

آگے چل کر علامہ موصوف فرماتے ہیں -

بعیت کی عبارت اور جشن جلوس خلافت کی کیفیت میں تغیر حکومت کے ساتھ ساتھ اختلاف پیدا ہوتا رہا - لیکن نتیجہ اور اصول سب کا ایک تھا - مدعائے اصلی یہ ہوتا تھا - کہ کتاب و سنّت کے حکم کے مطابق عمل کرنے پر خلیفہ اور اس کی رعیت کے مابین باہمی عہد و پیمان لیا جائے -

(ایضاً صفحہ ۱۲۶)

بعیت چونکہ فریقین کے درمیان ایک عہد و پیمان تھا - لہٰذا فقہائے اسلام نے اس بات پر زور دیا - کہ بعیت کرنے والے کی آزاد رائے ہونی چاہیئے - چنانچہ علامہ ابن خلدون کہتے ہیں

و منہ ایمان البیعۃ کان الخلفاء یستحلفون علی العہد و یستوعبون الایمان کلہا لذلک نسمی ہذا الاستیعاب ایمان البیعۃ کان الاکراہ فیہا اکثر و اغلب و لہذا لما افتی مالک رضی اللہ عنہ بسقوط یمین الاکراہ انکرہا الولاۃ علیہ و رأوہا تا دحۃ فی ایمان البیعۃ و وقع ما وقع من محنۃ الامام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک قسم ایمان البیعت کی ہے - خلفاء کا دستور تھا - کہ بعیت کے وقت لوگوں سے ان کے عہد پیمان پر حلف لیتے اور قسموں سے اس کی توثیق و تکمیل کرتے تھے - امام ملک نے اکراہی قسم کو بعیت سے ساقط کرنے کا حکم دیا - چونکہ ایمان بعیت میں اس فتوے سے نقص و فتور آتا تھا والیان مملکت نے اس فتویٰ سے انکار کیا اور امام مالک کو سخت محن و مصائب کا سامنا کرنا پڑا -

مقدمۃ العلامہ ابن خلدون الفصل التاسع والعشرون صفحہ ۲۰۹ -

اردو ترجمہ ابن خلدون حصہ دوم - صفحہ ۷۹ -

بعیت کی نوعیت سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں -

۱ - بعیت محض عہد و پیمان تھا - جس میں فریقین کی آزاد رائے اور رضامندی کی ضرورت تھی -

۲ - اسلام میں یہ محض ایک مذہبی عہد و پیمان تھا - جو بعیت کرتا تھا - وہ خدا کی وحدانیت

رسول کی رسالت، اور اخلاق حسنیٰ کی متابعت کا اقرار کیا کرتا تھا۔

۳۔ چنانچہ اب تک پیر و مرشد بیعت لیا کرتے ہیں۔

۴۔ جناب امام حسینؑ نے جو حضرت مسلم کو کوفیوں سے بیعت لینے کے لئے کہا تھا۔ وہ یہی مذہبی بیعت تھی۔ کہ وہ فسق و فجور نہ کریں گے اور ان کے اطوار و اقوال مطابق کتاب اللہ و سنت رسول ہوا کریں گے۔ اور امام حسینؑ ان کی ہدایت کریں گے۔ اور کوئی حکم خلافِ قرآن و سنت رسول نہیں دیں گے۔ اس بیعت میں کیا خرابی ہے۔

۵۔ جب یہ بیعت رسول یا نائب رسول سے بحیات رسول اللہ کی جاتی تھی۔ تو ایک فریق کے تو وہ فرائض تھے۔ جو بیان ہوئے۔ دوسرے فریق یعنی رسول و نائب رسول سے یہ مفہوم ہوتا تھا۔ کہ وہ ان کو ہدایت کریں گے۔ اور صراط مستقیم دکھائیں گے۔ اور یہ عہد تھا کہ جناب محمد مصطفےٰ واقعی رسول خدا ہیں۔ اگر کسی وقت میں معاذ اللہ یہ ثابت ہو جاتا کہ وہ رسول اللہ نہیں ہیں۔ تو وہ بیعت خود بخود ناقابل پابندی ہو جاتی۔

۶۔ بیعت مذہب سے شروع ہوئی۔ اور اس نے ہمیشہ اپنی مذہبی نوعیت کو قائم رکھا۔

۷۔ چونکہ اسلام میں حکومت و مذہب جدا نہیں لہذا حکومت میں بیعت کا استعمال ہونا شروع ہو گیا۔

۸۔ جب بیعت کا استعمال حکومت کے لیے شروع ہوا۔ تب بھی اس کی مذہبی نوعیت نہ گئی۔ چنانچہ ابو مسلم خراسانی نے نقض بیعت کی سزا شرعی مقرر کی۔ سیاسی سزا مقرر نہ کی۔ یعنی پا پیادہ حج کرنا۔ غلام آزاد کرنا۔ اور بادشاہ کی طرف سے یہ اقرار تھا۔ کہ میں احکام خدا و سنت رسول اللہ کے مطابق حکومت کروں گا۔ بیعت کی حقیقت وہ ہی تھی۔ جو علامہ جرجی زیدان نے سمجھی ہے۔ یعنی کتاب و سنت کے حکم کے مطابق عمل کرنے پر خلیفہ اور اس کی رعیت کے مابین باہمی عہد و پیمان لیا جاتا تھا۔ بیعت کی اس نوعیت کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں حکومت کا نظریہ کیا تھا اور باقی دنیا حکومت کو کیا سمجھتی تھی۔ اس کی بحث آگے آتی ہے۔

۹۔ اس باہمی عہد و پیمان کی ماہیت کا بین ثبوت یہ ہے۔ کہ کفار رعایا سے بیعت نہیں لی جاتی تھی۔

۱۰۔ جب یہ صورت ہے۔ تو وہ حاکم بیعت لینے کا مجاز ہی نہیں۔ جو مطابق احکام خدا و رسول عمل کرنے کا خود پہلے وعدہ نہیں کرتا۔ چونکہ یزید نے کبھی یہ وعدہ نہیں کیا۔ لہذا وہ حسینؑ سے بیعت طلب کرنے کا مجاز نہ تھا۔ دیکھو۔ شوریٰ میں پہلے حضرت عثمان سے وعدہ لیا پھر بیعت کی۔

۱۱۔ جس حاکم کے افعال واقوال ظاہراً وعلانیۃً خلاف شریعت ہوں۔ وہ نہ بیعت طلب کرسکتا ہے۔ اور نہ اس کے لئے بیعت لینی جائز ہے۔ جب تک وہ توبہ نہ کرلے۔ یزید نے اپنے افعال سے کبھی توبہ نہیں کی۔

۱۲۔ دورانِ حکومت میں اگر حاکم کے خلاف شرع وسنت عمداً افعال واحکام صادر ہوں تو بیعت خود بخود فسخ ہوجاتی ہے۔ کیوں کہ ایک فریق کی طرف سے شرط ساقط ہوگئی۔ لہذا معاہدہ باقی نہ رہا۔ اب ہر ایک مسلمان کا حق ہی نہیں بلکہ فرض ہے کہ ایسے بادشاہ کی حکومت کو منقطع کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ ایام حضرت عثمان میں بہت سے صحابہ نے افعال سے اور بہت سے صحابۂ رسول نے خاموشی سے حضرت عثمان کی مدد نہ کرکے ان کی حکومت کو منقطع کرنے کی کوشش کی۔

۱۳۔ محض بیعت سے انکار کرنا بغاوت کے مرادف نہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر وحضرت علی سے کئی آدمیوں نے بیعت نہیں کی۔ ان کو باغی نہ سمجھا گیا اور نہ ان کے خلاف کوئی سیاسی کارروائی کی گئی۔ بیعت نہ کرنے سے سیاسی حیثیت سے رعایا کے زمرے سے نہیں نکل جاتے تھے۔ کفار وغیرہ بھی تو بیعت نہیں کرتے تھے۔ لیکن رعایا رہتے تھے اور باغی نہیں سمجھے جاتے تھے۔

بیعت کی اصلی نوعیت وماہیت معلوم کرنے سے ایک اور نہایت عظیم الشان نکتہ حل ہوتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں حکومت مبنی ہے۔ اس عہد وپیمان کے اوپر جو رعایا اور حاکم کے درمیان ہوتا ہے۔ حاکم وعدہ کرتا ہے کہ میں تمہارے اوپر شرع وسنت رسول کے مطابق حکومت کروں گا۔ رعایا اقرار کرتی ہے۔ کہ اگر تم نے احکام خدا و رسول کی مطابق کی تو ہم تمہارے ہر ایک حکم کی اطاعت کریں گے۔ گویا یہ اطاعت مشروط ہوئی بادشاہ کے اسلامی طرز عمل کے ساتھ حکومت کا یہ وہ تخیل ہے۔ جو اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب یا قانون میں نہیں پایا جاتا۔ دیگر قوانین میں حکومت کی بناء طاقت وجبر کے اوپر ہے۔

اسلام میں حکومت کی بنا مذہب الہیہ پر ہے۔ فرانسیسی فلاسفر ومدبر ROUSSSOU کہتا ہے کہ حکومت ملک کی طاقت کا اعلیٰ مظہر ہے انگریزی مشہور قانوندان UAMES BRYEE اپنی کتاب) MODEKN DEMOCRACY میں کہتا ہے۔ کہ حکومت ایک ایسی سیاسی طاقت ہے کہ جو شخص یا جماعت اس سیاسی طاقت کو استعمال کرتی ہے وہ حکمران ہے اگر ایک شخص اس سیاسی طاقت کو استعمال کرتا ہے تو حکومت شخصی ہوگی۔ اگر یہ سیاسی طاقت عوام کے ہاتھ میں ہے تو حکومت جمہوری ہوگی۔ رومن مدبر وفلاسفر CICERO سلطنت کو انسانی

عام حکومت طاقت پر مبنی ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت شرطیہ تعامل اور معاہدہ پر مبنی ہوتی ہے۔

طاقت کی اعلیٰ پیداوار قرار دیتا ہے۔ افلاطون اپنی کتاب REPUBLIC میں حکومت کو انسان کی نیک اور روحانی طاقتوں کا مظہر قرار دیتا ہے۔ اور اگر کبھی کسی جمہوریت کے فلاسفر نے یہ کہہ بھی دیا کہ دراصل حکومت عوام الناس کی ہوتی ہے۔ وہ اپنی مرضی سے حکمران کو سپرد کر دیتے ہیں تو اس کا مطلب کسی دوطرفہ معاہدہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حکومت کی قوت و جبر کے استعمال کرنے کا حق دراصل رعایا کا ہوتا ہے۔ وہ اپنے اختیارات بادشاہ کو سپرد کر دیتی ہے حکومت کی نوعیت تو وہی طاقت و جبر کی رہی وہ کس کا حق ہے۔ یہ دوسری بات ہے۔ غرضکہ اسلام کے علاوہ ہر ایک ملک و مذہب و قانون کے نزدیک ظلم و جبر کی ایک قسم ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی ہی بھینس۔ جس کی طاقت اس کی حکومت۔ جو قہر و غلبہ سے تسلط حاصل کرے۔ وہ ہی سلطنت کا مالک ہے۔ اس نظریہ کے ماتحت قوت ہی حق کی دلیل ہے۔ ایک فلاسفر نے بہت اچھا کہا ہے کہ تمام قوانین میں سب سے زیادہ قدیم تر قانون وہ ہے جو قوی کو کمزور پر حکمران بناتا ہے۔ چونکہ دنیا میں حکومتیں قہر و غلبہ و طاقت ہی سے حاصل ہوتی رہی ہیں لہذا دنیا والے اس کے علاوہ اور کوئی تعریف حکومت کی جانتے ہی نہ تھے۔ اسلام کا نظریہ کہ حکومت باہمی عہد و پیمان پر مبنی ہے۔ کسی کے تخیل میں نہیں آیا تھا۔ کیونکہ اس کا انہیں تجربہ ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ ایک نبی امیؐ کے لیے خدائے حکیم و دانا نے مقرر کر دیا تھا۔ کہ وہ ایسا دنیا میں انقلاب پیدا کرنے والا الٰہی نظام قائم کرے۔ جس میں حکومت کی بناء عہد و پیمان پر مبنی ہو۔ یہ بالکل نیا تخیل ہے۔ اس کی عظمت و رفعت اس سے ظاہر ہے SIR HENRY MAINE اپنی کتاب ANCIENT LAW میں لکھتے ہیں

THE PROGRESS OF HUMANITY IS FROM STATHS TO CONTRACT.

یعنی بنی نوع انسان کی ترقی بتدریج معاہدہ کی طرف ہو رہی ہے اور اس کی ترقی کی انتہا یہ ہے اور اس کی معاشرت معاہدہ پر مبنی ہو۔ جو نظام آنحضرتؐ نے اب سے چودہ صدیوں پیشتر جاری کر دیا تھا۔ اس کی حقانیت یورپ کے حکماء کو اب رفتہ رفتہ معلوم ہو رہی ہے آنحضرتؐ نے شادی کی بناء بھی معاہدہ پر رکھی۔ اسلامی نکاح محض ایک معاہدہ ہے نکاح STATUS کی ایک بین مثال ہے۔ آپ نے اس کو معاہدہ پر مبنی کیا۔ آنحضرتؐ نے حکومت کو بھی معاہدہ پر مبنی کر کے ظاہر کر دیا کہ اسلامی نظام بنی نوع انسان کے عروج کی آخری منزل ہے۔ لیکن بوجوہات چند در چند جس کا ذکر ہم کریں گے۔ مسلمانوں کی اکثریت کے علماء نے بھی اسلام کے اس نظریہ کو نظر انداز کرنا ہی مناسب سمجھا۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون

فرماتے ہیں:-

الفصل الثانی عشر

فی انّ الریاسة علی اہل العصبة لا تکون فی غیر نسبہم

وذلک انّ الریاسة لا تکون الا بالغلب والغلب انما یکون بالعصبیة کما قدمناہ فلا بد فی الریاسة علی القوم ان تکون من عصبیة غالبة لعصبیاتہم واحدة واحدة۔

فصل دوازدہم

اس بیان میں کہ سلطنت وحکومت قومی عصبیت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ حکومت بغیر غلبہ کے حاصل نہیں ہو سکتی اور غلبہ قومی عصبیت کے بغیر نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لہذا حکومت کے لیے ضروری ہے کہ وہ غالب عصبیت قومی پر قائم ہو تاکہ افراد قوم باہمی نصرت پر آمادہ ہوں۔

مقدمہ تاریخ ابن خلدون مطبوعہ مطبعة الادبیة فی بیروت۔ طبعت ثالثہ ۱۹۰۰ء۔ صفحہ ۱۳۲۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ اکثریت کے علماء نے جناب رسول خدا کے مفہوم حکومت کو یا تو سمجھا ہی نہیں یا عمداً اس کو نظرانداز کر دیا۔ جو پچھلے لوگوں نے حکومت کا نظریہ قائم کیا تھا اس پر ہی یہ لوگ چل پڑے اور یہ نہ دیکھا کہ جناب رسول خدا کا نظریۂ حکومت کیا ہے۔ غضب خدا کا کس طرح جناب رسول خدا کی تعلیم کی مخالفت کی جاتی ہے۔ اس بات کو مانتے ہیں کہ اسلام میں عصبیت بری چیز ہے اور رسول خدا نے اس کی مذمت کی ہے لیکن پھر یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے جو حکومت سقیفہ میں قائم کی تھی وہ عصبیت قبائلی پر منحصر تھی لہذا یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ حکومت کی بناء عصبیت ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ حکومت جو سقیفہ سے نکلی تھی۔ جناب رسول خدا کے قائم کردہ نظریۂ حکومت کے خلاف تھی۔ عصبیت کی برائی جو آنحضرت نے کی ہے۔ وہ ابن خلدون بھی جانتے ہیں۔ اور مانتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:-

ثم وجدنا الشارع قد ذمّ العصبیة وندب الی اطراحہا وترکہا فقال انّ اللہ اذہب عنکم عُبّیّة الجاہلیة وفخرہا بالآباء انتم بنو آدم وآدم من تراب وقال اللہ تعالیٰ انّ اکرمکم عند اللہ

اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ شارع علیہ السلام نے عصبیت کی مذمت کی ہے اور اس کے ترک کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے تم سے غرور وفخر عصبیت جاہلیہ کو اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر

اللہِ اتقاکمُ و وجد نالہ ایضاً قد ذمّ الملک واھلہ ونعیٰ علی اھلہ احوالھُم من الاستمتاع بالخلاف والاسراف فی غیرالقصد والتّنکّبُ عن صراط اللہِ و انّما حضّ علی الاُلفۃِ فِی الدّین و حذّر مِنَ الخِلاف وَالفرُقۃِ۔

دیا ہے۔ تم سب بنو آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے اور خُداوند تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے کہ خُدا کے نزدیک تم سب میں وہ زیادہ مکرم ہے جو زیادہ تقویٰ رکھتا ہے اور ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرتؐ نے اور قرآن نے حکومت واہل حکومت کی بھی مذمت کی ہے جابجا اس کی برائیاں موجود ہیں اور اتباع دنیا و اسراف ناجائز کی ملامت کی ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ خُدا کے سیدھے راستہ سے منحرف ہیں اور ساتھ ہی الفت دینی کا اور غلافت وافتراق سے بچنے کا حکم دیا ہے؛

مقدمہ تاریخ ابن خلدون۔ الفصل الثامن والعشرون۔ صفحہ ۲۰۲۔

دیکھئے۔ حکام سقیفہ کی حمایت نے کن مشکلوں میں ڈال دیا۔ ہمیشہ ان کی حمایت اور مخالفتِ رسول ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ نتیجہ نکلا کہ جو حکومت غلبہ واستیلاء سے حاصل ہو اس کا حکم جناب رسولؐ خُدا نے نہیں دیا تھا۔ غلبہ کو درمیان میں اس وجہ سے لاتے ہیں۔ کہ حکام سقیفہ نے حکومت اسی طرح حاصل کی تھی۔ سقیفہ میں حضرت ابوبکر نے اقرار نہیں کیا کہ میں حکومت کتاب خُدا وسنّتِ رسُول کے مطابق کروں گا۔ بیعت وہاں شروع ہو گئی تھی۔ ہاں جب مسجدِ رسول میں آئے۔ بیعت ختم ہو گئی۔ تب فرمایا کہ اگر میں کتاب خُدا وسنّتِ رسول کے خلاف کروں تو میری اطاعت تمہاری گردن سے نکل جائے گی۔ اس سے ہمارے دونوں مطلب حاصل ہو گئے۔ حضرت ابوبکر کی حکومت شروع تو دھینگا مشتی سے ہو گئی لیکن چونکہ ابھی ابھی آنحضرتؐ کا انتقال ہوا تھا۔ بیعت کا اصلی تخیل لوگوں کے اندر تازہ تھا۔ لہٰذا مجبوراً حضرت ابوبکر کو اس کا اقبال کرنا پڑا۔

حکومت کی طاقت کو اس مذہبی شرط پر مبنی رکھنے سے کئی فائدے مقصود تھے۔ جمہوریت میں بھی حاکم کے اُوپر ایک ڈر ہوتا ہے۔ لیکن وہ ڈر لوگوں کا ہوتا ہے۔ جن کی رائے سے اسے حکومت ملی تھی۔ لہٰذا اس میں یہ نقصان ہو جاتا ہے۔ کہ موجودہ حاکم اپنے رائے دہندگان کی بارسوخ جماعت کو کسی نہ کسی طرح خوش کر کے اپنا مقصد حاصل کرتا ہے اور اس کو ان کے جائز اور ناجائز مطالبات سب ماننے پڑتے ہیں اور آخر کار یہ جمہوری حکومت ظلم عظیم پر منتہی ہوتی ہے۔ لیکن جناب رسول خُدا کے اس نظام میں حکام کو ڈر صرف خُدا کا ہو گا۔ ان کی کوشش یہ ہو گی کہ ان کے احکام مطابق قرآن وسنت رسول کے ہوں۔ اگر وہ اپنے خودغرضانہ

اسلامی نظام حکومت کے فوائد

مقصد کو مدنظر رکھ کر بھی ایسا کریں گے تو رعایا کا مطلب تو حاصل ہو گیا۔ قرآن و سنت رسول کے مطابق حکومت ہو۔ خواہ ان کا مقصد یہ ہی کیوں نہ ہو کہ اس طرح ہماری حکومت کو استقلال حاصل ہو گا۔

بغاوت کا نظریہ

بغاوت کا نظریہ ہی بالکل بدل گیا۔ عام حکومتوں میں اگر رعایا بادشاہ کے خلاف اٹھے گی تو اس کو بغاوت ہی کہیں گے۔ خواہ رعایا حق پر ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اسلامی نظریہ حکومت کے ماتحت رعایا کی لڑائی بادشاہ سے دو قسم پر مبنی ہو گئی۔ ایک تو وہ صورت ہے کہ بادشاہ مطابق حکم خدا اور رسول حکومت کر رہا ہے۔ لیکن رعایا اس کے انصاف و عدل سے خوش نہیں۔ اس کے بارسوخ افراد چاہتے ہیں کہ ہمیں ناجائز فائدے حاصل ہوں اور رعایا بادشاہ کے خلاف اٹھتی ہے تو اس کو بغاوت کہیں گے۔ لیکن اگر بادشاہ کی حکومت خلاف قرآن و سنت رسول ہے اور اس وجہ سے رعایا اس کے خلاف ہو جاتی ہے تو وہ حق بجانب ہے۔ کیوں کہ معاہدہ ہی یہ تھا کہ ہم اطاعت اس وقت تک کریں گے کہ جب تک تم مطابق خدا اور رسول حکومت کرو گے۔ چونکہ تم نے وہ شرط پوری نہیں کی ہماری شرط اطاعت خود بخود فسخ ہو گئی۔

ممکن ہے کہ یہاں یہ سوال پیدا کیا جائے کہ اس طرح فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جائے گا بادشاہ کہے گا کہ میرے احکام مطابق خدا اور رسول ہیں۔ رعایا کہے گی کہ نہیں۔ تو پھر فیصلہ قطعی کون کرے گا۔ اس کا جواب بہت سادہ اور صاف ہے، مسائل شرعیہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو صریح احکام قرآن و سنت ہیں اور دوسرے وہ جو ان سے اجتہاد صحیح کے ساتھ بذریعہ استنباط اخذ کئے جاتے ہیں۔ قسم دوم رعایا کو کوئی حق بیعت توڑنے کا نہیں دے گی۔ کیونکہ اس میں سچے اختلاف کا امکان ہے۔ لیکن جو صریح احکام خداوندی ہیں۔ مثلاً روزہ، نماز، زکوٰۃ، اجتناب از خمر و زنا۔ میسرہ۔ ان میں کسی اختلافِ رائے کی گنجائش ہی نہیں لہٰذا جو حاکم صریحاً عصیان خدا کرتا ہے۔ اس کی بیعت رعایا کی گردنوں سے اٹھ جاتی ہے۔ یزید بہت سے امور میں عصیان خدا کیا کرتا تھا۔ لہٰذا ہر ایک مسلمان کا فرض تھا کہ اس کی حکومت کو درہم برہم کر دیتا۔ خواہ اس نے بیعت کی ہوئی ہوتی خواہ ابھی بیعت نہ کی ہوتی۔ حسین اس سے بیعت نہ کرنے میں حق بجانب تھے اور ناصروں اور مددگاروں کے مل جانے پر اگر اس کو حکومت سے برطرف کرنے میں کوشش کرتے تو بھی حق بجانب ہوتے۔

یزید کی تصویر ہر ایک تاریخ کی کتاب میں نہایت اچھی طرح کھینچی گئی ہے۔ ہمیں یہاں اس

کو طوالت سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مورخ ابن کثیر دمشقی نہایت متعصب مورخ ہے اور ان لوگوں میں سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حسین علیہم السلام یزید سے لڑنے کے لئے گئے تھے وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ:۔

وقد روی ان یزید کان قد اشتهر بالمعازف وشرب الخمر والغناء والصید واتخاذ الغلمان والقیان والکلاب والنطاح بین الکباش والدباب والقرود وما من یوم الا یصبح فیه مخمورا او کان یشد القرد علی فرس مسرجة بحبال و یسوق به و یلبس القرد قلانس الذهب وکذلك الغلمان وکان یسابق بین الخیل وکان اذا مات القرد حزن علیه۔

یزید شراب پیتے ہیں اور رقص و سرود و شکار میں منہمک رہنے میں بہت مشہور ہو گیا تھا رنڈیوں اور لونڈوں کی صحبت پسند کرتا تھا۔ کتوں اور بندروں سے کھیلتا تھا۔ مینڈھوں اور مرغوں کی لڑائی کا شائق تھا۔ کوئی صبح ایسی نہیں ہوتی تھی کہ وہ شراب سے مخمور نہ اٹھے بندر کو طلائی کپڑے پہنا کر گھوڑے پر بٹھا کر بازاروں میں پھراتا تھا بندروں کو سونے اور چاندی کے ہار پہناتا تھا۔ اور جب کوئی بندر مرتا تو رنج و غم کرتا تھا۔

ابن کثیر شامی:۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجز ثالث من صفحہ ۲۳۵۔

مؤرخ مسعودی لکھتا ہے:۔

ولیزید وغیره اخبار عجیبة و مثالب کثیرة من شرب الخمر و قتل ابن الرسول ولعن الوصی وهدم البیت واحراقه و سفك الدماء والفسق والفجور وغیر ذالك مما قد ورد فیه بالیاس من غفرانه کورود ه فیمن جحد توحیده وخالف رسله وقد اتینا علی الغرر من ذلك فیما سلف من کتبنا۔

یزید کی بہت عجیب باتیں اور گناہان کبیرہ ہیں۔ مثلاً شراب پینا۔ علی پر لعنت کرنا۔ ابن الرسول کو قتل کرنا۔ خانہ کعبہ کو منہدم کرانا۔ لوگوں کا خون بہانا فسق و فجور کرنا۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جس سے اس کی بخشش نہیں ہو سکتی۔ مثلاً خدا کی توحید کا انکار کرنا اسکے رسولوں کی مخالفت کرنی اور بہت سی ایسی باتیں جن کو ہم نے تفصیل کے ساتھ اپنی دوسری کتابوں میں لکھا ہے۔

تاریخ مسعودی (مروج الذہب ومعادن الجواہر) الجز ثالث صفحہ ۱۹

علامہ ابن خلدون نے یزید کو جا بجا فاسق و فاجر لکھا ہے۔ اس کا فسق و فجور اتنا عیاں تھا۔ کہ زبان بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھو اردو ترجمہ مقدمہ ابن خلدون حصہ دوم صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰۔

مسٹر خدا بخش مانکی پور کے بیرسٹر یزید کے حامیوں میں سے تھے چنانچہ انہوں نے

اپنی کتاب موسومہ STUDIES: INDIAN AND ISLAMIC میں گیارہواں مقالہ اس مضمون پر لکھا ہے کہ یزید پر امام حسینؑ نے خروج کیا اور یزید نے جو کیا۔ وہ کرنے میں حق بجانب تھا مَیں نے اس مقالہ کا جواب انگریزی میں لکھا ہے۔ یہ مسٹر خدا بخش بھی بنوامیہّ کی سلطنت کی نسبت الفاظ ذیل لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ جو اُنہوں نے اس ہی کتاب کے پانچویں مقالہ THE ARAB KINGDOM AND ITS FALL میں لکھے ہیں۔ اور جن کا ترجمہ نیچے لکھا جاتا ہے:۔

ترجمہ:۔ مَیں اقبال کرتا ہوں کہ میرا میلان بنوامیہّ کی طرف ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ان میں کفر تھا۔ سچے مسلمان نہ تھے۔ عیش و آرام کے طالب تھے۔ شراب اور عورتوں اور لہو و لعب سے عشق رکھتے تھے۔ زندگی و مذاق سے بھرے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے زمانہ جاہلیت کی کافرانہ زندگی گذارنے کی کوشش کی جس میں مذہب کی قیود اور دوزخ کا ڈر نہ تھا۔ یہ باتیں اور اس سے زیادہ بھی تھیں۔ جو آپ گنوا سکتے ہیں اگر آپ چاہیں" اس کے بعد اُنہوں نے اپنی امیہ دوستی کی وجوہات لکھی ہیں یعنی ان کی سلطنت کا خالص عرب ہونا۔ اس کی توسیع ان کے زمانہ میں، وغیرہ وغیرہ دنیاوی وجوہات ہیں۔

یہ تھا وہ یزید جس کے ہاتھ اپنے تئیں فروخت کرنے کو امام حسین علیہ السلام سے کہا جا رہا تھا۔ اسلام میں ایسے حاکم کی بیعت کرنا جائز نہیں بلکہ اگر کسی نے غلطی سے بیعت کر بھی لی ہے تو وہ اس کے اُوپر قابل پابندی نہیں۔

علاوہ اس کے جیسا ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ بروئے معاہدہ صلح حکومت یزید کو نہیں پہنچتی تھی۔ امام حسنؑ نے معاویہ کو صرف اس کی حیات تک کے لئے حکومت سپرد کی تھی۔ اس کے بعد صاف اقرار تھا کہ حسن علیہ السلام کو حکومت ملے گی۔

امیر معاویہ نے امام حسن علیہ السلام کو زہر سے قتل کر کے اپنی رائے میں اس معاہدہ کی شرط سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا۔ لیکن یہ غلط ہے۔ چنانچہ خود ابن کثیر شامی لکھتے ہیں۔ کہ رحلتِ حسنؑ سے صرف معاویہ کے نزدیک امر یزید قوی ہو گیا اور اس نے یہ خیال صرف محبتِ پدری کی وجہ سے کیا۔ یہ صحیح خیال نہ تھا۔ غالباً یہ امر تو مسلمہ ہی سمجھا جائے گا۔ کہ امام حسن کو امیر معاویہ کے حکم و سازش سے زہر دیا تھا۔ ہر ایک تاریخ کی کتاب میں یہ ہی درج ہے

ان امراته جعده بنت اشعث بن
قیس الکندی سقته السم وقد کان
معاویه دس علیها انك ان
احتلت فی قتل الحسن وجهت

امام حسن کی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن
قیس نے امام حسن کو معاویہ کے حکم سے
زہر دیا کیونکہ معاویہ نے اس سے کہا تھا
کہ اگر تو امام حسن کو اس حیلہ سے قتل کر

فتح الباری :- الجزء السابع صفحہ ۵۷

جب یہ دونوں امور مسلّمہ ہو گئے تو پھر حضرت عمر کے بیٹوں کا یہ کہنا کہ زمانہ رسول میں ہم کہا کرتے تھے کہ سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان کچھ معنی رکھتا ہے معلوم ہوا کہ حضرت عمر اپنے دونوں بیٹوں اور معتمد دوستوں میں یہ پراپاگنڈا پھیلایا کرتے تھے تاکہ لوگوں کے دلوں میں رفتہ رفتہ اس ہی درجہ کے ساتھ ان تینوں بزرگوں کی فضیلت نقش ہوتی رہے اور اس طرح آخری فیصلہ کن تجویز میں یہ بات مدد دے۔ حضرت عمرؓ ابھی سے اپنے نامزد کردہ خلفاء کا نام ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے لیکن اپنے دل میں یہ نام تجویز کر لئے تھے اور ان لوگوں کے کانوں اور دلوں کو ان کی فضیلت کے گیت سے آشنا کرنا چاہتے تھے تاکہ حصولِ مدعا میں آسانی ہو۔ شروع میں تو حضرت عمر نے اپنے تجویز شدہ خلیفہ کا نام عام پبلک میں ظاہر نہیں کیا۔ لیکن جب خود مسندِ حکومت پر مستقل ہو گئے اور دیکھ لیا کہ لوگوں کے دل بہت اچھی طرح اپنی طرف کر لئے ہیں۔ تو پھر لوگوں کو اپنی تجویز سے آگاہ بھی کرنے لگے۔ ابھی زخمی بھی نہیں ہوئے تھے اور شوریٰ تجویز بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ نے کہہ دیا کہ میرے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے۔

عن حذیفہ قال قیل لعمر بن الخطاب وھو بالمدینۃ یا امیر المومنین من الخلیفۃ بعدك قال عثمان بن عفان	حذیفہ بن الیمان سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے مدینہ میں حضرت عمر سے پوچھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا آپ نے فرمایا کہ عثمان بن عفان

علی المتقی :- کنز العمال الجزء الثالث صفحہ ۱۵۸ حدیث ۲۴۴۸

حدثنا ابن ابی ادریس عن شعبہ عن ابی اسحٰق عن حارثہ عن مطرف قال حجت فی امارۃ عمر فلم یکونوا یشکون ان الخلافۃ من بعدہ لعثمان	مطرف کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں لوگوں کو مطلقاً اس بات میں شک نہیں تھا کہ عمر کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے۔

کنز العمال :- الجزء الثالث صفحہ ۱۶۰ حدیث ۲۴۵۹

سقیفہ بنی ساعدہ کے معرکہ سے پہلے ہی جماعت مخالفین بن چکی تھی۔ اور اس ہی کے بھروسہ پر حضرت عمر و ابوبکر و ابوعبیدہ بن الجراح سقیفہ بنی ساعدہ کا معرکہ مارنے گئے تھے۔ ورنہ اگر پیچھے کوئی جماعت نہ ہوتی تو فطرتاً پہلا خیال جو آنا تھا وہ یہ تھا کہ اگر یہاں انصار ہمارے کہنے کو مان بھی گئے اور حضرت ابوبکر سے بیعت کر لی تو مہاجرین کی روک تھام ہم کیونکر کریں گے اگر تمام مہاجرین علی کی طرف ہو گئے تو خرابی ہو جائے گی۔ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اپنی جماعت کی حمایت پر ان کو بھروسہ تھا۔ سمجھتے تھے کہ اگر بنو ہاشم و بنو امیہ وغیرہ نے نہ بھی مانا تو فقط ہماری جماعت ہمارے کھڑا کئے ہوئے کھیل کو سنبھالنے کے لئے کافی ہے۔

الیك بمائة الف درھم وازوجتك یزید فحمان ذالك الذی بعثها علی سمه فلما مات وفی لها معاویه بالمال وارسل الیها انا نحب حیات یزید ولولا ذلك لوفینا لك بتزویجه۔	دے گی تو میں تجھ کو ایک لاکھ درہم دوں گا اور یزید سے تیرا نکاح کر دوں گا جب یہ عہد و پیمان ہو گیا۔ تو معاویہ نے جعدہ کے پاس زہر بھیجا۔ اور جب امام حسن کی رحلت ہو گئی تو معاویہ نے مال کی شرط تو پوری کر دی اور یہ کہلا بھیجا کہ ہمیں یزید کی حیات پیاری ہے ورنہ ہم تیرا نکاح اس سے کر دیتے۔

مروج الذہب للمسعودی۔ الجزء الثانی صفحہ ۳۰۳

نیز ملاحظہ ہو۔

تاریخ ابو الفداء۔ الجزء الاول۔ صفحہ ۱۸۳۔

ابن عبد البر الاستیعاب۔ ترجمہ حسن بن علی۔ الجزء الاول۔ صفحہ ۱۴۴۔

ابن کثیر دمشقی۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ۔ الجزء الثامن صفحہ ۴۳۔

تاریخ حبیب السیر۔ جلد دوم۔ جزء اول۔ صفحہ ۱۸

شواہد النبوۃ جامی۔ رکن سادس صفحہ ۷۳۔

سبط ابن الجوزی۔ تذکرہ خواص الامت۔ الباب الثامن فی ذکر الحسن صفحہ ۱۲۱۔

اس کے ساتھ ہی ان کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے۔ کہ صلح کے بعد دو دفعہ اس سے پہلے بھی زہر دیا گیا تھا۔ جو کارگر نہ ہوا۔ یہ تیسری دفعہ کا مہلک ثابت ہوا۔

ممکن ہے کہ کہا جائے۔ کہ بروئے معاہدہ معاویہ کے بعد امام حسن کو حکومت ملتی تھی۔ لیکن چونکہ وہ معاویہ کی حیات ہی میں انتقال فرما گئے۔ لہذا اب حکومت وہیں رہے گی جہاں تھی اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو کئی جگہ یہ لکھا ہوا ہے۔ کہ اگر حسن اس وقت زندہ نہ ہوں تو حکومت حسین کو ملے گی۔ اگر فرض کرو کہ یہ شرط نہیں تھی۔ تب بھی چونکہ معاویہ نے خود امام حسن کو قتل کرایا تھا۔ لہذا قاتل مقتول کی موت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ شرع محمدی کا صاف قاعدہ ہے کہ اگر قاتل مقتول کا وارث بھی ہے۔ تو بوجہ قتل کے ورثہ سے محروم ہو جائے گا۔ اس صورت میں حکومت امام حسن کے وارث اکبر کو ملے گی۔ اور وہ امام حسین تھے۔

علاوہ ان سب باتوں کے یہ معاہدہ کی صاف شرط تھی کہ معاویہ کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کرے

گا۔ بہر صورت یزید کسی طرح حکومت کا حق دار نہ تھا۔
حق کی صفت یہ ہے کہ جس پہلو سے بحث کرو وہ ثابت ہو جاتا ہے۔ ہم بیان کر آئے
ہیں کہ سب سے بڑی نعمت مسلمانوں کے لئے جو اسلام نے مقرر کی تھی وہ ان معصوم حکام
کا سلسلہ تھا جو عدل کامل دنیا میں رائج کر دیتے۔ اب ہم نے بیعت اسلامی کا ذکر کیا۔ اس
سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں بیعت فقط وہی لے سکتا ہے۔ جو معصوم ہو۔ کیونکہ
بیعت اس بات کا عہد و پیمان ہوتا ہے کہ رعایا حاکم کے ہر ایک فعل ہر ایک حکم کی متابعت
و اطاعت کرے گی۔ اور بادشاہ کوئی ایسا فعل نہ کرے گا اور نہ ایسا حکم دے گا جو شریعت
اسلامی کے اور قرآن شریف کی صحیح تاویل کے خلاف ہو اور یہ شان صرف معصوم ہی کی ہو سکتی
ہے۔ نتیجہ نکلا کہ اسلام میں اوّل بیعت محض معصوم کے لئے ہے اور اگر معصوم نہ ہو تو وہ بیعت
کا مستحق ہے جو ظاہر اور کبیرہ گناہوں سے بری ہو۔

عقدہ دوم۔ امام حسینؑ نے بیعت سے کیوں انکار کیا؟

جب ہم نے بیعت کی نوعیت۔ اسلامی حکومت کی ماہیت، یزید کی ہیئت اور اس کے
استحقاق کی کیفیت معلوم کر لی تو اب یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو گیا کہ امام حسینؑ علیہ السلام نے
کیوں بیعت نہیں کی۔ اسلام میں وہ شخص حاکم نہیں ہو سکتا جو شرع اسلامی کی علانیہ
ہتک کرتا ہے اور اس کے ان اوامر و نواہی کی بھی تعمیل نہیں کرتا۔ جن میں نہ تاویل کا کوئی موقعہ
اور نہ شبہ کی کوئی جگہ ہے۔ یزید نے اپنی طرف سے کوئی عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ وہ بموجب اوامر و
نواہیٔ اسلام حکومت کرے گا۔ وہ بیعت طلب ہی کرنے کا مجاز نہ تھا۔ کجا کہ کوئی اس کی
بیعت کرتا۔ یک طرفہ عہد و پیمان نہیں ہوا کرتا۔ اس کو مطلقاً حکومت کا حق نہیں پہنچتا تھا۔
اگر بوجوہات چند در چند حسینؑ نے کوئی اقدام اس سے حکومت چھیننے کا نہیں کیا۔ تاہم
وہ اپنے منہ سے کیوں اقبال کرتے کہ تم حکومت الٰہیہ کے جائز حکمران ہو۔ اس میں
کچھ شک نہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے بیعت یزیدؔ سے نہایت سختی کے ساتھ انکار کیا۔
امام حسین علیہ السلام جانتے تھے اور آخر وقت تک جانتے تھے کہ اگر وہ بیعت کر لیں۔
تو پھر تمام مصائب یک لخت دور ہو جاتے ہیں اور پھر ان کے لخت جگر عزیز و اقارب اور
احباب قتل سے بچ جاتے ہیں۔ حرم تشہیر و رسوائی سے بچ جاتے ہیں۔ نہ پیاس رہتی ہے،
نہ بھوک رہتی ہے۔ لیکن آپ نے یہ بات بظاہر آسان سی بات نہ کی۔ آپ کی شہادت کی
ساری عظمت کا دارو مدار اس انکار پر ہے۔ یہ انکار بغاوت کا ہم معنی نہ تھا۔ جیسا ہم ثابت
کر چکے ہیں۔ چنانچہ ولید حاکم مدینہ نے مروان کی ملامت پر کہا۔ کہ کیا تو چاہتا ہے کہ میں حسینؑ کو

شام کی حالت

صرف اس وجہ سے قتل کر دوں کہ وہ بیعت نہیں کرتے۔

در اصل شام ہی ایسا ملک تھا جس میں اسلام پر حملہ کرنے کے لئے کفر اپنا قلعہ بنا سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے بنا لیا۔ اور وہیں سے اسلام پر اصلی حملہ ہوا۔ شام کے باشندوں کی اکثریت کبھی مسلمان نہیں ہوئی۔ وہ ہمیشہ وہ ہی پرانے بُت پرست رہے کہ جو وہ تھے۔ مغالطہ یہاں سے ہوا کہ مسلمانوں نے اس کو فتح کیا اور فتح کے ساتھ یہ خیال کیا گیا کہ شام اسلامی ملک ہے۔ اسلامی حکومت میں تو وہ جبراً قہراً داخل ہو گیا۔ لیکن اس کی اکثریت نے کبھی اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

ہم جو کہہ رہے ہیں۔ اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے شام کی گزری ہوئی صبح کو معلوم کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ہم کو معلوم ہو کہ یہ قوم اسلام سے پہلے کون کون سے مذہب قبول کر چکی تھی۔ مسلمانوں کی فتح سے پہلے اس کی مذہبی حالت کیا تھی۔ ان سب مذاہب میں کونسا عقیدہ مشترک تھا۔ اسلام میں یہ مشترک عقیدہ پایا جاتا تھا یا نہیں اور اگر اسلام میں وہ مشترک عقیدہ نہ تھا تو پھر یہ اہم سوال پیدا ہوگا کہ اہل شام نے کب اور کس حالت میں اپنا پُرانا عقیدہ چھوڑ کر اسلام قبول کیا اور ہم کو دیکھنا ہو گا کہ آیا اس وقت کے حالات اِس قابل تھے اور اسلام اپنی پوری طاقت لے کر شام میں آیا تھا۔ کہ صدیوں کا وہ عقیدہ جو ان کے ہر مذہب میں مشترک رہا ہے اور جو ان کے ذہن و فکر پر اثر ڈالتا رہا ہے۔ اب اس اسلام سے محو ہو سکے۔

اس ملک کو پہلے سیریا کہتے تھے۔ عرب اس کو شام کہنے لگے کیونکہ یہ ان کی بائیں طرف تھا۔ اور عربی میں شام بائیں طرف کو کہتے ہیں۔ لیکن جب عربوں نے اِس کا نام شام رکھا تو انہیں کیا معلوم تھا۔ کہ یہ ان کے اُوپر شأم یعنی منحوس ہوگا اور کفر کا گھر بنے گا۔

جتنی سامی اقوام دنیا میں پھیلی ہیں ان سب کا واحد مرکز عرب کے ریگستانوں میں تھا جہاں اب بھی وہ بدوی اقوام آباد ہیں۔ جن کی نسبت قرآن شریف کہتا ہے۔ کہ وہ اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔ ۲۵۰۰ ق۔م میں اس مرکز سے اُٹھ کر ایک سامی قبیلہ جس کا نام امور تھا۔ سیریا میں آباد ہو گیا۔ یہ لوگ اپنی تہذیب اور اپنا مذہب اپنے ہمراہ لائے تھے اس قوم کا ذکر انجیل میں بھی ہے۔ اس قوم کا وہ ہی مذہب تھا۔ جو عام سامیہ قوم کا ہر جگہ تھا۔ یہ لوگ مناظر قدرت کو خدا سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے۔ اور ہر ایک قسم کی طاقت کا خدا تھا۔ ان میں سب سے بڑا خدا جنگ کا خدا ہے جس کا نام امرّد تھا کچھ دنوں بعد یہ ہی بعل کہلایا جانے لگا۔ بعلبک شہر میں اس خدا کا نام رہ گیا۔ یہ لوگ اپنے

پہلوٹھی کے بچے کی قربانی کرتے تھے اور مکان بناتے وقت زندہ آدمیوں پر دیواروں کی بنیاد رکھتے تھے اس کے بعد سیریا پر کنعانی قوم کا قبضہ ہوگیا۔ جو بعد میں PHOENICIANS کہلائے۔ یہ بھی سامیہ قوم SEMITIC کی ایک شاخ تھی۔ انھوں نے اس وقت کی ساری مہذب دُنیا کی تجارت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ تجارت کے ساتھ دولت اور دولت کے ساتھ عیاشی لازمی ہے۔ کنعانیوں کا بھی وہ ہی مذہب تھا جو ان سے پہلے اموز کا تھا۔ یعنی مناظر قدرت کی پرستش اور نر و مادہ دونوں قسم کے خداؤں کی بہتات۔ اُن کے دو بڑے خُدا تھے۔ یعنی بابائے آسمان اور مادرِ زمین۔ بابائے آسمان کا نام ایل (EL) تھا۔ جو آخر میں بعل ہوگیا۔ یہ کنعانیوں اور عبرانیوں کا سب سے بڑا خدا تھا۔ مادرِ زمین کا نام اشیرت تھا۔ یہ ایل کی زوجہ نہایت ہی بدچلن، زانیہ اور شہوت پرست تھی۔ اس کے پرستاروں میں بھی یہ صفات آگئیں زنا اور عیاشی مذہب کا جزو سمجھی جاکر عام ہوگئی۔ بارش اور زراعت کی فصلیں ایل کے قبضہ میں تھیں۔ یہ خُدا قربانیوں سے بہت خوش ہوتا تھا۔ اور قربانی میں اس خُدا کا بھی حصہ ہوتا تھا۔ سال بھر میں ایک عید ہوتی تھی جو سات دن متواتر جاری رہتی تھی۔ عبادت گاہوں میں ہر دو عورت آپس میں علانیہ زنا کرتے تھے۔ یہ موسم بہار کا میلہ تھا۔ اور سات دن تک برابر یہ پرستش یعنی زنا جاری رہتا تھا۔ عیسائیوں نے بھی اس کی نقل کی تھی۔ ان کی عبادت گاہوں میں بھی اسی طرح سالانہ میلوں میں رات کو زنا ہوا کرتا تھا۔ جیسا کہ گبن نے لکھا ہے "مقدس زنا"، بابل، قبرص یونان۔ صقلیہ۔ کارتھیج اور سیریا کے بڑے بڑے شہروں میں ہوتا تھا۔ جیسا کہ بابائے تاریخ ہیروڈٹس نے لکھا ہے۔ کنعانیوں کے یہاں بھی پہلوٹھی کا بچہ قربان کیا جاتا تھا۔ اور مکان بناتے وقت دیواروں کی بنیادیں زندہ آدمیوں پر اٹھاتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی اور اموی حکومتوں نے زندہ آدمیوں کو دیواروں میں چننے کی رسم انہیں سے لی تھی۔ اس مذہب کی کچھ رسمیں عبرانیوں نے بھی لی تھیں۔ عبرانی ہر ایک مندر کے ساتھ بہت سی خوبصورت جوان عورتیں رکھتے تھے جو سب کے لئے عام ہوتی تھیں اس رسم اور ان عصمت فروشیوں کا ذکر انجیل میں بھی بنی اسرائیل کی دیگر خرابیوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ بھی ایل و اشیرت کو خدا و زوجۂ خدا جانتے تھے۔ عبرانیوں نے بہت سے مؤنث و مذکر خدا بنا لئے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے انبیاء لگاتار ان کو برا بھلا کہتے رہتے تھے۔ کنعانی قوم سانپ کی پرستش کرتی تھی جس کا اثر اب تک باقی ہے اب بھی اگر شام کے کسی کاشتکار کے گھر کالا سانپ نکلے۔ تو وہ اس کو نہیں مارتا۔ بلکہ اسکو اپنے گھر کا محافظ سمجھتا ہے کنعانیوں کے بعد ارامی قوم شام (سیریا) پر قابض ہوگئی۔ یہ شمالی عرب کی بدوی قوم تھی۔ ان کا سب سے بڑا خدا حداد تھا۔ اور ان کے نزدیک اس دنیا کے بعد سب سے

بہتر زندگی وہ ہے۔ جو حداد کے ساتھ عیش و عشرت میں گزرے۔ اس کے ساتھ کھانا کھائیں اور شراب پئیں۔ حداد کے مندر تمام سیریا میں پھیلے ہوئے تھے۔

ان کے بعد عبرانیوں نے سیریا (شام) پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے کنعانی مذہب اور اس کے رسوم ورثہ میں پائے تھے۔ ان رسوم کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیوں کے مذہب میں کنعانی مذہب کی رسوم اور تخیلات بہت پائے جاتے ہیں عبرانیوں کے بعد سیریا پر کلدانیوں نے قبضہ کر لیا۔ اور کلدانیوں کے بعد ایرانیوں نے سائرس کی قیادت میں سیریا کو فتح کر لیا۔ یہ ۵۳۸ء ق۔م کا واقعہ ہے۔ اس طرح ایرانیوں کے ساتھ ان کا زرتشتی مذہب بھی سیریا میں آگیا۔

اب سکندر اعظم اٹھتا ہے۔ اس نے ایران کے بادشاہ دارا کو ۳۳۳ء ق۔م میں جنگ Issus پر شکست دے کر اس کی ساری سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح سیریا براہ راست یونانی مذہب اور یونانی تہذیب کے اندر آگیا۔ سکندر کی موت کے بعد اس کے جانشینوں میں اس کی سلطنت تقسیم ہوگئی۔ مدت تک یونانیوں کا قبضہ رہا۔ لیکن آخر کار ۶۴ء ق۔م میں روم کے مشہور جنرل پومپی نے سیریا پہ قبضہ کر کے اس کو روم کی سلطنت میں شامل کر لیا۔

اب روم و یونان کی تہذیب اور ان کا مذہب سیریا میں عام ہوگیا۔ روم بھی یونان کی تہذیب اور یونان کے مذہب کے زیر اثر تھا۔ ان کا مذہب وہی تھا۔ جو ان سے پہلی اقوام کا تھا۔ انہوں نے خداؤں کی بستی کوہ اولمپس پر آباد کی تھی۔ اور وہاں وہ آدمیوں کی طرح ایک دوسرے سے حسد، عناد، عشق و فتنہ و فساد کرتے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کی بیویوں اور لڑکیوں پر عاشق ہو کر انہیں بھگا لے جاتے تھے۔ ایک نر خدا مادہ خدا کے پیچھے دوڑتا ہے اور وہ اس سے بچنے کے لئے دوڑتے دوڑتے گائے بن جاتی ہے۔ تو ان کا یہ خدا سانڈ بن جاتا ہے۔ اور اپنی تمنا اس گائے سے پوری کرتا ہے۔ ان کا سب سے بڑا خدا Zeus تھا۔ وہ ایک دفعہ بیل بن کر فلنیقیہ کے بادشاہ کی لڑکی Europa کو لے بھاگا۔ ان خداؤں کے اخلاق ان کے پرستاروں میں بھی آگئے اور وہ یہ سب جرائم گناہ سمجھ کر نہیں بلکہ ثواب اور خداؤں کا فعل سمجھ کر کرتے تھے۔ انطاکیہ، دمشق اور بڑے بڑے شہر عیاشی و حرام کاری کے اڈے بن گئے۔ یونان کا فلسفہ ایسا تھا۔ کہ جس میں خدا کا تخیل ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ ان جہلاء کے مذہب اور ان کے خداؤں کے خلاف ایک بغاوت تھی۔ یہودیت اور مسیحیت نے اس ہی مذہب اور اس ہی فلسفہ سے سیریا میں

ان کو اثر لیا۔ اور یہ دونوں مذہب بھی تقریباً بت پرستی میں تبدیل ہو گئے۔ اگر کوئی شخص تفصیلات معلوم کرنا چاہتا ہے۔ تو گبن اور زمانہ حال کے مورخ مسٹر فلپ ہٹی کی تاریخوں کا مطالعہ کرے۔ یہ سیریا کی حالت تھی جب اسلام آیا۔

سیریا کے ان تمام مذاہب میں ایک عقیدہ مشترک تھا۔ اور وہ عقیدہ خدا کی صفات سے متعلق تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خدا ایک نہیں بلکہ متعدد ہیں۔ انسانی جسم اور انسانی تخیلات و جذبات و خواہشات رکھتے ہیں۔ حساب روز جزا اور حشر و نشر ان کے مذہب سے بالاتر باتیں تھیں۔ اسلام میں یہ عقیدہ نہ تھا۔ بلکہ اسلام کا خدا اور اس کی صفات ایسی ہیں جو اُن کے ذہن سے بالاتر ہیں۔ مثلاً خدا کوئی خاص جسم نہیں رکھتا۔ انسانی خواہشات و جذبات سے بالاتر ہے۔ سب جگہ ہے، اور کسی ایک جگہ نہیں۔ اعمال و افعال کے لئے سزا و جزا ہے۔ روز حشر مردے زندہ کئے جائیں گے۔ اور وہاں ان کی اعمال کے مطابق سزا و جزا ملے گی۔ اہل شام ان امور کو نہیں سمجھ سکے۔ اور باوجود اسلام سے واقف ہونے کے انہوں نے کبھی اپنا مذہب ترک نہ کیا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ سیریا میں اسلام کسی تبلیغ یا ملقین کے ذریعے سے نہیں آیا بلکہ لڑتے لڑتے مسلمانوں نے اس کو فتح کر لیا۔ اور سمجھا گیا کہ شام مسلمان ہو گیا۔ شام اس وقت بازنطینی عیسائیوں کے تصرف میں تھا۔ جس میں حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور SAINTS (اولیاء اللہ) کی پرستش عام تھی۔ بت پرستی میں اور اس میں کچھ فرق نہ تھا۔

سوء اتفاق یہ ہوا کہ سیریا کو حکمران ملے تو وہ بھی کافر ملے جنہیں اسلام سے دشمنی تھی۔ اور جن کی زندگی کا مقصد کفر کو واپس لانا تھا۔ جب کربلا کے واقعہ کے بعد یزید کی رسوائی کی شہرت پھیل گئی، تو جناب معاویہ کی روح کہتی ہو گی ؎

طالع شہرت رسوائی مجنوں بیش است

ورنہ طشت من داد ہر دو زیک بام افتاد

اس کی تفصیل یہ ہے کہ سیریا فتح ہونے کے بعد مسلمانوں کی طرف سے پہلا حاکم یزید بن ابی سفیان تھا۔ طاعون عمواس میں اس کے مرنے کے بعد اس کا بھائی معاویہ بن ابی سفیان وہاں کا حاکم بنا دیا گیا۔ اس کے اوپر خلیفہ مدینہ کے الطاف بیکراں تھے۔ اس سے کوئی حساب نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عثمان اموی کے بعد جب حضرت علیؑ کے پاس حکومت آئی۔ تو معاویہ اموی نے جو عرصہ سے شام پر قابض و حکمران تھا۔ بغاوت کی جس کا نام تکلفانہ لہجہ میں "اجتہادی غلطی" رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد یزید حاکم شام

بلکہ امیر المومنین ہوا۔ اس کے مرنے گئے چند مہینوں کے بعد یہ خلافت مروان اموی کو ملی اور آخر وقت تک اس کی ہی اولاد میں رہی۔ اس حکومت کا خاتمہ بنو عباس نے ۷۵۰ء میں کیا۔ جنگ یرموک سے جو ۲۰ اگست ۶۳۶ء کو ہوئی۔ سیریا فتح ہوا۔ اور بازنطینی عیسائیوں کی بجائے مسلمان حکمران ہوئے۔ اور اس وقت ہی سے اموی بادشاہوں کی حکومت شروع ہو گئی۔ اب فرمائیے کہ شام کو مسلمان ہونے کے لئے کیا وقت ملا۔ نہ کوئی تبلیغی مشن آیا۔ نہ کسی نے ان کو اسلام کی تعلیم دی۔ جناب رسول خدا جب کوئی شہر یا قریہ فتح کرتے تھے تو وہاں تبلیغی مشن اسلام کی تعلیم دینے کے لئے ضرور روانہ فرماتے تھے۔ لیکن یہاں ایسا نہیں کیا گیا۔ اور اس پر فخر کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی رعایا میں اسلام پھیلانے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ یہ ان کی فراخدلی یعنی TOLERATION کا ثبوت ہے۔ عیسیٰ بدین خود، موسیٰ بدین خود۔ شام میں تو یہ ہوا۔ اہل شام کی خوش قسمتی سے جو حکمران ان کو ملے وہ بھی ان کے ہم خیال تھے۔ اہل شام کو اسلام سے نفرت اور اجنبیت تھی۔ کیونکہ وہ ان کے فاتحین کا مذہب تھا۔ ان کے حکام ابو سفیان و مروان کی اولاد تھے۔ ان کو بھی اسلام سے نفرت تھی۔ کیونکہ یہی مذہب ان کے فاتحین کا تھا۔ یہ حکمران اولاد امیہ کیسے مسلمان تھے۔ ہم تو کیا بتائیں اور لوگ، جو ان کی نسبت لکھتے ہیں۔ ہم وہ نقل کئے دیتے ہیں۔ مسٹر فلپ ہٹی کہتے ہیں۔ (انگریزی سے ترجمہ)

بنو امیہ برائے نام مسلمان تھے......... انہوں نے شریعت اسلامیہ کو اپنی حکومت میں بالکل منسوخ کر دیا تھا......... ان دنیادار بنو امیہ کی حکومت شروع ہوتے ہی پرانے جاہلیت کے تعلقات جو شراب و سرود اور شاعری کے ساتھ تھے۔ پھر عود کر آئے۔

PHILIP K. HITTI'S HISTORY OF THE ARABS. P.P. 247-250

مسٹر براؤن کہتے ہیں:- (انگریزی سے ترجمہ)

جیسا کہ ڈوزی نے کہا ہے بنو امیہ کی فتح در اصل اس فریق کی فتح تھی۔ جو دل سے اسلام کا مخالف تھا۔ پیغمبر اسلام کے بدترین دشمن کی اولاد جن کے دل اب تک اسی طرح کفر سے لبریز تھے۔ اور تبدیل نہیں ہوتے تھے اب اس ہی پیغمبر کے جانشین ہونے کے مدعی تھے۔ اور ان لوگوں کو تلوار سے خاموش کرتے تھے جو ان کے کفر کے

خلاف ذرا سی بھی آواز اٹھاتے تھے .... یزید کی سلطنت تقریباً تین سال رہی۔ پہلے سال میں اس نے حسین ابن علی کو قتل کیا۔ دوسرے سال مدینہ کو غارت و برباد کیا، اور تیسرے سال کعبہ پر حملہ کیا........ بنو امیہ کا سارا زمانۂ سلطنت دراصل کفر کی واپسی اور اس کے اصولوں کی فتح کا زمانہ تھا۔

E.G. BROWNE'S LITERARY HISTORY OF PERSIA.
VOL: I. P.P. 224, 226, 231,

مسٹر نکلسن کہتے ہیں:۔ (انگریزی سے ترجمہ)

بنو امیہ شریعت اسلامیہ کے مخالف اور اس کے اصولوں کے منکر تھے.........

بنو امیہ کے زمانہ میں عہد جاہلیت کا کفر پھر غالب ہو گیا۔

NICHOLSON'S LITERARY HISTORY OF THE ARABS P.P. 197, 235

طبری اور ابو الفدا نے بھی یہی کہا ہے۔ مسٹر خدا بخش بانکے پور کی رائے ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ غرضکہ یہ مسلم و غیر مسلم مورخین کا متفقہ فیصلہ ہے۔
مسلمانوں کا لشکر جس نے شام فتح کیا۔ بدوی عربوں پر مشتمل تھا۔ جن کے سنگ دل اور سخت ترین کافر ہونے کی شہادت قرآن شریف دیتا ہے۔ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام اور اسلام کے اصول نے ابھی جگہ نہیں کی تھی۔ کہ یہ باہر بھیج دیئے گئے۔ اور ملک شام میں انہوں نے وہ سب پا لیا جو مدینہ ہی کھو چکے تھے۔
اب دیکھو کہ شام کی کیا حالت تھی۔ خود ملک والے اسلام کے خلاف۔ ان کے حکمراں کفر کے جویاں۔ اور مسلمان لشکری جو وہاں آباد ہوئے تھے عرب کے بدو اسلام کے دشمن۔ تعجب یہ نہ تھا کہ یزید نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی پہلا حکم یہ کیوں صادر کیا کہ حسین کو قتل کرو۔ اور اس کی رعایا نے بڑی خوشی سے اس حکم کی تعمیل کی۔ بلکہ تعجب ہوتا اگر وہ یہ حکم نہ دیتا۔ یا اس کی رعایا اس حکم کی تعمیل نہ کرتی۔
یہ حالات معلوم کرنے کے بعد حسین علیہ السلام کے ارادہ و ہمت کی بلندی اور ان کی شہادت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر حسین بیعت کر لیتے تو پھر یقیناً کوئی اسلام کا نام نہ لیتا۔ شام تو کافر تھا ہی۔ عرب سے بھی اسلام مفقود ہو جاتا۔ اور پھر یزید واقعی کہہ سکتا تھا کہ اب میں نے اپنے دادا کا بدلہ لے لیا۔ اور پھر ان کے مذہب کو رائج کر دیا۔ بھرے بھرے کئی خاندانوں کو دوپہر کے اندر اس طرح تلواروں سے کٹوا دینا۔ خود بھی جان دینی اور اپنی عورتوں اور ناموس کو پردیس کے جنگل میں اسیر ہو جانے کے لئے چھوڑ جانا کوئی معمولی

بات نہ تھی۔ کسی ایسی ہی چیز کی حفاظت منظور تھی۔ جو بغیر اس عظیم الشان فدیہ دیئے ہوئے محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ کیا چیز تھی؟ وہ نماز جیسی عزیز شے تھی۔ جس کو حسینؑ نے ان سب سے زیادہ قیمتی سمجھا۔ اور سجدہ کے اندر سر دے کر اُمت کو بتا دیا۔ کہ میں نے اس نماز کے لئے اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان دی ہے۔ جب صفین کے میدان میں دونوں صفوں کے سامنے حضرت علی علیہ السلام نے مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھی تو لوگوں نے کہا۔ کہ یہ مناسب نہیں ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ نماز ہی کے قیام کے لئے تو یہ لڑائی ہے باپ کی لڑائی بھی نماز کے لئے تھی اور بیٹے کی لڑائی بھی نماز کے لئے۔ نماز عطر اور نچوڑ ہے اسلام کا۔ جس نے نماز کو سمجھا۔ اس نے اسلام کو سمجھا۔ کیوں اے شیعو! حسینؑ پر رونے والو! کیا اب بھی نماز کی قدر سے ناواقف رہو گے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ اگر امام حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کر لیتے تو پھر اسلام دنیا میں نہ رہتا۔ یزید اُمت محمدؐ کو پھر صنم خانوں کی طرف لے چلا تھا۔ یزید کی حکومت دراصل اس کے آبائی کفر کی حکومت تھی۔ وہ ان منہیات و لغویات کو اسلام میں رائج کرنا چاہتا تھا جو کفر کی جان اور اسلام کی موت تھی۔ فقہ اسلامی کا مضحکہ بندر کو فقہاء کا لباس پہنا کر کیا جاتا تھا۔ اگرچہ حکومت خاندانِ رسالت میں سے نکال لی گئی تھی۔ لیکن اپنے پرائے سب اس بات کے قائل تھے کہ آنحضرتؐ کے علوم کے وارث یہ ہی لوگ تھے۔ جن کو آنحضرت نے بار بار اپنا وارث و وصی فرمایا تھا۔ اگر امام حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کر لیتے۔ اور اس کے ہر ایک حکم کی اطاعت کا عہد و پیمان اپنی گردن میں ڈال لیتے تو پھر فوراً کفر اسلام کی جگہ لے لیتا اور جناب رسالت مآبؐ کی ساری عمر کا کام برباد ہو جاتا اس بیعت کا یہ مطلب ہوتا کہ واقعی فقہ اسلامی اس ہی مضحکہ کی سزاوار ہے۔ جو یزید اس سے روا رکھتا ہے۔ محرمات سے نکاح کرنا جائز، حدود اللہ کو نظر انداز کرنا فخر اور احکام اسلام کو چھوڑ دینا معمولی رواج ہو جاتا۔ لوگ کہتے کہ جب وارث علم رسول نے یزید کے ان احکام کو قابل اطاعت سمجھ لیا۔ تو واقعی اسلام ایک دھوکہ ہی تھا۔ یہ تھی وہ مصیبت، یہ تھی وہ آفت جس سے اسلام کو بچانے کے لئے امام حسین علیہ السلام نے اتنی عظیم الشان قربانی کی۔ میدانِ کربلا اُمت اسلامیہ کی وہ عظیم الشان درس گاہ ہے۔ جس میں سبق پڑھانے والے معلم چھ مہینے کے بچوں سے لگا کر اسی برس کے بڈھوں تک پائے جاتے ہیں۔ اور جس میں زندگی انسان کے ہر پہلو پر ایک سبق دیا گیا ہے اگر اُمت اسلامیہ ان پر عمل کرتی تو اسلام کو یہ بُرا دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ جو آج اس کے سامنے ہے

اگر حسینؑ بیعت کر لیتے تو دنیا میں اسلام نہ رہتا

کربلا درس گاہ

حق کو کسی قیمت پر نہ بیچنا۔ ناحق کو کسی کی خاطر نہ خریدنا۔ دُنیاوی وجاہت و آرام و راحت کو ہیچ سمجھنا۔ اپنی محبت و نفرت کو خُدا کی رضامندی کے مطابق کرنا۔ یہ وہ چند سبق ہیں ان بے شمار سبقوں میں سے جو حسین علیہ السلام اُمت اسلامیہ کو دس ماہ محرم ۶۱؁ھ ہجری کے چند گھنٹوں میں سکھا گئے۔ صاحب فہم و ذکاء ہیں وہ لوگ جنہوں نے یہ سبق یاد رکھے کم بخت ازلی ہیں وہ لوگ جو ان کو بھول گئے۔ یہ مشکل سبق تھے۔ اکثریت امت کو نہ یاد رہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے آسان سبق تھے۔ سب فرفر یاد ہیں۔ کتنا فرق ہے۔ ایک جگہ جانیں ضائع ہوئیں۔ گھر لُٹے۔ بھوک و پیاس کی تکلیف اٹھانی پڑی۔ آخر کار گردنیں کٹوانی پڑیں۔ دوسری جگہ حکومت ملی۔ شہرت ملی۔ وجاہت ملی۔ دولت ملی۔ کتنا فرق ہے۔ کربلا و سقیفہ میں۔ لیکن باوجود اس فرق عظیم کے کتنا ایک دوسرے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کربلا کہاں ہوتی اگر سقیفہ نہ ہوتا۔

عقدۂ سوم۔ یزید کا محض حسین علیہ السلام کے پیچھے پڑنا۔

یزید کی تخت نشینی کے وقت مدینہ میں کئی سربرآوردہ لوگ تھے۔ عبداللہ ابن عمر عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن زبیر اور حسین ابن علی۔ ان میں سے عبداللہ ابن عباس اور ان کے بھائیوں نے تو معاویہ کے زمانہ ہی میں یزید کی ولی عہدی پر بیعت کر لی تھی۔ اور یزید کی خلافت سے راضی ہو گئے۔ باقی چار صرف وہ لوگ تھے جنہوں نے بیعت نہیں کی۔ جب معاویہ حضرت عائشہ سے ملے تو یہ فرمایا۔ کہ ان چار کے علاوہ باقی سب نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ اُردو ترجمہ **تاریخ کامل خلافت بنو امیہ** حصہ اوّل صفحہ ۱۰۶۔ مرتے وقت بھی امیر معاویہ نے صرف ان چار اشخاص ہی کا نام لیا تھا۔ کہ جنہوں نے بیعت نہیں کی تھی۔ یزید کی طرف سے عبداللہ ابن عباسؓ اور ان کے بھائیوں کو کچھ خوف نہ تھا۔ چنانچہ نہ وہ مدینے سے نکلے اور نہ مکہ میں ان کو کوئی خطرہ تھا۔ اُنہوں نے امام حسینؑ کا ساتھ بھی نہیں دیا۔ لہٰذا مخالفین کا یہ کہنا کہ واقعہ کربلا بنو ہاشم و بنو امیہ کی باہمی رقابت کا مظاہرہ تھا۔ محض شہادت امام حسین علیہ السلام کی عظمت کو کم کرنا ہے۔ بنو ہاشم میں بنو عباس کی کافی وقعت اور کافی تعداد تھی۔ اور جب وہ یزید کے خلاف نہ ہوئے تو یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ باہمی رقابت باقی تھی۔ ہم ابھی ثابت کرتے ہیں کہ یزید کا ارادۂ قتل حسینؑ اس ہی سیاست جاوید کا ایک مظہر تھا۔ جس کا مخرج سقیفہ کے اندر تھا۔ اگر یزید مسلمان تھا تو خاندانی بغض و عناد تو اسلام لانے کے بعد ہی ختم ہو گیا۔ کیونکہ آنحضرتؐ کے سب جہاد مذہبی جہاد تھے اور کوئی مسلمان ان جہادوں کی کامیابی کی وجہ سے دِل تنگ

عقدہ سوم یزید کا محض امام حسینؑ کے پیچھے

تنبیہ

ہماری اس بحث سے کہ ہنگامہ سقیفہ بنی ساعدہ اس جماعت کی عرصہ دراز کی کوششوں کا نتیجہ تھا یہ اخذ کر لینا کہ حضرت ابو بکر کا تقرر بھی ان لوگوں میں عرصہ سے طے شدہ امر تھا یہ ہی نہیں کہ غلط محض ہوگا بلکہ حضرت عمرؓ کے سیاسی تدبر و فراست و موقعہ شناسی کی تحقیر و توہین کرنے کا جرم عائد کر دے گا۔ دنیاوی سیاست کا یہ پہلا اصول ہے کہ اپنا اصلی مدعا اس وقت تک پوشیدہ رکھا جائے جب تک اس کا ظاہر کرنا ہی اس کی کامیابی کا باعث نہ ہو جائے ورنہ اصلی مدعا کو قبل از وقت ظاہر کرنے سے لوگوں کو بہت کچھ سوچنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور اس کے خلاف بہت سی تحریکات معرض وجود میں آجاتی ہیں۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر نے اس اصول پر اس شدت و لیاقت و زیرکی کے ساتھ عمل کیا ہے کہ یہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ دنیائے سیاست میں وہ ہی اس اصول کے موجد ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے۔ کہ حضرت عمر اپنی جماعت میں اپنے مقرر کردہ خلیفہ کا نام پہلے ہی لے دیتے تو بنو عدی و بنو تیم کا سوال پیدا ہو کر حضرت ابو بکر یقیناً خلافت سے محروم رہ جاتے اور خلافت ایسی جگہ چلی جاتی۔ جہاں لے جانا حضرت عمر کا مقصود نہ تھا۔ ان کے لئے تو یہی مناسب تھا کہ اصلی حاکم کا نام مخفی رکھ کر ہر ایک میں امید پیدا کر دی جائے تاکہ ہر شخص علی کی مخالفت کو اپنا کام سمجھ کر دل سے کوشاں رہے اور لوگوں میں یہی ظاہر کریں کہ ہم بھی اوروں کی طرح بھائیوں کے مشورے و حکم کے پابند ہیں۔ اگر حضرت عمر پہلے ہی سے حضرت ابو بکر کو نامزد کر کے لوگوں سے منوانا چاہتے تو وہ ہی عرب کی ضد اور عادت سرکشی جو حضرت علی کے خلاف کام کر رہی تھی۔ حضرت ابو بکر کے خلاف کام کرنے لگ جاتی۔ اور لوگ کہتے کہ جب ہم رسول خدا کے نامزد کردہ شخص کو نہیں مانتے تو عمر کے مقرر کردہ شخص کو کیوں مانیں۔ لہذا حضرت عمرؓ کو اس آخری وقت پر نکال کر پیش کیا کہ جب پیش نہ کرنا مقصد کو فوت کر دیتا۔ اور حضرت ابو بکر کی خلافت وہ ہی فلتۃً رہی۔ جیسا کہ حضرت عمر نے اس کامیابی کے بعد اس کی تشریح نہایت صحیح الفاظ میں کر دی۔

باب سوم

تدبیر دوم۔ حقیقت نبوت کے متعلق ایک خاص عقیدہ اختراع کرنا اور اسکو رائج کرنا

یہ وہ گہری تدبیر تھی جس کا اثر اب تک باقی ہے بلکہ روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے جناب رسول خدا نے دوران نبوت میں جو حضرت علی کے فضائل بیان کئے اور انکو اپنا جانشین مقرر کرتے کے جو احکام صادر

نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یزید دِل سے کافر تھا تب بھی وہ بغض و عناد اس وقت ختم ہو گیا۔ جب معاویہ نے بنو ہاشم کو دُنیاوی حکومت میں مغلوب کر لیا۔ کینہ اور پُرانا بغض ہمیشہ مغلوب و کمزور دِل میں باقی رہ جاتا ہے۔ جب فتح حاصل کر کے غالب ہو گئے۔ تو پرانا بدلہ تو اسی وقت لے لیا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا۔ جس کا بدلہ لیا جاتا۔ ہاں اگر کبھی بنو ہاشم نے بنو امیّہ کے کسی شخص کو اس طرح بھوکا پیاسا محصور کر کے مع اس کے معصوم بچوں کے قتل کر دیا ہوتا تو پھر کہہ سکتے تھے کہ یہ بدلہ اس خاص واقعہ کا تھا۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ان بزرگواروں کی پیشین بینی بلکہ علمِ الہامی اس سے ہی تو ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسُولِ خُدا یا حضرت علیؑ نے کبھی ایسا موقعہ آیا بھی تو اس کو استعمال نہ کیا۔ معاویہ کی لڑائیوں میں ایک دفعہ معاویہ کی افواج نے حضرت علیؑ کے لشکر کو ہٹا کر پانی پر قبضہ کر لیا۔ اور ان پر پانی بند کر دیا۔ پھر حضرت علیؑ کے لشکر نے جوابی حملہ کر کے اس پانی پر قبضہ کر لیا۔ اور جناب امیرؑ سے اجازت چاہی کہ معاویہ کے لشکر کا پانی بند کر دیں۔ لیکن آپ نے اس کی اجازت نہ دی۔ بلکہ معاویہ کے لشکریوں کو عام آزادی دے دی کہ پانی تک پہنچ جائیں۔ اور پانی لے لیں۔ حضرت علیؑ کو کربلا کی خبر تھی اگر اس دن پانی روک دیتے تو یزیدی لشکر کہتا۔ کہ آج ہم نے اس کے عوض میں تم پر پانی بند کیا ہے۔ بنو ہاشم کی پچھلی فتح اور گذشتہ کامیابیوں کا بدلہ تو پوری طرح سے اس وقت لے لیا گیا۔ جب امیر معاویہ نے ان فتوحات اور کامیابیوں سے حاصل کی ہوئی سلطنت پر بنو ہاشم کو شکست دے کر قبضہ کر لیا۔ بغض و عناد سابقہ کے بہی کھاتہ میں اب اور کوئی مد باقی نہیں تھی۔ جس کا بدلہ لیا جاتا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ واقعہ کربلا بنو ہاشم و بنو امیّہ کی پرانی خاندانی رقابتوں کا نتیجہ ہے حق کو چھپانے کی ناکامیاب کوشش کرنی ہے۔ یہ پردہ ایسا باریک ہے کہ اس سے حق تو نہیں چھپے گا ہاں یہ معلوم ہو جائے گا جو کہ امر واقعہ ہے کہ حسین علیہ السلام پر ظلم کرنے کا سلسلہ ان کے اس دُنیا سے گزرنے کے بعد بھی جاری ہے۔ ان بزرگواروں پر جو ظلم ہوئے ہیں ان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ موت نے ان کو ختم نہیں کیا۔ عرصہ ہُوا کہ جناب امیرؑ سے خلافت چھیننے والوں نے خلافت چھین لی۔ لیکن اب بھی یہ کہنے والے موجود ہیں کہ خلافت تو حضرت علیؑ کا تو حق ہی نہ تھا۔ کوئی یہ بنو ہاشم کی جاگیر تھی۔ ان میں یہ سیاسی قابلیت ہی نہ تھی کہ اس کامیابی کے ساتھ اسلام کو پھیلاتے جس کامیابی سے حضرت عمرؓ نے پھیلایا۔ اگر یہ سلسلۂ ظلم جاری نہ رہتا۔ تو جناب رسُولِ خُدا کی وہ مشہور دُعا اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَہٗ ایک محدود اور وقتی خواہش ہیں

تبدیل ہو کر رہ جاتی۔ چونکہ ان پر اب تک ظلم ہو رہا ہے اور ان پر ظلم کرنے والے باقی ہیں۔ لہٰذا اس دعا مصطفوی کی ردائے عاطفت قیامت تک پھیلی ہوئی ہے۔ جو چاہے اس کے اندر پناہ لے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خاندانی رقابت اس کی وجہ نہ تھی تو پھر کیا تھا کہ یزید نے صرف حسینؑ ہی کو ایذا دینی شروع کی اور ان کے ہی قتل کا درپے رہا۔ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۶۵۰ کتاب ہذا۔ اور سلسلہ بیان قائم رکھنے کے لئے کچھ اب کہتے ہیں۔ یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ اس کو ذہن نشین کرانا ضروری ہے خواہ دوہرانا ہی پڑے۔

تاریخ اسلام کو ابتدائے حکومت سقیفہ سے آخر حکومت بنی عباس تک دیکھ ڈالو ان سب میں ایک جزو مشترک پاؤ گے اور وہ بغض علی اور اولاد علی ہے۔ یہ تو ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ حکومت سقیفہ، حکومت بنو امیہ اور حکومت بنو عباس کی بنا بغض علی پر تھی اور ان پر ہی کیا منحصر ہے۔ جو شخص جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیدا کی ہوئی حکومت پر قابض ہوا۔ وہ اس یقین کے ساتھ قابض ہوا کہ اس حکومت کا اصلی حق دار میں نہیں ہوں بلکہ علیؑ اور اولاد علیؑ اس کے حقدار ہیں۔ چونکہ وہ اصلی حق دار تھے لہٰذا خواہ وہ کچھ کریں یا نہ کریں اس کے دل میں ان کی طرف سے بغض پیدا ہو جاتا تھا۔ اور یہ تاریخ عالم کے مشاہدات میں سے ایک مشاہدہ ہے کہ غاصبان حکومت ہمیشہ اصلی حقدار اور اس کے خاندان کے خلاف رہتے ہیں۔ اس سنت کی پیروی ہر ایک آنے والی حکومت نے کی۔ اور تو اور عبداللہ ابن زبیر کو دیکھو۔ اس چار دن کی چاندنی ہی میں خوب گل کھلائے۔ ابھی پوری طرح سے اپنی حکومت میں مستقل نہیں ہوئے تھے۔ کہ وہ ہی سنت شروع کر دی۔

مورخ مسعودی کہتا ہے۔

وحبس عبد اللہ بن الزبیر	عبداللہ بن زبیر نے حسن بن محمد بن
الحسن بن محمد بن الحنفیہ	حنفیہ کو قید خانہ عازم میں قید کر دیا۔
فی الحبس المعروف بحبس عازم	یہ قید خانہ نہایت ڈراؤنا تنگ و تاریک
وھو حبس موحش مظلم واراد	تھا۔ اس نے ارادہ اس کے قتل کا
قتلہ	کیا۔ . . . .
ایذاء ابن الزبیر لبنی ہاشم	ابن الزبیر کا بنو ہاشم کو ایذا پہنچانا۔

وقد کان ابن الزبیر عمد الی من بمکۃ من بنی هاشم فحصرهم فی الشعب جمع لهم خطبا عظیما لو وقعت فیه شرارۃ من نار لم یسلم من الموت احد و فی القوم محمد بن الحنفیه۔

ابن الزبیر نے مکہ میں جتنے بھی بنو ہاشم تھے۔ ان سب کو گرفتار کرکے ایک کوٹھڑی میں قید کر دیا۔ اور ان کے گرداگرد بڑا انبار لکڑیوں کا جمع کر دیا تاکہ ایک چنگاری بھی پڑے۔ تو سب کو جلا کر خاکستر کر دے۔ اور ان قیدیوں میں محمد بن حنفیہ بھی تھے۔

تاریخ مسعودی۔ الجزء الثالث صفحہ ۸۳۔

دیکھا آپ نے جو حکومت آتی ہے خاندانِ رسالت پر پہلے ہاتھ صاف کرتی ہے۔ وجہ وہ ہی ایک ہے کہ اس حکومت کی ہستی کا مدار ہی خاندانِ رسالت کے بغض پر ہوتا ہے۔ امیر معاویہ محض یزید کی بیعت نہ کرنے سے ان چاروں آدمیوں سے ناراض تھے۔ لیکن قتل کی دھمکی دی تو صرف امام حسین علیہ السلام کو دیکھو۔ صفحہ ۶۵۲ کتاب ھذا۔ اور اردو ترجمہ تاریخ کامل خلافت بنوامیہ حصہ اوّل صفحہ ۱۰۶۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ یہ آگ لگائی حکام سقیفہ نے۔ دھونکنی دی بنوامیہ نے۔ جس کو حکام سقیفہ نے قائم کیا تھا۔ اگر دو چار پھونکیں خاندانی عداوت نے بھی ماردیں تو یہ عین سلسلۂ واقعات کے مطابق تھا

عقدۂ چہارم و پنجم۔ کوفہ کی طرف رُخ اور سفارتِ مسلم ابن عقیل ؑ

ان دونوں سوالوں پر صحیح طریقہ سے بحث کرنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ اوّل ہم جناب امام حسین ؑ کا مطالعہ بہت اچھی طرح کر لیں کیونکہ کسی شخص کے افعال کا صحیح محرک یا سبب نہیں معلوم ہو سکتا۔ جب تک ہم یہ نہ معلوم کر لیں کہ وہ شخص کیسا ہے۔ ایک ہی فعل کے کئی محرک یا اسباب ہو سکتے ہیں۔ اور اپنے اپنے موقعہ پر ہر ایک درست ہوں گے۔ سچ بتائیے دِل سے۔ کسی کا ڈر نہیں ہے۔ آپ جناب رسُول خدا کو سچا جانتے ہیں یا نہیں۔ آپ کی کتاب صحیح بخاری یا صحیح مسلم صحیح ہے یا غلط۔ اب دیکھ لیجئے کہ ان میں جناب امام حسین علیہ السلام کے فضائل جناب رسُول خدا کی زبانی کیا لکھے ہیں۔ آئندہ کے واقعات کی خبر بذریعہ وحی جناب رسُول خدا کو ملتی تھی یا نہیں۔ اگر ملتی تھی تو آنحضرتؐ نے جو کچھ امام حسین ؑ کے مستقبل کے متعلق کہا وہ درست ہی ہو گا۔ نتیجہ نکلا کہ امام حسین ؑ نے اسلام کو محض عقیدہ کے طور پر

عقدہ پنجم و چہارم۔ کوفہ کا ارادہ مسلم ابن عقیل کی سفارت کا راز

قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان کے روزانہ زندگی کے طرزِ عمل کو مقرر کرنے والا یہی مذہب تھا۔ حکام شقیفہ کچھ ہی سمجھیں۔ جناب امام حسین جانتے تھے کہ اپنے نانا کے اب صحیح جانشین وہ ہی ہیں اور اسلام کو زندہ رکھنا ان کا فرض ہے۔ اسلام کی محبت آپ کے دل میں عشق کے آخری درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ یہ وہ بات ہے کہ جس کو سمجھنے کے لئے یورپ کے مورخین بہت دیر لگاتے ہیں۔ اور پھر بھی نہیں سمجھتے۔ اور جو مورخ حکومت الٰہیہ کے ان ارکان کی اس فطرت و جبلت سے آگاہ نہیں وہ کبھی اُن کے افعال کے صحیح محرک واسباب نہیں معلوم کر سکتا۔ حشر و نشر اور خُدا کے یہاں جواب دہی حسین علیہ السلام کے لئے سچے الفاظ نہایت عظمت و رفعت رکھنے والے الفاظ تھے۔ حسین علیہ السلام کی طبیعت کا اندازہ اس واقعہ سے اچھی طرح ہو سکتا ہے کہ ایک دن آپ نے ایک آدمی کو بے تحاشا ہنستے ہُوئے دیکھا۔ فرمایا کہ کیا یہ شخص پُل صراط پر سے گزر چکا ہے۔ اور حشر کی جواب دہی سے فارغ ہو چکا ہے جو اس طرح ہنس رہا ہے۔ لہٰذا جب کوفیوں کے خطوط آئے۔ کہ ہم تمہیں ہدایت کے لئے بلاتے ہیں اور تم نہیں آتے۔ خُدا کے سامنے روز محشر کیا جواب دو گے۔ اور جب ہم تمہارے نانا سے فریاد کریں گے تو تم کیا عذر پیش کرو گے۔ اے حسینؑ اپنا وہ جواب اور وہ عذر ابھی سے تیار کر رکھو تا کہ وہاں پیش کر سکو۔ اب حسینؑ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ نہیں رُک سکتے تھے۔

سفارت مسلم کی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۱۷۶ کتاب ہذا۔

عقدۂ ششم۔ سازو سامانِ سفر۔

امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ میرے ساتھ جو ان لوگوں کو عداوت ہے۔ وہ میرے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی۔ اور میرے ارادوں اور میری نیت کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائیں گے۔ میری شہادت کی عظمت کو کم کرنے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا انہوں نے ان امور کی صحیح واقفیت کو محض اپنے الفاظ پر مبنی نہیں رکھا خبر نہیں تمام الفاظ بجنسہ آنے والی نسلوں تک پہنچیں یا نہ پہنچیں۔ اگر پہنچیں تو کوئی یقین کرے۔ کوئی یقین نہ کرے۔ لہٰذا آپ نے اپنی گواہی میں محض واقعات کو پیش کرنا مناسب سمجھا۔ لوگ جھوٹ بولیں۔ دوست تعریف میں مبالغہ کریں۔ دشمن عداوت میں زیادتی کریں۔ واقعات تو جھوٹ نہیں بول سکتے۔ واقعات تو مبالغہ نہیں کر سکتے حسین علیہ السلام مدینہ و مکّہ سے محض اپنی عورتوں، بچّوں اور قریبی رشتہ دار و ل

واقعات کی شہادت رہتی ہیں　　عقدہ ششم سازوسامانِ سفر

کو لے کر نکلے۔ گیا اس ہی ساز و سامان سے ایک مستقل حکومت پر حملہ کیا جاتا ہے۔ راستہ میں جو دوست و مددگار آن کر ملتے تھے۔ ان کو بھی آخر کار صحیح واقعات بتا کر اپنے سے علیحدہ کر دیا۔ یہ روش اس کی نہیں ہوتی۔ جو دوسری سلطنت پر حملہ کرنے نکلتا ہے۔ خیال آسکتا ہے۔ کہ امام حسینؑ نے ششماہہ بچے کو فوج اشقیاء کے سامنے لا کر کیوں اس کے لئے پانی مانگا۔ اس کا تو وہ اندازہ کر سکتے تھے کہ پانی نہ دیں گے۔ اب اس کی کنہ معلوم ہوئی کہ جب دشمن دوستوں نے بھی شبہ پیدا کرنا شروع کر دیا۔ کہ امام حسینؑ کے خیام میں تو روز عاشورہ تک پانی تھا۔ امام حسین نے افواج یزید ہی کے سامنے نہیں بلکہ ساری دُنیا کے سامنے اپنے ششماہہ بچہ کو ہاتھوں پر اٹھا کر دکھا دیا کہ دیکھو۔ اَنَا قتیل العطشان۔ اگر میرے خیام میں پانی ہوتا۔ تو میں ان اشقیاء سے پانی کے سوال کرنے کی ذلت نہ اٹھاتا۔

اب تو معاملہ مختصر رہ گیا۔ ہم کچھ بحث نہیں کرتے۔ مطلقاً ان روایات نہیں لیتے جن میں ذرا بھی شبہ ہو۔ صرف مسلمہ واقعات کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں۔

(۱) معاویہ اپنی زندگی میں قتل حسین کے ارادے کرتا رہا۔

(۲) یزید نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی پہلا حکم جو صادر کیا وہ یہ تھا کہ حسینؑ سے بیعت لو۔ اگر بیعت نہ کریں تو ان کا سر میرے پاس بھیجدو۔

(۳) امام حسینؑ اپنے نانا کو سچا نبی جانتے تھے۔ اور ان کے نانا نے پیشین گوئی بار بار کی تھی کہ حسینؑ مقام کربلا میں میری اُمت کے ہاتھوں بھوکا اور پیاسا قتل کیا جائے گا

(۴) خود آپ نے مدینہ سے چلتے وقت خواب بھی یہی دیکھا تھا کہ نانا کہہ رہے ہیں۔ کہ عنقریب تم اے حسینؑ مجھ سے آن کر ملوگے۔

(۵) امام حسینؑ صرف اپنے بچوں، عورتوں اور قریب ترین رشتہ داروں کو لے کر مدینہ سے نکلے اور یہ کہتے ہوئے نکلے۔

فلما سار الحسين نحو مكه قال مخرج منها خائفاً يترقب قال رب نجنى من القوم الظالمين فلما دخل مكه قال فلما توجه تلقاء مدين قال عسى ربى ان يهدينى سواء السبيل۔

تاریخ طبری۔ الجزء السادس۔ صفحہ ۱۹۱۔

ترجمہ:۔ امام حسین نے مکہ کی طرف چلتے ہوئے یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ ہے کہ موسٰی

سارے امور جن پر بحث ختم ہو چکی ہے

اپنے شہر سے وہاں کے امراء کے خوف سے نکلے، پیچھے دیکھتے جاتے اور کہتے جاتے تھے۔ کہ خداوندا مجھے ظالموں کی قوم سے نجات دے) اور جب امام حسینؓ مکہ میں داخل ہوئے تو اس کی باقی آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب موسیٰ نے مدین کی طرف رُخ کیا تو کہا کہ شاید میرا خدا اب صراطِ مستقیم کی طرف لے جائے) بہرصورت یہ حالت خوف کا اظہار ہے۔

(۶) مکہ سے بھی آٹھویں ذی الحجہ کو حج سے دو دن پہلے آپ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے دو دن کا بھی انتظار نہ فرمایا اور حج کو عمرہ میں تبدیل کر دیا۔ اس سے مکہ کی خطرناک حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اگر کوفہ کی حکومت کو منقلب کرنا منظور ہوتا۔ تو حج کا انتظار فرماتے۔ موسمِ حج میں لوگوں کو یزید کے مظالم سُنا کر اپنی طرف کرتے اور وہاں سے ایک جمع کو لے کر کوفہ کی طرف بڑھتے۔

(۷) مکہ سے بھی وہی بچوں اور عورتوں اور قریب ترین رشتہ داروں کی جماعت کو ہمراہ لیا۔

(۸) راستہ میں لوگوں کو بتا دیا کہ میں تو مقتل کی طرف جا رہا ہوں۔ مال غنیمت اور سلطنت کے لالچ میں نہیں جا رہا۔ تم کو میں عام اجازت دیتا ہوں کہ تم چلے جاؤ یہ سُن کر بہت سے لوگ جو راستہ میں مال غنیمت کے لالچ سے ہمراہ ہو گئے تھے جدا ہو گئے۔ یہ حملہ کرنے والوں کا طرزِ عمل ہے؟

(۹) تیسری تاریخ سے دسویں تاریخ تک کربلا میں محصور رہے موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ پھر بھی ارادہ وہی رکھا جو پہلے تھا یعنی بیعت سے انکار۔

(۱۰) دنیادار حملہ آور کے لئے کیسا اچھا موقعہ تھا جب حُر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ آپ کا راستہ روکنے آیا۔ اور وہ اور اس کا سارا لشکر معہ جانوروں کے پیاس کے مارے مر رہے تھے۔ حملہ کر کے ایک ایک کا صفایا کر دیتے۔ اور پھر طرماح ابن عدی کی صلاح پر عمل کر کے پہاڑوں میں چلے جاتے۔

(۱۱) اگر حکومت مطلوب تھی تو کوفہ والوں کو لکھتے کہ پہلے تم اپنے حاکم کو شہر سے نکال دو تو میں آؤں گا۔ ایک شہر میں دو حکومتیں نہیں ہو سکتیں چونکہ آپ کو محض ہدایت مطلوب تھی۔ حکومت سے تعرض نہیں کیا۔

(۱۲) مسلم کو بھی یہی ہدایت فرما دی تھی کہ تم پہل نہ کرنا۔ چنانچہ جب شریک بن اعور نے مسلم کو اپنے مکان کے حصے میں چھپا کر ہدایت کی کہ عبیداللہ ابن زیاد میری عیادت کو آنے والا ہے

جب آجاتے تو تم پیچھے سے نکل آنا اور اس کو قتل کر دینا۔ کیسی عمدہ تدبیر تھی۔ ایسا ہی ہوا۔ مسلم پردے میں تو چلے گئے۔ پھر امام کی ہدایت یاد آ گئی۔ نہ نکلے۔ عبید اللہ ابن زیاد آیا بھی اور چلا بھی گیا۔ اس کے جانے کے بعد شریک نے مسلم سے کہا کہ تم نے بہت اچھا موقع کھو دیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اگر مسلم اس دن عبید اللہ ابن زیاد کو قتل کر دیتے تو کوفہ تو اُن کا اپنا ہو جاتا اور پھر سارا نقشہ ہی بدل جاتا لیکن امام تو اپنے قول و فعل سے ظاہر کر رہے تھے۔ کہ میں حکومت کے لئے نہیں لڑنا چاہتا۔ اگر عبید اللہ ابن زیاد قتل ہو جاتا تو پھر تو یزید اور اس کے حامیوں کو امام حسینؑ کے قتل کرنے کا اچھا بہانہ مل جاتا۔

طبری: الجزء السادس صفحہ ۲۰۲

البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ لابن کثیر شامی الجزء الثامن صفحہ ۱۵۳۔

اِس واقعہ سے یہ بھی کیسی عمدگی سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت مسلم نے جو کوفیوں سے بیعت لی تھی وہ محض ہدایت کے لئے تھی کہ ان کی ہدایت کو قبول کریں گے۔ ملکی حملہ کے ارادہ کی بیعت ہوتی تو مسلم کی ایک تلوار وہ کام کر جاتی جو کوفہ کی ساری آبادی نہ کر سکتی۔

(۱۳) امام حسین علیہ السلام نے اس مفروضہ حملہ کرنے کے لئے کبھی کوئی لشکر جمع نہیں کیا۔

(۱۴) امام حسینؑ نے کبھی کسی سے نہیں کہا کہ چلو ہماری مدد کرنا۔ ہم یزید سے حکومت چھیننے کے لئے جا رہے ہیں۔

اِن واقعات کو دیکھتے ہوتے بھی اگر کوئی یہی اصرار کرتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام ارمانوں اور آرزوؤں سے بھرے ہوئے دل اور حکومت کے لالچ اور دولت کی امید سے پُر دماغ لے کر مکّہ سے یزید کی سلطنت پر بمقام کوفہ حملہ کرنے چلے تو اس کو سوائے اس کے میں اور کیا کہوں ؎

جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اس بُت سے خدا سمجھے

سانحہ کربلا کے صحیح اسباب و علل

جب یہ معلوم ہو گیا کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے یہ اسباب نہیں تھے جو ان کے دشمن اور حکام سقیفہ کے حامی بیان کرتے ہیں تو وہ ہمارے ناظرین جنہوں نے ہماری کتاب کو پہلے صفحہ سے یہاں تک پڑھ لیا ہے۔ اب ہماری طرف سے بغیر کسی مزید بحث کے خود بخود واقف ہو گئے ہوں گے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت

سانحہ کربلا کے صحیح اسباب و علل

کے صحیح اسباب و علل کیا تھے۔ سلسلۂ بیان قائم رکھنے کے لیے جو ہم اب بحث کریں گے وہ
پہلے کہی ہوئی باتوں کو دہرانا ہی ہوگا۔ تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں
کہ بڑے بڑے تاریخی واقعات و انقلابات و فتح اور فوری جوش یا خیال کا نتیجہ نہیں
ہوا کرتے۔ بلکہ سالہا سال کی پخت و پز، متفرق و مختلف واقعات و خیالات کا تصادم
اور اجتماع اور ان کے نتائج پھر آپس میں باہم مل کر متفرق صورت حالات پیدا کرتے
رہتے ہیں تا آنکہ ایک بڑا واقعہ ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کار تھیج و روم کی
لڑائیاں، ترکوں کا قسطنطنیہ کو فتح کرنا، ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی ابتدا
عیسائیت میں ریفارمیشن کا آنا۔ نپولین و ہٹلر کی لڑائیاں محض ہینی بال، سلطان
محمد ثانی، شہنشاہ بابر، لیوتھر، نپولین اور ہٹلر ہی کی خواہش و کارناموں کے نتیجے تھے۔
تو یہی نہیں کہ یہ غلط محض ہوگا۔ بلکہ اس اٹل قانون کی تکذیب ہوگی جس نے ابدا کی انتہا
کو ازل کی ابتداء پر منحصر کر دیا ہے۔ عالم تکوین کی ابد تک کی نیرنگیاں نتیجہ ہیں اس پہلی
ازلی حرکت کا جو خلّاق زمین و زمان کے ارادۂ کُن سے پیدا ہوئی۔ ہزارہا سال کی گردش
لیل و نہار اپنے اس کام میں مشغول ہے کہ مختلف خاصیتیں رکھنے والی مٹیوں کو ان کے
اس آخری انجام پر پہنچائے۔ جس کی مقتضی ان میں سے ہر ایک کی خاصیت
ہے۔ کوئی محض چٹان بن کر رہ جائے گی کوئی عقیق، کوئی لعل کوئی زمرد۔ کوئی ہیرا
کوئی سونا، کوئی چاندی بنے گی۔ اور یہ خاصیت ودیعت کی ہوئی ہے اسی ہی
روز ازل کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ مختلف اثر سورج کی کرنوں پر منحصر ہے تو سورج
کی کرنیں تو ہر جگہ یکساں پڑتی ہیں۔ ایک مٹی سونا یا ہیرا بن جاتی ہے۔ اس کے
برابر کی مٹی وہ ہی مٹی رہتی ہے۔ یہ قانون صرف خاک کو سونا بنانے ہی میں
منحصر نہیں ہے۔ بلکہ انسانوں کی زندگی پر بھی حاوی ہے۔ جب قسام ازل نے ہر
ایک شخص کے پیمانۂ رنج و راحت کا اندازہ کر کے اس کے لئے مقرر یا مقدر
کرنا چاہا تو پھر جو حالات و واقعات اس شخص کے متعلق وابستہ تھے ان کو اس
طرح گردش دی اور ان کی رفتار اور ان کے اجماع کو اس طرح مقرر کیا کہ ان کا
نتیجہ اس شخص کے لیے سوائے اس قسمت رنج و راحت کے کہ جو اِس کے لئے روز
ازل مقرر کر دی گئی ہے کچھ اور نہ ہو سکے۔ جہاں تک ظاہری دنیاوی اسباب کا
تعلق ہے۔ انسان کے حصہ کی رنج و راحت اس کے حصۂ عقل و خصائل حمیدہ اور
رذیلہ کے تناسب سے ہوتی ہے اور اس کے متعلق جو واقعات ہیں۔ ان کا سلسلہ روز

ازل ہی تک پہنچتا ہے۔ اس کی عقل و خصائل حمیدہ و رذیلہ کی موجودگی اور مقدار بہت سے پیدائشی وراثتی و معاشرتی واقعات و حالات پر مبنی ہوتی ہے جن کا سلسلہ روزِ ازل تک پہنچتا ہے۔ روزِ ازل ہی سے ان واقعات و حالات کی ترکیب و ساخت و رفتار اس طرح مقرر کر دی گئی ہے کہ آخرکار وہ ہر انسان میں اتنی ہی مقدار عقل و فکر رسا پیدا کرتے ہیں کہ جتنے کی اس کے مقرر شدہ پیمانۂ رنج و راحت کے لئے ضرورت ہو۔ معلوم ہوا کہ جو پیمانۂ رنج و راحت ہمارے لئے روزِ ازل مقرر کیا گیا تھا۔ اس پیمانہ کو حد مقررہ تک پُر کرنے والے واقعات و اسباب بھی اسی دن سے محرک کر دئے گئے تھے۔ نتیجہ نکلا کہ روزِ ازل "**تقدیر**" اور "**قسمت**" تو مقرر ہوتی ہے۔ لیکن وہ محض عقل کی ہوتی ہے اور اس پر ہی انسان کے رنج و راحت کا بھی انحصار ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان کی زندگی کے تمام واقعات اس کی عقل و فہم کے عمل کا نتیجہ ہیں۔ ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ اسے راحت ہی ملے لیکن وہ اپنی عقل کی حدود سے مجبور ہے۔ لہٰذا رنج بھی ملتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ کسی انسان کی عقل کی حد مقرر کرتے وقت اس کے رنج و راحت کا بھی اندازہ کیا گیا۔ تقدیر یا تقسیم اس کی زندگی کے جزئی واقعات کی نہیں ہوتی۔ مثلاً اس کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ کوئی شخص اس سے کم و بیش کوشش ہی نہیں کر سکتا کہ جس اندازہ سے اس کی قسمت رنج و راحت کے مطابق اسے کوشش کرنے کا ارادہ اور اس کو طاقت دی گئی ہے۔ اور اس کی عقل مقرر کی گئی ہے

یہ باتیں ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے۔ بلکہ یہ تفسیر ہے ارشاداتِ آئمہ علیہم السلام کی۔ ملاحظہ ہو کافی کتاب العقل والجہل۔

یہ ارشادات سننے کے بعد ایک شخص نے کہا کہ معاویہ کی بھی تو عقل ہی تھی امام جعفرؑ صادق نے فرمایا نہیں وہ عقل صحیح نہ تھی وہ عقل کے مشابہ قوتِ شیطانیہ تھی۔

فلسفہ الٰہیات کا یہ بھی ایک انوکھا مضمون ہے۔ جس پر اس طرح کم فلاسفروں نے نظر ڈالی ہوگی۔ اس نظریہ کی بناء پر بہت سے مشکل مسائل حل ہو گئے۔ جو کہتے ہیں کہ کوشش کرنی بے فائدہ ہے جو مقدر میں ہے مل جائے گا۔ ان کی بھی غلطی ظاہر ہو گئی اور جو کہتے ہیں کہ قسمت کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے۔ ہماری کوشش ہے۔ ان کو بھی جواب مل جاتا ہے۔ یہ کیسی عمدہ تفسیر ہے۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کی، انسان کی قسمت اس کی کوشش کے اندازہ کے مطابق ہے اور کوشش منحصر ہے اس کی عقل پر اور عقل اندازہ

سے دی گئی ہے۔ کسی میں کم کسی میں زیادہ، علیٰ قدرِ مراتب۔
اس نظریہ سے جبر و اختیار، تقدیر، تدبیر کے مشکل مسائل بھی حل ہو جاتے ہیں۔ تقدیر کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں۔ اسی ہی سے مقدار نکلا ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ قسامِ ازل نے ہر ایک چیز کو ایک اندازہ کے ساتھ پیدا و مقرر کیا ہے۔ یہ بھی ایک اندازہ ہے کہ ایک فرد یا ایک قوم کتنے عرصہ تک زندہ رہے گی اس کے قوائے ہستی اس ہی اندازے سے بنائے گئے ہیں کہ وہ اس مقررہ مدت سے نہ کم نہ زیادہ زندہ رہے انسان کے لئے قسمت بھی ہے۔ لیکن کس چیز کی قسمت یعنی تقسیم کی گئی ہے۔ محض عقل و رنج و راحت کی۔ ہر ایک شخص کے لئے رنج و راحت کا پیمانہ مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے سوا انسان اپنے فعل میں آزاد ہے۔ کسی کے پاس اولاد نہیں ہے یا دولت نہیں ہے یا حکومت نہیں ہے اسے اس پیمانہ کے مطابق رنج یا تکلیف ہے۔ لیکن کوشش کرنے میں وہ آزاد ہے۔ ممکن ہے کہ کوشش کر کے وہ دولت یا حکومت حاصل کر لے۔ اپنا علاج کرے یا عورتیں تبدیل کرے تو اولاد بھی ہو جائے اول تو اس کی کوشش بھی اس کی عقل کے مطابق ہو گی۔ لیکن اس کے رنج و راحت کا پیمانہ اور ان کا تناسب وہ ہی رہے گا جو پہلے تھا۔ اولاد مل گئی تو رنج کا کوئی اور عنصر پیدا ہو جائے گا۔ دولت مل گئی تو کسی اور طرف سے تکلیف آجائے گی، تم نے یہ نہیں دیکھا کہ بظاہر ایک شخص کے رنجیدہ ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ دولت بھی ہے۔ اولاد بھی ہے۔ صحت بھی ہے۔ لیکن تب بھی وہ رنجیدہ رہتا ہے۔ خوشی و غم۔ رنج و راحت ان کا تناسب وہ ہی رہے گا۔ جو مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس اندازہ کو خدا کی طرف سے سمجھ کر اس پر صبر کرنا اور عاقبت میں اس کی تلافی یا معاوضہ کا امیدوار رہنا ہی وہ صفت حمیدہ ہے جس کی تعریف قرآن شریف میں کی گئی ہے۔
دیکھو۔ ہر ایک شخص چنگیز خاں، تیمور، ہینی بال، نپولین، سکندر یا ہٹلر نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرے۔ یہ عقل کی تقدیر ہے۔ لیکن یہ کہنا جائز نہ ہو گا کہ یہ لوگ اس کشت و خون و غارت گری و قتل کرنے میں جو انہوں نے کیا خدا کی طرف سے مجبور تھے۔ کیونکہ ان کو تو عقلی و جسمانی طاقتیں دی گئی تھیں۔ ان کا ارادہ آزاد تھا۔ اگر وہ ان طاقتوں کا استعمال لوگوں کو قتل و غارت کرنے میں نہ کرتے۔ بلکہ بنی نوع انسان کی بہبودی میں وہ طاقتیں صرف کرتے تو کر سکتے تھے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ طاقتیں دی جاتی ہیں۔ ان کے مصرف پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ ایک شخص بہت ذہین اور

فرمائے ان سب کو نظر انداز کرنے کے لئے دو ہی طریقے ہو سکتے تھے ایک تو یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ان کو انکار یا تاویل کے ذریعے سے چھپایا جائے اور دوسرے یہ کہ جو نہ چھپ سکیں اور باقی رہ جائیں ان کی نسبت ایک ایسا عقیدہ قائم اور شائع کیا جائے کہ ان احادیث فضائل کی موجودگی اور سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی میں باہم کوئی تضاد و تصادم نہ واقع ہو۔ طریقہ اوّل یعنی کتمانِ فضائل علی و معائب و مثالب صحابہ کا مختصر ذکر ہم ابھی کر یں گے مگر طریقہ دوم اس سے بھی زیادہ مؤثر اور کارگر تھا اور وہ یہ تھا کہ ایک ایسا اعتقاد اپنی اور لوگوں کی ضمیر کو خاموش کرنے کے لئے ایجاد کیا جائے کہ جس کی وجہ سے احادیث فضائل و احکام جانشینی کی موجودگی ہمارے منصوبوں میں خلل انداز نہ ہو لہٰذا قرار دیا گیا کہ آنحضرتؐ کا منصب نبوت بالکل علیحدہ تھا۔ عہد حکومت سے جو احکام آپ منصب نبوت کے متعلق صادر کرتے ہیں وہ ہمارے لئے قابلِ پابندی ہیں لیکن جو احکام آپ نے حکومت کے استقلال و استحکام کے متعلق فرمائے ہیں اور فرماتے رہتے ہیں ان کا تعلق نبوت سے نہیں ہے لہٰذا وہ ہمارے مذہب کے دائرہ سے باہر ہیں۔ اس ہی عقیدہ کی یہ شاخ نکلی کہ آنحضرتؐ کے احکام جو نبوت کے متعلق ہیں وہ سب کے سب قرآن شریف کے اندر جمع ہیں اس کے باہر نہیں ہیں۔ اور قرآن شریف کے ختم ہونے کے ساتھ ہی وہ بھی ختم ہو گئے۔ ان بزرگواروں نے بحث کی کہ حکومت کے متعلق جو آپ کے ارشادات ہیں۔ ان کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو حضرت علی سے بہت محبت تھی اور نیز اپنے خاندان کی عزت و وقار کا خیال تھا۔ لہٰذا آپ چاہتے تھے کہ آپ کے بعد حضرت علی حاکم ہوں لیکن ان احکام کو ماننا یا نہ ماننا ہمارے اختیار میں ہے۔ ان کے نہ ماننے کی وجہ سے ہم اسلام سے خارج نہیں ہو سکتے۔ اس جماعت کے ہر ایک قول و فعل سے یہ اعتقاد ٹپکتا ہے۔

جب منصب نبوت کا اس طرح تجزیہ کر دیا گیا تو نبی کی شان کی تنقیص اس کا لازمی نتیجہ تھی آپس میں ان لوگوں نے زبان سے بھی کہا اور ان کے افعال نے علانیہ ظاہر کر دیا کہ نبی کی حیثیت محض پیغام پہنچانے والے کی سی ہے۔ رسول نے قرآن شریف لا کر ہمارے حوالے کر دیا جس طرح ڈاک کا ہرکارہ یا قبیلوں کا قاصد ہمیں خطوط و پیغام دے جاتا ہے اس کا کام ختم ہو جاتا ہے اور جب ہم نے اتنا مان لیا کہ واقعی یہ شخص خدا کی طرف سے پیغام لانے والا ہے تو بس ہمارا بھی فرض پورا ہو گیا یہ ضروری نہیں کہ ہم اس سے محبت کریں یا اس کا احسان مانیں یا کسی طرح اس کو اپنے اُوپر ترجیح دیں اور جب ہمارا خیال اس کی نسبت یہ ہے تو اس کی اولاد سے محبت کرنے کو اپنا فرض سمجھنا یا اس کی اولاد کو اپنے اوپر ترجیح دینا یا اپنے سے بہتر سمجھنا محض ایک حماقت ہو گی۔ ان بزرگواروں نے سمجھا کہ جب یہ خیالات عام ہو جائیں گے اور لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو جائیں گے تو ہمارا مدعا پورا ہو جائیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا ممکن ہے کہ معترض کہے کہ یہ اعتقاد کس فقہ کی کتاب سے نقل کیا گیا ہے یا اس کا ثبوت کیا ہے

جبر و اختیار

مضبوط ارادے کا ہے۔ وہ نہایت عمدہ سائنسدان اور ریاضی دان بھی بن سکتا ہے اور نہایت دلیر ڈاکو بھی ہو سکتا ہے۔ یہ اس کے ارادہ پر منحصر ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے۔

یہ نہایت دلچسپ مضمون ہے۔ لیکن اگر میں اس کو اور آگے بڑھاتا ہوں تو میرے اوپر الزام طوالت غیر متعلقہ کا عائد ہوتا ہے۔ اتنا بھی میں نے اس وجہ سے کہا کہ وہ لوگ جن کی فطرت میں یزید کی صفات کی طرف میلان و انسیت ہے، یہ کہہ کر یزید کے جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ خدا ہی کی طرف سے مقدر تھا۔ اب میں پھر تاریخی واقعات کی طرف مڑتا ہوں

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہر تاریخی واقعہ نتیجہ ہوتا ہے اپنے پہلے بہت سے گزرے ہوئے واقعات کا۔ ایک آدمی کبھی دنیا کو ہلا دینے والے واقعات پیدا نہیں کر سکتا۔ ہاں دیگر واقعات کے ساتھ مل کر ممد و معاون ہو سکتا ہے آج ایک نہیں ہزاروں بابر ہندوستان میں آجائیں کہیں سلطنت مغلیہ قائم ہو گی؟ اسی طرح اگر یزید کی دل سے یہ خواہش تھی کہ امام حسین کو قتل کر دیا جائے تو سوچنے کی یہ بات ہے کہ اس وقت کی امت اسلامیہ کی اکثریت نے کیوں امام حسین علیہ السلام کے قتل پر اس میں شریک ہو کر یا اس کی طرف سے خاموشی اختیار کر کے رضامندی دے دی وہ لوگ مسلمان تھے۔ دل سے مسلمان تھے۔ روزہ و نماز کے پابند تھے باوجود اس کے اپنے رسولؐ کے نواسے کے قتل پر بھی تلے ہوئے تھے۔ اس معمہ کو حل کیجئے کہ یہ کیوں ایسا ہوا؟ اور تو اور حضرت عبداللہ ابن عباس کو دیکھو۔ عبداللہ ابن عمر و عائشہ نے تو کچھ ذرا تامل بھی کیا یزید کی بیعت کرنے میں۔ لیکن انہوں نے فوراً معاویہ کی زندگی ہی میں یزید کی بیعت کر ڈالی۔ اتنا تو ضرور کیا کہ یزیدی افواج میں شامل نہیں ہوئے اور قتل حسین کو ایک واقعۂ عظیم سمجھتے رہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا انہوں نے اپنا وہ فرض ادا کیا جو اس موقعہ پر ان کے مرتبہ کے صحابی رسول اور ممتاز فرد خاندان بنو ہاشم کو کرنا چاہیئے تھا۔ ان کو اچھی طرح علم تھا کہ حسین اپنے مقتل کی طرف جا رہے ہیں۔ ان کو علم تھا کہ یہ فتنہ بڑھے گا۔ کیا ایسے موقعہ پر ان کو گھر میں ہی بیٹھنا چاہیئے تھا۔ عرب کی حمیت کیا ہوئی؟ ہاشمی شجاعت کو نظر لگ گئی؟ کنبہ داری و رشتہ داری کی محبت کو کیا ہو گیا۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ہاشمی اور اموی رقابت کا نتیجہ تھا۔ ان کی ہاشمی رگِ حمیت بھی حرکت میں نہ آئی۔ ان کی پوزیشن ایسی تھی کہ یہ درمیان

عبداللہ ابن عباس کے طرز عمل پر تبصرہ

میں پڑ کر اگر کوئی غلط فہمی تھی تو اس کو دور کرا سکتے تھے۔ ایک دفعہ اُن کو موقعہ بھی اچھا مل گیا تھا۔ یزید نے ان کو اپنا ہی آدمی سمجھ کر خط لکھا کہ دیکھو حسین مکہ کی طرف چلے گئے ہیں۔ وہاں کچھ خرابی نہ ہو۔ اس کا جواب عبد اللہ ابن عباس نے ان الفاظ میں دیا۔

فکتب الیہ ابن عباس انی لارجوا ان لا یکون خروج الحسین لامر تکرھہ ولست ادع النصیحۃ لہ فی کل ما تجتمع بہ الالفۃ وتطفی بھا النائرۃ فدخل ابن عباس علی الحسین فکلمہ طویلا

یزید کو ابن عباس نے جواب میں لکھا کہ مجھے امید ہے کہ حسین کسی ایسے امر کے لئے نہیں نکلے ہیں جو حضور والا کی مرضی کے خلاف ہو۔ بہر صورت میں حسین کو ان تمام امور کی طرف نصیحت کروں گا کہ جن سے اُلفت بڑھے اور یہ آگ بجھ جاتے۔ اس کے بعد ابن عباس حضرت امام حسین کی خدمت میں آئے اور دیر تک گفتگو کرتے رہے۔

(یہاں وہ تمام نصیحت درج ہے جو آپ نے امام حسینؑ کو کوفہ کی طرف نہ جانے کے متعلق کی)

ابن کثیر شامی :- البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ۔ الجزء السابع۔ صفحہ ۱۶۲۔
کیسا اچھا موقعہ تھا۔ اس سلسلہ میں عبد اللہ ابن عباس یزید سے کہہ سکتے تھے کہ مکہ میں وہ خروج کے ارادہ سے نہیں گئے ہیں۔ تمہارے احکام کی سختی کی وجہ سے گئے ہیں۔ وہ تو جاتے پناہ ڈھونڈھ رہے ہیں۔ یہ سب تمہارے بیعت طلب کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ تم حسین سے بیعت نہ طلب کرو۔ میں حسین کا ضامن ہوتا ہوں وہ تمہاری حکومت کے خلاف کچھ نہ کریں گے۔ خط و کتابت کیا خود دمشق جاتے۔ اور وہاں سے سارے معاملہ کا فیصلہ کر آتے۔ اکیلے نہ جاتے۔ دس صحابیوں کو اور اپنے ہمراہ لے جاتے۔ معمولی بات نہ تھی۔ ان کا ابن عم نواسۂ رسول، ان کا حسینؑ نرغۂ عظیم میں پھنس گیا تھا۔ اس کو جاتے پناہ نہیں ملتی تھی۔ اگر اتنی تکلیف اٹھاتے تو کوئی بڑی بات نہ تھی۔ بڑے بڑے صحابی ابھی موجود تھے۔ یہی نہیں کہ وہ خاموش بیٹھے رہے۔ اور حسین کی مدد نہیں کی۔ ان میں سے کوئی بیچ میں بھی نہ پڑا۔ کہ یزید کو اس کے ارادہ سے باز رکھتا اور نیچ اونچ سمجھاتا۔ ان سب میں ہم کو عبد اللہ ابن عباس سے زیادہ امید تھی اور وہ بھی ایسے نکلے۔ یہ کیوں ایسا ہوا۔ یہ بھی ایک معمہ ہے کہ

ہمیں۔ اس معمہ کے حل کے لئے بھی ہم مولوی شبلی ہی کی مدد لیتے ہیں۔ اپنے الفاروق
حصّہ دوم کے صفحہ ۲۲۸ لغایت ۲۴۳ حاشیہ کے عنوان فقہ کے تمام سلسلوں کے
مرجع حضرت عمرؓ ہیں کے تحت میں لکھتے ہیں :-
ان میں (حضرت علی کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمرؓ ہی کی صحبت سے مستفید
ہوئے تھے اور خاص کر عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن عمر و عبداللہ ابن مسعود
تو ان کے ساختہ و پرداختہ تھے۔ عبداللہ ابن مسعود کا قول ہے کہ عمر کے ساتھ
ایک ساعت بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔ عبداللہ ابن عباس
کو حضرت نے گویا اپنے دامن تربیت میں پالا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اس
پر رشک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت
ہے کہ حضرت عمر مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ اس پر بعض بزرگوں
نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں
کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقعہ نہیں دیتے۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ یہ وہ شخص
ہے۔ جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔

محدث عبدالبر نے الاستیعاب میں لکھا ہے :

کان عمر یحب ابن عباس و یقربہ یعنی حضرت عمر ابن عباس کو
محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمر کی
مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا۔ عبداللہ ابن عباس اس کا جواب دینا چاہتے
لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے۔ حضرت عمر ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ
علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے (خدا کا شکر ہے کہ یہ معلوم ہو گیا
حضرت علی کو تو کم سنی ہی کی وجہ سے روکا گیا تھا۔ مؤلف) کوئی شخص اگر عبداللہ
ابن عباس کے مجتہدات کو حضرت کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آنے لگا۔ کہ
دونوں میں استاد اور شاگرد کا تناسب ہے (دیکھا کس سیاسی تدبر سے بنو ہاشم
میں سے بزرگ ترین فرد کو توڑ کر اپنی طرف کر لیا۔ مؤلف)
محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ شخص تھے۔ جن
پر علم فقہ کا مدار تھا۔ عمر، علی، عبداللہ ابن مسعود، ابی بن کعب، زید ابن ثابت
ابو موسیٰ اشعری۔ . . . . ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علی
کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے صحیح

مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبداللہ ابن مسعود کے ساتھیوں کے سوا حضرت علی
سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
عبداللہ ابن مسعود اور ابو موسیٰ الشعری کو حضرت عمر اکثر تحریر کے ذریعہ سے حدیث
و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے ۔ زید ابن ثابت بھی دراصل حضرت عمر
کے مقلد تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان واقعات سے معلوم ہوگا ۔ کہ صحابہ
میں جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمر کے تربیت یافتہ تھے"۔

اب آپ کو معلوم ہوا کہ کیوں حضرت عبداللہ ابن عباس اور دیگر صحابۂ رسول
خاموش بیٹھے رہے اور امام حسین قتل ہوا کئے ۔ عبداللہ ابن عباس اور دیگر صحابۂ
رسول اچھی طرح جانتے تھے کہ حسین اپنے مقتل کی طرف جا رہے ہیں جیسا کہ ان کی
نصائح سے ظاہر ہوتا ہے اور پھر ان کے بچانے کے لئے ایک انگلی نہیں اٹھائی
یہ کیوں ؟ یہ اس لئے کہ وہ سب حکام سقیفہ کے تربیت یافتہ تھے ۔ اور ان میں اسی
فقہ کا رواج تھا جو انہوں نے جاری کیا تھا۔

اس صحبت و تعلیم نے حضرت عبداللہ ابن عباس کو کیا بنا دیا تھا ۔ یہ معلوم کرنے
کے لئے فقط وہ خط پڑھ لینا کافی ہوگا جو حضرت امیر المومنین نے ان کو اپنی زمانہ حکومت
ظاہری میں تحریر فرمایا تھا ۔ وہ خط ہم نے حصۂ اول طبع سوم کے صفحہ ۷۸۵ لغایت ۷۸۷
پر نقل کیا ہے۔

ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں اور اب پھر ان اصولوں کو دوہراتے ہیں جو حکام
سقیفہ نے اپنے مقلدین کے لئے مرتب کئے تھے اور وہ یہ ہیں :-

(۱) ہماری ہدایت اور ہمارے مذہب کے لئے محض قرآن شریف کافی ہے ۔
جناب رسول خدا جو تمسک اہل بیت کی شرط لگاتے ہیں وہ اسلام کے لئے مضر ہے
اور ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے۔

(۲) قرآن ہی وہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے ۔ جس کی ہم نے اپنی عقل و سمجھ کے
موافق تاویل کی ہے ۔ اس کی تعلیم کے لئے بھی ہم کو اہل بیت رسول کی کچھ ضرورت نہیں ۔

(۳) سلطنت اسلامیہ کے جائز حکمران وہ ہیں جن کو ہم مقرر کرتے ہیں اور کریں گے یہ
ہمارا حق ہے ۔ رسول خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کرنے میں غلطی کی ۔ جناب
رسول خدا کا یہ ارادہ اگر پورا ہو جاتا تو اسلام کے لئے بہت مضر ہوتا ۔

(۴) ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ انتخاب حکمران کے لئے کوئی خاص اصول و

قواعد مقرر کریں۔ موجودہ حکمراں کے دماغ میں جو بھی ترکیب آ گئی اور اُس نے اُس پر عمل کر دیا وہ ہی جائز طریقۂ انتخاب ہو گا۔ اور اس کا مقرر کیا ہوا خلیفہ جائز خلیفہ ہو گا۔

(۵) ہر ایک شخص کو حق حاصل ہے کہ اپنی عقل و قیاس کے مطابق قرآن شریف کی تاویل کرے۔

(۶) علی و اولادِ علی غرضکہ اہلِ بیت رسالت کو ہمارے اُوپر کوئی خاص فوقیت حاصل نہیں ہے وہ اس ہی سلوک کے بلکہ اس سے بدتر سلوک کے مستحق ہیں جو عام مسلمانوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ دیکھو جناب فاطمہ کو ہم نے دربار عام میں آنے پر مجبور کر ہی دیا اور پھر بھی ان کی بات نہ مانی۔ بلکہ ان کو جھوٹا قرار دینے میں ہم نے مضائقہ نہیں کیا۔ قرآن کے معانی سمجھانے کے لئے تعلیم فقہ سنت کے لئے فلاں فلاں آدمی موجود ہیں۔ علی کی کیا ضرورت۔ رسول خدا نے تو خاندانی محبت کے جوش میں کہہ دیا کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا۔ مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَأْتِ عَلِیًّا۔ ۔ ۔ ۔ بھلا کہیں یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ ساری امت میں علی ہی کو قرآن کا علم کامل ہو۔ اور ان کے علاوہ سب ان سے سیکھنے کے محتاج ہوں۔ جتنا یہ اصول جمہوریت کے خلاف ہے اتنا ہی قبائلی خودداری کے منافی ہے۔ ہم علی کو کسی امر میں اور کسی حالت میں ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں۔ رسُول خدا سے رشتہ داری ان کو کچھ فوقیت نہیں بخشتی (دیکھو کتاب ہذا صفحہ ۶۷) ان کی موجودگی میں ہم دوسروں کو قاضی و مفتی مقرر کرتے ہیں۔ علم قرآن کے لئے جس پر ان کو اتنا ناز ہے۔ ہم ان کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔ قرآن شریف ایک نوعمر لڑکے سے جمع کرا کے ان کی خاص طور سے توہین کرتے ہیں۔ ساری امت کو ہمارے اس طرز عمل سے معلوم ہو جانا چاہیئے کہ علی اور اولادِ علی ان میں سے ہر شخص ایک معمولی آدمی کے برابر ہے۔ علی کی ذاتی، نسبی اور مذہبی فوقیت کو نہ تسلیم کرنا ہی جمہوریتی مساوات ہے۔ اور خلافت کے متعلق تو ہم ان کو خاص طور سے گرائیں گے۔ اگر ابو عبیدۃ بن الجراح، خالد بن ولید یا معاذ یہاں تک کہ اگر آج حذیفہ کے غلام سالم بھی موجود ہوتے تو ہم بلے دھڑک ان کو اپنے اختیار سے خلیفہ مقرر کر دیتے۔ لیکن اب علی و عثمان باقی ہیں۔ ان میں بھی ہم شوریٰ اس طرح مقرر کرتے ہیں کہ علی خلیفہ نہ ہوں ان کے مقابلہ کے لئے شام میں ہم نے اموی اقتدار تو قائم کر ہی دیا۔ اب

عثمان بھی جب خلیفہ ہو جائیں۔ گے تو اموی خاندان کا اقتدار ایسا قائم ہو جائے گا کہ علیؑ کے
لئے کچھ گنجائش ہی نہیں رہے گی۔ علی و اہل بیت علیہم السلام کو گرانے کی پالیسی کا
ثبوت اس سے زیادہ اور کیا مل سکتا ہے کہ دیگر صحابہ رسول تو جو آن کر دعویٰ کریں۔
وہ دعویٰ بغیر ان سے حلف و شہادت لیئے ہوئے قبول کر لیا جاتا۔ لیکن اگر دختر رسول
آن کر دعویٰ کرے تو شہادت طلب کی جاتی ہے۔ اور حضرت فاطمہؑ و علیؑ و حسنینؑ دام
ایمن سب کی گواہیوں کو رد کیا جاتا ہے۔ یہ توہین اہل بیت کی آخری حد ہے۔ اس کے
آگے بس پھر کربلا ہی کا درجہ ہو سکتا ہے۔

(۷) جو امر کہ واقع ہو گیا سمجھو کہ خدا اس کا فاعل ہے۔ ہم کو خلافت مل گئی۔ گویا خدا
نے دی۔ علی کو خلافت نہیں ملی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا چاہتا تھا۔ کہ علی کو خلافت
نہ ملے۔

(۸) تمہارا عمل کچھ ہی ہو۔ ایمان سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ اسلام پر اعتقاد
کافی ہے۔ عمل جو جی چاہے کرو۔

یہ وہ تعلیم تھی جو نہایت کوشش سے اُمت کو دی گئی تھی اور اپنے طرز عمل سے
ذہن نشین کرائی گئی تھی۔ اس تعلیم کو تفصیل اور اس کا ثبوت پہلے گزار چکے ہیں۔ اس تعلیم
کی موجودگی میں شہادت حسین علیہ السلام اپنے سے پہلے گزرے ہوئے واقعات کا
قدرتی نتیجہ نظر آتا ہے۔ یزیدی افواج نے اور امت اسلامیہ کی اس جماعت نے جو
حکام سقیفہ کی تعلیم کے زیر اثر تھی اور بقول مولوی شبلی اس کی اکثریت تھی یہ سوچا کہ یزید
ہمارا جائز خلیفہ ان اصول کے مطابق ہے جو سقیفہ بنی ساعدہ کے حکام نے مقرر کئے ہیں
بمجوائے آیت قرآن یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ
وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے ہر ایک حکم کی اطاعت کریں
وہ کہتا ہے کہ حسین نے اس پر خروج کیا ہے اور ہمیں حکم دیتا ہے کہ حسین کو قتل
کریں۔ کیوں نہ ہم اس کے کہنے کو درست تسلیم کریں اور اس کے حکم کو مانیں اس خاندان
کی تو یہ عادت ہی ہے۔ رسولؐ خدا کے انتقال پر بھی جھگڑا ہوا تھا۔ خدا حضرت
عمر کا بھلا کرے کہ انہوں نے خاندان رسالت میں خلافت کو نہ جانے دیا۔ اگر بنی تیم
و بنی عدی و بنو امیہ کے مقابلہ میں علی کو خلافت نہ ملے اور ان لوگوں کی طرف
چلی جائے تو یہ یزید بھی تو بنو امیہ ہی کے خاندان کا ایک فرد ہے۔ پہلی نظائر کی موجودگی
میں ہم سوائے حسینؑ کی مخالفت کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔ نواسہ رسول ہیں ہوا کریں۔ یہ مسلمہ

قائم ہو چکا ہے کہ خاندانی امتیاز کوئی شے نہیں ہے۔ اور رسول خدا کی رشتہ داری خدا کے یہاں کچھ فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ اور نہ اس سے اُن کو ہمارے اُوپر کچھ فوقیت حاصل ہے۔ (معاذ اللہ) حسین کے افعال و اعمال ہی کا نتیجہ ہے کہ اس طرح بے بس ہمارے درمیان میں گھرے ہوئے کھڑے ہیں۔ خدا چاہتا ہے کہ حسین قتل ہوں۔ جب ہی تو ہم کو غلبہ دے رکھا ہے۔ ہم خدا کے ارادے کی تکمیل میں حسین کو قتل کر رہے ہیں۔ جو ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ ان کی والدہ نے بھی (معاذ اللہ) جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ ان کے والد نے بھی گواہی دی۔ خود انہوں نے بھی گواہی دی تھی۔ خدا حضرت ابوبکر کا بھلا کرے۔ انہوں نے ایک نہ سُنی اور فوراً دعویٰ خارج کر کے بتا دیا کہ تم سب (معاذ اللہ) جھوٹے ہو۔ ہم تو (معاذ اللہ) کذاب کے خلاف لڑ رہے ہیں۔

اُوپر کی عبارت کے بعض لفظ ممکن ہے۔ ہمارے ناظرین کو ثقیل معلوم ہوں۔ تو ہم گذارش کرتے ہیں کہ یہ الفاظ ان لوگوں کے خیالات کی تصویر کھینچ رہے ہیں جو قتل حسین کو جائز سمجھتے تھے۔ یہ الفاظ کتنے ہی ثقیل ہوں۔ قتل سے تو ورے ورے ہی ہیں۔ جو انہوں نے کیا اس فقہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جس کا ذکر ہم نے اُوپر کیا اور جو حکام سقیفہ کا مذہب تھا۔ یزیدی افواج کی یہ بحث خلاف منطق نہیں کہی جا سکتی۔ ان پر کیا منحصر ہے جماعت اہل حکومت کے وکلاء یعنی علماء اہل سنت و جماعت یزید کو جائز خلیفہ رسولؐ جانتے ہیں۔ دیکھو تاریخ الخلفاء جلال الدین السیوطی مطبوعہ مطبع مجتبائی صفحہ ۱۲۰ اور بہت سے ان میں سے قتل حسین و اصحاب حسین کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ دیکھو قاضی ابوبکر بن العربی کی کتاب العواصم والقواصم جس کا حوالہ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں دیا ہے۔ دیکھو مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۱۷۔ حکام سقیفہ کے تیار کردہ اسلام کی غلطی اور کمزوری کیسی عیاں ہو گئی۔ جس فقہ کی منطق کے مطابق قتل امام معصوم اس طرح جائز ثابت ہو سکے۔ اس فقہ کی اصلیت معلوم۔ یہ مسخ شدہ اسلامی فقہ ہمیشہ ایسے مسائل میں ناکامیاب ثابت رہتا ہے۔ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں شہادت حسین پر بحث کرتے ہوئے یہ نتائج نکالتے ہیں۔

یزید فاسق و فاجر تھا۔ امام حسینؑ نے بنو ہاشم کی طاقت پر بھروسہ کر کے اس کے خلاف خروج کیا۔ امام علیہ السلام نے یزید پر خروج کرنے میں غلطی کی۔ لیکن یزید ان کو قتل کرنے میں حق بجانب نہ تھا۔ صحابہ رسولؐ میں سے جابر ابن عبداللہ، ابو سعید

بعض مورخین یزید کو جائز خلیفہ مانتے ہیں۔

ابن خلدون کی بحث

خدری، انس بن مالک، سہل بن سعد اور زید بن ارقم یزید کے پاس تھے۔ انہوں نے امام حسین کی مدد نہ کی اور وہ مدد نہ کرنے پر راستی پر تھے۔ یزید کے خلاف انہوں نے لڑنا جائز نہ سمجھا اور وہ اس امر میں حق پر تھے۔ کیوں کہ لڑنے میں خونریزی ہوتی اور پھر غالباً یزید ہی کامیاب ہوتا۔ حضرت امام حسین سے خروج کرنے میں غلطی ہوئی۔ لیکن آپ کا قتل کیا جانا قرین صواب نہ تھا۔ آپ نے اجتہادی غلطی کی۔ آپ کے قتل کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شافعی یا مالکی کسی حنفی کو نبیذ پینے پر سزا دے کیونکہ نبیذ تو حنفی کے اجتہاد سے جائز ہے۔ اس پر سزا کیسی۔ ان صحابہ کے نزدیک نہ تو حضرت امام حسین کو یزید سے لڑنا چاہیے تھا اور نہ یزید کو آپ پر فوج کشی کرنی چاہیے تھی۔ دیکھو مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۱۶۔ اردو ترجمہ مقدمہ حصہ دوم صفحہ ۹۰ و ۹۱۔

اس منطق کی کمزوری کیسی نمایاں ہے ظاہر ہے کہ صحیح و حق بات نہیں کہنا چاہتے۔ یہ ہے وہ فقہ جس پر اپنے اسلام کا دارومدار رکھا ہے۔ اگر حسین نے غلطی کی تو یزید نے ان کو دفع کرنے میں اور قتل کرنے میں وہ کیا جو اس کی جگہ ہر ایک حاکم ملک کرتا۔ اور اگر یزید نے امام حسین کو قتل کرنے میں غلطی کی تو حسین حق پر تھے لیکن صاف بات نہ ادھر کہیں گے نہ ادھر۔ نبیذ کی مثال خوب ہے۔ اگر حنفی پی لے تو اس کے لئے کوئی سزا نہیں۔ اور اگر مالکی و شافعی پی لے تو اس کے لئے حد ہے اس اسلام کو آپ نے دیکھا۔ نبیذ تو شے ایک ہی ہے۔ اگر حنفی پیتا ہے تو پی لے۔ کچھ مؤاخذہ نہیں اگر شافعی و مالکی پی لے تو اسے سزا ملنی چاہیے۔ یہ کوئی ان بزرگواروں سے نہیں کہتا کہ بھئی حق بھی کوئی چیز ہے۔ اگر نبیذ پینا جائز ہے۔ تو سب کے لئے جائز ہے۔ حضرت عمر نے چونکہ نبیذ پی تھی۔ اسے جائز سمجھتے ہیں۔ رسول خدا نے نبیذ کو حرام بتایا اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ ابن زبیر اور عبدالملک کے معاملہ میں بھی ان کی فقہ ان کو خوب چکر دیتی ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں۔

ابن زبیر نے بھی خروج کرنے میں وہ ہی غلطی کی جو امام حسین کر چکے تھے۔ اور انہوں نے بھی اپنے قبیلے کی شوکت و طاقت کے اندازہ میں دھوکا کھایا۔ کیونکہ بنی اسد کبھی بنو امیہ سے طاقت میں زیادہ نہ تھے۔ عبدالملک کی خلافت پر اجماع ہو چکا تھا۔ وہ بڑا عادل تھا۔ ابن عباس و ابن عمر نے عبداللہ بن زبیر کو چھوڑ کر عبدالملک سے بیعت کی۔ بہرصورت اپنے اپنے اجتہاد پر دونوں حق پر تھے۔ تعیین حق دونوں میں سے ایک

کی طرف نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ کون حق پر تھا۔ اور کون ناحق پر اور جو کچھ قتل و ہلاک ہوا وہ قواعد فقہیہ کے مطابق ہوا۔

مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۱۷-۲۱۸۔ اردو ترجمہ مقدمہ ابن خلدون حصہ دوم۔ صفحہ ۹۲۔

جو صحابہ امام عادل یعنی امام حسین کی مدد برخلاف یزید طاغی کے نہیں کرتے۔ وہ بھی حق پر ہیں۔ کیونکہ مدد کرنے سے جنگ ہوتی اور جنگ سے قتل و فساد ہوتا۔ جو لوگ ایک امام عادل یعنی عبد الملک کی مدد دوسرے امام عادل یعنی ابن الزبیر کے خلاف کرتے ہیں اور قتال و فساد میں حصہ لیتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔ یہ ہے مسخ شدہ فقہ اسلام جس کو مرتب کرنے کے لئے حکام سقیفہ مجبور ہو گئے۔ خود علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ ہمیں اس طرح کہنا چاہیئے کہ دونوں حق پر تھے۔ ان کے الفاظ ہیں:۔

هذا هو الذی ینبغی ان تحمل علیه افعال السلف من الصحابة والتابعین فهم خیار الامة واذا جعلناهم عرضة للقدح فمن الذی یختص بالعدالة۔

یعنی یہ اس وجہ سے کہ ہم کو چاہیئے کہ ہم صحابہ و تابعین کے افعال کو حق پر ہی مبنی سمجھیں کیونکہ وہ امت کے نیک لوگوں میں سے ہیں اور اگر ہم ان ہی پر نکتہ چینی کرنے لگیں گے۔ تو پھر کس کو عادل مانیں۔

صفحہ ۲۱۸

سارا بھانڈا پھوٹ گیا۔ یہ خلاف عقل و نقل بحث اس وجہ سے کی جاتی ہے۔ کہ صحابہ و تابعین پر کسی کی نکتہ چینی نہ کرنی چاہیئے۔ خواہ وہ کچھ ہی کریں۔ احکام رسول کو مانیں، نہ مانیں۔ جس کو جی چاہے۔ خلافت دیں۔ حق دار کو حق نہ دیں۔ تو کچھ حرج نہیں۔ یہ اصول فقہ کیوں مرتب ہوئے؟ وہ ہی سقیفہ بنی ساعدہ اس کا موجب ہے۔ حکام سقیفہ کے اعمال و افعال کی پردہ پوشی کے لئے یہ مرتب ہوئے ہیں۔ دوسرے مذہب کے لوگوں کے لئے ایک مضحکہ خیز صورت حالات پیدا کر دی کہ، دو خلفاء آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ہزاروں کا کشت و خون ہو رہا ہے۔ لیکن لوگوں کا منہ بند ہے۔ یہ نہ کہو کہ کون حق پر ہے۔ کون ناحق پر ہے۔ جس کا جدھر جی چاہے۔ اُدھر شامل ہو جائے۔ قتل ہو گا۔ فساد ہو گا۔ اور دونوں کو اس کا ثواب ملے گا۔ حق کی کیا مٹی پلید کی گئی ہے۔ یہ ہے وہ فقہ اسلام جس کو سقیفہ سازی نے پیدا کیا۔

بحث مندرجہ بالا سے قتل حسین علیہ السلام کی مندرجہ ذیل وجوہات معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) ایک وجہ تو وہ غلط فقہ اسلام و تاویل قرآن تھی۔ جو حکام سقیفہ کی کرداروں پر پردہ ڈالنے کی غرض سے ایجاد کیے گئے تھے۔ اور حکومت سقیفہ کا براہ راست نتیجہ تھے۔

(۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ حکام سقیفہ اپنی طاقت و حکومت قائم رکھنے کے لئے اور اپنی خلافت کی جوازیت لوگوں میں ظاہر کرنے کی غرض سے اس بات پر مجبور تھے۔ کہ حضرت علی بلکہ کل اہل بیت رسالت کو جہاں تک ہوسکے لوگوں کی نظروں سے گرائیں اور لوگوں کو ان سے الفت کرنے سے روکیں۔ اس اصول کی بناء پر یزید کے وقت تک وہ لوگوں کی نظروں میں اس حد تک گر چکے تھے۔ کہ ان میں اور عام لوگوں میں کچھ فرق نہ تھا۔

(۳) یزید کے ہاتھ امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے تلوار کس نے دی تھی۔ یہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں اب اس کو دوہرانے کی ضرورت نہیں کہ یزید کی حکومت حکام سقیفہ کی پالیسی کا براہ راست نتیجہ تھی۔ خاندان یزید کو اسی وجہ سے ہی بڑھایا گیا۔ کہ بنی ہاشم دبے ہوئے رہیں۔ ہر ایک شخص نے اپنی طاقت کے مطابق ان کو دبایا۔ یزید میں جتنی طاقت و ہمت تھی اس کے مطابق دبا کر سانحۂ کربلا پیدا کیا۔

(۴) حضرت عمرؓ نے شوریٰ کی تجویز کرتے وقت اشارہ کیا۔ بلکہ حکم دیا۔ کہ اگر ان مدعیانِ خلافت کو قتل کر دیا جائے۔ تو ہمیشہ کے لئے کانٹا نکل جائے گا۔ یزید نے کچھ نہیں کیا۔ صرف اس حکم کی پیروی کی۔ حضرت عمر نے کہا۔ کہ جو اکثریت خلافت کے خلاف ہو۔ اس کو قتل کر دیا جائے۔ دیکھو حالات شوریٰ۔ یزید نے بھی یہی کیا کہ میری خلافت پر اکثریت راضی ہو گئی ہے۔ لہٰذا جو اس کو نہ مانے اسے قتل کر دو۔ امام حسین نے نہ مانا انہیں قتل کر دیا۔

(۵) حکومت سقیفہ اور اس کے بعد کی آنے والی ہر ایک حکومت نے حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ کی موجودگی کو اپنے لئے باعثِ خطرہ خیال کیا۔ اسی تاسی میں یزید نے حسین کو خطرناک سمجھا۔

(۶) حکومت سقیفہ نے لوگوں کو حضرت علیؑ کے زیرِ اثر آنے سے حتی المقدور روکا۔ ان کو نہ کوئی بڑا منصب و عہدہ دیا۔ اور نہ اُن کے ماتحت کوئی فوج کی نتیجہ یہ ہوا کہ جب یزید نے ان سے زور آزمائی کا ارادہ کیا۔ تو یہ بالکل بے طاقت

ہم معترض کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ یہ اعتراض اس زمانہ کے حالات وواقعات پر غور نہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے جناب رسول خدا کے بستر مرگ پر ان کے سامنے یہ کہہ دینا کہ یہ شخص تو ہذیان بک رہا ہے۔ ہم اس کی بات نہیں سنتے۔ کتاب اللہ کو جس طرح ہم سمجھیں گے وہ ہی ہمارے لئے کافی ہے ہر ممکن موقعہ پر نبی پر اعتراض کرنا اس کے اکثر افعال پر اس قدر نکتہ چینی کرنی کہ اُسے کہنا پڑے کہ علی سے میں نے خلوت میں راز کی باتیں نہیں کیں بلکہ خدا نے کی ہیں۔ میں نے تمہارے دروازے بند نہیں کئے اور نہ علی کا دروازہ کھلا رکھا بلکہ یہ جو کچھ حکم ہے خدا کی طرف سے ہے اور آخر کار گستاخی اور نکتہ چینی کی حد یہاں تک پہنچ جائے کہ نبی کو مجبور ہو کر کہنا پڑے کہ بخدا تم ایسے ہی لوگ ہو جیسے بنو اسرائیل تھے جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارے لئے ایسا ہی خدا بنا دو جیسا کہ کفار کا ہے۔ یہ تو جہالت کا آخری درجہ ہے۔ جناب رسول خدا کے احکام میں اپنے زمانہ خلافت میں ترمیم و تنسیخ کرنی بہت سے احکام کو بدل دینا۔ پھر یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن ہماری رائے کے مطابق نازل ہوتا ہے یہ سارے واقعات اگر اس عقیدہ کو ثابت نہیں کرتے تو ہم حیران ہیں کہ ثبوت کس کو کہتے ہیں۔ لیکن ہم تو اس سے بھی زیادہ ثبوت دینے کو تیار ہیں۔ اوّل تو حضرت عمر کا اقبال ہی ہے ہم نے جو مکالمے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید الجزء الثالث صفحہ ۹۷ و ۱۱۴ سے نقل کئے ہیں ان میں حضرت عمر نے اپنا عقیدہ اچھی طرح کھول کر بیان کر دیا ہے۔ غور سے تو اسے پڑھو۔ حضرت عمر کیا کہتے ہیں۔ جناب رسول خدا علی کی محبت کے مبالغہ میں حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف ہو جاتے تھے اسلام کی بہبودی کا خیال نہیں رہتا تھا مجھ میں اسلام کی ہمدردی ان سے زیادہ تھی لہذا میں تحریر وصیت میں مانع ہوا۔ جناب رسول خدا کی یہ خواہش خداوند تعالےٰ کی رضامندی کے خلاف تھی۔ اب اور کیا رہ گیا ہم نے تو حضرت عمر کے اس عقیدہ کو اس طرح کھول کر بیان بھی نہیں کیا جتنا خود انہوں نے بیان کر دیا۔ اس اقبال کے سامنے کس مزید ثبوت کی ضرورت ہے۔ ان مکالموں کی صحت مسلمہ ہے۔ علامہ جرجی زیدان ان مکالموں کی بناء پر دلیل قائم کرتے ہیں اور علامہ شبلی ان کو اپنے مورخانہ تبصرہ کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

تمدن اسلام :۔ حصہ اوّل علامہ جرجی زیدان۔ اردو ترجمہ صفحہ ۵۰

الفاروق :۔ مولوی شبلی حصہ دوم صفحہ ۲۰۸، ۲۰۹

حضرت عمر کے اقبال سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا مگر اس ضمن میں ہم علامہ شبلی کے خیالات و نتائج تحقیقات سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانہ میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت

حضرت عمر کا قول و عمل جناب رسول خدا کے خلاف تھا۔

اور ہنستے تھے۔

جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ اس کی تصدیق اس خط سے ہوتی ہے۔ جو معاویہ نے محمد بن ابی بکر کو ان کے خط کے جواب میں لکھا ہے۔ معاویہ کے اس خط کو بہت سے مورخین نے بیان کیا ہے۔ اس خط و کتابت کو ہم نے اس کتاب کے صفحہ ۲۷۶ لغایت ۲۸۰ پر نقل کیا ہے۔

غرضکہ کارروائی سقیفہ کے بڑے بڑے نتائج یہ تھے:۔

۱۔ حکومتِ الٰہیہ کا قیام جناب رسالت مآب کے بعد نہ ہو سکا۔

۲۔ تحقیر و توہینِ رسولؐ و آلِ رسولؐ۔

۳۔ آلِ رسولؐ پر مظالم کے سلسلہ کی ابتداء و انتہا۔

۴۔ جناب رسول خداؐ کے اسلام کی ترمیم و تنسیخ۔

۵۔ اس کے بدلہ احکام سقیفہ کے بنائے ہوئے اسلام کا رواج۔

۶۔ امت کی اکثریت کی نظروں میں جناب رسول خداؐ کی جگہ حضرت عمر نے لے لی۔

۷۔ دین کو چھوڑ کر دنیا کی طرف رجوع کرنا۔

۸۔ لوگوں میں دولت و ثروت کی ساری خرابیاں پھیلنا۔

۹۔ دنیاوی وجاہت کے لئے دین کو فروخت کرنا۔

۱۰۔ عصیاں و نافرمانی رسولؐ

۱۱۔ سانحہ کربلا وغیرہ وغیرہ۔

باب نوزدہم ۱۹

حضرت علیؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے طرزِ عمل پر تبصرہ

جو لوگ کہ ان حضرات کے طرزِ عمل کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے یا عمداً سمجھنا نہیں چاہتے۔ وہ اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان تینوں بزرگواروں کے طرزِ عمل آپس میں متضاد

تھے اور ایک اصول پر مبنی نہ تھے۔ حضرت علی نے بیعت نہ کی اور پھر بیعت کرلی۔ حضرت امام حسن نے بیعت نہ کی اور پھر بیعت کرلی۔ حضرت امام حسین نے بیعت نہ کی یہاں تک کہ جان دے دی۔ وہ اس سے یہ بھی نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں۔ کہ حضرت علی اور امام حسن اپنے اپنے مخالفین یا دلیلوں کو بیعت کے قابل اور حق بجانب سمجھتے تھے تب ہی تو بیعت کرلی۔ یزید واقعی فاسق و فاجر تھا لہٰذا امام حسین نے بیعت نہ کی۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تقیہ جائز ہوتا تو امام حسین ضرور تقیہ کے طور پر بیعت کرلیتے۔ کیسی کم فہمی کی بحث ہے۔ اگر ذرا بھی غور کرتے تو اس طرح نہ کہتے۔

ان تینوں حضرات کے طرزِ عمل پر غور کرنے میں ایک اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے۔ وہ یہ کہ ان سب کا مقصدِ حیات اسلام کو فائدہ پہنچانا اور اس کو ضرر سے بچانا تھا۔ یہ ان کو پرواہ نہ تھی کہ ہم تلوار اٹھائیں تاکہ لوگ ہم کو شجاع سمجھیں یا ہم تلوار نہ اٹھائیں تاکہ ہماری جان بچ جائے۔ جب تلوار اٹھانا اسلام کے لئے مفید ہوگا۔ تو تلوار اٹھائیں گے جب خاموش رہنا اسلام کے لئے مفید ہوگا تو خاموش رہیں گے۔ چونکہ اسلام کا مفاد ان تینوں بزرگوں کے زمانہ میں مختلف صورتِ حالات کا مقتضی تھا۔ لہٰذا آپ ان کے طرزِ عمل میں بظاہر اختلاف پائے جاتے ہیں۔ دراصل یہ بھی اختلاف نہیں ہے۔

سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ و امام حسنؑ نے بھی شروع شروع تو بیعت نہ کی۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی بیعت کی ہی نہیں۔ وکلائے اہلِ حکومت یعنی مورخین اہلِ سنت و جماعت کہتے ہیں کہ چھ مہینہ کے بعد جب جناب فاطمہ کا انتقال ہوگیا۔ تو حضرت علیؑ نے یہ دیکھ کر کہ لوگوں کا رُخ ان کی طرف سے پھر گیا ہے۔ حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی۔ گویا یہ تو ان کے کہنے سے ثابت ہوگیا کہ حضرات شیخین کو حقدارِ بیعت سمجھ کر بیعت نہیں کی۔ لوگوں کے رُخ اپنی طرف سے پھرتے ہوئے دیکھ کر بیعت کی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ جو سبب بیعت بنایا ہے یہ ہی غلط ہے۔ لوگوں کے چہرے آپ کی طرف سے پہلے ہی کون سے خوش نما تھے۔ جواب جناب فاطمہؑ کی وفات کے بعد وہ بدنما ہوگئے۔ جناب فاطمہؑ کے دورانِ حیات ہی میں ان کی کونسی عزت کی گئی تھی۔ گھر کو ان کے جلانے کی دھمکی دی دربارِ خلافت میں جاکر فدک مانگنے پر ان کو مجبور کیا۔ اور آخر کار جھوٹا ٹھہرا کر نامراد واپس کر دیا۔ اب کس حسنِ سلوک کی ان سے امید ہوسکتی تھی۔ کہ اس کے لئے بیعت کرلیتے۔ حالاتِ سقیفہ کے تحت میں ہم نے ثابت کیا ہے۔ کہ حضرت علیؑ نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا کہ میں تم سے بیعت نہ کروں گا۔

حضرت عمرؓ کے فقہ میں تو عقل کو بڑا دخل ہے کیا آپ کی عقل کہتی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ اپنی قسم کو جھوٹا کر دیں گے۔ صرف اس لئے کہ لوگ آپ سے جلے مرجی کرنے لگے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب چھ مہینہ تک بیعت نہ کرنے والے حالات چلے آئے اور اب کوئی نئی بات جانبین کے حقوق میں واقع نہیں ہوئی جو بیعت کی مقتضی ہوتی تو وہ ہی بیعت نہ کرنے والی حالت قائم رہی۔ جب علت ہی نہیں تو معلول کیونکر پیدا ہوگا۔ یہ تو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ کا ذکر ہے۔ جناب عمرؓ کے حالات میں کہیں نہیں پایا جاتا کہ حضرت علیؑ سے بیعت طلب کی اور انہوں نے بیعت کر لی۔ حضرت عثمانؓ سے تو بیعت کا نہ ہونا ظاہر ہے۔ جب حضرت عثمان سے بیعت ہونے لگی تو بغیر بیعت کئے ہوئے آپ یہ کہتے ہوئے باہر چلے آئے کہ یہ پہلا ہی دن نہیں ہے۔ کہ تم نے ہمارے اوپر ناجائز غلبہ کر لیا۔ خدا ہی اس کا فیصلہ کرے گا غرضکہ حضرت علیؑ کا بیعت کرنا ثابت نہیں۔ اسی طرح امام حسنؑ نے بذریعہ خط و کتابت معاویہ کو حکومت سپرد کی۔ اس وقت وہ دونوں ایک جگہ تھے ہی نہیں جو بیعت کا سوال اٹھتا۔ جب معاویہ کوفہ میں آیا۔ عمرو بن العاص کی انگیخت سے امام حسنؑ کو خطبہ کے لئے کہا۔ تو اس خطبہ میں آپ نے اپنا حق ظاہر کیا کہ معاویہ ڈر گیا۔ اور ان کو ممبر سے اُتار لیا۔ بیعت کا ذکر اس وقت آیا ہی نہیں۔

بہرصورت بہ توجہ عنایت اہل حکومت کے علماء و مورخین بھی مانتے ہیں کہ شروع میں حضرت علیؑ و امام حسنؑ نے بیعت نہیں کی۔ بعد میں حالات سے مجبور ہو کر، نہ کہ ان لوگوں کو حقدار بیعت سمجھ کر بیعت کر لی۔ جب بیعت میں جبر و اکراہ کا شائبہ آ گیا تو بیعت ناجائز ہو گئی۔ ایسی بیعت کس کام کی۔ نہ بیعت کرنے کے برابر ہے۔ گویا بیعت نہ کرنا دونوں حضرات کے حالات میں جزو مشترک ہے۔

اگر ہم بغرض بحث اس مجبوری کی بیعت کو مان بھی لیں تو کچھ فائدہ نہیں۔ اگر حضرت علیؑ و امام حسنؑ آخر تک لڑتے رہتے تو اس کا نتیجہ تو وہ ہی ہوتا جو کربلا میں ہوا۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اس وقت امام زین العابدینؑ تو بچ رہے۔ اب تو ایک بھی نہ بچتا اور ان دونوں بزرگواروں کی بہادری چتوڑ کے ان راجپوتوں سے زیادہ نہ سمجھی جاتی جنہوں نے جب لڑائی کا رُخ بدلتے ہوئے دیکھا تو عورتوں اور بچوں کو چتا پر جلا کر خود تلوار لے کر اکبر کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ بہتیروں کو مار کر مر گئے۔ یہ سمجھا جاتا کہ ملکو کی خاطر جان دے دی۔ اسلام کے لئے جو فائدہ امام حسینؑ کی شہادت سے

امام حسینؑ کے حالات کا فرق یہ ہے کہ نہ ان کے پاس حکومت تھی نہ وہ طالب ہوا وہ نہ ہوتا۔ امام حسینؑ کی شہادت کا مابہ الامتیاز ہی حکومت تھے محض حاکم وقت کو بیعت کا اصرار تھا۔ امام حسینؑ کی شہادت کا مابہ الامتیاز ہی یہ ہے کہ انہوں نے محض حق کے لئے، یزید کو فاسق و فاجر ظاہر کرنے کے لئے، یزید کے طور طریق کو خلافِ اسلام ظاہر کرنے کے لئے جان دے دی۔ حضرت علیؑ و امام حسنؑ کی شہادت میں کسی کا خیال اس طرف نہ جاتا بلکہ یہی کہا جاتا کہ حکومت کی خاطر لڑتے لڑتے مر گئے۔ اتنی بڑی قربانی فقط اس بات کے لئے کرنی جس سے اسلام کو کچھ فائدہ نہ ہوتا، صریحاً مضر تھی لہٰذا نہ کی گئی۔ حضرت علیؑ اگر تلوار اٹھاتے تو بہت ہی شدید خطرہ تھا۔ قلتِ انصار تو ظاہر ہی ہے۔ فتح بھی ناممکن تھی۔ علانیہ عداوت کا نتیجہ یہ ہوتا کہ فریق مخالف حضرت علیؑ کے حق میں قطعاً انکاری ہو جاتا اور مشرکین سے مل کر صاف صاف کہنے لگتے کہ جناب رسالت مآبؐ نے تو حکومت حاصل کرنے کے لئے یہ کھیل کھیلا تھا۔ دیکھو بنو ہاشم نے جو اپنے یہاں سے اس چیز کو نکلتے ہوئے دیکھا جو ان کے محمدؐ کا مقصد حیات تھا تو نہ رہا گیا اور اس کے لئے اپنی جان تک دے دی، اگر واقعی اسلام کی تبلیغ کے لئے محمدؐ اور علیؑ کفار سے لڑے تھے۔ تو اسلام تو موجود ہے کیوں حکومت کے لئے خود بھی جان دی ان بچوں کو بھی قتل کروا دیا۔ اب جو تم ان لوگوں کی کتابوں میں فضائل علیؑ و آل علیؑ پاتے ہو وہ نہ ملتے اور اُمت اُن کو بھول گئی ہوتی۔ جو اقوال و پند و نصائح حضرت علیؑ کے ہیں وہ بھی نہ شائع ہوتے غرضکہ جس طرح اہل شام نے امام حسینؑ کو باوجود اُن کی اس حالت کے معاذ اللہ باغی و خلیفہ رسول کا دشمن گردن زدنی سمجھا، تمام حکومت سقیفہ اور ان کے حامی موالی سب حضرت علیؑ کو ایسا ہی سمجھتے۔ اور اسلام اس طرح مٹتا کہ کوئی جانتا بھی نہ کہ کبھی تھا۔ حضرت علیؑ نے اپنے کئی خطبوں میں دو وجوہات بتائی ہیں۔ کہ آپ نے کیوں اپنا حق لینے کے لئے تلوار نہیں اُٹھائی۔ قلتِ انصار، اور حفظِ اسلام یہ دو وجوہات آپ نے بتائی ہیں کہ کیوں آپ نے اپنا حق بزورِ شمشیر نہیں لیا۔

اب رہا تقیہ۔ تو تقیہ کا اصول تو ان لوگوں نے نہ کبھی سمجھا ہے اور نہ سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ تقیہ کے لئے دو شرائط ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنی جان کسی اور ذریعہ سے بچتی ہی نہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ ہمارے تقیہ سے ہماری جان سے بہتر شئے کا نقصان نہ ہوتا ہو۔ اگر امام حسینؑ تقیہ کر لیتے تو اسلام کو ضرر عظیم پہنچتا۔ وہ تقیہ جائز کہاں ہوتا۔ اور تقیہ تو نہ حضرت علیؑ نے کیا۔ اور نہ امام حسنؑ نے کیا۔ ہمیشہ اپنا حق جتاتے رہے جنہوں نے اُن کا حق لیا تھا اس کو ظاہر کرتے رہے۔ جو کیا وہ صرف اتنا تھا کہ قلتِ ناصرین کی وجہ سے اپنا حق

بزورِ شمشیر نہ لیا۔ اگر شمشیر اس حالت میں اُٹھاتے تو حق تو نہ ملتا۔ اسلام کو نقصان پہنچتا سو الگ۔ اتنی سی بات کو کتنا زیادہ بنا لیا ہے۔

تقیہ کا ذکر نکل آیا تو کہنا پڑا۔ اہلِ سنّت و جماعت تو ایک طرف بہت سے شیعہ حضرات بھی اس کا مفہوم نہیں سمجھے ہیں اور اپنے عمل سے واقعی تقیہ کو ایک مضحکہ خیز چیز بنا دیا ہے۔ اگر کوئی افسر سُنّی ہو گا یا دوستوں کا مجمع سنّیوں کا ہو گا تو کوشش کریں گے کہ اپنے تئیں سنّی ظاہر کریں۔ شیعوں کی مساجد میں نہیں جائیں گے۔ مجالس میں شرکت نہیں کریں گے اپنے شیعہ بھائی کو فائدہ پہنچاتے ہوئے ڈریں گے۔ یہ تقیہ نہیں ہے یہ تو بزدلی ہے آج کل ہندوستان میں اپنا مذہب ظاہر کرنے سے نقصانِ جان کا اندیشہ نہیں ہے اور نہ ان عام حالتوں میں نقصانِ جان ہوتا ہے۔ نقصانِ جان تو ایک طرف نقصانِ مال بھی ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی تلافی نہ ہو سکے۔ اور اس بے جا تقیہ سے اپنی جماعت کمزور نظر آتی ہے۔ مخالفین کو پتہ تو چل جاتا ہے کہ یہ شیعہ ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ جماعت بڑی کمزور ہے۔ دلیر بن کر نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب جماعت کو نقصان پہنچا اور اپنا فائدہ نہ ہوا۔ تو یہ تقیہ کب جائز ہو سکتا ہے۔ اس معاملہ میں احمدی حضرات سے سبق حاصل کرو۔ جماعت کی تنظیم کے متعلق اُن کا طرزِ عمل ایسا صحیح و مضبوط ہے کہ معمولی لوگ دل سے سمجھنے لگتے ہیں کہ واقعی یہ مذہب درست ہے۔ جب ہی تو ان کے افراد میں ایک دوسرے سے بڑی ہمدردی ہے۔ اور بغیر تحقیقاتِ مذہب کے اُن کی جماعت میں ایزادی ہوتی رہتی ہے ان کی جماعت کے ایک نہایت اعلیٰ افسر سے میری عرصہ سے واقفیت ہے۔ اپنی جماعت کے چپراسی سے لگا کر اعلیٰ ترین افسر کی مدد اس طرح کرتے ہیں جس طرح کوئی اپنے بچے کی مدد کرتا ہے محض ان کی اس صفت سے میرے دل میں ان کی بہت زیادہ عزّت ہے اُن کے اس طرزِ عمل سے اُن کی جماعت میں ترقی ہو رہی ہے۔ شیعہ جماعت میں ترقی ہو تو تحقیقاتِ مذہب ہی کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ اور اتنی اہمیت کسی کسی کو دیتا ہے۔ عوام النّاس تو ظاہر کی باتوں پر جاتے ہیں اور اُن عوام النّاس پر اس جماعت کا کیا اثر ہو گا۔ جس کے افراد اپنے شیعہ ہونے سے شرماتے ہوئے نظر آئیں۔ اپنے مذہب کو ظاہر بھی نہ کریں۔ اور اُن کے اُوپر اکثریت کا رعب غالب ہو۔ اور اپنے ڈر اور کمزوری پر تقیہ کا پردہ ڈال کر اپنے دل کو تسلی دے لیں۔ یہ لوگ تقیہ پر عمل کرنے والے کیا ہوئے بلکہ تقیہ کو بدنام کرنے والے ہوئے؛

باب بستم

آخری حجّت

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ۔ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ہ (پارہ ۳۔ سورۃ آل عمران ۷۴)

کہہ دے اے رسولؐ کہ اے اہل کتاب آؤ اور اس امر پر مجتمع ہو جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے . . . . اے اہل کتاب تم کیوں حق پر باطل کا پردہ ڈالتے ہو اور حق چھپاتے ہو۔ درآنحالیکہ تم جانتے ہو۔ کہ حق کدھر ہے)

میں کہہ چکا جتنا کہا گیا۔ اگرچہ دل میں اب بھی بہت کچھ کہنے کی حسرت باقی ہے لیکن جتنا میں نے کہا ہے وہ بھی حق کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے ناظرین جنہوں نے یہ کتاب پہلے صفحہ سے یہاں تک پڑھ لی ہے۔ اچھی طرح واقف ہو گئے ہوں گے کہ امر واقعہ کیا ہے۔ جو انقلاب کہ جناب رسول خُدا کے نظام کو درہم برہم کرنے کے لئے اُٹھا تھا۔ کامیاب تو ہو گیا۔ لیکن اس کامیابی میں اسلام کے لئے صدہا خرابیاں مضمر تھیں۔ اس نے حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے امکان کو کھو دیا۔ اور جیسا ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ حکام نے اپنے عقل و قیاس کے ماتحت لا کر اسلام کو بالکل مسخ کر دیا۔ اور ان صریح احکام شرعی کو اپنے عقل و قیاس کے ذریعہ سے متغیر کیا ہے۔ جن کی صراحت کی وجہ سے رسولِ خُدا کے بعد کسی بشر کے لئے جائز نہ تھا کہ ایسا کرے۔ اور ان لوگوں کا قیاس تو بہت ہی عامیانہ تھا۔ اور ان امور میں ان کی عقل بھی محدود تھی۔ احکام شرعی کی کنہہ تک نہیں پہنچتے تھے۔ اور چونکہ ان احکام کی کنہہ اُن کی سمجھ میں نہیں آتی تھی جھٹ ان صریح احکام شرعی کو بدل ڈالتے تھے۔ بہت سے ایسے امور کا تذکرہ ہم باب ہفتدہم میں کر چکے ہیں۔

میرا پہلے خیال تھا کہ جو کچھ شہادت گزر چکی ہے اس کی بناء پر ایک فیصلہ آخری اس امر تنقیح طلب پر لکھوں کہ کیا جناب رسول خدا نے اپنا کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ اس طرح تقریباً اُسی ہر ایک بات کو دُہرانا پڑے گا۔ جو میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ اگر زندگی باقی ہے۔ تو ایک رسالہ انگریزی میں اس مضمون پر لکھ کر شائع کروں گا۔ وہ رسالہ لکھ تو لیا ہے۔ اس کا چھپوانا اور شائع کرنا باقی ہے۔ معلوم نہیں یہ میری قسمت میں ہے یا نہیں ہے بہر صورت جتنا کام مجھ سے لینا خداوند تعالیٰ کی مشیت میں تھا وہ لیا گیا۔ اور جتنا کام اور لینا مقصود ہے اس کو اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک خوشی سے کئے جاؤں گا۔ اب میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ آخری باب میں وہ آخری حجت پوری کر دوں جو خداوند تعالیٰ نے منکرین رسول سے ان الفاظ میں بیان فرمائی تھی:-

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

(پارہ ۳ سورۃ آل عمران ع ۷)

اے اہل کتاب آؤ اس امر کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ یعنی خداوند تعالیٰ اور رسولان سلف کو تو تم بھی مانتے ہو۔ اور ہم بھی مانتے ہیں اس معیار پر ہی اس رسول کی صداقت کا امتحان کر لو۔ اسی طرح سے میں اپنے بھائیوں سے کہتا ہوں کہ آؤ محمد مصطفیٰ کو تم بھی سچا رسول اور نبی مانتے ہو اور ہم بھی سچا جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ہمارے اور تمہارے درمیان میں امور مشترک ہیں۔ اُن ہی کی بناء پر اس امر متنازعہ کا فیصلہ کر لو کہ آیا جناب رسول خدا نے اپنا خلیفہ کسی کو مقرر کیا یا نہیں اور اگر کیا تو کس کو کیا۔ اب دیکھتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اس سوال زیر بحث کے متعلق کون کون سے امور مشترک ہیں۔ یہ بحث ٹھنڈے دل سے سُنیئے۔ تعصب سے کچھ فائدہ نہیں۔ سب کو مرنا ہے اور اپنے اعتقادات کا حساب بھی خدا کے یہاں دینا ہے وہاں تعصب جو کہ محض ایام جاہلیت کا تقاضا ہے کچھ کام نہیں کرے گا۔ بل نتبع ما وجدنا علیہ آباءنا جاہلیت ہی کا فقرہ ہے وہ اُمور جو مشترک ہیں یہ ہیں:-

(۱) جناب محمد مصطفیٰ سچے رسول و نبی تھے۔ جن کو خداوند تعالیٰ نے مقرر کر کے دُنیا کی ہدایت کے لیئے بھیجا تھا۔

(۲) خدا و جناب رسول خدا میں رابطۂ وحی قائم تھا۔ اور خداوند تعالیٰ اکثر امور مہم میں جناب رسول خدا کو بذریعہ وحی ہدایت بھیجتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عائشہ کے معاملہ میں

آنحضرتؐ متردد ہوئے تو اس خاص الزام سے حضرت عائشہ کو بری کرنے کے لئے وحی آئی۔ قیدیان بدر و نماز برجنازۂ منافق پر بھی اسی طرح وحی آئی۔ اور بہت سے اُمور ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے اور ان سے بذریعہ وحی جناب رسول خداؐ کو مطلع کیا گیا۔ شب معراج میں فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی کے الفاظ اپنے اندر ایک داستان طویل مضمر رکھتے ہیں۔ امام حسینؑ کی شہادت سے بھی بذریعہ وحی آنحضرتؐ کو مطلع کیا گیا۔ جس کا ذکر ہر ایک حدیث کی کتاب میں ہے

(۳) خلافت یعنی جانشینیٔ رسول امور اہم میں سے ہے۔ جس پر آنے والی نسلوں کی ہدایت کا سلسلہ مبنی ہے۔ یہ ایسا اہم مسئلہ ہے کہ حضرات شیخین جسد اطہر رسولؐ کو بے غسل و کفن چھوڑ کر اس کے فیصلے کے لئے چلے گئے۔

(۴) ہر ایک خلیفہ نے اپنا جانشین مقرر کرنا اپنا فرض اہم سمجھا جیسا کہ الفاروق میں حضرت عمرؓ کی نسبت لکھا ہے۔

(۵) ہر ایک خلیفہ کو احساس تھا کہ مرنے کے بعد مجھ سے پوچھا جائے گا کہ امتِ محمدؐ کی ہدایت کے لئے کیا انتظام کر کے آئے ہو۔ اور اس پر کس کو والی و حاکم مقرر کیا ہے۔

(۶) جناب رسول خداؐ نے فرمایا۔ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ یہ حدیث مسلمہ فریقین۔

(۷) محبت آل رسولؐ امت پر فرض کی گئی ہے۔ بلکہ اجر رسالت یہی مقرر ہوا ہے۔

(۸) نصرانیوں سے آخری حجت و مباہلہ کے لئے اپنی مدد کے واسطے اپنی آل ہی کو آنحضرتؐ لے کر نکلے تھے۔

(۹) ہر ایک نبی نے اپنے بعد کے آنے والے ہادی کو مقرر کیا ہے یا اُس کی پیشگوئی کی ہے۔

(۱۰) آیۂ تطہیر میں حضرت علی و فاطمہ اور حسنین علیہم السلام شامل ہیں۔ اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان شامل نہیں ہیں۔ یہ امر تو مسلمہ ہے۔ ازواج کے متعلق آپ تنازعہ کرتے ہیں۔ اُس امر کی اس بحث میں ضرورت نہیں۔

(۱۱) حضرت علیؑ نے کبھی کفر نہیں کیا۔ اور نہ اصنام کے آگے سجدہ کیا۔ برعکس اس کے حضرات شیخین کی صنم پرستی اور کفر دوستی مسلمہ ہے۔

(۱۲) بچپن سے حضرت علیؑ زیر نگرانی رسول رہے۔ اور ان سے براہِ راست تعلیم و تربیت حاصل کی۔

(۱۳) آئمہ اثناء عشر والی حدیث۔

(۱۴) عقلِ سلیم جس کی طرف قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ان میں سے امور ۱ تا ۱۲ پر ہم پہلے بہت لکھ چکے ہیں۔ اب حدیث آئمہ اثناء عشر کو بیان کرتے ہیں

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا حماد بن اسامہ ثنا مجالد عن عامر عن جابر بن سمرة السوائی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی حجۃ الوداع ان ھذا الدین لم یزال ظاھرا علی من ناواہ لا یضرہ مخالف ولا مفارق حتی یمضی من امتی اثنا عشر خلیفۃ قال ثم تکلم بشیئ لم افھمہ فقلت لابی ما قال قال کلھم من قریش

(اسماء رواۃ عربی میں دیکھو) جابر بن سمرۃ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں میں نے جناب رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ دینِ اسلام اپنے بدخواہوں پر غالب رہے گا۔ اس کو مخالف اور مرتد کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ یہاں تک کہ اس میں میری امت سے بارہ خلیفہ نہ ہو چکے ہوں۔ جابر کہتے ہیں کہ پھر کچھ آنحضرتؐ نے کہا۔ جو میں نہ سمجھا میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آنحضرتؐ نے کیا کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے کہا کہ وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الخامس صفحہ ۸۷، ۸۸، ۹۰، ۹۲ تا ۱۰۱

یہ حدیث ہر ایک مستند حدیث کی کتاب میں موجود ہے۔ دیکھو۔

صحیح مسلم مطبوعہ بمیدان الازہر بمصر الجزء السادس صفحہ ۳۔

صحیح بخاری مطبوعہ مصر الجزء الرابع صفحہ ۱۶۵ کتاب الاحکام باب الاستخلاف

مشکوٰۃ باب مناقب قریش

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شاہ عبدالحق محدث دہلوی الجزء الرابع صفحہ ۶۱۹۔

مسند ابی داؤد الطیالسی مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔ الجزء الثالث۔ صفحہ ۱۰۵۔ حدیث ۷۶۷۔

مستدرک علی الصحیحین للحاکم الجزء الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ ذکر جابر بن سمرۃ السوائی صفحہ ۶۱۰ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔

ارجح المطالب۔ عبید اللہ امرتسری ایڈیشن چہارم صفحہ ۴۳۲-۴۴۳۔
کنز العمال۔ علی المتقی۔ الجزء السادس صفحہ ۱۹۰۔
فتح الباری شرح صحیح بخاری۔ پارہ ۲۹۔ صفحہ ۶۲۹۔
عمدۃ القاری جلد ۱۱۔ صفحہ ۴۳۹۔
روضۃ الاحباب جلد ۳۔ صفحہ ۲۷۔
تاریخ الخلفاء۔ جلال الدین السیوطی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۱۱
ینابیع المودۃ۔ شیخ سلیمان بلخی والقندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ
مودۃ القربیٰ۔ سید علی بن شہاب الہمدانی
جامع ترمذی

کلھم من قریش کے فقرہ کے اوپر ہم **البلاغ المبین** حصہ اول طبع ثالث ص ۶۱۲ تا نہایت ۶۱۹ پر بحث کر چکے ہیں کہ دراصل یہ فقرہ کلھم من عترتی تھا۔ بہر صورت یہاں اس بحث کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہاں تو ہم اتنے کے اوپر ہی بحث کریں گے جتنا یہ لوگ مانتے ہیں۔ لیکن ایک روایت وہاں نقل ہونے سے رہ گئی۔ جس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں اس سے ہمارے دعویٰ کی تقویت ہوتی ہے۔

حدثنا عبید اللہ حدثنی ابو الربیع الزھرانی سلیمان بن داؤد و عبید اللہ بن عمر القواریری و محمد بن ابی بکر المقدمی قالوا ثنا حماد بن زید ثنا مجالد بن سعید عن الشعبی عن جابر بن سمرۃ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعرفات وقال المقدمی فی حدیثہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب بمنیٰ وھذا اللفظ حدیث ابی الربیع فسمعتہ یقول لن یزال ھذا الامر عزیزاً ظاھراً حتی یملک اثنا عشر

(اسماء رجال عربی میں دیکھو) جابر بن سمرۃ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات پر خطبہ دیا اور ہم نے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ یہ دین قوی اور مضبوط رہے گا۔ جب تک کہ اس کے بارہ خلیفہ نہ ہو جائیں۔ جابر بن سمرۃ کہتے ہیں کہ لفظ کلھم کے بعد لوگوں نے بیہودہ بکنا شروع کر دیا۔ اور میں نہ سن سکا۔ کہ کلھم کے بعد کیا فرمایا۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ اے ابا جان۔ کلھم کے بعد کیا فرمایا انہوں نے کہا کہ کلھم کے بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من قریش۔ یعنی وہ سب

سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے۔ اس مسئلہ کو جس قدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کر دیا کسی نہیں کیا۔ خراج کی تشخیص۔ جزیہ کی تعیین۔ ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمر کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے ان پر قدح کی ہے لیکن امام شافعی نے یہ نکتہ نظر انداز کر گیا۔ کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے"

الفاروق مطبوعہ مفید عام آگرہ۔ سنہ ۱۹۰۸ - حصہ دوم صفحہ ۲۰۸، ۲۰۹

اس تحریر سے بہر صورت ہمارا مدعا تو پورا ہو گیا۔ جو ہمارا دعویٰ تھا وہ ہی آپ کے وکیل کی بحث ہے لہذا جو ہم ثابت کرنا چاہتے تھے وہ ثابت ہو گیا۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ اس تحریر کو ہم ایک عالم و مورخ کی تحقیق کا نتیجہ کہیں یا سقیفہ بنی ساعدہ کے وکیل کی حمایتی بحث۔ صاف ظاہر ہے کہ جس وقت علامہ شبلی یہ لکھ رہے تھے ان کی نظر سقیفۂ بنی ساعدہ پر تھی۔ اس عقیدہ پر تنقیدی نظر ہم باب ہفتم میں ڈالیں گے یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ منصب نبوت کا دائرہ کس کی پرکار سے کھینچا جائے گا ابھی علامہ شبلی اور امام شافعی میں اختلاف ہو گیا۔ ایک کہتا ہے کہ یہ امور دائرہ نبوت کے اندر ہیں دوسرا کہتا ہے باہر ہیں، کون فیصلہ کرے۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاشرتی امور تو قطعاً اس دائرہ کے باہر ہیں۔ خراج کی تشخیص اور جزیہ کی تعیین بھی منصب نبوت کے اندر نہیں ہیں یہ دونوں امور حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ علامہ شبلی اور حضرت عمر کے نزدیک حکومت دائرۂ نبوت سے باہر ہے ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ لیکن مولوی شبلی کی یہ بحث ہم کو بہت خاردار جھاڑیوں میں لے جاتی ہے۔ معاشرتی امور منصب نبوت سے باہر ہیں۔ اکل و شرب و تزویج و وراثت معاشرتی امور ہیں۔ لہٰذا یہ سب دائرۂ نبوت سے باہر ہوئے۔ حکومت دائرہ نبوت سے باہر ہے۔ لہذا جہاد جس کے ذریعہ سے حکومت حاصل ہوئی۔ دائرہ نبوت سے باہر ہے۔ اس بحث کی بناء پر یہ کہنا پڑے گا کہ جو احکام ان امور کے متعلق ہیں وہ منصب نبوت میں نہیں آتے کسی کی غلطی سے قرآن شریف میں داخل ہو گئے ہیں۔ خوب شراب پیو۔ جہاد وں سے خوب بھاگو۔ شادیاں جتنی اور جس طرح کرو، سب جائز۔ جس سے چاہو زنا کرو، خدا کے یہاں تو باز پرس ہوگی نہیں۔ ہاں اگر کسی انسان نے تم کو دیکھ لیا اور تمہارا فعل مجموعہ تعزیرات کے اندر آگیا اور ثابت بھی ہو گیا، گواہوں کو تم نہ توڑ سکے تو دو چار سال کی قید سہی۔ ہمیشہ کی جہنم سے تو آزادی ہوئی۔ یہ ہے وہ اسلام جو اس عقیدے سے پیدا ہوتا ہے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا یہ تو ثابت ہو گیا۔ کہ یہ عقیدہ حضرت عمر اور ان کی جماعت کا تھا اور وہ یہ عقیدہ حضرت علی کی مخالفت کی وجہ سے ایجاد کرنے پر مجبور ہو گئے۔ خود علامہ شبلی مانتے ہیں کہ اس عقیدہ کے موجد حضرت عمر تھے لہذا نہایت اطمینان قلب کے

کلہم ثم لغط القوم و تکلموا فلم افہم
قولہ بعد کلہم فقلت لابی یا ابتاہ مابعد
کلہم قال کلہم من قریش۔

قریش میں سے ہوں گے [illegible]
روایت میں ہے کہ یہ خطبہ بمقام منیٰ
دیا گیا تھا۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الخامس صفحہ ۹۹۔

اپنے آخری ایام میں جب جناب رسول خدا اہل بیت کے متعلق کچھ فرمایا کرتے تھے۔ تو یہ لوگ غل غپاڑہ اور بیہودہ کلامی ہی شروع کر دیا کرتے تھے چنانچہ قضیہ قرطاس کے وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس شور و شغب سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ کلہم من عترتی فرمایا ہو گا کہ غل شور شروع کر دیا۔ خود من قریش من قریش کہنے لگے۔ بہر صورت یہاں قریہ فقط جملہ معترضہ ہی تھا۔ کلہم من عترتی کی بناء پر ہم بحث نہیں کریں گے۔ البلاغ المبین حصہ اول کے صفحہ ۶۱۳ پر ہم نے عبد اللہ ابن مسعود سے ایک روایت نقل کی ہے جو اس حدیث کی موید ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ عبد اللہ ابن مسعود کہتے ہیں۔ کہ ہم نے جناب رسول خدا سے دریافت کیا کہ اس امت میں کتنے خلیفہ ہوں گے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے موافق بارہ ہوں گے۔ (دیکھو مسند احمد حنبل الجزء الاول۔ صفحہ ۳۹۸، ۴۰۶)

یہ امر توجہ کے قابل ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ دین اسلام قوی و مضبوط رہے گا حکومت اسلام کو نہیں فرمایا۔ یعنی ان بارہ خلفاء کے زمانہ میں دین اسلام قوی و مضبوط رہے گا۔ حکومتیں تو اسلام میں بڑی بڑی ہوئیں لیکن جتنی سلطنت و حکومت زیادہ طاقتور ہوتی تھی اتنا ہی دین زیادہ کمزور ہوتا تھا۔ اس کی شہادت میں سید ابوالحسن ندوی کو پیش کرتے ہیں:۔

یہ حقیقت ہے کہ خلافت امویہ یا عباسیہ کے عروج کا زمانہ اور ولید، عبد الملک، ہارون، مامون اور عبد الرحمن الناصر کا عہد اصولی حیثیت سے معیار اور مستند نہیں ہے ان لوگوں کے لئے صحیح ہو گی جو اسلام کے معنی "اسلامی تمدن" سمجھتے ہیں اور اسلامی تمدن سے ان کی مراد بغداد و قرطبہ، دمشق و غرناطہ کا تمدن ہوتا ہے، وہ اسلام کی ترقی کو میناروں کی بلندی، فن تعمیر کی ترقی اور فنون لطیفہ کی سرپرستی سے ناپتے ہیں۔ لیکن جو سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک علمی روحانی اخلاقی اور معاشرتی مذہب ہے۔ ان کو اس کی ترقی بغداد و قرطبہ کے عالی شان دار الخلافہ اور سربفلک مسجدوں کے بجائے مدینہ کے کچے جھونپڑوں میں نظر آئے گی۔

سیرۃ سید احمد شہید سیکنڈ اڈیشن صفحہ ۲۱ و ۲۲
اب تو معلوم ہو گیا کہ اسلام کی طاقت و عروج کے کیا معنی ہیں اور آنحضرتؐ کی حدیث
صحیح کا بھی علم ہو گیا۔ لیجئے ہم آپ ہی پر چھوڑتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں سے لے
کر ان بارہ خلفاء کا نام ہمیں بتا دیں۔ اگر آپ کے علماء کا اتفاق ان بارہ پر ہو گیا۔
تو ہم سمجھیں گے۔ کہ آپ کا دین صحیح ہے اور اگر نہ ہو سکا تو پھر آپ ہمارے ہاتھ
پر دین حقہ کے لئے بیعت کریں۔ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری
میں مندرجہ ذیل بارہ خلفاء اسلام شمار کرتے ہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاویہ،
یزید، عبدالملک بن مروان بعد قتل ابن الزبیر، ولید، سلیمان، یزید، ہشام عمر بن
عبدالعزیز، اور ولید بن یزید بن عبدالملک۔ انہوں نے سلیمان و یزید کے درمیان
میں شک کیا ہے۔ لہٰذا ان دو کو ایک گنا گیا ہے۔ جلال الدین سیوطی اس طرح
گنتے ہیں :۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسن، معاویہ، ابن الزبیر، عمر بن عبدالعزیز،
مہتدی عباسی مہدی عباسی۔ ان کے علاوہ دو منتظر ہیں یعنی آنے والے ہیں۔ اُن میں
سے ایک تو محمد مہدی اہل بیت رسولؐ میں سے ہوں گے اور ایک کوئی اور

(دیکھو تاریخ الخلفاء مطبع مجتبائی صفحہ ۱۱ و ۱۲)
جو اصول انہوں نے ان خلفاء کے شمار کرنے میں اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ جس خلیفہ
کو تمام دنیائے اسلام نے خلیفہ مان لیا۔ وہ تو اس فہرست میں آ گیا۔ جس پر تمام
دنیائے اسلام کا اتفاق نہ ہوا وہ اس فہرست میں نہیں آئے گا۔ خواہ کتنا ہی
نیک اور عادل اور باحشمت کیوں نہ ہو۔ اسی وجہ سے مامون و ہارون عباسی اس میں
نہیں آتے ہیں اور یزید جیسے خلیفہ آ گئے۔ جس یہی بات اس تنازعہ کو فیصلہ کرنے
کے لئے کافی ہے کہ دکلائے حکومت سقیفہ بارہ خلفاء نہیں گنوا سکتے۔ اور اگر
گنوائیں گے۔ تو یزید و ولید جیسے زانی و فاسق و فاجر آ جائیں گے۔ یزید کے کارنامے سب
جانتے ہیں۔ ولید وہ صاحب ہیں جو شراب میں مخمور رہا کرتے تھے اور دایہ کے سامنے
اپنی جوان لڑکی سے زنا کر کے فخر کیا کرتے تھے۔ یہ ہیں اس حکومت الٰہیہ کے خلفائے
الٰہیہ جس کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے جناب رسالت مآبؐ مبعوث ہوئے تھے
کسی شے یا شخص کا عشق انسان کو اندھا کر دیتا ہے اور محبوب کے عیوب و نقائص کو
آنکھوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔ اگر یہ حکومت الٰہیہ کے خلفاء ہیں تو حکومت فرعونیہ
کے خلفاء کیسے ہوں۔ چونکہ وہ اصول جو سقیفہ میں انتخاب خلیفہ کے لئے مقرر

کئے گئے تھے ایسے ہی حکام پیدا کر سکتے تھے۔ لہٰذا آپ لوگ ان حکام کو جائز خلیفہ ماننے پر مجبور ہو گئے صورت حالت یہ پیدا ہوئی کہ یزید کو فاسق، فاجر اور قاتل امام معصوم بھی کہتے جائیں گے اور اُسے خلفائے الٰہیہ کی فہرست میں بھی جگہ دینے پر مجبور ہوں گے۔ شراب و زنا کو بُرا سمجھیں گے۔ لیکن زانی و شرابی حاکم کو جائز خلیفۃ اللہ مانیں گے۔ آخر اس عقلِ سلیم کو کیا ہو گیا۔ یہ کیوں اس مشکل میں پھنسے۔ وجہ ظاہر ہے جناب رسولِ خدا نے جس طرح اپنے جانشین مقرر کر دئے تھے۔ اُن کو تو انہوں نے مانا نہیں۔ اپنے پاس کوئی مقررہ اصول نہیں تھا۔ جس کی رُو سے خلیفۂ رسول مقرر کر دیتے۔ لہٰذا جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول رائج ہو گیا۔ اور چونکہ اس اصول کے بنائے ہوئے پہلے خلیفہ جائز تھے لہٰذا جو بعد میں آئے سب جائز سمجھے گئے۔ برعکس اس کے کسی اثنا عشری بچہ سے پوچھ لو۔ راہ چلتے ہوئے کہ جناب رسولِ خداؐ کے بارہ خلفاء کون ہیں۔ فوراً فر فر آپ کو بتا دے گا۔ اور آپ کے بڑے بڑے علماء کا بھی اتفاق اس امر پر نہیں ہے۔

اب آؤ دیکھیں کہ جو امور ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہیں۔ ان پر غور کرنے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے

جناب رسولِ خدا سچے نبی تھے۔ خداوند تعالےٰ نے تمام انسانوں میں سے ان کو منتخب کرکے بھیجا تھا۔ خداوند تعالےٰ میں اور اُن میں رابطۂ وحی قائم تھا۔ آنحضرتؐ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہ تھا۔ دنیا کو آپ کے بعد صدیوں قائم رہنا تھا۔ اس سے پہلے تمام انبیاء و مرسلین نے اپنے جانشین خود بحکم خداوندی مقرر کئے تھے۔ اپنی امت کو اپنے بعد کے آنے والے ہادی کا پتہ اچھی طرح بتا دیا تھا۔ جانشینئ ختم المرسلین کا مسئلہ بہت اہم تھا۔ اتنا اہم تھا کہ صحابہ کرام ماسوائے بنو ہاشم کے جسدِ اطہر رسولِ خداؐ کو بے غسل و کفن چھوڑ کر اس کی تجویز کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے۔ آنحضرتؐ کے بعد کے ہر ایک خلیفہ کو اس کا احساس تھا اور اپنا جانشین خود مقرر کرتا تھا۔ یا اس کے لئے ایسی قیود و حدود والی شرائط لگا دیتا تھا۔ کہ گویا اس نے خود ہی مقرر کیا ہے۔ وہ خلیفہ یہ بھی جانتے تھے۔ کہ اُن کے مرنے کے بعد خُدا اُن سے پوچھے گا۔ کہ تم نے امت محمد پر اپنے پیچھے کس کو حاکم و والی مقرر کیا۔ حضرت عائشہؓ نے سب سے پہلے حضرت عمرؓ سے یہ کہا کہ اپنا جانشین مقرر کرتے جاؤ تاکہ فساد نہ ہو۔ ان تمام امور کی موجودگی میں آپ کا یہ عقیدہ کہ جناب رسولِ خدا نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں فرمایا۔ اور اپنے بعد کے آنے والے

ہادی کا نشان نہیں دیا۔ کہاں تک قابل قبول ہو سکتا ہے سب کو آنحضرتؐ کی جانشینی کی اہمیت کا احساس تھا۔ لیکن خود جناب رسولِ خداؐ کو اس کا احساس نہ تھا۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ حضرت عمر کا قول ہے۔ کتاب خدا تمام امت کے لئے ہر امر پر ہمیشہ کے لئے کافی ہے۔ لیکن وہ کیا کافی ہوئی کہ جس میں جانشینیٔ رسولؐ کا ہی تذکرہ نہیں حالانکہ یہ وہ مسئلہ ہے کہ اسلام میں تلوار محض اس ہی مسئلہ پر کھینچی۔ اگر یہ مسئلہ نہ ہوتا۔ تو مسلمان آپس میں نہ لڑتے۔ لیکن آپ کے مولویوں کے عقیدہ کے مطابق خدا اسے بھی فروگذاشت ہو گئی۔ اور جناب رسولِ خداؐ سے بھی۔ کیا آپ اس کا یقین کرتے ہیں۔ عقلِ سلیم تو یہ کہتی ہے کہ ضرور جناب رسولِ خداؐ کو بھی اس کا احساس تھا اور سنتِ ماضیہ کے مطابق خداوند تعالےٰ نے آپ کے بعد کے ہادی کو مقرر کر کے اس کے اعلان کرنے کا حکم آپ کو دیا ہو گا۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ۔ ہر ایک زمانہ میں ایک امام ہونے کا خیال آپ کے دل میں گزرا تھا۔ اُمت کو اتنی تاکید شدید اس امام کی معرفت کی کی۔ کیا یہ خیال میں آتا ہے۔ کہ آپ نے اپنے بعد کے امام کو نہ بتایا۔

اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ جب آپ کا عقیدہ عدم استخلاف کا غلط ثابت ہوا تو آپ تو نہیں کہہ سکتے کہ آپ کے حکام میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ کیونکہ اگر کیا ہوتا۔ تو آپ اپنے اس امام کو کہتے کہ جناب رسولِ خداؐ نے جانشین مقرر کیا پھر یہ نہ کہتے کہ کسی کو مقرر نہیں فرمایا۔ اور نہ پھر سقیفہ بنی ساعدہ کی ضرورت رہتی۔ فرمایئے علیؑ کے سوا کوئی اور ہو سکتا تھا۔ جب نبوت کی شہادت و تصدیق کی ضرورت ہوئی تو آنحضرتؐ علیؑ کو لے گئے تھے۔ دعوت ذی العشیرہ میں کہہ چکے تھے۔ کہ علی میرا وزیر اور خلیفہ ہے۔ اور بہت سی باتیں ہیں۔ کس کس کو بیان کریں۔ صرف آیۂ تطہیر ہی کو لو۔ یقیناً اس میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ شامل نہیں تھے۔ اور حضرت علیؑ شامل ہیں۔ حضرات شیخین کا فرقہ بچے تھے۔ کفر ظلم عظیم ہے۔ جو اس کا مرتکب ہو چکا ہو وہ معصوم تو نہیں رہتا خواہ اس کا گناہ خدا بخش دے۔ یہ آیۂ تطہیر ناقابل تردید ثبوت ہے اس بات کا کہ حضرت علیؑ ایک ظلم بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی حکومت عدل کامل کا نمونہ ہوتی۔ ایک غلط فقہ کا حکم بھی نہیں دے سکتے تھے۔ ایک غلط تاویل قرآن شریف کی نہیں بتا سکتے تھے۔ اُن

سے بہتر کون ہادیٔ دین ہو سکتا۔ اگر غور کرو تو آیۂ تطہیر ہی سب کچھ فیصلہ کر دیتی ہے
آنحضرتؐ کو خلیفہ بھی مقرر کرنا تھا۔ اس تقرر کی اہمیت کا احساس بھی تھا۔ تو فرمایئے کہ علی
کو چھوڑ کر کہاں تلاش کرتے۔ آپ کا انصاف کیا کہتا ہے۔ آیۂ مودت بھی تو قرآن
شریف میں ہے۔ امت پر اُن کی محبت فرض ہے۔ یہ اتنا بڑا فرض ہے کہ اجر رسالت
کی ادائیگی اس میں مضمر ہے۔ حُبِّ خدا و حُبِّ رسولؐ کا جو مطلب ہے وہی اُس کا
مطلب ہے۔ حُبِّ خدا و حُبِّ رسول کا رُکنِ اعظم اطاعت ہے۔ اگر آپ اُن کے احکام
کی اطاعت ہی نہ کریں گے تو محبت کیسی۔ بلکہ محبت خالص و حقیقی ہونے ہی اطاعت کا
مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس سے حُبِّ مجازی بھی مستثنیٰ نہیں۔ آپ خدا کے احکام
کی اطاعت نہ کریں۔ نہ نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں نہ اس کا ذکر کریں۔ غرضکہ جو جو
احکام اس نے دیئے ہیں اُس کی خلاف ورزی کریں۔ حدود اللہ کی اطاعت نہ کریں
محرمات شرعی سے نکاح شروع کر دیں۔ خوب زنا کریں۔ شراب پیا کریں۔ کیا پھر بھی آپ
حُبِّ خدا کا دعویٰ کریں گے۔ کیا کوئی شخص یہ کہنے والا پیدا ہو جائے گا کہ آپ کو خدا
کی محبت ہے۔ عشقِ مجازی ہی کو لو۔ کیا آپ اپنے محبوب کی خواہشوں کے خلاف کچھ کر سکتے
ہیں۔ اگر کر سکتے ہیں تو عاشق صادق نہیں۔ یہ بھی کوئی محبت ہے کہ فدک مانگا تو وہ نہ
دیا۔ ہزار ہا کوششیں کر کے مسندِ حکومت چھین لی۔ شوریٰ میں ایسا حکم دے دیا
کہ قتل ہی ہو جائے تو بہت اچھا۔ اسی جوشِ محبت میں خانۂ فاطمہ کو جلانے چلے حضرت
علی کو قتل کی دھمکی دی۔ انہوں نے قبرِ رسولؐ پر فریاد کی کہ اے بھائی مجھے ان لوگوں نے
بہت ذلیل کیا۔ اور قریب تھا کہ قتل کر ڈالتے۔ جناب فاطمہ فریاد کر رہی ہیں۔
کہ میں تم دونوں کی شکایت اپنے بابا سے کروں گی۔ تم نے مجھے بہت اذیت دی ہے
مرتے دم تک اُن سے گفتگو نہ کی اور جنازے سے بھی اخراج کا حکم دیا۔ کیا اچھے
محبت کے مظاہرے جانبین سے ہو رہے ہیں۔ غور تو کرو کس طرح آلِ رسولؐ کو اذیت
دی گئی۔ کس طرح ان کی تحقیر کی گئی۔ کس طرح اُن کے حقوق چھینے گئے۔ اور پھر محبت کا دعویٰ
کرنے والے کیوں نہ دعویٰ کریں جب اُن کو عقل کے پورے اس دعوے کے ماننے والے
مل جائیں۔ لیکن عقل پر اُن کی ماتم کیا جائے جو کہتے ہیں کہ واقعی حضرات شیخین عاشقانِ
آلِ رسولؐ تھے۔ سب کچھ تو حضرات شیخین کی محبت میں بدل دیا۔ اب عشق کی تعریف
بھی بدل ڈالو۔ چونکہ انہوں نے مودۃ قربیٰ نہیں کی۔ اس لئے اجر رسالت ادا نہیں
کیا۔ اجر رسالت ادا نہیں کیا تو وہ مسلمان کیونکر ہو سکتے ہیں کجا کہ جانشینِ رسولؐ

اور حق دار حکومت سمجھے جائیں۔
کچھ بارہ آئمہ والی حدیث پہ ہی منحصر نہیں ہے۔ یہاں تو یہ حالت ہے کہ اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی۔ ان بزرگوں کے مذہب اور طرز عمل کے مطابق کوئی اصول ہی مقرر نہیں ہے۔ حکومت حاصل کرنے میں جو تدبیر موقع اور وقت پر کارگر معلوم ہوئی فوراً اس کے مطابق ایک اصول مقرر کرکے اس کو استعمال کر لیا پھر کوئی ایسا موقع آیا کہ ایسی تدبیر کی ضرورت ہوئی کہ اس میں پہلے اصول کے خلاف چلنا پڑتا ہے۔ تو فوراً اس اصول کو نظر انداز کرکے اس تدبیر پہ عمل کر لیا۔ یہ نہ دیکھا کہ یہ تدبیر ہمارے پہلے اصول کے خلاف ہے۔ اگر یہ دیکھتے تو موقع نکل جاتا دنیاوی حکومت تو اس طرح حاصل ہو گئی۔ لیکن یہ حکومت الٰہیہ اور مذہب حقہ کی شان نہیں ہے۔ حق اٹل ہوتا ہے۔ اس کے اصول و مبانی تغیر و تضاد سے بالاتر ہوتے ہیں۔ وہاں کے اصول تو ایسے ہوتے ہیں کہ پھر ان میں تضاد ناممکن ہے۔ ایک اصول قائم ہو گیا کہ حکومت الٰہیہ کے لئے حاکم و ہادی موجودہ خلیفہ خدا کے حکم سے منتخب کرتا ہے۔ بس دیکھ لو۔ مذہب حقہ میں کبھی اس کے خلاف نہ پاؤ گے۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ کہ امام و ہادی کو تو موجودہ ہادی نے منتخب کیا اور دوسرے کا انتخاب لوگوں کی رائیوں پر چھوڑا گیا۔ اصول قائم ہو گیا کہ قرآن شریف کی صحیح تاویل صرف ہادیان دوارثان علم لدنی ہی جانتے ہیں۔ اب ایسا کبھی نہ ہوگا۔ کہ ہم صحیح تاویل قرآن کے لئے ان کے سوا کسی اور کی طرف رجوع کریں یا وہ ہادی دین خود ہی کہے کہ علم قرآن سیکھنا ہے تو فلاں صحابی کے پاس جاؤ۔ علم فقہ سیکھنا ہے تو فلاں کے پاس جاؤ۔ اور اپنے پاس کسی کو نہ بلائے۔ مذہب حقہ کا ہادی اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہوتا ہے۔ نہ اس کے اوپر کبھی شیطان چڑھے۔ اور نہ وہ کبھی وہ غصہ سے ایسا مغلوب ہو جائے۔ کہ لوگوں سے کہے کہ جب میری یہ حالت ہو۔ تو میرے پاس نہ آیا کرو۔ بھلا غور تو کرو۔ خدا نے عقل کس دن کے لئے دی ہے وہ ہادی ہی کیا جس پہ شیطان غالب ہو جائے۔ مذہب حقہ میں کوئی حاکم، ہادی یا امام کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو خواہ وہ علی ابن ابی طالب ابو الائمہ ہی کیوں نہ ہوں یہ نہیں کہے گا کہ محمد مصطفٰےؐ نبی برحق کے فلاں احکام قابل اطاعت ہیں اور فلاں احکام ہم ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اس کہنے کو کفر کے مرادف سمجھے گا۔ کہ رسولؐ خدا نے فلاں حکم اپنی خواہش نفسانی کی پیروی میں دیا تھا۔ چونکہ میں ان سے زیادہ ہمدرد اسلام تھا۔ اسلام کی محبت و ہمدردی کی وجہ

سے وہ حکم چلنے نہ دیا۔ علی ابن ابی طالب اُسدن اپنی موت کو اپنی زندگی پر ہزار بار ترجیح دیتے اگر کبھی بھولے سے بھی جناب رسولِ خداؐ کے متعلق ان کے منہ سے نکل جاتا کہ یہ شخص تو بیماری سے مغلوب ہو کر بکواس بک رہا ہے۔ دینِ حقہ کے اصول کے مطابق نبیؐ برحق جب بولتا ہے اور جو کچھ بولتا ہے وہ حق ہوتا ہے۔ اور خداؐ کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ وحی ہوتا ہے۔

برخلاف اس کے حکومت سقیفہ والوں کے مذہب کو ملاحظہ فرمائیے۔ جناب رسولؐ خداؐ نے حضرت علی کے حق میں وصیتِ خلافت تحریر کرنے کے لئے بسترِ بیماری پر قلم، دوات طلب فرمایا تو یہ کہہ کر مانع ہوئے کہ یہ شخص تو بیماری کی وجہ سے اپنے ہوش میں نہیں ہے بکواس بک رہا ہے اور اگر غشی کی حالت میں آنحضرتؐ نے کچھ اشارہ کیا۔ یا بات کہی اور جناب عائشہؓ نے سمجھا کہ حضرت ابوبکرؓ کو امامت نماز کے لئے حکم دیا ہے تو یہ اشارہ ایسا وحی من اللہ سمجھا گیا۔ کہ سقیفہ کے دنگل میں حضرت ابوبکر اسی کی وجہ سے مستحق خلافت ہو گئے۔ کبھی تو جناب رسولؐ خداؐ کی ہدایت سے ایسے مستغنی ہو گئے کہ فرمایا ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ حسبنا کتاب اللہ۔ وجہ یہ ہے کہ اس وقت آنحضرتؐ اپنے بعد کے ہادی کا پتہ دے رہے تھے اور اس کی ضرورت حضرت عمرؓ کو نہ تھی۔ جب جناب فاطمہؑ نے وراثت کی بناء پر فدک طلب کیا تو اب کتاب اللہ غائب۔ کیونکہ اس میں ورثہ کے اصول و قواعد درج ہیں وہ حضرت فاطمہؑ کے حق میں جاتے۔ اب جناب رسولؐ خداؐ کی لاوارث حدیث یاد آ گئی۔ یاد تو کیا آئی بنائی گئی۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ حسبنا کتاب اللہ والا اصول کہاں گیا۔ حضرت عمرؓ کے خیال میں جناب رسولِ خداؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلافت کے متعلق کچھ حکم نہیں دیا۔ اور نہ کلالہ کے معنی بتائے تھے۔ یہ بھی انہیں بتایا تھا کہ خلافت میں انصار کا حق ہے یا نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کیا اچھا ہوتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے متعلق کچھ ارشاد فرما جاتے۔ آنحضرتؐ نے خلافت کے متعلق بتایا تو بار بار تھا۔ بہرصورت جب اس کے متعلق وصیت تحریر کرنا چاہتے تھے۔ تب تو حسبنا کتاب اللہ کہہ کر روک دیا۔ اب کتاب اللہ کی طرف کیوں نہیں رجوع کی جاتی کیا وہ کتاب ناکافی ہے۔ اس میں ان اہم امور کے متعلق احکام درج نہیں ہیں۔ اگر کافی ہے تو سقیفہ بنی ساعدہ کی کش مکش میں کیوں نہ اس کو پیش کیا۔ اس کا تو ذکر بھی نہیں آیا۔ غار میں محفوظ رہنے میں تو اتنی اہمیت۔ جہاد میں ساتھ دے کر رسولِ خدا صلعم کی

سوادِ اعظم کے اصول و مذہب

حفاظت کرنے والے کا ذکر نہیں۔ کفار کے نرغہ میں بستر رسولؐ پر سونے والے کا ذکر نہیں۔ انصار کے مقابلہ میں رشتہ داریٔ رسولؐ تو باعثِ ترجیح۔ لیکن نزدیک ترین رشتہ دار کا نام بھی نہیں لیتے۔

حکومت الٰہیہ کے لئے والی وحاکم مقرر کرنے کے انتظام کو لو۔ یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ اس پر تو ساری اُمّت کا مستقبل منحصر ہوتا ہے۔ یہ تو ایک ہی اٹل طریقہ ہونا چاہیئے۔ اگر نامزدگی اچھی چیز ہے تو وہ صحیح۔ رایوں سے انتخاب ہوکر بہترین حاکم مل سکتا ہے تو وہ صحیح۔ اگر کوئی اور طریقہ مناسب خیال کیا جاتا ہے تو وہ صحیح۔ غرضکہ ایک اٹل طریقہ ہونا چاہیئے جو حق کی شان ہے لیکن نہیں۔ یہاں تو اپنی خواہشِ نفسانی ہے جو سب کچھ کراتی ہے۔ اگر موقع ایسا ہے کہ انتخاب سے اپنا آدمی مقرر ہو سکتا ہے تو وہ کریں گے۔ اگر نامزدگی کے چل جانے کی امید ہے تو اسے کیوں چھوڑیں اور اگر محدود جماعت سے اپنا مطلب پورا ہوتا ہے تو وہ ہی سہی۔ کیا آپ نے کبھی اپنے مذہب کی اس تلون مزاجی پر غور نہیں کیا خلیفہ مقرر کرنے کے لئے کوئی ایک طریقہ نہیں ملتا۔ اور پھر اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ اس بات کا بھی اقبال کرتے ہیں کہ جو طریقہ ہم نے خلیفہ کے انتخاب کا اختیار کیا تھا وہ نہایت ہی ناموزوں اور نامعقول تھا۔ خبردار۔ آئندہ کوئی ایسا بُرا طریقہ اختیار نہ کرے۔ اگر کرے گا تو وہ اور اس کا منتخب شدہ خلیفہ دونوں قتل کر دئے جائیں گے۔ اگر حضرت عمر کا یہ آخری تجربہ صحیح ہے۔ تو پھر وہ اور حضرت ابوبکر دونوں قابل مؤاخذہ ہوئے۔ گردن زدنی تو ہم کیونکر کہیں۔ یہ بھی کوئی انصاف ہے۔ معقولیت ہے کہ ہم جو کچھ کرلیں تو وہ درست۔ کوئی اور وہ ہی بات کرے تو گردن زدنی۔ حکام سقیفہ میں سے کسی ایک نے یہ نہ بتایا کہ خلیفہ مقرر کرنے کا بہترین طریقہ کونسا ہے اور آئندہ کس طرح خلیفہ مقرر ہونا چاہیئے۔ خود اپنا مطلب حاصل کر گئے۔ اب آئندہ کی کیا پرواہ۔ کوئی طریقہ انہوں نے مطابق عقل و نقل کے اختیار کیا ہوتا تو وہ بتاتے۔ اور دل کی بات کہہ نہیں سکتے تھے۔ وہ یہ تھی کہ کوئی طریقہ ہو جس سے بنو ہاشم حکومت نہ پا سکیں۔ وہ ہی بہترین طریقہ ہے۔ ڈر لگا کر علی کے خیرخواہ ایک جماعت پیدا کر کے علیؑ کو نہ خلیفہ کرا دیں۔ لہٰذا کہنا پڑا کہ ہم نے تو جماعت بازی سے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ آئندہ جو ایسا کرے گا وہ گردن زدنی ہوگا۔

نماز کو لیجئے۔ امام مالک ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ دیکھو۔ ملا محمد معین کی دراسات اللبیب صفحہ ۲۴۳۔ امام شافعی نے پہلے تو ہاتھ باندھ کر نماز

پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر اس حکم کی ترمیم کر کے کہا کہ اگر ہاتھ کھول کر بھی پڑھیں تو کچھ حرج نہیں دیکھو عبدالوہاب شعرانی کی میزان الکبریٰ صفحہ ۱۲۶۔ عبداللہ ابن زبیر نے ہاتھ کھول کر نماز پڑھی دیکھو ملّا محمد معین کی دراسات اللبیب صفحہ ۲۳۳۔ امام ابوحنیفہ و امام احمد حنبل نے سب کے ہاتھ بندھوا دئے۔ غرض اُن کی ہر ایک بات میں اختلاف ہے۔ ایک اصول کہیں مقرر نہیں۔ صرف اس ہی ایک بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق ان کے پاس نہیں ہے۔ قرآن شریف نے یہ کلیۃً قائم کر دیا ہے کہ اختلاف علامت کذب و زور ہے لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا اور ان کی تو ماشاء اللہ ہر ایک بات ہی میں اختلاف ہے۔ ان اختلافات کی تفصیل دیکھو کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ تالیف عبدالرحمٰن الجزیری میں۔ یہ چار ضخیم مجلدات ہیں۔

یہ بھی آپ نے غور کیا۔ اب تو کتب احادیث میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر کے لئے بنو امیہ نے بہت ہی فضیلت کی احادیث پیدا کر دی ہیں۔ اگر یہ واقعی صحیح تھیں تو کیوں ان کو سقیفہ بنی ساعدہ کے ہنگامے میں نہ بیان کیا گیا۔ ان کے لئے وہ بہترین موقع تھا۔ یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ اتنی بے شمار احادیث میں سے حضرت ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ بن الجراح کو ایک بھی یاد نہ رہی۔ یہی نتیجہ نکلے گا۔ کہ چونکہ بہترین و موزون ترین ضرورت کے وقت یہ حربہ استعمال نہیں ہوا۔ لہٰذا اس کی ہستی ہی اس وقت نہ تھی۔

آپ کے علماء و واعظان و لیکچراران فخر کرتے ہیں کہ اسلام میں قومی و قبائلی ترجیح نہیں ہے بلکہ سب برابر ہیں۔ ان کے خیالات کی ترجمانی ان اشعار میں کی گئی ہے۔

اصول مساوات

مذہب او قاطع ملک و نسب — از قریش و منکر از فضلِ عرب
در نگاہِ او یکے بالا و پست — با غلامِ خویش بر یک خوان نشست
قدرِ احرارِ عرب نشناختہ — با کلفتانِ حبش در ساختہ
احمراں با اسوداں آمیختند
آبروئے دودمانی ریختند

منقول از مسئلہ قومیت تالیف سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ

اچھا۔ بجا۔ درست۔ مان لیا۔ فرمائیے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے ہنگامۂ سقیفہ

ہیں کیوں انصار سے یہ کہہ کر خلافت لی۔ کہ بقول آنحضرت خلافت قریش کا حق ہے۔ یہ قبائلی امتیاز کیسا۔ معلوم ہوا کہ حکام سقیفہ کی خلافت کی بنیاد اسلام کے اصول و مبانی کی مخالفت پر مبنی ہے۔ لہٰذا جائز ہے۔ اور ان بزرگواروں نے آنحضرت کی طرف غلط قول منسوب کیا۔ حضرت عمر تمام عمر کہتے رہے کہ خلافت میں انصار کا حق نہیں ہے تجویز شوریٰ کے وقت بھی آپ نے یہی گراں قدر الفاظ فرمائے تھے۔ یہ کیوں؟ یہ بات بنیادی اصول اسلام کے خلاف تھی یا نہیں؟ ان تین دنوں کے لئے کہ اصحاب شوریٰ اپنے صلاح و مشورہ میں رہیں اور کوئی خلیفہ مقرر نہ ہو۔ صہیب کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ امامت نماز کریں۔ اس کی وجہ بھی بتائی گئی۔ وہ یہ تھی کہ چونکہ صہیب غلام ہے۔ وہ امر خلافت کا دعویدار نہیں ہو سکے گا۔ یہ تفریق غلام و آزاد کیسی۔ وہ اشعار پھر تو پڑھئے

باغلام خویش بر یک خواں نشست

در نگاہ او یکے بالا و پست

حضرت عمر کا طرز عمل بالکل اس کے خلاف ہے لہٰذا غیر اسلامی ہے۔ آخر کوئی اصول تو قائم کرنا چاہئے۔ کہیں تو جمنا چاہئے۔ یہ بے اصول پن کب تک اور کہاں تک۔

حکام سقیفہ پر شیفتگی کی وجہ کیا ہے؟ آبائی عقیدہ کے علاوہ اور تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ انہوں نے اسلام کے لئے کوئی فائدہ کی بات نہیں کی۔ جو کچھ کیا۔ وہ اسلام کے لئے مضر ہی ثابت ہوا۔ حکومت کا نمونہ حکومت کے اصول ایسے قائم کئے۔ جنہوں نے اسلام کا نقشہ ہی بدل دیا۔ انہوں نے ایسی حکومتوں کی بنیاد رکھی جو امت محمدؐ اسلام سے کفر کی طرف لے گئیں۔ جس شخص میں تاریخ دانی اور تاریخ فہمی کی ذرا سی بھی صلاحیت ہے وہ فوراً ہی معلوم کرلے گا کہ حکومت بنو امیہ کی بنیاد حکام سقیفہ نے رکھی تھی اور یہ سلطنت ان کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ اس امر کو ہم بار بار ثابت کر چکے ہیں۔ اور بنو عباس کے مورث اعلیٰ عبد اللہ ابن عباس حضرت عمر کے خاص عقیدت مندوں میں سے تھے۔ عمر ابن عبد العزیز کا ذکر کرتے ہوئے سید ابو الاعلیٰ مودودی زمانہ حال کے بہترین سیاسی مفکر اسلام کہتے ہیں:۔

"پھر انہوں نے سیاسی اقتدار سے کام لے کر لوگوں کو ذہنی، اخلاقی اور معاشرتی زندگی سے جاہلیت کے ان اثرات کو نکالنا شروع کیا جو نصف صدی کی جاہلی حکومت کے سبب سے اجتماعی زندگی میں پھیل گئے تھے۔

اسلام کے اس مجدد اول کو صرف ڈھائی سال کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اور اس مختصر سی مدت میں اس نے یہ انقلاب عظیم برپا کر کے دکھا دیا۔ بنی امیہ

ساتھ وہ بستر مرگ پر رسول پر کہہ سکتے تھے کہ یہ شخص تحریر وصیت کا ارادہ ظاہر کرنے میں ہذیان بک رہا ہے ۔ ہم ثابت کر چکے ہیں اور حضرت عمر بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تحریر جناب رسولِ خدا حضرت علی کی جانشینی کے متعلق کرنا چاہتے تھے ۔ چونکہ مسلمانی حکومت کی مسند نشینی مطلوب تھی لیکن مسلمانی دائرہ کے اندر رہنا ضروری تھا اور یہ دونوں مقصد اسی صورت میں اچھی طرح حاصل ہو سکتے تھے کہ اسلامی اعتقادات کو اس سانچہ میں ڈھال لیا جائے بظاہر یہ مشکل معلوم ہوتا تھا کہ جناب رسولِ خدا کی حکومت آنحضرتؐ کے احکام کی مخالفت کرنے کے باوجود حاصل ہو سکے لیکن حضرت عمر نے یہ ایک ایسی تدبیر سوچی جس نے اس مشکل کو حل کر دیا ۔ اب وہ دُنیا کے سامنے مسلمان بھی رہ سکتے تھے اور آنحضرتؐ کے ان اقوال و ارشادات کی مخالفت بھی کر سکتے تھے ۔ اس عقیدہ پر بحث کرنے کے لئے تین چیزوں کی ماہیت پر غور کرنا ہوگا (۱) نبوت (۲) محبت (۳) روح ۔ ان تینوں پر مفصل بحث کرنا ہمارے اس کتاب کے موضوع سے باہر ہے ۔ نہایت اختصار کے ساتھ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ نبوت کا بڑا مقصد انسان اور اس کے خالق کے درمیان ایک سلسلہ قائم کرنا تھا جب ہی تو ارشادِ خداوندی ہے کہ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وہ وسیلہ وہ سلسلہ وہ ذریعہ کیا ہے وہ نبی اور اس کے جانشین ہیں اس تعلق کا نتیجہ تزکیہ نفس ہے ۔ اور تزکیہ نفس کے ساتھ ہی اخلاقیات بھی وابستہ ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ تزکیہ نفس محض اخلاقیات کے اندر منحصر نہیں ہے ایک کافر جو پتھروں کے بُت کو خدا سمجھتا ہے اسی طرح اچھے اخلاق کا حامل ہو سکتا ہے کہ جس طرح ایک مسلمان ۔ لیکن دونوں کے تزکیہ نفس میں زمین و آسمان کا فرق ہے اصلی اور مستقل تزکیہ نفس کے لئے ضروری ہے کہ اوّل روح مؤثر ہو اور روح نہیں مؤثر ہو سکتی ہے لیکن روح کے ذریعے سے ۔ اور وہ روح جو لوگوں کی روح کو مؤثر کر کے تزکیہ نفس کا باعث ہوتی ہے ۔ وہ نبی کی روح ہوتی ہے اور ایک روح کو دوسری روح سے محض محبت کے ذریعے سے ارتباط قائم ہوتا ہے ۔ بغیر محبت کے ایک روح دوسری روح پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتی جس طرح سورج کی شعاعیں بغیر ایتھر کے آگے نہیں چل سکتیں ۔ اسی طرح ارواح کا سلسلہ ارتباط بغیر محبت کے قائم نہیں ہو سکتا ۔ جب ہی تو خدا سے محبت کرنے کا حکم ہے ۔ رسولؐ سے محبت کرنے کا حکم ہے ۔ آلِ رسولؐ سے محبت کرنے کا حکم ہے ۔ محبت کس کو کہتے ہیں اور اس کی شرائط کیا ہیں یہ بہت بڑا مضمون ہے ۔ حیران ہوں کس طرح سمجھاؤں اور کن الفاظ میں سمجھاؤں ۔ آج کل تو مجھے مجازی محبت کرنے والے بھی نظر نہیں آتے تو حقیقی محبت کا تو کیا ذکر ہے ۔ محبت اسی طرح دنیا سے ناپید ہو گئی ہے جیسی کہ عبادتِ الٰہی ۔ شاعر نے خوب کہا ہے کہ ؎

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بسے
شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

اصلی محبت کی ایک شناخت ہم بتائے دیتے ہیں اگر عاشق پر معشوق کا رنگ نہیں چڑھا اور اس میں

کا پورا خاندان اس بندۂ خدا کا دشمن ہو گیا تھا۔ اسلام کی زندگی میں ان لوگوں کی موت تھی۔ وہ اس تجدید کے کام کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ آخر کار انہوں نے سازش کر کے زہر دے دیا۔

تجدید و احیائے دین صفحہ ۳۱، ۳۲

دیکھا آپ نے بنو امیہ کی سلطنت جاہلیت یعنی کفر کی حکومت تھی اور اسلام کی زندگی میں بنو امیہ کی موت تھی۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ یہی زبردست سیاسی مفکرِ اسلام لکھتا ہے۔

”عمر بن عبد العزیز کے بعد سیاست و حکومت کی باگیں مستقل طور پر جاہلیت کے ہاتھوں میں چلی گئیں اور بنی اُمیہ، بنی عباس اور پھر ترکی النسل بادشاہوں کا اقتدار قائم ہوا۔ ان حکومتوں نے جو خدمات انجام دیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف یونان، روم اور عجم کے جاہلی فلسفوں کو جُوں کا تُوں لے کر مسلمانوں میں پھیلا دیا۔ اور دوسری طرف علوم و فنون اور تمدّن و معاشرت میں جاہلیت اولےٰ کی تمام گمراہیوں کو اپنی دولت اور طاقت کے زور سے شائع و ذائع کیا ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ پانچویں صدی تک پہنچتے پہنچتے یہ حال ہو گیا۔ کہ یونانی فلسفے کی اشاعت سے عقائد کی بنیادیں ہل گئیں۔ محدثین و فقہاء علوم عقلیہ سے ناواقف تھے۔ اس لئے نظام دین کو مقتضائے زمانہ کے مطابق معقولی انداز سے سمجھا نہ سکتے تھے اور زجر و توبیخ سے اعتقادی گمراہیوں کو دبانے کی کوشش کرتے تھے۔ علوم عقلیہ میں جن لوگوں کے کمال کا شہرہ تھا۔ وہ نہ صرف یہ کہ علوم دینیہ میں کوئی بصیرت نہ رکھتے تھے۔ فلاسفۂ یونان کے بالکل غلام تھے۔ اور ان میں کوئی ایسا بالغ النظر آدمی نہ تھا۔ جو تنقید کی نگاہ سے اس یونانی لٹریچر کا جائزہ لیتا متکلمین کا جو گروہ اسلام کی ”حمایت“ کے لئے اُٹھا۔ اس نے وحی یونانی کو تو اٹل سمجھ کر جُوں کا تُوں تسلیم کر لیا اور وحی آسمانی کو توڑنا اور مروڑنا شروع کیا تاکہ اس کے مطابق ڈھل جائے۔ ان حالات کا عام مسلمانوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ دین کو ایک غیر معقول چیز سمجھنے لگے۔ اس کی ہر چیز انہیں مشکوک نظر آنے لگی ․ ․ ․ ․ ․ ․ امام ابو الحسن اشعری اور ان کے متبعین نے اس رَو کو بدلنے کی کوشش کی۔ مگر یہ گروہ متکلمین کے علوم سے تو واقف تھا۔ لیکن معقولات کے گھر کا بھیدی نہ تھا ․ ․ ․ ․ ․ بلکہ معتزلہ کی

نتیجہ اول اسلام کی عداوت، اسلام اور اسلامی ماتم

ضد میں اس نے بعض ایسی باتوں کا التزام کیا جو فی الواقع عقائد دین میں سے نہ تھیں۔ . . . . مشرق سے مغرب تک مسلم ممالک میں ہر طرف اخلاقی انحطاط رونما ہو گیا۔ جس کے اثر سے کوئی طبقہ خالی نہ رہا۔ . . . . . . علماء، امراء، عوام سب بھول گئے۔ کہ خدا کی کتاب اور رسول کی سنت بھی کوئی چیز ہے۔ جس کی طرف ہدایت و رہنمائی کے لئے کبھی رجوع کرنا چاہیئے۔ شاہی درباروں، خاندانوں اور حکمران طبقوں کی عیاشانہ زندگی اور خود غرضانہ لڑائیوں کی وجہ سے عموماً رعایا تباہ حال ہو رہی تھی"۔

تجدید و احیائے دین۔ صفحہ ۳۴، ۳۵،

ان عبارتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ ہمارے بہت سے دعوے اس شہادت سے ثابت ہوتے ہیں۔ بنو امیہ و بنو عباس کی حکومتیں جن کے مادی عروج کو حضرت عمر کی مدح میں پیش کیا جاتا ہے۔ محض جاہلیت یعنی کفر کی حکومتیں تھیں۔ یہی رائے ہر ایک مفکر کی رہی ہے۔ سید ابو الحسن ندوی کی عبارت ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ یہ ہے سقیفہ کی کارکردگی۔ کیونکہ حکومتِ سقیفہ ہی نے بنو امیہ کی سلطنت قائم کی اور یہ جانتے ہوئے قائم کی کہ یہ لوگ آخر تک اسلام اور رسول اسلام کے بدترین مخالف رہے ہیں۔ جب بالکل شکست ہو گئی تو ناچار بددلی سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ دیا۔ دل سے ہمیشہ اپنے سابقہ کفر پر اڑے رہے۔ یہی بیان ہے مسٹر خدا بخش متوطن بانکے پور کا جن کی عبارت ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ حکومتِ سقیفہ نے کوئی ایک قاعدہ اور اصول خلیفہ کے مقرر کرنے کا قائم نہیں کیا تھا۔ بلکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے کلیہ کو رائج کیا تھا۔ یہی کلیہ بعد کی تمام آنے والی حکومتوں نے اختیار کیا اور اسلام کی وہ حالت ہو گئی۔ جس کا رونا اب تک رویا جا رہا ہے۔

لے دے کر اب صرف دائرے کو یہاں تک محدود کر لائے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کا تیس سال کا زمانہ تو اصلی اسلامی حکومت کا زمانہ تھا۔ خلافتِ الٰہیہ کا زمانہ تھا اس کے بعد جو لوگ آئے۔ انہوں نے اسلام کو خراب کر دیا۔ اس کے لئے بیچارے حضرت عمر کا کیا قصور۔ بجا فرمایا۔ جو فرمایا وہ سر آنکھوں پر۔ لیکن بعد کے آنے والوں کے لئے دروازہ کس نے کھولا۔ خاندانِ رسالت وہ معدنِ نبوت میں سے حکومت کو نکال کر گلی کوچوں میں کس نے اچھالا۔ جو لوگ اسلامیوں کو اسلامی راہ پر چلانے کی

اہلبیت رکھتے تھے۔ ان کو کس نے حکومت سے محروم رکھا۔ اسلام کے دشمنوں کو کس نے خوش آمدید کہا۔ جب یہ سب کچھ کر لیا تو اس کے نتیجوں سے گریز کرنے کے کیا معنی۔ اور اس خلافت راشدہ کا حال بھی سنئے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں :-

خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا کام ۲۳ سال کی مدت میں تکمیل کو پہنچا دیا۔ آپ کے بعد ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما دو ایسے کامل لیڈر اسلام کو میسر آئے جنہوں نے اسی جامعیت کے ساتھ آپ کے کام کو جاری رکھا۔ پھر زمام قیادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوئی اور ابتداً چند سال تک وہ پورا نقشہ بدستور جمارہا جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قائم کیا تھا۔

جاہلیت کا حملہ :- مگر ایک طرف حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جارہا تھا۔ اور دوسری طرف حضرت عثمان جن پر اس کارِ عظیم کا بار رکھا گیا تھا۔ اُن تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیش روؤں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ حضرت عثمان نے اپنا سر دے کر اس خطرہ کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رُکا۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور انہوں نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو جاہلیت کے تسلط سے بچانے کی انتہائی کوشش کی مگر ان کی جان کی قربانی بھی اس انقلاب معکوس (COUNTER REVOLUTION) کو نہ روک سکی۔ آخر کار خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ختم ہوگیا۔ . . . . . اور اس طرح حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہوگئی۔

حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد جاہلیت نے مرض سرطان کی طرح اجتماعی زندگی میں اپنے ریشے بتدریج پھیلانے شروع کر دئے۔ کیونکہ اقتدار کی کنجی اب اسلام کے بجائے اس کے ہاتھ میں تھی۔ اور اسلام زورِ حکومت سے محروم ہونے کے بعد اس کے نفوذ و اثر کو بڑھنے سے نہ روک سکتا تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی۔ کہ جاہلیت بے نقاب ہو کر سامنے نہ آئی تھی بلکہ "مسلمان" بن کر آئی تھی۔ کھلے دہریئے یا مشرکین و کفار سامنے ہوتے۔ تو شاید مقابلہ آسان ہوتا۔ مگر وہاں تو آگے آگے توحید کا اقرار رسالت کا اقرار

صوم و صلوۃ پر عمل، قرآن و حدیث سے استشہاد تھا۔ اور اس کے پیچھے جاہلیت اپنا کام کر رہی تھی۔ ایک ہی وجود میں اسلام اور جاہلیت کا اجتماع ایسی سخت پیچیدگی پیدا کر دیتا ہے۔ کہ اس سے عہدہ برآ ہونا ہمیشہ جاہلیت صریحہ کے مقابلہ کی بہ نسبت ہزاروں گنا زیادہ مشکل ثابت ہوا ہے۔ عریاں جاہلیت سے لڑیئے تو لاکھوں مجاہدین سر ہتھیلیوں پر لئے آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اور کوئی مسلمان اس کی حمایت علانیہ نہ کر سکے گا۔ مگر اس مرکب جاہلیت سے لڑنے جائیے تو منافقین ہی نہیں۔ بہت سے اصلی مسلمان بھی اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو جائیں گے اور الٹا آپ کو مورد الزام بنا ڈالیں گے۔ جاہلی امارت کی مسند اور سیاست کی رہنمائی پر "مسلمان" کا جلوہ افروز ہونا جاہلی تعلیم کے مدرسے میں "مسلمان" کا معلم ہونا، جاہلیت کے سجادہ پر "مسلمان" کا مرشد بن کر بیٹھنا وہ زبردست دھوکا ہے۔ جس کے فریب میں آنے سے کم ہی لوگ بچ سکتے ہیں۔

اس معکوس انقلاب کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہی تھا کہ اسلام کا نقاب اوڑھ کر تینوں قسم کی جاہلیتوں نے اپنی جڑیں پھیلانی شروع کر دیں اور ان کے اثرات روز بروز زیادہ پھیلتے چلے گئے۔

جاہلیت خالصہ نے حکومت اور دولت پر تسلط جمایا۔ نام خلافت کا تھا اور اصل میں وہ ہی بادشاہی تھی۔ جس کو مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا۔

تجدید و احیائے دین صفحہ ۱۷، ۱۸، ۱۹۔

اب آپ ان عبارات پر غور کریں۔ دیکھئے وہ تیس سالہ خلافت راشدہ گھٹ کر اب صرف بارہ سال کی عمر کی رہ گئی۔ صرف حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کے کام کو اسی طرح چلایا۔ اُن کے بعد حضرت عثمانؓ ان کے جیسے خصائل حمیدہ کے حامل نہ تھے۔ جاہلیت یعنی کفر کا سیلاب بڑھنے لگا۔ حضرت علیؓ نے اس سیلاب کے روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن نہ رُکا۔ گویا کفر کا تسلط حضرت عثمانؓ کے زمانے سے تو شروع ہو گیا۔ خلافت راشدہ خالی از کفر تو صرف حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رہی۔ اور وہ تقریباً بارہ سال کا عرصہ تھا۔ اب دیکھئے ہم میں اور آپ میں کتنا ذرا سا فرق رہ گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ہی جاہلیت یعنی کفر نے امت محمدیہ پر تسلط کرنا شروع

کر دیا۔ آپ کہتے ہیں کہ نہیں۔ کفر نے آنحضرتؐ کی اُمت پر تسلط تو ضرور کیا۔ لیکن آنحضرت صلعم کے انتقال کے بارہ برس بعد کیا۔

ہم ابھی اس دوازدہ سالہ کی بھی کیفیت اور ماہیت پر بحث کرتے ہیں۔ ذرا یہاں ایک نکتہ حل کرتے چلیں۔ شیعہ اقلیت پر الزام لگایا جاتا ہے۔ اقلیت ہمیشہ مورد الزام ہی رہا کرتی ہے۔ کہ دیکھو۔ یہ خدا کے بندے جناب رسولِ خدا کی کس طرح توہین کرتے ہیں یہ کہہ کر کہ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد ہی امتِ اسلامیہ کی اکثریت نے کفر کی طرف رجعت کی۔ کیا جناب رسولِ خدا کی تعلیم و صحبت ایسی غیر مستقل، کمزور، بے اثر، بے تاثیر، بے جان، بے رُوح تھی کہ اِدھر آپ کا انتقال ہوا۔ اُدھر اس تعلیم کا اثر جاتا رہا۔ لیکن غور تو کیجیے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کہیں آپ بھی تو وہ ہی نہیں کہہ رہے ہیں۔ جو شیعہ کہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے رحلت کرتے ہی نہیں۔ بلکہ رحلت کے بارہ سال بعد امتِ اسلامیہ پر کفر مستولی ہو گیا۔ لیکن وہ بارہ سال کس طرح سنبھلے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی زبردست شخصیت نے سنبھالا۔ یہ دونوں مہر و ماہِ اسلام نظام محمدی کو اُسی طرح چلاتے رہے۔ جس طرح کہ وہ پہلے چل رہا تھا۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے یا اُن کی شخصیت ایسی زبردست نہ ہوتی تو یہ بارہ سال بھی نہ گذرتے۔ اور آنحضرتؐ کے انتقال کرتے ہی وہ سب کچھ ہو جاتا۔ جو بارہ سال کے بعد ہوا۔ اُمتِ اسلامیہ میں تو کفر کی طرف رجعت کرنے کی اہلیت شروع ہی سے تھی۔ ان بزرگواروں نے اس کو تھامے رکھا۔ یہ تو ان دونوں بزرگواروں کی مدح ہے۔ جناب رسولِ خدا کی تعلیم یا نظام کی تو تعریف نہیں ہے۔ وہ تعلیم تو بودی، کمزور، بے روح، بے جان ہی تھی ایسی کہ اگر یہ دونوں بزرگوار نہ ہوتے تو آنحضرتؐ کے انتقال ہی پر سارا شیرازہ بکھر جاتا۔ یہ تو وہ ہی ہے جو آپ شیعوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بلکہ شیعہ تو اس طرح کہتے بھی نہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی تعلیم تو کامل تھی۔ جس زمین میں وہ تخم بویا گیا تھا۔ وہ زمین شور تھی۔ جو اچھی زمین تھی وہ دیکھو کیسے ہرے بھرے پھل پھول لائی۔ کربلا کے گلستان کی طرف دیکھو۔ کربلا کو محمد پہ اور محمد کو کربلا پر ناز ہے۔ آنحضرتؐ کی تعلیم توحید تو ایسی مستقل اور دائمی اثر رکھنے والی تھی کہ آخر کار اب ساری دنیا اُسی طرف جا رہی ہے۔ ہر ایک فرقہ اپنے تئیں موحد کہنے پر فخر کرتا ہے۔ تعلیم تو یہ تھی۔ اگر عرب کی فطرت نے دُنیا کی وجاہت و ثروت سے مرعوب ہو کر خالص دین کو چھوڑ دیا تو ایسا تو ہوا ہی کرتا ہے۔ کہیں فطرت بھی بدلی ہے۔ خبر نہیں۔ کب سے ابلیس

حضورِ خداوندی ہی تھا۔ لیکن فطرت نہ بدلی۔ کَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ لہٰذا نافرمانی کی اور عذابِ ابدی میں مبتلا ہوا۔

اب ہم اس دوازدہ سالہ خلافتِ راشدہ پر غور کرتے ہیں۔ اس کی ابتدا کو لیجئے۔ کیا اس کو خدا اور رسولِ خدا نے مقرر کیا تھا۔ آپ کو اپنے عقیدہ کے مطابق جواب دینا پڑے گا کہ نہیں۔ اس کو کس نے مقرر کیا تھا؟ تین مہاجرین و چند انصار نے۔ بقول حضرت عمر انصار کا حق خلافت میں نہیں تھا۔ پھر ان کا خلیفہ مقرر کرنا ناجائز ہوا۔ جس کا اپنا حق کسی عہدہ میں نہ ہو۔ وہ عہدے کے لئے کسی کو منتخب نہیں کر سکتا۔ اب رہے تین مہاجر ان تین کو کیا حق تھا۔ کہ ساری امت اسلامیہ کا حاکم مقرر کریں۔ یہ خلافت مبنی تھی تفرقہ اُمت پر۔ ساری بحث یہ تھی کہ خلیفہ کس فرقہ یا قبیلہ میں سے ہو۔ امت اسلامیہ کو ایک جسم مقرر کر کے تو خلیفہ منتخب نہ کیا۔ بلکہ اس کو فرقوں پر تقسیم کر دیا۔ ایسی جگہ تقرر کی جہاں مشورہ پاتے باطل ہوا کرتے تھے۔ اور بہت سی باتیں ہیں۔ کس کس کا ذکر کیا جائے اس دوازدہ سالہ کی کارکردگی ملاحظہ ہو۔ اس کا ایک کارنمایاں تھا وہ یہ کہ بنو امیہ کی جڑ مضبوط کر دی۔ ممکن ہے کہ کہا جائے کہ دیکھو فتوحاتِ ملکی اس ہی دوازدہ سالہ کے عشوہ و ناز کا نتیجہ ہیں تو اس سرعتِ فتوحات کی خرابیاں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور مودودی صاحب بھی ہمارے ہم رائے ہیں۔ لیکن بہت نرم الفاظ میں فرماتے ہیں۔ جہاں جاہلیت کے حملے کا ذکر ہے وہاں کہتے ہیں۔ کہ حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز سخت ہوتا جا رہا تھا۔ یعنی یہ بُری بات تھی۔ جو کام میں مشکلات پیدا کر دے وہ بُرا ہی ہوتا ہے۔ مودودی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے یونان کے فلسفہ کو جوں کا توں لے لیا اور اس سے مرعوب ہو گئے۔ اس فلسفہ نے اسلام کو خراب کر دیا یہ وہی بات ہے۔ جو ہم کہہ رہے تھے۔ ایسا کیوں ہوا۔ اس وجہ سے کہ مسلمانوں کے پاس اپنے مذہب کا صحیح علم نہ تھا۔ ابھی صحیح تاویل قرآن و صحیح عمل لوگوں میں رائج و راسخ نہ ہوئے تھے کہ باہر فتوحات پر بھیج دئے گئے۔ وہاں یونان و ہندوستان و ایران کے فلسفوں سے مقابلہ ہوا۔ تو میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

حکومتِ بنو اُمیہ کیا تھی؟ جاہلیت خالصہ یعنی کفرِ محض۔ علامہ مودودی نے بنو اُمیہ و بنو عباس کا نہایت عمدہ و صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ جب فرمایا ہے کہ دراصل یہ کفرِ محض تھے۔ اسلام کا اُوپر سے ظاہری پردہ ڈال لیا تھا۔ اس سے بہتر و صحیح کیفیت بنو اُمیہ و بنو عباس کی بیان نہیں ہو سکتی۔ علامہ موصوف نے اُن بزرگواروں کا بھی ذکر کیا ہے جنہوں

نے بنو امیہ کے کفر کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ کیا۔ اور دین کے احیاء کو ان
کوششوں کا مرہونِ منت ٹھہرایا ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس حکومت سقیفہ کی
تعلیم کا اثر اب تک لوگوں کے دلوں سے نہ نکلا۔ سب کا ذکر کیا۔ حسینؑ کا ذکر نہ کیا جس نے
سب سے پہلے اس بڑھتے ہوئے کفر کے سیلاب کو روکا۔ اور اس بہادری سے روکا
کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ اخفائے فضائل اہل بیت کا جو حکم دربارِ حکومتِ سقیفہ سے
صادر ہو چکا ہے۔ اس کی تعمیل اب تک ہو رہی ہے۔ اور اہل بیت علیہم السلام پر جو مظالم
کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ اب تک جاری ہے۔

ہمیں ان بزرگواروں کے بے اصولے پن کا بار بار ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن
کیا کریں۔ واقعات نظر کے سامنے آئے جاتے ہیں۔ جب حضرت عمر نے اصحاب شوریٰ مقرر
کئے۔ تو ہر ایک کی برائی بیان کی اور اس کو تسلیم کیا کہ اگر علیؑ خلیفہ ہو گئے تو اُمت کو صراط مستقیم
پر چلائیں گے۔ اس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ حضرت عبد الرحمن ابن عوف کو فرعونِ اُمت کا لقب
دیا تھا۔ واقعی درست خوب سمجھے۔ لیکن حضور پھر ان ہی کو آپ اس اہم مسئلہ کے حل
کے لئے ثالث مقرر کرتے ہیں۔ اور اپنے بیٹے عبد اللہ سے اتنی تاکید کہ جس طرف
عبد الرحمن بن عوف ہوں اُدھر ہی تم ہونا۔ فرعون بھی اور یہ عظمت بھی۔ کیا
آپ حکومت فرعونیہ کے لئے خلیفہ مقرر کر رہے ہیں۔ ہم تو سمجھتے تھے۔ کہ حکومت
الٰہیہ کے لئے خلیفہ مقرر کیا جا رہا ہے۔ کبھی تو ایک اصول، ایک بات پر قائم رہنا
چاہیئے۔

توہینِ نبوت

حکومت سقیفہ کی محبت میں ان بزرگواروں نے نبوت اور حامل نبوت کو کس قدر
گرایا ہے۔ پہلے تو نبوت میں سے حکومت نکال لی۔ چونکہ حکومت کا حاکم خود انہوں نے اپنے
صلاح و مشورہ سے مقرر کیا تھا۔ لہٰذا انہیں کہنا پڑا کہ نبوت میں حکومت شامل نہیں
ہے۔ اسی ہی وجہ سے حضرت عمر آنحضرت کے احکام میں مداخلت فرمایا کرتے تھے آخرکار
مولوی شبلی نے ایک گُر قائم کیا۔ کہ اگر حضرت عمر اُن امور میں مداخلت کرتے جو نبوت کے
اندر ہیں۔ تو ہم اُن کو مسلمان بھی نہ سمجھتے۔ ہم نے ثابت کر دیا۔ اور وہ بھی مولوی شبلی
کی زبانی کہ نبوت کا کوئی حصہ نہ تھا جس میں حضرت عمر نے مداخلت نہ کی ہو۔ حج، روزہ
نماز، کلمہ طیبہ، اذان وغیرہ سب میں مداخلت فرمایا کرتے تھے۔ نوبت بایں جا رسید
کہ تمام فقہ اسلامی پر حضرت عمر کا قبضہ ہو گیا اور اپنے عقل و قیاس کی بناء پر سارے
اسلام کو ترمیم و تنسیخ کر ڈالا۔ مولوی شبلی کہتے ہیں کہ آنحضرت کا قائم کردہ فقہ

زمانہ کی ترقی و عروج کے دوش بدوش چلنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ لہذا حضرت عمر نے اس کو ترمیم کر ڈالا اور ایسے اصول قائم کئے جو آج تک سب امور پر حاوی ہیں۔ یہ توہین رسول و رسالت کی آخری حد ہے۔

اب ہم اپنے بھائیوں کی توجہ ان کے عقیدہ کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ اگر آپ کے عقائد کو ایک جگہ جمع کیا جائے۔ تو آپ کا مذہب یہ ہے۔

ہم حضرت عمر کے اس اصول کی پیروی کرتے ہیں۔ حسبنا کتاب اللہ۔ کتاب اللہ ہماری ساری ضرورتوں کے لئے کافی ہے۔ اس میں ہمارے لئے دین و دنیا کے مسائل درج ہیں۔ جہاں وہ سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس کی تاویل ہم اپنی عقل قیاس سے کریں گے۔ کسی ہادی کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس کتاب اللہ میں جانشینیٔ رسول کا تذکرہ نہیں ہے۔ نہ اس کے لئے کوئی ہدایت ہے۔ اور نہ ہی بذریعہ وحی خدا تعالےٰ نے اپنے رسول کو ان کے جانشین کی خبر دی اور نہ اُمت کو اس ہادی کی شناخت بتائی۔ ہاں یہ ضرور کہہ دیا کہ جس نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کیا۔ اور اسی حالت میں مر گیا۔ تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ آپ سے پہلے تمام انبیاء اپنے بعد کے ہادی کو مقرر کرتے رہے ہیں۔ اور اس کی نشانیاں بتاتے رہے ہیں۔ لیکن رسولؐ خدا کے لئے یہ ممنوع قرار دیا گیا۔ اگرچہ جانشینیٔ رسول نہایت اہم امر ہے۔ ایسا اہم کہ حضرات شیخین غسل و کفن رسول کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت عمر ہمیشہ اس ہی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے۔ کہ کس کو اپنا جانشین مقرر کریں اور ہر ایک خلیفہ نے اپنا جانشین مقرر کیا۔ لیکن نہ تو خدا ہی کو اس کا خیال آیا اور نہ رسولِ خدا نے اس کی طرف توجہ کی۔ نہ تو اپنا جانشین خود مقرر کیا۔ اور نہ کوئی مجلسِ شوریٰ اس کے انتخاب کے لئے قائم کی۔ اور آپ کو یہ بھی خیال نہ آیا۔ کہ خداوند تعالےٰ مجھ سے سوال کرے گا۔ کہ اپنی اُمت پر کس کو والی و نگران مقرر کر کے آئے ہو۔ تو میں کیا جواب دوں گا۔ حالانکہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو تو یہ ہی خیال مارے ڈالتا تھا۔ رعایا کا تو یہ حق تھا نہیں کیونکہ اگر رعایا کا حق ہوتا۔ تو حضرت ابوبکر کیوں اپنا جانشین مقرر کرتے۔ اور حضرت عمر کیوں قواعد و شرائط سے جکڑی ہوئی صرف چھ آدمیوں کی مجلسِ شوریٰ مقرر کرتے۔ کوئی وجہ نہیں بتائی جا سکتی۔ کہ جنابِ رسولِ خدا نے اس اہم

امر کی طرف سے کیوں بے توجہی کی۔ جس طرح اپنے بعد کے ہادی مقرر کرنے کی طرف آنحضرت نے توجہ نہیں کی۔ اسی طرح اپنے اوپر اتری ہوئی کتاب یعنی قرآن شریف کے جمع و محفوظ کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس کو یوں ہی منتشر چھوڑ کر دنیا سے رحلت کی۔ حضرت عمر نے خلافت کے موقعہ پر بھی اور جمع قرآن کے موقعہ پر بھی اسلام کو بچایا۔ اور قرآن جمع کرایا۔ لیکن وہ قرآن صحیح اور مکمل جمع نہ ہو سکا۔ پھر حضرت عثمان نے اس کو جمع کرایا۔ اور پہلے قرآن میں جو کمی رہ گئی تھی۔ اس کو پورا کیا۔ محبت آل رسول ہم پر فرض ضرور ہے۔ لیکن فدک و خلافت چھیننا اس محبت کے منافی نہیں۔ ہم اپنی محبت پدری کی وجہ سے تو اپنی اولاد کو ورثہ ضرور دیں گے۔ لیکن محبت رسول و آل رسول کوئی ایسی شے نہیں کہ ہم اس سے متاثر ہو کر رسول کا ترکہ اس کی بیٹی کو دیں۔ اگرچہ حسبنا کتاب اللہ۔ لیکن ہم اس امر وراثت کے فیصلے کے لئے اس کی طرف بھی توجہ نہیں کرنا چاہتے۔ یوں عام طور سے تو ہم کو ہدایت رسول کی ضرورت نہیں کیونکہ حسبنا کتاب اللہ۔ لیکن اس موقع پر یہی بہتر ہے۔ کہ رسول کے منہ سے ایک حدیث لا نورث بیان کر کے اس جھگڑے کو طے کر دیں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ رسول خدا نے یہ فرما دیا۔ کہ جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا اور وہ مر گیا۔ تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور یہ بھی فرما دیا۔ کہ اس امت میں میرے بارہ خلفاء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہوں گے۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ ہر زمانہ کے امام کون ہوں گے اور وہ بارہ خلفاء کون ہوں گے۔ لہذا اب امت پہلے ٹوئیاں مارنے پر مجبور ہے۔ کوئی یزید و ولید ہی کو حکومت الٰہیہ میں شامل کرنے پر مجبور ہے۔ امت نے آخر کار یہ فارمولا قائم کیا کہ جس کو سب نے مانا وہ ایک خلیفہ ہوا۔ ہارون و مامون بڑے عظیم الشان بادشاہ تھے۔ لیکن چونکہ اندلس اُن کے زیر نگین نہ تھا۔ لہٰذا وہ خلیفہ رسول نہ تھے۔ گویا بنی اُمیہ۔ یا یوں کہو کہ عمر ابن عبدالعزیز کے بعد دنیا خلفاء و رسول سے خالی ہو گئی اور پھر بھی قیامت نہ آئی۔ ہارون و مامون کے زمانہ میں کوئی خلیفۂ رسول نہ تھا۔ اور نہ اُن کے بعد کوئی خلیفۂ رسول ہوا۔ اُن کے زمانہ میں جتنے مسلمان مرے وہ جاہلیت کی موت یعنی کافر مرے۔ کیونکہ اُن کے زمانہ میں کوئی امام تو تھا ہی نہیں وہ شناخت کیا کرتے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ یہ امر عقل سلیم

اور صحیح منطق اور انصاف کے خلاف ہے۔ لیکن حکومتِ سقیفہ کے افعال حدود عقل و منطق و انصاف سے ہمیشہ آزاد رہے۔ چنانچہ یہ جانتے ہوئے کہ علی معصوم ہیں۔ آیۂ تطہیر میں داخل ہیں کبھی کفر نہیں کیا حکومتِ الٰہیہ کو چلانے کے لئے ہم سب سے زیادہ موزوں ہیں یہ سب جانتے ہوئے انکو نظر انداز کرکے خود حکومتِ الٰہیہ پر قبضہ کر بیٹھے۔ قرآن شریف کو اتنا تو پڑھا کہ جب ابراہیمؑ نے امرِ امامت کی دُعا اپنی ذریت کے لئے کی تو خداوند تعالےٰ نے فرمایا کہ لاینال عہدی الظالمین۔ یہ میرا امرِ امامت ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ اور کفر قرآن شریف میں سب سے بڑا ظلم شمار کیا گیا ہے۔ چالیس برس تک کفر کرتے رہے۔ بُتوں کو خدا سمجھتے رہے۔ اتنے بڑے ظلم کے مرتکب ہوئے اور پھر امامتِ الٰہیہ پر قبضہ کر بیٹھے اور اسکے اہل سمجھے گئے یہ ہے وہ عقیدہ جو آپ کو اپنے آباؤ اجداد سے ملا ہے۔ لیکن جس عقیدہ کی طرف ہم آپ کو بلانا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے:۔

جناب رسولِ خداؐ کو سب سے زیادہ اسلام کی بہتری کا خیال تھا۔ بحکم خداوندی آپ نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین منتخب کیا۔ اور اسی خیال سے شروع سے انکو اپنے زیرِ نگرانی رکھا۔ اور خود تعلیم دی۔ دعوتِ ذی العشیرہ پر اور دیگر موقعوں پر آپ اس کا اعلان بھی کرتے رہے۔ اور پھر خداوند تعالیٰ کے خاص حکم یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الآیۃ کے ماتحت آپ نے تمام اُمت کے سامنے اس کا اعلان کر دیا۔ یہ امر دعائے ابراہیمی کے بالکل مطابق تھا اور بوجہ معصوم ہونے کے اور سب سے زیادہ علم رکھنے کے حضرت علیؑ اس امرِ خلافت کے اہل بھی تھے۔ کبھی کفر نہیں کیا تھا۔ کبھی بتوں کے آگے سجدہ نہیں کیا۔ کسی جنگ میں خوفِ جان سے رسولِ خداؐ کو میدانِ جنگ میں اکیلا چھوڑ کر نہیں بھاگے۔ ہر ایک لڑائی علیؑ نے فتح کی۔ خود خطروں میں پڑ کر پیغمبر اسلام اور اسلام کی حفاظت ہر طرح کی۔ جب یہ حکومت علیؑ کی تلوار نے حاصل کر لی تو اب کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ اُس حکومت کو اُن لوگوں کے حوالہ کر دیتے جو اپنی عمر کے چالیس سال کفر کے ظلم و گندگی میں رہے۔ قرآن شریف میں علیؑ کی جا بجا تعریف ہے۔ علیؑ نے اپنی جان راہِ الٰہی میں بیچ کر خداوند تعالیٰ کی رضامندی حاصل کی تھی۔ لہٰذا حکومتِ الٰہیہ کے سب سے پہلے مستحق تھے۔ حکومتِ الٰہیہ کے حکام کا انتخاب لوگوں کی رایوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ جس طرح کہ پیغمبر کا انتخاب عوام الناس کی رایوں سے بالاتر ہے قرآن شریف کی طرف سے آنحضرت نے بے توجہی نہیں کی۔ بلکہ اپنے جانشین حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ قرآن شریف جمع کریں۔ چنانچہ انہوں نے جمع کرکے آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا اور آنحضرتؐ نے امت کو بتایا کہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ اس کا

معشوق کی صفات نہیں پیدا ہوئیں تو یہ سمجھ لو کہ محبت خام و ناقص تھی۔ اگر اصلی محبت ہے تو جتنا اعلیٰ صفات والا محبوب ہوگا اتنا ہی صفات کا رنگ حبیب پر چڑھے گا۔ ایک روح کا دوسری روح پر کتنا اثر ہوتا ہے یہ منحصر ہے اثر لینے والی روح کی اہلیت یعنی اس کی مقدار محبت پر۔ اثر دینے والی روح کا اس سے تعلق نہیں ہے اگر اثر دینے والی روح کی قوت کے مطابق اثر ہوا کرتا تو روح القدس کا اثر تو فوراً تمام عالم پر چھا جاتا۔ اسی لئے ضرورت ہوئی کہ محبت کامل پیدا کریں تاکہ اثر حتمی ہو۔ محبت کامل کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ محبوب کے محبوب سے بھی محبت کی جائے یہاں عشق مجازی اور عشق حقیقی کے راستے علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ عشق مجازی میں اس کو رقابت کہیں گے۔ کیونکہ اس میں پھر بھی ذراسی خودی یا نفسانیت باقی رہ جاتی ہے لیکن عشق حقیقی میں چونکہ نفسانیت یا خودی کا شائبہ مطلقاً نہیں ہوتا لہٰذا وہاں یہ کمال عشق کی نشانی ہے۔ مجازی عشق کرنے والا کہہ سکتا ہے ؎

تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں مرا دل پھیر دو مجھ سے یہ سودا ہو نہیں سکتا

لیکن عشق حقیقی والا اگر یہ کہے تو مجرم ہے وہاں کا حکم یہ ہے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ رسولؐ خدا کا محبوب خدا کا محبوب ہے حب ہی تو ساری رسالت کا اجر رسولؐ خدا کے محبوبوں کی محبت ہوئی۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ تو فقط محبت کا ایک افسانہ ہے روح کی ہستی اور موجودگی تو مسلمات اسلامیہ میں سے ہے۔ اور اب تو یورپ کے سائنس داں نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے۔ سر آلیور لاج (SIR. OLIVER LODGE) نے تجربات سے ثابت کیا ہے کہ جن جن اشخاص سے اس دنیا میں مرنے والے کو محبت ہوتی ہے اس کی روح کا تعلق و عشق مرنے کے بعد بھی رہتا ہے اور اس کی روح کا اثر ان لوگوں پر پڑتا ہے۔ سوائے محبت کے اور کوئی ذریعہ ہی نہیں۔ کہ ایک روح دوسری روح پر اثر کرے۔

لیکن نبوت کی اصلی معرفت، روح کا تعلق، محبت کا اثر یہ وہ باتیں تھیں جو اس زمانہ کے عرب دماغ سے بہت بالاتر تھیں اس کے لئے ناممکن تھا کہ وہ ان کو سمجھ سکے۔ وہ دماغ کیسا تھا ہم بتاتے ہیں ایک شخص ایک جنگل سے گذرتا ہے۔ ایک پرندہ کو دیکھتا ہے کہ اپنے گھونسلے کے پاس اڑ رہا ہے اس سے یہ کہہ کر چلا جاتا ہے کہ تجھ کو میں نے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اب تجھے کوئی ڈر نہیں۔ واپس آتا ہے دیکھتا ہے کہ اس کا گھونسلہ اجڑا پڑا ہے ایک اونٹنی پاس پھر رہی ہے یہ گمان کیا۔ کہ اس نے وہ گھونسلہ خراب کیا ہوگا۔ اونٹنی کے تھنوں کو تیر سے زخمی کر دیتا ہے اونٹنی کا مالک آتا ہے جھگڑا

اور اس کی صحیح تاویل کا علم علیؑ سے سیکھو۔
آپ کی عقلِ سلیم کیا کہتی ہے۔ ان دونوں میں سے جونسا عقیدہ بہتر نظر آئے۔ وہ ہی اختیار کرلیں۔ آگے آپ کی مرضی ہے

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

یہ مجھ کو ماننا پڑے گا کہ اس باب میں مجھے بہت سی باتیں دُہرا کر کہنی پڑیں جو میں پہلے کہہ چکا تھا تکرار کی بڑی وجہ تو یہ ہوتی ہے۔ کہ ایک ہی مضمون یا واقعہ کئی عنوانوں کے تحت میں آتا ہے۔ اور سلسلہ بیان اور اثر قائم رکھنے کے لئے ہر عنوان کے نیچے اسے ذکر کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے یہ بھی ہے کہ مضمون کی اہمیت کی وجہ سے اُسے کئی طریقوں سے کہنا پڑتا ہے۔ تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ نظیر تو بہت عظیم الشان ہے کیا عرض کروں چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ مولوی محمد حفظ الرحمٰن کے قصص القرآن حصہ اوّل کے پیش لفظ سے ذیل کی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں گذشتہ قوموں کے واقعات کی تکرار جو قرآن شریف میں ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اسی لئے قرآنِ عزیز میں ان کی تکرار پائی جاتی ہے تاکہ سامعین کے دل میں وہ گھر کرسکیں اور فطری و طبعی رجحانات کو ان حقائق کی جانب متوجہ کیا جاسکے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ ایک بات کو مختلف پیرایہ بیان اور مناسب حال اسلوب نگارش سے بار بار دُہرایا جائے اور خوابیدہ قوائے فکریہ کو پے بہ پے بیدار کیا جائے۔"

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

ختم شد

مدح یا قدح؟

الفاروق کو ختم کرتے وقت مولوی شبلی نے خاتمہ میں دعویٰ کیا ہے۔ کہ حضرت عمر کے سوانح اور حالات جس تفصیل وصحت سے الفاروق میں لکھے گئے ہیں وہ تفصیل و صحت کی آخری حد ہے۔ اس دعوے پر مجھے یہاں گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔ البلاغ المبین کے مطالعہ سے ناظرین کو ظاہر ہو گیا ہوگا۔ کہ الفاروق کو کس رنگ کی عینک لگا کر لکھا گیا ہے۔ بہترین مدح جو حضرت عمر کی ہو سکتی ہے۔ وہ مولوی شبلی کی رائے میں شاہ ولی اللہ دھلوی کی فارسی کی عبارت میں کی گئی ہے۔ جس پر پروفیسر صاحب ممدوح نے الفاروق کو ختم کیا ہے۔ کیونکہ اس سے بہتر کوئی اور عبارت حضرت عمر کی جامعیت کمالات کے اظہار میں نہیں لکھی جا سکتی۔ وہ عبارت یہ ہے۔

سینۂ فاروق اعظم را بمنزلۂ خانہ تصور کن۔ کہ درہائے مختلف وارد و بر در سے صاحب کمالے نشستہ۔ در یک در مثلاً سکندر ذوالقرنین۔ باآں ہمہ سلیقۂ ملک گیری و جہاں ستانی و جمع جیوش و برہم زدن اعداء در در دیگر نوشیروانے باآں ہمہ رفق ولین ورعیت پروری و داد گستری (اگرچہ ذکر نوشیرواں در مبحث فضائل حضرت فاروق سوء ادب است) و در در دیگر ابوحنیفہ یا امام مالکے باآں ہمہ قیام بہ علم فتویٰ و احکام و در در دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانی یا خواجہ بہاءالدین و در در دیگر محدثے بر وزن ابوہریرہ و ابن عمر و در در دیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فریدالدین عطار، مردمان گرداگرد ایں خانہ ایستادہ اند۔ وہر محتاجے حاجت خود را از صاحب فن درخواست می نماید و کامیاب مے گردد۔

ہمارا شروع سے دعویٰ رہا ہے کہ حکام سقیفہ میں وہ صفات نہیں تھیں۔ جو حکومت الٰہیہ اسلامیہ کے حکام میں لازمی ہیں۔ اور یہ جو غایت درجہ کی ان کی مدح کی ہے وہ ہمارے دعوے کی دلیل ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ جب کسی صفت میں کسی کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے تو مشبہ بہ اُس صفت کا بہترین مظہر اور حامل سمجھا جاتا ہے اور جس کو تشبیہ دیتے ہیں۔ اُس کا انتہا

ہی کمال کافی ہے کہ اُس صفت میں اُس کے لگ بھگ ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کے
برابر ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ مشبّہ بہ کو مشبّہ سے اُس صفت میں کمتر خیال کیا جائے۔
اگر مشبہ بہ کو اُس سے کمتر جانتے۔ تو پھر تشبیہ ہی کیوں دیتے۔
پہلے ہم سکندر اعظم کو لیتے ہیں۔ اس سے ان چار صفات میں تشبیہ دی ہے ملک گیری
جہاں ستانی۔ جمع جیوش اور برہم زدن اعداء۔ ان چاروں صفات کے حالات سنئے۔
سکندر کی عمر بیس سال کی تھی۔ اس کے باپ فلپ کی سینتالیس سال کی۔ عمر طبعی
تک اگر فلپ زندہ رہتا۔ تو سکندر کا شوق اور ہوس ملک گیری بڈھے
ہو جاتے جب کہیں سلطنت ملتی۔ سکندر اور اس کی ماں نے اُڑا دیا۔ کہ فلپ سکندر
کو تخت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ اور آخرکار فلپ کو قتل کرا دیا۔ یہ تو ملک گیری
ہوئی۔ اب جہاں ستانی اور برہم زدن اعداء کی سُنئے۔ جب شہر صور کو فتح کیا
تو ہنتے شہریوں کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ صرف اس وجہ سے کہ صور کی فوج کی
بہادری کی وجہ سے صور کے فتح ہونے میں تاخیر ہو گئی تھی۔ ایک ہزار شہریوں کے
سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دے۔ اور اس کے علاوہ تیس ہزار باشندوں کو لونڈی
و غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ جو لوگ آزادی پسند تھے۔ ان کو قتل کرا دیا۔
جب شہر (THEBES) کو فتح کیا تو تمام شہر کا قتل عام کرا دیا۔ تیس
ہزار لونڈی غلام بنائے۔ اور شہر کو برباد کرا دیا کہ نشان تک باقی نہ رہا۔ باقی شہروں
نے ڈر کر پناہ مانگی۔ ایتھنز میں مخالفین کو اپنی طرف کرنے کے لئے رشوت بھی دی
چنانچہ سب سے بڑے خطیب PHOCIAN کے پاس کافی رشوت بھیجی۔ لیکن
اس نے واپس کر دی۔ دیکھو
SIR WILLIAM SMITH'S HISTORY OF GREECE. P.P. 529 & 527
یہ کیسی حکومت ہے جس کے حکمرانوں کی عزت ایسے آدمیوں سے مقابلہ کر کے بڑھتی
ہے۔ اس قسم کی جہاں ستانی، جمع جیوش، برہم زدن اعداء حضرت عمر ہی کے لئے باعث
فخر ہو سکتی ہے۔ نوشیرواں کے انصاف پر فخر ہوتا ہے۔ سب سے بڑا ظلم تو کفر
ہے۔ نوشیرواں اس کا مرتکب تھا۔ تو ایک مسلمہ ظالم کا انصاف کیا۔ اور حکومت الٰہیہ
کے سردار کے لئے وہ کیونکر باعث فخر ہو سکتا ہے۔ اب رہے۔ ابو حنیفہ، امام مالک
جلال الدین رومی، ابن عربی، عطارؒ وغیرہ۔ زیادہ ہمت کی تو امت کے چند علماء
کے ساتھ برابری کا فخر حاصل ہو سکا۔ ان سے مقابلہ ہی کیا جاتا باعث ننگ

ہے۔ اگر برابر بھی ہو گئے۔ تو کونسی بڑی بات ہے۔ باپ کو یہ فخر ہے کہ اپنے بیٹے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ جانشین رسُول، حاکم حکومت الٰہیہ کو یہ فخر ہے کہ اُمّت کے چند علماء کے برابر وہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی اس کی موجودگی میں جس کی نسبت خود جلال الدین رومی فرمائیں کہ۔ ع افتخارِ ہر نبی و ہر ولی ؛ جس کی ایک اولاد کی نسبت ابو حنیفہ یہ کہیں کہ لولا السنتان لہلک النعمان ؛ جس کی نسبت خود حضرت عمر کہیں کہ لولا علیؑ لہلک عمر۔ اور جو خود تمام امت کو ہدایت حاصل کرنے کی "سلونی قبل ان تفقدونی" کی صلائے عام دے۔ اصل بات تو یہ ہے۔ کہ یہ بزرگوار نبوت و رسالت کی ماہیت اور اس کے درجہ کو سمجھے ہی نہیں۔ پھر وہ حکومتِ الٰہیہ کی ماہیت اور اصل غرض و غایت کو کیا سمجھتے۔ انہوں نے تو اس کو ایک معمولی دنیاوی حکومت سمجھا۔ اور جس طرح دنیاوی بادشاہوں کی تعریف کی جاتی ہے۔ اُسی طرح اپنے حکام کی تعریف کرکے خوش ہوتے ہیں۔ اُن کے دماغ ہی میں نہیں آتا کہ حکومتِ الٰہیہ کے حکام کا درجہ سلاطین عالم سے بالاتر ہے۔ سلاطینِ عالم گو محض عدل کرنے کی کوشش کریں۔ اور بسا اوقات عدل کریں بھی لیکن کئی جگہ ظلم اور زیادتیاں کر جائیں تو وہ نہایت اچھے بادشاہوں میں گنے جائیں گے اور پچاس سال کی سلطنت میں دس بارہ ظلم کی مثالیں محض نظر انداز کرنے کے قابل ہوں گی۔ حکومتِ الٰہیہ کا حاکم اگر اپنی صد سالہ حکومت میں ایک ظلم بھی کر جائے تو وہ اپنے درجہ سے گر جائے گا۔ دیکھو سکندر کی سرعت فتوحات نے ان بزرگواروں کی آنکھیں خیرہ کر دیں اس نے جو چند ظلم کئے تھے۔ وہ نظر انداز کر دیئے۔ فقہ میں بھی حاکم حکومتِ الٰہیہ ایک غلطی بھی کر جائے یا ایک سوال کا بھی جواب نہ دے سکے تو نتیجہ نکالا جائے گا۔ کہ وہ حکومتِ الٰہیہ کا حاکم نہیں ہے۔ دیکھو۔ یاد رکھو۔ بادشاہ کے ایک ظلم کا سلسلہ بہت دُور تک نسلاً بعد نسلٍ چلتا ہے۔ راہنما کی ایک غلطی ہزاروں کو گمراہ کرتی ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ ایک ہوا، ایک ظلم ہو گیا، ایک غلطی ہو گئی۔ جن سے مقابلہ کرکے حضرت عمر کے لئے فخر کی جگہ پیدا کر رہے ہو۔ یعنی ابو حنیفہ۔ ابن عمر، مالک وغیرہ، ان کی تو فقہ میں سینکڑوں غلطیاں تھیں۔ اگر ان کے برابر آپ سلطنت کا حاکم آ گیا۔ تو کون سی جائے فخر ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کی یہ عبارت تو حاکم حکومت الٰہیہ کے لئے مدح نہیں ہے بلکہ قدح ہے۔ دیکھو مشابہت یہ تھی۔ اور حاکم حکومت

الہیہ ایسا ہوتا ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ جعل لاخی علی بن ابی طالب فضائل لا تحصی کثرتہ فمن ذکر فضیلۃ مقراً بہا غفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر . . . . ومن اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ و نوح فی فہمہ و ابراہیم فی خلقہ و موسیٰ فی و مناجاتہ و عیسیٰ فی سنہ و محمد فی ہدیہ وحلمہ فلینظر الی علی بن ابی طالب۔

جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے میرے بھائی علی کو اتنے فضائل عطا کئے ہیں کہ جن کی کثرت کا شمار نہیں ہو سکتا جس شخص نے ان میں سے ایک فضیلت کا قائل ہو کر ذکر کیا۔ خداوند تعالیٰ اس کے گناہان ماضی و آئندہ بخش دیتا ہے . . . . . . جو چاہتا ہے کہ آدمؑ کو اُن کے علم میں، نوحؑ کو ان کے فہم و ذکا میں، ابراہیمؑ کو ان کے خلق میں، موسیٰؑ کو صفت کلیمی میں، عیسیٰؑ کو ان کی سنن میں، محمدؐ کو ہدایت کرنے کی اہلیت میں اور حلم میں دیکھے اس کو چاہیئے کہ علی بن ابی طالب کو دیکھے۔

(البلاغ المبین حصہ اول طبع ثالث ۱۸۳ تا ۱۸۸)

حکومتِ الٰہیہ کے حکام ایسے ہوتے ہیں

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

شکریہ

جس فراخدلی۔ خلوص نیت اور محبت سے قوم نے "البلاغ المبین" اور میری دیگر کتب کو شرفِ قبولیت بخشا ہے اور جس جوش اور شوق سے ان کا خیر مقدم کیا ہے اس کا شکریہ ادا کرنا میری طاقت سے باہر ہے۔ ہندوستان کے دور دراز کونوں سے سیلون و بنگلور و آسام و سندھ سے بلکہ افریقہ کے ریگستانوں سے میرے پاس میرے اُن محسنوں کے خطوط آئے ہیں۔ جن سے مجھ کو شرفِ تعارف بھی حاصل نہ تھا۔ انہوں نے محض محبت و جوش ایمانی کے جذبات سے متاثر ہو کر میرے لئے اور میری کتابوں کے لئے اپنے ایسے گراں قدر خیالات کا اظہار ایسے مبالغہ آمیز الفاظ میں فرمایا ہے کہ ان کو پڑھ کر جذبات سے بھرا ہوا دل زبان تک صرف اسی قدر پیغام بھجوا سکا۔ کہ "کیا اچھا ہوتا کہ میں ایسا ہوتا۔"

اس کو میں اپنے مولا کا ایک معجزہ سمجھتا ہوں اور یہ حسن قبول بہترین افضال الٰہی میں سے ایک فضل ہے۔ میں اپنی قوم کی اس ہمت افزائی کو امراء کے انعامات و اکرامات سے کہیں زیادہ قابلِ قدر سمجھتا ہوں۔ اور میرے لئے یہ اطمینان کہ میری محنت اور جانفشانی کو میری قوم نے پسند کیا، ہزار ہا تمغہ ہائے نقرئی و طلائی سے بہتر اور خوش آیند ہے اس ہی اطمینان اور خوشی کے ساتھ اب میں "البلاغ المبین" حصہ دوم کی اڈیشن سوم کو قوم کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ "البلاغ المبین" حصہ دوم کی طبع ثالث ۱۹۵۹ء میں ہوئی۔ خدا کے فضل و کرم سے اس سلسلہ میں "البلاغ المبین" حصہ اوّل، حصہ دوم، حصہ سوم یعنی ضمیمہ، کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام، سیرۃ فاطمہ زہرا اور نور المشرقین من حیاۃ الصادقین طبع ہو کر قوم کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں۔ لیکن ابھی سر میں یہ سودا باقی ہے۔ اس ہی خلافت کے مضمون پر انگریزی میں ایک کتاب زیر تحریر ہے۔ اس کے بعد اگر اجل نے مہلت دی اور فضل ایزدی شامل حال رہا تو ایک جامع کتاب لکھنے کا ارادہ ہے۔ جس میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے سوانح حیات اور ان بزرگواروں کی تعلیم دین و جہاد نفس کا تذکرہ ہوگا۔ غرضکہ جب تک یہ سر ہے یہی سودا رہے گا۔

وَمَا تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

فلسفۂ موت وحیات

آہ! مولوی حکیم سید ظفر مہدی أعلی اللہ مقامہٗ

باتوا علی قلل الاجبال تحرسہم غلب الرجال فلم تنفعہم القلل
واستنزلوا بعد عزعن معاقلہم واسکنوا حفرا یا بئس ما نزلوا
اصبحت منازلہم قفرا معطلۃ وساکنوہا الی الاجداث قد نزلوا

امام علی نقی

سیعرض عن ذکری وتُنسی مودتی ویحدث بعدی للخلیل خلیلُ
اذا ما انقضت عنی من الدھر لیلۃٌ فانّ غناء الباکیات قلیلُ
الٰہی لا تعذبنی فانی مقرٌ بالذی قد کان منی
فمالی حیلۃٌ الّا رجائی لعفوک ان عفوت وحسن ظنی
وکم من زلّۃٍ لی فی الخطایا وانت علیّ ذو فضلٍ ومَنّ

(ابو العتاھیہ)

تا چشم کنم باز شب وصل سحر بود عمر گزراں بر سر انصاف نیامد
ہفت آسماں بگردش و ما در میانہ ایم غالب دگر مپرسی کہ بر ماچہ میرود
مجو آسودگی گر مرو راہی کاندرین وادی چو خار از پا برآمد پا ز داماں بر نمی آید

غالب

صبح کو طائرانِ خوش الحان پڑھتے ہیں کل من علیہا فان
موت سے کس کو رستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے

زہرِ عشق

جو کچھ آلِ محمد پر گزرا اس کے بعد موت موت نہ رہی

منقول از فلسفۂ اسلام حصہ دوم

ہر ایک بزرگ و عزیز کی موت جو ہمارے سامنے ہوتی ہے کچھ عرصہ کے لیے تو ضرور ہم کو موت وحیات

پر سوچنے کے لئے مجبور کر دیتی ہے نیکبخت ہیں وہ لوگ جو اس اثر کو جاری رکھتے ہیں۔ اور فلاح پاتے ہیں۔ بدبخت ہیں وہ لوگ جو اس کو بھول جاتے ہیں اور نقصان اوٹھاتے ہیں۔ مولوی حکیم سید ظفر مہدی اب ہماری سامنے نہیں ہیں۔ کل تک ان کی نہایت عاقلانہ و دانشمندانہ گفتگو ہم سُن رہے تھے آج وہ ہی بے حس وحرکت ہمارے سامنے پڑے ہوئے ہیں۔ کیا انسان کی زندگی کا یہ ہی آخری انجام ہے کیا ان کی عمر بھر کی ریاضت بے فائدہ رہی۔ کیا انسان کا یہ ہی انجام ہے جو ایک شمع محفل کے پروانے کا ہوتا ہے۔ کیا اس ہی جسدِ فانی کو ملائکہ آسمان سے سجدہ کرایا تھا۔ پیدا ہوا اور مر گیا اور وہ باقی رہی جنہوں نے اس کو سجدہ تعظیمی کیا تھا۔ وہ تعظیم کس کے لئے تھی اور کیوں تھی۔ یہ ہیں وہ خیالات جو ہمارے دل میں دوست و دشمن کی موت کو دیکھنے پر گزرتے ہیں۔ ان سب سوالات کا مفصل جواب دینا نہ تو اس کتاب کا موضوع ہے اور نہ ہمارے امکان میں ہے۔ لیکن دل میں آئی ہوئی بات کو رکھا بھی نہیں جاتا۔ اس ابلتی ہوئی دیگ کا ڈھکنا کھول کے ذرا اس کا جوش تو کم کر دیں۔

اس ظاہری خاموشی کو جس کا نام موت رکھا گیا ہے۔ انسان کی زندگی کا آخری اور قطعی اختتام سمجھنے سے عقلِ سلیم انکار کرتی ہے۔ وہ انسان جس کی خلقت پہ خود خالق فخر کرے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ۔ اور جس کو فرشتوں سے سجدہ کرائے اور جو فرشتہ جن کی فضلیت رکھنے والا اپنے تئیں اس سے بہتر سمجھے اس کو ہمیشہ کے لئے ملعون و مردود کر دے وہ انسان اس طرح گائے بیل کی طرح مر کر ختم نہیں ہو سکتا۔

جہاں انسان دیگر وجوہات سے اشرف المخلوقات ہے۔ وہاں اس شرف کی یہ بھی ایک وجہ ہے اور بڑی وجہ ہے کہ اس میں موت وحیات دونوں بیک وقت موجود ہیں۔ اس معنی میں نہیں کہ ہر لحظہ جو گزرتا ہے وہ اس کو حیات سے دور اور موت سے نزدیک کرتا جاتا ہے۔ بلکہ اس معنی میں کہ بیک وقت یہ مُردہ بھی ہے اور زندہ بھی۔ ایک شخص پیدا ہوتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اب اس کی زندگی شروع ہوئی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ ہی انسان جسد خاکی کی صورت میں ہمارے سامنے مُردہ پڑا ہوتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ مر گیا۔ یہ تو وہ حالت ہے جو اُوپر بیان ہوئی کہ ہر لحظہ انسان کو موت سے قریب کرتا جاتا ہے۔ گویا انسان کی یہ زندگی ایک موت ہی کی شکل ہوتی۔ یہ صورت اور یہ طرزِ گفتگو بھی درست ہے۔ اور اس ہی کی طرف اشارہ کر کے انسان کو ڈرایا گیا ہے اور نیکی کی طرف مائل کیا گیا ہے۔ لیکن یہ ظاہری موت ہے۔ در اصل اس کے بعد بھی انسان زندہ ہے اور یہ ہی اس شرف کی وجہ ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا اور جو انسان کو حیوانِ مطلق سے ممیز کرتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ دنیاوی پیدائش نہ تو انسان

کی پیدائش اولین ہے۔ اور نہ یہ موت ظاہری موت اصل ہے۔ انسان اس وقت پیدا ہو چکا تھا جب اس سے وعدہ الست لیا گیا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى ۔ بلیٰ کہنے والا کون تھا۔ یہ انسان ہی تو تھا۔ اور سمجھ بوجھ کر کہا تھا۔ سوچنے سمجھنے اور نتیجہ نکالنے کی عقل رکھتا تھا۔ جب ہی تو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ عہد ہم نے تم سے اس وجہ سے لیا۔ کہ

اَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِينَ ۙ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ۔ سورۃ الاعراف۔ ۷ : ۱۷۲، ۱۷۳

(یہ عہد ہم نے اس لئے لیا کہ ایسا نہ ہو) کہیں قیامت کے دن تم بول اٹھو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے۔ یا یہ کہہ بیٹھو کہ (ہم کیا کریں) ہمارے تو باپ داداؤں ہی نے پہلے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے۔ (کہ) ان کے بعد دنیا میں آئے) تو کیا ہمیں ان لوگوں کے جرم کی سزا میں ہلاک کرے گا۔ جو پہلے باطل کر چکے۔

یہ قطعی ثبوت ہے اس بات کا کہ ہماری زندگی روزِ الست سے روزِ قیامت تک مسلسل ایک ہی شے جاری ہے۔ اس ظاہری موت کے بعد ہم دراصل نہیں مرتے۔ بلکہ عالم برزخ میں چلے جاتے ہیں اور وہاں دنیا کے حالات یاد رہتے ہیں اور ہم خیال کرتے ہیں اگر واپس ہم دنیا میں چلے جائیں تو نیک عمل کریں گے۔ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ نہیں یہ تو فقط تمہارا کہنا ہی ہے۔ وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۔ المومنون ۲۳ : ۱۰۰

اور ان کے مرنے کے بعد برزخ ہے۔ جہاں وہ اس دن تک کہ قبروں سے اٹھائے جائینگے رہیں گے۔

روز الست کا عہد یاد رہا۔ برزخ میں دُنیا کے واقعات یاد رہے۔ میدانِ حشر کے سوال وجواب میں دُنیا کی ساری زندگی کے اعمال وافعال پر بحث ہوگی اور ہم جواب دیں گے۔ موت کہاں رہی۔ ہاں موت بھی ہے کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربك ذوالجلال والاکرام یہ اصلی موت کے لئے تو وہ وقت ہے کہ جب اختتام عالم کے بعد سب کو فنا کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ملائکہ وارواح بھی مرجائیں گے اور خداوند تعالیٰ فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ اور پھر زندہ کئے جائیں گے اور ارواح کو ان کے اجسام کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اس آیت میں اتنا ہی تو کہا ہے کہ ساری مخلوق فانی ہے۔ اور اس وقت کی طرف اشارہ ہے کہ سوائے خداوند تعالیٰ کے اور کوئی شے باقی نہ رہے گی۔ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۔ اور اگر عَلَيْهَا کی ضمیر صرف زمین کے لئے منحصر ہے تو

یہ موت ظاہری کے لئے ہے جو صرف جسم تک محدود ہے۔
اور یہ بھی تو ہے کہ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد ز عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حکیم الملت قبلہ و کعبہ جناب مولوی سید ظفر مہدی صاحب مرحوم بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے جو باوجود موت کے نہیں مرتے۔ انہوں نے اتنے غریب و بیکس لوگوں کی بغیر تمیز ملت و مذہب محض انسانی ہمدردی کی وجہ سے اس طرح بغیر خیال تحسین و آفرین کے مدد کی ہے۔ کہ محض یہی ایک کام ان کا ان کی عظمت نفس و علو ہمت کی دلیل ہے۔ جو عشق وعقیدت مجھے عالی جناب سے تھا۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ میں ان کی اگر مفصل نہیں تو مختصر لیکن جامع سوانح عمری لکھتا۔ میں نے اس کے لئے بڑی کوشش کی۔ لیکن ان کے گھر والوں نے بالکل تعاون نہ کیا۔ ان کا تو یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی تھا اسے مرنا تھا مر گیا۔ اب ہم کیوں اس کے لئے کوفت اٹھائیں اور کوشش کریں۔

آپ ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو لاہور سے کراچی تشریف لائے۔ بدن میں رعشہ ہو گیا تھا جس سے بہت تکلیف اٹھائی۔ جناح ہسپتال میں پرائیویٹ وارڈ میں کچھ عرصہ رہے پھر گو بیمار ہیں اپنے داماد کے پاس رہے۔ ۱۱ اگست ۱۹۵۷ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس دن محرم کی تین تاریخ اور ۱۳۷۷ھ ہجری تھا۔ دن ہفتہ کا تھا۔ مجھے علی الصبح آدمی نے آکر اطلاع دی۔ میں نے شرکت جنازہ کا شرف حاصل کیا۔ چہرہ اسی طرح بانور و پرشکوہ تھا۔ یہ میرا محض خیال ہی ہو گا کہ جب میں میت پر پہنچا تو مجھے ان کے ہونٹ ہلتے ہوئے معلوم ہوتے۔ وہاں نیاز احمد صاحب کے احاطہ قبرستان میں امانتاً سپرد خاک کئے گئے اور ۹ فروری ۱۹۵۷ء کو ان کی میت لاہور لے جائی گئی۔ اور وہاں بیگم مبارک النساء زوجہ سر راتب علی صاحب کے امام باڑہ میں دفن کئے گئے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ عالی جناب سر راتب علی صاحب نے مرحوم کی خدمت دل سے اور بہت اچھی طرح کی۔ لاہور میں اپنی کوٹھی کے برابر ایک کمرہ بنا دیا تھا۔ جس میں مرحوم رہا کرتے تھے۔ کراچی میں بھی مسلم لیگ کوارٹرز ناظم آباد میں ایک مکان مہیا کر دیا تھا۔ جس میں اب تک مرحوم کے لواحقین رہتے ہیں۔ جنازہ کو لاہور تک ہوائی جہاز میں سر راتب علی ہی لے گئے تھے۔

زوار حسین صاحب نے مرحوم کی بڑی خدمت کی تھی اور بیان کیا جاتا ہے کہ مرحوم

ہوتا ہے یہ باعث تھا بنی بکر و بنی تغلب کی لڑائی کا جو متواتر چالیس سال تک رہی اور جس میں ہزاروں جوانوں کی جانیں تلف ہوئیں ؎ اسی طرح اور بہت سی باتیں تھیں۔ محبت کے جذبات کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک صحابی رسول جو ہاں صحابی رسول آنحضرت کی خدمت میں حاضر آن کر کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ! مسلمان ہونے سے پہلے میری بیوی کی ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ کچھ عرصہ اس نے مجھ سے چھپا کر اس کی پرورش کی۔ پھر میرے گھر پر ہی لے آئی۔ میرے ساتھ بھی وہ رہی اور اس کو مجھ سے محبت ہوگئی جب چار برس کی ہوئی تو ہم میاں بیوی نے آپس میں فیصلہ کیا کہ اس کو مار ڈالنا چاہیئے۔ میں نے کہا اسے بنا سنوار کر میرے ساتھ کر دو۔ لڑکی کی ماں نے اس کو اچھے کپڑے پہنا کر میرے ساتھ کر دیا۔ لڑکی یہ سمجھی کہ مجھے باہر سیر کرانے کے لئے لئے جاتے ہیں جنگل میں لے گیا۔ گڑھا کھود کر لڑکی کو اس میں دبانا چاہا وہ کہتی جاتی تھی کہ ابا میرے اوپر کیوں مٹی ڈال رہے ہو۔ ابا کیا اس جنگل میں تم مجھ کو اکیلا چھوڑ جاؤ گے۔ ابا میں تو تمہارے ساتھ گھر اماں کے پاس چلوں گی۔ لیکن مجھے کچھ رحم نہ آیا اور میں نے زندہ اسے دبا دیا اب آپ میرے لئے دعا کریں کہ خدا میرا گناہ معاف کرے۔ کیا ایسے شقی دلوں کو محبت سے کچھ لگاؤ ہو سکتا ہے یہ کل کی باتیں تھیں۔ فقط کلمہ پڑھنے سے جبلّت و خصلّت و فطرت تو نہیں بدل گئی تھی۔ ان لوگوں میں حضرت عمرؓ کا مجوزہ عقیدہ آسانی سے پھیل سکتا تھا یا جناب رسولِ خدا کی تعلیم محبت۔ مقدم الذکر انکی طبیعت کے مطابق تھا مؤخر الذکر کو یہ سمجھ ہی نہ سکے۔ اس عقیدہ کا بہت اچھا مظاہرہ واقعہ قرطاس کے وقت ہو گیا حضرت عمر سے نہ رہا گیا۔ اپنے عقیدہ کا اظہار کر دیا آپ نے فرمایا کہ جب رسولِ خدا کا یہ حکم منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتا ہمیں اب رسول کی ہدایت اور ان کے احکام کی ضرورت نہیں رہی۔ ہمارے لئے قرآن شریف کافی ہے۔ کیوں نہ کافی ہو گا جس طرح جی چاہے گا تاویل کر لیں گے۔ جس مضبوطی و سرعت کے ساتھ یہ عقیدہ قوم میں پھیل گیا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر کے آگے رسولِ خدا کی بات نہ چلی۔ مرنے والے سے ہر ایک کو قدرتاً ہمدردی اور محبت ہو جاتی ہے اور اس کی خواہش کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ آنحضرت محض نبی ہی نہ تھے۔ محسن قوم بھی تھے۔ لیکن باوجود اس کے آنحضرتؐ کی آخری خواہش نہ پوری کی گئی وہ خواہش جو محض ان کے ہی فائدہ کے لیئے تھی۔ اس قوم سے بعید تھا کہ یہ حضرت علی کی رفعت شان و عظمت تخیل کو سمجھ سکتے اور ان سے محبت کر سکتے۔ تعجب یہ نہیں ہے کہ اس قوم نے باوجود آنحضرتؐ کے اتنے صریح اعلانات و احکامات و ارشادات کے علی کو نہ سمجھا۔ بلکہ تعجب ہوتا اگر وہ علی کو سمجھ لیتے، اور اگر وہ علی کو سمجھ لیتے تو پھر ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوتے کہ حضرت علی کی شان ہی کچھ بہت ارفع و اعلیٰ نہ تھی کہ وہ اس ادلاکش

عقیدۂ نبوت کا اظہار [illegible] قرطاس

؎ :— R. A. NICHOLSON:- LITERARY HISTORY OF ARABS. P.P.55

اُن کو "کچھ" دے گئے ہیں۔ یعنی از قسم روحانیت کراچی و لاہور میں مرحوم کے مقلدین بہت تھے۔ جن میں سے سید منظور علی صاحب ایگزیکٹو انجنیئر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کا ذکر خاص طور سے ہوتا ہے مرحوم سے ان کو دلی عقیدت تھی اور مرحوم کے محرم راز تھے۔ بیماری میں اکثر مرحوم کے پاس بیٹھ کر ان کا دل بہلاتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مرحوم کو اس حقیر سے بھی بہت اُنس تھا۔ اکثر بلیا کہا کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ میں کچھ ان کی خدمت نہ کر سکا۔ میری کتابوں کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ ان کے قول و فعل کی تقلید نے ہی مجھے ان کی تحریر پر آمادہ کیا تھا۔

ثم انقضت تلك السنون واهلها
فكانها وكانهم احلام

محمد سلطان مرزا
۲۹ رشعبان نوروز ۱۳۷۷ھ ہجری مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۵۸ء

محسن کش قوم کی بھی سرحد ادراک کے اندر ہی رہی۔
امر واقعہ یہ ہے کہ اس عقیدہ نے قوم کے تخیّل اور نظریہ پر اثر ڈالا اور پھر قوم کے تخیّل نے اس عقیدہ کی نشوونما کے لئے زمین تیار کی۔ تخم ریزی کے لئے دُہاۃ عرب مثلاً عمرو بن العاص و مغیرہ بن شعبہ و عبدالرحمٰن ابن عوف وغیرہم کو طلب کیا گیا اور بنو امیہ کو اس کھیتی کی حفاظت کے لئے مقرر کیا گیا۔ ممالک غیر سے غنائم نے آن کر آبیاری کی پھر جو نہالان اسلام بارآوری پر آئے۔ تو ہر موسم میں طرح طرح کے گل کھلاتے رہے۔ اس کھیتی کے سرسبز ہونے کی پیشین گوئی آنحضرتؐ پہلے ہی فرما چکے تھے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں میں فتنے اس طرح پے در پے آ رہے ہیں جیسے مینھ کی بوچھاڑ۔ عرب کے تخیّل اور حضرت عمرؓ کے عقیدہ نے مل کر جو پہلا نتیجہ پیدا کیا وہ یہ تھا کہ اہلبیت رسالت کو صحابۂ رسول کی اکثریت اپنا رقیب و مدمقابل سمجھنے لگی۔ اور یہ تنازعہ صحابہ بنام اہل بیت رسول ایسا پیدا کر دیا۔ جس نے اسلام کی بیخ و بُن کو کھوکھلا کر دیا اور اب تک ختم نہیں ہوا۔ اس عقیدہ نے امت محمدیہ کی اکثریت پر جو اثر ڈالا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ حکومت کے کارکن دختر رسول کا گھر جلانے آتے ہیں اور امت دیکھتی ہے بلکہ ان کو آگ لا کر دیتی ہے۔ فدک سے دختر رسول کو بیدخل کر کے حکومت قبضہ کرتی ہے اور امت ان کی تحسین کے لئے آمادہ ہے۔ نواسہ رسول کو دیرینہ دشمن رسول زہر سے قتل کرتا ہے اور امت خوش ہوتی ہے اس کی وصیت ہے کہ میں اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہوں۔ امت کہتی ہے کہ نہیں۔ تم اس کے قابل نہیں ہو۔ وہاں تو صحابۂ رسول ہی آرام کر سکتے ہیں اور اس کے جنازے پر تیر برسائے جاتے ہیں۔ خاندان رسولؐ کی ہر طرح سے بے حرمتی کی جاتی ہے تاکہ وہ حکومت کے قابل ہی نہ سمجھا جائے اپنے نبی محسن اعظم کی اکلوتی و پیاری بیٹی کو اس کے باپ کا پُرسا اس عمدگی اور حسن سلوک کے ساتھ دیا جاتا ہے کہ وہ فریاد کرتی ہوئی اپنے باپ کی قبر پر جاتی ہے اور کہتی ہے کہ بابا آپ کے بعد آپ کی اُمت کے ہاتھوں سے مجھے ظلم و ستم پہنچے۔ اب طاقت نہیں۔ مجھے اپنے پاس بلا لو۔ اور کارکنان حکومت سے کہتی ہے کہ تم نے مجھ پر ایسا ظُلم کیا ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہاری شکل نہ دیکھوں گی اور مرنے کے بعد اپنے باپ سے تم دونوں کی شکایت کروں گی۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر قوم کو ذرا احساس نہیں ہوتا۔ آخر کار جناب رسول خداؐ کے سارے احسانوں کا بدلہ میدان کربلا میں اس طرح دیا گیا کہ جب تک انسانیت باقی ہے اسکے دامن سے یہ دھبہ نہیں چھوٹ سکتا۔ دنیا کی تاریخ محسن کشی و احسان فراموشی کا اس سے زیادہ ہیبت ناک منظر نہیں پیش کر سکتی اور یہ اس وجہ ہی سے ممکن ہو سکا کہ اس محسن سے بے رُخی اور اُسکی اولاد سے دشمنی کرنے کو اس اعتقاد کے ذریعے سے مذہب میں داخل کر لیا گیا۔ انہوں نے کہا۔ اور ببانگ دُہل کہا کہ ہمارے اسلام میں ہمارے مذہب میں نبوت و حکومت جدا جدا شئے ہیں۔ رسُول کی

ذات اور ان کی اولاد سے کچھ غرض نہیں۔ ہمیں تو فقط منصب نبوت سے کام ہے مذاہب عالم کی تاریخ بتارہی ہے کہ جس عمل یا طرز تخیل کو مؤثر اور پائندہ بنانا مقصود ہوتا ہے اس کو اعتقاد کی شکل میں مذہب میں داخل کرلیا جاتا ہے۔ اس عقیدے کے مذہب میں داخل ہونے کا نتیجہ دیکھئے کہ یزیدی لشکر کہہ رہا تھا کہ حسین کو جلدی قتل کرو تاکہ ظہر کی نماز اپنے وقت پر ادا ہوسکے وہ لوگ حَسْبُنَا کتاب اللہ کے ایسے والا و شیدا تھے کہ گردنوں میں قرآن لٹک رہے تھے اور ہاتھوں سے نواسۂ رسول کی گردن کاٹ رہے تھے۔

جو سلوک ارکان حکومت نے دختر رسول سے کیا وہ تو یہ تھا کہ جو اوپر بیان ہوا۔ اپنی جماعت کی مخدرات عصمت کے ساتھ جو سلوک تھا اس کی ہم فقط دو مثالیں بیان کرتے ہیں۔ امہات المومنین کا وظیفہ دس دس ہزار درہم سالانہ تھا۔ مگر حضرت عمر نے کہا کہ چونکہ حضرت عائشہ آنحضرت کی محبوب ترین زوجہ تھیں لہٰذا ان کا دو ہزار درہم سب سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کا وظیفہ بارہ ہزار درہم سالانہ کردیا گیا۔

ان درجا قدام الی عمر من العراق وفیه جوهر فقال لاصحابه أتدرون ماثمنه قالوا لا ولویدرا واکیف یقسمونه فقال تاذنون ان ابعث به الی عائشة لحب رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ایاها فقالوا نعم فبعث به الیها ففتحته فقالت ماذا فتح علی ابن الخطاب بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

عراق سے مال غنیمت کے ساتھ ایک جواہرات سے بھری ہوئی ڈبیہ حضرت عمر کے پاس آئی۔ حضرت عمر نے اپنے اصحاب سے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اسکی قیمت کیا ہے انہوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے اس کی تقسیم میں مشکل تھی حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اجازت دو تو یہ ساری ڈبیہ میں حضرت عائشہ کے پاس بھیج دوں کیونکہ وہ جناب رسول خدا کی محبوب ترین زوجہ تھیں سب نے کہا کہ ہاں بھیج دیجئے چنانچہ حضرت عمر نے وہ ڈبیہ حضرت عائشہ کی خدمت میں بھیج دی جب حضرت عائشہ رضہ نے کھول کر دیکھا تو فرمایا کہ عمر ابن الخطاب نے رسول خدا کی وفات کے بعد کتنے کتنے بڑے احسانات میرے اوپر کئے ہیں۔

مستدرک علی الصحیحین الجزالرابع صفحہ ۸

دونوں سلوکوں میں فرق دیکھا۔ حضرت فاطمہ بھی حضرت عمر کے سلوک کا ذکر کرنے پر مجبور ہوئیں لیکن شکایت و فریاد کے ساتھ۔ حضرت عائشہ کو بھی ان کے سلوک کا ذکر کرنا پڑا۔ لیکن جذبات احسان مندی کے ساتھ ایک طرف جناب رسول خدا کی محبت کی یہ جزا۔ دوسری طرف جناب رسول خدا

حضرت عائشہ سے جماعت حکومت کا سلوک

کی محبت کی یہ سزا۔ یہ ہیں سیاستِ عمریہ کے نمونے۔

جس جسارت و دلیری سے حضرت عمرؓ نے رسول خدا کے احکام میں مداخلت کی اور ان میں تغیرّ و تبدل پیدا کیا وہ اس عقیدہ کے بغیر ناممکن تھا۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اگر سب کو جمع کریں۔ تو ایک کتاب بن جائے۔ ابھی آپ حضرت شبلی کی تحریر سے معلوم کر چکے ہیں کہ امام شافعی نے اس کی بہت سی مثالیں جمع کر کے حضرت عمر پر قدح کی ہے۔ ایک دو مثالیں ہم بیان کر دیتے ہیں۔ آنحضرت نے شرابی کی سزا چالیس کوڑے مقرر کئے تھے حضرت عمر نے اس سزا کو خفیف سمجھا اور چالیس کی بجائے اسّی کوڑے شرابی کی سزا مقرر کر دی۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الثالث صفحہ ۲۷۳

الفاروق حصۂ دوم صفحہ ۲۱۴

ایک دوسری جگہ مولوی شبلی تحریر فرماتے ہیں:۔

"حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت پہلی تین دوڑوں میں آہستہ آہستہ دوڑ کے چلتے ہیں۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلعم جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کر دیا کہ مسلمان ایسے نحیف و کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے آنحضرت نے رمل کا حکم دیا اس کے بعد یہ فعل معمول بہ ہو گیا۔ چنانچہ آئمہ اربعہ اس کو حج کی ضروری سنّت سمجھتے تھے لیکن حضرت عمر نے صاف کہا مالنا وللرمل انما کنا سرائینا به المشرکین وقد اھلکھم اللہ یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض اس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا۔ سو ان کو خدا نے ہلاک کر دیا"

الفاروق حصۂ دوم صفحہ ۲۱۱

یہ مولوی شبلی اور حضرت عمر کا خیال ہے کہ رمل کا حکم آنحضرت نے اس وجہ سے دیا تھا ورنہ کہیں یہ ممکن ہے کہ کفار کے طعنوں کی بناء پر اعمال دین مقرر کئے جائیں۔ حضرت عمر اور علامہ شبلی کے خیال میں آنحضرت اعمال دین مقرر کرتے وقت وحی الٰہی کے منتظر نہیں ہوتے تھے بلکہ کفار کے طعنوں پر نظر رکھتے تھے۔ یقیناً یہ فتح مکہ کے بعد کا ذکر ہے۔ کیونکہ اس ہی وقت آنحضرتؐ مدینہ سے مکہ پہلی دفعہ تشریف لائے تھے کیا اس وقت تک کافروں کو مسلمان نحیف وزار ہی نظر آتے تھے۔ اتنی لڑائیاں فتح کیں۔ عمرو عبدوُد، مرحب و عنتر جیسے پہلوانوں کو زیر کیا خود مکہ فتح ہو گیا۔ کیا ابھی مسلمانوں کی طاقت کفار پر ظاہر نہیں ہوئی تھی اس دس قدم دوڑنے میں کیا بہادری کی شان تھی کہ جس نے کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا سکہ بٹھا دیا اور اگر آنحضرتؐ کے وقتِ رحلت تک مسلمان ایسے ہی نحیف وزار تھے کہ یہ بناوٹی شان بہادری قائم رکھنی ضروری تھی تو حضرت عمر نے ان میں کونسی بہادری

کی روح پھونک دی تھی جو آنحضرتؐ نہ کر سکے ۔ کیا اس سے مقصد حضرت عمر کو آنحضرتؐ پر ترجیح دینے کا ہے ۔ ایسے متین و سنجیدہ پیغمبر کے ذمہ یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو محض اس وجہ سے دوڑایا اور بھگایا کہ کفار کہیں دیکھو مسلمان بھاگے جا رہے ہیں اگر آنحضرتؐ کفار کے طنز کو اہمیت دیا کرتے تو اسلامی عبادت میں سے سجدہ تو بالکل مفقود ہو جاتا کیونکہ کفار نے سجدہ کو تو اپنی طنز کا خاص نشانہ بنایا ہوا تھا ۔ ہم حیران ہیں کہ علامہ شبلی جیسے فاضل و ذہین مورخ اور یہ عبارت ، وہ مانتے ہیں کہ آئمہ اربعہ جن کی امامت پر اہلسنت و جماعت کے دین کا قیام ہے اس قیاس کی تردید کرتے ہیں اور رمل کو سنت میں داخل سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمر ایسا نہیں سمجھتے تھے ۔ اب حضرت عمر کا درجہ امور دین میں کیا رہا ۔ کس طرح خود حضرت شبلی کی بحث سے ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ اہل سُنّت والجماعت امور دین میں حضرت عمر کو پیروی اور تقلید کے قابل نہیں سمجھتے ۔ اور بات بھی ٹھیک ہے ۔ انھوں نے تو اپنے عقیدے خلافت حاصل کرنے کی غرض سے ایجاد کیے تھے ۔ وہ اسلام کے صحیح ارکان تو نہ تھے ۔ اس زمانے کے مسلمان غلطی کھا گئے مقصد حاصل ہو گیا ۔ قصہ ختم ہوا ۔ نبوت کی حقیقت کے متعلق جو مولوی شبلی نے عبارت لکھی ہے جس کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے اس میں بھی وہ فرماتے ہیں کہ اسلام کے علماء کی اکثریت کا عقیدۂ نبوت کے متعلق حضرت عمر کے عقیدے کے مخالف ہے ۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر نے اُن کو صحیح مذہبی عقیدے سمجھ کر اختیار نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو اُن کی سیاسی تدبیریں تھیں ۔

ہمارے دعوے کو خود مولوی شبلی ثابت کرتے ہیں ۔ فرماتے ہیں :۔

"حضرت عمر مسائل شرایعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر اُن کے خیال میں کوئی مسئلہ خلافِ عقل ہوتا تو اس پر نکتہ چینی کرتے تھے ۔ چنانچہ نماز کے قصر کے حکم میں آپ نے نکتہ چینی فرمائی ۔"

الفاروق :۔ حصہ دوم ۔ صفحہ ۲۱۰ ۔

دیکھا آپ نے حضرت عمر کی جسارت کو ۔ پہلے تو یہ عذر تھا کہ جو حکم آنحضرتؐ کا منصب نبوت کے اندر نہیں ہوتا تھا اس پر نکتہ چینی کرتے تھے ۔ اب مسائل شرعیہ کی نسبت بھی حضرت عمر اپنی رائے کو دخل دینے لگے ۔ یہ معاملہ یہیں نہیں ختم ہوتا ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام میں مسائل شرعیہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے مقرر کئے گئے ۔ حضرت عمر ان کو خلافِ عقل سمجھنے کی جسارت کرتے ہیں ۔ معاذ اللہ حضرت عمر کی عقل مشیت ایزدی سے بھی زیادہ صحیح ہوئی ۔ کیا حضرت عمر نے اسلام اس لئے قبول کیا تھا کہ اسلام میں داخل ہو کر اس میں اپنی عقل سے تغیر و تبدل کریں ۔ اب جو مسخ شدہ اسلام اکثریت تک پہنچا ہے کس کی کارکردگی کا نتیجہ ہوا ۔ آگے چل کر مولوی شبلی اس طرح گہرافشانی

کرتے ہیں کہ:۔

"امورِ شریعت میں قیاس کرنا حضرت عمرؓ کی اولیات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔ قیاس کی بنیاد اوّل جس نے ڈالی وہ حضرت عمرؓ ہیں۔"

الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۴۸

یہ مولوی شبلی کی رائے ہے کہ امورِ دین و احکام الٰہی میں سب سے پہلے قیاس کرنے والے حضرت عمرؓ ہیں لیکن علمائے اسلام کی رائے ہے کہ اول من قاس ابلیسؑ۔

جس بزرگ میں اتنی جسارت ہو کہ احکام الٰہی کو بھی خلافِ عقل کہہ سکے اس سے یہ عقیدہ بعید نہیں ہے آنحضرتؐ کے دین میں جس دلیری سے کام لے کر حضرت عمرؓ نے تغیر و تبدل پیدا کیا ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں یہاں تک کہ نماز کو بدل ڈالا۔ جب ایک مدت کے بعد حضرت علیؑ نے جناب رسولِ خداؐ کی طرح نماز پڑھائی تو لوگوں نے کہا کہ آج ہم نے رسولِ خداؐ کی سی نماز پڑھی۔

صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب تکبیر

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) حضرت عمرؓ نے کیوں یہ جسارت کی (۲) مولوی شبلی کیوں حضرت عمرؓ کے طرزِ عمل کی حمایت کرتے ہیں اگرچہ دیگر علماء آئمہ نے حضرت عمرؓ کے اس امر میں قدح کی ہے۔

سوال اوّل کے لئے کئی وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ شانِ نبوت کی صحیح معرفت نہیں حاصل ہوئی تھی پکی عمر میں ایمان لائے تھے۔ طرزِ تخیل بت پرستی کے سانچے میں ڈھل چکا تھا۔ اب نبوت کا صحیح اندازہ مشکل تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ جانتے تھے کہ ہم میں صحیح اور بلند شان والی نبوت کی جانشینی کی اہلیت تو ہے نہیں، اپنی جانشینی کو کسی نہ کسی طرح درست ثابت کرنا پڑے گا لہٰذا کوشش کی کہ نبوت کی شان کو اتنا گرایا جائے کہ ان تک اُتر آوے اور وہ ایسی نبوت کے جانشین کہلائے جانے کے قابل ہوں۔ تیسرے یہ کہ اس طرح دخل در معقولات کر کے لوگوں کی نظر میں اپنی توقیر بڑھانی مطلوب تھی جو شخص کہ نبوت پر اعتراض کر سکے وہ ضرور لوگوں کی نظروں میں اس نبوت کا جانشین ہونے کا اہل ہو جائے گا۔ چوتھے یہ کہ تنقیص شانِ اہلبیت نبوت منظور تھی۔ تاکہ لوگوں کی نظروں میں اُن کی منزلت گھٹ جائے اور خلافت اُدھر نہ جانے پائے یا جب ہم خلافت لے لیں تو لوگ اُن کو ہم سے افضل نہ سمجھیں لیکن مشکل یہ تھی کہ اہلبیت کی شان وابستہ تھی رسولِ خداؐ کی شان سے۔ اور اہلبیت رسولؐ کی تنقیص شان نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ جناب رسولِ خداؐ کی شان کو کم نہ کیا جاتا اور دفعتًہ صریح الفاظ میں رسولِ خداؐ کی تنقیص شان کرنے سے سارا مطلب ہی

ہوتا تھا جس خوبی و عقلمندی سے حضرت عمرؓ و حضرت ابوبکرؓ نے اس کام کو انجام دے کر کامیابی حاصل کی وہ دنیا والوں کی صد ہزار آفرین کی مستحق ہے۔ رفتہ رفتہ کوشش کر کے بتدریج اس حد تک تو اس معاملہ کو لے آئے تھے کہ رسولِ خداؐ کو ان کے مرتے وقت یہ کہہ سکیں کہ یہ شخص تو ہذیان بک رہا ہے۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ اس قضیۂ قرطاس نے سب کی قلعی کھول دی اور ظاہر کر دیا کہ دراصل اس جماعت کا عقیدہ کیا ہے، اس عقیدہ کے ذریعے سے انھوں نے اپنے اور اپنی جماعت کے ضمیر کو خاموش کیا۔ اور اسی عقیدہ کی عینک کے ساتھ ان کے اعمال انہیں خوش نما نظر آنے لگے۔ سوالِ دوم کا جواب کہ جناب شبلی کیوں حضرت عمرؓ کی اتنی حمایت کرتے ہیں، صاف ہے۔ علامہ شبلی ہندوستان میں پہلے عربی داں مستشرق مورخ ہیں جو تھوڑی سی انگریزی کی نشدہ بدہ حاصل کر کے انگریزی مورخین کی طرزِ تحریر پر شیفتہ ہو گئے اور انہوں نے کوشش کی کہ ان کے طرز پر تاریخ لکھیں۔ حضرت شبلی کی تحریر میں وہ نقص رہ گیا جو عام طور سے نقل میں پایا جاتا ہے باہر سے خاکہ اصل کا اور اندر سے اصل کی روح مفقود۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی مورخین کی طرح وہ ایک تھیوری (THEORY) قائم کر لیتے ہیں اور پھر واقعات کو توڑ مروڑ کر اس تھیوری کے اندر لانا چاہتے ہیں۔ اب یہاں نقل اور اصل میں فرق ہوتا ہے۔ اچھے یورپین مورخین تو حتی المقدور کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ذاتی عقیدے اور تعصبات ان کے نتائج پر اثر نہ ڈالنے پائیں۔ لہٰذا وہ اپنی تھیوری کو بہت تحقیقات اور بہت سے واقعات کی جانچ پڑتال کے بعد قائم کرتے ہیں۔ پھر شاذ و نادر اگر کوئی واقعہ ایسا رہ جاتا ہے کہ اس کی کوئی تاویل و تشریح نہیں ہو سکتی تو وہ اس کو اپنی تھیوری کے اندر لانا چاہتے ہیں۔ .... مولوی شبلی شروع ہی سے اس اصول پر چلتے ہیں کہ جو عقیدے وہ پہلے سے قائم کیے ہوئے ہیں درست ہیں ان میں ترمیم و تصحیح کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا شروع ہی سے اپنے عقیدے کے بموجب اپنی THEORY (تھیوری) قائم کر لیتے ہیں اور پھر سارے واقعات کو توڑ مروڑ کر اس تھیوری کے اندر لانا چاہتے ہیں انھوں نے ایک عقیدہ یا تھیوری پیدائشی تعصب کی بنا پر قائم کر لی کہ حضرت عمرؓ دل سے خیر خواہ اسلام تھے ان کی خیر خواہی و ہمدردی اسلام رسول خداؐ سے بھی زیادہ تھی۔ اب جتنے واقعات ہوں گے ان کی تاویل اسی ہی بنا پر کریں گے اور پھر حضرت عمرؓ ان کے ہیرو ہیں، اپنے ہیرو پر کیوں حرف آنے دیں یہ ہیرو کا لفظ بھی انہوں نے انگریزی مورخین سے لیا ہے اور اس کے دوہرانے میں انہیں خاص لطف آتا ہے۔

باب چہارم

تدبیر سوم جناب رسول خداؐ کے اقوال اور طرزِ عمل پر اعتراضات

جماعت مخالفین علیؑ نے یہ رویہ اختیار کیا تھا کہ جب آنحضرتؐ علیؑ کے فضائل بیان کرتے یا ان کو

دیگر صحابہ پر ترجیح دیتے یا اور کوئی ایسا امتیازی سلوک حضرت علی سے کرتے جس سے آپ کی فضیلت دیگر صحابہ پر نمایاں ہو۔ تو فوراً اعتراض کر دیتے تھے تاکہ لوگوں میں اس کا چرچا ہو جائے اور ان کی توجہ اس بات کی طرف مبذول ہو جائے کہ آنحضرتؐ کے یہ اقوال اور یہ امتیازی سلوک محض خاندانی طرفداری پر مبنی ہیں، دوسری غرض یہ ہوتی تھی کہ آنحضرتؐ اپنے اس طرزِ عمل میں کثرت نہ کریں۔ جب آنحضرتؐ نے حضرت علی سے تخلیہ میں راز کی گفتگو کی یا علی کے گھر کا دروازہ کھلا رکھا اور دیگر اصحاب کے گھروں کے دروازے جو مسجد کی طرف کھلتے تھے بند کرا دیئے، فوراً انہوں نے اعتراض کر دیا۔ اکثر موقعوں پر حضرت عمر ان کی ترجمانی کیا کرتے تھے۔ قضیۂ قرطاس بھی اس ہی کی ایک مثال ہے غدیر خم پر اعلان جانشینی کے بعد بھی اس جماعت میں ایک کھلبلی پڑ گئی اس وقت ایک گمنام دیہاتی حارث ابن نعمان سے یہ کام لیا گیا جس نے نہایت گستاخانہ طریقے سے گفتگو کی۔ بار بار اس بات کو لوگوں کی توجہ میں اعتراضات کرکے لانے سے قبیلانہ رشک و حسد میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ تو وہ مثالیں ہیں جو صفحاتِ تاریخ میں محفوظ ہیں اور بہت سے موقعے ہوں گے۔ آپس میں سرگوشیاں ہوتی ہوں گی اور وہ نکتہ چینی کے خیالات ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتے ہوں گے۔ اور پھیلتے ہوں گے۔

تدبیر چہارم۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ

اس کا ذکر عقیدہ جماعتِ حکومت کے سلسلہ میں سے اور اوس کا بیان تدبیر سوم کے تحت میں ہو چکا ہے یہ فقرہ قضیۂ قرطاس کا ایک جزو ہے باب ہفتم البلاغ المبین حصہ اول میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

تدبیر پنجم۔ قضیۂ قرطاس

اس کا ذکر باب ہفتم البلاغ المبین حصۂ اوّل میں ملاحظہ فرمائیں۔

تدبیر ششم۔ تخلف از جیش اسامہ

اس کا ذکر باب ہفتم حصۂ اوّل میں ہو چکا ہے وہاں دیکھیں لیکن چند امور کی تشریح یہاں بھی ضروری ہے جیش اسامہ کے واقعہ کے مطالعہ کے بعد قدرتی طور سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ باوجود آنحضرتؐ کی بار بار کی تاکید کے اسامہ بن زید نے کیوں تساہل کیا اور آخر کار مدینہ سے باہر ہی نہ گئے (جرف حوالی مدینہ میں تھا) وجہ یہ ہے کہ اسامہ حضرت عمر کی جماعت کے اگر ایک رکن نہ تھے۔ تو ان کے ہمدردوں میں سے ضرور تھے اور ان کی صلاح پر عمل کرنے والے تھے۔ حضرت عمر نے ان کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ حضرت عمر جانتے تھے کہ ایسے نوجوان آدمیوں کو کس طرح اپنے میں ملایا جاتا ہے۔ اول تو ظاہری عزت

ونکم ہی سے خوش کر لیا۔ حضرت ابوبکر و عمر جب اسامہ کو دیکھتے تھے اَیُّهَا الْاَمِیْر کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت اسامہ خوش ہوتے تھے اور انکسار فرماتے تھے۔ حضرت عمر نے اپنے لڑکے عبداللہ کا وظیفہ تو تین ہزار درہم مقرر کیا اور اسامہ بن زید کا چار ہزار درہم مقرر کیا۔

ابن عساکر :- تاریخ الکبیر حصہ تہذیب الترجمہ اسامہ بن زید الجلد الثانی۔ صفحہ ۳۹۵

محمد بن سعد :- طبقات الکبریٰ جلد ۴۔ ق ۱۔ ترجمہ اسامہ بن زید صفحہ ۴۹۔

حضرت اسامہ نے بہت خوشی سے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کی بیعت کی لیکن حضرت علی کی بیعت سے انکار کرنے میں حضرت عبداللہ ابن عمر کا ساتھ دیا اور ان کی بیعت نہ کی۔

تاریخ طبری :- الجزء الخامس صفحہ ۱۵۵

ابن کثیر شافعی :- البدایہ والنہایہ فی تاریخ الجزء السابع صفحہ ۲۲۶

حضرت علی نے جب ان کے پاس آدمی بھیجا کہ بیعت کرلو تو انہوں نے انکار کر دیا۔

ابن عساکر :- تاریخ الکبیر حصہ تہذیب الجلد الثانی صفحہ ۳۹۸-۳۹۹۔ ترجمہ اسامہ بن زید

محمد بن سعد :- طبقات الکبریٰ جلد ۴ ق ۱۔ ترجمہ اسامہ بن زید۔ صفحہ ۵۰۔

ان کی والدہ وہی ام ایمن تھیں جنہوں نے خاص قاصد ان کے پاس بھیجا کہ جرف سے آگے نہ جائیں بلکہ واپس آجائیں۔ البلاغ المبین حصہ اول صفحہ ۴۲۰ اور حضرت عمر جب قتل ہوئے تو دھاڑیں مار مار کر روتی تھیں کہ آج اسلام برباد ہو گیا طبقات ابن سعد الجزء الثامن فی النساء صفحہ ۱۶۴ ترجمہ ام ایمن

چونکہ یہ حضرت علی کی خلافت کو پسند نہ کرتے تھے لہٰذا حکم رسول کی اطاعت نہ کی اور اپنے لشکر کے ساتھ نہ لے گئے جناب رسول خدا نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو خاص طور سے اسامہ کے ماتحت اس لشکر میں رکھا تھا اور حکم دیا تھا کہ فوراً باہر چلے جاؤ۔ کچھ حوالے ہم نے پہلے دئے۔ کچھ لکھتے ہیں۔ دیکھو۔

ابن عساکر :- تاریخ الکبیر حصہ تہذیب الجلد الثانی ترجمہ اسامہ بن زید صفحہ ۳۹۴۔ الجلد الثالث ترجمہ ایوب بن ہلال ابن زید بن حسن اسامہ بن زید بن حارثہ صفحہ ۲۱۵

علامہ ذہبی :- تذہیب التہذیب ترجمہ اسامہ بن زید۔

محمد بن سعد :- طبقات الکبریٰ۔ جلد ۴۔ ق ۱۔ ترجمہ اسامہ بن زید صفحہ ۴۶۔ جلد ۲۔ ق ۲۔ صفحہ ۴۱۔

باب پنجم

تدبیر ہفتم۔ ایجاد و نشر عقیدہ عدم استخلاف

اگر یہ نہ کہتے کہ جناب رسول خدا نے کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا تو پھر سقیفہ بنی ساعدہ کی کاروائی باطل ہو جاتی

لہذا یہ کہا اور خوب کہا۔ تفصیل باب اوّل و دوئم البلاغ المبین حصہ اوّل میں ملاحظہ ہو۔

تدبیر ہشتم ہنگامہ سقیفہ بنی ساعدہ

قبل اس کے کہ ہم بتائیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیکھیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ کیسی جگہ تھی اور مسجد نبوی و آبادی مہاجرین کو چھوڑ کر وہاں یہ خلیفہ سازی کا اجلاس کیوں ہوا۔ غیاث اللغات اور منتخب اللغات میں اس سقیفہ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔ "حقیقتش این است کہ سقیفہ ایوانے بود پنہاں کہ عرب برائے مشورہ ہائے باطل دراں جمع مے شدند و مجازاً مشورہ و سخن بیہودہ را گویند" غیاث اللغات کے حاشیہ پر چراغ ہدایت مؤلفہ سراج الدین علیخاں آرزو میں سقیفہ سازی کے معنی دروغ بستن لکھے ہیں۔ سبحان اللہ قضا و قدر نے خاموش واقعات کی زبان کس طرح حق کی کہانی سُنائی ہے۔ اس خلافت کی حقیقت اور اس خلیفہ کی حقانیت ظاہر ہے جو مسجد نبوی و خانۂ نبوت کو چھوڑ کر ایسی جگہ اپنی ہست بود کا انتظام کرے جو باطل اور بیہودہ مشوروں کے لئے مخصوص ہو کس خاموشی کے ساتھ قدرت نے ثابت کیا ہے کہ وہ ایک باطل کے فروغ دینے کی سازش تھی جہاں سخنان بیہودہ و مشورہ ہائے باطل کے بعد امر باطل کی بنیاد رکھی گئی۔ اگر امر واقعہ یہی تھا جو اہلِ حکومت نے گھڑا ہے کہ وہ وقت ایسا نازک تھا کہ حاکم و سردار قوم کا فوراً منتخب ہونا ضروری تھا تو پھر تمام مسلمانوں کو مسجد نبوی میں جمع ہونا چاہیئے تھا۔ وہاں مشورہ بھی ہوتا رہتا اور غسل و دفن رسول میں بھی تمام صحابہ کی شرکت جاری رہتی۔ تمام سرداران قریش اور نامورانِ اسلام فوراً جمع ہو جاتے اور ایک قطعی فیصلہ ہو جاتا۔ اگر نیک نیتی سے ان کا خیال تھا کہ جناب رسول خدا نے کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ تو پھر اس سے بہتر و موزوں کوئی اور طریقہ اور کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام اہم امور اس سے پہلے اور اس کے بعد مسجد نبوی ہی میں طے ہوا کرتے تھے۔ لیکن محض اس کے لئے بجائے مسجد نبوی کے ایک ایسا مقام پسند کیا جاتا ہے کہ جہاں دُنیا کی نظروں سے پنہاں مشورہ ہائے باطل ہوا کرتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک سازش تھی جس کو منظر عام پر لانا انہوں نے مناسب نہ سمجھا بقول حضرتِ شبلی نعمانی تمام مؤرخین اسلام سُنّی ہی ہوئے ہیں للہذا ان سے امید کب تھی کہ وہ کھلی کھلی باتیں لکھ دیں گے اور اس سازش کو سازش کہیں گے۔ فطرت انسانی کے اوپر بہت زیادہ بوجھ ڈالنا ہے جو وہ سنبھال نہیں سکتی۔ لیکن سقیفہ کے کارکنان کا طرز عمل اور یہ خاموش واقعات صاف صاف بتا رہے ہیں کہ اس تجویز کی پہلے ہی سے پخت و پز ہو چکی تھی۔

اب ہم دیکھیں کہ آنحضرت کے انتقال کے بعد ہی کیا کیا گل کھلتے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا ہوا۔ مورخ ابن خلدون حضرت عائشہ کی زبانی لکھتے ہیں:۔

(وكانت تقول) قبض رسول الله
صلى الله عليه وسلم بين سحري
ونحري وذالك نصف نهار يوم
الاثنين ليلتين من شهر ربيع الاول
ودفن بعد الغد نصف النهار من
يوم الثلاثاء ونادى النعي في
الناس بموته وابو بكر غائب
في اهله بالسنح وعمر حاضر
فقام في الناس وقال ان رجالاً
من المنافقين زعموا ان رسول
الله صلى الله عليه وسلم مات
وانه لم يمت وانه ذهب الى
ربه كما ذهب موسى وليرجعن
بها فيقطعن ايدي رجال و
ارجلهم واقبل ابو بكر حين
بلغه الخبر فدخل على رسول
الله صلى الله عليه وسلم فكشف
عن وجهه وقبله وقال بابي
انت وامي قد ذقت
الموت التي كتب الله عليك
ولن يصيبك بعدها موتة
ابداً وخرج الى عمر و
يتكلم فقال انصت فابى و
اقبل على الناس يتكلم فجاءوا
اليه وتركوا عمر فحمد الله و
اثنى عليه وقال ايها الناس
من كان يعبد محمداً فان

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جناب رسولِ خدا کا
انتقال میری گود میں ہوا۔ اور اس وقت دوپہر منگل
کا دن دو راتیں ماہ ربیع الاول سے گزر چکی
تھیں۔ آنحضرت دوسرے دن دوپہر کے وقت
بدھ کو دفن ہوئے۔ آپکے انتقال کی خبر لوگوں
میں پھیل گئی۔ اس وقت ابوبکر تو اپنی زوجہ کے
ساتھ اپنے گھر محلہ سنح میں تھے حضرت عمر موجود
تھے پس حضرت عمر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو
خطاب کر کے کہنے لگے کہ چند منافقین کا گمان
ہے کہ جناب رسول خدا فوت ہو گئے ہیں۔ امر واقعہ یہ
ہے کہ وہ فوت نہیں ہوئے بلکہ خداوند تعالے کی
میقات کے لئے گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ
گئے۔ وہ ضرور واپس آئیں گے اور لوگوں کے ہاتھ پاؤں
کاٹینگے جب آنحضرت کے انتقال کی خبر حضرت ابوبکر
کو ہوئی تو وہ فوراً واپس آئے اور آنحضرت کے حجرے
میں داخل ہو کر آپکے منہ سے چادر ہٹائی اور بوسہ
دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں
آپ نے اس موت کا ذائقہ چکھا جو خداوند تعالیٰ نے
آپ کے لئے لکھی تھی اور اس موت کے بعد آپکو ہرگز
دوسری موت سے سابقہ نہیں پڑیگا یہ کہہ کر حضرت
ابوبکر باہر آئے اور جہاں عمر لوگوں میں بول رہے تھے
وہاں پہنچے عمر کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ لیکن عمر آنا
کانی دیتے گئے اس پر خود حضرت ابوبکر آگے بڑھے
اور لوگوں میں کلام کرنے لگے اس پر لوگ عمر کو چھوڑ کر
ابوبکر کے پاس آگئے۔ ابوبکر نے بعد حمد وثنا خداوند
تعالیٰ کہا اے لوگو! تم میں سے جو محمدؐ کی عبادت کرتا
تھا وہ معلوم کر لے کہ محمدؐ مر گئے اور تم میں سے جو خداوند

محمداً قد مات ومن كان يعبد
الله فان الله حيّ لا يموت ثم تلا
وما محمد الا رسول قد خلت
من قبله الرسل الاية فكان
الناس لم يعلموا ان هذه
الاية في المنزل قال عمر فما
هو الا ان سمعت ابا بكر يتلوها
فوقعت الى الارض ما تحملني
رجلاي وعرفت انه قد مات
وقيل تلا معها انك ميت و
انهم ميتون الاية وبينما
هم كذلك اذ جاء رجل يسعى
بخبر الانصار انهم اجتمعوا في
سقيفة بني ساعدة يبايعون سعد
بن عبادة ويقولون منا امير ومن
قريش امير فانطلق ابو بكر وعمر
وجماعة المهاجرين اليهم و
قام علي وعباس وابناه الفضل و
قثم واسامة بن زيد يتولون
تجهيز رسول الله صلى الله عليه
وسلم فغسله على مسنده
الى ظهره والعباس وابناه
يقلبونه معه واسامة و
شقران يصبان الماء۔

تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ خداوند
تعالیٰ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ پھر یہ
آیت پڑھی کہ "وما محمد الا رسول قد خلت الخ" ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ اس سے پہلے لوگ نہیں جانتے
تھے کہ یہ آیت قرآن شریف میں ہے حضرت عمر
کہتے ہیں کہ جب میں نے ابوبکر کو یہ آیت پڑھتے
سنا تو میرے پاؤں مجھے نہ سنبھال سکے اور میں زمین
پر گر گیا اور معلوم کر لیا کہ رسول خدا نے رحلت فرمائی
یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس آیت کے ساتھ یہ
آیت انک میت الخ بھی حضرت ابوبکر نے
پڑھی تھی، یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں
ایک دوڑتا ہوا انصار کی یہ خبر لے کر آیا کہ وہ
سب سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور سعد
بن عبادہ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں اور کہہ
رہے ہیں کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور
ایک امیر قریش میں سے پس ابوبکر و عمر و ایک
جماعت مہاجرین کی ان کی طرف چلی لیکن
علی اور عباس اور ان کے دونوں پسر فضل
و قثم و اسامہ بن زید جناب رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول
تھے پس آپ کو غسل حضرت علی نے دیا اور
عباس اور ان کے دونوں لڑکے جسم اطہر
کو پلٹتے جاتے تھے۔ اور اسامہ و شقران
پانی ڈال رہے تھے۔

(بقیہ الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعہ ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۴ھ صفحہ ۶۳)

خبر السقیفہ

لما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم

جناب رسول خدا نے انتقال فرمایا تو جو لوگ

ارتاع الحاضرون لفقده حتى ظن انه
لم يمت واجتمعت الانصار في سقيفة
بني ساعدة يبايعون سعد بن عبادة
وهم يرون ان الامر لهم بما آووا ونصروا
وبلغ الخبر الى ابي بكر وعمر فجاءوا اليهم
ومعهم ابو عبيدة ولقيهم عاصم بن
عدي وعويم بن ساعدة فارادوهم
على الرجوع وخفضوا عليهم الشان
فابوا الا ان ياتوهم فاتوهم وهم في
ذلك فاعجلوهم عن شانهم و
غلبوهم عليه حجاجا وموعظة
(وقال ابو بكر) نحن اولياء النبي و
عشيرته واحق الناس بامره ولا
تنازع في ذلك وانتم لكم حق
السابقة والنصرة فنحن الامراء
وانتم الوزراء (وقال) الحباب بن
المنذر بن الجموح منا امير ومنكم
امير وان ابوا فاجلوهم يا معشر
الانصار عن البلاد فباسيافكم
دان الناس لهذا الدين وان
شئتم اعدناها جذعة انا جذيلها
المحكك وعذيقها المرجب
(وقال عمر) ان رسول الله صلى
الله عليه وسلم اوصانا بكم
تعلمون ولو كنتم الامراء لاوصاكم بنا
ثم بلاحاة بين عمر وابن المنذر
وابو عبيدة يخفضهما اتقوا الله

وہاں موجود تھے۔ وہ آپ کی رحلت کی وجہ سے
کم تھے یہاں تک کہ انہوں نے گمان کیا کہ آپ کا
انتقال نہیں ہوا اور انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع
ہو کر سعد ابن عبادہ کی بیعت کرنے پر تلے ہوئے تھے
اور ان کا خیال تھا کہ اس نصرت و پناہ کی وجہ سے
جو انہوں نے رسول اللہ کو دی تھی خلافت حکومت
ان کا حق تھا۔ یہ خبر حضرت ابوبکر و عمر کو پہنچی تو وہ دونوں
سقیفہ بنی ساعدہ میں آئے اور ان کے ساتھ عبیدہ بن
الجراح بھی تھے راستے میں عاصم بن عدی عویم بن ساعدہ
ملے انہوں نے ان تینوں کو مجلس انصار میں جانے سے
روکا لیکن انہوں نے انکار کیا پس سقیفہ بنی ساعدہ
پہنچ گئے پس انہوں نے تعجیل کی اور اپنی گفتگو کی وجہ سے
انصار کو باز رکھا اور ان پر غالب آ گئے۔ ابوبکر نے کہا کہ
ہم لوگ رسول اللہ کے اولیا اور ان کی عشیرت ہیں لہذا
انکے بعد حکومت کے ہم مستحق ہیں اور اس میں باہر کوئی
نزاع کی بات نہیں معلوم ہوتی البتہ تم کو حق نصرت اور
تم سابق الی الاسلام ہونے کا حق حاصل ہے اس وجہ سے
ہم لوگ امراء ہیں اور تم وزراء۔ حباب بن المنذر بن الجموع
نے کہا مناسب ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک
تم میں سے ہو اور اے گروہ انصار اگر یہ لوگ انکار کریں
تو انکو اپنی تلواروں سے اپنے شہر میں سے نکال باہر کر دو کہ دین
کی اشاعت ہماری تلوار کے ذریعے سے ہوئی ہے اس سے ہم لوگ
خلافت رسول اللہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ عمر ابن الخطاب نے کہا کہ تم کو
معلوم ہے کہ جناب رسالتمآب نے ہم کو وصیت کی ہے تمہارے ساتھ
حسن سلوک کرنے کی نہیں اگر حکومت تمہارا حق ہوتا تو یہ وصیت تم کو کی
اس پر عمر بن الخطاب و حباب بن منذر میں جھگڑا پیدا ہو گیا
ہو گیا اور ایک دوسرے کو مارنے لگے۔ ابو عبیدہ بن الجراح

حضرت ابوبکر کی تقریر

حباب بن المنذر کی تقریر

حضرت عمر کی تقریر

[illegible]

یامعشر الانصار انتم من نصر۔
وفلا تکونوا اوّل من بدل وغیر
فقام بشیر بن سعد بن النعمان بن
کعب بن الجراح فقال الا ان محمّدًا
من قریش وقومه احق واولی و
نحن وان کنّا اولی فضل فی الجهاد
وسابقة فی الدین فما اردنا
بذلك الا رضی الله وطاعة
نبیه فلا تبتغی من
الدنیا عوضا ولا نستطیل
به علی الناس۔
فقال الحباب بن المنذر نفست
والله عن ابن عمك یا بشیر فقال
لا والله ولکن کرهت ان انازع
قومًا حقهم فاشار ابوبکر الی عمر
وابی عبیده فامتنعا وبایعا ابا بکر
وسبقهما الیه بشیر بن سعد
ثم تناجی الاوس فیما بینهم
وکان فیهم اسید بن حضیر احد
النقباء وکرهوا امارة الخزرج علیهم
وذهبوا الی بیعة ابی بکر فبایعوه
واقبل النّاس من کلّ جانب
یبایعون ابا بکر وکادو یطاؤن
سعد بن عباده فقال ناس من
اصحابه اتقوا سعد الا تقتلوه
فقال عمر اقتلوه قاتله الله وقال
ابوبکر مهلا یا عمر الرفق هنا ابلغ

ان دونوں کو چھڑاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے
تھے کہ اے گروہ انصار خدا سے ڈرو تم رسول خدا کی نصرت
کرنیوالے اور انکو پناہ دینے میں اول ہو بس ایسا نہ کرو
کہ اب تم اول ہو جاؤ اس دین کو بدلنے اور تغیر کرنے میں
اب بشیر بن سعد بن النعمان بن کعب بن جراح
اٹھے اور بولے بیشک رسول اللہ قریش میں سے تھے
اور ان کی قوم امارت و خلافت کی زیادہ مستحق ہے
اور ہم لوگ اگرچہ انصار دین ہیں اور سابق الاسلام
ہیں لیکن اس اسلام سے ہمارا ارادہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی
اور اُسکے پیغمبر کی اطاعت تھی اسکا معاوضہ ہم دنیا
میں نہیں چاہتے اور نہ اس میں ہم مہاجرین سے جھگڑا کرنا چاہتے ہیں
حباب بن المنذر بولے اے بشیر قسم بخدا تو نے اپنی بخارا
سابقہ کی وجہ سے اپنے ابن عم سے غداری کی ہے اور
خود غرضی سے کام لیا ہے بشیر نے کہا یہ نہیں بلکہ میں
نہیں چاہتا کہ ان لوگوں سے ان کا حق باز رکھوں
اس پر ابوبکر نے عمر اور ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کیا کہ
ان میں سے ایک کی بیعت کی جائے لیکن ان دونوں
نے انکار کیا اور ابوبکر کی بیعت کی اور ان دونوں
سے بشیر نے ابوبکر سے بیعت کرنے میں سبقت کی
تھی اسکے بعد قبیلہ اوس نے بیعت کی کیونکہ اپنی پرانی
دشمنی کی وجہ سے خزرج کی حکومت پر راضی نہ تھے ان
ہی لوگوں میں اسید بن حضیر بھی تھے انکے بعد
بیعت کرنیوالے چاروں طرف سے ابوبکر کی بیعت
کے لیئے ٹوٹ پڑے قریب تھا کہ یہ لوگ سعد
بن عبادہ کو کچل دیں اُنکے ہمراہیوں میں سے ایک
نے کہا کہ دیکھو سعد کی حفاظت کرو اسکو قتل نہ
کرو اس پر حضرت عمر بن الخطاب بولے ہاں ضرور سعد

بشیر ابن سعد کی غداری

حباب ابن المنذر کی گفتگو

سعد بن عبادہ کا انکار بیعت و تخلف

فاعرض عمر ثم طلب سعداً فی البیعۃ فابی واشار بشیر بن سعد یترکہ و قال انہ ھو رجل واحد فاقام سعد لا یجمع معھم فی الصلوٰۃ ولا یفیض معھم فی الحدیث حتی ھلک ابوبکر۔ ونقل الطبری ان سعداً بایع یومئذٍ۔

سعد بن عبادہ کو جنوں نے قتل کردیا

وفی اخبار ھو ان لحق بالشام فلم یزل ھنالک حتی مات و ان الجن قتلتہ و ینشد ان البیتین الشھیران وھما۔

نحن قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادۃ
فرمیناہ بسھمین فلم نخط فوادہ

کو قتل کرو خدا اسے مارے جانے دیجئے ابو بکر نے کہا اے عمر نرمی سے کام لو عمر ہٹ گئے اور سعد کو بیعت کیلئے طلب کیا لیکن سعد نے انکار کیا و بشیر جو در اصل اس موقعہ پر خلیفہ گر بنے ہوئے کہ سعد کو چھوڑ دو وہ تنہا آدمی ہے پھر سعد اٹھ کر چلے گئے اور اسکے بعد وہ کبھی انکے ساتھ نماز میں شریک نہ ہوئے اور ان سے کلام کیا یہانتک کہ ابو بکر گذر گئے طبری کہتے ہیں کہ ابو بکر کے مرنے کے بعد سعد نے بیعت کر لی روایت یہ بھی ہے کہ وہ شام کی طرف چلے گئے اور وہیں رہے یہاں تک کہ انتقال کیا اور وہاں انکو جنوں نے مارا تھا اور ان کو قتل کرنے کے بعد جن یہ بیت پڑھا کرتے تھے۔

ہم نے خزرج کے سردار سعد کو قتل کیا
دو تیروں سے جو اس کے دل پر لگے

امام الفقیہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ المتوفی سنہ ۲۷۶ ہجری کی کتاب السیاست و الامامت سے ہم ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

سعد بن عبادہ کی تقریر

ذکر السقیفۃ وما جری فیھا من القول

حدثنا قال حدثنا ابن عفیر عن ابی عون عن عبد اللہ بن عبد الرحمن الانصاری رضی اللہ عنہ ان النبی علیہ السلام لما قبض اجتمعت الانصار رضی اللہ عنھم الی سعد بن عبادہ فقالوا لہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد قبض فقال سعد لابنہ قیس رضی اللہ عنھما انی لا استطیع ان اسمع الناس کلاماً لمرضی ولکن تلق منی قولی فاسمعھم فکان سعد یتکلم ویحفظ ابنہ رضی

ذکر سقیفہ اور جو گفتگو وہاں ہوئی

راوی مذکور نے بیان کیا کہ اس سے بیان کیا ابن عفیر نے اور اس نے سنا ابو عون سے اور ابو عون نے سنا عبد اللہ بن عبد الرحمن الانصاری رضی اللہ عنہ سے کہ جناب رسول خدا نے رحلت فرمائی تو گروہ انصار سعد بن عبادہ کے گرد جمع ہوئے اور انکو اطلاع دی کہ جناب رسول خدا نے رحلت فرمائی سعد نے اپنے بیٹے قیس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھ میں تو بسبب مرض کے ان لوگوں سے کلام کرنے کی طاقت نہیں لیکن تو مجھ سے میرا قول سن لے اور انکو باواز بلند سنا دے پس سعد بن عبادہ اپنے بیٹے قیس سے آہستہ سے کہتے جاتے تھے اور انکا بیٹا بلند آواز

اللہ عنہما قولہٗ فیرفع صوتہ لکن
یسمع قومہ فکان مما قال رضی اللہ
عنہ بعد ان حمد اللہ تعالیٰ و اثنیٰ علیہ
یا معشر الانصار ان لکم سابقۃ فی
الدین و فضیلۃ فی الاسلام لیست لقبیلۃ
من العرب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لبث فی قومہ بضع عشرۃ
سنۃ یدعوھم الی عبادۃ الرحمٰن
وخلع الاوثان فما آمن بہ من قومہ
الا قلیل واللہ ما کانوا یقدرون ان یمنعوا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یعرفوا
دینہ ولا یدفعوا عن انفسھم حتی
اراد اللہ تعالیٰ لکم الفضیلۃ وساق
الیکم الکرامۃ وخصکم بالنعمۃ
ورزقکم الایمان بہ وبرسولہ صلی
اللہ علیہ وسلم والمنع لہ ولاصحابہ
والاعزاز لدینہ والجھاد لاعدائہ
فکنتم اشد الناس علیٰ من
تخلف عنہ منکم واثقلہ علی
عدوکم من غیرکم حتی استقاموا
لامر اللہ تعالیٰ طوعاً و کرھاً واعطی
البعید المقادۃ صاغراً داخراً حتی
اثخن اللہ تعالیٰ لنبیہ بکم الارض
ودانت باسیافکم لہ العرب توفاہ
اللہ تعالیٰ وھو راض عنکم قریر
العین فشدوا ایدیکم بھذا الامر
فانکم احق الناس واولاھم بہ

سے لوگوں کو سُنا دیتا تھا کہ تمام قوم سُن لے پس سعد
ابن عبادہ نے بعد حمد و ثنا باری تعالیٰ کہا کہ اے گروہ
انصار تم کو دین میں سبقت حاصل ہے اور فضیلت ہے
اسلام میں جو کہ عرب کے کسی اور قبیلہ کو نہیں ہے کیونکہ
جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں بارہ
سال تک تبلیغ رسالت کرتے رہے اور ان کو خداوند
تعالےٰ کی عبادت کی طرف بلاتے رہے اور بتوں
کی پرستش سے ہٹاتے رہے مگر ان کی قوم میں سے
صرف قلیل لوگ ایمان لائے بقسم خدائے عز و جل
انہیں اتنی قدرت نہ تھی کہ وہ رسول خدا کی حمایت
کرتے اور ان کو عزت کیساتھ رکھتے و آنحضرت کے
دین سے نا واقف تھے اور دشمنوں کو اپنے سے دور نہیں کر
سکتے تھے یہاں تک کہ خداوند تعالےٰ نے ارادہ کیا کہ
تمہیں فضیلت بخشے اور کرامت پہنچائے اور اپنی نعمت
سے تم کو مخصوص کیا اور تم کو ایمان عطا کیا اور تمہیں حضرت
کو اور انکے اصحاب کو عزت کے ساتھ رکھنے کی
کرامت عطا کی اور تمہیں توفیق بخشی کہ تم انکے دین کو
قوی کرو اور انکے دشمنوں سے جہاد کرو پس تم اپنے میں
سے ان لوگوں پر کہ جنہوں نے آنحضرت کی مخالفت کی
سخت تر ہی تھے اور جو غیر لوگ دشمن تھے انکے خلاف
بھی تم نے آنحضرت کی حمایت کی یہانتک کہ امر خدا
کو استقامت حاصل ہوئی اور خداوند تعالےٰ نے تمہاری
مدد سے اپنے نبی کے لئے ملک کو مسخر کیا اور اہل عرب
تمہاری تلواروں کی مدد سے مغلوب ہوئے اور پھر خداوند
تعالےٰ نے اپنے نبی کو اپنے پاس بُلا لیا اور بوقت
رحلت وہ تم سے راضی تھے پس اس امر خلافت کیلئے
اپنے ہاتھوں کو مضبوط کر لو کیونکہ تمام لوگوں میں سے تم سب سے

فاجابوہ جمیعاً ان قد وفقت فی الرائ واصبت فی القول ولھی بعد ذلک ما رایت بتولینک ھذا الامر فانت مقنع ولصالح المومنین رضی قال فاتی الخبر الی ابی بکر رضی اللہ عنہ ففزع اشد الفزع وقام ومعہ عمر رضی اللہ عنھما فخرجا مسرعین الی سقیفۃ بنی ساعدہ فلقیا ابا عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ فانطلقوا رضی اللہ عنھم جمیعاً حتّٰی دخلوا سقیفۃ بنی ساعدہ وفیھا رجال من الاشراف معھم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ فاراد عمر رضی اللہ عنہ ان یبدأ بالکلام وقال خشیت ان یقصر ابو بکر رضی اللہ عنہ عن بعض الکلام فلمّا تیسّر عمر للکلام تجھز ابو بکر رضی اللہ عنہ وقال لہ علی رسلک فستکفی الکلام فتشھد ابو بکر رضی اللہ عنہ وانتصب لہ الناس فقال انّ اللہ جلّ ثناؤہ بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بالھدیٰ ودین الحق فدعا الی الاسلام فاخذ اللہ تعالیٰ بنواصینا وقلوبنا الی ما دعا الیہ فکنا معشر

زیادہ اس امر خلافت کے اہل و مستحق ہو تمام گروہ انصار نے اس کی اس بات کو قبول کیا اور کہا کہ تیری رائے بہت صائب ہے اور اس امر خلافت کی سرداری کیلئے تو نہایت موزوں ہے اور اسکے لئے ہر طرح سے قابل ہے یہ خبر حضرت ابوبکر کو پہنچائی گئی تو آپ بہت روئے اور جزع فزع کی اور اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمر ان کے ساتھ تھے پس وہ دونوں بہت تیزی کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چلے عبیدہ بن الجراح مل گئے پس تینوں مل کر چلے یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں داخل ہوئے اور وہاں بہت سے لوگ جمع تھے اور انہیں سعد بن عبادہ بھی تھے۔ حضرت عمر نے ارادہ کیا کہ کلام شروع کریں اور وہ بعد میں کہا کرتے تھے میں ڈرا کہ کہیں ابوبکر کلام میں کوتاہی کریں پس جب عمر کلام کرنے کے لئے آمادہ تھے تو حضرت ابوبکر تیار ہو گئے اور حضرت عمر سے کہا کہ تم ذرا چپ رہو۔ پس ابوبکر نے کلمہ شہادت ادا کیا اور لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے فرمایا بتحقیق کہ خدائے عز و جل نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث کیا۔ پس انہوں نے اسلام کی طرف لوگوں کو بلایا تو خداوند تعالیٰ نے ہماری پیشانیوں اور دلوں کو ان کی طرف مائل کر دیا۔ پس ہم گروہ مہاجرین سب سے پہلے اسلام لائے جو اسکے بعد اسلام لائے انہوں نے ہماری پیروی کی اور ہم رسول خدا کے قرابت دار ہیں اور نسب کے لحاظ سے ہم اوسط العرب ہیں۔ عرب کا کوئی قبیلہ نہیں لیکن یہ کہ اس میں قریش

حضرات ثلثہ سقیفہ میں داخل ہو گئے

حضرت ابوبکر کی تقریر

المهاجرين اوّل الناس اسلاماً والنّاس
لنا فيه تبع ونحن عشيرة رسول الله
صلى الله عليه وسلم ونحن مع
ذلك اوسط العرب انساباً ليست
قبيلة من القبائل العرب الّا و
لقريش فيها ولادة وانتم ايضاً والله
الذين اٰووا ونصروا وانتم وزراءُنا
في الدين ووزراء رسول الله صلى
الله عليه وسلم وانتم اخواننا في كتاب
الله تعالى وشركاءُنا في دين الله عزّ و
جلّ وفيما كنّا فيه من سراء وضراء
والله ما كنّا في خير قط الّا كنتم معنا
فيه فانتم احبّ النّاس الينا واكرمهم
علينا واحق النّاس بالرضى بقضاء
الله تعالى والتسليم لامر الله عزّو
جلّ لما ساق لكم ولاخوانكم
المهاجرين رضی الله عنهم واحق
النّاس فلا تحسدوهم وانتم
الموثرون على انفسهم حين
الخصاصة والله ما زلتم تؤثرون
اخوانكم من المهاجرين وانتم
احق النّاس ان لا يكون هذا الامر
واختلافه على ايديكم وابعد
ان لا تحسدوا اخوانكم على خير ساقه
الله تعالى اليهم وانما ادعوكم الى
ابي عبيدة او عمر وكلاهما قد
رضيت لكم ولهذا الامر وكلاهما

کے لئے ولادۃ نہ ہو۔ یعنی ہر ایک قبیلہ میں
قریش کا اثر اور ان کے آدمی موجود ہیں اور
تم بھی قسم خدا کی وہ ہو جنہوں نے پناہ دی
ونصرت کی اور تم دین میں ہمارے وزیر ہو اور
تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر ہو
اور تم کتاب خدا کی رو سے ہمارے بھائی ہو اور
دین خدا میں ہمارے شریک ہو۔ اور ہمارے ساتھ
سختی و نرمی میں رہے ہو۔ قسم خدا کی کوئی چیز
نہ تھی کہ جس میں تم ہمارے ساتھ نہ تھے۔
تمام لوگوں کی نسبت تم ہمارے بہت زیادہ
محبوب ہو اور سب سے زیادہ مکرم ہو
سب سے زیادہ رضائے خدا میں راضی
رہنے والے اور اسکے حکم کی اطاعت کرنے
والے تھے۔ جب کہ خداوند تعالے نے
مہاجرین کو تمہارے پاس بھیجا۔ پس
اب تم مہاجرین پر حسد نہ کرو اور تم ان کی مدد
کرو۔ اور تم ہمیشہ اپنے مہاجرین بھائیوں
کی مدد کرتے رہے ہو۔ اور سب لوگوں
سے زیادہ تم اس بات کے مستحق ہو کہ اس
امر میں تمہاری وجہ سے اختلاف نہ
ہو اور تم اپنے بھائیوں پر اس خیر و برکت
کی وجہ سے حسد نہ کرو جو خداوند تعالے
نے انہیں عطا کی ہے اور اب میں تم کو بلاتا
ہوں۔ ابو عبیدہ یا عمر کی اطاعت کی طرف
میں نے ان دونوں کو تمہارے لئے اور اس
امر خلافت کیلئے پسند کیا ہے۔ اور دونوں اسکے
لئے موزوں ہیں۔ ان دونوں نے کہا کہ اے ابوبکر

انصار کا جواب

له اهل فقال عمر و ابو عبیدة رضی
الله عنهما ما ینبغی لاحد من الناس
ان یکون فوقك یا ابا بکر انت
صاحب الغار ثانی اثنین وامرك
رسول الله صلی الله علیه وسلم
بالصلوٰة فانت احق الناس بهذا
الامر فقال الانصار والله ما نحسدکم
علی خیر ساقه الله الیکم وانا لکما و
صفت یا ابا بکر والحمد لله ولا احد
من خلق الله احب الینا منکم ولا
ارضی عندنا ولا ایمن ولکنا
نشفق مما بعد الیوم ونحذر ان
یغلب علی هذا الامر من لیس منا
ولا منکم فلو جعلتم الیوم رجلاً منا و
رجلاً منکم بایعنا ورضینا علی انه
اذا هلك اخترنا آخر من الانصار واذا
هلك اخترنا آخر من المهاجرین
ابداً ما بقیت هذه الامة کان ذلك
اجدر ان یعدل فی امة محمد صلی الله
علیه وسلم وان یکون بعضنا یتبع
بعضاً فیشفق القرشی ان یترفع
فینقض علیه الانصاری ویشفق الا
نصاری ان یترفع فینقض علیه القرشی
فقام ابوبکر فحمد الله واثنی علیه وقال
ان الله تعالیٰ بعث محمداً صلی الله علیه
وسلم رسولاً الی خلقه وشهیداً علی
امته لیعبدوا الله ویوحدوه وهم اذ

[illegible]

لوگوں میں سے کسی کے لیئے موزوں نہیں ہے
کہ وہ تمہارے اوپر فوقیت رکھے تم صاحب غار
ہو۔ دو میں کے ایک ہو۔ رسول خداوند تعالیٰ
نے تمہیں نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ سب لوگوں
سے زیادہ تم خلافت کے مستحق ہو۔ انصار
نے کہا کہ قسم خدا کی ہم تم پر کسی نیکی کی وجہ سے
حسد نہیں کرتے جو خداوند تعالیٰ نے تم کو
پہنچائی ہو۔ اور تمام خلق خدا میں تم سے
زیادہ ہمیں کوئی محبوب نہیں ہے اور نہ ہم
کسی اور پر تم سے زیادہ خوش ہیں لیکن ہم
ڈرتے ہیں کہ اس کے بعد اس امر خلافت
کو کوئی ایسا شخص نہ حاصل کر لے جو نہ ہم میں
سے ہو اور نہ تم میں سے ہو اور اگر تم آج ایک
حاکم ہم میں سے اور ایک اپنے میں سے لے لو
تو ہم بیعت کر لیں اور راضی ہو جائیں اس امر
پر کہ اگر ایک انصار میں کا حاکم ہلاک ہو جائے
تو دوسرا انصار میں سے منتخب کر لیا جائے اور
اگر مہاجرین میں کا حاکم ہو جائے تو ان میں سے
ایک منتخب کر لیا جائے اور یہ سلسلہ ہمیشہ تک
قائم رہے جب تک کہ یہ امت باقی ہے اور یہ
مناسب ہے کہ امت محمدیہ میں اس طرح عدل
کیا جائے برعکس اس کے اگر قریشی کو حکومت
مل گئی تو انصاری اس کی مخالفت کرے گا۔
پس حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے اور بعد حمد و ثنا باری
تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کو مبعوث کیا اور انکی امت پر انکو گواہ مقرر کیا تاکہ خداوند
تعالیٰ کی عبادت کریں اور اسکو خالق جانیں ... وہ اس زمانہ میں

[illegible]

ذاك يعبدون الهة شتى يزعمون
انها لهم شافعة وعليهم بالغة نافعة
وانما كانت حجارة منحوتة وخشبا
منجورة فاقرؤا ان شئتم (انكم وما
تعبدون من دون الله ويعبدون
من دون الله ما لا ينفعهم ولا يضرهم
ويقولون هؤلاء شفعاؤنا عند الله و
قالوا ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله
زلفى) فعظم على العرب ان يتركوا دين
اباءهم فخص الله تعالى المهاجرين
الاولين رضى الله عنهم بتصديقه
والايمان به والمواساة والصبر معه
على الشدة من قومهم واذلالهم
وتكذيبهم اياهم وكل الناس مخالف
عليهم زار لهم فلم يستوحشوا قلة
عددهم وازدراء الناس لهم واجتماع
قومهم عليهم فهم اول من عبد الله
فى الارض واول من امن بالله تعالى
ورسوله صلى الله عليه وسلم وهم
اولياؤه وعشيرته واحق الناس بالا
مر من بعده لا ينازعهم فيه الا ظالم
وانتم يا معشر الانصار من لا ينكر
فضلهم ولا النعمة العظيمة لهم فى
الاسلام رضيكم الله تعالى انصارا
لدينه ولرسوله وجعل اليكم مهاجرة
فليس بعد المهاجرين الاولين احد
عندنا بمنزلتكم فنحن الامراء وانتم

مختلف خداؤں کی پرستش کرتے تھے اور گمان
کرتے تھے کہ وہ سب خداوندان انکی شفاعت
کرینگے اور انہیں نفع پہنچائیں گے حالانکہ وہ تراشے
ہوئے پتھر اور رندہ کی ہوئی لکڑیاں تھیں پس
رجوع کرو تم آیہ انکم وما تعبدون من دون اللہ
آخر آیتہ کی طرف۔ پس اہل عرب کو برا معلوم ہوا
کہ اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کریں پس خداوند
تعالےٰ نے مہاجرین کو مخصوص کر لیا ایسے وقت
میں اس کے نبی کی تصدیق کریں اس پر ایمان
لائیں اور جو ایذائیں انکی قوم پہنچائے ان پر صبر
کریں تمام قوم ان کی تکذیب و تحقیر کرتی تھی
اور تمام لوگ ان کے مخالف ہو گئے تھے لیکن
وہ باوجود اپنی قلتِ تعداد کے اور قوم کے غلبہ کے نہ
گھبرائے پس پہلے وہ لوگ ہیں جنہوں نے زمین پر
خدا کی عبادت کی اور پہلے جو خدا و رسول کیساتھ
ایمان لائے اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کے اولیاء و قرابت دار ہیں و راس امر خلافت کے
سب سے زیادہ مستحق ہیں انکے ساتھ کوئی تنازعہ نہیں
کرے گا۔ لیکن وہ کہ جو ظالم ہوگا اور تم اے معاشر
انصار وہ ہو جن کی فضیلت کا انکار نہیں ہو
سکتا اور نہ اس نعمت کا جو تمہیں اسلام میں
حاصل ہے اللہ تعالےٰ نے تمہیں اپنے دین
و اپنے رسول کا انصار بنایا ہے اور
تمہاری طرف اپنے رسول کی ہجرت قرار
دی ہے پس مہاجرین اولین کے بعد منزلت
میں ہمارے نزدیک تم سے زیادہ اور کوئی نہیں
ہے پس ہم امیر ہیں اور تم وزیر ہو ہم جو کام کرینگے اور

حباب ابن منذر کی تقریر

الوزراء لا نفتات دونکم بمشورة
ولا تنقضی دونکم الامور فقام
الحباب بن المنذر بن زید بن
حرام رضی اللّٰہ عنہ فقال یا معشر
الانصار املکوا علی ایدیکم فانّما
النّاس فی فیئکم وظلالکم و لن
یجیر علی خلافکم ولن یصدر النّاس
الّا عن رایکم انتم اھل العزّ والثروة
واولو العدد والنجدة وانما ینظر
النّاس ما تصنعون فلا تختلفوا
فیفسد علیکم رایکم وتقطعوا
امورکم انتم اھل الایواء والیکم
کانت الھجرة ولکم فی السّابقین
الاولین مثل ما لھم وانتم اصحاب
الدار والایمان من قبلھم واللّٰہ ما
عبد اللّٰہ علانیة الّا فی بلادکم و
لا جمعت الصّلوٰة الا فی مساجدکم
ولا دانت العرب للاسلام الا باسیا
فکم فانتم اعظم النّاس نصیبًا فی ھذا
الامر وان ابی القوم فمنا امیر ومنھم
امیر فقام عمر رضی اللّٰہ عنہ فقال

حضرت عمر کی تقریر

ھیھات لا یجتمعان سیفان فی
غمد واحد انّہ واللّٰہ لا ترضی
العرب ان تومرکم ونبیّھا من
غیرکم ولکنّ العرب لا ینبغی ان
تولّی ھذا الامر الّا من کانت
النبوّة فیھم واولی الامر منھم

جو امور طے کرینگے وہ تمہاری صلاح و مشورہ
سے ہوا کرینگے۔ اس کے بعد حباب بن منذر
بن زید بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے
اور کہا اے گروہ انصار اپنے ہاتھوں پر قابو
رکھو یہ لوگ تمہاری حمایت میں اور تمہارے
سایہ کے نیچے ہیں اور ان میں طاقت نہیں ہے
کہ تمہاری مخالفت کریں تم لوگ اہل عزت و
ثروت ہو تمہاری تعداد زیادہ ہے تم صاحب
بزرگی ہو اور لوگوں کی نظریں تم پر لگی ہوئی ہیں
کہ تم کیا کرتے ہو پس تم آپس میں مخالفت نہ کرو
تاکہ تمہارے مشورہ میں فساد نہ پڑ سکے ورنہ تمہارے امور
ناکامیاب ہو جائیں تم پناہ دینے والے ہو اور تمہاری
طرف رسول خدا کی ہجرت ہوئی اور تم بھی سابقین
میں سے ہو جیسا کہ مہاجرین ہیں اور تم ان سے پہلے
صاحب خانہ اور صاحب ایمان ہو قسم خدا کی انہوں نے
خدا کی عبادت علانیہ نہیں کی لیکن تمہارے شہر میں
اور نماز جامع کہیں نہیں ہوئی لیکن تمہاری مسجدوں
میں عرب اسلام کے لئے مغلوب نہیں ہوئے مگر
تمہاری تلواروں سے پس تمہارا حصہ اس امر
خلافت میں سب سے زیادہ ہے اور اگر یہ لوگ انکار
کریں۔ تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک ان لوگوں
میں سے ہو اب حضرت عمر کھڑے ہوئے اور کہا افسوس
ہے دو تلواریں ایک نیام میں جمع نہیں ہو سکتیں
اور عرب اسکو گوارا نہ کریں گے کہ تم ان پر حکومت
کرو در آنحالیکہ ان کا نبی تم میں سے نہیں تھا
قطعاً یہ ضروری ہے کہ اس امر خلافت کے وہ
لوگ والی و حاکم ہوں جن میں نبوت تھی اور ہم میں سے

لنا بذالك على من خالفنا من العرب الحجة الظاهر والسلطان المبين من ينازعها سلطان محمد وميراثه ونحن اولياؤه وعشيرته الا مدل بباطل او متجانف لاثم او متورط فى هلكة فقام الحباب بن المنذر رضى الله عنه فقال يا معشر الانصار املكوا على ايديكم ولا تسمعوا مقالة هذا واصحابه فيذهبوا بنصيبكم من هذا الامر فان ابوا عليكم ما سألتم فاجلوهم عن بلادكم وولوا عليكم وعليهم من اردتم فانتم والله اولى بهذا الامر منهم فانه دان لهذا الامر من لم يكن يدين له باسيافنا اما والله ان شئتم لنعيدنها جذعة والله لا يرد على احد ما اقول الا حطمت انفه بالسيف قال عمر بن الخطاب فلما كان الحباب هو الذى يجيبنى لم يكن لى معه كلام لانه كان بينى وبينه منازعة فى حيات رسول الله صلى الله عليه وسلم فنهانى عنه فحلفت ان لا اكلمه كلمة تسوءه ابدا ثم قام ابو عبيدة فقال

نبی کا ہونا ہمارے مخالفین کے اوپر حجت ظاہر اور دلیل باہرہ ہے ہم سے محمد کی حکومت و میراث کے لیئے کون تنازعہ کر سکتا ہے درانحالیکہ ہم آنحضرتؐ کے اولیا قرابت دار ہیں۔ جو ہم سے اس امر میں تنازعہ کریگا وہ ظالم و گنہگار ہوگا۔ اور ورطہ ہلاکت میں پڑیگا۔ اب حباب ابن منذر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا اے معشر انصار اپنے ہاتھوں پر قابو رکھو اور اس شخص اور اسکے ساتھیوں کی باتوں کو نہ سنو ورنہ اس امر خلافت میں سے تمہارا حصہ جاتا رہے گا۔ اگر یہ اس سے انکار کریں جو تم چاہتے ہو تو تم ان کو اپنے شہر سے نکال باہر کرو اور پھر اپنے اوپر اور ان لوگوں پر اس شخص کو حاکم بنا دو جس کو تم چاہتے ہو کیونکہ قسم بخدا تم اس امر کے مستحق ہو۔ کیونکہ اس امر کو تم نے اپنی تلواروں سے حاصل کیا ہے قسم بخدا اگر تم چاہو تو ہم پھر اس کو پہلے کی طرح کر دیں میرے قول کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا جو کریگا اس کو تلوار سے جواب دونگا اس پر عمر بن الخطابؓ نے کہا کہ یہ حباب ابن منذر ہے جو میری بات کا جواب دے رہا ہے میرے لیئے ممکن نہیں کہ میں اس کی مخالفت کروں کیونکہ ایک دفعہ زمانہ حیات رسول میں میرے اور اس کے درمیان تنازعہ ہو گیا تھا تو رسول خدا نے مجھے منع کر دیا اور میں نے قسم کھائی ہے کہ اب میں کبھی ایسی بات نہ کہوں گا جو اسکو بری لگے۔ پھر ابو عبیدہ کھڑے ہوئے اور کہا اے گروہ انصار تم وہ ہو۔ جنہوں نے سب سے

حباب ابن المنذر کا خطاب

[illegible]

یا معشر الانصار انتم اول من نصر و آوی فلا تکونوا اول من یبدل و یغیر۔

پہلے نصرت کی اور پناہ دی۔ پس تم اس کو سب سے پہلے تغیر و تبدیل کرنے والے نہ بنو۔

مخالفۃ قیس (بشیر) بن سعد

قال وان قیس لما رای ما اتفق علیہ قومہ من تامیر سعد بن عبادۃ قام حسدا لسعد وکان قیس (بشیر) من سادات الخزرج فقال یا معشر الانصار اعلموا اللہ لئن کنا اولی الفضیلۃ فی جہاد المشرکین والسابقۃ فی الدین ما اردنا ان شاء اللہ غیر رضا ربنا و طاعۃ نبینا والکرم لانفسنا وما ینبغی ان نستطیل بذالک علی الناس ولا نبتغی بہ غرضا من الدنیا فان اللہ تعالیٰ ولی النعمۃ والمنۃ علینا بذلک ثم ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجل من قریش وقومہ احق بمیراثہ وتولی سلطانہ ایم اللہ لا یرانی اللہ انازعہم ھذا الامر ابدا فاتقوا اللہ ولا تخالفوھم ولا تخادعوھم۔

بشیر ابن سعد کی انصار سے مخالفت علیحدگی

مخالفت قیس (بشیر) ابن سعد

راوی کہتا ہے کہ جب قیس (بشیر) نے دیکھا کہ تمام قوم سعد ابن عبادہ کو امیر بنانے پر متفق ہے تو وہ سعد ابن عبادہ کی مخالفت پر حسد کی وجہ سے آمادہ ہوا اور قیس (بشیر) سرداران خزرج میں سے تھا اس نے کہا کہ اے گروہ انصار جبکہ جہاد میں ہم صاحب فضیلت ہیں اور دین میں سبقت رکھنے والے ہیں لہٰذا ہم کو چاہیئے کہ سوائے رضائے ربی و طاعت نبی کے اور کچھ خود غرضی سے کام نہ لیں یہ ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے اوپر اس معاملہ کو طول دیں اور نہ ہمارے لئے یہ مناسب ہے کہ ہم دنیاوی غرض اس امر میں ظاہر کریں کیونکہ خداوند تعالیٰ نے یہ نعمت و احسان ہمارے اوپر کیا ہے یہ ظاہر ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں سے تھے لہٰذا ان کی قوم ان کی میراث لینے کی مستحق اور انکے بجائے حکومت کرنے کی زیادہ سزاوار ہے مجھے یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ اس امر میں انکے ساتھ تنازع کروں۔ خدا سے ڈرو انکی مخالفت نہ کرو اور نہ انکو دھوکہ دو

بشیر کی تقریر

بیعۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

قال ثم ان ابا بکر قام علی الانصار فحمد اللہ تعالیٰ واثنی علیہ ثم دعاھم الی الجماعۃ ونہاھم عن الفرقۃ وقال

بیعت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

راوی کہتا ہے کہ پھر ابوبکر کھڑے ہوئے اور بعد حمد و ثنائے الٰہی کے انصار کو جماعت کی طرف بلایا اور فرقہ بندی سے روکا اور کہا کہ میری یہ نصیحت ہے

حضرت ابوبکر کی بیعت

انی ناصح لکم فی احد ھٰذین الرجلین
ابی عبیدۃ بن الجراح او عمر فبایعوا
من شئتم منہما فقال عمر معاذ اللہ
ان یکون ذلک وانت بین اظہرنا انت
احقنا بھذا الامر واقدمنا صحبۃ لرسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافضل منا
فی المال وانت افضل المہاجرین و
ثانی اثنین وخلیفتہ علی الصلوٰۃ
والصلوٰۃ افضل دین اسلام فمن
ذا ینبغی ان یتقدمک ویتولی ھذا
الامر علیک ابسط یدک ابایعک فلما
ذھبا یبایعانہ سبقہما الیہ قیس
(بشیر) الانصاری فبایعہ فناداہ الحباب
بن المنذر یا قیس (بشیر) بن سعد
عاقتک عاق ما اضطرک الی ما
صنعت حسدت ابن عمک علی
الامارۃ قال لا واللہ ولکنی کرھت
ان انازع قوما حقا لھم فلما رات
الاوس ما صنع قیس (بشیر) بن
سعد وھو من سادات الخزرج
وما دعوا الیہ المہاجرین من
قریش وما تطلب الخزرج من
تامیر سعد بن عبادۃ قال بعضہم
لبعض وفیہم اسید بن حضیر رضی
اللہ عنہ لئن ولیتموھا سعدا علیکم
مرۃ واحدۃ لازالت لھم بذلک
علیکم الفضیلۃ ولا جعلوا لکم

کہ تم ان دونوں میں سے ایک سے بیعت کر لو ابو
عبیدۃ الجراح یا عمر۔ عمر نے کہا معاذ اللہ یہ کیسے
ہو سکتا ہے درآنحالیکہ آپ ہمارے درمیان موجود
ہیں آپ اس امر کے ہم سے زیادہ مستحق ہیں اور ہم
سے پہلے آپ کو صحبت رسول حاصل ہوئی اور مال
میں ہم سب سے زیادہ مہاجرین میں سے بہتر ہو
دو میں کے ایک ہو۔ آپ نے نماز پڑھائی اور نماز
دین اسلام کا افضل جزو ہے کس کے لئے جائز
ہے کہ تم سے آگے بڑھے اور خلافت حاصل کرے
اپنا ہاتھ تو بڑھایئے میں بیعت کرتا ہوں۔ عمر و
ابو عبیدہ بیعت کرنے کے لئے آگے بڑھے
ان دونوں سے پہلے قیس (بشیر) انصاری نے
جھپٹ کر بیعت کر لی۔ حباب ابن المنذر نے
اس کو ندا دی کہ اے قیس (بشیر) چھوڑنے والے نے
تجھے چھوڑ دیا یعنی تو قبیلہ سے عاق کر دیا گیا کس
نے تجھ کو اس امر پر مجبور کیا کہ تو وہ کرے جو تو نے کیا
اپنے ابن عم سعد بن عبادہ پر حسد کیا اس نے جواب
دیا نہیں قسم ہے خدا کی میں نے اس امر سے کراہت کی
کہ اس قوم کے ساتھ تنازعہ کروں جو اس امر کے
مستحق ہیں۔ جب قبیلہ اوس کے لوگوں نے دیکھا
کہ قیس (بشیر) ابن سعد نے جو بنو خزرج کے سرداروں
میں سے تھا بیعت کر لی اور یہ دیکھا کہ مہاجرین
کیا چاہتے ہیں اور یہ دیکھا کہ خزرج سعد ابن
عبادہ کو امیر بنانا چاہتے ہیں تو ان میں سے چند
لوگ آپس میں کہنے لگے اور اسید بن حضیر ان میں
سے ایک تھا کہ اگر تم ایک دفعہ سعد کو اپنا امیر بنا لو گے
تو پھر ہمیشہ خزرج کو یہ فضیلت تم پر رہے گی اور تم کو اس